اولیائے ہند اور مُسلمانوں کی عظمت کے نشان

دہلی کی کہانی

تصاویر کی زبانی

ہندوستان میں قدیمی رُوحانی مقامات کے علاوہ مُسلمان حکمرانوں
کی تعمیر کردہ عمارات اور یادگاریں
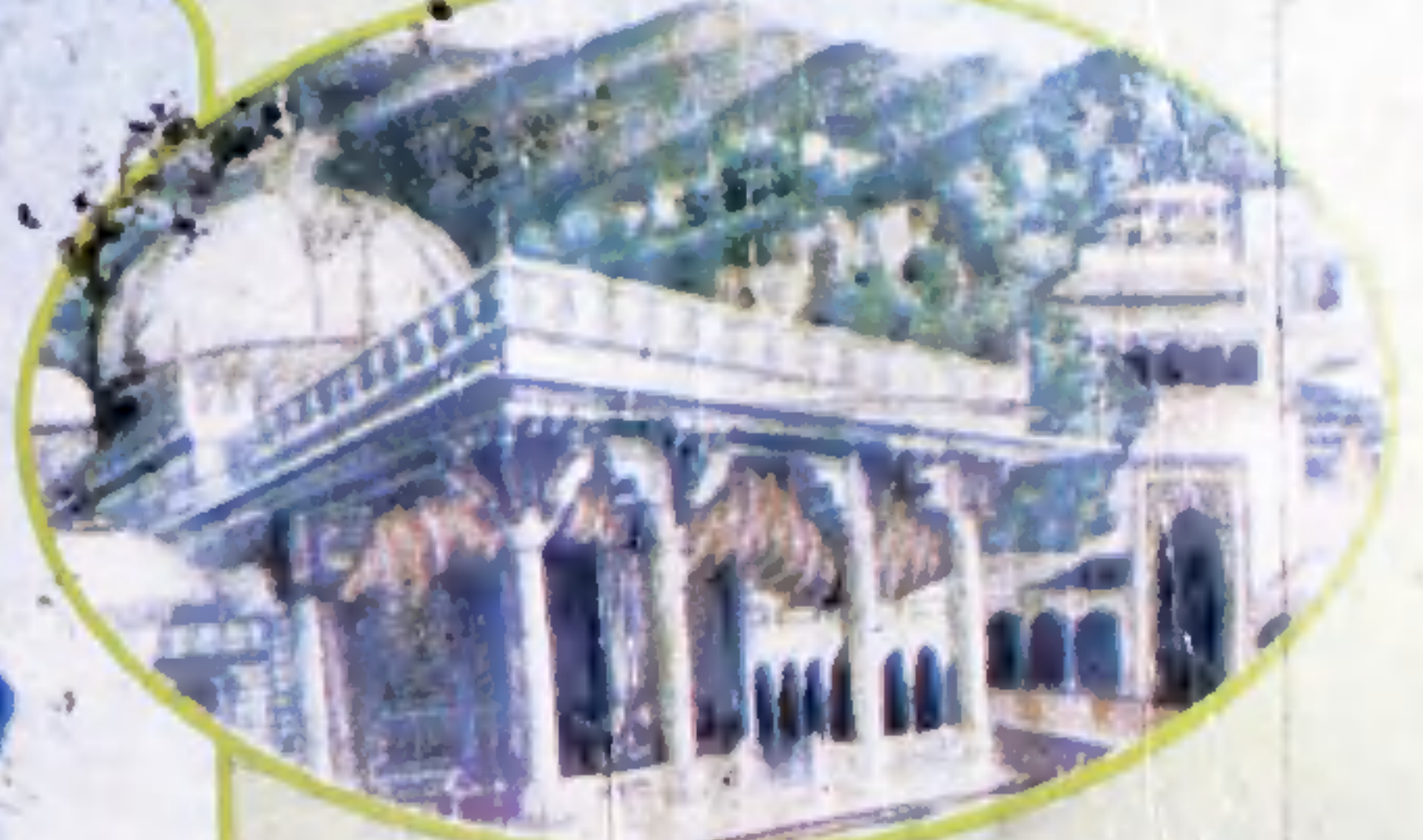
سلسلہ وار
چھٹی اشاعت

مُصنّف
ایم زمان کھوکھر
ایڈووکیٹ افغان گجرات

دلوں کے حکمران

ہندوستان کے اولیائے کرام اور مسلمانوں کے عہد حکومت میں
تعمیر ہونے والی تاریخی، روحانی مقامات اور شہنشاہوں کی تفصیل

اولیائے ہند اور
مسلمانوں کی عظمت کے نشان (باتصویر)
دہلی کی کہانی تصاویر کی زبانی

مصنف

ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ

(نشان گجرات، ادبی ایوارڈ طلائی تمغہ)

یاسر اکیڈمی بالمقابل سیشن کورٹ کچہری روڈ، گجرات پنجاب پاکستان

فون: 27654

یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے۔

پہلا حصہ

اولیائے ہند

دوسرا حصہ

مسلمانوں کی عظمت کے نشان

تیسرا حصہ

دہلی کی کہانی تصاویر کی زبانی

تحریر و فوٹوگرافی

ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ

نام کتاب : اولیائے ہند، مسلمانوں کی عظمت کے نشان، دہلی کی کہانی تصاویر کی زبانی

ناشر : یاسر اکیڈمی بالمقابل سیشن کورٹ، کچہری روڈ گجرات فون: 27645

سن اشاعت : ۲۰۰۰ء

تعداد : 500 قیمت 350/- روپے

کمپوزنگ : میاں کمپوزنگ سنٹر ضلع کچہری گجرات

مطبع : روزن پرنٹنگ پریس ریلوے روڈ گجرات

ٹائٹل : ایم۔اے ربانی، گجرات

سرورق : تاج محل آگرہ، روضہ مبارک حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اجمیر شریف،
روضہ مبارک حضرت علاؤالدین علی احمد صابرؒ کلیر شریف،
مقبرہ صفدر جنگ دہلی، مقبرہ شہنشاہ ہمایوں دہلی، قطب مینار دہلی،
لال قلعہ دہلی ہندوستان۔

09-11-02

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار

باب اول

اولیائے ہند

باب دوم

تاثرات

خدا کی شان جتنے اولیائے کرام پاکستان میں ہیں اسی قدر ہندوستان میں ہیں یہاں حضرت داتا گنج بخشؒ ہیں تو ہندوستان میں خواجہ معین الدین چشتی" اجمیری ہیں وہاں خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ ہیں تو یہاں حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ ہیں، ان کا فیض حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب سبحانیؒ دہلی ہندوستان کو منتقل ہوا۔ حضرت باقی باللہؒ "حضرت مجدد الف ثانیؒ" بھی ہندوستان میں ہیں۔ پاکستان میں حضرت لعل شہباز قلندرؒ ہیں تو ہندوستان کے شہر پانی پت میں حضرت بو علی شاہ قلندرؒ پاک کے علاوہ حضرت علاؤالدین احمد صابرؒ کلیر شریف میں ہیں۔ گویا دونوں ملکوں میں ہزاروں اولیائے کرامؒ نے رشد وہدایت کی شمع روشن کر رکھی ہیں۔ دونوں ملکوں کے باشندوں کا رہن سہن، شکل وصورت تقریباً ملتی جلتی ہے ساڑھی کی بجائے شلوار قمیض خواتین میں مقبول ہو رہی ہے۔ دونوں ملکوں کے باشندوں کے مسائل ایک جیسے ہیں ایک دوسرے کے بارے میں پیار و محبت کے جذبات رکھتے ہیں، سال بھر میں ہندوؤں کے 365 تہوار ہوتے ہیں
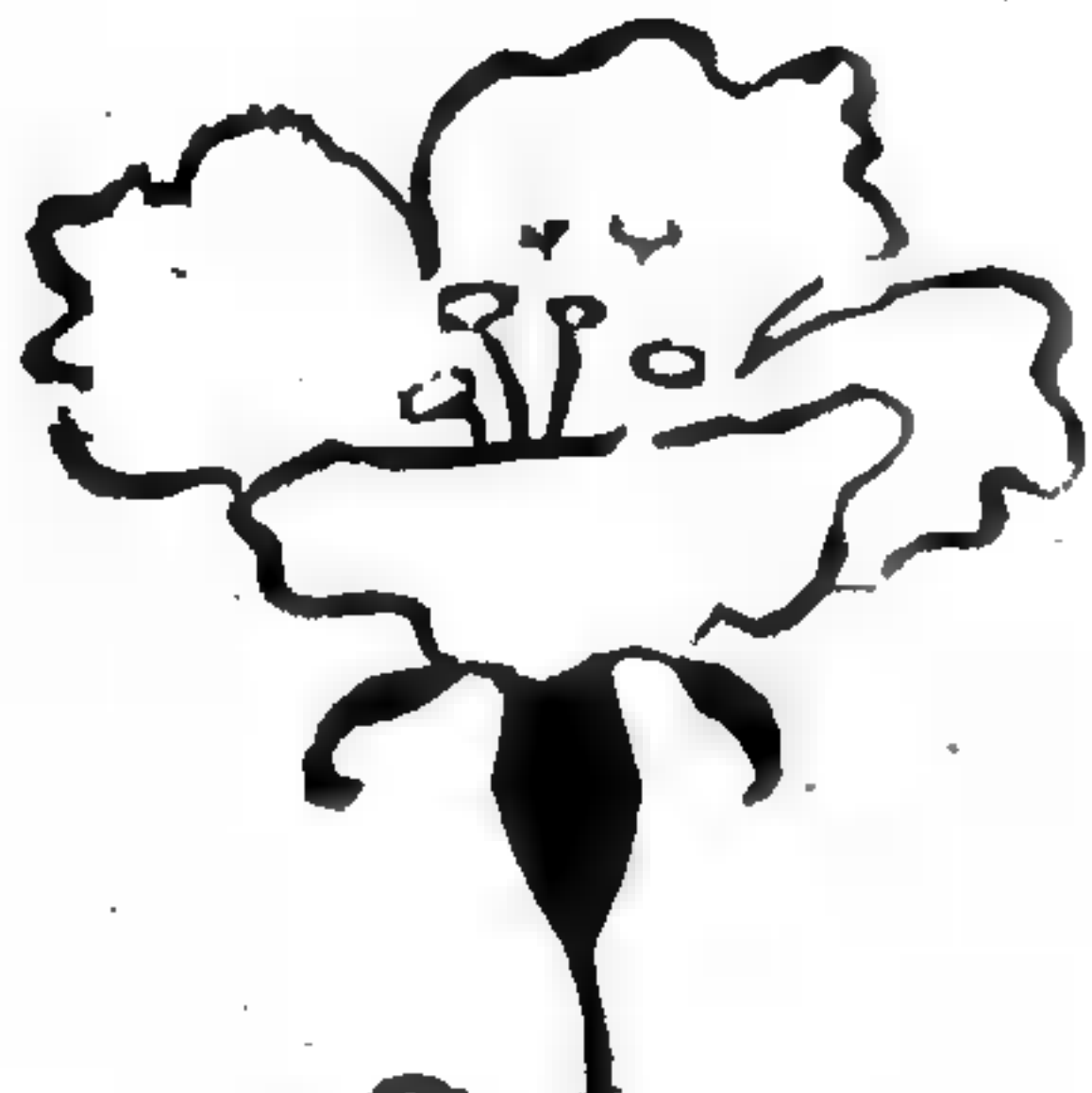
انتساب

ہند الولی، معین الہند نائب الرسول

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ

اجمیر شریف

اور

ہندوستان کے اولیائے کرام اور

بزرگان دین کے نام جنہوں نے

ہندوستان میں توحید کا پرچم بلند کیا

پیش لفظ

وطن عزیز میں خیبر سے لے کر کراچی کوئٹہ تک تقریباً تمام قدیمی تاریخی روحانی مقامات کے بارے گجرات تصاویر کے آئینے میں۔ ''گجرات تاریخ کے آئینے میں''۔ ''سیالکوٹ سے خیبر تک''۔ ''پاکستان میں محبوبانِ خدا کے نو گز لمبے مزار''۔ ''گندھارا تہذیب تصاویر کے آئینے میں''۔ ''خطہ یونان گجرات''۔ ''جنوبی پنجاب سندھ بلوچستان میں''۔ ''اولیائے کرام قدیمی تاریخی روحانی مقامات کے بارے کتب'' کی تکمیل کے بعد خیال آیا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے عظیم ورثہ کے بارے ایک کتاب تحریر کروں اگر چہ کوئی چیز حرف آخر نہیں ہوتی میری یہ مختصر سی کوشش اولیائے ہند مسلمانوں کی عظمت کے نشان۔ ''دہلی کی کہانی تصاویر کی زبانی'' آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ میری خواہش تھی کہ مجھے پورے ہندوستان کا ویزہ مل جاتا تاکہ برصغیر (سونے کی چڑیا) کے تمام قدیمی تاریخی اور روحانی مقامات کی تفصیل آپ کے سامنے پیش کر سکتا۔ لیکن حکومت ہند نے صرف چند شہروں کے ویزے دیے۔ ان شہروں میں قدیمی تاریخی روحانی مقامات کی تفصیل جو مل سکی کتاب کی صورت میں آپ کے سامنے ہے صرف دہلی کے مطالعہ کے لئے دن ہفتے نہیں بلکہ کئی ماہ چاہئیں۔ گزشتہ ادوار کی تہذیبیں وسیع عریض علاقوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان کے درمیان کئی میلوں کا فاصلہ ہے۔ ان تک پہنچنے کے لئے اچھا خاصا وقت اور سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے نئی نسل ان قدیمی تاریخی روحانی مقاملت کے بارے بہت کم معلومات رکھتی ہے صرف مشہور مقامات تک پہنچنا آسان ہے۔ یہ کتاب تین حصوں اولیائے ہند یعنی ان بزرگ ہستیوں کے بارے میں ہے جنہوں نے ہندوستان میں رشد و ہدایت کی شمعیں روشن کیں جن کے فیضان سے اس خطہ میں اسلام کی روشنی پھیلی جی تو چاہتا ہے کہ ان کے بارے لکھتا ہی جاؤں لیکن کتاب کے ضخیم ہونے کے پیش نظر اختصار سے کام لیا گیا۔ میں نے بیشتر اولیائے کرام کے آستانوں پر حاضری دے کر معلومات اور مزارات کے فوٹو حاصل کیے۔ اس وقت ہندوستان میں تیس کروڑ کے لگ بھگ مسلمان ہیں۔ پاکستان میں تیرہ کروڑ بنگلہ دیش میں سترہ کروڑ کشمیر میں سوا کروڑ یعنی اس خطہ کے اکسٹھ کروڑ انسان صرف اولیائے کرام کے فیضان سے ہی دائرہ اسلام میں شامل ہیں۔

کتاب کا دوسرا حصہ مسلمانوں کی عظمت کے نشان پر مشتمل ہے ہندوستان میں ان مسلمان حکمرانوں کے کارناموں ان کی اصلاحات جنہوں نے اس خطہ کی حالت بدل کر رکھ دی تاریخ ان کے عظیم کارناموں سے بھری پڑی ہے جنہوں نے ہندوستان پر تقریباً سات سو سال تک شان و شوکت سے حکومت کی اور ہندوستان کو اسلامی طرز تعمیر سے روشناس کرایا۔ یہ مسلمان حکمران تھوڑی تعداد میں آئے اور اکثریت پر چھا گئے یہ مسلمان باعمل تھے جب مسلمان باعمل تھے انہوں نے مساجد کی چٹائی پر بیٹھ کر قوموں کی تقدیروں کے فیصلے کئے۔

گھوڑوں کی ننگی پیٹھ پر بیٹھ کر ایک ہاتھ میں قرآن دوسرے ہاتھ میں تلوار لے کر نکلے ایک ایک دن میں سینکڑوں ہزاروں میل علاقہ فتح کیے جذبہ جہاد سے سرشار ان مسلمانوں نے دریاؤں اور سمندروں میں گھوڑے ڈال دیے اور پانی اچھال کر کہا اے خدا گواہ رہنا آج تیری زمین ختم ہو گئی ہے جس پر علامہ اقبال نے کیا خوب کہا

؎ دشت تو دشت دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے　　　بحر ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

لیکن افسوس آج ہم بے عمل ہو چکے ہیں۔

کتاب کا تیسرا حصہ دہلی کی کہانی تصاویر کی زبانی پر مشتمل ہے۔ دہلی کی تاریخ ہزاروں سالوں پر محیط ہے دہلی کے شہر میں مسلمانوں کی تعمیر کردہ عمارتیں قلعے باغ مساجد ان کی عظمت کے نشان ہیں سینکڑوں سال گزرنے کے باوجود یہ نقش قائم دائم ہیں جنہیں آج تک دنیا بھر کے کروڑوں انسان دیکھ چکے ہیں اور مسلمانوں کی عظمت کا اقرار کر چکے ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا

؎ بھلا سکتا نہیں دہلی تجھے مسلم قیامت تک　　　کہ تیرے ذرے ذرے میں ہے خوابیدہ لہو اس کا

جولائی 1997ء اجمیر شریف، اگست 1997ء دہلی، نومبر 1998ء دہلی گرد و نواح اور نومبر 1999ء دہلی اجمیر شریف نائب الرسول معین الہند۔ ہندالولی خواجہ معین الدین چشتی اجمیر شریف کی درگاہ حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ ہندوستان میں اولیائے کرام کے آستانوں پر مسلمانوں کو علاوہ ہندو سکھ بھی حاضری دیتے ہیں یہ لوگ اولیائے کرام کے ساتھ بہت عقیدت رکھتے ہیں۔ ہندوستان میں قیام کے دوران ایک لمحہ ضائع کیے بغیر میں نے اپنا تحقیقی کام جاری رکھا کئی میل پیدل چلنا پڑا پیدل چلنے سے پاؤں میں چھالے بنتے گئے اور مندمل ہوتے رہے بس یہی جذبہ کارفرما رہا ہے کہ ہر آستانہ اور تاریخی روحانی مقام پر حاضری ہو جائے میری محنت آپ کے سامنے ہے اولیائے ہند اور اللہ تعالیٰ قبول فرمائے آمین۔

ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ گجرات　31 جنوری 2000ء

اظہار تشکر

ریڈیو ٹیلی ویژن، وی سی آر، ڈش انٹینا، کمپیوٹر اس قسم کی دوسری ایجادات کی وجہ سے نئی نسل کا رشتہ کتاب سے دور ہوتا جا رہا ہے۔ ماضی میں وہ کام جو دنوں میں سرانجام پاتے تھے جدید دور میں وہ منٹوں میں پایہ تکمیل تک پہنچ رہے ہیں لیکن اس کے باوجود آج کے انسان کے پاس مطالعہ کے لئے وقت نہیں۔ کتابیں جن کا

ہر دور میں عمل دخل رہا ہے سائنسی ترقی اور ایجادات کتابوں کی مرہون منت ہے یہ حقیقت ہے کہ کتابوں نے ہی دنیا بدل ڈالی ہے کتابیں پڑھنا اور جمع کرنا کتب خانے قائم کرنا ہمارے چند عزیز دوستوں کا بہترین مشغلہ ہے راقم مندرجہ زیل کتب خانوں سے بہت زیادہ استفادہ حاصل کیا سید مسعود شاہ جو حضرت شاہدولہ سرکار کے متولیوں کی اولاد سے ہیں پرانے سکے اور نوادرات جمع کرنے کے علاوہ اُنکے ہاں کتابوں کا ایک زخیرہ ہے۔ عارف میر ایڈوکیٹ جنہوں نے اپنی قیمتی اراضی پر جدید کتب خانہ تعمیر کر کے اپنی مہنگی کار فروخت کر کے ہزاروں کی تعداد میں پڑھنے والوں کو کتب مہیا کی ہیں اور تحقیق تخلیق کا سلسلہ جاری کیا۔ اسی طرح حکیم محمد اشرف آف عالم گڑھ ضلع گجرات نے ریٹائرڈ ہونے کے بعد محکمہ واپڈا سے ملنے والی رقم سے دیہات میں ایک کتب خانہ قائم کر کے جنگل میں منگل کا ساسماں پیدا کر دیا ہے۔ سید محمد یاور عباس شاہ عرف یاری شاہ آف معین الدین پور جنہوں نے کم عمری میں ہی اولیائے کرام کے بارے سینکڑوں کتابیں جمع کی ہیں۔ بزم زکر حبیب محلہ مسلم آباد گجرات شہر کے چند نوجوانوں نے مل کر ایک بہت بڑا کتب خانہ قائم کر کے نئی نسل پر احسان عظیم کیا ہے تاکہ نئی نسل مطالعہ کی طرف راغب ہو۔ آستانہ عالیہ ڈوگہ شریف ضلع گجرات کے سجادہ نشین سید رضا حسین شاہ کے ہاں بھی بہت بڑی لائبریری ہے کئی سو کتب شائع کر چکے ہیں مندرجہ بالا کتب خانوں کے علاوہ خواجہ محمد احسن ایڈوکیٹ رکن پنجاب بار کونسل صاحبزادہ نذر محمئی الدین ٹھٹھہ موسیٰ۔ ادریس درانی جو احمد شاہ ابدالی کی اولاد سے ہیں کے کتب خانہ سے استفادہ حاصل کیا گیا۔ خصوصی طور پر میں صاحبزادہ غلام محمئی الدین سجادہ نشین آستانہ عالیہ ڈیرہ غازی خان کا تہہ دل ممنون ہوں جنہوں نے اولیائے ہند کے بارے کئی کتاب بذریعہ ڈاک روانہ کیں۔ ڈاکٹر عظمت اللہ مدیر ہفت روزہ الاصلاح لاہور کا بھی ممنون ہوں جو مسودہ کی پروف ریڈنگ میں میرا ہاتھ بٹاتے رہے حاجی ناصر محمود پروپرائیٹر حاجی ناصر جیولری ہاؤس بازار صرافہ گجرات کا بھی ممنون ہوں جو فقیر کے ساتھ خلوص سے پیش آئے ہیں۔ ان کتب خانہ کے پر خلوص مالکان اور جمشید افضل کھوکھر اور عمر خطاب کا بھی مشکور ہوں جو ان کتب کی ترتیب میں میرا ہاتھ بٹاتے رہے۔ میری پانچوں کتابوں کا پاکستان کے علاوہ دنیا بھر میں مقیم پاکستانی بڑے شوق سے مطالعہ کرتے ہیں بزرگوں سے ان کی عقیدت قابل تعریف ہے پاکستان کے علاوہ دنیا کے کونے کونے سے حوصلہ افزائی کے جو خطوط فون اور مراسلے موصول ہوئے ہیں میں تہہ دل سے ان کا ممنون اور شکر گزار ہوں جنہوں نے اپنی تحریروں میں میری حوصلہ افزائی کی اور راہنمائی فرمائی ملک بھر کے قدیمی تاریخی روحانی مقامات کی نشاندہی کی جن کا زکر میری تحریر کردہ کتب میں نہ آسکا۔ کوئی تحقیق تحریر حرف آخر نہیں ہوتی انشاء اللہ آیندہ شائع ہونے والی کتب میں ان کا زکر ضرور ہو گا۔

ایم زمان کھوکھر ایڈوکیٹ

موتیوں کے متلاشی

ہندوستان میں خواجہ معین الدین چشتی اجمیری خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، حضرت علاؤالدین علی احمد صابرؒ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، حضرت شرف الدین بو علی شاہ قلندر، حضرت باقی باللہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ، حضرت شیخ سلیم چشتیؒ، حضرت مجدد الف ثانی اور دوسرے اولیائے کرام کے حالات زندگی کا جائزہ لیں تو ہمارے سامنے یہ بات واضح طور پر آتی ہے کہ ان لوگوں نے نہ صرف داخلی طور پر لوگوں کی روحانیت کو سیراب کیا تھا بلکہ ظاہری طور پر انہوں نے اسلام کی بے حد خدمت کی اور ہندوستان میں خصوصیت کے ساتھ جہاں مذہب اسلام محمد بن قاسم، محمود غزنوی، شہاب الدین محمد غوری، قطب الدین ایبک، شمس الدین التمش اور دوسرے سلاطین دہلی کی کاوشوں کی متعارف ہوا۔ وہاں اس کو پروان چڑھانے، لوگوں کو دین اسلام کی تبلیغ دینے اور دین اسلام کی اشاعت میں جو کام صوفیائے کرام اور اولیائے عظام نے سرانجام دیا اس کی مثال کہیں نہیں ملتی۔ جناب ایم زمان کھوکھر نے اپنی کتاب اولیائے ہند مسلمانوں کی عظمت کے نشان دہلی کی کہانی تصاویر کی زبانی میں ان ہی ںامور شخصیتوں صوفیائے کرام، اولیائے عظام کو جگہ دی ہے جنہوں نے نہ صرف یہ کہ انسانوں کی روحانی تشنگی کو سیراب کیا۔ بلکہ ظاہری طور پر بھی اسلام کی وہ خدمات سر انجام دیں جس سے لاکھوں لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کی ان ہی خدمات کو ایم زمان کھوکھر نے بڑے احسن طریقہ سے صفحہ قرطاس پر منتقل کیا ہے۔ جناب ایم زمان کھوکھر ایک ممتاز وکیل، نامور ادیب، ایک معروف صحافی اور ایک شہرت یافتہ محقق ہیں اس سے پہلے بھی بڑے نایاب موضوعات پر عمدہ اور بہترین کتابیں لکھ چکے ہیں۔ جن میں گجرات تصاویر کے آئینے میں، گجرات تاریخ کے آئینے میں، سیالکوٹ سے خیبر تک، پاکستان میں محبوبان خدا کے نو گز لمبے مزار گندھارا تہذیب تصاویر کے آئینے میں خطہ یونان گجرات۔ جنوبی پنجاب سندھ میں اولیاء کرام قدیمی تاریخی، روحانی مقامات، ان کی نئی کاوش اولیائے ہند، مسلمانوں کے عظمت کی نشان، دہلی کی کہانی تصاویر کی زبانی آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اولیائے کرام پر اس سے بھی پہلے لوگوں نے لکھا لیکن اکثر کا طریقہ کار یہی ہے کہ کتابوں پر مبنی تحقیقات سے مستفید ہو کر لوگوں کی روحانی تشنگی کو دور کرنے کا سامان فراہم کرتے رہے ہیں۔ لیکن جناب ایم زمان کھوکھر نے اس کام کو چند قدم آگے بڑھاتے ہوئے سرانجام دیا ہے۔ جہاں یہ تحقیقی کتب سے مستفید ہوتے رہے ہیں وہاں اولیاء کرام کے مزار پر جا کر خود حاضری دیتے رہے اس سلسلہ میں انہوں نے چار بار ہندوستان کا سفر کیا دہلی، اجمیر شریف، پانی پت، آگرہ، فتح پور سیکری اور ہندوستان کے دیگر شہروں کے طوفانی دورے کیے۔ آنکھوں سے دیکھتے ہوئے ایک عمدہ تحقیق کی منظر کشی کی ایسا کام سرانجام دینا عام آدمی کے بس کی بات نہیں اس کے لیے دھرتی کے کھلے سینے پر خیالات کی بکھری رداکو گوہر مخصوص سمجھ کر صفحہ قرطاس پر منتقل کرنے کے مترادف ہے۔ ایسا کام کچھ اس طرح کا مشکل ہے جیسے کوئی نارسائی کے سمند کی تہہ میں بے شمار اور ان

گنت بکھرے پتھروں کے اندر سے گوہر مقصود کے موتی نکال کر دیدہ وری کے سانچوں میں ڈھالتا ہے جناب ایم زمان کھوکھر نے یہ کام بڑے احسن طریقے سے سرانجام دیا ہے، اس کام کی تکمیل کے لیے انہوں نے سورج کی بھرتی تپش ساون بھادوں کی جل تھل کرتی برساتوں اور سرد راتوں کی گرم رفاقتوں کو لات مارتے ہوئے ایک طرح سے سوکھے ساون کے لیے برسات کا سماں فراہم کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

آپ اس کتاب کا مطالعہ کریں تو آپ کو محسوس ہوگا کہ جناب ایم زمان کھوکھر کی کاوش میں اخلاص کی گرمی، ان کے تجسس میں محبت کی تپش ان کی تحقیق میں یقین کی چاندنی اور ان کی تشخیص میں بے چین شراروں کے خروش جیسی اذیت ناک کوشش ہے۔ انہوں نے یہ مشکل ترین کام اپنی ذات کی آسودگی اور گمان کی سرخوشی کے لیے نہیں کیا۔ بلکہ یہ معرکہ انہوں نے علمی طلب کی جستجو رکھنے والوں کی بے ثمر ساعتوں کو ثمر آور بنانے کیلئے سرانجام دیا ہے۔

اس کتاب کا مطالعہ کرتے وقت آپ کو محسوس ہوگا کہ ایم زمان کھوکھر نے ایسی محنت ایسی جستجو کی ہے گویا انہوں نے خندقوں، غاروں، دیولاخوں، اندھی گپھاؤں اور کوہستانوں کی چٹانوں میں چھپے گوہر نکال کر آپ کے سامنے پیش کر دیے ہیں۔ ایسے ادیب، ایسے مصنف، ایسے محقق اوروں کی آسودگی کے لیے ہجر کی شب ویران میں رت جگوں کا دکھ برداشت کرتے چلے جاتے ہیں کڑے موسموں کی زد میں تنہا مسافر کی طرح سفر کرتے ہوئے پڑھنے والوں کی تسکین کا سامان فراہم تو کرتے ہیں لیکن اپنے مقدر میں پت جھڑ کی راتیں اور اپنے نصیب میں بے ثمر دن لکھتے چلے جاتے ہیں۔

جناب ایم زمان کھوکھر نہ کوئی سرمایہ دار ہیں نہ ہی ان کی آمدنی کے وسیع ذرائع ہیں اس کے باوجود یہ کسی فاقہ کش گوشہ گیر کی طرح وقت کی بے ضاعتی میں اپنا کام اپنے سرمائے سے انجام دیئے چلے جا رہے ہیں۔ کبھی یہ بات کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگی کہ دریائے چناب اور دریائے توی کی فضاؤں کو چومتا ہوا ایک روحانی قصبہ بڑیلہ شریف سے سینہ کوہ سے رستے جھرنے کی طرح کوئی بچہ نمودار ہوگا اور بڑا ہو کر نوا گر کی صداؤں کے تحیر اور سوز کی طرح پڑھنے والوں کیلئے داستانوں کے ہمزاد صحراؤں میں چاند کی جوت جیسا سماں باندھتا چلا جائے گا۔ زمان کھوکھر نے جس طرح اپنی پہلی کتابوں میں امتحانوں میں مبتلا فیض بن کر ایک انوکھی فکر اور کاوش کے ذریعے پڑھنے والوں کی روح کو سوز و سرور سخن مہیا کر دیا تھا، ایسے ہی اس کتاب میں بھی پڑھنے والوں کی آسودگی اور اطمینان کے لیے دشواریوں کے خارزاروں اور برہم موسموں کے شکستہ کواڑوں پر دستک دیتے دکھائی دیتے ہیں۔ جس کام کا بیڑا ایم زمان کھوکھر نے اٹھایا ہے یہ کام جہاں بڑا تحقیقی طلب ہے وہاں سرمایہ طلب بھی ہے۔

آخر میں ایم زمان کھوکھر کے لیے میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ایسی استطاعت ایسی ہمت ایسی اولوالعزمی استقلال عطا فرمائے کہ یہ موتیوں کے متلاشی کی طرح اس کام میں آگے بڑھتے ہوئے وقت کے لامحدود سمندر کے اندر سے پڑھنے والوں کے لیے اپنی تحقیق اور جستجو سے موتی تلاش کرتے رہیں۔ (آمین)

(اسلم راہی) ایم اے

غریب پورہ گجرات

سعادت زماں

ابتدائے آفرینش سے، اس عالم رنگ وبو میں کئی بار بہار آئی، کئی بار چمن اجڑا، چرخ گردوں ہر لمحہ تغیر و تبدل کی زد میں ہے۔ ثبات حقیقی وابدی صرف ذات واحد کو ہے جو قائم بالذات ہے۔ کچھ غنچے کھلنے کھلنے سے پہلے ہی مرجھا گئے جو کھلے انجام کار خزاں کی نذر ہو گئے۔ گلستان حیات میں ان گنت پھول پیغام بہار بنے، جن کی مہک سے کتنے ہی دل و دماغ معطر ہوئے۔ پھر گردش دوراں نے ان کو مسل دیا۔ موت وحیات کا یہ سلسلہ تاقیامت جاری رہے گا، لیکن کچھ نفوس قدسیہ، جو دنیا کے لیے مشعل راہ بنے، جن کی شب بیداری اور آہ سحر گاہی پژمردہ دلوں کے لیے مژدہ جان فزا ٹھہری اور وہ نالہ نیم شبی سے لوگوں کے خفیہ مقدر کو جگاتے رہے۔ جن کے مضراب نگاہ سے ساز حیات کے تاروں سے ایسے نغمے پھوٹے اور پھوٹ رہے ہیں جو دل افروز بھی ہیں اور روح پرور بھی۔ ان بندگان خدا کی بارگاہ ہی وہ وادی ایمن ہے جہاں انسان کو معراج نصیب ہوتی ہے۔ اور اس پر شرف آدمیت کے پنہاں راز آشکار ہوتے ہیں اور اس کے بعد کوئی تمنا باقی نہیں رہتی۔ ان کا وجود قدرت کا بیش بہا عطیہ ہے۔ یہ نفوس قدسیہ اپنی اس مجاہدانہ زندگی کی بدولت خدائے لم یزل سے حیات ابدی کا صلہ پاتے ہیں دنیا میں رہ کر بھی زندہ اور دنیا چھوٹ کر بھی زندہ۔

یہ عالم نفسا نفسی اور مادیت گزیدہ دور اس امر کا متقاضی ہے کہ ان کی عظمت و سطوت اور پاکیزہ فضائل و محاسن کو مربوط و منظم انداز میں اجاگر کیا جائے تاکہ مادی فتوحات سے متحیر، موجودہ نسل بصد شوق ان کے فیوض و برکات سے استفادہ کر کے سعادت سرمدی سے بہرور ہو سکے کیونکہ زندگی کی تاریک راہوں میں ہدایت کے چراغ روشن کرنے کے لیے ضروری ہے کہ بزرگان دین کے مبارک احوال کا بغور مطالعہ کیا جائے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی سعی کی جائے۔

بحمد و تعالیٰ یہ عظیم سعادت عزت مآب جناب محمد زمان کھوکھو ایڈووکیٹ کے حصہ میں آئی۔ انہوں نے یکے بعد دیگرے کئی علمی و تحقیقی کتب سپرد قلم کیں ان میں سے ہر ایک کے متعدد ذیلی عنوانات تجویز کیے...... ان عنوانات سے متعلق مشاہیر اہل علم و فضل کی معتبر اور مستند تصانیف سے جواہر ریزے اکھٹے کیے..... قارئین کے علمی ذوق کے لیے اسے حوالہ جات سے مزین کیا ..... ہزاروں میلوں کا سفر کر کے قریہ قریہ، نگر نگر گھوم پھر کر تصاویر حاصل کیں اور پھر اس تحقیقی کاوش اور تصویری جھلک کو سینہ قرطاس پر منتقل کیا۔

امید ہے کہ اس حسن موضوع، حسن تنوع اور حسن ترتیب کو اہل تحقیق وذوق بصد نظر استحسان دیکھیں گے۔ اس لیے کہ سادگی و روانی اور خلوص و صداقت کی تمام صفات جناب محمد زمان کھوکھر کے اسلوب میں اچھی طرح رچی بسی ہیں۔ ایک ایک سطر ان کے پاکیزہ ذہن اور اصلاحی انداز فکر و نظر کی عکاسی ہے اللہ رب العزت اپنے حبیب مکرم ﷺ کا تصدق، ان کی اس مسعود و بابرکت خیز علمی و تحقیقی خدمت کو شرف قبولیت سے نوازے اور عوام و خواص سب کو اس سے علمی و عملی اور روحانی فیض حاصل کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔

محمد فیض الحبیب اشرفی استالوی عفی عنہ

استالی شریف پاکپتن
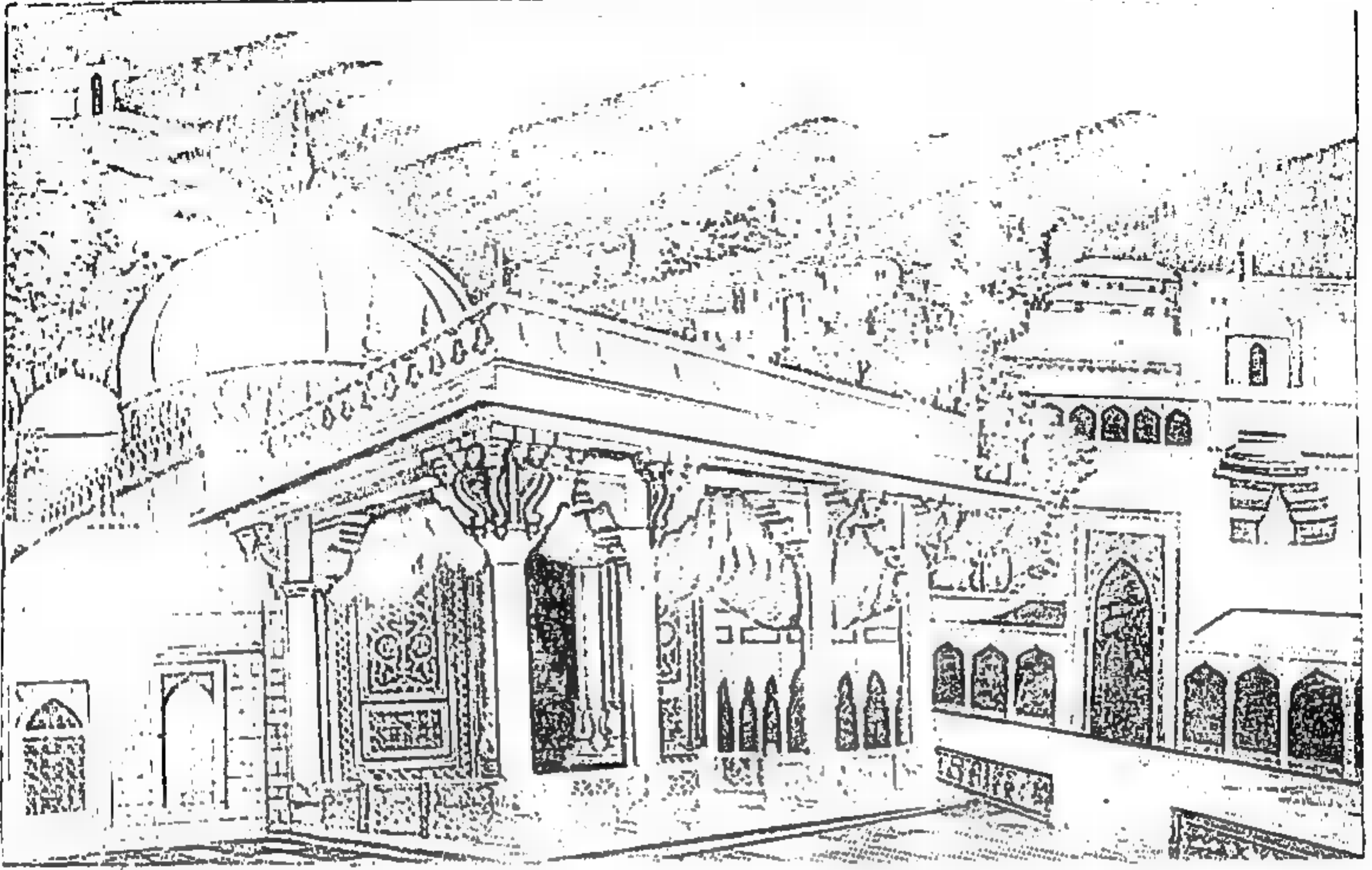
روضہ انور حضور غریب نواز معین الدین چشتیؒ اجمیر شریف

روضہ مبارک حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ دہلی
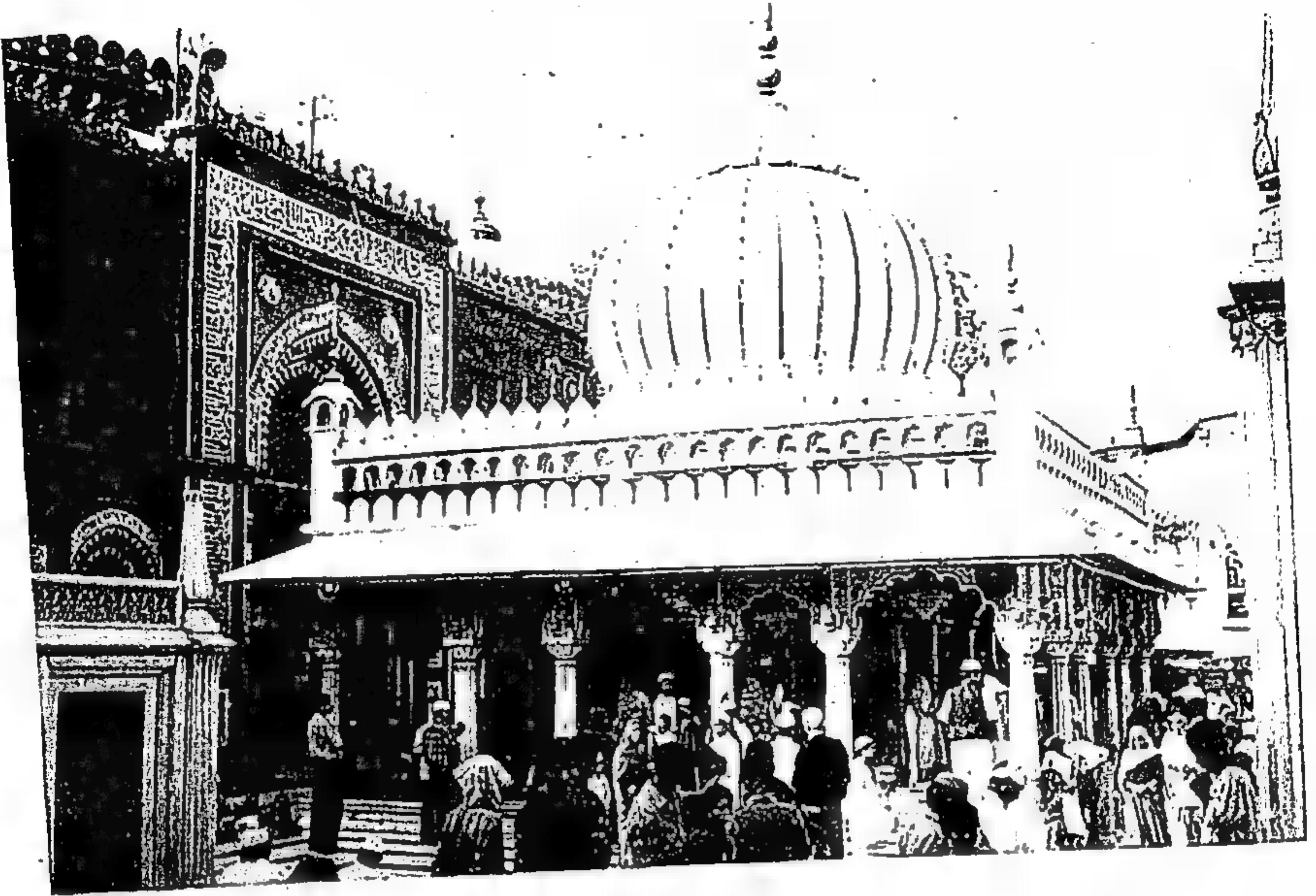
روضہ مبارک سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب سبحانیؒ دہلی

روضہ مبارک حضرت شیخ شرف الدین بو علی شاہ قلندرؒ پانی پت
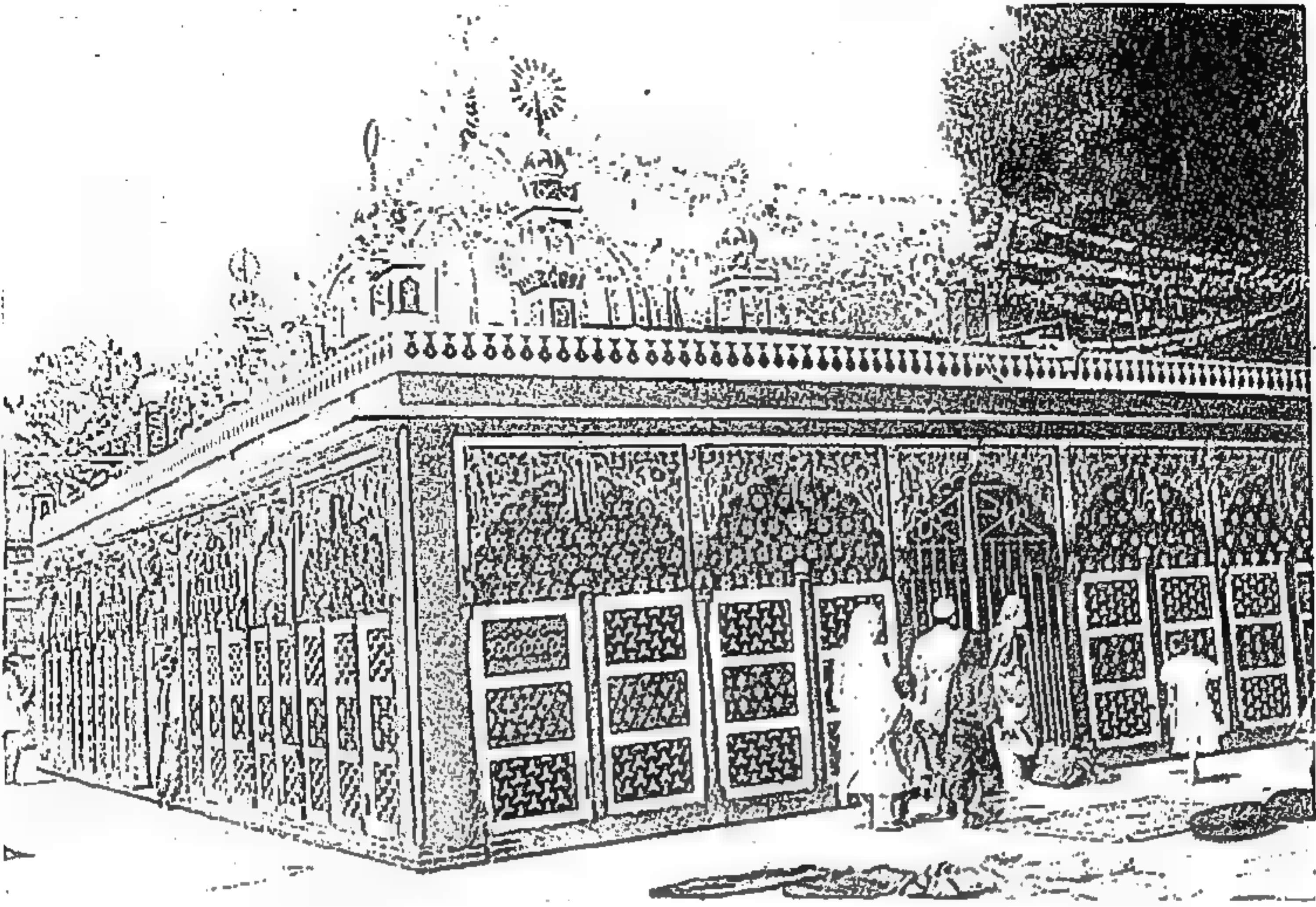
روضہ مبارک حضرت علاؤالدین علی احمد صابر" کلیر شریف
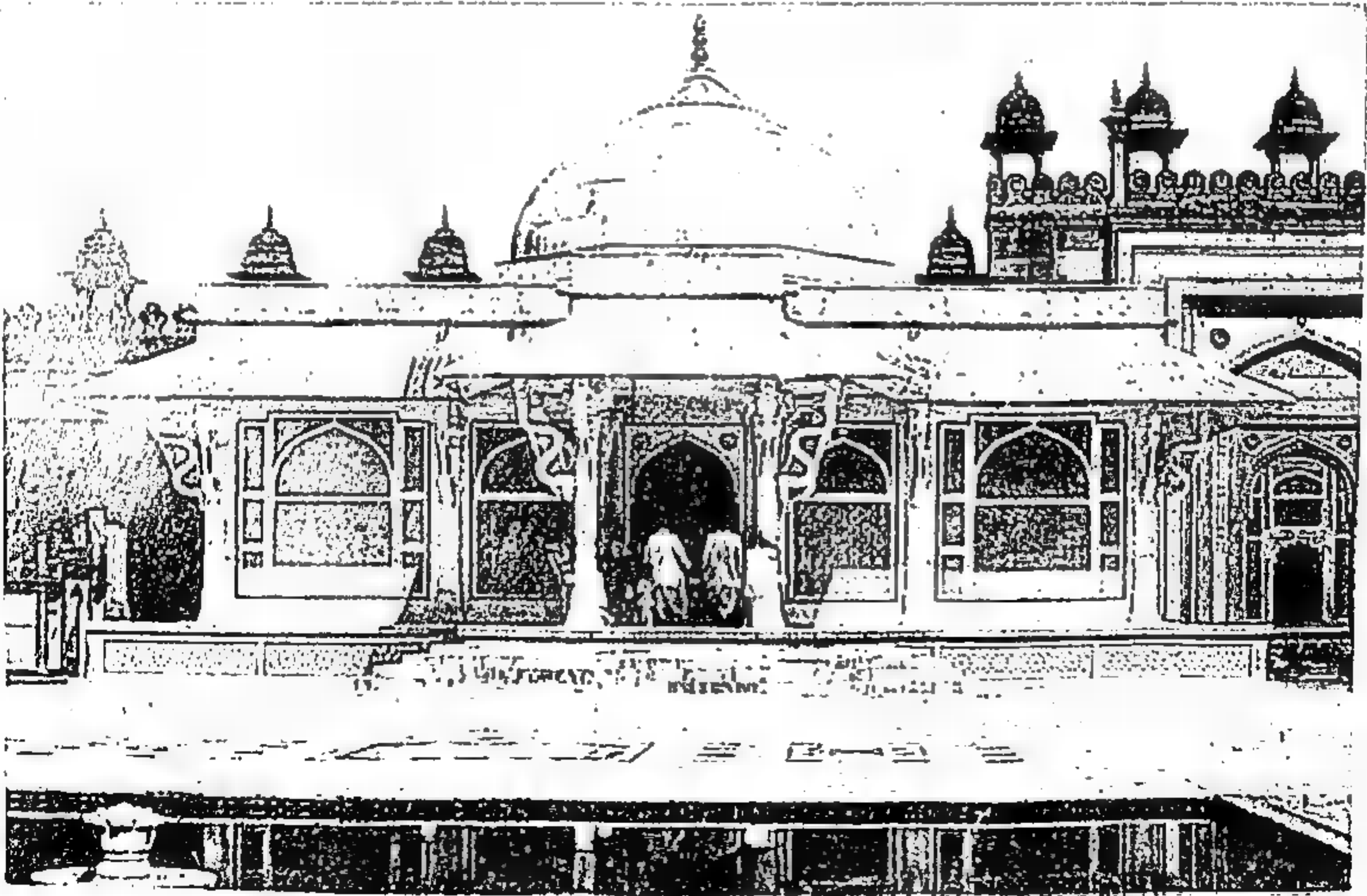
روضہ مبارک شیخ سلیم چشتی" فتح پور سیکری
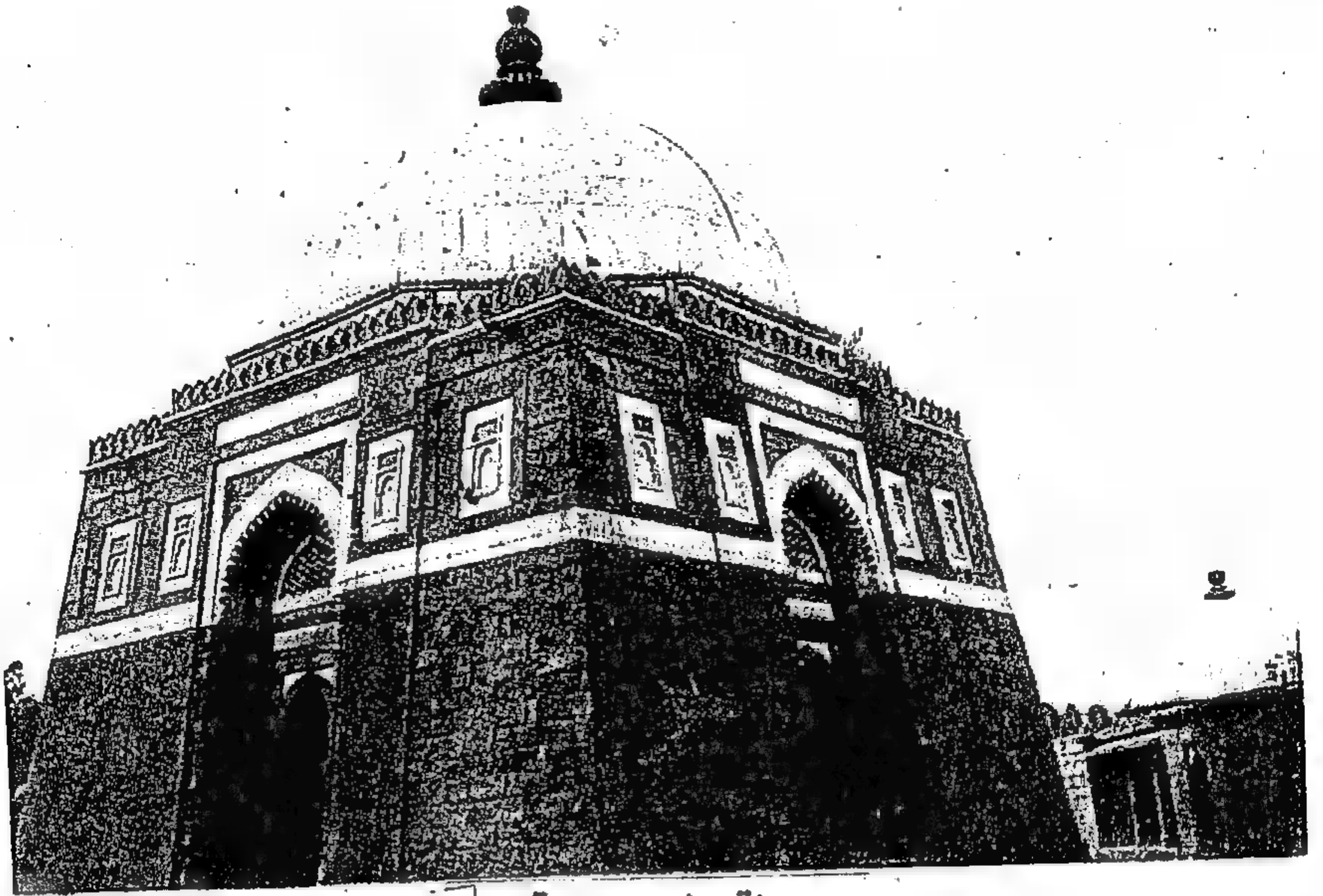
مقبرہ غیاث الدین تغلق
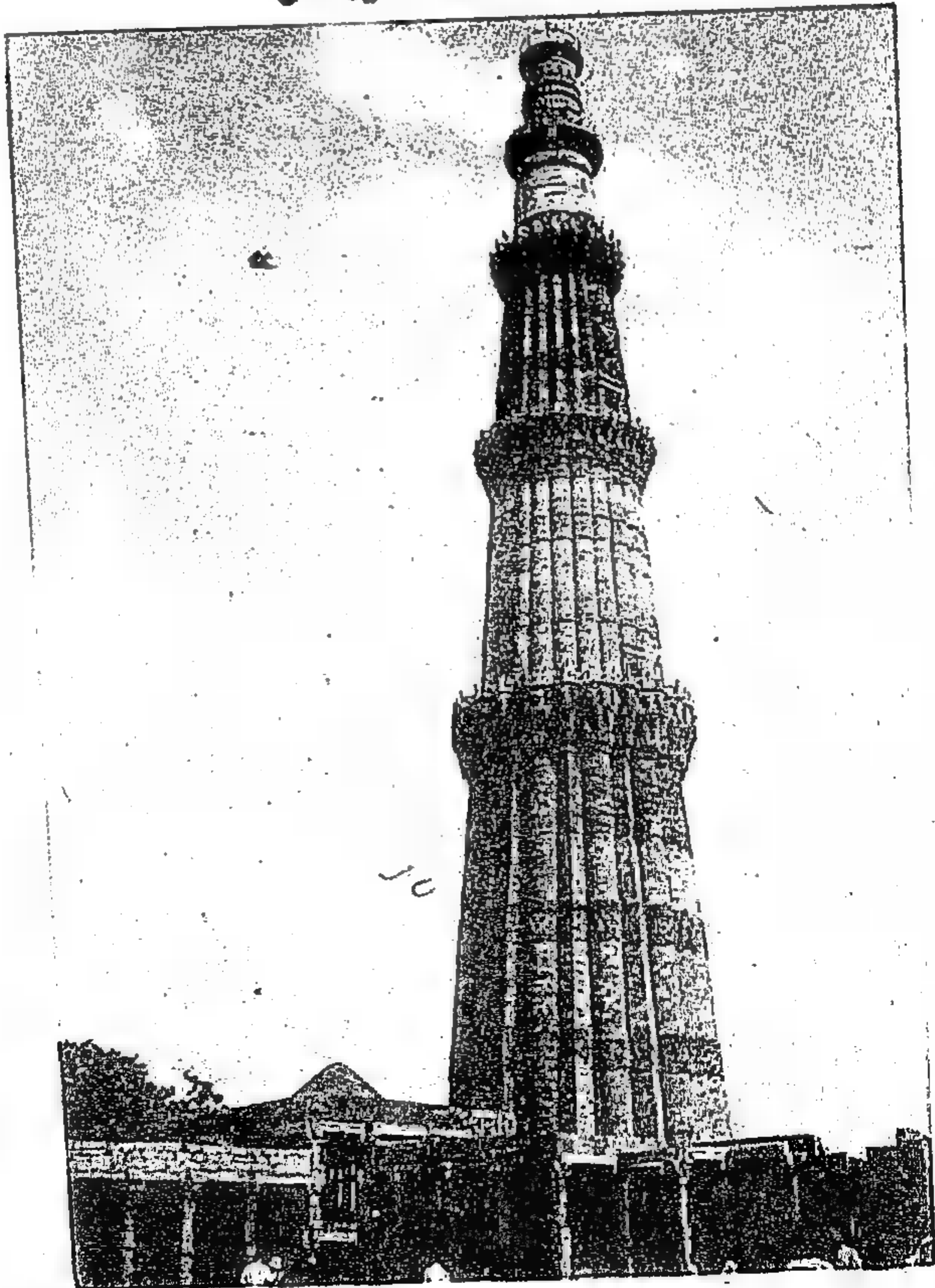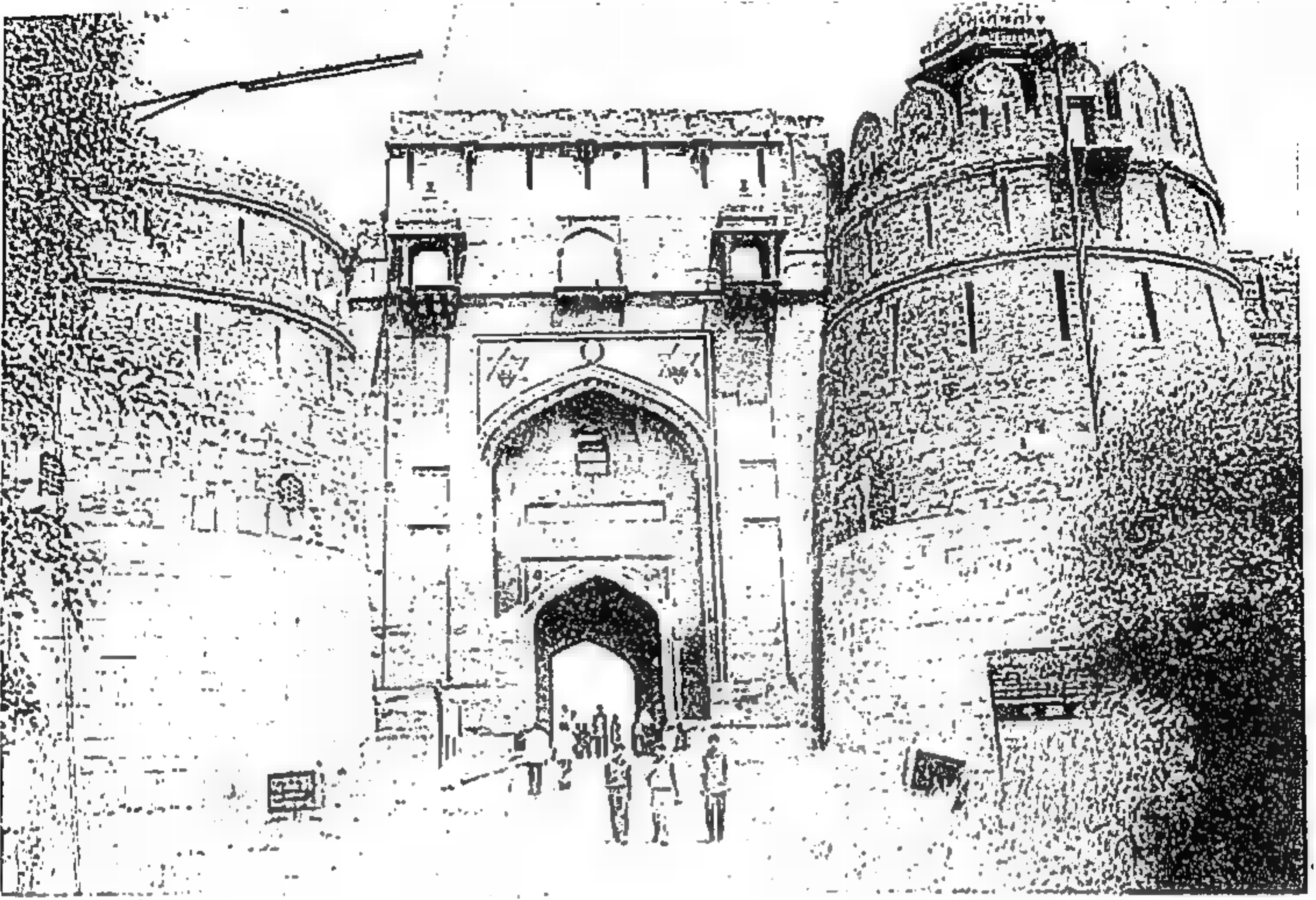
پرانا قلعہ دہلی
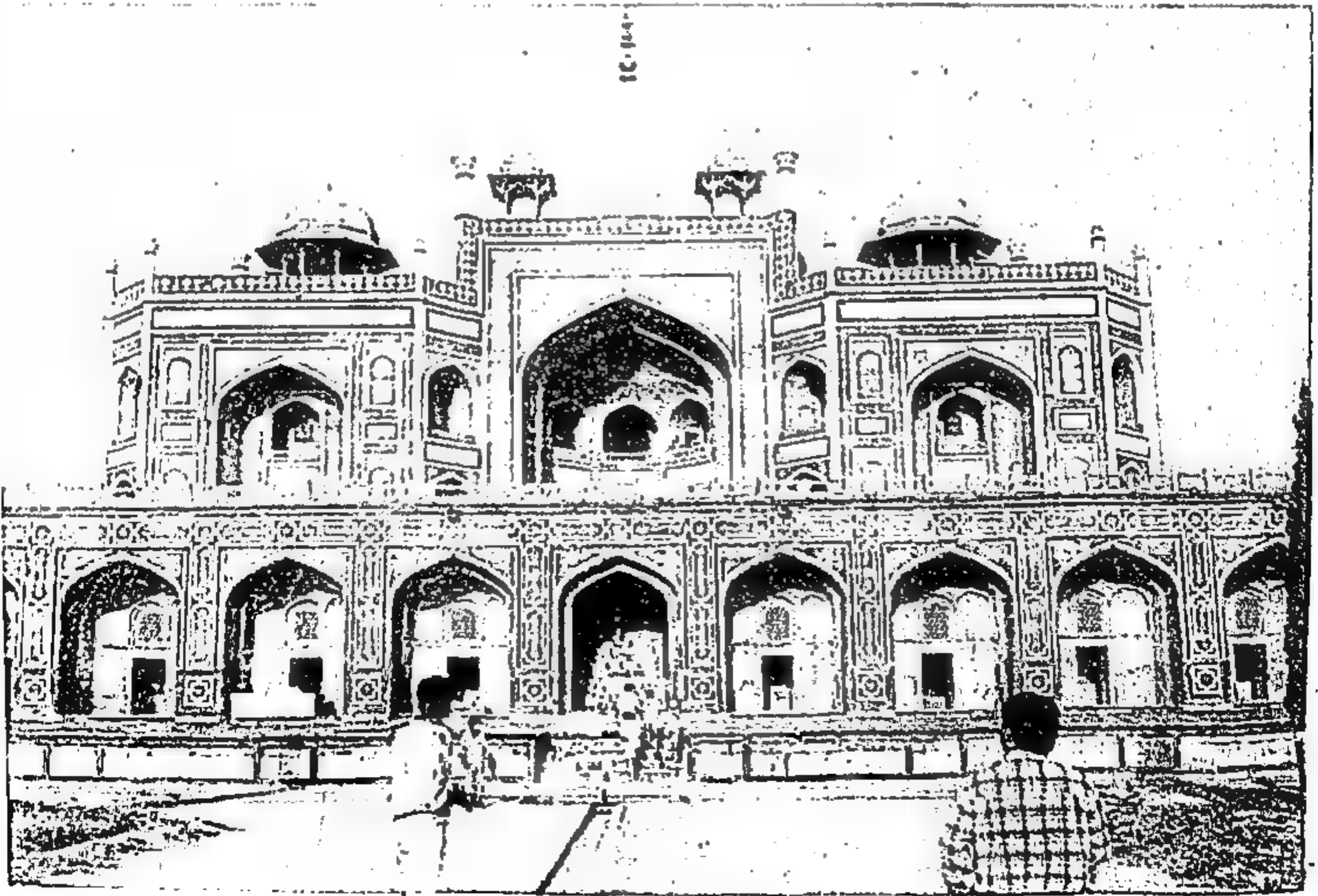
مقبرہ ہمایوں دہلی
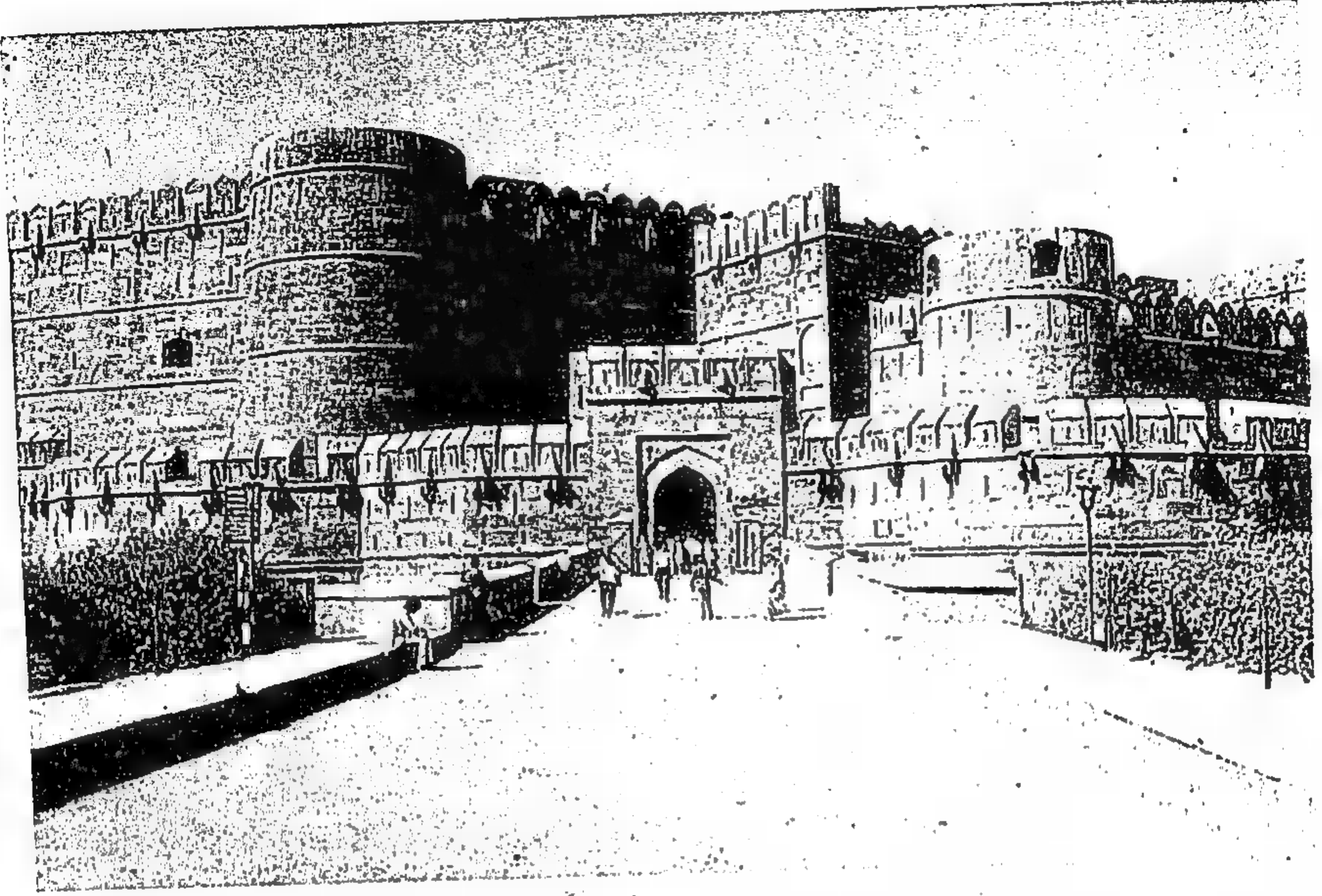
قلعہ آگرہ
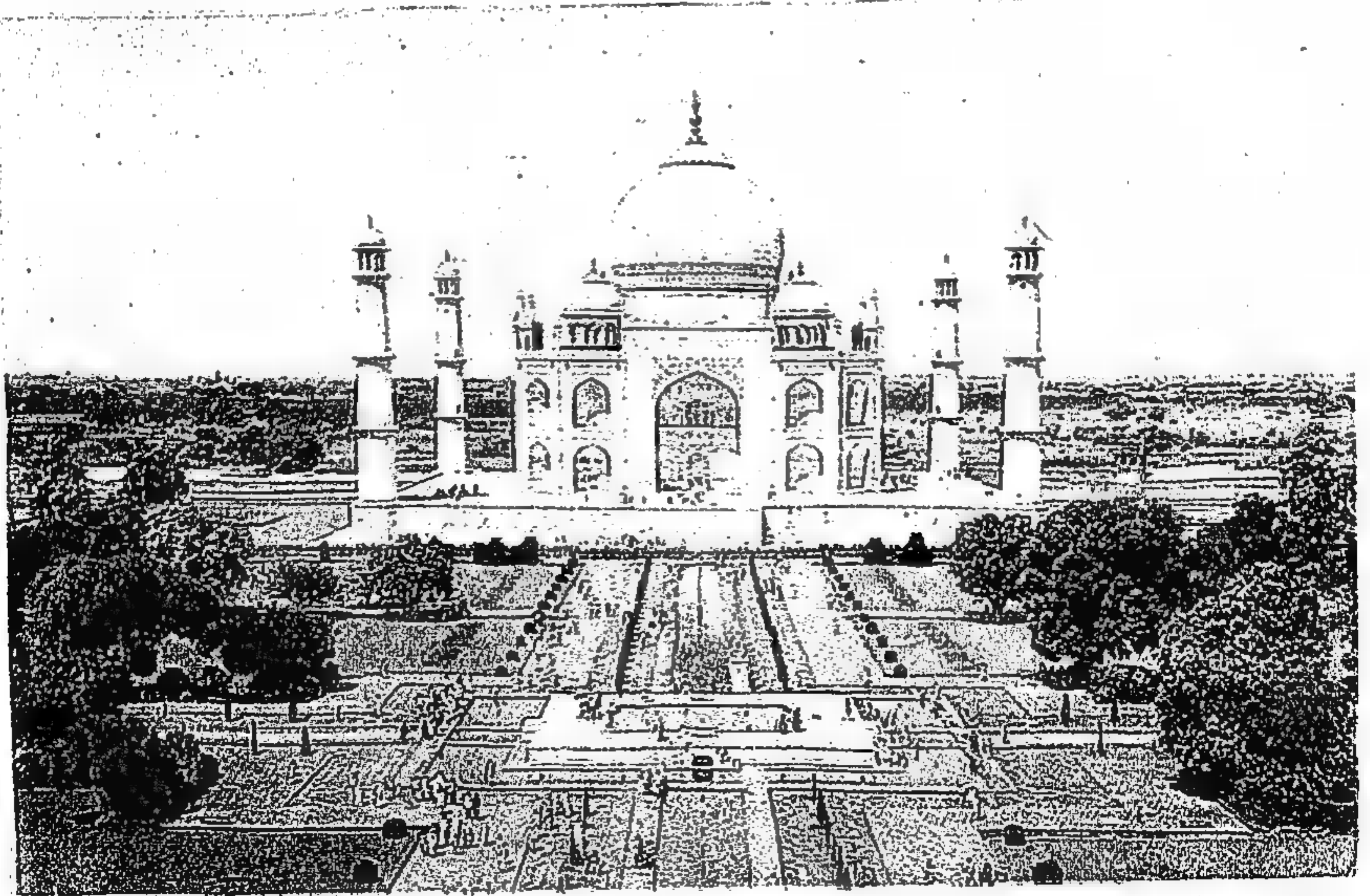
تاج محل آگرہ
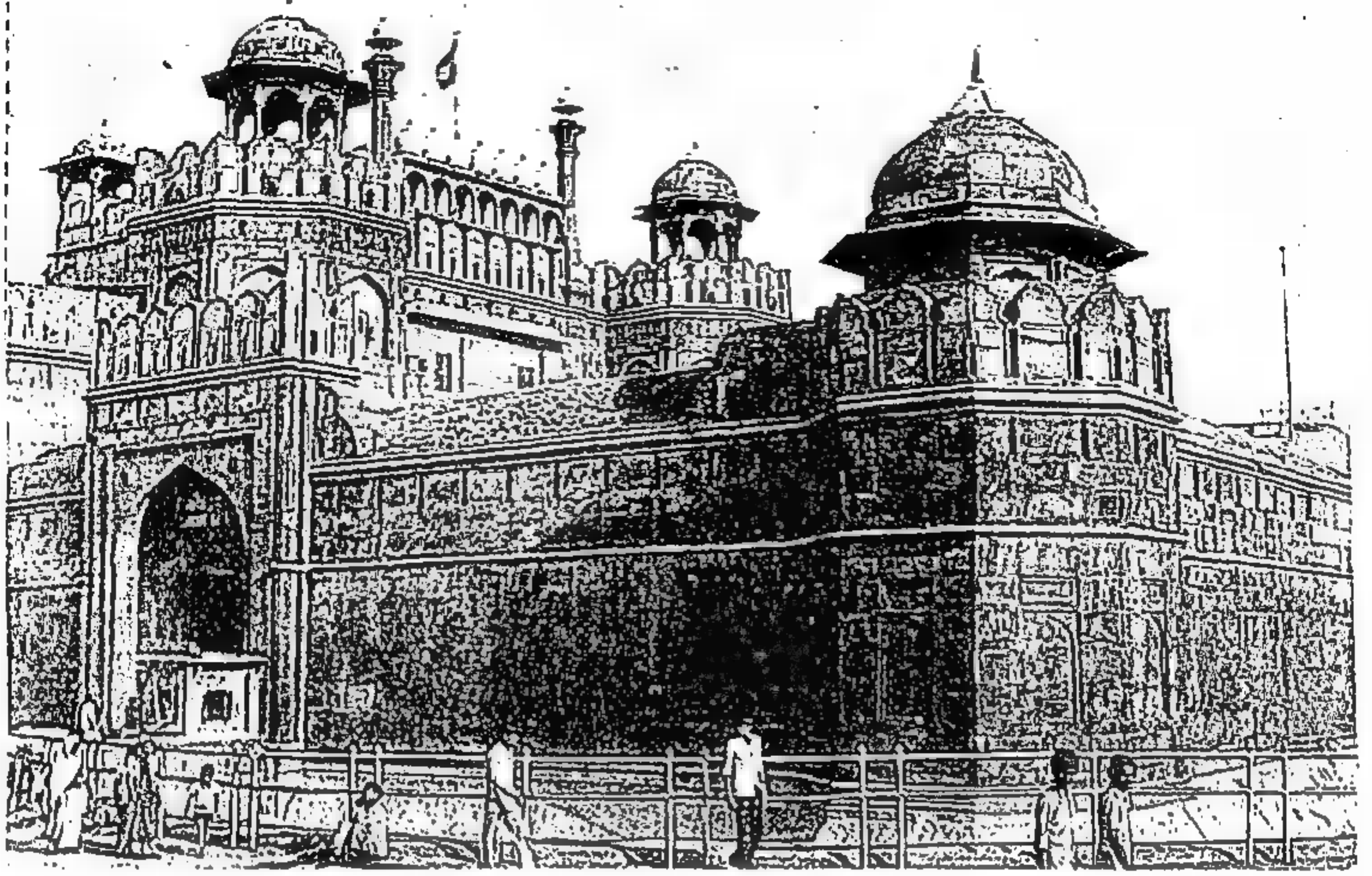
لال قلعہ دہلی
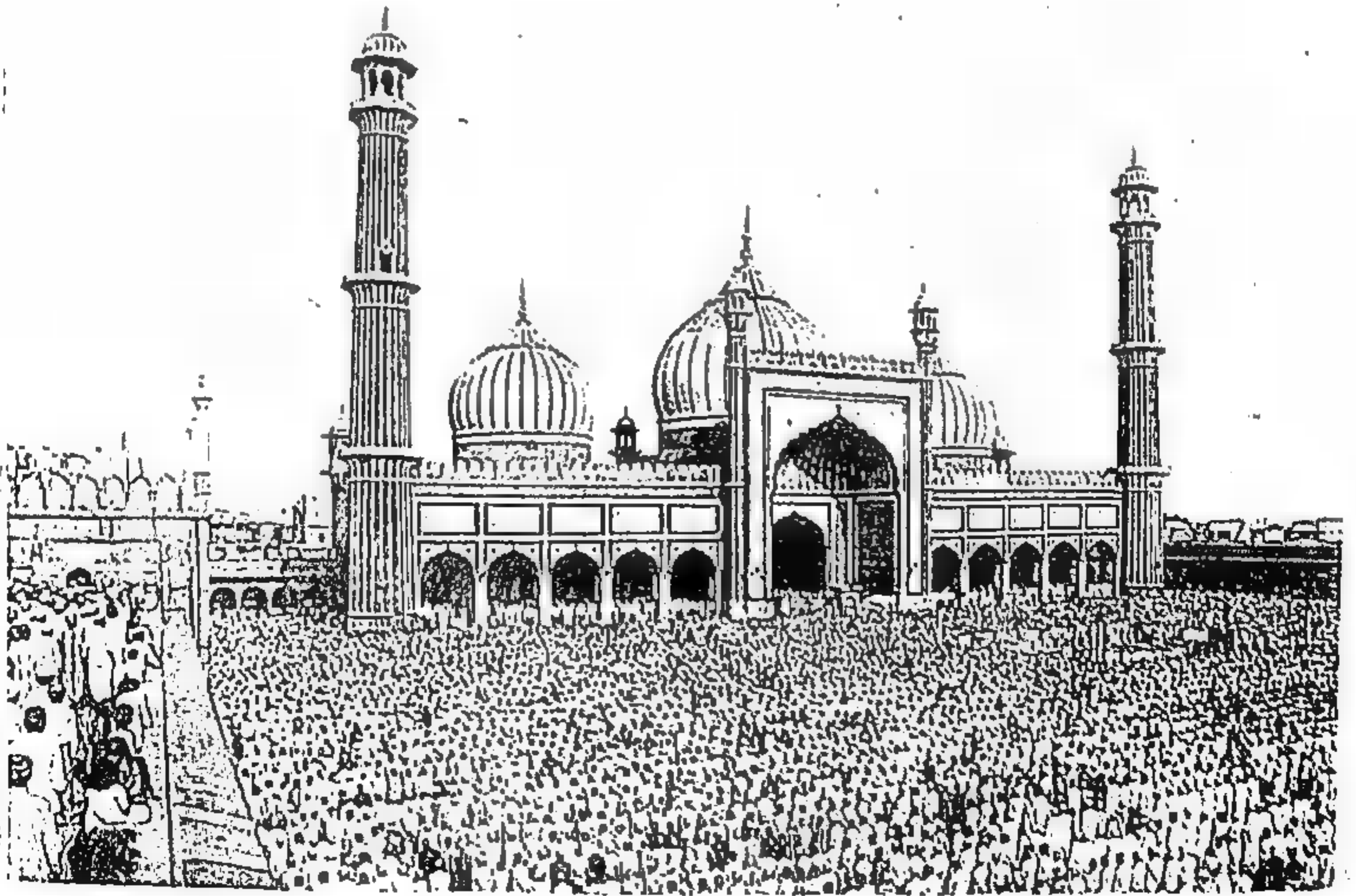
جامع مسجد دہلی
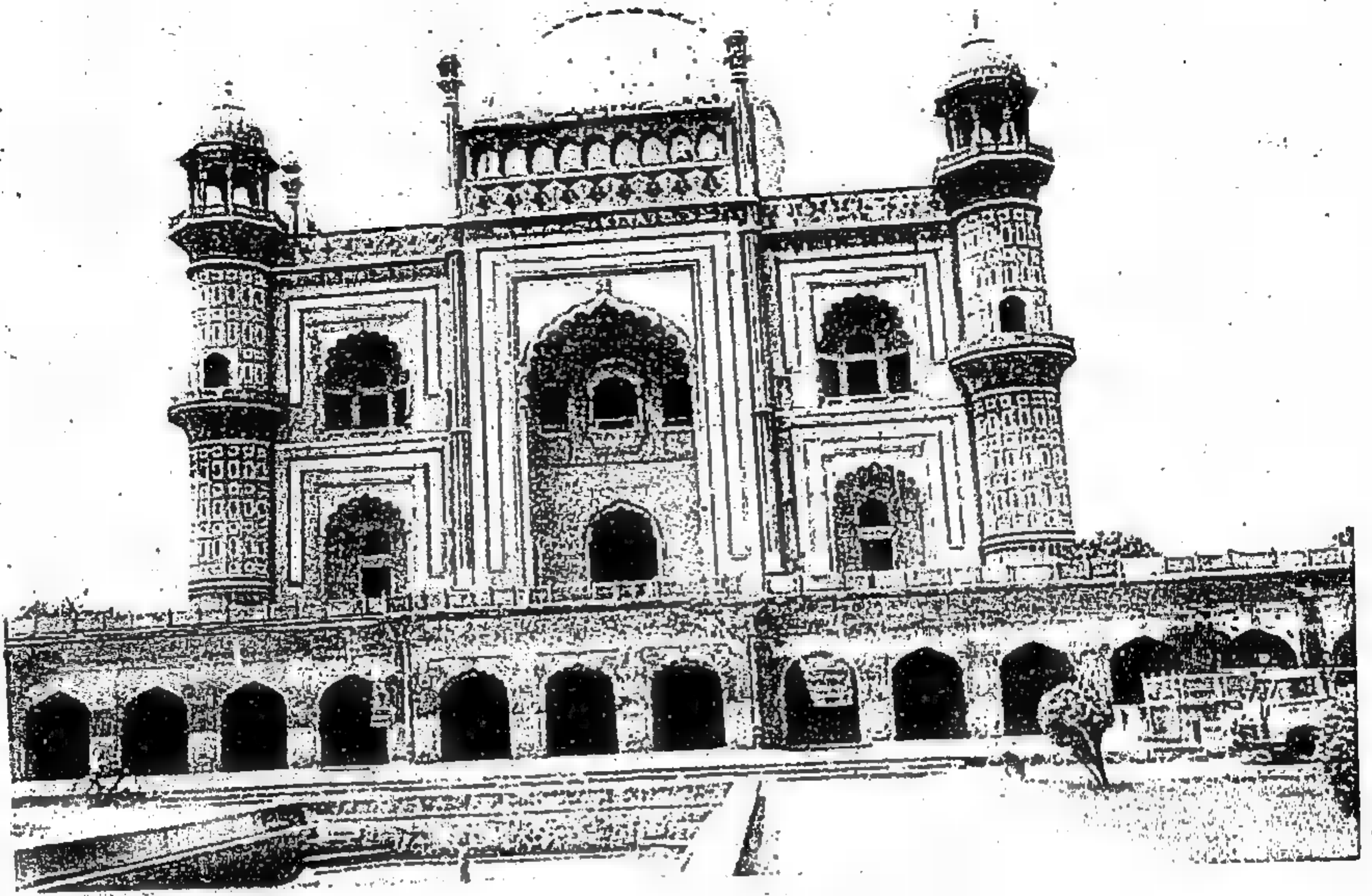
مقبرہ صفدر جنگ دہلی

ہندوستان میں سب سے پہلی مسجد قوت اسلام دہلی

باب اول

اولیائے ہند

ہندوستان کے مختلف شہروں اور کشمیر میں قدیمی اور نو گز لمبے مزار

(ان میں بیشتر مزار انبیاء کرام، خلفاء غازیوں اور شہداء کے ہیں)

بر صغیر پاک و ہند کی تاریخ ہزاروں سالوں پر محیط ہے یہ قدیم ترین تہذیبوں کا گہوارہ ہے ان تہذیبوں کے آثار اس خطہ کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہاں تہذیب کے اوراق کھلتے اور بند ہوتے رہے فاتحین کی داستانیں اب بھی اس کی تاریخ کا حصہ ہیں یہاں اولیائے کرام نے اپنے قلوب کی نورانیت اور فیوض روحانی سے دلوں اور ذہنوں میں یقین اور ایمان کی مشعلیں روشن کیں اس خطہ کی تاریخ انبیاء کرام کے نقوش سے منور ہے۔ دنیا کے پہلے انسان حضرت آدمؑ کے قدم چومنے کی سعادت بھی اسی خطہ کو حاصل ہوئی۔ ہندوستان کے کئی قدیمی شہروں میں نو گز لمبے مزار ہیں۔ جن میں بیشتر مزار انبیاء کرام ان کے خلفاء غازیوں اور شہداء کے ہیں۔ اوائل ہی میں حضرت نوحؑ کی اولاد بر صغیر پاک و ہند تک پھیل گئی۔ مشرق وسطیٰ سے سرزمین ہند چونکہ خشکی کے ذریعے ملی ہوئی ہے لہذا حضرت نوحؑ کی اولاد قافلوں کی صورت میں زیادہ تر اسی سرزمین کی طرف آئی اور یہیں پر قیام پزیر ہو گئی۔ حضرت نوحؑ کے تین بیٹوں حضرت حامؑ، حضرت سامؑ، حضرت یافثؑ کی اولاد دنیا بھر میں پھیل گئی۔ حضرت حامؑ کا مزار پنڈ دادنخان کے قریب روال میں ہے مزار کی لمبائی چھبیس گز ہے۔ حضرت حامؑ کے نو بیٹے حضرت حامؑ ۔ حضرت سندھؑ، حضرت زنجؑ، حضرت نوبہؑ، حضرت کنعانؑ، حضرت

کوش، حضرت قنبط، حضرت بربر، حضرت حبش، حضرت ہند کا مزار سرہند کے قریب بر اس میں ہے۔ حضرت مولانا احمد لاہوری کو علم کشف القبور پر عبور حاصل تھا ان کے حوالہ سے یہ رعایت بیان کی جاتی ہے کہ مولونا نے سرہند شریف میں دو نبیوں کے مرقد کی نشاندہی کی تھی اور فرمایا تھا کہ انہوں نے مذکورہ قبروں سے نور کی شعاریں پھوٹتی ہوئی دیکھیں جو آسمان تک جاتی ہے سرہند شریف میں صاحب مزار کا نام ہند ہے جن کے نام سے ہندوستان مشہور ہے ستھان کے معنی جگہ یعنی ہند کی جگہ اسی طرح سندھ کے نام سے سندھ مشہور ہے۔ گجرات تاریخ کے آئینے میں صفحہ نمبر 31 پر تحریر ہے کہ گجرات سے پچیس میل دور بڑیلہ شریف میں حضرت قنبیط ابن آدم کا 210 فٹ لمبا مزار حافظ شمس الدین آف گلیانہ ضلع گجرات کی تحریر کردہ قلمی کتاب انوار الشمس کے مطابق اجودھیا فیض آباد حضرت شیت اسلام ابن آدم کا مزار ہے دوسرا لمبا مزار حضرت انوش بن حضرت شیت کا ہے جو نور نبی کے نام سے مشہور ہے۔ جس مقام پر یہ لمبے مزار ہیں وہاں تباہ شدہ شہر کے آثار ملتے ہیں۔

انوار الشمس میں دیئے گئے انبیاء کرام کے شجرہ صفحہ نمبر 317 نمبر شمارہ 118 کے مطابق انبالہ شہر کی منڈی میں حضرت رجیعام کا مزار ہے۔ جو نو کیلے شاہ کے نام سے مشہور ہے دوسرے صاحب مزار کا نام حضرت سلیمان بیان کیا گیا ہے۔ صفحہ نمبر 324 نمبر شمار 351 سپروڑ میں حضرت یذر کا مزار ہے۔ صفحہ نمبر 325 نمبر شمار 366 جموں میں حضرت برھما کا مزار بتایا گیا ہے۔ جموں میں ہی ملک فلسانوش، طبیوش، بڈھام برہناں، حضرت شرعون، نرسنگھ پورہ میں حضرت شربیا، حضرت ناموس کا مزار راجوڑی دسل والہ میں ہے۔ پیر پڈیسر کے پہاڑوں میں حضرت یضیعہ کا مزار ہے ریاست جموں لے قصبے بوے چک میں حضرت صفدان کا مزار ہے حضرت سریان کا مزار چھچی بانٹھ امرتسر کے قریب ہے اسی شجرہ کے مطابق اکھنور میں حضرت برمان حضرت نعمان کے مزار ہیں۔ پسروڑ حضرت رضون راجوری کے قریب حضرت شمعون کا مزار ہے حضرت سلساتوس کا مزار اکنور جموں میں ہے جو حضرت کلیم اللہ کی اولاد سے بیان کئے گئے ہیں۔ سوہال نزد جموں حضرت طرطوش کا مزار ہے ان کے علاوہ مشرقی پنجاب سہارن پور کلیر شریف کے علاوہ دریائے گنگا جمنا کے کنارے کئی نوگز کے مزار ہیں ان لمبی قبروں کے قریب تباہ شدہ بستیاں آبی گزرگاہوں قدیمی شاہراہوں پیپل برگد (بوہڑ) ون کریا کے درختوں کے آثار ملتے ہیں قرآن میں اللہ تعالی نے فرمایا باہر نکلو نافرمان قوموں کا انجام دیکھو جو نافرمانی کی وجہ سے صفحہ ہستی سے مٹادی گئیں۔ البتہ ان کی تباہی کے آثار موجود ہیں برصغیر کا خطہ بہت قدیمی ہے اللہ کے نیک بندے رشد ہدایت کیلئے یہاں آئے برصغیر میں اولیائے کرام بھی رستہ ہدایت کے لئے بیرون ملک سے آئے ہیں۔

ہند میں دینِ اسلام کی روشنی کی آمد

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ۵۷۰ء میں ظہور فرمایا ۶۱۴ء میں رسالت کا اعلان فرمایا ۶۲۲ء میں مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی اور اسلام کی تبلیغ واشاعت کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہوا پھر آنے والے سالوں اور صدیوں میں ایشیائی ممالک میں اسلام پھیلتا چلا گیا آج دنیا میں مسلمانوں کی تعداد ایک ارب تک پہنچ چکی ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ اسلام کے لیے مدینہ منورہ سے مختلف علاقوں میں وفود اپنے خطوط دے کر روانہ فرمائے باشندگان سندھ (پاکستان) کی طرف بھی پانچ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک وفد حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک لے کر آیا اور سندھ کے بہت سے باشندے ان کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے ان میں دو صحابہ کرامؓ سندھیوں کے ساتھ مدینہ منورہ واپس لوٹ گئے اور باقی تین یہیں رہے اور یہیں انتقال فرمایا۔

سندھ کا ایک وفد حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت بھی حاضر ہوا کہ جب افریقہ سے بھی ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر تھا اور دونوں وفود آپ کے دست حق پر مشرف بہ اسلام ہوئے اور تبلیغ اسلام کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوا جو ہمیشہ جاری رہا۔

خلافت راشدہ کے زمانہ مبارک میں بھی برصغیر (ہندوپاک) اسلام کی ضیا پاشیاں جاری رہیں حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں بعض صحابہ کرام کے ہاتھ پر سندھ اور ہندوستان کے جزیرہ نما عرب میں جا کر مشرف بہ اسلام ہوئے مثلاً بصرہ میں حضرت موسیٰ اشعریؓ کے ہاتھ پر سندھ اور ہندوستان کے لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی لنکا کے باشندے مدینہ منورہ سے اسلام کی روشنی لے کر لنکا آئے حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مبارک کہ حضرت حکیم بن جبلتہ العدوی اور سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے عہد مبارک کہ حضرت حارث بن مرہؓ اور جناب امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں میر مہلب بن ابی صفرہؓ اور ان کے علاوہ بھی مختلف مہمات میں تیس صحابہ اکرامؓ آئے اور اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا فریضہ انجام دیا جن میں چند مشہور صحابہ کرامؓ کے اسمائے گرامی یہ ہیں حضرت ربیع بن زیاد حارثیؓ، حضرت عاصم بن عمر تمیمیؓ، حضرت عبداللہ بن عمیر اشجعیؓ، حضرت سہیل بن عدی بن مالک خزرجیؓ، حضرت مجاشع بن مسعود بن ثعلبہ سلمیؓ، حضرت عبدالرحمان بن سمرہ بن حبیبؓ۔

ان صحابہ کرامؓ کے علاوہ بہت سے تابعین کرامؓ و تبع تابعین کرامؓ ہندوستان سندھ میں تشریف لائے اور اسلام کی روشنی پھیلائی ۹۲ھ میں عمادالدین حضرت محمد بن قاسمؒ کی آمد سے قبل سندھ اور بلوچستان میں اسلام پھیل چکا تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ایک عرب سردار محمد علاقی اپنے قبیلے کے پانچ سو افراد کے ساتھ سندھ میں آباد تھا اور سندھ کے باشندے اسلام کی طرف راغب ہو رہے تھے۔ اور اکثریت داخل اسلام ہو چکی

تھی ۔اور علاوہ ازیں ہندوستان کے مشرقی و مغربی سواحل مالا باد اور کورومنڈل پر بھی مسلمان آباد ہو چکے تھے ۔اور مسلمان کی آمد کے بعد دور دراز کے علاقوں کے لوگ بھی اسلام میں گہری دلچسپی لے رہے تھے۔

برصغیر (پاک وہند) میں اسلام کی روشنی ابتداء میں باب اسلام سندھ اور بلوچستان اور جنوبی ہند میں آئی ان علاقوں میں بالخصوص سندھ میں پہلی صدی ہجری میں صحابہ کرامؓ اور مشہور تابعی حضرت عبدالرحمن بن عباس الہاشمی القریشیؒ دوسری صدی ہجری میں حضرت ابو حفص بن ربیع بن صبیح سعدی بصریؒ تیسری صدی ہجری میں حضرت شیخ الکبیر ابو علی سندھیؒ اور چوتھی صدی ہجری میں حضرت شیخ احمد بن عبداللہ دیبلی سندھی اور حضرت امام محمد اسماعیل بخاریؒ نے تبلیغ اسلام اور علوم دینیہ کی اشاعت کا سلسلہ جاری رکھا اس کے بعد اولیائے کرام و مشائخ کرام کا لا متناعی سلسلہ شروع ہوا اور ان حضرات نے برصغیر میں فروغ اسلام کے لیے انتھک جدوجہد کی اور اپنے کردار و عمل سے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کیا اور معاشرے میں ایک صحت مند انقلاب برپا کیا۔

پانچویں صدی ہجری میں جب سلطان المشائخ حضرت سلطان محمود غزنویؒ ہندوستان پر حملہ آور ہوئے تو آپ کے لشکر میں بہت سے اولیاء کرام و صوفیائے عظام صرف اس مقدس فریضہ کی انجام دہی کی خاطر ہی لشکر میں شامل ہو کر ہندوستان آئے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے جن میں امام الاولیاء شیخ المشائخ حضرت سیدنا مخدوم ابو الحسن علی بن عثمان الہجویری المعروف بہ حضرت داتا گنج بخش کا نام نامی سرفہرست آتا ہے آپ نے لاہور شریف کو اپنے فیوض و برکات کا مرکز بنایا آپ کی تشریف آوری سے پہلے یہاں آپ کے پیر بھائی شیخ السلام حضرت میراں حسین زنجانیؒ نے تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دیا۔ حضرت داتا صاحبؒ نے لاہور شریف میں ایک عظیم تعلیمی و تبلیغی مرکز قائم فرمایا اور اپنی مخلصانہ تعلیم و تبلیغ اور اپنی نابغہ روزگار شخصیت کے تاثیر سے ایک کثیر تعداد علماء و مشائخ کی پیدا کی اور اسے پورے ہندوستان میں تعلیم و تبلیغ دین حق کے لیے پھیلا دیا اور اس طرح آپ کے وصال فرجانے کے بعد بھی آپ کے مستفیضین کے ذریعے آپ کا سلسلہ فیضان جاری و ساری رہا۔

جولائی ۱۹۹۷ء ہندوستان کا پہلا سفر

واہگہ بارڈر پر پرچم اتارنے کی تقریب دیکھنے کے قابل ہوتی ہے پرچم اتارنے کی کاروائی دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اس لمحے ہندوستان کے اولیائے اکرام کے نام ذہن میں آتے رہے۔ ساتھ ہی آنکھوں سے آنسو جاری تھے کہ راقم ہندوستان میں اولیائے اکرام کے حضور حاضری دینا چاہتا ہے لیکن ویزہ کے بغیر یہ ممکن نہیں۔ ان ہی جذبات کو لیے راقم واپسی پر داتا صاحب کے حضور حاضر ہوا۔ یہاں سب کی مرادیں پوری ہوتی ہیں راقم نے عرض کہ ہندوستان میں اولیائے اکرام کے حضور حاضری دینا چاہتا ہوں نظر کرم فرمائیں۔ داتا صاحب کے مزار پر حاضری کے بعد راقم قربان لائن میں انسپکٹر محمد رمضان کے ہاں رات قیام کے بعد صبح سویرے پاکپتن کے لئے روانہ ہوا پاکپتن حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ کے حضور اور صابر پیا کے حجرہ میں عرض کی، سرکار قدموں میں بلاؤ۔ میری دعا قبول ہوئی۔ محکمہ وزارت مذہبی امور پاکستان نے حضرت علاء الدین صابرؒ کے عرس مبارک میں حاضری کے لئے زائرین سے درخواستیں طلب کیں تھیں راقم کی درخواست بھی خواجہ محمد احسن ایڈووکیٹ رکن پنجاب بار کونسل کی وساطت سے منظور ہو چکی تھی۔ تقریباً اڑھائی سو زائرین کا قافلہ کلیر شریف عرس کے لیے روانہ ہوا صبح سویرے مسجد داتا صاحب میں زائرین کی دستار بندی کی گئی۔ واہگہ میں کاغذات کی جانچ پڑتال کے بعد زائرین کا قافلہ بسوں کے ذریعے امرتسر کے لئے روانہ ہوا۔ زائرین کو حفاظتی اقدامات کے پیش نظر رات کو سفر کے لئے روانہ کیا جاتا ہے۔ زائرین کا قافلہ جب امرتسر اسٹیشن پر پہنچا تو شام ہو چکی تھی پلیٹ فارم پر ٹرین تیار کھڑی تھی رات کے سفر کے بعد انبالہ اسٹیشن پر سہارن پور کی کے لیے دوسری ٹرین تیار کھڑی تھی۔ صبح سویرے گاڑی سہارن پور پہنچی اسٹیشن کے باہر کلیر شریف کیلئے بسیں تیار کھڑی تھیں حکومت ہند نے عرس کیلئے زائرین کو چھ سات سال کے وقفہ کے بعد عرس پر حاضری کی اجازت دی تھی ہندوستان کے اخبارات نے بھی نمایاں طور پر عرس مبارک کی تقریبات کو شائع کیا گیا۔ زائرین کو کلیر شریف کی ایک درس گاہ میں ٹھہرنے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ جو مزار حضرت صابر سرکارؒ کے قریب ہے۔

کمروں کے علاوہ برآمدہ میں فرش پر دریاں چٹائیاں بچھا دی گئیں۔ عرس مبارک میں ہندوستان بھر کے مسلمان اہل عیال کے ہمراہ حاضری دیتے ہیں۔ عرس کے دوران کسی قسم کا ہنگامہ ہلڑ بازی نہیں ہوتی ارادت مند پوری عقیدت احترام کے ساتھ حاضری دیتے ہیں۔ غیر مسلم بھی احترام کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں۔ صابر کے دیوانے صابری سلسلہ کے آستانوں کے سجادہ نشین متولی نگرانوں نے یہاں علیحدہ علیحدہ کیمپ قائم ہوتے ہیں دن رات لنگر جاری رہتا ہے یہ

لنگر گرانوں سے غریب لوگ اکٹھا کرتے رہتے ہیں گھروں کو لے جاتے ہیں قوال مختلف انداز میں قوالیاں پیش کرتے ہیں راقم کا زیادہ وقت صابر سرکارؒ کے حضور حاضری دینے میں گزرا دن ہو یا رات، وقفہ وقفہ کے بعد حاضری ہوئی۔ آستانہ عا کلیر شریف کے سجادہ نشین سید منصور اعجاز کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا کلیر شریف میں زائرین کا ق پانچ چھ روز ہوتا ہے۔ باقی دو تین دن سفر میں گزر جاتے ہیں بارہ ربیع الاول فجر سے پہلے خواب میں حضرت علاؤالد علی احمد صابر سرکارؒ نے خواب میں زیارت کرائی۔ اس لحاظ سے راقم ایک خوش انسان ہے جسے صابر سرکار کا خواب می دیدار ہوا۔ اس در سے کوئی خالی نہیں آتا۔ صابر سرکار نے میری خالی جولی بھر دی آخری روز خادم نے عرض کی "سرکا میں دہلی میں اولیائے کرام کے حضور حاضری دینا چاہتا ہوں کوئی وسیلہ بنائیں۔ صابر سرکار کے آستانے پر میری یہ د قبول ہوئی راقم اگلے ماہ بھی اگست ۱۹۹۷ء دہلی، اولیائے کرام کے حضور حاضری کے لیے روانہ ہوا۔

14 اگست ۱۹۹۷ء ہندوستان کا دوسرا سفر

اگست ۱۹۹۷ء صحافیوں دانشوروں اور ادیبوں، وکلاء کا باسٹھ رکنی وفد 14 اگست کو مطالعاتی دورے پر بھارت کے لیے روانہ ہوا۔ 15 اگست کو بھارت میں یوم آزادی منایا جاتا ہے۔ 15 اگست کو دہلی میں یوم آزادی کا منظر دیکھا دہلی کا ریلوے اسٹیشن شمال ریلوے کا ہیڈ کوارٹر ہے جو جدید سہولتوں سے آراستہ ہے ایک عالی شان عمارت دور سے شاندار دکھائی دیتی ہے وفد کے بیشتر اراکین کی رہائش کا اہتمام نئی دہلی چھترپور کے قریب جین مت کے ایک عبادت خانہ کے ہاسٹل میں کیا گیا۔ وہاں تک پہنچتے شام ہو چکی تھی استقبالیہ کمرہ میں جین مت کے پیروکاروں کے فوٹو آویزاں تھے جن کے منہ پر پٹی باندھی ہوئی تھی ایسا محسوس ہوا کہ ہم کسی ہسپتال میں داخل ہو رہے ہیں کیونکہ آپریشن کے وقت ڈاکٹر صاحبان منہ پر کپڑا باندھ لیتے ہیں بعد میں معلوم ہوا یہ جین مت کا عبادت خانہ ہے یہاں جین مت کے بے سکون پریشان لوگوں کو ان کی مذہبی تعلیم کے درس دے کر علاج کیا جاتا ہے۔

ہال میں جین مت کے افکار دیواروں پر تحریر ہیں۔ کھانے کے کمرہ میں داخل ہوں تو وہاں مقیم افراد کی ہدایت پر سختی سے عمل کرنا پڑتا ہے۔ ڈائننگ ہال صاف ستھرا جس میں داخل ہونے کے لیے جوتے باہر اتارنے پڑتے ہیں۔ یہ ہدایت کی جاتی ہے کہ دال ترکاری بھات چپاتی اتنی لیں کہ باقی نہ بچے۔ کھانے کے بعد برتن خود صاف کرنے کی ہدایت کی جاتی ہے۔ وفد کے ایک صاحب نے گوشت کی فرمائش کی جسے ساتھ بیٹھے ساتھی نے بتایا کہ جین مت میں گوشت تو کیا کسی جاندار کو تکلیف دینا گناہ عظیم ہے۔ پاکستانی قوم کے ایک طبقہ کا معیار زندگی بہت بلند ہے بلکہ پاکستان اس معیار زندگی کے سامنے یورپ اور امریکہ کے لوگوں کا معیار زندگی ماند پڑ جاتا ہے۔ وفد کے اراکین کو یہ بھی بتایا گیا کہ

رات دیر سے آنے پر دروازہ نہیں کھلے گا۔ کھانے کی پابندی اور رات گئے واپس آنے کی پابندی پر کچھ اراکین ہوٹلوں میں منتقل ہو گئے۔ بیشتر گنتی گیٹ ہاؤس نزد بنگالی مارکیٹ میں منتقل ہو گئے یہ گیٹ ہاؤس پنڈت جواہر لعل نہرو یونیورسٹی کے طالب علموں کے مہمانوں کے لیے تعمیر کیا گیا ہے کمروں کا کرایہ بہت کم ہے۔ کھانے کا بل صرف سات روپے ہے اس بل میں دودھ دہی انڈا چپاتی ملتی ہے جتنی جی چاہے کھا سکتے ہیں۔ راقم کو سنگل بیڈ کا کمرہ الاٹ ہوا۔ چھ روزہ قیام کے دوران راقم نے دہلی کے تمام اولیائے کرام کے آستانوں پر حاضری دی اور تاریخی مقامات کی سیر کی۔ دہلی میں سیاحوں کیلئے محکمہ سیاحت نے آرام دہ بسوں کا اجراء کر رکھا ہے۔ سیاحوں کو روحانی تاریخی مقامات کی سیر کے لیے نجی شعبہ کی بسیں چلتی ہیں جو لال قلعہ کے باہر کھڑی ہوتی ہیں۔ بیس روپے فی کس کے حساب سے دہلی کی تمام روحانی قدیمی تاریخی مقامات کی سیر کرائی جاتی ہے تاج محل آگرہ دیکھنے والوں کے لیے آگرہ کے لیے صبح پانچ چھ بجے بسیں چلتی ہیں۔ جن کی بکنگ قبل از وقت ہوتی ہیں یہ بسیں بھی بہت آرام دہ ہوتی ہیں دہلی سے آگرہ تک سڑک بھی اچھی حالت میں ہے۔ دہلی سے تاج ایکسپریس ٹرین بھی چلتی ہے۔ آگرہ جاتے ہوئے متھرا کا مشہور تاریخی شہر اور مسجد کے گنبد مینار دیکھائی دیتے ہیں۔ متھرہ کے بعد آگرہ آتا ہے۔ قلعہ آگرہ اور تاج محل کی وجہ سے یہاں بہت رونق ہے ہزاروں سیاح روزانہ تاج محل قلعہ اور فتح پور سیکری کی تاریخی عمارتیں دیکھنے کے لیے آتے ہیں قلعہ میں داخلے کا ٹکٹ پندرہ روپے ہے تاج محل کا ٹکٹ بھی پندرہ روپے ہے ان تاریخی عمارتوں کے ٹکٹ سے حکومت ہند کو کروڑوں روپے کی آمدن ہوتی ہے لیکن جمعہ کے روز داخلہ مفت ہوتا ہے کیونکہ قلعہ اور تاج محل کے اندر مسجدیں ہیں تاج محل آگرہ کی تفصیل تاج محل کے مضمون میں بیان کی گئی ہے قلعہ میں داخلہ ہوتے ہی گائیڈ اردو انگریزی میں قلعہ کی تاریخ بیان کرتے ہیں۔ قلعہ اور تاج محل دریائے جمنا کے کنارے تعمیر کیے گئے ہیں تاج محل کی حفاظت پولیس ملازمین کرتے ہیں تلاشی کے بعد داخلہ کی اجازت ہوتی ہے مقبرہ شاہ جہاں ممتاز بیگم میں داخلہ سے قبل جوتا اتارنا ضروری ہوتا ہے تاج محل کے باہر آگرہ جیل کے قیدیوں کے تیار کردہ ملبوسات اور جوتوں کی دوکانیں ہیں ٹورازم کی بس واپسی پر متھرا اور رنگ مندر کرشنا بھی لے جاتی ہے جوں بس متھرا کی حدود میں داخل ہوتی ہے گائیڈ متھرا اور بھگوان کرشن جی مہاراج کی تاریخ بیان کرتا ہے۔ متھرا کرشن جی مہاراج کی جنم بھومی ہے۔ ہندو احترام کے لیے یہاں جوتے اتار لیتے ہیں۔ مسجد اور مندر قریب قریب ہیں جس کی وجہ سے کشیدگی پائی جاتی ہے یہاں فوٹو لینے کی اجازت نہیں حفاظتی اقدامات کیلئے پولیس کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ سوروں اور گائے کے غول کے غول گھومتے پھرتے نظر آتے ہیں گائیڈ سیاحوں کو بتا رہا تھا کہ بھگوان کرشن جی مہاراج متھرا کے قریب پیدا ہوئے انہوں نے اپنی تبلیغ میں گائے کو مقدس قرار دیا۔ یہاں پانچ ہزار گائے ہیں تین سو ساٹھ ایکڑ رقبہ گاؤ چر کے نام سے مشہور ہے یہ رقبہ گائے کے چارہ

کیلئے وقف ہے اور ہزاروں کی تعداد میں گوشالہ ہیں جہاں رات کو گائیں قیام کرتی ہیں کرشن جی مہاراج کی جنم بھومی کے دروازے پر رتھ دو بیل اور رتھ میں کرشن جی مہاراج کو سوار دکھایا گیا ہے۔ مندر کے ملحقہ مغلوں کے دور کی تعمیر کردہ تین گنبد دو میناروں والی مسجد ہے گنبد سنگ مرمر کے ہیں باقی مسجد سرخ پتھر سے تعمیر کی گئی ہے متھرا کے بعد سیاحوں کو رنگ مندر کرشنا مندر کی سیر کرائی جاتی ہے رنگ مندر متھرا سے چھ سات کلو میٹر کے فاصلے پر ہے۔ یہاں ہر گھر میں مندر ہیں۔ مندروں کی تعداد ہزاروں میں ہے اور ساز آواز بھجن، گھنٹیوں کی آواز کان پھاڑ دیتی ہیں۔ گائے کے خالص دودھ سے کھویا برفی دیگر اشیاء تیار کی جاتی ہیں بیشتر دوکانوں پر عورتیں دوکانداری کرتی ہیں بڑے بڑے مندروں کے باہر بوڑھے ہندو عمر رسیدہ ہندو عورتیں بھیک مانگتی ہیں۔ کھانے کی اشیاء درخت کے پتے سے تیار کردہ پلیٹ میں رکھ کر دی جاتی ہیں ہوٹلوں اور ریلوے اسٹیشنوں پر دال چنے انڈے کا آملیٹ ڈک کے درخت کے پتوں سے تیار کردہ پلیٹ میں دی جاتی ہے رنگ مندر میں سیاح کھانے کے بعد یہ پلیٹ پھینکتے ہیں تو سور پتے کی پلیٹ کو چاٹنے کے لیے دوڑ پڑتے ہیں۔ گائیڈ نے بتایا کہ یہاں جنگلی بابا کا نو منزلہ مندر ہے اس بابا کے پاس ہندوستان کے وزیر اعظم اندرا گاندھی بھی حاضری دیا کرتی تھی۔ گائیڈ نے بتایا کہ شہر میں مندر ہزروں کی تعداد میں ہیں پجاریوں کی عقیدت بھی دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔ سیاحوں کی بس میں نوجوان انگریز عورتیں بھی شامل تھیں جب وہ تاج محل آگرہ میں داخل ہوئیں وہ دنگ رہ گئیں ان پر اتنی خوبصورت عمارت دیکھ کر سکتہ تاری ہو گیا وہ مسلسل تاج محل کی طرف دیکھ دیکھ کر تعریفیں کر رہی تھیں اتنا عرصہ گزر چکا ہے یہ عمارت سیمنٹ سریا کے بغیر دریائے جمنا کے کنارے کھڑی ہے اور محبت کی لازوال داستان اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔

دہلی میں قیام کے دوران آخری روز حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، حضرت خواجہ نظام الدینؒ، حضرت امیر خسروؒ، حضرت نصیر الدین چراغؒ دہلی، حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے علاوہ دیگر اولیائے کرام کے آستانوں پر حاضری دی اور عرض کی حضرت شرف الدین بو علی قلندرؒ کے حضور حاضری کے لیے میری درخواست منظور کی جائے ٹرین نے رات نو بجے اٹاری لاہور کیلئے روانہ ہونا تھا ٹکٹ کی بکنگ کے لیے چھ بجے تک اسٹیشن پر پہنچنا ضروری ہوتا ہے۔ لاہور کے لیے ایک سو پچیس روپے کا ٹکٹ خریدا اور گاڑی میں سوار ہونے کے لیے پلیٹ فارم کی طرف روانہ ہوا مسافروں کی تعداد بہت زیادہ ہونے کے باوجود گاڑی میں بہت کم بوگیاں لگائی گئیں۔ یہاں بھی قلیوں کے ذریعے سیٹیں ملتی ہیں۔ مسافروں اور سامان کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن گاڑی میں بوگیاں کم لگائی جاتی ہیں۔ اس کا سدباب ضروری ہے عوام کو نوکر شاہی کے رحم و کرم پر نہ چھوڑا جائے۔ اٹاری اور واہگہ کی اذیت ناک تکلیف دہ کلیرنس کے بعد گاڑی شام کو لاہور پہنچی۔ مسافر اپنی اپنی منزل کو روانہ ہوئے۔

19 نومبر ۱۹۹۸ء بھارت کا تیسرا سفر

حضرت شرف الدین بو علی قلندرؒ کے حضور میری حاضری منظور ہو چکی تھی۔ دنیا میں کچھ لوگ بہت عظیم ہوتے ہیں جو دوسروں کی خوشی کے لیے قربانیاں دینے کے عادی ہوتے ہیں ایسے ہی لوگوں میں ایک روحانی شخصیت سید مسعود شاہ بھی ہیں جو حضرت کبیر الدین شاہ دولہ دریائی کے سجادہ نشینوں کی اولاد میں سے ہیں مسعود شاہ اور راقم نے اکھٹے دہلی جانے کا پروگرام بنایا۔ پاکستان میں مقیم ہندوستان کے سفیر نے ایک اخباری بیان میں کہا کہ سوائے چند شہروں کے پورے ہندوستان کے لیے پاکستانیوں کو ویزہ کی سہولت حاصل ہو گی۔ ہماری خوشی کی انتہا نہ رہی کہ اب تو پورے ہندوستان کی سیر ہو سکے گی اولیائے کرام کے آستانوں کے علاوہ قدیمی تاریخی اور روحانی مقامات پر حاضری ہو سکے گی لیکن جب ہندوستان کے سفارت خانہ سے رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ یہ صرف اخباری بیان ہے۔ ہم نے اجمیر شریف، آگرہ، فتح پور سیکری، سرہند شریف، کلیر شریف، دہلی، میسور، سسرام گیا اور دوسرے تاریخی شہروں کو دیکھنے کے لیے ویزہ کی درخواستیں دیں۔ قرعہ اندازی میں راقم کو دہلی کے لیے ایک ماہ کا ویزہ مل گیا راقم نے سید مسعود شاہ سے کہا کہ دونوں اکھٹے ہی ہندوستان جائیں گے۔ مسعود شاہ نے جواب دیا چونکہ آپ کتاب مرتب کر رہے ہے۔ آپ کا مطالعاتی دورہ پر ہندوستان جانا بہت ضروری ہے انہوں نے خلوص دل سے مجھے ہندوستان جانے کی اجازت دے دی۔ اس بار بھی حسب سابق سمجھوتہ ایکسپریس راقم کی منتظر تھی اس سفر میں راقم کے پاس پروفیسر محمد اسلم کی لکھی ہوئی کتاب "سفر نامہ ہند" اور دو جوڑے کپڑوں کے علاوہ راقم کی تحریر کردہ کتب کا ایک ایک نسخہ تھا جو غالب اکیڈمی دہلی کو پیش کرنا تھا صرف ایک بیگ اٹھایا اور سمجھوتہ ایکسپریس میں سوار ہوا خستہ حال ڈبوں پر مشتمل یہ ٹرین ہچکولے کھاتی آہستہ آہستہ واہگہ اٹاری کے لیے روانہ ہوئی کبھی رکتی کبھی چل پڑتی واہگہ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

واہگہ اسٹیشن پر ہر ایک کو جلدی سامان اتارنے کی فکر ہوتی ہے۔ راقم کے پاس صرف ایک ہنڈ بیگ تھا۔ ٹرین سے سب سے پہلے اتر کر امیگریشن کے کاؤنٹر کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ انتہائی بد اخلاق عملہ فی کس سو سو روپے مانگنے لگا۔ راقم نے اپنا تعارف کرایا کہ وکیل ہونے کے علاوہ صحافی بھی ہے۔ جس پر اس نے راقم سے سو روپے لینے کی جرآت نہ کی۔ امیگریشن کے بعد کسٹمز والوں سے واسطہ پڑا ایک بیگ دیکھ کر انہوں نے مجھے کلیر کر دیا۔ ایک بیگ والے مسافر کو دیکھ کر مسکراتے سب ہی مسافروں کے پاس اٹھ دس بارہ کے قریب بیگ تھے۔ جب تک تمام مسافروں کو امیگریشن اور کسٹمز والے کلیر نہ کریں گاڑی میں سوار ہونے کی اجازت نہیں ہوتی۔ خدا خدا کر کے تمام مسافروں کا سامان کلیر ہوا۔ گاڑی اٹاری کے

لیے روانہ ہوئی یہاں بھی حسب سابق حالات کا سامنا کرنا پڑا یہاں صرف چائے مل سکتی ہے۔ کھانے کا کوئی انتظام نہیں۔
جب عملہ سے پوچھا گیا کہ گاڑی کی روانگی کا کیا وقت ہے اس نے جواب دیا اس گاڑی کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ رات آٹھ
نو بجے جب تمام مسافروں کو کلیرنس ملی تو سرخ ڈبوں والی گاڑی دہلی کے لیے روانہ ہوئی اس گاڑی میں یہ خوبی ہے کہ پانی
ہوا روشنی کا معقول انتظام ہوتا ہے۔ دوسرے روز چار بجے گاڑی دہلی پہنچی۔ دہلی میں سائیکل رکشہ ہزاروں کی تعداد میں
ہیں۔ ان کا کرایہ بہت کم ہوتا ہے چند روپے دے کر جہاں چاہیں جا سکتے ہیں جامع مسجد دہلی کے گرد و نواح تمام آبادی
مسلمانوں کی ہے مسجد کے زیر سایہ جنوب کی جانب سائیکل رکشا کی دوکانیں اور ورکشاپ ہیں سڑک کی دوسری جانب
مسلمانوں کے ہوٹل ہیں مسجد کے مشرق کی جانب کتابوں کی دوکانیں ہیں شمال کی طرف کپڑے کی دوکانیں ہیں مغرب کی
طرف بھی کپڑے، کمبل و جنرل سٹور کی دوکانیں ہیں پورے دہلی میں سب سے زیادہ رونق والے بازار جامع مسجد دہلی اور لال
قلعہ کے ہیں اتوار کے روز تو اتوار بازار لگتے ہیں جہاں اشیاء بہت سستی ملتی ہیں فٹ پاتھ پر دوکانیں ہی دوکانیں نظر آتی
ہیں۔ ہندوستان میں منزل مقصود پر پہنچنے کے بعد سب سے پہلا کام پولیس ہیڈ کوارٹر پر اندراج کا ہوتا ہے یہ دفتر چوبیس گھنٹے
کھلا رہتا ہے دو فوٹو پاسپورٹ ویزہ فارم دکھا کر گھومنے پھرنے کے لیے پرمٹ ملتا ہے جس پر فوٹو اور قیام گاہ کا اندراج ہوتا
ہے دوسرے تیسرے روز انٹیلی جنس کا آدمی جانچ پڑتال کے لیے دیے ہوئے ایڈریس پر آتا ہے یہ طریقہ کار بہت اچھا ہے
خدانخواستہ اگر کوئی حادثہ ہو جائے تو بہت آسانی رہتی ہے۔ پولیس ہیڈ کوارٹر میں پاکستانیوں کے لیے علیحدہ دفتر بنایا گیا ہے
ویزہ کی معیاد ختم ہونے کے بعد اس دفتر میں واپسی کی اطلاع کی جاتی ہے۔ کسی عزیز کی شادی، بیماری، ٹرین ہوائی جہاز نہ
ملنے پر یہاں ویزہ کی معیاد بڑھائے جانے کی سہولت بھی حاصل ہے۔ دہلی میں چھ روز قیام کے دوران اولیائے کرام کے
آستانوں پر حاضری کے علاوہ قدیمی تاریخی اور روحانی مقامات پر حاضری دی۔ پورے دہلی کی سیر کے لیے کم از کم ایک ماہ
بھی کم ہوتا ہے خصوصی طور پر مہرولی کے جنگل میں سلاطین دہلی کی عمارتیں بادشاہوں، شہزادوں سپہ سالاروں اہم
لوگوں کے مقبرے دیکھنے کے قابل ہیں۔ اس رقبہ کے ارد گرد محکمہ آثار قدیمہ نے دیوار تعمیر کر دی ہے البتہ کچھ حصوں پر
تعمیرات کر دی گئی ہیں مہرولی کے جنگل میں تباہ شدہ عمارتوں کے آثار ملتے ہیں۔ یہاں جو بھی نیا حکمران آیا اس نے پرانی
تہذیب کو ملیامیٹ کر دیا عمارتوں کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا آباد شہروں کو پل بھر میں تباہ کر دیا جب راقم کو مہرولی کے
اس جنگل میں اولیائے کرام کے مزارات اور پرانی عمارتوں کو دیکھنے کا اشتیاق تھا۔ حضرت شرف الدین کے حضور
حاضری دے کر حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے آستانہ کو جانے والی سڑک کے قریب سے گندہ نالہ کے قریب ایک
سڑک مہرولی کے جنگل کو جاتی ہے یہاں اجنبی کو داخل ہوتے خوف سا محسوس ہوتا ہے۔ راقم اللہ تعالیٰ کا نام لے کر جنگل

میں داخل ہوا۔ ہر طرف پتھر ہی پتھر بکھرے نظر آتے ہیں دل میں کسی قسم کا خوف نہ تھا کیونکہ ہندوستان کے اولیائے کرام کی نظر کرم سے میری حاضری ہوئی تھی۔ میں ان کا مہمان تھا وہی آتے ہیں جنہیں خواجہ بلاتے ہیں۔ یہاں اولیائے کرام اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی مدد لے کر تشریف فرما ہوئے تھے میں ان نیک ہستیوں کی پاؤں کی خاک ان کا غلام تھا مجھے کسی قسم کا ڈر خوف نہ تھا میرا پختہ ایمان تھا کہ اس جنگل میں حفاظت سے ہوں اولیائے کرام کے خادم کو کسی قسم کا ڈر خوف نہیں ہوتا۔ راقم نے تھوڑا فاصلہ طے کیا تو ایک اجنبی سے ملاقات ہوئی میں نے اجنبی سے نام پوچھا اجنبی نے اپنا نام کرمو بتایا جو غالباً ہندو تھا۔ میں نے کرمو سے کہا کہ میں یہاں پرانی عمارتوں پر جانا چاہتا ہوں وہ یہاں قریب ہی کا رہنے والا تھا وہ میرے آگے آگے چل پڑا گھنے جنگل میں قد آور سور گھوم پھر رہے تھے۔ میں نے کرمو سے کہا کرمو، سور خطرناک تو نہیں۔ کرمو نے جواب دیا انسان سے زیادہ خطرناک کون ہو سکتا ہے۔ ہم ان سوروں کے قریب سے گزر گئے یہاں سلطان علاؤالدین خلجی کا تعمیر کردہ تالاب ہے قریب سلطان فیروز شاہ کا مقبرہ ہے۔ شیخ عبدالرحمٰن چشتی کا مزار بھی قریب ہی ہے۔ اس جنگل میں محکمہ آثار قدیمہ والے پرانی عمارتوں کی مرمت کر رہے ہیں اور ان تاریخی عمارتوں کی مختصر تاریخ بھی درج کر رہے ہیں جنگل کے کچھ حصوں کو آباد کر کے پارک بنائے جا رہے ہیں۔ کرمو نے مجھے امرود کے باغ کے قریب چھوڑ کر واپس جانے کی اجازت مانگی۔ یہ کرمو میرے ساتھ کوئی گھنٹہ بھر مہرولی کے جنگل میں گھومتا پھرتا رہا۔ امرود کے باغ کے جانب شمال حضرت شیخ جمالؒ تاریخ وفات ۱۵۳۵ء کا مزار اور مسجد ہے۔ یہاں آدمی گھومتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ مسجد حضرت شیخ کمال اور روضہ میاں کمالی جمالیؒ کی مسجد کے نام سے مشہور ہے پہلے مسجد میں داخل ہونے کے لیے دروازہ ہے چار دیواری بھی ہے مسجد سرخ پتھر اور سنگ مرمر سے تعمیر کی گئی ہے۔ مسجد کے شمال کی جانب حضرت شیخ کمالؒ کا روضہ ہے یہ روضہ بہت شاندار خوبصورت انداز میں تعمیر کیا گیا ہے۔ دونوں چوکیداروں نے بہت ادب واحترام کے ساتھ مزار کا دروازہ کھولا پہلے ہاتھ مزار کی دہلیز پر رکھا پھر ہاتھ کو چوما۔ راقم کو ان کی احترام والی ادا بہت پسند آئی۔ مزار کے اندر باہر صفائی دیکھ کر راقم بہت خوش ہوا اور دونوں کو پچاس پچاس روپے دیئے وہ بہت خوش ہوئے ان میں ایک چوکیدار مجھے راجہ کی باولی پر لے آیا مہرولی کے جنگل میں یہ تین منزلہ باولی ہے جس کے کئی دور بر آمدے ہیں مغرب کی طرف نامعلوم مقبرہ ویران مسجد ہے اس باولی کے شمال کی طرف دس بارہ قدیمی مقبرے میں جو پتھر تراش کر تعمیر کیے گئے ہیں کلمہ طیبہ قرآنی آیات پتھروں پر کندہ ہیں۔ دہلی میں پیدل چلتے چلتے میرے پاؤں میں چھالے بنتے گئے اور خود خود ختم ہوتے گئے۔ رات کو درد محسوس ہوتا۔ راقم کی یہی کوشش رہی کہ کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ تاریخی قدیمی روحانی مقامات پر حاضری ہو سکے قطب مینار کے جنوب مشرق کی طرف چھوٹی سی پہاڑی پر قدیمی مقبرہ دکھائی دیتا ہے۔ یہ

غیاث الدین بلبن کا مقبرہ ہے جس کے چار دروازے ہیں محکمہ آثار قدیمہ نے مقبرہ کو از سر نو تعمیر کیا ہے اس بلند مقام پر کھڑے ہو کر پرانی اور نئی دہلی کا نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ اس مقبرہ کے جنوب کی جانب چند قدیمی قبریں ہیں جنوب کی طرف ایک چھوٹی سی پہاڑی پر بھگوان مہاویر کا مجسمہ پتھر تراش کر نصب کیا گیا ہے جو جین مت کے عظیم لوگوں میں سے ہیں۔ مجسمہ کا وزن تیس ٹن ہے۔

یہاں جین مت کی تعلیمات تحریر ہیں۔ مجسمہ کے دونوں ہاتھوں کے نیچے شیر کے نمونے تراش کر رکھے ہوئے ہیں۔ یہاں جوتے باہر اتارنے پڑتے ہیں۔ سرسبز پہاڑی پر گھاس پھول سلیقہ سے سجائے گئے ہیں۔ چونکہ میری حاضری پانی پت میں حضرت شرف الدین بو علی شاہ قلندرؒ کے حضور تھی۔ جن کی نظر کرم سے راقم ہندوستان میں تیسری بار اولیائے کرام کے حضور حاضر ہوا۔ دنیا میں صرف اڑھائی قلندر ہو گزرے ہیں۔ راقم حضرت لعل شہبازؒ کے حضور حاضری دے چکا ہے دوسرے قلندر بو علی شاہ قلندرؒ کے حضور میں حاضری ہو چکی نصف قلندر حضرت مائی رابعہ بصریؒ ہو گزری ہیں۔ دہلی سے پانی پت نوے کلو میٹر کے فاصلہ پر ہے ڈیڑھ اور دو گھنٹے میں یہ سفر طے ہوتا ہے دہلی اور پانی پت کے درمیان کبھی جنگل تھا اب آہستہ آہستہ آباد کار زمین آباد کر رہے ہیں اس علاقہ کو مور تھل کہتے ہیں جس کے معنی بنجر زمین کے ہیں اس میدان میں کئی خونریز جنگیں ہوئیں۔ ہندو عقیدہ کے مطابق ایسے علاقے کو آباد نہیں کیا جاتا، جہاں جنگ و جدل اور خونریزی ہوئی ہو۔ قلندر پاک کے حضور حاضری کے بعد مولانا الطاف حسین حالی کے مزار پر حاضری دی کتب خانہ بھی دیکھا۔ حضرت قلندر پاک کے احاطہ کے قریب سینکڑوں مسلمان بچے مذہبی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ قلندر پاک کے مزار کے قریب ان کے مقبول نظر شہزادہ مبارک خان کی قبر ہے قلندر پاک کے مزار سے تھوڑے فاصلہ پر حضرت جلال الدین کبیرؒ کا مزار ہے۔ حضرت شمس الدین ترک پانی پتی کے مرید تھے حضرت جلال الدین کبیرؒ کے مزار کے ملحقہ جن کا مزار بھی پانی پت میں ہے۔ ظہیر الدین بابر کے دور کی مسجد اور دو قبریں ہیں۔ حضرت شمس الدین ترک کا مزار بھی پانی پت میں ہے۔ حضرت علاؤ الدین صابر کے خلیفہ ہیں۔ یہاں کئی اولیائے کرام کے مزار ہیں۔ پانی پت کے باہر اڈا لاریاں کے قریب سلطان ابراہیم لودھی کا مزار ہے جو ایک چبوترے پر بنایا گیا ہے سرہانے کی طرف سنگ مرمر سے نام تحریر ہے۔ قریب گرانڈ ٹرنک پانی کا نالہ ہے۔ پانی پت ایک تاریخی شہر ہے یہاں تین سو ساٹھ مسجدیں تھیں جو ویران ہیں ان میں ساٹھ ستر کے قریب آباد ہیں زیادہ تر مغربی پنجاب کے مہاجر شرنارتھی آباد ہیں۔ پانی پت میں سوروں کے غول کے غول گھومتے پھرتے ہیں یہ سور پالتو ہوتے ہیں۔ پانی پت جی ٹی روڈ پر واقع ہے۔ یہ سڑک کرنال، لودھیانہ، جالندھر، لاہور کو جاتی ہے۔ پانی پت ایک قلعہ بند شہر تھا اسکی فصیل گر چکی ہے البتہ چند دروازے صحیح حالت میں ہیں۔ برصغیر کی قسمت

کے فیصلے پانی پت کے میدانوں میں ہوتے تھے۔پانی پت کو اب ضلع کا درجہ دیا گیا ہے۔پانی پت کی پہلی جنگ ظہیر الدین بابر اور سلطان ابراہیم لودھی کے درمیان ہوئی جس میں ابراہیم کو شکست ہوئی۔پانی پت کی دوسری جنگ ۱۵۵۶ء میں اکبر اعظم اور ہموں بقال کے درمیان ہوئی اس جنگ میں اکبر اعظم کو فتح نصیب ہوئی تیسری جنگ ۱۷۶۱ء میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی دعوت پر احمد شاہ ابدالی پانی پت کے میدان میں آئے ۱۷۶۱ء میں مرہٹوں کو شکست فاش دی بعض لوگوں کا خیال ہے۔اب بھی رات کے وقت اس میدان میں ہتھیاروں کی جھنکار سنائی دیتی ہے واپس دہلی میں اولیائے کرام کے حضور حاضری کے بعد پولیس ہیڈ کوارٹر واپسی کی اطلاع دی ۔ ریلوے اسٹیشن پر ایک سپاہی کی وساطت سے برتھ سیٹ حاصل کی رات آرام سے گزری۔ سورج سے طلوع ہونے سے پہلے ہی سمجھو ایکسپریس اٹاری پہنچ گئی اسٹیشن پر ویرانی تھی۔ صرف پنجاب پولیس کے سکھ نوجوان دیکھ بھال کر رہے تھے۔فجر کی نماز اٹاری ریلوے اسٹیشن پر ادا کی۔ مسلمان مسافر ایک برآمدے سے مسجد کا کام لیتے ہیں اور نماز باجماعت ادا کرتے ہیں راقم نے سفری مشکلات کے پیش نظر دہلی سے چند چپاتیاں، اچار، انڈے کا آملیٹ ہاٹ پاٹ میں محفوظ کر لیا تھا دس روپے میں پانی کی بوتل خریدی۔ہاٹ پاٹ کا یہ کھانا دو تین وقت کے لیے کافی تھا۔ دن بھر امیگریشن کسٹم کی جانچ پڑتال کے بعد تمام مسافر گاڑی میں سوار ہوئے چھ بجنے میں کچھ وقت تھا کہ گاڑی اٹاری سے روانہ ہوئی ۔ سرحدی گیٹ کے قریب پہنچی کہ گیٹ بند کر دیا گیا تمام مسافر پریشان تھے اگر گیٹ نہ کھلا تو گاڑی واپس کر دی جائے گی۔رات اٹاری اسٹیشن پر گزارنی پڑے گی۔ مسافروں نے دعائیں مانگنی شروع کیں یا اللہ اس مصیبت سے نجات دلا کر راقم نے بھی خداوند تعالیٰ کے حضور دعا کی اولیائے پاک ہند کو پکارا کہ اچانک گیٹ کھل گیا پاک سرزمین میں داخل ہوتے ہی سکون ملا اپنا وطن اپنا وطن ہوتا ہے۔

وہی آتے ہیں جنہیں خواجہ اجمیری بلاتے ہیں

(ہندوستان کا چوتھا روحانی سفر)

کلیر شریف، دہلی، پانی پت، آگرہ، فتح پور سیکری اولیائے کرام کے حضور حاضری دینے کے بعد میری دیرینہ خواہش تھی کہ اجمیر شریف حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے حضور میری حاضری ہو جائے کئی سالوں کی دعائیں قبول ہوئیں صبح شام ایک ہی دعا تھی خواجہ اجمیری کے حضور حاضری ہو جائے اور رجب کے مہینے کا انتظار تھا آپ کے عرس کی تقریبات یکم رجب سے لے کر دس رجب تک رہتی ہیں۔ پنجاب بار کونسل کے رکن خواجہ محمد احسن ایڈووکیٹ جو بیج اور بار میں ہر دلعزیز ہیں، کی وساطت سے گجرات شہر کے ممبر صوبائی اسمبلی میں عمران مسعود جو ایجوکیشن ٹاسک فورس کے

چیئر مین بھی رہے ہیں کی پر روز سفارش سے انڈین ہائی کمشنر نے راقم کے علاوہ سید مسعود شاہ، چوہدری محمد انور کا اجمیر شریف دہلی کے لیے تین ماہ کا ویزہ جاری کیا۔ لاہور سے سوموار اور جمعرات کو سمجھوتہ ایکسپریس دہلی کے لیے روانہ ہوتی ہے داتا گنج بخش کے حضور حاضری کیلئے اتوار دس اکتوبر ۱۹۹۹ء کو گجرات سے لاہور کے لیے تینوں زائرین کا قافلہ روانہ ہوا داتا صاحب کے مزار کے ملحقہ داتا مارکیٹ کے ایک ہوٹل میں قیام کیا راقم رات بھر داتا سرکار کے مزار پر حاضری دیتا رہا ۔ صبح سوا سات بجے سمجھوتہ ایکسپریس لاہور سے واہگہ اٹاری کے لیے روانہ ہوئی۔ واہگہ میں امیگریشن کسٹم کلیر ہونے کے بعد ٹرین پچھلے پہر اٹاری کے لیے روانہ ہوئی اٹاری میں اذیت ناک لمحات گذارنے کے بعد ٹرین رات نو بجے سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دہلی کے لیے روانہ ہوئی گیارہ اکتوبر کو دہلی پہنچے۔ سب سے پہلے پولیس ہیڈ کوارٹر دہلی آمد کی اطلاع کرنی ہوتی ہے اطلاع یابی کے بعد دہلی اور اجمیر شریف کے لیے پرمٹ جاری ہوا میٹرو ہوٹل چوڑی بازار میں قیام کے بعد رات اجمیر شریف کے لیے بس میں سوار ہوئے۔ لاہور سے دہلی اور اجمیر کا فاصلہ پانچ سو کلو میٹر ہے اور دہلی سے اجمیر شریف کا فاصلہ تقریباً چار سو اسی کلو میٹر ہے بھارت میں ٹرین اور بسوں کا سفر آرام دہ ہوتا ہے ہماری بس دہلی سے روانہ ہونے کے بعد ہندوستان کے مشہور راجوں مہاراجوں کے گلابی شہر جے پور سے ہوتی ہوئی صبح سویرے اجمیر شریف پہنچی۔ اجمیر شریف دہلی کا سب سے بڑا روحانی مرکز ہے۔ عرس کی تقریبات یکم رجب کو شروع ہوتی ہیں جو دس رجب تک جاری رہتی ہیں چھ رجب کو عرس مبارک کی تقریبات عروج پر ہوتی ہیں اتنا رش ہوتا ہے کہ صبح سویرے درگاہ کے بڑے دروازے پر پہنچنے والے شام کو مزار مبارک پر پہنچ پاتے ہیں۔ ہمیں رجب کے شروع میں حاضری کا موقع ملا۔ درگاہ کے بڑے دروازے پر شیخ اظہار چشتی جو درگاہ کے متولیوں میں سے ہیں نے ہماری رہنمائی کی۔ درگاہ کا بڑا دروازہ جسے دہلی دروازہ کہتے ہیں اس دروازہ میں پولیس پوسٹ قائم ہے بڑے دروازے کے بعد ایک شاندار دروازہ نظر آتا ہے جو نظام گیٹ کے نام سے مشہور ہے یہ گیٹ نظام دکن میر عثمان علی خان نے تعمیر کروایا۔ گیٹ کی بلندی ستر فٹ چوڑائی چوبیس فٹ ہے۔ دروازہ کے قریب نوبت خانہ ہے جہاں صبح و شام نقارے بجائے جاتے ہیں۔ شہنشاہ اکبر نے ۱۵۶۷ء میں رانا پرتاپ کو شکست دے کر چتوڑ فتح کیا۔ رانا کے نقارے درگاہ میں پیش کیے اسی زمانہ سے درگاہ میں نوبت بجانے کی رسم شروع ہوئی۔ قریب ہی اکبری مسجد ہے جو اکبر بادشاہ نے تعمیر کروائی مسجد کافی بلندی پر تعمیر کی گئی جو شہزادہ سلیم کی پیدائش کے چھ ماہ بعد اکبری مسجد تعمیر ہوئی۔ درگاہ کے صحن میں دو بڑی دیگیں ہیں مغرب کی طرف بڑی دیگ ہے ۔ عرس کے موقع پر سینکڑوں من کھانا ان دیگوں میں پکتا ہے۔ خدام بانس کی سیڑھیوں کے سہارے دیگوں میں اتر کر لنگر باہر لاتے ہیں۔ بڑی دیگ اکبر بادشاہ نے درگاہ میں پیش کی۔ دیگ کا محیط ۴۰ فٹ ہے سو من چاول پک سکتے ہیں ۹۷۶ھ پیش کی گئی۔ مشرق کی جانب چھوٹی

دیگ ہے۔ یہ جہانگیر بادشاہ نے ۱۰۱۳ھ کو درگاہ میں پیش کی۔ سی من چاول پک سکتا ہے زائرین دیگوں میں خشک چاول ، نقدی ڈال دیتے ہیں۔ اکبر بادشاہ نے درگاہ کے اخراجات کے لیے چالیس دیہات درگاہ کے نام وقف کرر کھے ہیں اڑھائی من نمکین دلیہ صبح اور اڑھائی من دلیہ شام کو لنگر خانہ کے لیے پکتا ہے شیخ اظہار چشتی ہمیں بزرگ متولی کے پاس لے گئے ہم نے نذرانے پیش کیے سید مسعود شاہ حضرت شاہدولہ سرکار کے آستانہ سے بہترین چادریں اپنے ہمراہ لائے تھے وہ انہوں نے متولیوں کو پیش کی اور ہم شیخ اظہار چشتی کی رہنمائی خواجہ اجمیری سرکار کے حضور حاضری دی۔ رش کے باوجود راقم کو مزار کے شمال مغربی کونے میں کچھ دیر ٹھہرنے کا موقع مل گیا۔ عقیدت کے آنسو رواں تھے۔ نصف گھنٹے خواجہ غریب نواز کے حضور حاضری کے بعد جانے کی اجازت مل گئی۔ درگاہ کے متولیوں نے تبرکات دعاؤں کے ساتھ
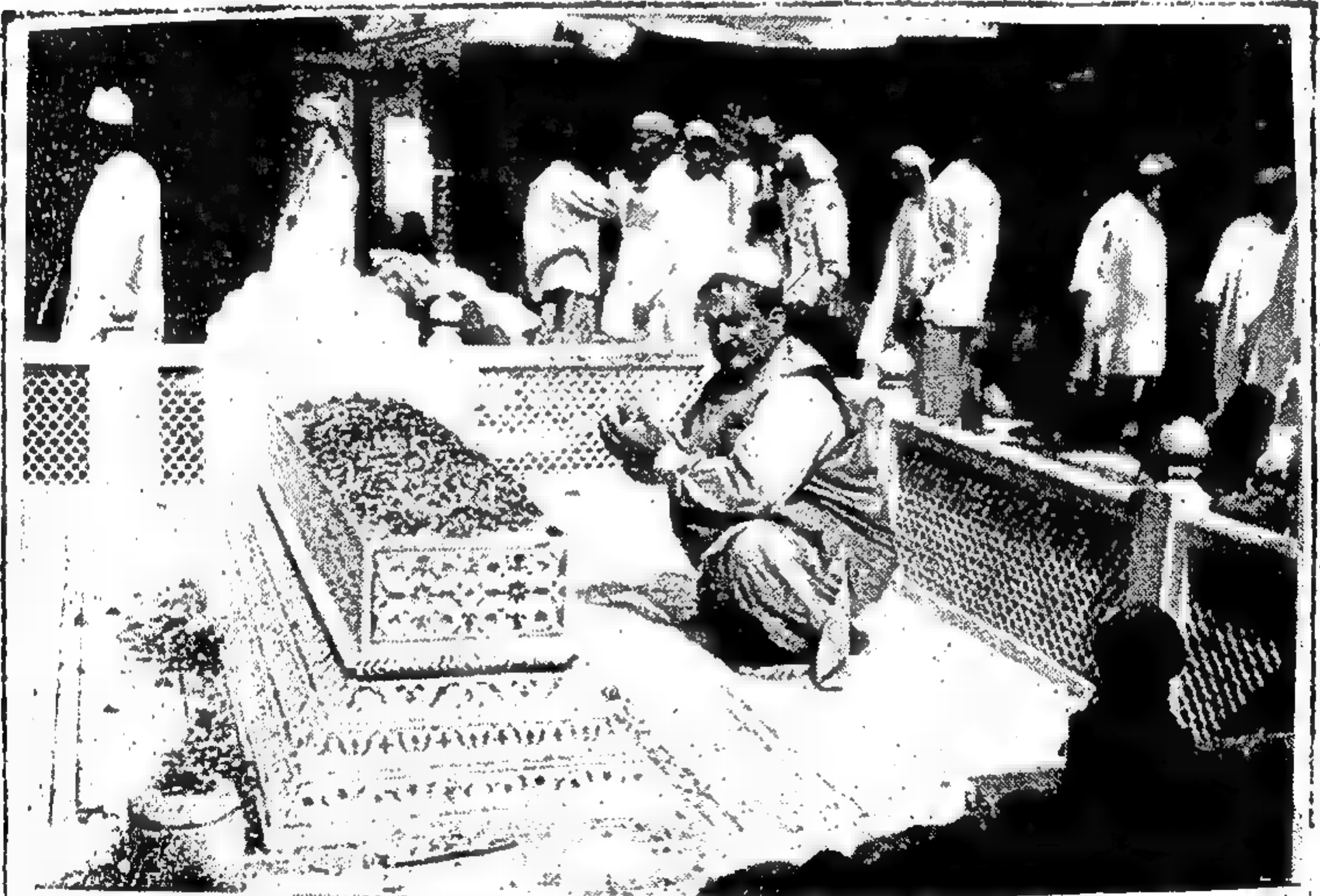
راقم ایم زمان کھوکھر درگاہ غریب نواز میں آدھے دن کے بادشاہ نظام سقہ کے مزار پر

رخصت کیا۔ خواجہ غریب نواز کے مزار کے شمال کی جانب نظام سقہ کا مقبرہ ہے قبر پر شاہ نیم روز بہشتی لکھا ہوا ہے نظام سقہ کو شہنشاہ ہمایوں نے نصف یوم کے لیے تخت پر بٹھایا اس نام سے یعنی شاہ نیم روز یعنی نصف دن کا بادشاہ کو شہنشاہ ہمایوں نے نصف یوم کے لیے تخت پر بٹھایا تھا شیر شاہ سوری سے شکست کے بعد ہمایوں ایران کی طرف جارہا تھا کہ نظام سقہ نے ہمایوں بادشاہ کو دریائے گنگا میں ڈوبنے سے بچایا تھا۔ نظام سقہ نے اپنی چمڑے کی مشک کے یعنی چمڑے کے سکے اپنے نام کے جاری کیے درگاہ کے مغرب کی جانب شاہ جہاں کے دور کی تعمیر کردہ شاہجہانی مسجد ہے جو سنگ مرمر سے تعمیر

کی گئی ہے مسجد کافی کشادہ ہے مزار شریف کے ملحقہ ایک سنگی دالان ہے جو شاہ جہاں کی بیٹی جہاں آرا بیگم نے تعمیر کروایا تھا۔ یہاں متولی مجاور بیٹھے رہتے ہیں۔ صدر دروازہ کے باہر مشہور تاریخی مسجد اڑھائی دن کا جھونپڑا کے نام سے مشہور ہے۔ سلطان شمس الدین التمش نے اس مسجد کی عمارت کو از سر نو تعمیر کروایا۔ درگاہ شریف جنوب کی جانب تارا گڑھ ایک پہاڑ ہے جس کا فاصلہ درگاہ سے تین چار کلو میٹر ہے پہاڑ کی چوٹی پر حضرت سید حسین خنگ سوار کا مزار ہے قلعہ کے آثار اب بھی موجود ہیں یہاں شہداء کی قبریں ہیں تارا گڑھ جائیں تو لاتعداد گداگر راستے کے دونوں طرف بھیک مانگتے ہیں۔ اس پہاڑی کی اونچائی آٹھ سو فٹ ہے رائے پتھورا کے زمانے میں یہ مشہور اور مضبوط قلعہ تھا جسے سلطان شہاب الدین محمد
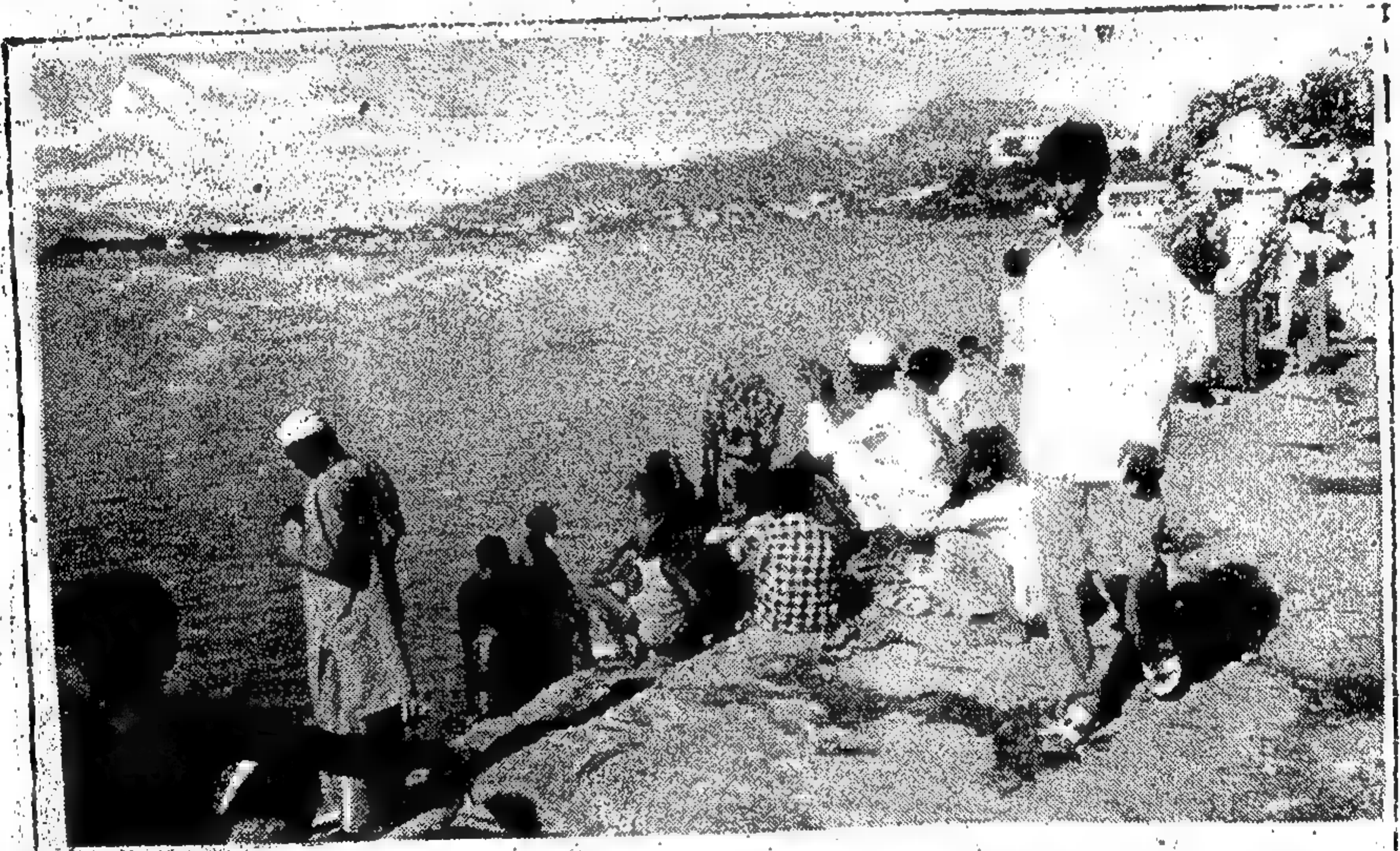
عرس کے موقع پر جھیل اناساگر اجمیر شریف میں زائرین غسل کر رہے ہیں
ایک طرف مسلمان دوسری طرف ہندو مرد عورتیں اشنان کر رہے ہیں

غوری نے فتح کیا۔ درگاہ شریف سے تھوڑے فاصلہ پر آناساگر جھیل ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی جب اجمیر شریف لائے تو وہ اناگر کے کنارے تشریف فرما ہوئے۔ یہ جھیل چاروں طرف سے پہاڑوں میں گری ہوئی ہے اس کے پتن پر ہزاروں مرد عورتیں نیم عریاں حالت میں غسل کرتی ہیں اناساگر کے قریب کھلے میدان میں یہ لوگ پڑاو کرتے ہیں۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں پر تھوی راج کے اونٹوں کو خواجہ سرکار کی بددعا سے زمین نے جکڑ لیا تھا۔ جھیل میں ہندوستان کی سابقہ وزیراعظم اندرا گاندھی نے ایک پارک تعمیر کروایا ہے پنڈت جواہر لعل نہرو دوسرے سرکردہ رہنما اجمیر شریف
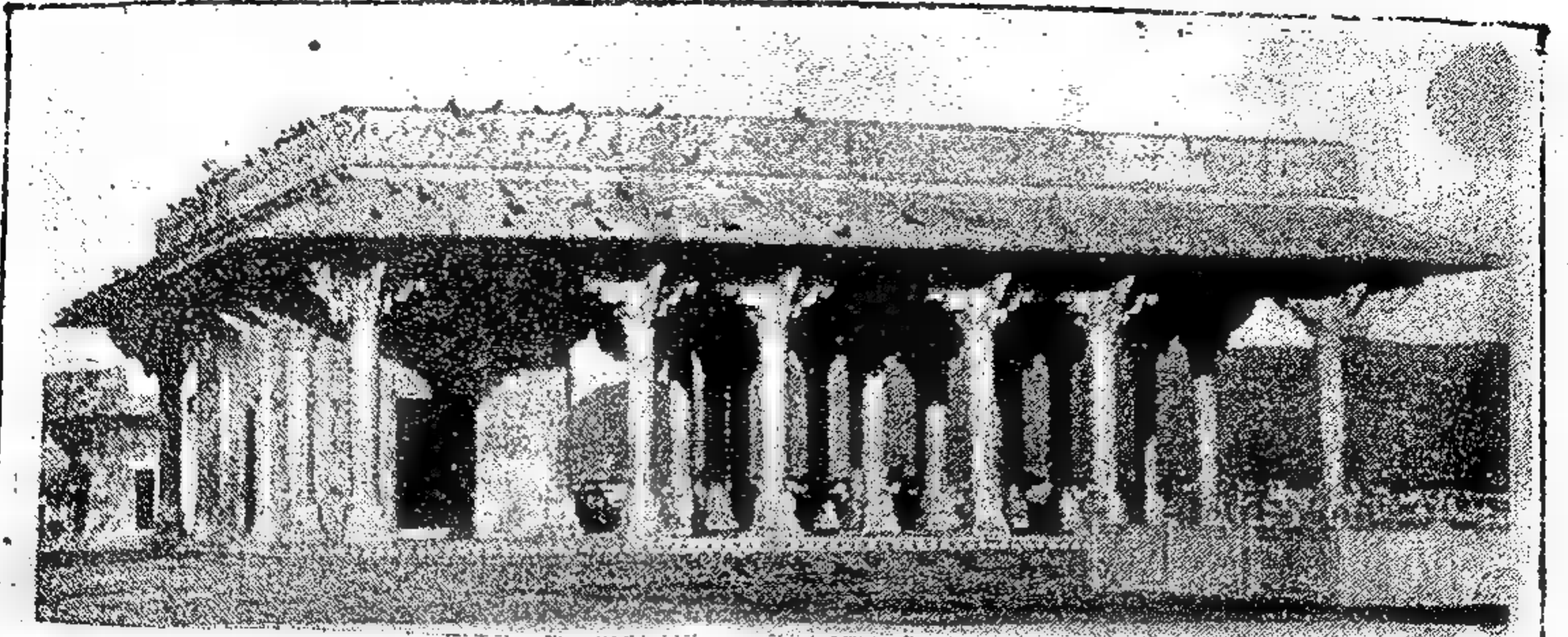
جھیل آناساگر کے کنارے "مغل شہنشاہ شاہ جہاں" کی تعمیر کردہ بارہ دری یہ بارہ دری سنگ مرمر سے تعمیر کی گئی ہے

حاضری دیتے رہے جھیل کے کنارے مغلیہ دور کی بارہ دری اور باغ بھی ہے بارہ دری سنگ مرمر سے تعمیر کی گئی ہے۔ بارہ دری کے مشرق میں ایک باغ ہے یہ باغ دولت باغ کے نام سے مشہور ہے۔ قریب ہی ایک بہت بڑی حویلی ہے جو اب شادی گھر بن چکی ہے۔ اناساگر کے کنارے پہلے مسلمان بیابانی کا مزار ہے اناساگر جھیل کے مشرق کی جانب ایک پہاڑی پر حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی چلہ گاہ ہے یہ پہاڑ میں ایک غار ہے جہاں آپ عبادت کیا کرتے تھے۔ چلہ گاہ پر گنبد تعمیر کیا گیا ہے۔ قریب ہی آپ کے ساتھ آئے ہوئے مسلمان ساتھیوں کے مزار ہیں دوسری پہاڑی پر آپ کے پوتے کا مزار ہے یہاں قدیمی مسجد ہے مغرب کی جانب راجہ کا قلعہ اور مندر کے آثار اب بھی موجود ہیں۔ قلعہ اور مندر پہاڑ پر ہے اس قلعہ پر کھڑے ہو کر اجمیر شریف شہر کا نظارہ قابل دید ہوتا ہے اجمیر شریف میں رہنمائی کرنے والے گائیڈ مل جاتے ہیں جو یہاں کے چپہ چپہ سے واقف ہیں راقم نے ایک بوڑھے گائیڈ کے ہمراہ متذکرہ تمام مقامات پر حاضری دی اجمیر شریف کے قریب ایک تاریخی مقام پشکر ہے یہ ہندوؤں کا بڑا مقدس مقام ہے پہاڑوں کے درمیان یہاں بھی پانی کی جھیل ہے۔ راجستان کے باون ہندو حکمرانوں نے باون گھاٹ تعمیر کروائے ہیں۔ یہاں بہت زیادہ مندر ہیں۔ اجمیر شریف ریلوے سٹیشن کے قریب سے پشکر کیلئے وقفہ وقفہ کے بعد بسیں چلتی ہیں پشکر اجمیر شریف سے چھ سات کلو میٹر کے فاصلہ پر ہے میں ان خیالوں میں گم تھا آج سے سینکڑوں سال قبل جب انسان کو سفر کی سہولتیں میسر نہ تھیں خواجہ معین الدین اجمیریؒ تکلیف دہ حالات میں برصغیر میں رشد وہدایت کے لیے یہاں تشریف فرما ہوئے اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے کتنی تکلیفیں برداشت کیں یہاں کفار کا مقابلہ کیا آج ان کی بدولت ہندوستان کے کروڑوں انسان مسلمان ہوئے ان مسلمانوں کی خواجہ غریب نواز سے عقیدت دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔ یہ زائرین ہندوستان کے دور دراز علاقوں سے بال بچوں سمیت آتے ہیں بسوں کی تعداد ہزاروں میں ہوتی ہے۔ زائرین کے یہ قافلے اجمیر شریف کی سرزمین میں داخل ہوتے

ہی اپنے جوتے اتار لیتے ہیں اجمیر شریف حاضری سے قبل دہلی کی تمام بڑی درگاہوں پر حاضری دیتے ہیں۔ لال قلعہ کے شمال کی جانب میلوں لمبا پڑاؤ ہوتا ہے ہزاروں خیمے دکھائی دیتے ہیں جبکہ لال قلعہ جنوب کی جانب رام لیلہ کا میلہ عروج پر ہوتا ہے۔ اس میلہ میں ہزاروں ہندو دہلی کے علاوہ دور دراز سے رام لیلہ کا میلہ دیکھنے آتے ہیں۔ جو دس روز جاری رہتا ہے ہر روز ایک سین دکھایا جاتا ہے لیکن کوئی حسد، تعصب، دنگا فساد نہیں ہوتا۔ ہندو پکاتے ہیں مسلمان کھاتے ہیں، مسلمان پکاتے ہیں ہندو کھاتے ہیں۔ پیار محبت امن شانتی سے یہ تقریبات سرانجام پاتی ہیں میلے تہوار کے موقع پر ایک دوسرے کو کھانے کی دعوتیں دی جاتی ہے۔ صوفیائے کرام نے بھی تو پیار محبت کا درس دیا ہے خواجہ غریب نواز کے حضور حاضری برسوں کی خواہش تھی جو اللہ تعالیٰ نے پوری کر دی۔ خواجہ غریب نواز کے حضور حاضری کے بعد روحانی قدیمی تاریخی مقامات کے بارے فوٹو اور معلومات حاصل کیں۔ اجمیر شریف کی سرزمین کو عقیدت بھری نگاہوں سے الوداع کہا خواجہ غریب نواز کی درگاہ سے اپنا خالی دامن مرادوں سے بھر لیا۔

دہلی اور اجمیر شریف کے درمیان جے پور کا مشہور تاریخی شہر ہے جسے گلابی شہر کہتے ہیں ہر طرف محل ہی محل قلعے اور دروازے نظر آتے ہیں ہم نے یہاں کچھ دیر قیام کیا جے پور کا ہوا محل بہت خوبصورت ہے۔ جس کی سینکڑوں کھڑکیاں ہیں یہ محل ۱۷۹۹ء میں مہاراجہ پرتاب سنگھ نے بیگمات اور شاہی تقریبات کے لیے تعمیر کیا جے پور کے عجائب گھر کی عمارت بھی قابل دید ہے جے پور میں مبارک محل کی خوبصورتی میں اسکی مثال نہیں ملتی یہ فن تعمیرات کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتا ہے گلابی رنگ کا سٹی گیٹ سٹی پیلس امر محل قابل دید عمارتیں ہیں۔ دہلی کے لیے اڈا سے بس میں سوار ہوئے صبح سویرے دہلی پہنچے۔ دہلی میں تمام روحانی قدیمی مقامات پر حاضری دی۔ تاریخی مقامات کے بارے فوٹو اور معلومات لٹریچر حاصل کیا جن کی تفصیل راقم کی لکھی ہوئی کتاب اولیائے ہند، مسلمانوں کی عظمت کے نشان، دہلی کی کہانی تصاویر کی زبانی میں درج ہوگی
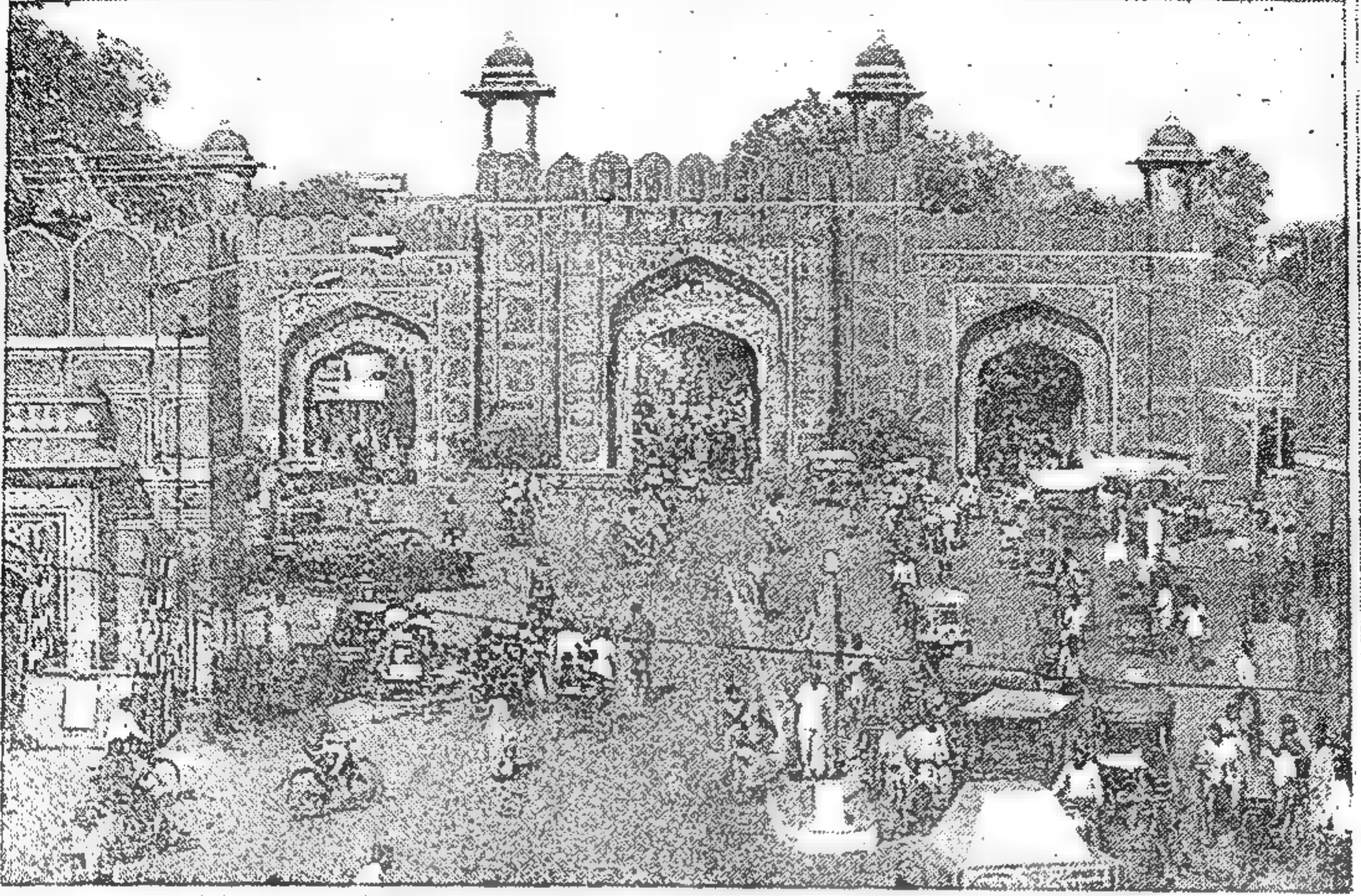
جے پور کا ہوا محل جو ۱۷۹۹ء میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے تعمیر کیا
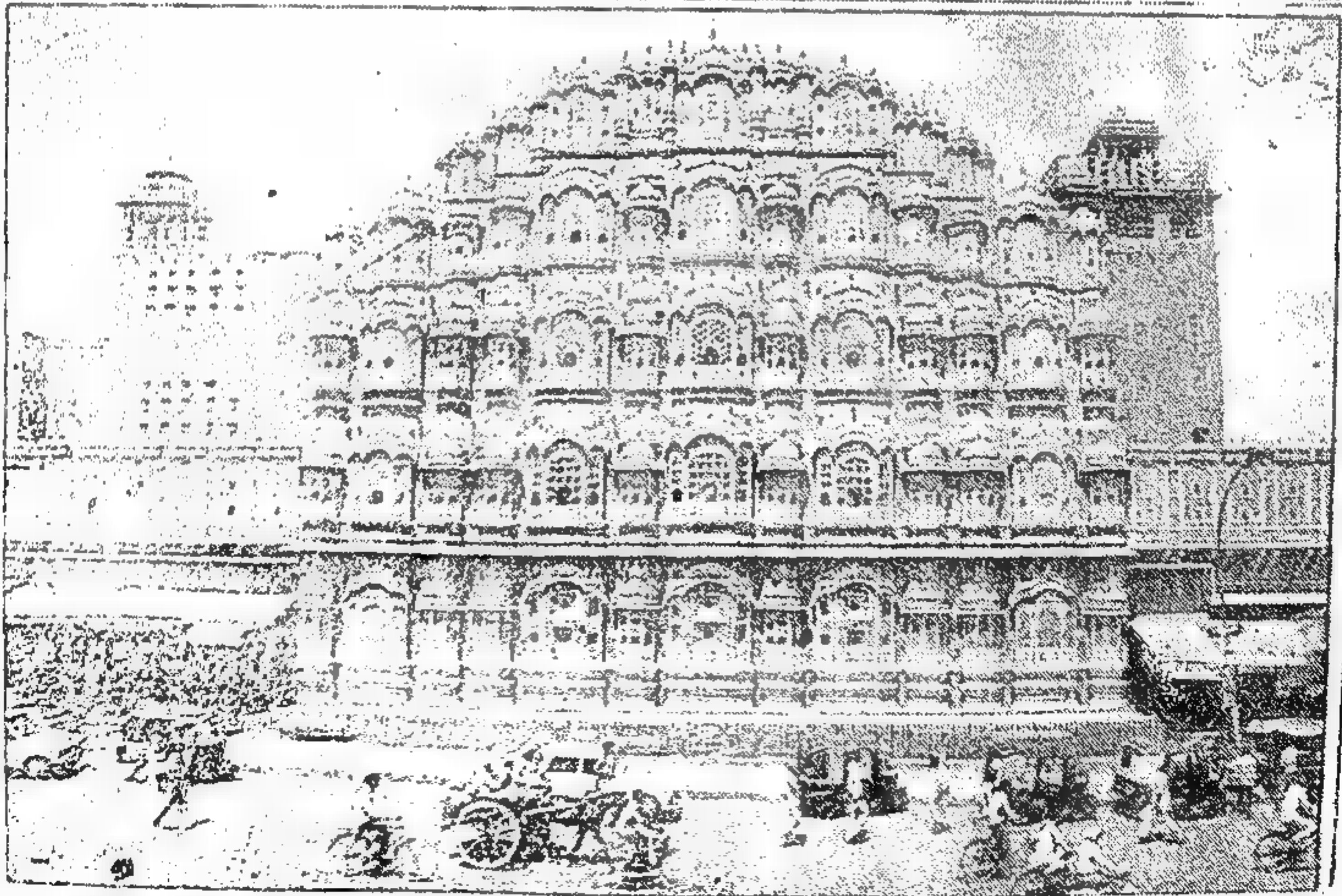
ہندوستان کے تاریخ شہر جے پور کا سٹی گیٹ شہر میں داخل ہونے کے لیے ایسے گیٹ تعمیر کیے گئے
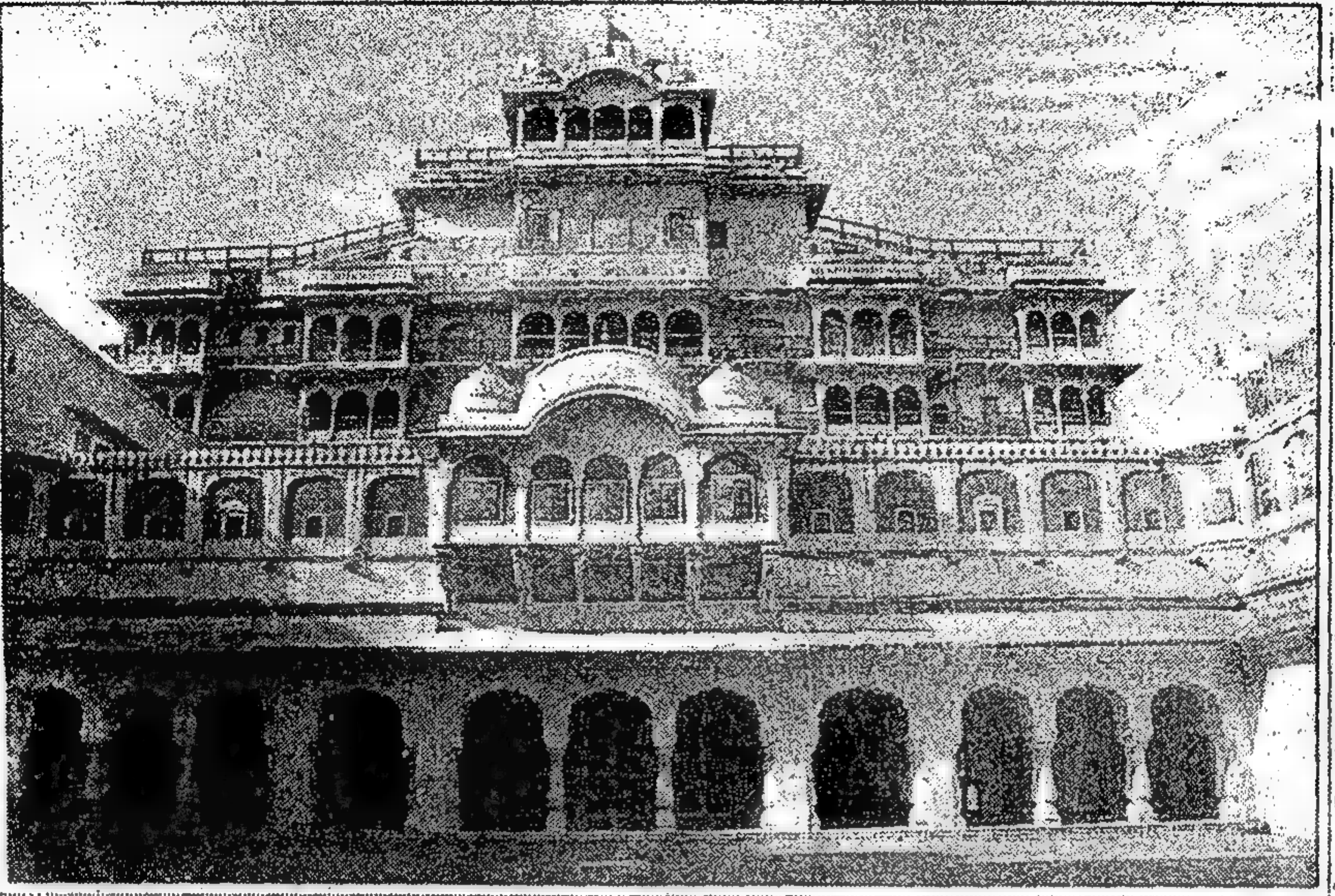
چندرا محل المعروف سٹی پیلس جے پور

راجوں مہاراجوں کا شہر جے پور کا عجائب گھر جہاں جے پور کے راجوں مہاراجوں کی بڑی بڑی تصویریں نادر نایاب اشیاء پرانے زمانہ میں استعمال ہونے والے ہتھیار، لکڑی پر ہونے والا کام دکھایا گیا ہے

معین الہند نائب رسول

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اجمیر شریف
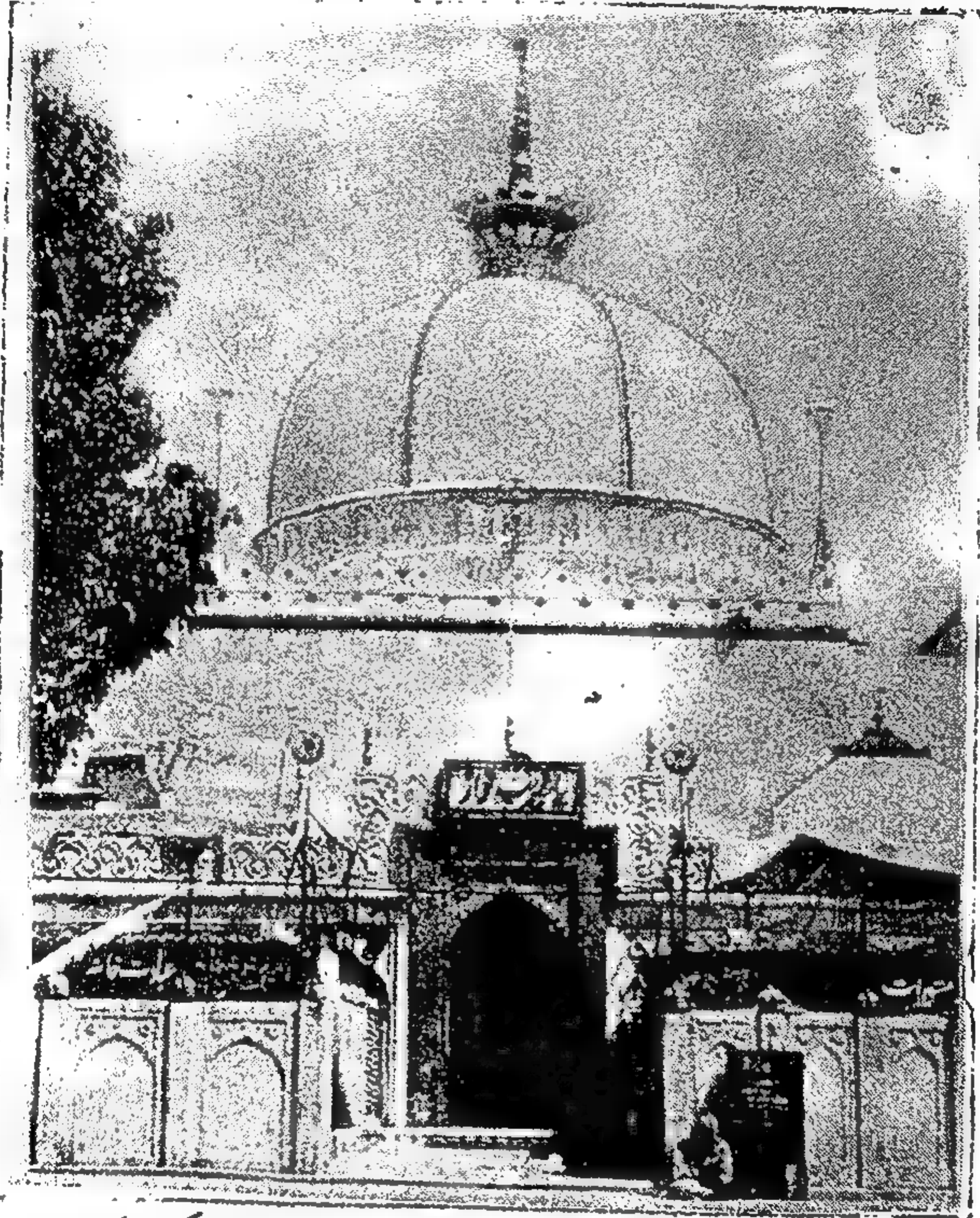
برصغیر پاک وہند میں اولیائے کرام کے فیضان نظر سے اس وقت پچاس کروڑ کے قریب مسلمان ہیں ان اولیائے کرام میں حضرت داتا گنج بخش اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کسی تعارف کے محتاج نہیں کروڑوں سیاہ دلوں کو آپ نے روشن کیا۔ لاکھوں لوگ اپ کے فیوض و برکات سے فیض یاب ہو رہے ہیں آپ کی شخصیت پر سینکڑوں کتب تحریر کی جا چکی ہیں۔ آپ کے نور ایمانی اور فیض روحانی نے تاریکی کو روشنی میں بدل دیا۔ عرس مبارک پر لوگوں کی عقیدت دیکھنے کے قابل ہوتی ہے لاکھوں انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نظر آتا ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اولیائے کبار اور عارفین صاحب اسرار میں سے تھے۔ آپ کے کمالات و برکات بیشمار ہیں۔ جو شخص آپ کا چہرہ مبارک دیکھتا تھا وحدانیت حق اور رسالت مصطفیٰ علیہ الصلوۃ والسلام پر ایمان لے آتا تھا۔

ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں جو لوگ غیر اللہ کی پرستش میں مبتلا تھے آپ ان سب کو شرک کی تاریکی سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لے آئے ۔آپ کو نائب رسول ہند کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے پانچ سو سال تک آپ کے سوا حق تعالیٰ نے کسی ولی اللہ کو اس قدر تصرف عطا نہیں کیا کہ جس نے پورے ہندوستان کو جو ابتدائے افرین سے شرک کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا ۔اپنی ولادت کی قوت سے نور وحدانیت سے منور کر دیا۔

آپ نے خرقہ خلافت حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ سے حاصل کیا اور آپ کو اپنے زمانہ کے تمام مشائخ کی صحبت حاصل ہوئی ہے ۔آپ کی ولادت باسعادت قصبہ سنجر میں ہوئی اور خراساں میں پرورش پائی سیر العارفین میں لکھا ہے کہ جب آپ کی عمر پندرہ برس کی ہوئی تو آپ کے والد بزرگوار خواجہ غیاث الدین قدس سرہ نے جو نہایت ہی متقی و پرہیزگار تھے وفات پائی ۔آپ کا ایک باغ تھا جس کی آمدنی سے بسر اوقات ہوتی تھی وہاں ایک مجذوب رہتے تھے ۔ جن کا نام ابراہیم تھا ایک دن ان کا گذر حضرت خواجہ بزرگ کے باغ میں ہوا۔آپ نے ان کو نہایت عزت و تکریم کے ساتھ درخت کے نیچے بٹھایا۔انگوروں کا خوشہ پیش کیا اور ادب سے ان کے سامنے بیٹھ گئے ابراہیم نے بغل سے کھلی نکالی اور چبا کر حضرت خواجہ بزرگ کے منہ میں ڈال دی ۔اسے کھاتے ہی آپ کے باطن میں نور معرفت چمکنے لگا۔ چنانچہ آپ گھر بار اور ملک املاک سے متنفر ہو گئے ۔دو تین دن کے اندر آپ نے اپنا باغ اور سامان فروخت کر کے درویشوں میں تقسیم کر دیا اور طلب حق میں روانہ ہو گئے مدت تک آپ سمرقند اور بخارا میں رہے ۔کلام پاک حفظ کیا اور ظاہری علوم حاصل کیا جب آپ نے دیکھا کہ اس سے بھی مقصد حاصل نہیں ہوا تو وہاں سے آپ مرشد کی تلاش میں عراق تشریف لے گئے ۔جب آپ قصبہ ہارون جو نیشاپور کے نواح میں ہے پہنچے تو حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کی زیارت نصیب ہوئی ۔آپ نے ڈھائی سال تک اپنے مرشد کی خدمت میں رہ کر تربیت حاصل کی اور ریاضات و مجاہدات میں مشغول رہے جب آپ مرتبہ تکمیل تک پہنچے تو خواجہ عثمان ہارونیؒ نے آپ کو خرقہ خلافت دے کر رخصت کر دیا۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ فرماتے ہیں کہ آپ نے بڑے بڑے مجاہدات کیے ۔آپ سات دن کے بعد پانچ مثقال کے برابر روٹی پانی میں بھگو کر کھاتے تھے ۔آپ کا لباس دو چادریں تھیں جن میں کئی پیوند لگ چکے تھے ۔پیوند لگانے کے لیے جس قسم کا کپڑا مل جاتا آپ چادر میں سی لیتے تھے۔

کئی اولیائے کرام کے حضور حاضری کے بعد حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے غزنی کا سفر اختیار کیا اس وقت شمس العارفین شیخ عبدالواحدؒ جو شیخ نظام الدین ابو المویدؒ کے مرشد تھے اور جن کا ذکر خواجگان چشت کے ملفوظات میں اکثر آتا ہے غزنی میں رہتے تھے خواجہ بزرگؒ کی ان سے بھی ملاقات ہوئی ۔غزنی سے آپ لاہور پہنچے اور حضرت سید علی (ہجویری) المعروف داتا گنج بخشؒ کے مزار مبارک سے فیض یاب ہوئے لاہور میں رہ کر آپ دہلی تشریف لے گئے اس

وقت دہلی رائے پتھورا چوہان کا پایہ تخت تھا۔ لوگ مسلمانوں سے اس قدر متنفر تھے کہ مسلماں کا منہ دیکھنا گناہ سمجھتے تھے لیکن خواجہ سرکار اپنی ولایت کے قوت سے دہلی کے اندر داخل ہو گئے آپ کے ہمراہ اس وقت چالیس صوفی باصفا تھے آپ چند ماہ دہلی میں رہے سیر العارفین میں لکھا ہے کہ خواجہ بزرگ نے اس جگہ قیام فرمایا تھا جہاں اب شیخ رشید مکیؒ کی قبر ہے۔ آپ کے خدام پانچ وقت آذان دیتے تھے اور نماز باجماعت ہوتی تھی۔ یہ دیکھ کہ کفار جلتے تھے انہوں نے آپ کے خدام کو نقصان پہنچانے کی بہت کوشش کی لیکن ناکام رہے۔

کتاب کلمات الصادقین میں لکھا ہے کہ ایک دن خواجہ معین الدین چشتیؒ کا گزر کفار کے ایک بتکدہ سے ہوا۔ اس وقت ساٹھ کافر بت پرستی میں مشغول تھے۔ آپ کا جلال باکمال دیکھتے ہی بے بس ہو گئے اور قدموں میں آکر گر گئے توبہ کی اور مشرب بہ اسلام ہوئے۔ جب دہلی میں خاص وعام آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے تو وہاں سے آپ نے اجمیر کی راہ اختیار کی۔ اس وقت رائے پتھورا اکثر اجمیر میں رہا کرتا تھا۔ آپ کی کرامات دیکھ کر ششدر رہ گیا

سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ خواجہ غریب نوازؒ کا ایک مرید تھا جسے رائے پتھورا بہت تنگ کرتا تھا اس نے آپ سے مدد کی التجا کی آپ نے راجہ پتھورا سے کہلا بھیجا کہ اس کو مت ستاؤ۔ لیکن رائے پتھورا کا سر غرور و تکبر سے بھرا ہوا تھا باز نہ آیا اور خواجہ بزرگ کی شان میں بھی ناشائستہ کلمات منہ سے نکالے جب یہ بات آپ تک پہنچائی گئی تو آپ نے فرمایا کہ پتھورا کو زندہ گرفتار کر کے میں نے لشکر اسلام کے ہاتھ دے دیا انہی ایام میں شہاب الدین غوریؒ لشکر لے کر غزنی سے ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ پتھورا نے مقابلہ کیا لیکن اللہ کے حکم سے زندہ گرفتار ہو گیا اور مسلمانوں نے اسے قتل کر ڈالا۔ اسی دن سے ہندوستان میں اسلام مستحکم ہو گیا۔ خواجہ غریب نوازؒ کی برکت سے اس کے بعد کوئی ہندو حکمران نہ ہوا۔ منتخب التاریخ میں لکھا ہے کہ ۵۸۹ھ میں دہلی سلاطین اسلام کا پایہ تخت ہو گیا۔ سلطان معز الدین نے چند روز دہلی میں رہ کر سلطنت ہندوستان اپنے غلام قطب الدین ایبک کے سپرد کر دی اور خود غزنی چلا گیا۔

سلطان قطب الدین ایبک دہلی کے تخت پر مستحکم ہو گیا اور ہندوستان کے ہر گوشے میں لشکر بھیج کر سلطنت کی توسیع کی۔ میر سید حسین مشہدی کو اجمیر کا حاکم مقرر کیا۔ جب آپ کی کرامات اور کمالات کا چرچا ہوا تو مختلف قبائل کے لوگ اجمیر پہنچ کر خواجہ بزرگ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہونے لگے۔ آپ کسی کو اسلام کی دعوت نہیں دیتے تھے۔ جو شخص خلوص دل سے خود بخود اسلام کی طرف مائل ہوتا تھا آپ اسے قبول کر لیتے تھے۔ آپ کے فیض نظر سے ملک بھر میں ایسے صاحب ولایت پیدا ہوئے ہیں جو اپنے اپنے علاقہ میں شاہی کرتے ہیں۔ خواجہ بزرگؒ کے کمالات و کرامات کی کوئی انتہا نہیں۔ آپ کی روحانیت اب بھی طلب صادق رکھنے والون کی تربیت کرتی ہے۔ اور مرتبہ تکمیل تک پہنچاتی ہے۔

شیخ حمید الدین ناگوریؒ جو خواجہ بزرگ کے مرید ہیں کے ملفوظات میں لکھا ہے ایک رات خواجہ بزرگ نے پیغمبر

اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ "اے معین الدین تم ہمارے دین کے معین یعنی مددگار ہو اور میری سنتوں میں سے ایک سنت کے تارک ہو" ملک خطاب نامی آپ کا ایک مرید تھا وہ کسی لڑائی میں ایک راجہ کی لڑکی قید کر کے لایا تھا۔ ملک خطاب نے وہ لڑکی حضرت خواجہ کی خدمت میں پیش کی اور آپ نے قبول فرمالی۔ ان کا نام بی بی امتہ اللہ رکھا گیا۔

خواجہ قطب اسلام نے دلیل العارفین میں خواجہ غریب نواز کے ملفوظات جمع کیے ہیں ان میں سے چند کلمات یہاں درج کیے جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ عاشق کا دل محبت کا آتشکدہ ہے جو کچھ اس کے اندر جاتا ہے جل کر راکھ ہو جاتا ہے اور کچھ باقی نہیں رہتا آپ فرماتے ہیں کہ پانی کو دیکھو کس جوش و خروش سے پہاڑوں سے آتا ہے لیکن جب سمندر میں داخل ہوتا ہے تو خاموش ہو جاتا ہے یعنی جب سالک ہجر میں ہوتا ہے تو ذوق و شوق میں بے چین ہوتا ہے لیکن جب ذات حق کے سمندر بے پایاں میں فنا ہوتا ہے۔ تو اس کا سارا جوش و خروش جاتا رہتا ہے۔

فرمایا جس شخص میں یہ تین خصلتیں ہوتی ہیں یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ اسے دوست رکھتے ہیں اول سخاوت یعنی دریا کی طرح سخی ہو۔ دوم شفقت یعنی آفتاب کی طرح شفیق ہو۔ سوم تواضع یعنی زمین کی طرح متواضع ہو فرمایا آدمی اس وقت فقر کا مستحق ہوتا ہے جب اس عالم فانی میں سے اس کے لیے کچھ باقی نہیں رہتا۔ محبت کی علامت یہ ہے کہ تو دوست کا مطیع ہو جائے اور ہمیشہ اس بات سے ڈرتا رہے کہ راندہ درگاہ نہ ہو جائے فرمایا عارف جو ارادہ کرتا ہے فوراً ہو جاتا ہے اور جس سے بات کرتا ہے اس سے جواب سنتا ہے (یعنی جس چیز کو وہ مخاطب کرتا ہے وہ اس سے ہمکلام ہو جاتی ہے خواہ بے جان کیوں نہ ہو)

فرمایا حق تعالیٰ کے نزدیک بہترین عبادت مظلوموں کی فریادرسی اور بھوکوں کو کھانا کھلانا ہے۔ فرمایا کہ حاجی لوگ جسم کے ساتھ خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں اور بہشت کے طالب ہوتے ہیں لیکن عارفین قلب کے ساتھ عرش و حجاب عظم کا طواف کرتے ہیں اور اللہ کے دیدار کے طالب ہوتے ہیں۔ فرمایا در حقیقت متوکل وہ ہے جو دنیا سے محبت کرنا بند کر دے۔ عارفین آفتاب کی مانند ہیں جو دنیا پر چمکتے ہیں اور سارا جہان ان کے نور سے منور ہو جاتا ہے۔

وصال سے قبل آپ نے شیخ علی سجزیؒ کو حکم دیا کہ خلافت نامہ لکھو۔ اپنی خلافت قطب الدین بختیارؒ کے حوالے کی۔ جب خلافت نامہ مکمل ہوا تو آپ نے کلاہ اور دستار قطب صاحب کے سر پر رکھی اور حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ کا عصا ہاتھ میں دیا۔ اس کے بعد خرقہ پہنایا اور قرآن مجید، مصلے اور نعلین بھی عطا فرمائے اور فرمایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت ہے جو خواجگان کے ذریعے قطب صاحب تک پہنچی ہے۔ ہم نے یہ امانت تمہارے سپرد کی خواجہ قطب الدین بختیار کاکی فرماتے ہیں کہ خواجہ سرکار نے میرا ہاتھ پکڑ کر آسمان کی طرف منہ کیا اور فرمایا جاؤ میں نے تجھے خدا کے سپرد کیا اور منزل گاہ عزت تک پہنچایا اور صحرائے حقیقت سے تجھے گزار دیا اس وقت فرمایا کہ چار

چیزیں ہیں جو گوہر فقر ہیں اول درویشی اختیار کرے لیکن تونگر دکھائی دے۔ دوم بھوکا رہے لیکن سیر دکھائی دے۔ سوم غمناک ہو لیکن خوش دکھائی دے۔ چہارم دشمن کے ساتھ دوست ہو کر دکھائے (یعنی اگرچہ دشمن دشمنی کرے فقیر اس کے ساتھ بھلا کرے)۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ پیشوا سے اجازت کے بعد دہلی پہنچے اور وہیں سکونت اختیار کی۔ تمام خلقت نے آپ کی طرف رجوع کیا۔ چالیس دن نہیں گزرے تھے کہ خبر آئی کہ مرشد کا وصال ہو چکا ہے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ فرماتے ہیں اس رات نہایت غم و اندوہ کے عالم میں مصلیٰ پر بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر کے لیے غنودگی طاری ہوئی تو جمال خواجہ سے مشرف ہوا۔ دیکھا کہ آپ عرش معلیٰ کے نیچے کھڑے ہیں میں نے سر قدموں پر رکھ کر حال دریافت کیا تو فرمایا حق تعالیٰ نے مجھے بخش دیا اور ساکنان عرش ملائکہ کے ساتھ جگہ دی ہے تاکہ یہاں قیام کروں۔

سیر الاولیا میں لکھا ہے کہ جس رات خواجہ بزرگؒ نے رحلت فرمائی۔ چند اولیاء اللہ نے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں کہ اللہ کے دوست معین الدین سجزی آرہے ہیں ہم ان کے استقبال کو آئے ہیں انتقال کے وقت آپ کی پیشانی پر ہرے رنگ کے نور سے یہ لکھا تھا۔ یہ اللہ کا دوست ہے جس نے اللہ کی محبت میں جان دے دی) آپ کے کمالات اس قدر ہیں کہ دائرہ تحریز سے باہر ہیں۔ آپ کا وصال دوشنبہ کے دن ماہ رجب ۶۳۲ سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں ہوا۔ وصال کے وقت آپ کی عمر شریف ستانوے سال تھی اس میں سے چالیس سال آپ نے اجمیر شریف میں بسر فرمائے آپ کا وصال آپ کے حجرہ خاص میں ہوا اور وہیں دفن ہوئے چنانچہ آپ کا مزار مبارک تمام ہندوستان کا قبلہ ہے ہر سال عقیدت و احترام سے عرس منایا جاتا ہے۔ غیر مسلم بھی اعتراف کرتے ہیں کہ آپ کا مزار جو ہندوستان پر حکمران کی کر رہا ہے۔

تاریخ اجمیر شریف

کتاب اخبار الاخیار میں اجمیر کی وجہ تسمیہ یوں بیان کی گئی ہے کہ اجا ایک راجہ کا نام تھا جس کی سلطنت کی حدود ہندوستان کی مغربی سرحد تک جا پہنچتی تھی اور میر ہندوستانی زبان میں پہاڑ کو کہتے ہیں۔ اور ہندوستان کے ناموں کی تاریخ میں لکھا ہے کہ پہلی دیوار جو ہندوستان میں پہاڑ پر بنائی گئی یہی دیوار تھی جو اجمیر کے پہاڑ پر تعمیر ہوئی اور پہلا حوض جو ملک ہندوستان میں بنایا گیا وہ پشکر کا حوض ہے جو اجمیر شریف سے چار کوس کے فاصلہ پر ہے جسے ہندو لوگ پوجتے ہیں اور چھ دن وہاں قیام کرتے ہیں ان کے بقول قیامت اسی حوض سے شروع ہوگی اور راجہ اجا تمام راجوں سے پہلے تھے۔ رائے پتھورا بھی اسی کی اولاد میں سے تھا۔ شہاب الدین غوری نے حضرت خواجہ بزرگ کی باطنی مدد سے رائے پتھورا سے ۵۸۹ھ سلطنت ہند پر قبضہ کیا۔ اسی دن سے ہندوستان کے تمام مسلم سلاطین یکے بعد

یگرے کمال نیاز مندی سے حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے آستانہ کی خدمت سرانجام دیتے رہے۔ چنانچہ ان سب کے حالات اولیاء کرام کے تذکروں میں درج ہیں۔ مابعد اٹھاون سال تک اجمیر کا قلعہ ہندوؤں کے قبضہ میں رہا۔ تاریخ نظامی میں لکھا ہے کہ ۸۵۹ھ میں سلطان محمود خلجی سے مالوہ کے لوگوں نے عرض کی کہ اسلام کا آفتاب ملک ہند میں اجمیر سے طلوع ہوا لیکن افسوس ہوا، اب وہ متبرک مقام کافروں کے قبضہ میں ہے۔ یہ سن کے سلطان محمود خلجی نے اجمیر پر لشکر کشی کی اور خواجہ معین الدینؒ سے امداد طلب کی نتیجہ یہ ہوا کہ چار دن کے اندر قلعہ اجمیر فتح ہو گیا اور قلعہ کا سردار کئی ہزار آدمیوں کے ساتھ قتل ہوا۔ سلطان محمود نے مزار مقدس کا طواف کیا اور بت خانہ کی جگہ ایک عالیشان مسجد تعمیر کی اور سجادہ نشین اور ان کے لواحقین اور مجاوروں کے لیے وضائف مقرر کر دیئے اس کے بعد خواجہ نعمت اللہ کو حاکم اجمیر مقرر کر کے واپس چلا گیا۔ اس روز سے قلعہ شاہان مالوہ کے زیر حکومت ہو گیا۔ جب سلطان محمود کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سلطان غیاث الدین خلجی تخت نشین ہوا تو اسے خواجہ حسین ناگوریؒ کے ساتھ کمال اعتقاد ہو گیا اور زر کثیر ان کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کی خواجہ حسینؒ نے اس رقم سے خواجہ خواجہ معین الدینؒ کے مزار پر عمارت تعمیر کی اور اپنے جد امجد صوفی حمید الدین ناگوریؒ کے مزار پر بھی ایک شاندار روضہ تیار کرایا۔ صاحب اخبار الاخیار فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے خواجہ بزرگؒ کے مزار مبارک پر عمارت نہ تھی۔ یہ سفید پتھر کا گنبد جو اس وقت موجود ہے۔ خواجہ حسین ناگوریؒ کا بنوایا ہوا ہے۔ پہلی قبر اینٹوں سے بنی ہوئی ہے۔ اس کے بعد سنگ مرمر کا ایک صندوق بنا کر اس پر رکھا گیا اس پیے تاریخ گجرات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کچھ عرصہ کے لیے مالوہ اور اجمیر کی حکومت سلطان بہادر گجراتی کے قبضہ میں آئی تو اس نے کمال نیاز مندی سے آستانہ مبارکہ کی بعض عمارات تعمیر کرائیں۔ اکبر بادشاہ آستانہ عالیہ سے بہت اعتقاد اور اخلاص صادق رکھتا تھا اور کئی بار زیارت کے لیے پیادہ اجمیر شریف حاضر ہوا۔ ایک عالی شان مسجد بھی تعمیر کرائی۔ شہر کو آباد کیا اور باشندگان کی حفاظت اور آرام کے لیے شہر کے گرد فصیل اور شاہی محل تیار کرائے اور خواجہ بزرگ کی اولاد اور مجاوروں کے لیے مناسب جاگیر اور وظائف مقرر کیے لنگر خانہ کے خرچ کے لیے چند مواضعات نامزد کیے آستانہ متبرکہ اور زائرین و فقراء کی خدمت کے لیے ایک متولی مقرر کیا اور یہ دستور اب تک جاری ہے۔ اکبر بادشاہ نے اپنی سلطنت کے پچاس برس کی مدت میں خواجہ بزرگ کے اعتقاد و اخلاص میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔

جب اس کی وفات کے بعد اس کا لڑکا نور الدین جہانگیر پنجشنبہ کے دن بتاریخ بیس ماہ جمادی الثانی ۱۰۱۴ھ اٹھتیس سال کی عمر میں تخت نشین ہوا خواجہ بزرگؒ کے اعتقاد و اخلاص میں اپنے والد سے بھی زیادہ قدم رکھا اور ہر قسم کے اخراجات و انعامات میں اضافہ کیا اور نہایت عجز و انکسار سے آستانہ عالیہ کی زیارت کے لیے جایا کرتا تھا اور بعض اوقات کئی کئی برس اجمیر شریف میں مقیم رہتا تھا اور اپنے عہد کے تئیس سال میں یہی دستور جاری رکھا۔ اس کے

وفات کے بعد شاہجہان ستئیس سال کی عمر میں تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوئے اور تمام عالم اس کے فیض و احسان سے مستفیض ہوا تو پہلے سال کے اندر اس نے کمال اخلاص و نیاز مندی سے آستانہ متبرکہ کی زیارت کی اور خواجہ بزرگ کی اولاد، مجاورین اور حاجت مندوں کے لیے بے انداز بخشش کی اور درگاہ عالیہ کے تمام اخراجات میں اضافہ کر دیا سنگ مرمر سے ایک عالیشان مسجد روضہ اقدس کے متصل تیار کرائی جو چودہ سال کے عرصہ میں مکمل ہوئی۔ مسجد کا طول ستانوے شعری گز اور عرض اسی گز ہے مسجد کا چبوترہ بھی سنگ مرمر سے بنا ہوا ہے اس کا عرض ستئیس گز شعری ہے اور قوی گمان یہ ہے کہ اس قسم کی نفیس اور صاف و شفاف عمارت دنیا بھر میں نہ ہوگی
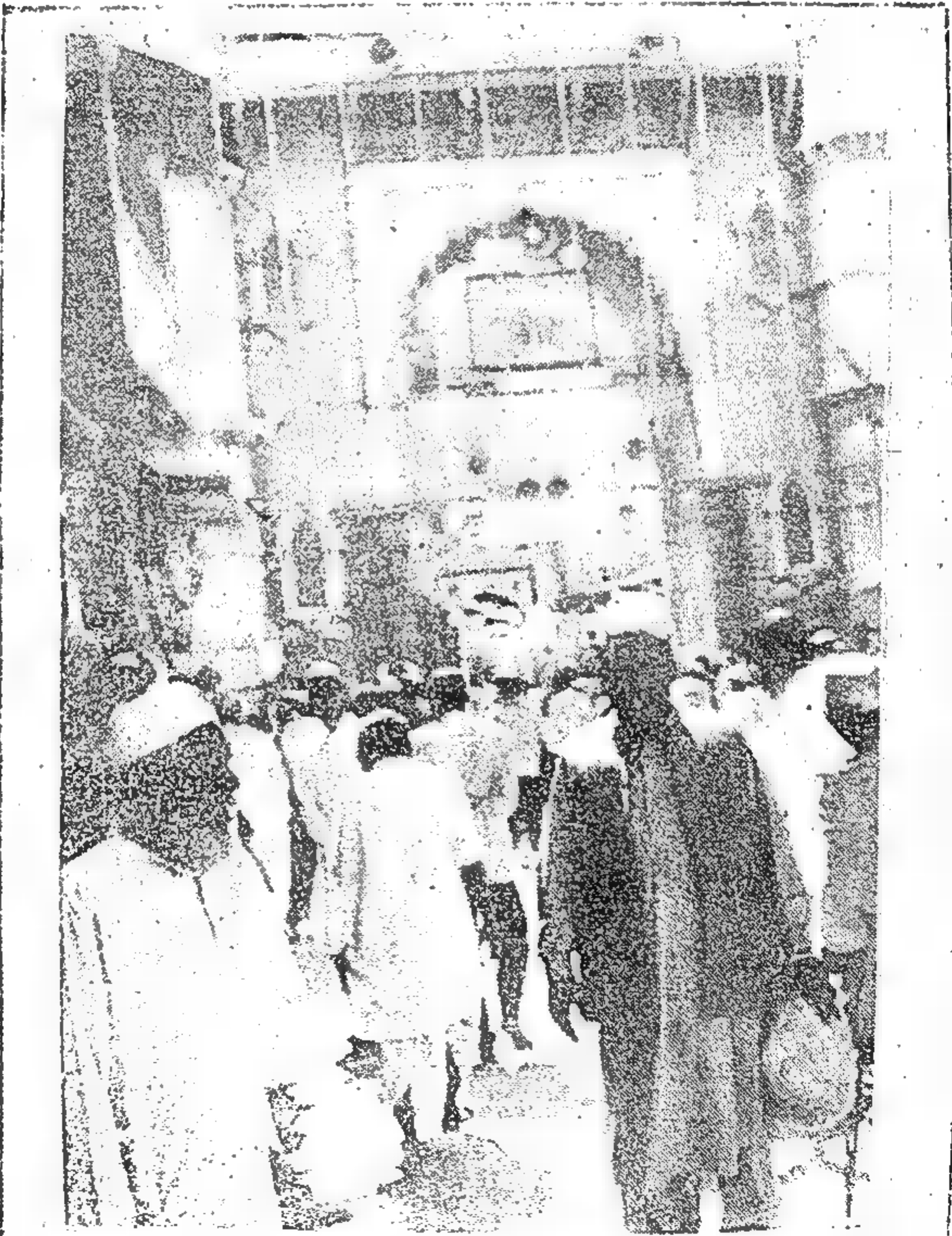
راقم ایم زمان کھوکھر خواجہ غریب نواز کے حضور حاضری کے بعد واپس آرہے ہیں

درگاہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کے گرد و نواح قدیمی تاریخی روحانی مقامات

شہر اجمیر بلند پہاڑیوں کے درمیان آباد ہے جیسے چہار دیوری کے اندر ایک قلعہ ہو، اس کے مغربی اور جنوبی پہلو سے ملا ہوا تارا گڑھ نامی پہاڑی کا سلسلہ ہے اسی پہاڑی کے دامن میں حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی درگاہ معلیٰ ہے جو ایک وسیع رقبہ گھیرے ہوئے ہے۔ درگاہ شریف ایک وسیع چہار دیواری کے اندر واقع ہے۔ احاطہ درگاہ شریف کے جنوب میں جھالرہ، مشرق میں گلی لنگر خانہ اور محلہ خادمان، شمال میں درگاہ بازار اور مغرب میں وہ راستہ ہے جو ترپولیہ دروازہ سے ہو کو اندر کوٹ اور تارا گڑھ کو جاتا ہے۔

نظام گیٹ: احاطہ درگاہ شریف میں داخل ہونے کے لیے ہر چہار جانب دروازے ہیں جن میں سب سے زیادہ ممتاز اور عالی شان دروازہ درگاہ بازار کی جانب ہے اس کو نظام گیٹ کہتے ہیں۔ یہ دروازہ ۱۹۱۲ء میں بننا شروع ہوا اور تعمیر کا کام تین سال تک جاری رہا۔ یہ دروازہ جناب میر عثمان علی خاں سابق نواب حیدر آباد کا بنوایا ہوا ہے اس لیے اس کو عثمانی دروازہ بھی کہتے ہیں۔ اس کی بلندی ستر فٹ اور چوڑائی معہ دو رویہ دالانوں کے ۲۴ فٹ ہے محراب کی چوڑائی سولہ فٹ ہے۔ دروازہ کے اوپر نقار خانہ ہے۔

کلمہ دروازہ: عثمانی دروازہ سے درگاہ شریف میں داخل ہوں تو کچھ فاصلہ پر ایک پرانی قسم کا دروازہ آتا ہے اس کے اوپر شاہی وقتوں کا نقار خانہ ہے اس دروازہ کو شاہ جہاں نے ۱۰۴۷ھ میں تعمیر کرایا اسی وجہ سے یہ دروازہ نقار خانہ شاہجہانی کے نام سے مشہور ہے۔ دروازہ کی محراب پر جلی حروف میں کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے جس کی وجہ سے اس کو کلمہ دروازہ بھی کہتے ہیں۔ دروازہ کے اندر باہر سنگ مرمر کا فرش ہے۔ کلمہ دروازہ سے آگے بڑھیں تو ایک صحن میں داخل ہوتے ہیں جس کے دائیں شفاخانہ اور اکبری مسجد کی سیڑھیاں ہیں اور سامنے بلند دروازہ ہے۔

اکبری مسجد: یہ مسجد عہد اکبر کی یادگار ہے۔ شاہزادہ سلیم (جہانگیر) کی پیدائش کے چھ مہینے بعد اکبر بادشاہ بغرض زیارت ... [illegible] ...ں نے مسجد کی تعمیر کا حکم دیا۔ یہ مسجد سرخ پتھروں سے تعمیر کی ہوئی ہے مسجد معہ متعلق ... [illegible] ...ٹ چوڑی ہے محراب ۵۶ فٹ بلند ہے۔

... [illegible] ...د خلجی کی یادگار ہے اس کی بلندی ۸۵ فٹ ہے اندر کا فرش سنگ مرمر کا ہے، چونکہ درگاہ ... [illegible] ... دروازہ اونچا ہے، اس لیے اس کو بلند دروازہ کہتے ہیں۔ ۲۵ جمادی الآخر کو اسی دروازہ کے او... [illegible] ...یا جاتا ہے۔

سال ر

اخراجات وا

اوقات کئی کئی برر
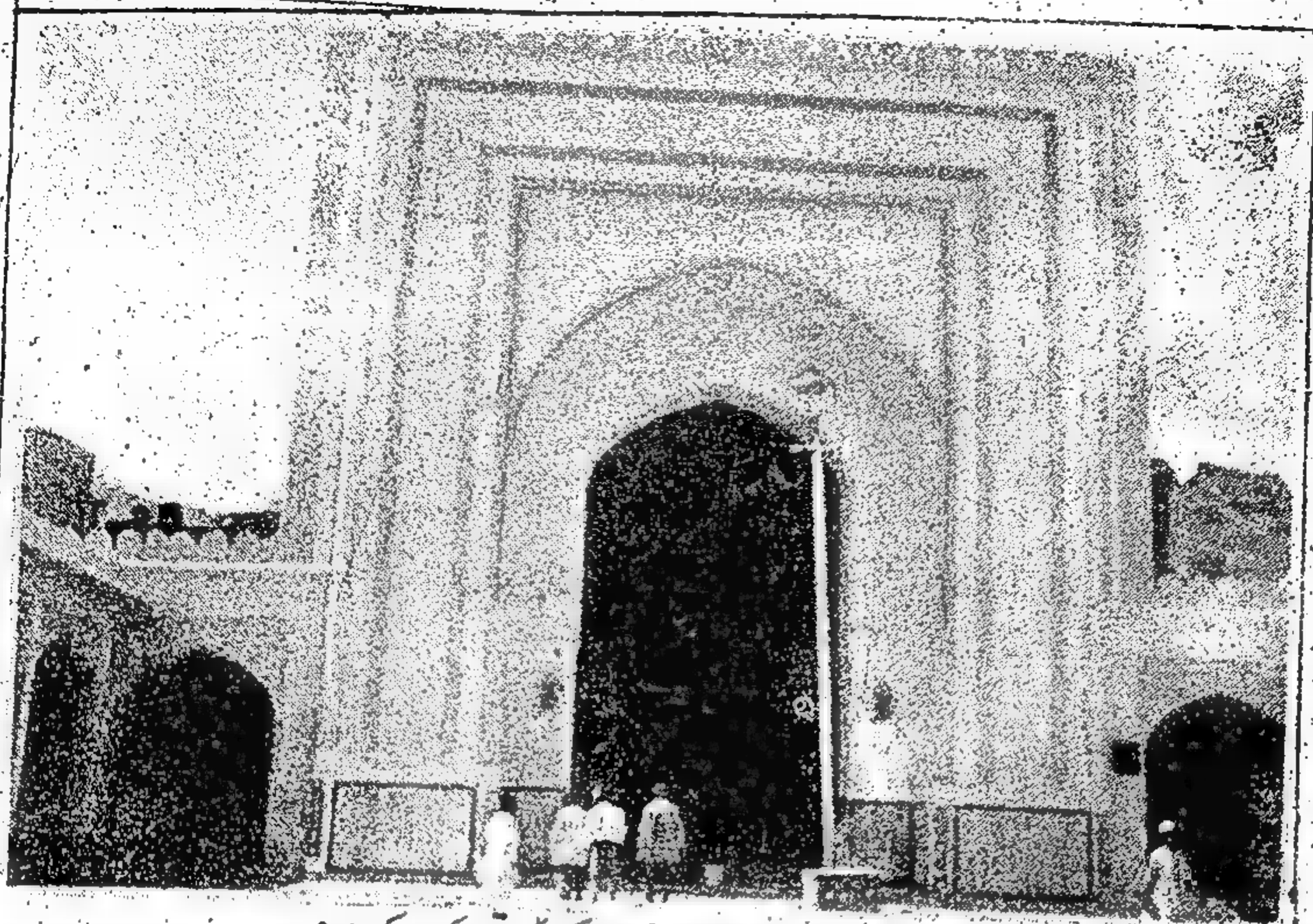
درگاہ حضرت خواجہ غریب نواز میں شہنشاہ اکبر کی تعمیر کردہ اکبری مسجد

صحن چراغ: بلند دروازہ سے آگے بڑھنے پر سامنے صحن میں ایک ہشت پہلو خوب صورت چھتری ہے اس میں ایک بہت بڑا پرانے وضع کا پیتل کا چراغ رکھا ہوا ہے اس لیے اس پورے صحن کو صحن چراغ کہتے ہیں۔
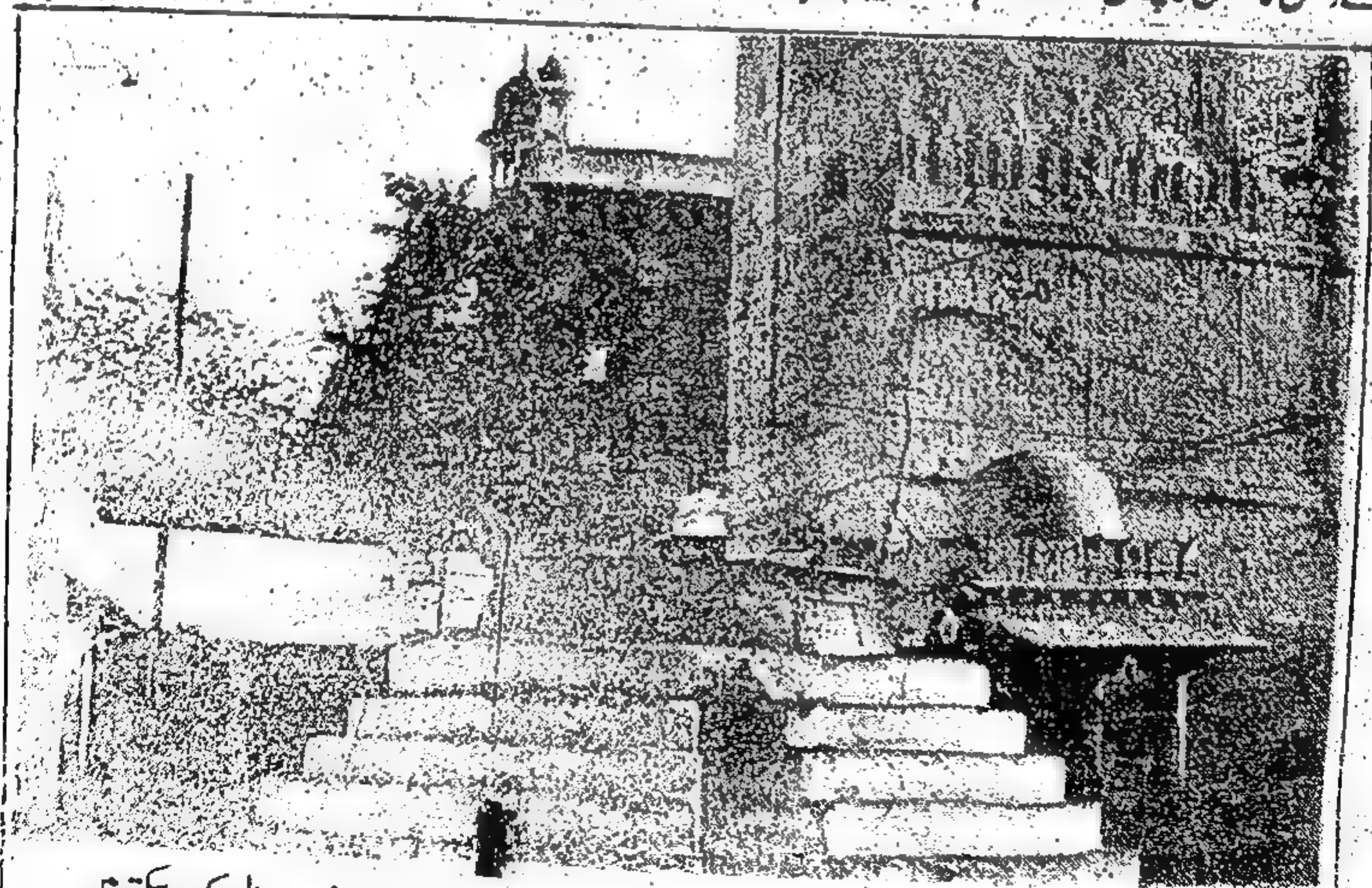
درگاہ خواجہ غریب نواز میں نصب بڑی دیگ جس میں ایک سو پچیس (125) من چاول پک سکتے ہیں۔

بڑی دیگ: صحن چراغ میں بلند دروازہ کے دائیں جانب بڑی دیگ ہے اکبر بادشاہ نے یہ عہد کیا تھا کہ چتوڑ گڑھ مہم سر کرنے کے بعد وہ پاپیادہ اجمیر شریف حاضر ہو کر ایک بڑی دیگ پیش کرے گا چنانچہ اس کو فتح حاصل ہوئی۔ پاپیادہ سفر کر کے اجمیر شریف پہنچا اور یہ دیگ چڑھائی۔ اس دیگ کا محیط ساڑھے بارہ گز ہے اور اس میں سوا سو من چاول پک سکتا ہے۔ یہ دیگ ۹۷۶ھ میں پیش کی گئی تھی۔

چھوٹی دیگ: یہ دیگ صحن چراغ میں بلند دروازہ کے بائیں جانب ہے اس کو سلطان نور الدین جہانگیر نے ۱۰۱۳ھ میں بنوا کر پیش کیا اس میں اسی من چاول پک سکتا ہے۔

محفل خانہ: یہ عمارت صحن چراغ سے جانب مغرب میں ہے۔ نواب بشیر الدولہ نے اپنے فرزند رشید نواب معین الدولہ کی تقریب ولادت کی خوشی میں تعمیر کرایا۔ نواب موصوف نے دربار خواجہ میں بیٹے کے لیے دعا مانگی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی برس کی عمر میں بیٹا عطا فرمایا۔ اس خوشی اور منت کی ادائیگی میں انہوں نے یہ عمارت تعمیر کرائی۔ اس کی تعمیر کا کام ۱۳۰۶ھ میں شروع ہوا اور ۱۳۰۹ھ میں یہ عمارت بن کر تیار ہوئی اس کا طول ۴۶ فٹ ہے اور عرض بھی ۴۶ فٹ گویا یہ عمارت مربع نما ہے۔ عرس شریف کے ایام میں مجالس سماع کا اہتمام اسی عمارت میں رہتا ہے۔ اس لیے اس کو محفل خانہ کہتے ہیں۔

خانقاہ: یہ عمارت محفل خانہ سے متصل مغرب میں واقع ہے اور اس میں داخل ہونے کے لیے محفل خانہ کے شمالی گوشہ میں ایک دروازہ ہے آج کل اس عمارت میں یتیم خانہ ہے۔

لنگر خانہ: صحن چراغ کے مشرق میں حجروں کی قطاروں کے درمیان ایک پھاٹک ہے۔ اس پھاٹک سے اندر داخل ہونے پر ایک وسیع صحن اور دالان ہے جس کا ایک پھاٹک گلی لنگر خانہ میں کھلتا ہے دالان کے اندر لوہے کے دو بڑے بڑے کڑھاؤ ہیں جن میں صبح و شام نمکین دلیا پکا کر غریبوں میں تقسیم کیا جاتا ہے یہ لنگر خانہ اکبر بادشاہ نے غریبوں کے لیے بنوایا تھا۔

احاطہ چنبیلی: صحن چراغ سے آگے بڑھنے پر حجروں کی قطاروں کے درمیان دو بڑے بڑے دروازے ہیں، جو دروازہ جانب مشرق ہے اس سے آگے بڑھنے پر احاطہ آستانہ عالیہ میں داخل ہوتے ہیں اور گنبد شریف بالکل سامنے نظر آتا ہے۔ بائیں ہاتھ پر سنگ مرمر کی بنی ہوئی ایک خوب صورت مگر چھوٹی سی مسجد ہے جس کو اولیاء مسجد کہتے ہیں۔ دائیں ہاتھ پر مسجد صندل خانہ ہے جس کے شمالی سرے سے ملحق احاطہ چنبیلی ہے جس میں متبرک مزارات ہیں ان مزارات اور ان کی دیواروں پر چنبیلی کے پودے چھائے ہوئے ہیں مشہور ہے کہ یہ مزارات خواجہ غریب نواز کی ازواج مطہرات کے ہیں۔

مسجد صندل خانہ: اس مسجد کا جائے وقوع احاطہ چنبیلی کے ساتھ بیان ہو چکا ہے، یہ مسجد سلطان محمود خلجی کی بنوائی ہوئی

ہے۔ عہد جہانگیری میں مسجد خستہ و شکستہ ہو چکی تھی۔ جہانگیر بادشاہ نے چار در بڑھا کر تعمیر نو کروائی۔ شہنشاہ اورنگزیب نے اس کی مرمت کروائی۔ اسی وجہ سے یہ مسجد تینوں بادشاہوں کے ناموں سے منسوب کی جاتی ہے۔ ایام عرس شریف میں یکم رجب تا ۹ رجب مزارِ اقدس پر پیش کرنے کیلئے صندل کی گھسائی اسی مسجد میں ہوتی ہے جس کی وجہ سے یہ مسجد "صندل مسجد" کے نام سے مشہور ہو گئی۔ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے مزار اقدس سے صبح و شام جو پھول اترتے ہیں وہ اسی مسجد کے ایک کمانچہ میں کچھ دیر کے لیے رکھے جاتے ہیں اس وجہ سے اس مسجد کو مسجد پھول خانہ بھی کہتے ہیں۔

اولیاء مسجد: یہ مسجد احاطہ چنبیلی اور مسجد صندل خانے سے چند قدم کے فاصلے پر جانب مشرق واقع ہے۔ یہ مسجد اس مقام پر بنائی گئی ہے جہاں حضور خواجہ غریب نوازؒ نماز پڑھا کرتے تھے۔

شاہ جہانی مسجد: یہ مسجد مزار اقدس کے مغرب میں بنی ہوئی ہے۔ نہایت نفیس سنگ مرمر سے بنائی گئی ہے۔ یہ عالی شان مسجد شاہ جہاں بادشاہ کے حکم سے تعمیر ہوئی جمعہ کی نماز اس مسجد میں بڑی شان سے ہوتی ہے اس کو جامع شاہ جہانی بھی کہتے ہیں۔ اس کا طول شرعی ۷ ۹ گز اور عرض ۷ ۲ گز ہے۔ مسجد کا صحن بہت کشادہ ہے مزار اقدس کا جنتی دروازہ مسجد کے محراب سے بالکل سامنے نظر آتا ہے، جمعہ کی نماز اس مسجد میں بڑے اہتمام سے ہوتی ہے۔ شاہی وقتوں سے یہ قاعدہ ہے کہ جمعہ کی نماز کے لیے چار دفعہ توپیں داغی جاتی ہیں اول خطبہ شروع ہونے سے پانچ منٹ قبل، دوم خطبہ سے
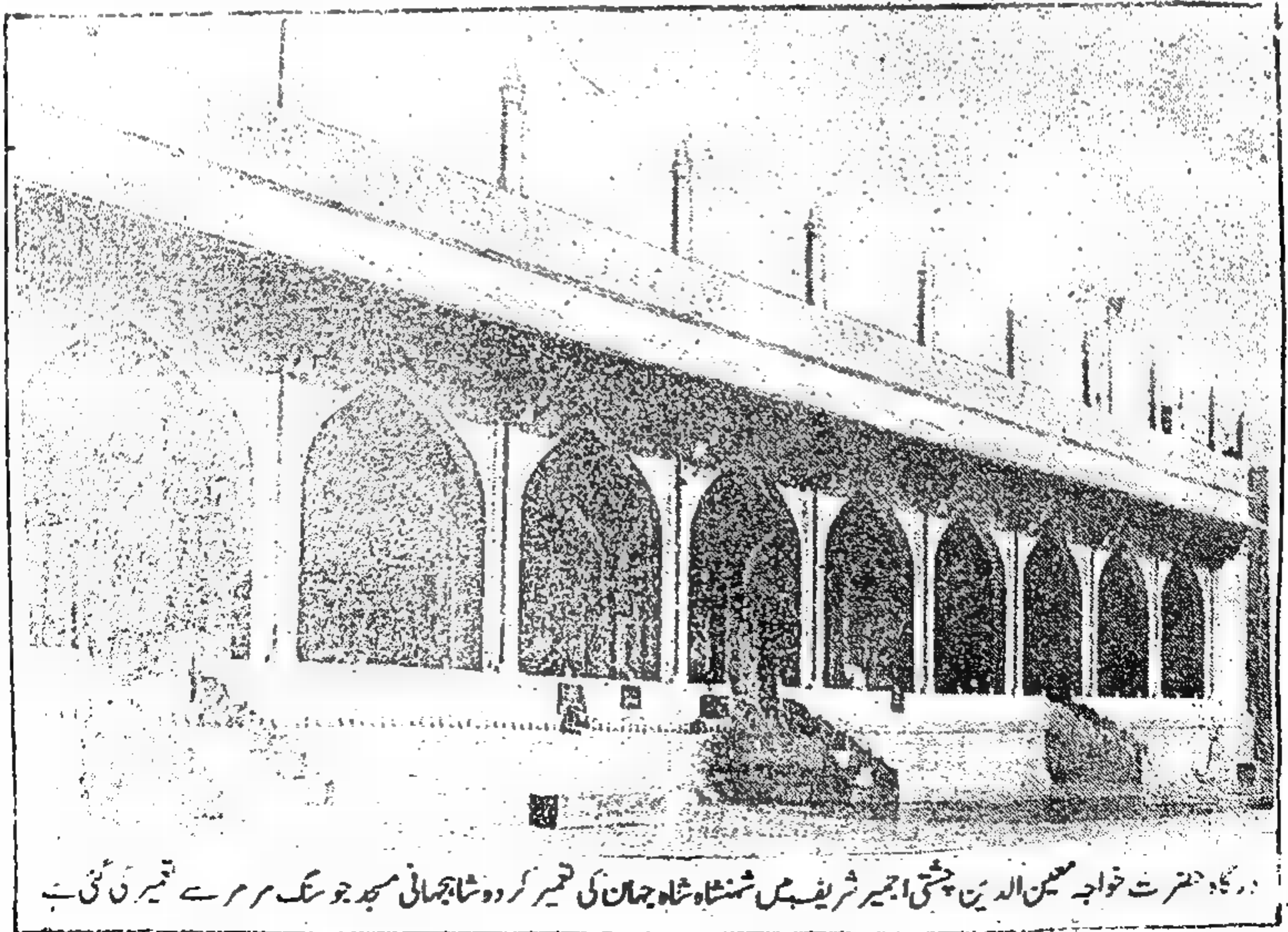
درگاہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیر شریف میں شہنشاہ شاہ جہان کی تعمیر کردہ شاہجہانی مسجد جو سنگ مرمر سے تعمیر کی گئی ہے

وقت، سوم اقامت کے وقت اور چہارم سلام کے وقت۔

سنگی دالان: گنبد شریف کا صدر دروازہ مشرق رویہ ہے اس دروازہ کے آگے ایک نہایت خوب صورت اور عالی شان دالان ہے جو تین جانب سے کھلا ہوا ہے یہ دالان ۱۰۵۳ھ میں شہزادی جہاں آرا نے تعمیر کرایا اس لیے اس کو بیگمی دالان کہتے ہیں۔

روضہ منورہ: روضہ منورہ اور گنبد شریف کی تعمیر سلطان محمد خلجی کے زمانے میں ہوئی، بعض مورخ یہ لکھتے ہیں کہ روضہ منورہ اور گنبد شریف خواجہ حسین ناگوری کی تعمیر کردہ ہیں، گنبد کا اندرونی حصہ سنگ بستہ ہے جس میں چونے سے ریخ بندی کی گئی ہے گنبد کا بالائی حصہ سفید ہے جس پر چونے کا پلاسٹر چڑھا ہوا ہے۔ گنبد کے اندرونی حصے میں طلائی و رنگین نقش و نگار بنے ہوئے ہیں۔ سفید گنبد پر سونے کا بہت بڑا تاج لگا ہوا ہے۔ اس کو حیدر علی خان مرحوم برادر نواب کلب علی خاں، والئ رام پور نے نذر کیا تھا۔ مزار اقدس کا تعویذ سنگ مرمر کا ہے۔ مزار اقدس ہمیشہ زربفت، کمخواب اور مخمل کے قبر پوشوں سے ڈھکا رہتا ہے اور ان پر تازہ پھولوں کی چادریں پڑی رہتی ہیں چھپر کھٹ کے بیچ میں سنہرا کٹہرا لگا ہوا ہے جو شہنشاہ جہاں گیر نے بنوا کر چڑھایا تھا۔

گنبد شریف کے اندر روشنی: مغرب کی نماز سے تقریباً بیس منٹ قبل حسب دستور قدیم روضہ منورہ میں بجلی کی تمام بتیاں بند کر دی جاتی ہیں اور خاص موم کی بنی ہوئی بتیاں روشن کی جاتی ہیں، ان بتیوں کو روشن کرتے وقت حسب ذیل اشعار پڑھے جاتے ہیں۔ اندرون گنبد پر چہار جانب چوکھٹوں پر آئینے نصب ہیں۔

چلہ بابا فرید گنج شکرؒ: یہ وہ مقام ہے جہاں بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے چلہ کیا تھا۔

یہ جگہ مسجد صندل خانہ کے عقب میں زمین دوز ہے خاص چلہ کا مقام مسجد صندل خانہ کے نیچے تہہ خانہ میں ہے، نیچے اترنے کے لیے سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ اس کا دروازہ سال بھر مقفل رہتا ہے محرم الحرام کی ۵ تاریخ کو صرف ایک دن کے لیے کھلتا ہے اس دن زائرین کی قطاریں لگ جاتی ہیں اور دور دور سے لوگ پروانہ وار حاضر ہو کر زیارت کا شرف حاصل کرتے ہیں۔

جھالرہ: جامع مسجد شاہ جہانی کے جنوبی دیوار کے ساتھ ہی ایک چھوٹا سا دروازہ ہے جو مغرب کی طرف کھلتا ہے۔ اس دروازے کے باہر ایک وسیع قبرستان ہے۔ یہ قبرستان جھالرے کی دیوار سے لے کر جامع مسجد کے عقب میں دور تک پھیلا ہوا ہے۔ اس گورستان میں بڑے بڑے علماء، فضلا، صوفیا، فقراء اور اولیاء اللہ کے مزارات ہیں۔ مولانا شمس الدین صاحبؒ بھی اسی جگہ آسودہ ہیں مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادیؒ بھی جن کا وصال مجلس سماع میں ہوا تھا اسی قبرستان میں

مدفون ہیں۔ منقول ہے کہ اس گورستان میں چار مزارات ان بزرگوں کے بھی ہیں جو حضور غریب نوازؒ کے ہمراہ تشریف لائے تھے اسی وجہ سے یہ مقام چہاریار کے نام سے مشہور ہیں۔

اجمیر شریف کے دیگر متبرک مقامات

چلہ حضرت خواجہ غریب نواز: اناساگر کے جنوب مشرقی کنارے پر ایک وسیع پہاڑی ہے جس کو سدابہار پہاڑی کہتے ہیں۔ اسی پہاڑی کے جنوب مغربی گوشے میں ایک چھوٹا سا غار ہے جس کے اوپر اب گنبد بنا ہوا ہے۔ پہلے پہل خواجہ غریب نوازؒ نے یہیں گوشہ نشینی اختیار کی تھی۔ چلہ شریف کے اندر پتھر کا ایک تخت رکھا ہوا ہے اس پر بیٹھ کر آپ یاد الٰہی میں مصروف رہا کرتے تھے۔

چلہ قطب صاحب: سدابہار پہاڑی کے شمال مشرقی حصے پر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا چلہ بنا ہوا ہے۔ جب آپ اجمیر شریف تشریف لائے تو اس جگہ مصروف عبادت رہتے۔

دولت باغ: اناساگر کے مشرقی کنارے پر شاہ جہاں بادشاہ نے سنگ مرمر کی عمارتیں بنوائیں جن کے وسط میں بارہ دری ہے، یہ مقام نہایت پرفزا ہے بارہ دری کے مشرق میں ایک نہایت سرسبز اور پرفضا باغ ہے یہ باغ ،دولت باغ کے نام سے مشہور ہے اب اس باغ کا نام بدل کر سبھاش باغ کردیا گیا ہے۔

چلہ شاہ مدارؒ: یہ چلہ اجمیر کے مشرقی پہاڑ پر واقع ہے جس کی بلندی تقریباً سات سوفٹ ہے اس مقام پر حضرت سید بدیع الدین قطب المدار شاہ مکن پوریؒ کا چلہ بنا ہوا ہے۔ ۱۸ جمادی الاول کو یہاں عرس ہوتا ہے حضرت شاہ مدارؒ کا مزار مکن پور میں ہے۔

قلعہ تارا گڑھ: یہ ایک بہت بڑا قلعہ جو درگاہ شریف کے جنوب میں ایک بہت اونچی پہاڑی پر واقع ہے اس پہاڑی کی اونچائی آٹھ سوفٹ ہے رائے پتھورا کے زمانے میں یہ بہت مشہور اور مضبوط قلعہ تھا جس کو ناقابل تسخیر خیال کیا جاتا تھا۔ لیکن سلطان شہاب الدین غوری نے اسکو بآسانی سر کرلیا اور سید میراں حسینؒ کو یہاں کا قلعہ دار مقرر کیا گیا۔

ڈھائی دن کا جھونپڑا: درگاہ بازار سے ایک راستہ احاطہ درگاہ شریف کے ساتھ ساتھ مغرب کو جاتا ہے۔ ترپولیہ دروازہ سے آگے بڑھنے پر محلہ اندرکوٹ کی بستی شروع ہو جاتی ہے تھوڑی دور آگے چل کر دائیں ہاتھ پر ایک عالی شان قدیم مسجد ہے جو اچھی خاصی اونچائی پر سرخ پتھر کی بنی ہوئی ہے جو ڈھائی دن کا جھونپڑا یا ڈھائی دن کی مسجد کے نام سے مشہور ہے سلطان شمس الدین التمش نے اس مسجد کی عمارت میں بہت کچھ تبدیلی کر کے اس کی ازسرنو مرمت کرائی۔
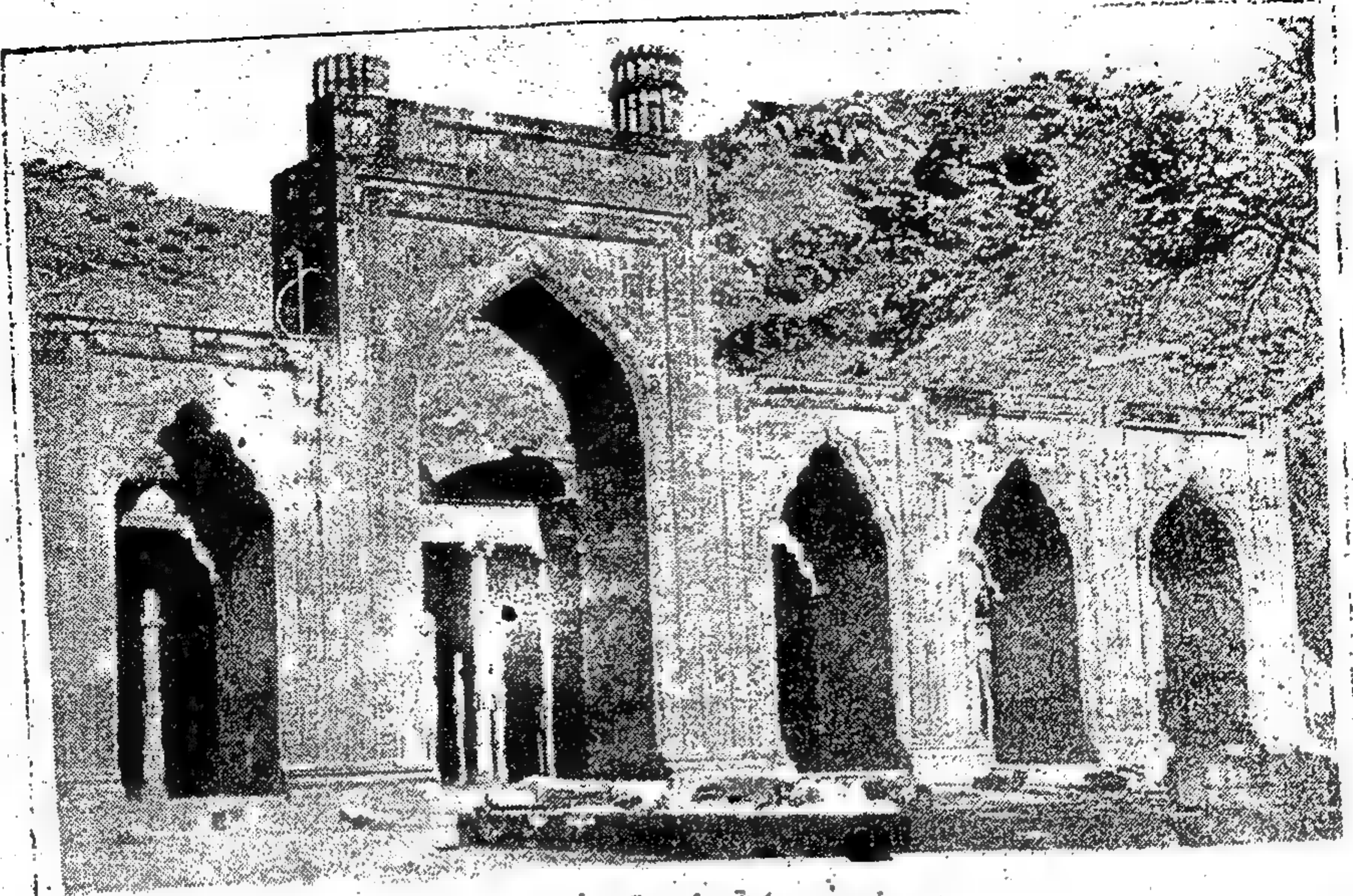
اڑھائی دن کا جھونپڑا اجمیر شریف

تارا گڑھ پر شب خون کا واقعہ : قطب الدین ایبک کے زمانے میں سید میراں حسینؒ قلعہ تارا گڑھ کے قلعہ دار تھے ، اور آپ کا قیام بھی تارا گڑھ پر ہی تھا ۔ سلطان قطب الدین ایبک لاہور میں پولو کھیل رہا تھا کہ اچانک گھوڑے سے گر کر جاں بحق ہو گیا۔ جب یہ خبر اجمیر پہنچی تو گرد و نواح کے ٹھاکر اور راجپوت جاگیر داروں نے مل کر اچانک رات کے وقت تارا گڑھ پر حملہ کر دیا ، اور قلعہ کے اندر داخل ہو گئے اندھیری رات تھی اور مسلمان بے خبر سو رہے تھے ، بہت سے مسلمان گاجر مولی کی طرح کاٹ ڈالے گئے ، شور و غل کی آواز سن کر مسلمان بیدار ہوئے اور سنبھل کر مقابلہ میں آڈٹے ۔ مگر گنتی کے چند بہادر جو چاروں طرف سے خونخوار دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے کب تک تاب مقابلہ لا سکتے تھے سب نے جام شہادت نوش کیا اور دن نکلنے سے قبل ہی دشمن فرار ہو گئے اس معرکہ میں میراں حسینؒ خنگ سوار بھی شہید ہو گئے ۔

صبح ہوتے ہی شہر کے مسلمانوں کو تارا گڑھ کے المناک واقعہ کی خبر ملی اور گھر گھر صف ماتم بچھ گئی ۔ خواجہ غریب نوازؒ نے جب یہ خبر سنی تو اپنے ہمراہیوں کو لے کر قلعہ میں گئے اور نماز جنازہ پڑھ کر شہدائے تارا گڑھ کو سپرد خاک کر دیا ، قلعہ تارا گڑھ اب قلعہ نہیں رہ گیا ، اس کی فصیلیں منہدم ہو چکی ہیں البتہ حضرت میراں حسینؒ خنگ سوار کی درگاہ یہاں زیارت گاہ خاص و عام ہے ۔ حضرت میراں سید حسینؒ بہت متقی اور پرہیز گار بزرگ تھے ۔ آپ حضرت حضور خواجہ غریب نواز کی خدمت میں رہا کرتے تھے ۔ آپ کو خواجہ غریب نوازؒ سے بے حد عقیدت و محبت تھی آپ کا عرس ۱۷ / ۱۸ رجب کو ہر سال ہوتا ہے ۔

چلہ بڑے پیر صاحب درگاہ شریف میں کھڑے ہو کر جنوب کی طرف نظر دوڑائیں تو سامنے ایک پہاڑی نظر آتی ہے جس کے اوپری سرے پر ایک ہرے رنگ کا گنبد دکھائی دیتا ہے روایت مشہور ہے کہ اس مقام پر حضرت پیران پیر دست گیر کے مزار اقدس کی ایک اینٹ دفن ہے یہی وجہ ہے کہ یہ مقام چلہ بڑے پیر صاحب کے نام سے مشہور ہو گیا ہے ورنہ حضرت پیران پیر ہندوستان میں کبھی رونق افروز نہیں ہوئے۔

خواجہ غریب نوازؒ کے خلفائے عظام

حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے سیر و سیاحت اور دہلی و اجمیر کے طویل قیام کے زمانے میں سینکڑوں خلفاء کو تعلیم و تربیت دے کر بندگان خدا کی ہدایت پر مامور فرمایا جو ہندوستان کے مختلف مقامات پر اپنا فرض بڑی مستعدی اور سرگرمی سے بجالاتے رہے آپ کے فرمان واجب الاتفاق کے موافق قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ آپ کے خلیفہ اکبر تھے اور ان کے علاوہ ۶۵ خلفائے اصغر اور ۵۵ خلفائے مجاز ہیں۔ آپ کے مشہور خلفائے کرام کی تفصیل حسب ذیل ہے :

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ تاریخ وصال ۱۴ ربیع الاول ۶۳۵ھ مزار دہلی، حضرت امام الدین، تقی تاریخ وصال نامعلوم مزار اجمیر شریف، حضرت احمد قہرؒ تاریخ وصال ۱۶ شوال ۶۲۰ھ مزار اجمیر شریف، حضرت نیاز احمد ثانی ۵ ربیع الاول ۵۸۵ھ مزار اجمیر شریف، حضرت عبدالغفارؒ تاریخ وصال ۲۴ صفر ۶۹۲ھ مزار ملتان، حضرت احمد شہاب کوفیؒ تاریخ وصال ۱۳ شعبان ۵۹۵ھ مزار اجمیر شریف، حضرت شیخ احمد کابلیؒ تاریخ وصال محرم الحرام ۵۹۶ھ مزار بنارس، حضرت داؤد الدینؒ تاریخ وصال ۲۸ محرم ۶۰۰ھ مزار اجمیر شریف، حضرت قادر سعیدؒ تاریخ وصال ۱۹ رجب ۶۰۷ھ مزار اجمیر شریف، حضرت شیخ محمد یادگار سبزواریؒ ۲۵ رجب ۶۲۸ھ مزار اجمیر شریف، حضرت عبداللہ بیابانی عرف جوگی اجے پال، حضرت معروف شہابؒ تاریخ وصال ۱۹ صفر ۶۳۸ھ مزار اجمیر شریف، حضرت غلام ہادی ترکؒ تاریخ وصال ۱۱ شوال ۵۸۸ھ مزار اجمیر شریف، حضرت قرآن احمد ترکؒ تاریخ وصال ۴ رمضان ۵۸۴ھ مزار دہلی، حضرت احمد خان غازیؒ تاریخ وصال ۱۸ ذیقعدہ ۶۰۳ھ مزار قنوج، حضرت احمد خان درانی تاریخ وصال ۴ شعبان ۶۰۳ھ مزار اجمیر شریف، حضرت سلطان شاہؒ تاریخ وصال ۱۹ جمادی الاول ۵۹۳ھ مزار اجمیر شریف، حضرت عبداللہ اصغرؒ تاریخ وصال ۱۱ شعبان ۶۴۰ھ مزار دہلی، حضرت ابو الفرح قریشیؒ تاریخ وصال ۱۴ ذیقعدہ ۶۱۰ھ مزار دہلی، حضرت یعقوب خان وصال ۲۷ محرم ۶۹۸ھ مزار دہلی، حضرت خواجہ احمد شاہؒ تاریخ وصال ۲۳ صفر

۶۸۱ھ مزار دہلی، حضرت عبداللہ شاہ" تاریخ وصال ۲۳ صفر ۶۸۱ھ مزار دہلی، حضرت کریم شعیب بن محمود شاہ ایرانی
" تاریخ وصال ۲۳ رجب ۶۷۲ھ مزار دہلی، حضرت خواجہ محی الدین" تاریخ وصال نامعلوم مزار دہلی، حضرت شیخ حمید
الدین ناگوری" تاریخ وصال ۵ محرم ۶۲۳ھ مزار دہلی، حضرت ظہیر الدین" تاریخ وصال ۸ شوال ۶۰۳ھ مزار اجمیر
شریف، حضرت خواجہ برہان الدین" تاریخ وصال ۱۴ رجب ۶۲۴ھ مزار اجمیر شریف، حضرت سرور احمد" تاریخ وصال ۱۸
شعبان ۶۱۵ھ مزار اجمیر شریف، حضرت امیر برہان جی سدا سہاگ" تاریخ وصال ۱۶ محرم ۶۰۰ھ مزار اجمیر شریف،
حضرت صوفی شیخ حمید الدین ناگوری" تاریخ وصال ۲۹ ربیع الاول ۶۷۳ھ مزار ناگور، حضرت شیخ احمد" تاریخ وصال ۱۲
محرم ۶۳۰ھ مزار اجمیر شریف، حضرت شیخ محمد حسن" تاریخ وصال نامعلوم مزار نامعلوم، حضرت ملی ملی حافظ جمال تاریخ
وصال نامعلوم مزار اجمیر شریف، حضرت غریب اصغر" تاریخ وصال ۲۱ صفر ۶۰۸ھ مزار اجمیر شریف، حضرت موشیوخ
عراقی" تاریخ وصال ۲۳ محرم ۶۰۷ھ مزار دہلی، حضرت شیخ وجیہہ الدین" تاریخ وصال ۱۱ رجب ۶۷۲ھ مزار ملتان،
حضرت کریم احمد شاہ" تاریخ وصال ۴ ذی الحجہ ۶۱۲ھ مزار اجمیر شریف، حضرت خواجہ سلیمان کر شتی تاریخ وصال
نامعلوم، حضرت شیخ شمس الدین فوقانی" تاریخ وصال ۱۷ صفر ۶۷۲ھ مزار احمد آباد، حضرت محمود احمد تاریخ وصال ۱۵
محرم ۶۰۷ھ مزار اجمیر شریف، حضرت شعبان خان ترک" تاریخ وصال ۱۴ جمادی الآخر ۶۱۷ھ مزار اجمیر شریف
حضرت خواجہ حسن خیاط" تاریخ وصال نامعلوم مزار نامعلوم، حضرت ہرادبیگ" تاریخ وصال ۲۷ شوال ۶۱۴ھ مزار
اجمیر شریف، حضرت حسن داؤد جی" تاریخ وصال ۱۹ رجب ۶۲۱ھ مزار اجمیر شریف، حضرت ہادی محمد عفرت تاریخ
وصال ۱۶ ذی الحجہ ۶۰۹ھ مزار دہلی، حضرت اظہر خان تبرک وصال ۹ شعبان مزار دہلی، حضرت کیوان اصغر قندھاری"
تاریخ وصال ۱۷ ذی الحجہ ۶۱۵ء مزار دہلی حضرت سفیان احمد" تاریخ وصال ۱۶ رجب ۶۱۰ھ مزار دہلی، حضرت عبدالغفار"
تاریخ وصال ۲۵ رجب ۶۶۱ھ مزار اجمیر شریف، حضرت عزیز احمد شاہ" تاریخ وصال ۱۶ صفر ۶۹۷ھ مزار دہلی،
حضرت شیخ محمد زاہد ترک" تاریخ وصال ۱۱ محرم الحرام ۶۳۴ھ مزار دہلی، حضرت فقیر محمد" تاریخ وصال ۲۷ جمادی الآخر
۶۱۱ء مزار جرود، حضرت شہاب دلی" تاریخ وصال ۱۶ جمادی الآخر ۶۱۷ھ مزار اجمیر شریف، حضرت شیخ محمد علی بخیری"
تاریخ وصال، جگہ نامعلوم، حضرت سوغی بہادر شاہ" تاریخ وصال ۱۱ محرم ۶۱۸ھ مزار اجمیر شریف، حضرت خواجہ
یادگار خرم" تاریخ وصال ۱۰ محرم ۶۴۰ھ مزار غزنی، حضرت نعمت اللہ صفا" تاریخ وصال ۱۴ جمادی الآخر ۶۱۷ھ مزار
اجمیر شریف، حضرت شیخ صدر الدین" تاریخ وصال، مزار نامعلوم، حضرت خواجہ سبز یادگاری" تاریخ وصال ۲۱ ذی الحجہ
۶۴۵ء مزار قندھار، حضرت خواجہ اکبر شاہ تاریخ وصال ۱۹ رمضان ۶۲۱ھ مزار اجمیر شریف، حضرت محمد اصغر بہاری"

تاریخ وصال ۱۱ رجب ۶۹۷ھ مزار دہلی، حضرت شیخ محمد فتاؒ تاریخ وصال ۹ رجب ۶۳۳ء مزار اجمیر شریف، حضرت سلطان مسعود غازیؒ تاریخ وصال نامعلوم مزار اجمیر شریف، حضرت سبحان علی تمتیؒ تاریخ وصال ۹ ذی الحجہ ۶۱۹ء مزار اجمیر شریف، حضرت شیخ وحید الدین خراسانیؒ تاریخ وصال ۹ جمادی الآخر ۶۲۵ھ مزار ہرات، حضرت نظام الدین خان ... تاریخ وصال ۱۱ رجب ۶۲۰ھ مزار دہلی۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ
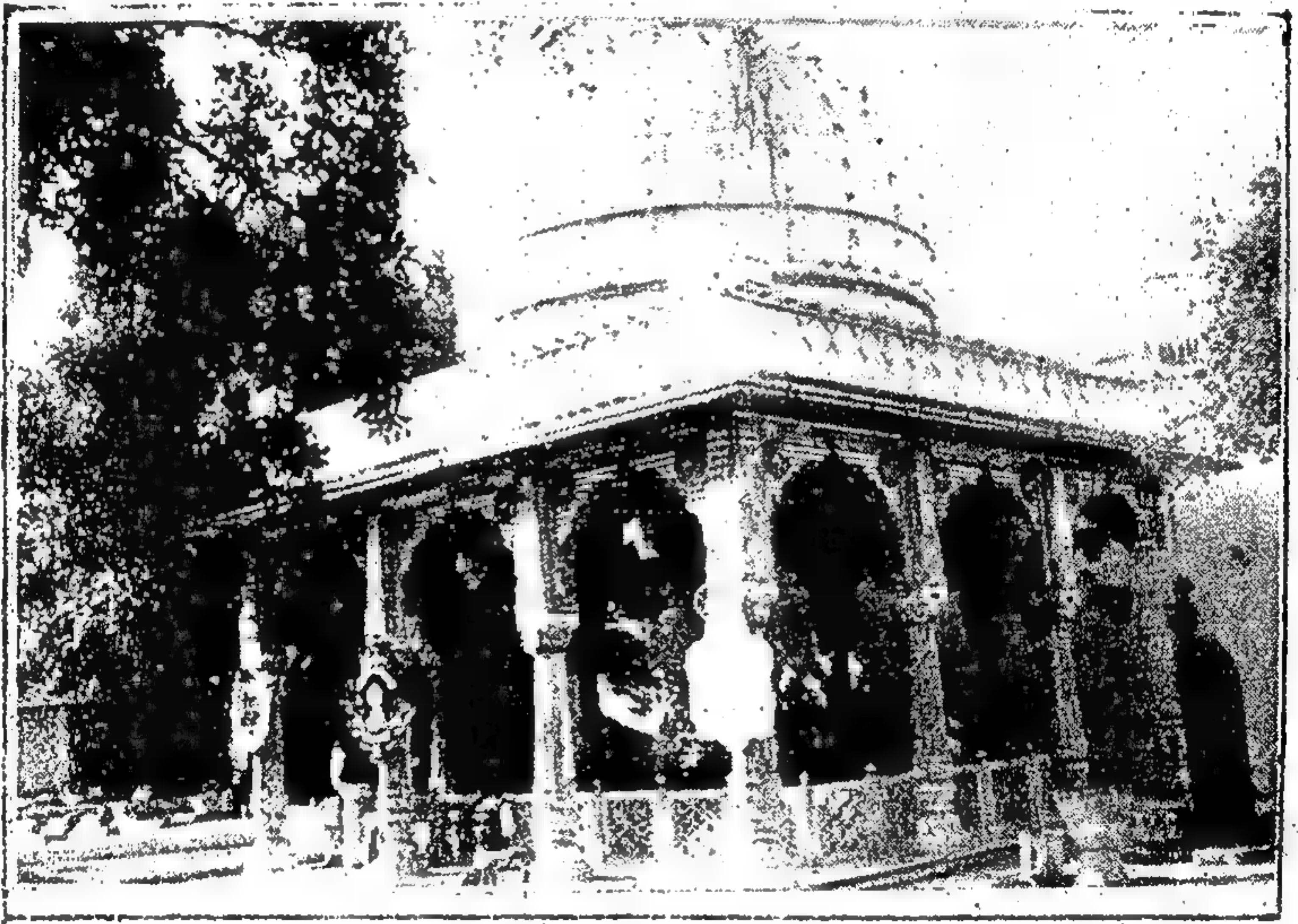
پرانی دہلی مہرولی میں کسی بھی شخص سے قطب صاحب کے آستانہ کے بارے میں پوچھا جائے تو وہ فوراً راستہ بتا دیتا ہے۔ مہرولی میں بسوں کے مرکزی ڈپو سے جنوب مغرب کی طرف ایک بازار نما گلی ہے یہاں اکثریت مسلمانوں کی ہے گلی کے عین وسط میں جنوب کی طرف حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا آستانہ کا بڑا دروازہ ہے۔ بڑے دروازہ میں داخل ہوتے ہی اُلٹے ہاتھ دیوار پر ایک پتھر نصب ہے جس پر یہ عبارت تحریر ہے مقامِ دعا حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء یہ وہ تاریخی اور مبارک پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء درگاہ خواجہ قطب الاقطاب میں سلام عقیدت پیش کرتے اور فاتحہ خوانی کرتے تھے راستہ کے دونوں جانب خاموش گداگر بیٹھے نظر آتے

ہیں چار دیواری کے اندر لاتعداد قبریں ہیں سامنے ایک اور دروازہ ہے جس پر آپ کا نام مبارک تحریر ہے۔ احاطہ سے ایک راستہ ظفر محل، موتی مسجد کی طرف جاتا ہے، جو حوض شمسی کی طرف جانکلتا ہے مشرق کی جانب مسجد اور دوسرے اولیائے کرام کے مزار ہیں جب کہ مغربی راستہ مزار حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی طرف جاتا ہے دیوار کے ساتھ شجرہ نصب تحریر ہے آپ کا مزار شاندار انداز میں تعمیر کیا گیا ہے مزار کے احاطہ میں لاتعداد قبریں ہیں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے بیعت تھے اور چشتی بھی کہلاتے ہیں آپ کے پیرو مرشد نے آپ کو قطب القطاب کے خطاب سے نوازا۔ راقم جتنے دن دہلی میں مقیم رہا بلا ناغہ آپ کے حضور حاضر ہوتا۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ آپ قصبہ اوش کے رہنے والے ہیں۔ آپ کے القاب کاکی اور بختیار ہیں۔ آپ حضرت خواجہ غریب معین الدین جشتی اجمیریؒ کے بڑے خلیفہ ہیں۔ سیر العارفین میں لکھا ہے کہ خواجہ قطب االدین قسبہ اوش میں پیدا ہوئے۔ جب آپ کی عمر ڈیڑھ سال ہوئی تو آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے جو نہایت پاک دامن اور صالحہ تھیں۔ آپ کی پرورش فرمائی۔ جب آپ کی عمر پانچ سال کے قریب ہوئی تو ایک ہمسایہ آپ کو استاد کے پاس لے گیا۔ راستے میں ایک بزرگ نورانی صورت آپ کے ساتھ ہو لئے اور کمال شفقت سے آپ کا ہاتھ پکڑ کر شیخ ابا حفصؒ کے پاس لے گئے جو تمام کمالات سے آراستہ تھے۔ ان سے کہا کہ اس بچے کو اچھی طرح تعلیم دیجئے کیونکہ یہ ایک دن اولیائے کبار میں سے ہوگا۔ شیخ ابو حفصؒ نے دل وجان سے قبول کیا۔ جب وہ بزرگ چلے گئے تو استاد نے آپ سے پوچھا کہ تم جانتے وہ بزرگ کون تھے۔ آپ نے جواب دیا نہیں۔ فرمایا یہ خضر علیہ السلام تھے جنہوں نے تمہاری تعلیم کا کام میرے ذمہ لگایا ہے۔ سیر الاولیا میں سلطان المشائخ نے نقل کیا گیا ہے کہ خواجہ قطب الاسلام ہر رات سونے سے قبل تین ہزار بار درود شریف پڑھتے تھے۔ جب اوش میں آپ کی شادی ہوئی تو تین رات کے لئے آپ سے درود قضا ہو گیا۔ آپ کے ایک مرید احمد رئیس نامی نے رات کو خواب میں حضرت رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے دیکھا کہ بختیار کاکی کو میرا سلام کہنا اور ان سے یہ کہنا ہر رات جو تحفہ تم بھیجتے تھے مجھے مل جاتا تھا لیکن تین رات سے نہیں ملا۔ نیند سے بیدار ہو کر انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا پیغام حضرت خواجہ کو پہنچایا۔ آپ نے اپنی بیوی کو بلا کر حق مہر ادا کیا اور اسے چھوڑ کر ہندوستان چلے آئے۔ جب آپ ملتان پہنچے تو شیخ بہاؤالدین ذکریاؒ سے آپ کو بہت محبت ہو گئی۔

شیخ جلال الدین تبریزی بھی ان دنوں ملتان میں تھے۔ تینوں بزرگوں کے درمیان محبت خوب گرم رہی۔ سیر الاولیاء میں سلطان المشائخ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ تینوں حضرات بیٹھے تھے کہ کفار کا لشکر قلعہ ملتان کے نیچے پہنچ گیا۔ والی ملتان قباچہ بیگ نے حاضر خدمت ہو کر امداد کی درخواست کی۔ خواجہ قطب الاسلام نے ایک تیر قباچہ بیگ کے ہاتھ

مین دست کر فرمایا کہ اسے کفار کی طرف پھینکو۔ اس نے حکم کی تعمیل کی۔ جب صبح ہوئی تو ایک کافر بھی قلعہ کے نزدیک نہ تھا۔ حضرت خواجہ گنج شکرؒ پہلی مرتبہ ملتان ہی میں خواجہ قطب الاسلام کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ چند ایام کے بعد خواجہ قطب الاسلام دہلی روانہ ہوئے۔ جب آپ دہلی پہنچے تو سلطان شمس الدین التمش اپنے لئے سعادت دارین سمجھ کر کمال اخلاص سے آپ کی خدمت میں رہنے لگے۔ ہفتے میں ایک دفعہ آپ کی زیارت کو آتے تھے۔

سیر العارفین میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب خواجہ قطب الاسلام دہلی میں مقیم ہوئے تو تمام اکابر واشراف اور ساری خلقت یکبارگی آپ کی صورت وسیرت پر عاشق اور فریفتہ ہو گئی۔ ان ہی ایام میں شیخ بدر الدین غزنوی کو آپ نے خرقہ خلافت عطا فرمایا اور انہوں نے ساری عمر آپ کی خدمت میں گزار دی۔

حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ بھی حضرت خواجہ قطب الاسلام کی خدمت میں رہتے تھے۔ آپ خواجہ معین الدین چشتی کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ خواجہ سرکار نے کمال مہربانی سے آپ کے متعلق فرمایا کہ قطب الدین تم نے ایسا ہی عظیم شاہباز قید کر رکھا ہے جو سدرۃ المنتہیٰ کے سوا کسی جگہ آشیانہ نہیں بناتا۔ یہ فرید وہ شمع ہے کہ درویشوں کے خاندان کو منور کرے گا۔

جس طرح خواجہ قطب الاسلام سے بڑھ کر خواجہ بزرگ کا کوئی مرید نہ تھا اسی طرح خواجہ گنج شکر سے بڑھ کر خواجہ قطب الاسلام کا کوئی مرید و خلیفہ نہ تھا۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ اجمیر تشریف لے گئے اور خواجہ قطب الاسلام کو بھی ساتھ لے جانے کا ارادہ کیا۔ جب خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، خواجہ معین الدین چشتی کے ہمراہ شہر دہلی سے باہر نکلے شہر کے ہر محلہ سے شور و غوغا بلند ہوا اور سارا شہر ماتم کدہ بن گیا۔ ساری خلقت اور ہر خاص و عام مع سلطان شمس الدین پیچھے پیچھے جا رہے تھے اور جس جگہ خواجہ قطب الاسلام قدم رکھتے تھے لوگ کمال صدق سے وہاں کی مٹی تبرک کے لئے اٹھا لیتے تھے اور منہ پر ملتے تھے جب خواجہ معین الدین چشتی نے یہ حال دیکھا تو فرمایا بابا قطب الدین اسی جگہ رہ جاؤ کیونکہ تمہارے چلے جانے سے ساری خلقت مضطرب اور پریشان حال ہے۔ میں اتنے دلوں کو اداس نہیں کرنا چاہتا۔ جاؤ اس شہر کو ہم نے تمہاری پناہ میں دے دیا۔ پس خواجہ قطب الاسلام کو رخصت فرما کر آپ خود اجمیر تشریف لے گئے۔ اس کے بعد خواجہ اجمیری ایک مرتبہ اور دہلی تشریف لے گئے۔ سیر العارفین میں لکھا ہے کہ سلطان شمس الدین التمش کا مدت سے ارادہ تھا کہ شہر کے قریب ایک حوض تیار کرایا جائے تاکہ خلق خدا کو آرام پہنچے۔

ایک رات اس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ ایک مقام پر آپ گھوڑے پر سوار ہوئے

کھڑے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ اے شمس الدین اگر تو چاہتا ہے کہ حوض بنائے اور خلقت فیض یاب ہو تو اس جگہ بنا جہاں ہم کھڑے ہیں۔ جب بادشاہ بیدار ہوا تو وہ جگہ جہاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے معلوم نہ کر سکا۔ حیران ہوا کہ کیا کیا جائے آخر اپنے ایک خاص آدمی کو خواجہ قطب الاسلام کی خدمت میں بھیجا کہ میں نے رات خواب میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے اگر اجازت ہو تو حاضر خدمت ہو کر عرض کروں۔ حضرت خواجہ نے فرمایا ہاں میں جانتا ہوں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بادشاہ کو حوض بنانے کا اشارہ فرمایا ہے۔ ہم اسی جگہ جارہے ہیں جہاں رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سوار ہو کر تشریف فرما تھے بادشاہ سے کہو کہ جلدی وہاں پہنچ جائے۔ خواجہ قطب الاسلام وہاں پہنچ کر دوگانہ نماز میں مشغول ہو گئے۔ سلطان بھی وہاں پہنچ گیا۔ اور جو جگہ بھول چکا تھا اسے یاد آگئی وہاں جاکر دیکھا تو حضرت رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے کے سم کا نشان موجود تھا۔ پس اسی مقام پر حوض تیار کرایا گیا اور جس جگہ گھوڑے کے سم کا نشان تھا وہاں ایک چھوٹا سا گنبد بنادیا گیا۔ سبحان اللہ! عجب پر فیض مقام ہے کہ بے شمار اولیاء اللہ اس کے گرد آرام فرما رہے ہیں۔ خواجہ قطب الاسلام اور قاضی حمید الدین ناگوری اکثر اوقات وہاں جاکر عبادت کرتے تھے اور خضر علیہ السلام اور دیگر مردان غیب کی صحبت میں بیٹھتے تھے۔ ایک بزرگ نے خوب لکھا ہے کہ۔

(جس زمین پر اے محبوب! تیرے قدموں کا نشان آیا سالہا سال صاحب معرفت لوگ وہاں سجدے کرتے رہیں گے)

سلطان المشائخ سے نقل ہے کہ خواجہ اجمیریؒ نے آپ کو اجازت دے رکھی تھی کہ اگر ضرورت ہو تو پانچ سو درم قرض سے کر خرچ کر لیا کریں۔ جب دو تین دن متواتر فاقہ ہوتا تو گھر والوں سے شرف الدین بقال سے جو آپ کا ہمسایہ تھا بقدر ضرورت قرض لے کر خرچ کرتے۔ ایک دن بقال کی عورت نے کہا اگر ہم ہمسایہ نہ ہوتے تو معلوم نہیں ان لوگوں کا کیا حال ہوتا۔ یہ سن کر آپ نے گھر والوں سے فرمایا آج سے قرض ہرگز نہ لینا۔ آپ کے حجرے کے اندر ایک طاق تھا آپ نے فرمایا آئندہ جس چیز کی ضرورت ہو۔ بسم اللہ پڑھ کر اس طاق میں ہاتھ ڈال کر لے لیا کرو۔ حرم خواجہ جس وقت طاق میں ہاتھ ڈالتیں گرم کاک (روٹی) نکال لیتیں۔ اس سے ان کے گھر کے لوگوں بسر اوقات ہو جاتی تھی۔ اسی وقت سے حضرت خواجہ کا خطاب کاکی ہو گیا۔ خواجہ اجمیری مرشد پاکؒ اکثر آپ کو قطب الدین بختیار کہا کرتے تھے اس وجہ سے آپ کا لقب بختیار ہو گیا۔

کتاب دلیل العارفین سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر وقت میں آپ ایک دفعہ خواجہ اجمیریؒ مرشد پاک سے ملنے اجمیر شریف گئے اور وہاں سے رخصت ہو کر دہلی آئے اور بیس روز کے بعد خواجہ بزرگ کا وصال ہو گیا۔ خواجہ قطب الاسلام بھی تھوڑے عرصے کے بعد رحلت فرما گئے۔ حضرت گنج شکرؒ فوائد السالکین میں فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ خواجہ

قطب الاسلام کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ قاضی حمید الدین ناگوریؒ، مولانا علاء الدین کرمانیؒ، سید نور الدین مبارکؒ، شیخ شرف الدینؒ، شیخ محمود مونیہ دوزؒ، مولانا فقیہ خدا داد، مجلس میں حاضر تھے۔ حج کے متعلق بات ہونے لگی خواجہ قطب الاسلام نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں کہ خانہ کعبہ کو حکم ہوتا ہے کہ وہاں جا کر ان کا طواف کرے۔ جب عزیزوں نے یہ بات سنی تو کھڑے ہوئے انہیں اپنی خبر بھی نہ رہی۔ یہ دعا گو بھی عالم شوق میں مستغرق ہو گیا۔ حضرت خواجہ اور ہم سب نے ہاتھ اوپر اٹھائے جیسا کہ خانہ کعبہ کے طواف کے وقت اٹھا کر تکبیر پڑھتے ہیں اس وقت ہم سب ہوش میں آگئے اور کیا دیکھتے ہیں کہ کعبہ ہمارے سامنے ہے۔ پس ہم نے تمام شرائط کے ساتھ طواف کیا ہاتف نے آواز دی کہ اے عزیزان ہم نے تمہارا حج اور نماز قبول کیا۔ اس کے بعد ہم اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ لکھتے ہیں کہ جب میں نے اپنا سر زمین پر رکھ کر ہانسی جانے کے لئے اجازت طلب کی۔ یہ دیکھ کر آپ آبدیدہ ہو گئے اور فرمانے لگے کہا فرید جانا چاہتے ہو، میں نے دوبارہ سر زمین پر رکھ کر عرض کیا کہ جس طرح فرمان ہو۔ آپ نے فرمایا جاؤ۔ تقدیر میں یہی لکھا ہے۔ مرشد پاک کے وصال کے وقت میں حاضر نہ تھا۔ تم بھی میرے آخری سفر کے وقت حاضر نہ ہو گے۔ اس وقت آپ نے تمام دوستوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ان کی (خواجہ گنج شکر کی) مزید نعمت کے لئے فاتحہ اخلاص پڑھو۔ سب نے تعمیل کی۔ اس کے بعد مصلے اور عصا اس دعا گو کو عطا فرمایا اور کہا کہ دوگانہ ادا کرو۔ میں نے تعمیل کی۔ آپ نے فرمایا میں تیری امانت یعنی سجادہ، دستار، خرقہ اور نعلین قاضی حمید الدین ناگوریؒ کے سپرد کروں گا کہ میرے انتقال کے چوتھے یا پانچویں دن تمہیں دے دیں گے تم ان کا احترام کرنا (حق ادا کرنا)۔

سیر العارفین میں سلطان المشائخ سے نقل ہے کہ ایک دفعہ شیخ علی سنجری کی خانقاہ میں مجلس سماع گرم تھی۔ درویش اہل حال اور اہل کمال موجود تھے خواجہ قطب الاسلام بھی تشریف رکھتے تھے۔ قوال شیخ احمد جام کا یہ شعر گا رہے تھے۔

کشتگان خنجر تسلیم را　　ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

اس پر خواجہ قطب الاسلام کو حال آگیا اور بے ہوش ہو گئے۔ قاضی حمید الدین ناگوری اور شیخ بدر الدین غزنویؒ آپ کو گھر لے آئے۔ قوال بھی ساتھ چلے آئے تین دن رات تک آپ اسی حال میں مستغرق رہے۔ قوالوں کو اسی بیت کا حکم فرماتے رہے اور وجد کرتے رہے اس سے آپ کی ہڈی ہڈی الگ ہو گئی۔ تیسرے دن استغراق کا غلبہ زیادہ ہو گیا۔ قاضی حمید الدین ناگوری اور شیخ بدر الدین غزنوی نے کہا کہ آپ کے خلفاء میں سے کس کے لئے حکم ہے کہ آپ کی مسند پر بیٹھے۔

آپ نے فرمایا دستار، خرقہ، مصلا اور نعلین چوبیں (لکڑی کے جوتے) جو خواجہ معین الدین چشتی سے مجھے ملے ہیں شیخ فرید الدین مسعود کو پہنچا دینا کیونکہ میرے جانشین وہی ہیں یہ کہہ کر آپ نے جان مشاہدہ حق میں تسلیم کر دی۔ شیخ بدر الدین غزنوی کہتے ہیں کہ خواجہ کی وفات کی رات مجھ پر غنودگی طاری ہو گئی اور میں نے دیکھا کہ خواجہ اوپر کی طرف جا رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ اے بدر الدین دوستان حق کے لئے موت نہیں ہے۔ جب میں بیدار ہوا تو معلوم ہوا کہ آپ کا وصال ہو گیا ہے۔ آپ کی وفات بروز دوشنبہ چودہ ماہ ربیع الاول ۲۳۶ھ سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں ہوئی۔ آپ کے مزار پر دن رات مخلوق خدا حاضر ہو کر دینی و دنیاوی فیض حاصل کر رہی ہے۔ آپ کا مزار سنگ مرمر سے تعمیر ہوا ہے مزار کے صحن میں کئی پاک ہستیوں کے لاتعداد مزار ہیں۔

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب سبحانیؒ

دہلی میں بستی نظام میں اولیاء محبوب الٰہی کا آستانہ ہے جہاں وقت کے شہنشاہ سلطان جن کے جلال اور دبدبہ سے سارا ہندوستان کانپتا تھا۔ آپ کے حضور ہاتھ باندھے عجز انکساری سے حاضر رہتے آج بھی مخلوق خدا اس آستانہ سے فیض یاب ہو رہی ہے یہ آستانہ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب سبحانیؒ کا ہے جہاں بادشاہ شہزادے

امراء مرنے کے بعد خواجہ سرکار کے قدموں میں دفن ہونا باعث برکت سمجھتے یہاں ایک نہیں لاتعداد اولیائے کرام کے مزار ہیں۔ راقم کی یہ خوش قسمتی ہے کہ جتنے دن دہلی میں رہا ہر روز آپ کے آستانہ پر حاضری ہوتی رہی یہاں مسلمانوں کے ہوٹل میں سستا اور صاف ستھرا کھانا مل جاتا تھا یہ آپ کی کرامت ہے کہ آپ کے مزار کے چاروں طرف مسلمان آباد ہیں۔ مسلمان ہی نہیں غیر مسلم بھی عقیدت احترام سے حاضری دیتے ہیں۔ آپ کے مزار پر دن رات مخلوق خدا کا ایک سمندر ہر وقت موجود رہتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء کرام کے بعد کسی ولی اللہ سے اس قدر کرامات ظاہری وباطنی نہیں ہوئیں جتنی آپ سے ہوئیں آپ نے اپنے نور ولایت سے سارے برصغیر کو منور فرمایا ایک جہان کو ہدایت بخشی سلطان المشائخ محبوب الٰہی کا خطاب پایا۔

آپ شہر بخارا کے رہنے والے تھے آپ ابھی چھوٹے تھے کہ والد بزرگوار بیمار ہو گئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے خواب دیکھا کہ کوئی ان سے کہہ رہا ہے کہ ایک کو اختیار کرو، خواجہ احمد کو یا اپنے بیٹے کو۔ انہوں نے بیٹے کو اختیار کیا۔ اس کے فوراً بعد خواجہ احمدؒ کا انتقال ہو گیا۔ جب آپ کی عمر سولہ برس ہوئی اپنی والدہ اور ہمشیرہ کے ہمراہ دہلی جاکر سکونت اختیار کر لی۔ حضرت گنج شکرؒ کے بھائی شیخ نجیب الدین متوکلؒ کے گھر کے قریب ٹھہرے۔ ان کی صحبت سے روز بروز حضرت گنج شکر کی قدم بوسی کا شوق بڑھتا گیا۔ سیر العارفین میں لکھا ہے کہ جب سلطان المشائخ نے تمام علوم میں کمال حاصل کر لیا اور علمائے شہر میں ممتاز ہو گئے تو ایک دن آپ نے شیخ نجیب الدین متوکلؒ کی خدمت میں جاکر عرض کیا کہ مجھے قاضی بنے ، خلق خدا کو نفع پہنچانے کا شوق ہے۔ شیخ نے فرمایا تم وہ بنو گے کہ جس کی ہم امید رکھتے ہیں۔ آپ پر خواجہ گنج شکر کی زیارت کا شوق اس قدر غالب آیا کہ چند روز کے بعد بیس سال کی عمر میں یعنی عین شباب کے عالم میں تمام کام چھوڑ کر آپ نے اجودھن کا سفر اختیار کیا اور زیارت سے فیض یاب ہو گئے۔ اسی وقت آپ نے کلاہ چار ترکی جو آپ کے سر پر تھی اتار کر آپ کے سر پر رکھی، اور خرقہ خاص نعلین چوبیں (کھڑاویں) عطا فرمائے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میں چاہتا تھا کہ ہندوستان کی ولایت کسی دوسرے کو دوں لیکن تم راستے میں تھے اور مجھے آواز دی گئی کہ ابھی ٹھہرو نظام بدایونی پہنچنے والا ہے۔ یہ ولایت اس کی ہے آپ کے زمانے میں سات بادشاہوں نے دہلی کے تخت پر حکومت کی ان میں سے بعض مخلص تھے اور بعض مخالف۔ آپ حضرت گنج شکرؒ سے خلافت حاصل کر کے جب دہلی پہنچے تو سلطان غیاث الدین بلبن کا زمانہ تھا۔ چوں کہ سلطان غیاث الدین بلبن خواجہ گنج شکرؒ کے ساتھ نسبت بندگی واعتقاد رکھتا تھا۔ آپ کا بھی مخلص ومعتقد رہا۔ علاؤ الدینؒ بڑا مدبر اور غیور انسان تھا۔ اگرچہ ان پڑھ تھا لیکن تمام ہندوستان کے حالات سے بخوبی واقف تھا۔ شروع میں بعض حاسدوں نے سلطان المشائخ کے خلاف بادشاہ کے کان بھرنے شروع کئے کہ تمام امراء آپ کے مرید ہیں۔ ساری خلقت آپ کے

لنگر خانے سے پرورش پا رہی ہے شاید ان کا خیال ملک گیری کا ہے۔ بادشاہ سنتا رہا۔ لیکن تجسس ضرور کرتا رہا آخر اسے معلوم ہو گیا کہ سلطان المشائخ کو حکومت کی بالکل خواہش نہیں ہے۔ بلکہ سخت نفرت ہے۔ یہ دیکھ کر وہ دل و جان سے مخلص و معتقد ہو گیا اور خضر خان اور شادی خان دونوں شاہزادوں کو سلطان المشائخ کا مرید کرایا اور دو لاکھ روپے پیش کیے۔ ایک دن بادشاہ نے قرہ بیگ کو آپ کی خدمت میں بھیج کر عرض کرایا کہ مدت ہو چکی ہے کہ اپنے بھائی الف خان کو ایک عظیم لشکر دیکر ارنگل کی طرف روانہ کیا تھا۔ لیکن اب تک کوئی خبر نہیں آئی۔ میری خواہش ہے کہ میں خود دیوگری کی طرف جاؤں اور کچھ لشکر واپس لے آؤں۔ حضرت شیخ کا اس بارے میں کیا فرمان ہے۔ آپ نے سر نیچا کر لیا اور تھوڑی دیر مراقبہ کر کے فرمایا کہ میری دعا سلطان کو پہنچا دو اور کہو کہ انشاء اللہ کل صبح کے وقت فتح ارنگل اور بھائی کی سلامتی کی خوشخبری مل جائے گی۔ یاد رہے کہ ارنگل اس علاقے کا نام ہے جو دیوگری کی طرف دولت آباد سے جنوب کی جانب چار یا پانچ سو کوس کے فاصلہ پر ہے۔ دوسرے دن ایک گھوڑا سوار فتح نامہ لے کر سلطان کی خدمت میں پہنچ گیا۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور قرہ بیگ کو پانچ سو دینار سرخ دے کر سلطان المشائخ کی خدمت میں خانقاہ کے خرچ کے لئے ارسال کیا۔ اس روز ایک قلندر اسفندیار نام خراسان سے آیا ہوا تھا۔ جونہی اس نے دینار دیکھے درخواست کی کہ کچھ مجھے بھی عنایت کیجئے۔ سلطان المشائخ نے وہ سب کے سب اسے دے دیئے۔ سلطان المشائخ نے بیعت کا سلسلہ عام کر دیا تھا اور تمام گناہگار لوگ آپ کے ہاتھ پر توبہ کر کے بیعت ہونے لگے اور عبادت ریاضت میں مشغول ہونے لگے۔ غرضیکہ ساری خلقت خوب ذوق و شوق سے عبادت الٰہی میں مشغول تھی۔ مرد عورت غلام و نوکر بوڑھے جوان امیر غریب ملوک و وزراء سب سلطان المشائخ کے فیض صحبت سے نماز روزہ کے پابند ہو گئے۔ شہر سے لے کر غیاث پورہ تک صوفیان با صفا کے سوا کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ سب طالب علموں، اشراف و اکابر حضرت شیخ کی صحبت میں رہ کر کتب سلوک کے مطالعہ میں اور احکام طریقت کے مشاہدہ میں منہمک تھے۔ حضرت محبوب الٰہی نے حیات ظاہری کے آخری دنوں میں کھانا پینا بہت ہی کم کر دیا تھا۔ وفات شریف سے چالیس روز پہلے آپ نے کھانا بالکل چھوڑ دیا تھا۔ گھر میں کسی قسم کی کوئی چیز نہ رہی۔ اقبال کو حکم دیا کہ سب غلہ فقراء کو تقسیم کر دے۔

وقت رخصت جب قریب پہنچا تو آپ نے ایک مصلیٰ خاص، دستار اور پیرہن مولانا برہان الدین کو دے کر دکن کی طرف جانے کی اجازت دے دی۔ ایک دستار، پیرہن اور مصلیٰ شیخ یعقوب کو عطا فرما کر گجرات کی طرف جانے کی اجازت دی۔ مولانا شمس الدین یحییٰ کو بھی آپ نے ایک دستار مصلیٰ اور پیرہن عطا فرمایا۔

حضرت نصیر الدین چراغ بھی اس روز خدمت میں حاضر تھے لیکن اس روز آپ کو کچھ عطا نہ کیا۔ سب کو تعجب

تھا۔ حضرت محبوب الٰہی نے بدھ کے روز بعد نماز ظہر حضرت نصیر الدین چراغ ؒ کو طلب فرمایا اور عصاء مصلے، تسبیح، نعلین چوبیں اور خرقہ اور حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے دیگر تبرکات آپ کے سپرد فرمائے پھر حضرت نصیر الدین چراغ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ: "تم کو دہلی میں رہ کر لوگوں کو فیض دینا ہے۔"

اور اٹھارہ ربیع الثانی ۷۲۵ھ بروز بدھ بعد طلوع آفتاب جوار رحمت میں داخل ہوئے۔ آپ کے جنازہ کی نماز شیخ الاسلام حضرت رکن الدین ملتانی نے پڑھائی۔

آپ کا مزار پر انوار غیاث پور (دہلی کے قریب جس کو اب بستی نظام الدین کہتے ہیں) میں واقع ہے۔ آپ کا سالانہ عرس بڑے تزک و احتشام سے ہوتا ہے۔ حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ آپ کے خلیفہ اکبر اور جانشین ہیں۔

آپ کے خاص خاص خلفاء حسب ذیل ہیں:

حضرت امیر خسرو، مولانا شمس الدین، محمد بن یحییٰ، شیخ قطب الدین منور، مولانا فخر الدین نداوی، مولانا حسام الدین ملتانی، خواجہ ابوبکر مندہ، مولانا شہاب الدین امام، امیر حسن بن علاء السنجری، مولانا برہان الدین غریب، مولانا وجیہہ الدین یوسف کلا کھڑی عرف چندیری، مولانا علاء الدین نیلی، مولانا فخر الدین مروزی، مولانا فصیح الدین، مولانا کریم الدین سمر قندی، خواجہ موئد الدین، مولینا ضیاء الدین بدنی، قاضی محی الدین کاشانی آپ کے مشہور خلفاء ہیں۔ آپ نے زندگی بھر شادی نہیں کی۔ آپ کو اپنے پیر دستگیر حضرت بابا فرید الدین گنج شکر سے انتہائی محبت تھی۔ آپ کا اخلاص خلوص، فرمانبرداری اور حسن اعتقاد آپ کی سعادت کی دلیل ہے اور اس کی بدولت حضرت بابا فرید الدین گنج شکر نے آپ کو بے شمار نعمتوں سے نوازا۔ ولی کامل جب قطبیت کے درجوں سے گزر جاتا ہے اور مرتبہ محبوبیت تک پہنچ جاتا ہے اس وقت وہ مظہر اسرار الٰہی ہو جاتا ہے اور اس کا ارادہ خداوند تعالیٰ کا ارادہ ہو جاتا ہے۔ آپ محبوب الٰہی غوثیت کے مراتب سے گزر کر مرتبہ محبوبی پر پہنچے۔ مرتبہ محبوبی کی شان آج آپ کے مزار پر انوار سے ظاہر ہے۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر ؒ نے آپ کو دعا دی تھی کہ: "خدا کرے ستر (۷۰) من نمک روزانہ تمہارے باورچی خانے میں خرچ ہو۔"

آپ کے پیر و مرشد کی یہ دعا قبول ہوئی۔ آپ کے باورچی خانے میں روزانہ ستر من نمک خرچ ہوتا تھا۔ ستر اونٹ پیاز و لسن کے چھلکے روز آپ کے باورچی خانے سے نکلتے تھے۔ آپ دنیا اور اہل دنیا سے بے تعلق تھے۔ شاہان وقت کو آپ کی زیارت کی تمنا رہتی۔ آپ کی سخاوت کا یہ حال تھا کہ جو کچھ آتا، شام تک سب خرچ ہو جاتا۔ ایک مرتبہ غیاث پور میں آگ لگی بہت سے مکانات جل گئے۔ حضرت محبوب الٰہی کو لوگوں کی اس تکلیف اور بربادی سے صدمہ ہوا۔ آپ نے

خواجہ اقبال کو حکم دیا کہ جن لوگوں کے مکانات جل گئے ہیں، ان کو دو وقت کا کھانا، پانی کے مٹکے اور دو اشرفیاں پہنچا دی جائیں۔ خواجہ اقبال نے ایسا ہی کیا۔ آپ کے یہاں سے بہت سے لوگوں کی پرورش ہوتی تھی اور بہت سے طلباء اور بہت سے حافظوں کو امداد دی جاتی تھی۔ آپ کی سخاوت اور دریادلی پر شاہان وقت کو تعجب ہوتا تھا۔

حضرت محبوب الٰہی سے ایک دفعہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں فرمایا: "تم فلک الفقراء المساکین ہو"۔ آپ رات کو حجرے میں تہا رہتے تھے۔ کسی کی مجال نہیں تھی کہ حجرے میں داخل ہو۔ حجرے کا دروازہ رات کو بند رہتا تھا۔ صبح کے وقت آپ کی آنکھیں مست و مخمور نظر آتیں۔ رات کو جاگنے کی وجہ سے آپ کی آنکھیں سرخ رہتیں۔ آپ نے اپنے پیرو مرشد کی مجالس کے حالات قلم بند فرمائے ہیں۔ اس کتاب کا نام آپ نے "راحت القلوب" رکھا۔ اس میں بابا زید الدین گنج شکرؒ کے ملفوظات بابرکات آپ نے تحریر فرمائے ہیں یہ کتاب شائع ہو چکی ہے۔

آپ کے چند اقوال حسب ذیل ہیں: اصل دانائی یہ ہے کہ دنیا کو ترک کیا جائے۔ درویش کو چاہیے کہ نہ خوشی سے خوش ہو نہ غمی سے غم ناک۔ جب ایک مرتبہ پیٹ بھر جائے تو پھر اور نہیں کھانا چاہیے۔ البتہ دو شخصوں کو کھانا جائز ہے۔ ایک جس کے ہاں مہمان آئے ہوئے ہوں، اور وہ اُن کی خاطر ان کے ساتھ مل کر اور کچھ کھا لے اور دوسرے وہ جو روزہ رکھتا ہے اور سمجھتا ہو کہ سحری کے وقت شاید کچھ نہ مل سکے۔ تین وقتوں میں نزول رحمت ہوتا ہے۔ ایک سماع کی حالت میں دوسرے وہ کھانا کھاتے وقت جو طاعت کی نیت سے کھایا جائے اور تیسرے درویشوں کے حالات بیان کرتے وقت۔ معاملے کے وقت اس قسم کی گفتگو کرنی چاہیے، جس سے گردن کی رگیں نمودار نہ ہوں، یعنی تعصب اور غضب کی علامت نہ پائی جائے۔ ہر ایک کا ظلم سہنا چاہیے اور اس کا بدلہ لینے کی نیت بھی نہیں کرنی چاہیے۔ جس میں علم و عقل و عشق ہو وہ خلافت مشائخ کے شایان ہوتا ہے۔

اولیاء کا عشق ان کی عقل پر غالب ہوتا ہے۔ جس کی طبع لطیف ہو وہ جلد ہی برہم ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ دعا نزول بلا سے پہلے کرنی چاہیے۔ سحر کے وقت دعا اکثر قبول ہوتی ہے۔ دعا کے واسطے یہ وقت بہت اچھا ہے۔ حضرت بابا فرید گنج شکر ؒ نے آپ کو بتایا کہ رقت و گریہ کے وقت دعا کو غنیمت سمجھنا چاہیے کیوں کہ اس وقت کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا کہ تعویذ کو بازو پر باندھنا بہتر ہے۔ گلے میں لٹکانا نہیں چاہیے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے لٹکانے سے منع فرمایا ہے۔

حضرت محبوب الٰہی فرماتے ہیں کہ جب کوئی مشکل درپیش ہو تو مہینے کی پندرہویں شب باوضو قبلہ رو ہو کر بیٹھے۔ انیس ہزار مرتبہ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ پڑھے۔ ہر ہزار پر سر سجدہ میں رکھنا چاہیے اور تیس بار آمین کہنا چاہیے۔ حضرت محبوب الٰہی

فرماتے ہیں کہ عربی زبان میں اسم اعظم یا حی یا قیوم ہے۔ خوش گوار زندگی گزارنے کے واسطے ہر روز سو مرتبہ یہ دعا پڑھنا چاہیے :لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير ط آپ فرماتے ہیں گم ہوئی چیز کے مل جانے کے واسطے حسب ذیل دعا پڑھنا چاہیے :یا جامع الناس لیوم لا ریب فیه اجمع علی منالتی۔ آپ نے فرمایا کہ ہر نماز کے بعد سجدہ میں سر رکھ کر حسب ذیل دعا کئی مرتبہ پڑھے :اللهم انا نستفتحك باسم يحيى ابن ذكريا يا مالك يوم الدين بحق اياك نعبد واياك نستعين ط آپ نے فرمایا کہ دشمن کے مقابل ہو کر حسب ذیل اسماء پڑھنا چاہئیں :یا سبوح یا قدوس یا غفور یا ودود آپ نے فرمایا کہ ہر ایک بیماری سے شفا کے واسطے حسب ذیل دعا لکھ کر باندھنا مفید ہے :الله شافي الله الكافي الله النافي ط حضرت صاحب محبوب الٰہی فرماتے ہیں کہ حسب ذیل دعا حاجت پوری ہونے کے واسطے نہایت زود اثر ہے۔ حضرت محبوب سمنانی کہتے ہیں کہ حسب ذیل دعا حاجت پوری ہونے کے واسطے نہایت زود اثر ہے۔ یا حی یا حلیم یا عزیز یا قیوم بکن کار صعب راسلیم بحق ایاك نعبدو ایاك نستعين ط آپ نے فرمایا کہ روزی فراخ ہونے کے واسطے ہر رات کو والله خير الرازقين کی تین مرتبہ یا سات مرتبہ یا اکیس مرتبہ پڑھنا کرنا چاہیے۔ آپ نے فرمایا کہ وسعت رزق کے واسطے ہر روز صبح کے وقت کلمہ لا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم سو بار پڑھنا چاہیے۔ آپ نے فرمایا کہ جب رنج وبلا سے کسی طرح خلاصی نہ ہو تو جمعہ کے روز عصر کی نماز سے لے کر شام تک حسب ذیل تین اسماء کو پڑھتا رہے اور کوئی کام نہ کرے رنج وبلا سے نجات ملے گی۔ یا الله یا رحمن۔ یا رحیم ہ آپ کی بعض کرامات بہت زیادہ ہیں۔ ایک مرتبہ قاضی محی الدین کاشانی سخت بیمار ہوئے بظاہر آپ کے بچنے کی اُمید نہ تھی۔ حضرت محبوب الٰہیؒ آپ کو دیکھنے تشریف لے گئے۔ قاضی صاحب جاں کنی کے عالم میں تھے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ کے قدموں کی برکت سے قاضی صاحب کی سب بیماری دور ہو گئی۔ آپ نے کھڑے ہو کر حضرت محبوب الٰہیؒ کو تعظیم دی۔

آپ کی خانقاہ میں باؤلی کھودی جا رہی تھی۔ پانی کھاری نکلا۔ ایک روز آپ سماع میں تشریف رکھتے تھے، آپ نے خواجہ اقبال سے دوات، روشنائی، کاغذ اور قلم منگوایا۔ آپ نے کاغذ پر کچھ لکھ کر خواجہ اقبال کو وہ کاغذ باؤلی میں ڈالنے کو دیا۔ پرچے کے ڈالنے سے پانی میٹھا ہو گیا۔ آپ کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ آپ نے نور ولایت سے سارے بر صغیر کو منور فرمایا سیاہ دلوں کو روشنی اور ہدایت بخشی۔ آپ کے ایک مرید مولانا بدر الدینؒ نے ایک مرتبہ رات کے وقت آپ کی دہلیز پر ایک اونٹ کھڑا دیکھا۔ آپ اس اونٹ پر سوار ہوئے۔ اونٹ ہوا میں اُڑتا ہوا چلا گیا۔ آخر رات میں دیکھا کہ وہ اونٹ پھر واپس آیا اور حضرت محبوب الٰہیؒ اونٹ پر سے اترے اور خانقاہ میں تشریف لے گئے۔

آپ کے ایک مرید کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر آپؒ اس کو اپنا جھوٹا پانی دیں گے تو یہ آپ کی کرامت ہوگی۔ حضرت محبوب الٰہیؒ آگاہ ہوئے اور آپ نے اپنا جھوٹا پانی اس کو عنایت فرمایا۔ دہلی کے ایک بادشاہ کا عجیب واقع ہے۔ سلطان غیاث الدین تغلق اگرچہ بظاہر محبوب الٰہی سے کچھ نہ کہتا تھا، لیکن دل میں آپ کی طرف سے کدورت رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ بنگال سے دہلی روانہ ہو رہا تھا۔ اس نے حضرت محبوب الٰہیؒ کو پیغام بھیجا کہ اس کے آنے تک وہ دہلی نہ ہوں اور اس کے بعد غیاث پور سے بھی چلے جائیں۔ آپ اس وقت کچھ رنجیدہ ہوئے اور آپ نے جواب دیا: "ہنوز دہلی دور است" یعنی ابھی دہلی دور ہے۔ آخر کار ایسا ہوا کہ سلطان غیاث الدین تغلق ابھی دہلی نہ پہنچا تھا کہ تغلق آباد کا محل غیاث الدین تغلق پر گرا، اور وہ مر گیا۔ اس کو دہلی پہنچنا نصیب نہ ہوا۔ اب بھی بطور ضرب المثل کے لوگ کہتے ہیں: "ہنوز دہلی دور است"۔ آپ کی زندگی سراپا کرامت تھی۔

حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ
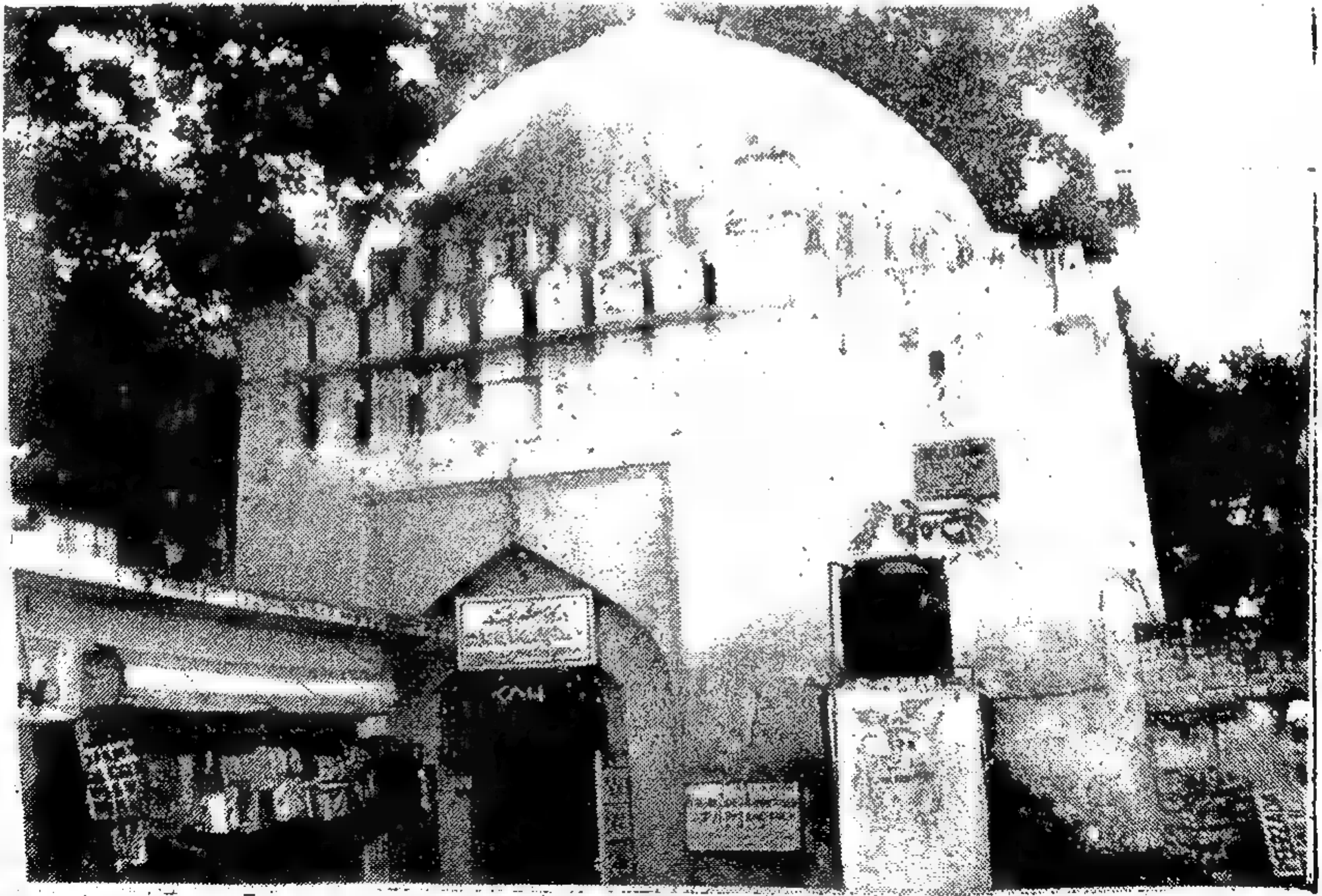
دہلی میں ایک بستی چراغ دہلی کے نام سے مشہور ہے۔ دہلی کے کسی کونے بس سٹاپ پر کسی رکشا والے یا بس والے سے چراغ دہلی کا راستہ پوچھیں وہ فوراً راہنمائی کر دیتا ہے۔ دہلی میں ٹرانسپورٹ کا نظام بہت اچھا ہے دن رات بڑی

بسیں سڑکوں پر رواں دواں رہتی ہیں دس دس بسیں یکمشت تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر شاپ پر ایک لحہ کے لیے رکتی ہیں پھر اگلے سٹاپ کے لیے روانہ ہو جاتی ہیں ایک اندازے کے مطابق دہلی میں ہزاروں بسیں دن رات سڑکوں پر چلتی رہتی ہیں بستی چراغ دہلی کی بڑی سڑک پر بسوں کی آمدورفت رہتی ہے بڑے سٹاپ کے جانب مغرب ایک سڑک درگاہ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کی طرف جاتی ہے گراؤنڈ کے جنوب کی سمت قدیم زمانے کا ایک دروازہ ہے جس کے ستون خستہ حالت میں ہیں اس کے اندر داخل ہو کر گلیوں سے ہوتے ہوئے ایک کھلے میدان کے اندر ایک درگاہ ہے یہاں بھی تجاوزات کی بھر مار ہے ہندوستان میں آستانوں کے بڑے بڑے احاطے سمٹ کر رہ گئے ہیں۔ عہد سلاطین کے دور کا دروازہ جس کے اوپر گنبد بھی ہے داخل ہوں تو شمال کی جانب طہارت خانے اور وضو کے لیے جگہ ہے۔ غسل خانے بھی ہیں۔ مغرب کی سمت مسجد نظر آتی ہے راقم جب مسجد میں داخل ہوا مسلمانوں کے معصوم بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں ۔مسجد کے سامنے حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ کا مزار مبارک ہے مزار پر یہ عبارت تحریر ہے مزار مبارک مستغرق بحر شہود شمس العارفین حضرت مخدوم نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ چشتی نظامی وصال 18 رمضان ۷۵۷ھ مزار مبارک سنگ مرمر سے تعمیر کیا گیا ہے چاروں طرف خوشنما برآمدہ بھی ہے مزار کے اندر عورتوں کا داخلہ بند ہے البتہ صحن برآمدہ میں داخل ہونے اور بیٹھنے کی اجازت ہے۔ ہندوستان میں بیشتر مزارات کے اندر عورتوں کا داخلہ ممنوع ہے۔ درگاہ کے صحن میں حضرت چراغ دہلیؒ کے خلیفہ اعظم حضرت قاضی محمد ساویؒ آپ کے خواہر زادے علامہ کمال الدین وفات ۱۳۵۵ء ان کے بھائی خواجہ زین الدین احمدؒ کے مزار ہیں علامہ کمال الدینؒ کا روحانی فیض گجرات پنجاب اور دکن کی طرف خوب پھیلا۔ درگاہ کے صحن میں لکڑی کا بنا ہوا وہ تخت پوش بھی لوہے کے جنگلے میں بند ہے جس پر بیٹھ کر آپ وضو کیا کرتے تھے۔ قریب ہی حضرت خواجہ بابا فرید الدین گنج شکرؒ کی پوتی کا مزار ہے۔ جنوب کی جانب پیر پٹھان کا مزار ہے جو پتھروں کو تراش کر تعمیر کیا گیا ہے۔ درگاہ کی مسجد کے جنوب کی جانب لودھی خاندان کے بانی سلطان بہلول لودھی کا مقبرہ ہے۔ آپ کے جد امجد حضرت شیخ عبداللطیف نیروی خراسان کے رہنے والے تھے، وہاں سے ہجرت کر کے لاہور تشریف لائے ان کے لڑکے حضرت شیخ یحییٰ لاہور میں سکونت ترک کر کے اودھ میں رونق افروز ہوئے۔

آپ اودھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام نصیر الدین رکھا گیا خطاب محمود تھا۔ آپ کا لقب "چراغ دہلی" ہے۔ حضرت مخدوم جہانیاں گشت جب مکہ معظمہ پہنچے اور حضرت امام یافعیؒ سے ملے تو باتوں باتوں میں دہلی کے بزرگان کا ذکر آ گیا۔ حضرت امام یافعی نے فرمایا" پہلے تو دہلی میں بہت بزرگان تھے وہ سب واصل حق ہو گئے"۔ پھر حضرت امام یافعیؒ نے

فرمایا کہ "اب تو شیخ نصیر الدین دہلی کے چراغ ہیں۔ جہاں مخدوم جہانیاں جہاں گشت سید جلال کچھ عرصے کے بعد مکہ معظمہ سے دہلی واپس آئے اور حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ سے بیعت ہوئے اور بعد ازاں خلافت سے مشرف ہوئے۔

آپ شروع ہی سے مجاہدہ نفس میں لگے رہتے تھے۔ آپ نے ایک درویش کی صحبت میں رہنا شروع کیا۔ یہ درویش شہر سے دور جنگل میں رہتے تھے۔ دنیا سے ان کو کچھ غرض نہ تھی۔ گھاس اور پتے کھا کر گزارا کرتے تھے۔

آپ تینتالیس سال کی عمر میں دہلی میں رونق فروز ہوئے دہلی پہنچ کر آپ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ایک مدت تک حضرت محبوب الٰہیؒ کی خدمت میں رہے۔

حضرت محبوب الٰہی نے آپ کو بیعت سے مشرف فرمایا بعد ازاں خرقہ خلافت عطا کیا...... آپ پر حضرت محبوب الٰہی کی خاص نوازش اور مہربانی تھی۔ خواجہ سرکار نے آپ کو اپنا صاحب سجادہ اور جانشین بنایا۔ وہ تمام تبرکات جو آپ کو حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ سے ملے تھے۔ حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ کے سپرد فرمائے اور نصیحت فرمائی کہ وہ ان تبرکات کو اسی طرح اپنے پاس رکھیں، جس طرح انہوں نے اور خواجگان چشت نے بصد احترام وادب رکھا ہے۔

آپ نے سخت سے سخت مجاہدے کیے۔ ایک مرتبہ نفس نے آپ کو پریشان کیا۔ آپ نے نفس کو مغلوب کرنے کی غرض سے اس قدر لیموں کھائے کہ آپ سخت بیمار ہو گئے۔ ایک دفعہ آپ نے دس روز تک کچھ نہیں کھایا۔ کسی نے حضرت محبوب الٰہی کو اس کی اطلاع کر دی۔ آنحضرت نے آپ کو اپنے سامنے بلایا۔ جب آپ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے حضرت محبوب الٰہیؒ نے خواجہ اقبال کو حکم دیا کہ ایک روٹی لائیں۔ خواجہ اقبال ایک روٹی پر بہت سا حلوہ رکھ کر لائے ...... حضرت محبوب الٰہیؒ نے آپ کو حکم کہ وہ سب کھالیں۔ آپ حیران ہوئے کہ یہ سب ایک مرتبہ میں کیسے کھا سکوں گا لیکن پیر و مرشد کا حکم کیسے ٹالتے سب کھالیا۔

آپ نے شیخ زین الدینؒ اور شیخ کمال الدینؒ کو وصیت فرمائی کہ ان کے وصال کے بعد ان کے شیخ کا خرقہ ان کی قبر میں ان کے سینہ پر اور کاسہ چوبیں ان کے سرہانے اور تسبیح ان کی انگلی میں اور عصا اور نعلین ان کے برابر رکھ لینا اپنے پیر مرشد کے بتیس سال بعد آپ نے ۱۸ رمضان ۷۵۷ھ کو رحلت فرمائی جس حجرے میں آپ رہتے تھے اسی میں آپ کا مزار مبارک ہے آپ کا سالانہ عرس ہوتا ہے۔ آپ کا مزار زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

آپ کے بہت سے خلیفہ ہیں بعض مشہور خلفاء حسب ذیل ہیں۔

راقم مزار حضرت چراغ دہلی پر

حضرت خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو درازؒ، حضرت شیخ کمال الدینؒ (جو آپ کی بہن کے لڑکے تھے) مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ، حضرت صدر الدین طبیب دولہاؒ، حضرت سید محمد جعفر المکی الحسینیؒ، مولانا علاؤالدین سندیلویؒ، مولانا خواجگیؒ، مولانا احمد تھانیسریؒ، شیخ معین الدین خوردؒ، قاضی شیخ بن قاضی رکن الدینؒ، قاضی محمد شادیؒ مخدوم شیخ سلیمان رودولویؒ، شیخ محمد متوکلؒ، شیخ دانیال عرف مولانا عودؒ، مخدوم شیخ قوام الدینؒ دہلی میں رہے ۔ حضرت خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو درازؒ دہلی سے دکن تشریف لے گئے۔ حضرت شیخ کمال الدینؒ دہلی میں رہے۔

آپ کی بہت زیادہ کرامات ہیں۔ ایک دن عزیز الدین آپ کی خدمت میں حاضر تھے۔ حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ نے ایک کاغذ پر کچھ لکھا اور وہ کاغذ عزیز الدین کو دیا کہ اس کو حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے روضہ مبارک میں پیش کر دینا۔ عزیز الدین نے اس کو پڑھنا چاہا لیکن نہیں پڑھا۔ انہوں نے سوچا کہ پہلے حکم کے موافق کاغذ روضہ مبارک میں پیش کر دیں پھر پڑھیں گے۔ روضہ مبارک میں کاغذ پیش کرنے کے بعد جو انہوں نے نگاہ ڈالی تو کاغذ بالکل صاف تھا اور اس پر کچھ نہیں لکھا ہوا تھا۔

سلطان محمد بن تغلق ٹھٹھہ روانہ ہوئے۔ دہلی کے مشائخین و بزرگان کو اپنے ہمراہ لیا حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کو بھی ساتھ لینا چاہتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ "سلطان کو اس سفر میں میرا ساتھ لینا مبارک نہیں ہے کیوں کہ وہ صحیح سلامت واپس نہ آئے گا" چنانچہ ایسا ہی ہوا سلطان کا انتقال ہوا اور آپ کی دعا سے فیروز شاہ بادشاہ ہوا

آخری عمر میں حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کے جسم سے ایسی ہی خوش بو آنے لگی تھی جیسی کہ حضرت نظام الدین اولیاء کے جسم سے آتی تھی۔

حضرت امیر خسروؒ
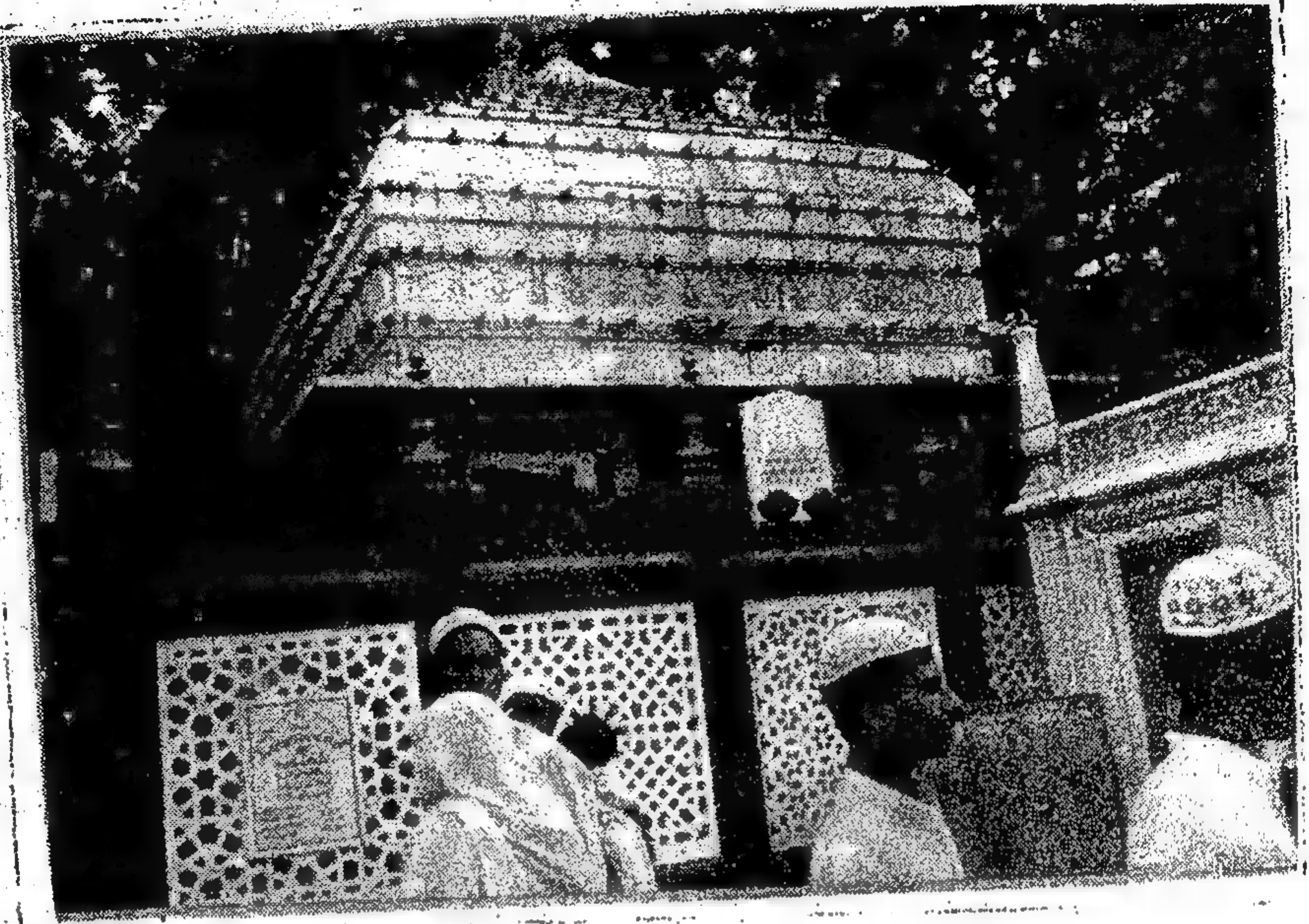
بستی نظام کی گلیوں سے گزرتے ہوئے جب زائرین درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے آستانہ پر حاضر ہوتے ہیں تو سب سے پہلے حضرت امیر خسروؒ کا مزار آتا ہے مزار کے صحن میں کئی بزرگوں کی قبریں ہیں مغرب کی سمت سجادہ نشینوں کے حجرے ہیں کئی خود ساختہ خدام حضرت امیر خسروؒ کے مزار کے گرد و نواح کھڑے نظر آتے ہیں جو نذرانے وصول کرنے کے لئے زائرین پر جھپٹ پڑتے ہیں یہی حالت گداگروں کی ہے رہی سہی کسر جوتوں کی حفاظت کرنے والے اور پھول فروش نکال دیتے ہیں زائرین کے سامنے لپک لپک کر پھول خریدنے پر مجبور کرتے ہیں چند مسلمانوں کے ہوٹل ہیں ہوٹل ملازمین گزرنے والے کو کھانا کھانے کی پیشکش کرتے ہیں حضرت امیر حسروؒ کا مزار سفید سنگ مرمر سے عالی شان انداز میں تعمیر کیا گیا ہے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی زندگی میں جو لوگ آپ سے ملنے آتے وہ حضرت امیر خسروؒ کے توسط سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے وفات کے بعد بھی دستور قائم ہے اب بھی زائرین پہلے حضرت امیر خسروؒ کی خدمت میں حاضری دیتے ہیں اس کے بعد حضرت محبوب الٰہیؒ کے روضے پر حاضری دیتے ہیں۔ حضرت امیر خسرو حضرت نظام الدین اولیاؒ کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ آپ بلخ کے ایک ممتاز خاندان سے وابستہ تھے۔ آپ مومن آباد جو اب پٹیالی کے نام سے مشہور ہے پیدا ہوئے آپ کا نام ابوالحسن ہے۔ آپ نے اپنے والد بزرگوار کے زیر سایہ تعلیم و تربیت پائی۔ جب آپکی عمر نو سال کی ہوئی والد کا سایہ آپ کے سر سے اٹھ گیا والد کے انتقال کے بعد آپکی والدہ کے دور

ے رشتہ دار نے آپکی تعلیم وتربیت پر کافی توجہ دی۔آپ کی تعلیم وتربیت دہلی میں ہوئی جب آپکی عمر آٹھ سال کی ہوئی آپ کے والد آپکو اپنے ہمراہ لے کر حضرت نظام الدین اولیاؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کچھ ہی دنوں میں آپ کو اپنے پیرو مرشد کی عنایت محبت اور شفقت اس درجہ حاصل ہوئی کہ جس کی مثال ملنا مشکل ہے حضرت محبوب الہیٰ نے آپ کو خرقہ۔خلافت پہنایا۔آپ اور خواجہ حسن سلطان غیاث الدین بلبن کے لڑکے شہزادہ محمد سلطان خان کے پاس ملازم تھے شہزادہ سلطان ملتان میں رہتے تھے آپ نے کئی بار نوکری سے استعفیٰ دینا چاہا لیکن شہزادہ سلطان نے آپکو اجازت نہیں دی جب شہزادہ سلطان ملتان میں شہید ہوا آپ نے دہلی آکر امیر علی کی ملازمت اختیار کی سلطان جلال الدین خلیجی کے تحت پر بیٹھنے کے بعد آپ اس کے مقرب ہوئے غرض سلطان قطب الدین مبارک شاہ تک آپ پر ہر بادشاہ نے مہر و محبت اور لطف و کرم کی نظر رکھی شاہی دربار میں آپکی کافی عزت تھی سلطان غیاث الدین تغلق جس کے نام پر آپ نے تغلق نامہ لکھا ہے سب بادشاہوں سے زیادہ آپکی عزت اور احترام کرتا تھا ایک دفعہ سلطان علاء الدین خلیجی نے کچھ تحفے آپکو دے کر آپ کو حضرت شیخ ابو علی قلندر پانی پتی کی خدمت میں بھیجا حضرت قلندر صاحب آپکا کلام سنکر بہت خوش ہوئے۔آپ کے پیرو مرشد کی زبان فیض ترجمان سے جو محبت اور شفقت کے کلمات آپکے متعلق نکلے تھے ان سب کلمات کو آپ نے ایک کاغذ پر لکھ کر بطور تعویز گلے میں ڈال لیا تھا۔آپ نے وصیت فرمائی کہ جس پر وہ کلمات لکھے ہوئے تھے آپکے ساتھ قبر میں دفن کیا جائے تاکہ وہ کاغذ آپ کی بخشش کا ذریعہ بنے۔حضرت محبوب الہیٰ کی وفات کے وقت آپ دہلی میں نہیں تھے۔اس وقت آپ سلطان غیاث الدین تغلق کے ساتھ لکھنو میں تھے۔وفات کی خبر سن کر دہلی آئے اپنے مرشد کے مزار پر انوار پر حاضر ہوئے نوکری سے استعفیٰ دیا جو کچھ پاس تھا فقرا اور مساکین کو تقسیم کیا سیاہ ماتمی لباس پہنا اور مزار پر رہنے لگے چھ مہینے نہایت رنج و غم میں گزارے آخر کار ۱۸ شوال ۷۲۵ھ کو وصال ہوا آپکا مزار حضرت محبوب الہیٰ کے مزار کے پاس ہے ہر سال آپ کا عرس بڑے تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے۔آپ ایک اچھے شاعر ایک اچھے مصنف ایک بڑے عالم۔ایک کامیاب مقرب سلاطین تھے۔آپ کو اپنے پیرو مرشد سے والہانہ محبت اور عقیدت تھی آپ فنافی الشیخ کے درجے پر پہنچ گئے تھے۔جب آپ دہلی میں ہوتے زیادہ وقت پیرو مرشد کی خدمت میں گزارتے تھے ایکدن ایک شخص حضرت محبوب الہیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا اس کی سات بیٹیاں تھیں وہ انکی شادی کرنا چاہتا تھا حضرت محبوب الہیٰ سے کچھ مالی امداد چاہتا تھا لیکن اتفاق سے اس روز خانقاہ میں سوائے نعلین کے اور کچھ نہ تھا آپ نے وہ نعلین ہی اس شخص کو دیدیں بڑی امید لیکر آیا تھا نعلین لے کر وہ کچھ خوش نہ ہوا۔دہلی روانہ ہو کر ایک سرائے میں ٹھہرا آپ بھی بہت کچھ ساز و سامان کیساتھ دہلی جاتے ہوئے اسی سرائے میں ٹھہرے اس سرائے میں آپ کو اپنے پیرو مرشد کی خوشبو آئی۔آپ سرائے میں تلاش کرتے پھرے کہ دہلی سے کون آیا ہے۔جب اس شخص سے ملاقات ہوئی پہلے پیرو مرشد کی خیریت معلوم کی اس شخص نے باتوں باتوں میں نعلین کا بھی ذکر کیا آپ

نے وہ نعلین لے لیں اور سب سامان اُس شخص کو دے دیا۔ وہ نعلین آپ نے اپنے عمامہ میں لپیٹ کر سر سے باندھ لیں اور اس طرح سے حضرت محبوب الٰہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے پانچ لاکھ سے کم اور چار لاکھ سے زیادہ اشعار کہے ہیں ایک مرتبہ آپ کو حضرت خضر علیہ السلام سے ملنے کا شرف حاصل ہوا آپ نے حضرت خضر علیہ السلام سے درخواست کی کہ وہ لعاب دہن مرحمت فرمائیں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے جواب دیا کہ "وہ سعادت شیخ سعدی شیرازیؒ کے حصہ میں آچکی ہے"۔ آپ نے حضرت محبوب الٰہیؒ سے اس کا ذکر کیا۔ حضرت محبوب الٰہیؒ نے اپنا لعاب دہن آپکے منہ میں ڈالدیا۔ اس کی برکت سے آپ کے کلام کو وہ مقبولیت حاصل ہوئی کہ جو کسی کو نہیں حاصل ہوئی۔ آپ کی تصنیف کردہ بانوے (۹۲) کتابیں ہیں۔ آپ کا عرس ہر سال عقیدت واحترام سے منایا جاتا ہے

حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ
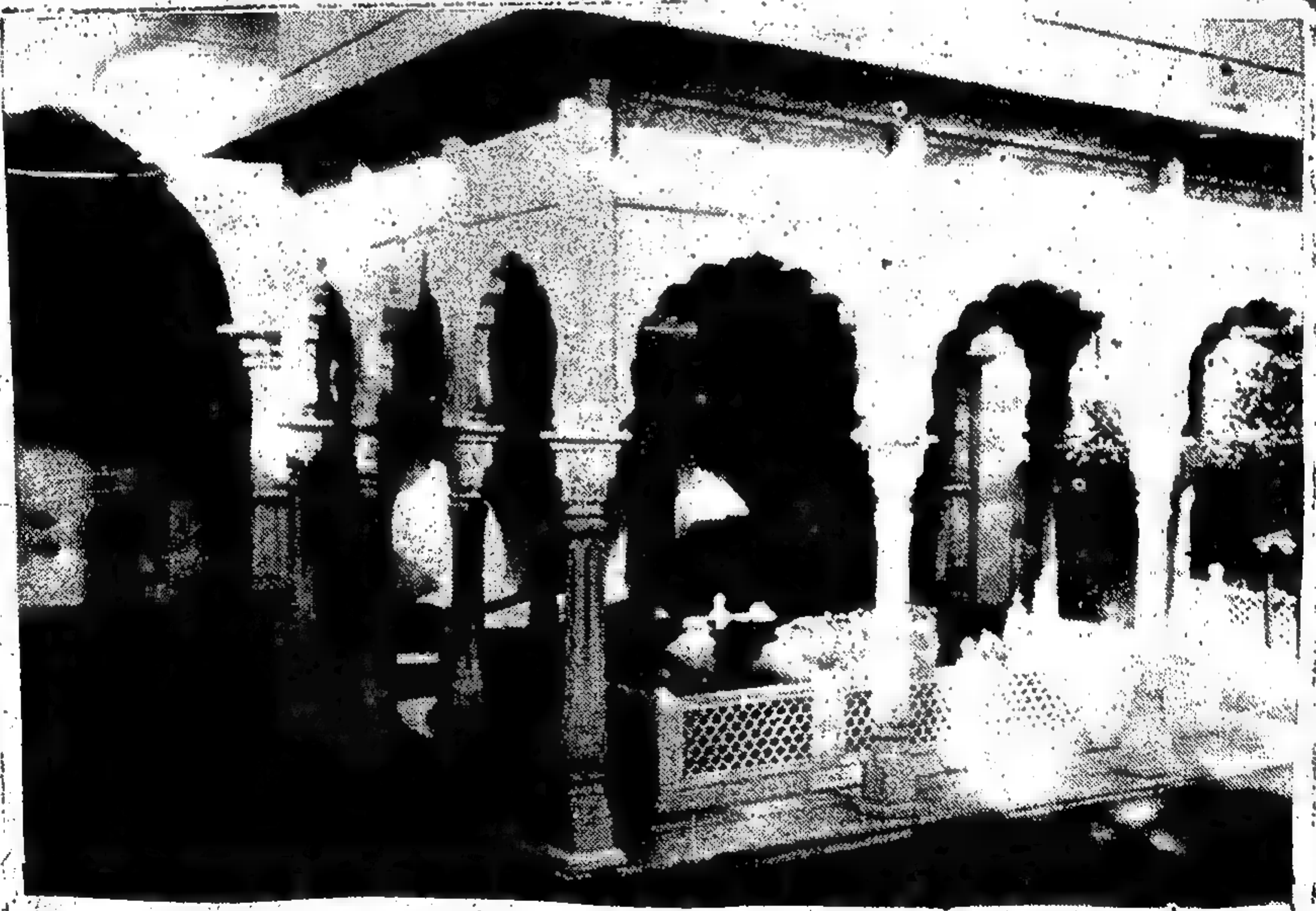
مہرولی پرانی دہلی، میں دہلی ٹرانسپورٹ کا بہت بڑا اڈا ہے۔ اڈا سے شمال مغرب کی طرف ایک کونے پر اکبر اعظم کے جرنیل ادہم خان کا مقبرہ ہے۔ یہاں کسی سے معلوم کیا جائے کہ قطب صاحب کی درگاہ کہاں ہے وہ فوراً بتا دیتا ہے سامنے گلی سے درگاہ قطب صاحب کا راستہ جاتا ہے اگست ۱۹۹۷ء کو قطب صاحب کے حضور حاضری مطلوب تھی۔ قدیمی مکانات پرانی گلیوں سے گزر ہوا تو چائے کے ہوٹل، بکرے کے گوشت کی دوکانیں اس بات کی گواہی دے رہیں تھیں یہ تمام آبادی مسلمانوں کی ہے قطب صاحب کی درگاہ کے باہر ایک عالی

شان دروازہ ہے۔ اندر داخل ہوں تو کئی قریب قریب سڑک کے دونوں طرف قطاروں میں بیٹھے نظر آتے ہیں۔ قطب صاحب کے آستانے تک جانے کے لئے صرف ایک ہی راستہ ہے۔ مشرق کی سمت قدیمی مسجد اور حضرت مولانا محمد فخر الدین جمالؒ کے مزار کی طرف راستہ جاتا ہے مغرب کی جانب حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ اور حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے استانہ کے لئے راستہ جاتا ہے چار دیواری مزار استانے سفید سنگ مرمر سے تعمیر کیے گئے ہیں۔ قطب صاحب کے حضور حاضری سے قبل حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ کا مزار ہے جو قدرے بلندی پر ہے مزار سنگ مرمر سے تعمیر کیا گیا ہے اور مزار پر ایک بزرگ آپ کی شخصیت کا تعارف کراتے ہیں حضرت قاضی حمید الدین ناگوری آپ قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے استاد ہیں۔ آپ ایک بہت بڑے عالم تھے اور ساتھ ہی ساتھ ایک خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ آپ بخارا کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد ماجد کا نام عطاء اللہ محمود ہے۔ آپ بخارا کے بادشاہ تھے۔ آپ ۴۶۳ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام محمدؒ ہے۔ آپ مدینہ منورہ میں حاضر تھے۔ کہ آپ کو قاضی حمید الدین ناگوریؒ کا خطاب بارگاہ رسالت سے عطا ہوا۔ آپ اسی خطاب سے مشہور ہوئے۔ آپ نے اپنے والد ماجد کے سایہ عاطفت میں پرورش پائی۔ آپ کے والد ماجد نے آپ کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دی۔ آپ کے والد ماجد کچھ تو ضعیفی کی وجہ سے اور کچھ محبت کی وجہ سے آپ کو تخت پر بٹھا کر خود حکومت سے کنارہ کش ہو گئے۔ اس وقت حضرت قاضی صاحب کی عمر باون سال کی تھی۔ آپ نے اپنی ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے سرانجام دیا۔

جب آپ کی شریک حیات بی بی ماہرو وفات پا گئی تو حضرت قاضی صاحب کے لئے یہ صدمہ ایسا تھا کہ جس سے ان کی زندگی اور ان کے خیالات میں کافی تبدیلی واقع ہوئی۔ بیوی کے انتقال کے بعد حضرت قاضی صاحب اکثر تنہائی میں بیٹھ کر موت اور زندگی کے فلسفہ کے متعلق سوچا کرتے تھے۔ اب آپ کو محسوس ہوا کہ دنیا ناپائیدار ہے یہاں کی ہر چیز فانی ہے، پھر خالق سے کیوں دل نہ لگایا جائے جس کو فنا نہیں۔ آپ انہیں خیالات میں رہتے تھے۔ ایک دن شکار کے لئے نکلے آپ نے ایک ہرن کا پیچھا کیا آپ نے اس کے ایک تیر مارا وہ زخمی ہوا۔ جب آپ اس ہرن کے قریب پہنچے تو اس ہرن نے آپ سے مخاطب ہو کر کہا:

"اے عزیزا تو بندہ پروردگار ہے۔ مجھ بے گناہ کو کیوں مارا؟ اپنے پروردگار کو کیا جواب دے گا" آپ محل واپس آئے۔ تخت و تاج کو ٹھکرا کر تلاش حق میں نکل پڑے۔

حضرت خواجہ خضرؑ نے بارہ برس تک آپ کو اپنی خدمت میں رکھا اور تعلیم دی۔ جب تعلیم پوری ہو گئی، خضر علیہ السلام نے آپ کو بغداد جانے کا حکم دیا جس وقت آپ بغداد پہنچے۔ آپ کے پاس اپنی چار تصانیف تھیں۔ بغداد میں آپ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ بغداد سے آپ مکہ معظمہ گئے حج کا فریضہ بجالائے۔ وہاں سے مدینہ منورہ گئے مدینہ منورہ میں آپ نے ایک سال دو مہینے اور سات دن قیام کیا۔ ایک

آپ کو بارگاہ رسالت سے قاضی حمید الدین ناگوری کا خطاب عطا ہوا۔ آپ ناگور سے واقف نہ تھے جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ ناگور ہندستان میں ہے تو آپ نے ہندوستان کا ارادہ کیا۔

آخر کار آپ ۵۶۱ھ میں ناگور میں جلوہ افروز ہوئے۔ ناگور میں آپ نے کچھ دنوں قیام فرمایا۔ ایک دن حضرت قاضی صاحب کو ہاتف غیب سے آواز آئی کہ۔ "اوش پہنچ کر ہمارے قطب کی تعلیم کرو" آپ فوراً اوش روانہ ہوگئے اور وہاں پہنچ کر الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو بسم اللہ پڑھائی۔ حضرت قطب صاحب کو پندرہ پارے یاد تھے۔ آپ نے باقی پندرہ پارے حضرت قطب صاحب کو پڑھائے۔ حضرت قطب صاحب کی تعلیم کے بعد آپ بغداد روانہ ہوگئے۔ بغداد سے آپ دہلی روانہ ہوئے۔ راستے میں قیام فرمایا۔ پشاور سے اپنے اہل و عیال اور والد ماجد کو ہمراہ لے کر دہلی تشریف لائے۔

نماز تراویح میں آپ نے قرآن شریف ختم کیا۔ نماز کے بعد سجدہ کیا، اور سجدہ میں انتقال فرمایا۔ لوگ یہ سمجھتے رہے کہ آپ سجدہ میں ہیں۔ آپ کی وفات کا حال بہت دیر میں معلوم ہوا۔ آپ نے ۹ رمضان ۶۴۳ھ میں وصال فرمایا۔ بوقت وفات آپ کی عمر ایک سو اسی سال کی تھی۔ آپ کا مزار مبارک مہرولی میں واقع ہے۔

آپ کے خلفاء حسب ذیل ہیں: شیخ احمد نہروانی، شیخ عین الدین، شیخ شاہی موئیتاب، شیخ محمود موئینہ دوز، آپ کی بہت زیادہ کرامات میں ایک بار بغداد سے دہلی آتے ہوئے آپ کو ایک جوگی جس کا نام گیان ناتھ تھا ملا۔ اس نے آپ کو کسی گھاس کی جڑ پیش کی، جس سے اکسیر بنتی تھی۔ حضرت قاضی صاحب نے جڑ دریا میں پھینک دی۔ جوگی نے افسوس کیا۔ آپ نے دریا میں ہاتھ ڈال کر اس جڑ کو نکال دیا۔ پھر آپ نے اس سے آنکھیں بند کرنے کو فرمایا۔ جب اس نے آنکھیں بند کر کے کھولیں، وہ عرش سے تحت الثریٰ تک دیکھ سکتا تھا۔ ہر طرف سونا نظر آتا تھا، وہ جوگی بہت متاثر ہوا، اور آپ سے بیعت ہوا۔

ایک مرتبہ دہلی میں بارش نہیں ہوئی۔ بادشاہ نے مشائخ سے دعا کی درخواست کی۔ حضرت قاضی صاحب نے سماع کی فرمائش کی۔ بادشاہ نے کھانے اور سماع کا انتظام کیا۔ کھانے کے بعد سماع شروع ہوا۔ ایسی بارش ہوئی کی لوگ کہنے لگے، کہ اب رک جائے تو بہتر ہے۔

حضرت شیخ نجیب اللہ متوکلؒ
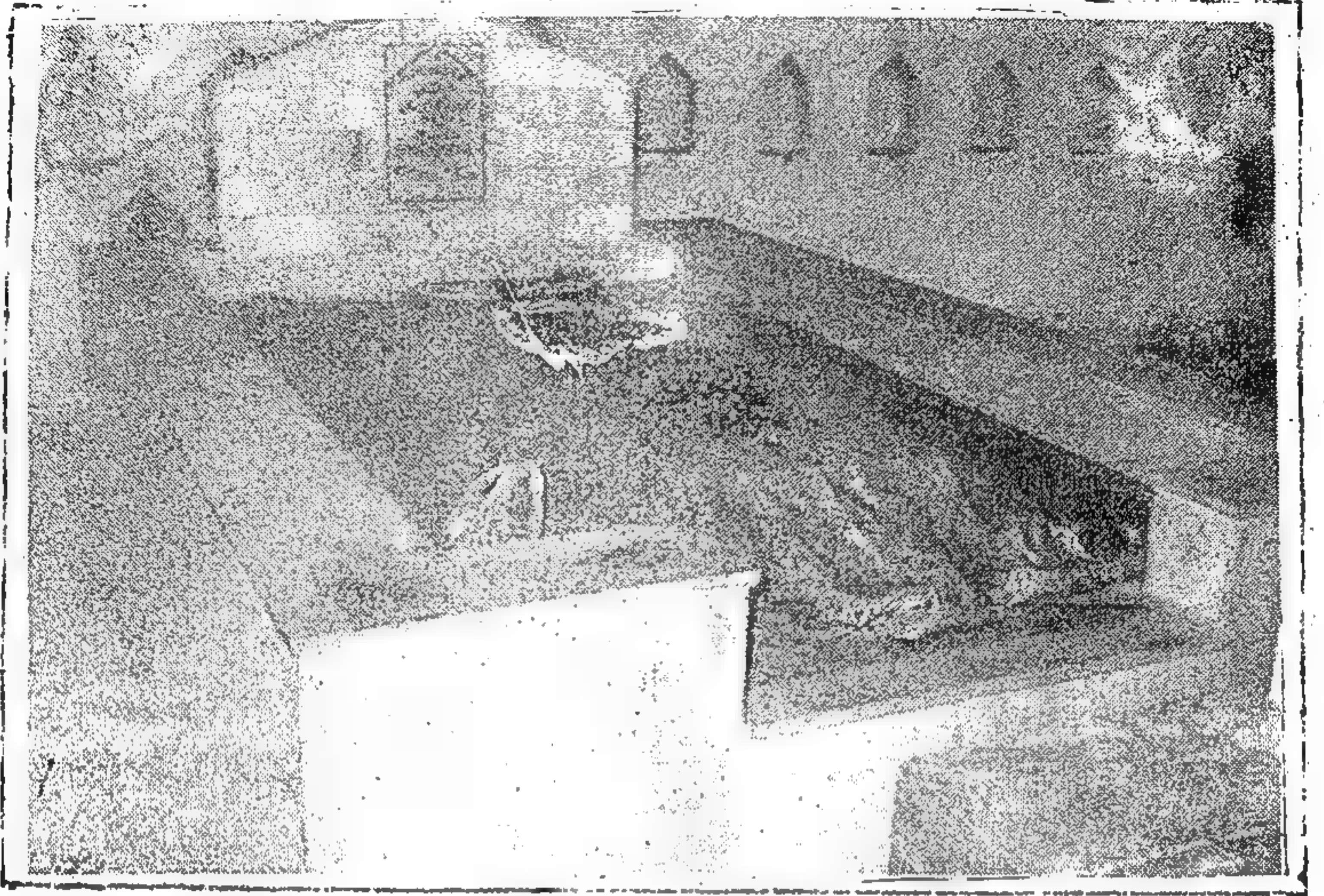
پرانی دہلی کے ہر گلی کوچہ میں کسی نہ کسی اولیاء اللہ کا مزار ضرور ہے ہندو بھی اولیاء اکرام سے عقیدت رکھتے ہیں وہ اولیاء کرام جنہوں نے ہندوستان کی کایا پلٹ کر رکھ دی ان میں حضرت شیخ نجیب اللہ متوکلؒ کا نام گرامی نمایاں ہے حضرت شیخ نجیب اللہ متوکلؒ صاحب کشف و کرامات تھے آپ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کے حقیقی بھائی مرید اور خلیفہ تھے۔ راقم نے خواجہ اجمیریؒ کے حضور حاضری کے بعد واپسی پر دہلی میں حضرت شیخ نجیب اللہ متوکلؒ دوسرے اولیائے کرام کے مزارات پر حاضری دی۔ آپ کے والد ماجد سلطان شہاب الدین غوری کے عہد میں ملتان تشریف لائے آپ ملتان کے قصبہ کوتھووال میں رونق افروز ہوئے اور وہاں قاضی کے عہدے کے فرائض انجام دینے لگے۔ آپ کے دو حقیقی بھائی ہیں آپ کے بڑے بھائی کا نام عزالدین محمود ہے ان سے چھوٹے حضرت بابا فرید الدین مسعود ہیں سب سے چھوٹے آپ خود ہیں۔

آپ کا لقب متوکل ہے آپ کے متوکل کہلانے کی وجہ یہ ہے کہ آپ باوجود اہل و عیال کے توکل میں یگانہ روزگار تھے تنگ دستی اور عسرت میں گزر ہوتی تھی آپ کا توکل مثالی تھا آپ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کے ہمراہ دہلی آئے ان کے حکم کے مطابق دہلی میں رہنے لگے۔ آپ اپنے بھائی حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر سے بیعت ہیں اور حضرت

بابا گنج شکر سے آپ نے خرقہ خلافت پہنا۔ حضرت نظام الدین اولیاء جب دہلی تشریف لائے تو آپ کے پڑوس میں سکونت اختیار کی۔ آپ کو ان سے کافی عقیدت تھی اپنی والدہ ماجدہ کے وصال کے بعد حضرت محبوب الٰہی زیادہ وقت آپ کی صحبت میں گزارتے تھے ایک مرتبہ انہوں نے آپ سے قاضی بننے کی دعا کرانی چاہی لیکن آپ نے دعا نہ کی اور فرمایا: "تم قاضی نہ بنو گے بلکہ ولی اللہ بنو گے"

ایک مرتبہ حضرت محبوب الٰہی نے آپ سے مرید ہونا چاہا۔ آپ نے مرید کرنے سے انکار کیا اور فرمایا کہ اگر مرید ہونا ہے تو حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ یا حضرت فرید الدین گنج شکرؒ میں سے کسی کے مرید ہو جائیں۔ آپ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کی خدمت میں انیس مرتبہ حاضر ہوئے آپ ہر مرتبہ رخصت ہوتے وقت حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ سے اپنے لیے دعا کرایا کرتے تھے کہ آئندہ پھر خدمت میں حاضر ہوں۔ آخری بار جب آپ دعا کے خواستگار ہوئے تو حضرت بابا فرید الدین گنج شکر خاموش ہو گئے۔ حضرت نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں کہ جب حضرت بابا فرید الدین گنج شکر نے خلافت نامہ عطا فرمایا، آپ کو تاکید کی کہ ہانسی میں حضرت مولانا جمال الدینؒ کو اور دہلی میں قاضی منتخب کو خلافت نامہ دکھائیں۔ آپ کو اس بات پر سخت تعجب ہوا کہ آپ کا یعنی حضرت شیخ نجیب الدین متوکل کا نام حضرت بابا فرید گنج شکر نے نہیں لیا۔ آپ سمجھے اس میں کوئی مصلحت ہوگی، جب آپ دہلی آئے تو آپ کو معلوم ہوا کہ سات رمضان کو آپ کا وصال ہو گیا ہے۔ آپ کا مزار دہلی میں شیخ نجیب الدین شیر سوار کے نام سے مشہور ہے آپ کا مزار بی بی زلیخا کے مزار کے قریب دہلی میں ہے۔ قریب ایک قدیمی مسجد بھی ہے۔ آپ ایک بلند پایہ درویش تھے آپ نے توکل کا ایک اعلیٰ نمونہ پیش کیا کہ حضرت نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں "میں نے ان جیسا کوئی آدمی اس شہر میں نہیں دیکھا، جو صرف یاد الٰہی میں مشغول رہتا ہے۔" حضرت بابا فرید الدین گنج شکر نے ایک مرتبہ آپ سے فرمایا "شیخ نجیب اللہ متوکل تو بھی ابدال میں سے ہے"۔

حضرت شاہ محمد فرہاد دہلویؒ

آپ دہلی میں پیدا ہوئے آپ کے پیر مرشد سید دوست محمد نے وصال کے قریب آپ کو دہلی جانے کی وصیت فرمائی کہ دہلی جا کر مخلوق خدا کو رشد و ہدایت کی تعلیم تلقین فرمائیں چنانچہ آپ مرشد کی وصیت پر دہلی آ گئے۔ تمام عمر دہلی میں رہ کر راہ حق دکھلاتے رہے آپ نے ۱۱۳۵ھ کو وصال فرمایا آپ کا مزار دہلی میں ہے حضرت شاہ برہان الدین حضرت شاہ اللہ اللہ آپ کے ممتاز خلفاء تھے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے مزار کے قریب چبوترہ یاراں میں
حضرت مولانا شمس الدین محمد یحییٰ اور حضرت مولانا علاؤالدین نیلی چشتیؒ ودیگر اولیاء کرام کے مزار
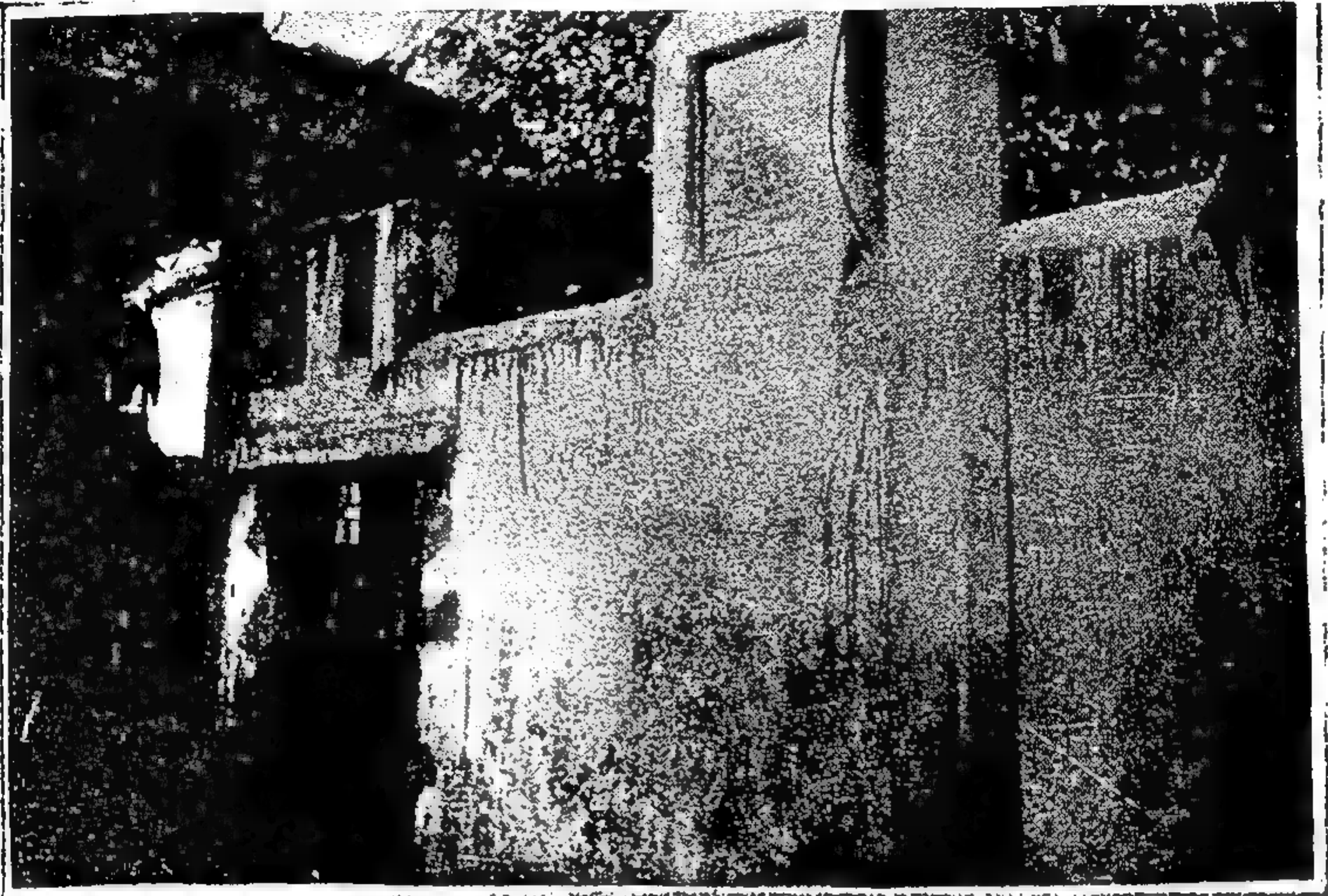
۲۴ نومبر ۱۹۹۸ء کو حضرت امیر خسروؒ اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے مزار پر حاضری دی۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے مزار کے گردونواح بادشاہوں کے علاوہ آپ کے خلفاء کے مزار ہیں۔آپ کے آستانہ کے صحن میں مغرب کی جانب تکہ خاں کا مزار ہے اس مزار کے قریب چبوترہ یاراں کے نام سے ایک چار دیواری میں کئی اولیاء کرام کے مزار ہیں تجاوزات در تجاوزات کی وجہ سے گلیاں تنگ اور ٹیڑھی ہو چکی ہیں۔یہ علاقہ بستی نظام کے نام سے مشہور ہے اکثریت مسلمانوں کی ہے راقم ان تنگ ٹیڑھی گلیوں سے گزرتا ہوا چبوترہ یاراں کے قریب پہنچا۔احاطہ کے باہر لوہے کا دروازہ بند تھا۔دروازہ کی چابی امام مسجد کے پاس تھی جن سے ملاقات نہ ہو سکی۔مزار کے باہر یہ عبارت تحریر ہے اس خاک میں علم کا ایک پہاڑ پوشیدہ ہے جن کے متعلق حضرت خواجہ نصیر الدین روشن چراغ دہلی نے فرمایا تھا میں نے علم سے پوچھا بتا تجھ کو کس نے زندہ کیا ہے۔علم نے جواب دیا شمس الدین یحییٰ نے چبوترہ یاراں میں حضرت خواجہ شمس الدین یحییٰ نظامیؒ، حضرت خواجہ علاؤالدین نیلیؒ، حضرت خواجہ فخر الدین نظامی فیروزیؒ کے مزار ہیں متولی خواجہ اسلام الدین نظامی امام درگاہ ۲۴ نومبر ۱۹۸۰ حضرت خواجہ شمس الدین یحییٰ حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے خلیفہ تھے۔حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی آپ کا مزار چبوترہ یاراں میں ہی بتایا ہے آپ سلطان محمد بن تغلق کے دور میں گزرے ہیں۔

حضرت مولانا شمس الدین محمد بن یحییٰ شمس ملت ودین ہیں۔آپ کے والد بزرگوار کا نام نامی محمد یحییٰ تھا۔اپ کا نام شمس الدین محمد ہے۔آپ نے مولانا ظہیر الدین سے "بزودی" پڑھی۔آپ نے علم اصول فقہ، تفسیر اور حدیث میں کمال درجہ حاصل کیا تھا کہ بہت سے علمائے شہر آپ کے شاگرد تھے اور علوم ظاہری کی سند اور علوم دینی کی تحقیق آپ کی نسبت سے منسوب کرتے تھے۔آپ اور مولانا صدر الدین ناولی ساتھ ساتھ رہتے تھے اور دونوں مولانا ظہیر الدین کے پاس پڑھتے تھے۔جب تعطیل ہوتی آپ اور مولانا صدر الدین ناولی دریائے جمنا پر کپڑے دھونے غیاث پور آتے تھے کہ حضرت محبوب الٰہی بڑی شان کے بزرگ ہیں۔ان کی عظمت وکرامت کے قصے سنتے تھے آپ سنا کرتے تھے کہ شہر کے بڑے بڑے لوگ، علماء اور فضلائے روزگار حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہو کر زمین بوس ہوتے ہیں اور قدم چومتے ہیں۔ایک دن آپ اور مولانا صدر الدین ناولی غیاث پور کپڑے دھونے کیلئے آئے دونوں میں مشورہ ہوا کہ حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں چل کر دیکھنا چاہیے کہ وہ علم کیسا رکھتے ہیں، لیکن جب ہم ان کے پاس جائیں گے، زمین بوس نہ ہونگے اور نہ قدم چومیں گے بس اسلامی شعار کے موافق سلام علیک کر کے بیٹھ جائیں گے۔

اس صلاح ومشورہ کے بعد آپ اور مولانا صدر الدین ناولی عجیب عجیب خیالات کے ساتھ حضرت محبوب الٰہی کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔حضرت محبوب الٰہی کے روئے انور پر نگار پڑتے ہی آپ پر مولانا صدر الدین پر جمال مبارک کا ایسا رعب طاری ہوا اور ایسی ہیبت بیٹھی کہ آپ دونوں نے سر نیاز زمین پر رکھ دیا۔حضرت محبوب الٰہی نے آپ دونوں سے بیٹھنے کو فرمایا۔آپ دونوں باادب بیٹھ گئے۔تھوڑی دیر کے بعد حضرت محبوب الٰہی نے دریافت فرمایا "شہر میں رہتے ہو" آپ دونوں نے جواب دیا "جی شہر میں رہتے ہیں" پھر محبوب الٰہی نے پوچھا: "کچھ پڑھتے ہو؟"
"جی ہاں! مولانا ظہیر الدین سے بزودی کی بحث کرتے ہیں"

حضرت محبوب الٰہی نے "بزودی" کے اس حصہ سے جو انہوں نے پڑھ لیا تھا ایک سوال پوچھا کہ جو مولانا ظہیر الدین سے بھی حل نہ ہوا تھا۔دونوں کو سخت تعجب ہوا۔نہایت ادب اور عاجزی سے عرض کیا
"مخدوم یہی مشکل مسئلہ حل ہونے سے رہ گیا ہے، ہمارے استاد مولانا ظہیر الدین فرماتے تھے کہ اس مسئلہ کی تحقیقات کریں گے"

یہ سن کر حضرت محبوب الٰہیؒ مسکرائے اور اس مسئلہ پر اتنی روشنی ڈالی کہ ان دونوں کی تسلی و تشفی بخوبی ہو گئی۔ واپسی کے وقت حضرت محبوب الٰہیؒ نے مولانا شمس الدین کو پائجامہ اور مولانا صدر الدین کو دستار دے کر سرفراز فرمایا۔اس کے بعد جو آپ مولانا ظہیر الدین کے پاس پڑھنے گئے وہ پائجامہ جو آپکو حضرت محبوب الٰہی نے عطا فرمایا تھا سر سے باندھ کر گئے۔

دوسری بار جو آپ حضرت محبوب الہیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سعادت ارادت سے مشرف ہوئے۔ بیعت سے مشرف ہونے کے بعد آپ حضرت محبوب الہیٰ کی خدمت میں حاضر رہنے لگے آپ کی خدمت، صدق، خلوص اور محبت نے اپنا کام کیا اور آخر کار خرقہ خلافت پا کر ممتاز و سرفراز ہوئے۔

دہلی کے بائیس خواجہ از ڈاکٹر ظہور الحسن شارب کے مطابق آپ کے بہت شاگرد تھے۔ حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی آپ کے مایہ ناز شاگرد ہیں۔ حضرت مخدوم آپ کا بہت ادب و احترام کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے میں نے علم سے دریافت کیا کہ تجھ کو حقیقی طور پر کس نے زندہ کیا ہے علم نے جواب دیا شمس الدین یحییٰ نے عمر کے آخری حصہ میں سلطان محمد بن تغلق نے آپ کو طلب کر کے کشمیر جانے کا حکم دیا۔ دوسرے دن آپ کے سینے پر پھوڑا نکلا۔ آپ پالکی میں بیٹھ کر سلطان محمد بن تغلق کے پاس تشریف لے گئے وہاں سے آکر بیمار ہوئے۔

آپ ۷۴۷ھ میں فوت ہوئے آپ کا مزار مبارک دہلی میں حضرت محبوب الہی کے آستانہ کے قریب چبوترہ یاراں میں ہے۔ آپ نے شادی نہیں کی ساری عمر مجاہدات، ریاضات اور عبادات میں مشغول رہے۔ آپ کی زندگی کا طور طریق سالکان راہ طریقت کی طرح تھا۔ آپ کا ظاہر و باطن پاک و صاف تھا۔ آپ کو سماع کا شوق تھا آپ کی بہت زیادہ کرامات ہیں سب سے بڑی کرامت آپ کے شاگرد حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کی صورت میں ظاہر ہے۔

حضرت مولانا علاؤالدین نیلی چشتیؒ کا مزار

آپ کا نام علاؤالدین ہے۔ آپ علوم ظاہری کی تکمیل سے جلد ہی فارغ ہوئے، فقہ، حدیث، منطق، تفسیر اور علم سلوک میں دستگاہ رکھتے تھے۔ آپ نے قرآن مجید بھی حفظ کیا۔ آپ ایک اچھے قاری تھے۔ آپ حضرت محبوب الہی کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ بیعت سے مشرف ہونے کے کچھ عرصہ بعد آپ خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے۔

ایک دن حضرت محبوب الہی حسب معمول بالائی منزل میں تشریف فرما تھے۔ آپ خانقاہ میں حاضر ہوئے اور جماعت خانے کے صحن میں نماز میں مشغول ہوئے۔ جن لوگوں نے نماز نہیں پڑھی تھی وہ آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ آپ کی قرآت اور خوش الحانی مشہور تھی۔ آپ کی قرات اور خوش الحانی سن کر حضرت محبوب الہی کو ایک عجیب حال اور ذوق و شوق پیدا ہوا۔ حضرت محبوب الہی نے اپنے خادم اقبال کو حکم دیا کہ ان کا مصلیٰ خاص اس شخص کو جا کر دو جو امامت کر رہا ہے۔ خواجہ اقبال نیچے آگئے۔ جب آپ نے نماز ختم کی۔ خواجہ اقبال نے حضرت محبوب الہی کا عطیہ آپ کو دیا۔ آپ نے بعد احترام و ادب وہ مصلیٰ لیا اس کو بوسہ دیا آنکھوں سے لگایا سر پر رکھا۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ مولانا شمس الدین یحییٰ اور چند لوگ اودھ سے دلی آئے آپ اور مولانا شمس الدین

یحییٰ دہلی پہنچ کر حضرت محبوب الٰہی کی خدمت و برکت میں حاضر ہوئے اور آداب بجالائے۔ حضرت محبوب الٰہی نے آپ کو اور شمس الدین یحییٰ کو چوتھے روز ہی اودھ جانے کا حکم دیا آپ دونوں اس قدر جلد واپسی کا حکم پر کبیدہ خاطر ہوئے۔ لیکن پیرو مرشد کا فرمان تھا، کسے ٹالتے۔ آپ دونوں ادھر روانہ ہوگئے۔ جب تلپتہ پہنچے، آپ کو تیز بخار ہو گیا۔ آپ تلپتہ میں رہنے پر مجبور ہوئے۔ حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں ایک عریضہ روانہ کیا اور اس میں اپنی بیماری کی اطلاع کے علاوہ یہ بھی تحریر کیا کہ اب فرمان الٰہی کیا ہے جیسا حکم ہو اس پر عمل کیا جائے۔

حضرت محبوب الٰہی کو جب آپ کی بیماری کی اطلاع ہوئی۔ آپ نے خرچ کے لیے کچھ رقم اور سواری کے لیے اپنی خاص پالکی روانہ کی اور حکم دیا کہ واپس دہلی آجاؤ۔ یہ حکم پاکر آپ بہت خوش ہوئے۔ جب آپ سے پالکی میں بیٹھنے کو کہا گیا آپ نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ اتنی تاب، طاقت اور مجال کہاں کہ خاص پالکی میں بیٹھوں، غرض آپ ایک کرائے کے ڈولے میں روانہ ہوئے۔

روانہ ہوتے وقت آپ نے تاکید کی کہ پالکی آپ سے آگے چلے تاکہ آپ کی نظر اس پر پڑتی رہے اور اس کو دیکھتے رہنے کی برکت سے آپ کو صحت نصیب ہو۔ آپ اسی طرح روانہ ہو کر دہلی پہنچے۔ جب حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے بیماری کا حال عرض کیا۔ حضرت محبوب الٰہی نے اپنے خادم خواجہ اقبال کو حکم دیا کہ صبح کے بچے ہوئے کھانے میں سے جو کھانا ہو لا کر ان کو دو۔ خواجہ اقبال نے چوری، روغن اور آہری لاکر آپ کو دی۔ آپ نے حسب فرمان اپنے پیر و مرشد سے چوری، روغن اور آہری کھائی۔ کھانے کے بعد آپ کا بخار اتر گیا۔

اگرچہ آپ مجاز مطلق تھے، لیکن آپ نے کسی کو مرید نہ کیا۔ آپ علماء کا سا لباس زیب تن فرماتے تھے۔ لیکن باطنی طور پر درویشانہ اوصاف کے مالک تھے۔ آپ تقریر بہت اچھی کرتے تھے۔ بڑے بڑے علماء آپ کی تقریر پر عاشق تھے۔ آپ ایک بہت بڑے عالم تھے اور ساتھ ہی ساتھ ایک صاحب دل اور صاحب کمال بزرگ بھی تھے۔ آپ کی آواز میں ایک عجیب دل کشی تھی۔ قرآن مجید قرات سے پڑھتے تھے اور آپ پیر و مرشد کا انتہائی احترام و ادب کرتے تھے۔ طبیعت میں سادگی تھی۔

زندگی کے آخری دنوں میں آپ نے سب کتابیں اور اوپر اوپر بالائے طاق رکھ دیئے تھے۔ آپ صرف ایک کتاب پڑھتے تھے اور آپ کا صرف ایک ورد تھا۔ آپ اپنے پیر و مرشد حضرت محبوب الٰہی کے ملفوظات بابرکات "افضل الفوائد" پڑھتے تھے۔ ان سے روحانی انبساط حاصل کرتے تھے اور ان کو خود اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ ان کو کسی وقت بھی نگاہ سے اوجھل نہ ہونے دیتے تھے۔

کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ کے پاس ہر علم کی معتبر کتابیں ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ صرف حضرت محبوب الٰہی کے ملفوظات طیبات پڑھتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ "یہ صحیح ہے کہ دنیا سلوک کی کتابوں سے بھری ہوئی ہے، لیکن میرے لیے میرے مخدوم کے روح افزا ملفوظات نجات کا ذریعہ ہیں" آپ نے ۷۲۹ ھ میں وفات پائی آپ کا مزار مقدس حضرت محبوب الٰہی کے مزار پر انوار کے قریب چبوترہ یاراں میں ہے۔

حضرت خواجہ محی الدین کاشانیؒ

آپ کا نام محی الدین ہے لیکن آپ مشہور قاضی محی الدین کاشانی کے نام سے ہیں۔ آپ کی ابتدائی تعلیم والد ماجد کی آغوش میں ہوئی علوم ظاہری کی تحصیل و تکمیل سے آپ جلد ہی فارغ ہو گئے۔ کچھ عرصے قضاء کے عہدے پر فائز رہنے کے بعد آپ کا دل دنیا سے اور دنیاوی معاملات سے یک سر سرد ہو گیا۔ آپ کو محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے حلقہ ارادت میں داخل ہونے کی سعادت حاصل کرنے کی تمنا حضرت محبوب الٰہیؒ کی خدمت بابرکت میں لے گئی حضرت محبوب الٰہیؒ نے آپکو بیعت کیا اور پھر خرقہ خلافت سے آپ کو سرفراز فرمایا۔ حضرت محبوب الٰہیؒ نے آپ کو اپنا ایک کمبل عنایت فرمایا۔ آپ اس کمبل کو تعظیم و تکریم کے ساتھ اپنے گھر لائے اور بہت احتیاط سے ایک صندوق میں رکھ دیا کچھ دنوں کے بعد آپ نے صندوق کھولا اور وہ کمبل نکالا۔ اس کو بوسہ دیا۔ آنکھوں سے لگایا اس کمبل میں نہایت عمدہ خوشبو بسی ہوئی تھی آپ اسی طرح سے صندوق کھولتے رہے اور کمبل کی زیارت کرتے رہے کئی سال گزر گئے لیکن کمبل کی خوشبو میں کوئی کمی نہ ہوئی آپ کو سخت تعجب ہوا آخر ایک دن کمبل کو خوب اچھی طرح دھویا جتنا آپ کمبل کو دھوتے جاتے تھے، خوشبو تیز ہوتی جاتی تھی۔ حضرت محبوب الٰہی نے جو خلافت نامہ آپ کو عطا فرمایا تھا اس میں چند پند و نصائح تھے، وہ خلافت نامہ یہ ہے "تم کو تارک دنیا رہنا چاہیے، دنیا و اہل دنیا کی طرف میل نہ کرنا اور جاگیر قبول نہ کرنا اور بادشاہوں کا صلہ قبول نہ کرنا اور اگر مسافر تمہارے پاس مہمان آئیں اور تمہارے پاس کچھ نہ ہو تو ایسے موقعہ کو خدا کی نعمتوں میں سے نعمت اور غنیمت سمجھنا۔ اگر تم نے ایسا ہی کیا اور مجھ کو یقین ہے کہ تم ایسا ہی کرو گے تب تم میرے خلیفہ ہو، اور دنیاوی وسائل منقطع کرنے کے بعد آپ کو سخت دشواری پیش آئی۔ فقر و فاقہ کی نوبت پہنچی۔ تنگی اور عسرت سے گزرنے لگی۔ آپ کے ایک معتقد نے بغیر آپ کے علم اور اجازت کے اس حال کی خبر سلطان علاؤالدین کو کی۔ سلطان علاؤالدین خلجی کو جب آپکا یہ حال معلوم ہوا اس نے حکم دیا کہ قضاء کا عہدہ جو قاضی صاحب کی میراث ہے، ان کو بہت انعام کے ساتھ تفویض کیا جائے۔ چنانچہ قضاء اودھ کے عہدے کی سند تیار کی گئی۔ سلطان علاؤالدین خلجی نے بہت کوشش کی کہ وہ عہدہ آپ قبول

فرمالیں۔ آپ کو جب یہ معلوم ہوا، آپ اپنے پیر روشن ضمیر حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا واقعہ عرض کیا کہ سلطان علاؤالدین خلجی بغیر ان کی درخواست اور خواہش کے ان کو قضاء اودھ کے عہدہ کی سند دینا چاہتا ہے۔ جیسا حکم عالی ہو اس پر عمل کیا جائے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ نے اس بات کو پسند نہ فرمایا۔ ارشاد ہوا کہ: "تمہارے دل میں اس کا خطرہ ضرور گزرا ہوگا جو یہ بات ظہور میں آئی ہے"۔ آپ کو رنج ہوا کہ ایسی بات حضرت محبوب الٰہی سے کیوں عرض کی، آپ نے اسی طرح سے فقر و فاقہ میں زندگی گزاری۔ فقیری کو اپنے لئے باعث فخر اور سعادت سمجھا۔

ایک بار آپ سخت بیمار ہوئے۔ بظاہر بچنے کی کوئی امید نہ تھی۔ حضرت محبوب الٰہی کو جب ان کی بیماری کا علم ہوا، بہ نفس نفیس عیادت کو تشریف لائے۔ آپ حضرت محبوب الٰہیؒ کی تعظیم کے لئے اٹھے۔ اسی وقت سے مرض میں کمی ہوئی۔ جب حضرت محبوب الٰہی واپس تشریف لے گئے آپ نے کہا کہ حضرت محبوب الٰہیؒ بظاہر عیادت کو تشریف لائے تھے، مگر در پردہ مرض کو سلب کر گئے۔ حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کی صاحبزادی حضرت بی بی مستورہ کے صاحبزادے حضرت شیخ عزیزالدین بحکم حضرت محبوب الٰہیؒ آپ کے شاگرد ہوئے اور آپ سے تعلیم حاصل کی۔ آپ کا وصال ۵ ربیع الاول ۷۱۹ھ کو ہوا۔

محب النبی حضرت مولانا محمد فخرالدین فخر جہاں

آپ ۱۱۲۶ھ میں اورنگزیب آباد میں پیدا ہوئے آپ کی ولادت کی اطلاع اپنے پیر و مرشد حضرت شیخ کلیم اللہ شاہ جہاں آبادی کو دی مرشد نے فرمایا یہ میرا بیٹا ہے اور یہ فرزند شاہ جہاں آباد کو نور ہدایت سے منور و روشن کرے گا آپ کا لقب محب النبی ہے۔ پندرہ سال کی عمر میں آپ کے والد نے خرقہ خلافت سے سرفراز فرمایا اور دہلی میں قیام پذیر ہوئے اور بابا فریدؒ اور بو علی شاہ قلندرؒ کے مزار اقدس پر حاضری دی۔ آپ کی زندگی کرامات سے بھری پڑی ہے حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ چشتیاں ضلع بہاولپور حضرت مولانا میر ضیاء الدینؒ، حضرت مولوی خدا بخشؒ، نواب غازی الدینؒ، میر خان المخلص بہ نظام، شاہ فتح اللہ، مولوی محمد غوث شاہ روح اللہ، شاہ قمرالدینؒ، حضرت محمد غوثؒ آپ کے مشہور خلفاء میں آپ نے ۱۱۹۹ھ کو وفات پائی آپ کا مزار مبارک مہرولی پرانی دہلی میں ہے آپ نے رشد و ہدایت کی جو شمعیں روشن کیں ان کی روشنی میں بنی نوع انسان فیضیاب ہو رہے ہیں۔

حضرت خواجہ کمال الدینؒ
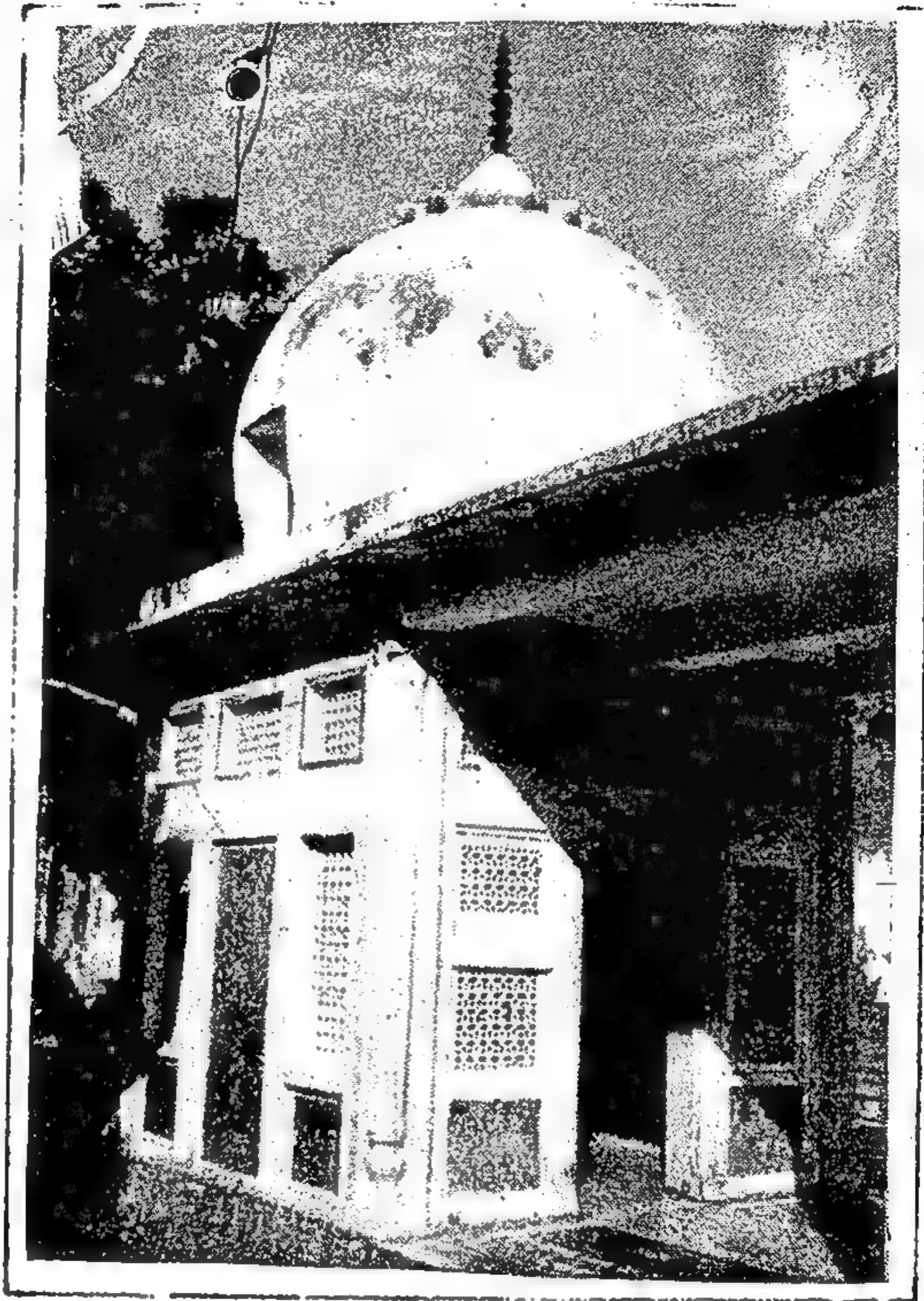
آپ کا مزار حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے قدموں میں ہے۔ درگاہ حضرت خواجہ نصیر الدین محمد چراغؒ دہلی کے احاطہ میں آپ کے مزارؒ کے جنوب کی جانب حضرت خواجہ کمال الدینؒ کا مزار مبارک ہے۔ راقم نے آپ کے مزار پر حاضری دی آپ کے مزار پر سفید رنگ کا گنبد بھی ہے آپ ولی اللہ درویش ہو گزرے ہیں رشتہ میں آپ حضرت نصیر الدن محمود چراغ دہلوی کی بہن کے لڑکے ہیں۔ اور آپؒ کے خلیفہ ہیں۔ آپ ایک بڑے عالم تھے اور کثرت علم کی وجہ سے علامہ مشہور ہوئے دہلی آکر آپ حضرت نظام الدین اولیاء کے مرید ہوئے اور خرقہ خلافت پایا۔ آپ کو حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ سے بھی خرقہ خلافت ملا۔ خرقہ خلافت پہننے کے بعد آپ احمد آباد تشریف لے گئے وہاں آپ رشد و ہدایت فرماتے تھے بہت سے لوگ آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ آپ نے سات حج کیے بیت

المقدس بھی حاضر ہوئے خراسان ہوتے ہوئے واپس دہلی آئے اس سفر میں بہت سے امراء اور سلاطین آپ سے ملے انہوں نے آپ کی عزت کی۔ جب آپ دہلی واپس آئے آپ کے ساتھ تمیں اونٹ مال واسباب سے بھرے ہوئے تھے جس میں تمیں ہزار اشرفیاں اور روپے بھی تھے یہ دیکھ کر حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ نے آپ سے فرمایا" شیخ کمال الدین! اس قدر دنیا اپنے ساتھ کیوں لائے ہو" آپ نے عرض کیا مجھ کو راستے میں معلوم ہوا کہ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے رحلت فرمائی اور ان کی جگہ آپ سجادگی پر بیٹھے ہیں خالی ہاتھ حاضر نہیں ہونا چاہتا۔ حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ وہ سب کچھ غرباء مساکین میں تقسیم کر دیا"۔ تاتار خاں نے آپ کو اسی روپے روزانہ بطور نذر پیش کرنا چاہے اور اس امر کا پروانہ لکھ کر آپ کو پیش کیا آپ وہ پروانہ لے کر حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی "کیا حکم ہے حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ نے فرمایا "چونکہ بغیر طلب اور قصد کے تم کو وظیفہ ملا ہے اس لیے تم اس کو قبول کرو"۔ اپنے پیرو مرشد کے فرمان کے مطابق آپ نے وظیفہ قبول فرمایا۔ آپ نے حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے حکم سے شادی کی آپ کے تین لڑکے ہوئے اور ایک لڑکی۔ آپ کے سب سے بڑے سے لڑکے شیخ نظام الدین کا جوانی میں انتقال ہوا۔ آپ کے دوسرے لڑکے شیخ نصیر الدین آپ کی حیات میں تحصیل علم سے فارغ ہو گئے تھے۔ آپ کے تیسرے لڑکے شیخ المشائخ سراج الدین تھے۔ آپ کی لڑکی کی شادی برہان الدین سے ہوئی۔ آپ نے ۲۷ ذیقعدہ ۷۵۶ ھ میں رحلت فرمائی آپ کا مزار دہلی میں حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کے مزار کے قریب آپ ایک باکرامت ہستی درویش ایک بلند پایہ عالم تھے۔ حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ آپ کی بہت عزت کرتے تھے۔ راستے میں جہاں کہیں بھی آپ مل جاتے حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی رک کر کھڑے ہو جاتے۔ حضرت بندہ نواز سید محمد گیسو دراز نے آپ کے بہت سے مناقب اپنی کتابوں میں تحریر فرمائی ہیں۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے آپ سے مشارق الانوار کی شرح پڑھی ہے مولانا احمد تھانیسری، مولانا عالم پانی پتی، تاتار خان آپ کے شاگردوں میں ہیں۔ سلطان فیروز شاہ، امرائے وزرا، خواص و عوام غرض سب ہی آپ کے معتقد تھے۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کو جو منشور خلافت حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی سے ملا، وہ آپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔

حضرت مخدوم سماء الدین سہروردیؒ دہلی
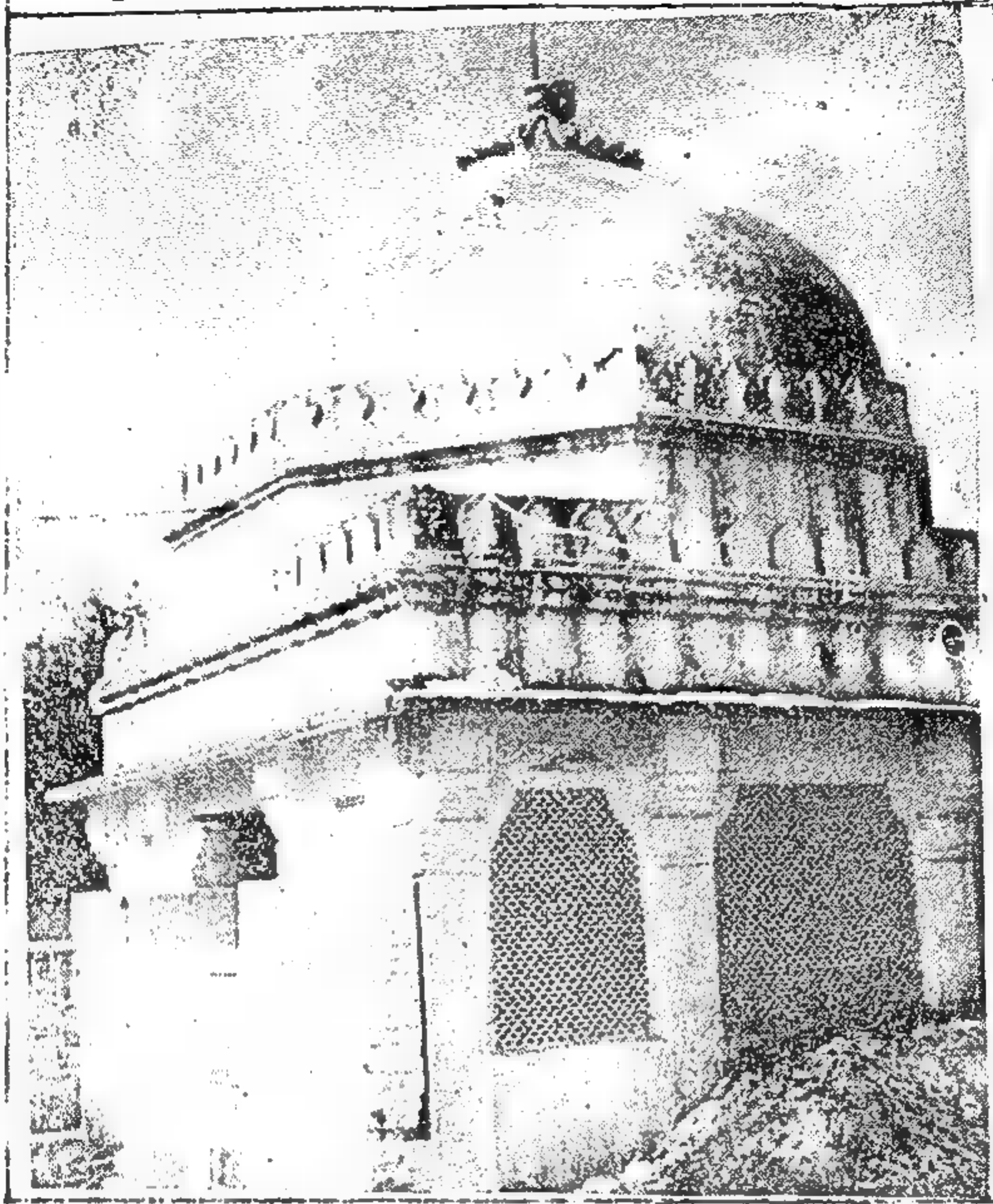
۲۴ نومبر ۱۹۹۸ء کو راقم نے پرانی دہلی مہرولی اولیاء اکرام کے آستانے پر حاضری کے بعد حضرت مخدوم سماء الدین سہروردی کے حضور حاضری دی حوض شمسی یا تالاب شمسی کے چاروں جانب اولیائے کرام کے آستانے اور مساجد ہیں حوض شمسی سے جنوب کی جانب لوہے کے دروازے کھڑکیاں بنانے والوں کی دکان ہے۔ اس گلی کے آخر میں حضرت مخدوم سماء الدین سہروردی کا آستانہ مبارک ہے۔ مسجد ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں کی وجہ سے غیر آباد ہو گئی تھی مرمت کے بعد اب آباد ہو گئی ہے۔ یہاں پانچ وقت نماز بھی ہوتی ہے۔

راقم جب مسجد میں داخل ہوا امام مسجد نے ٹھنڈا پانی پینے کے لئے دیا۔ مسجد کے جنوب کی جانب حضرت مخدوم سماء الدین سہروردی کا مزار ہے پرانی طرز کے گنبد کے اندر حضرت مخدوم سماء الدین سہروردی کے مزار کے علاوہ کئی بزرگوں کی قبریں ہیں مزار کے مغرب کی جانب بھی کئی مزار ہیں جو پتھر تراش کر تعمیر کیے گئے ہیں۔ ناجائز تجاوزات کی بھرمار کی وجہ سے کئی قدیم تاریخی عمارتوں کے نشان مٹتے جا رہے ہیں۔ حضرت مخدوم سماء الدین سہروردی کے والد ماجد کا نام شیخ فخر الدین ہے۔ جو سید صدر الدین محمد عرف راجو قتال کے مرید تھے۔ حضرت مولانا مخدوم شیخ اسحاق دہلوی آپ کے بڑے بھائی ہیں۔ آپ ۸۰۸ھ میں ملتان میں پیدا ہوئے آپ کا نام سماء الدین ہے آپ نے میر سید شریف

جرجانی کے مشہور شاگرد مولانا شناء الدینؒ سے علوم ظاہری، فقہ، حدیث اور تفسیر میں عبور حاصل کیا۔ آپ کا شمار صاحب کمال اور سرآمد فضلائے روزگار میں ہونے لگا۔ اگرچہ آپ کے والد ماجد آپ کے مرشد وپیر تھے، لیکن آپ نے خلافت حضرت شیخ کبیر الدین اسمٰعیل سے جو شیخ کبیر کہلاتے تھے، حاصل کیا آپ کا شجرہ طریقت حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ تک اس طرح پہنچتا ہے۔

"سماء الدین مرید اپنے والد حضرت شیخ فخر الدین و حضرت کبیر و مرید حضرت سید صدر الدین محمد عرف راجو قتالؒ و مرید حضرت سید احمد کبیرؒ و مرید حضرت شیخ رکن الدین ابو الفتحؒ و مرید حضرت شیخ صدر الدین عارفؒ و مرید حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ و مرید حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ۔ آپ ملتان سے سکونت ترک کر کے کچھ عرصہ اٹنبور اور بیانہ میں رہے۔ پھر سلطان بہلول لودھی کے زمانے میں دہلی رونق افروز ہوئے اور وہیں سکونت اختیار کی۔ سلطان بہلول لودھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس کو نصیحت فرمائی۔

"اے بادشاہ تو نے بڑھاپے میں سلطنت پائی ہے۔ خدا سے ڈر اور کذب و معصیت سے بچتا رہ۔ اس کا شکر بھیج۔ شکر نعمت کو بڑھاتا ہے۔ سلطان بہلول لودی کے انتقال کے بعد اس کا لڑکا نظام خاں جو سلطان سکندر لودی کے لقب سے مشہور ہے، اس کے بارے آپ نے فرمایا۔

"نظام! میں نے خدا سے چاہا کہ تو سکندر وقت ہو اور بہت بندگان خدا تجھ سے فائدہ اٹھائیں" چنانچہ نظام خاں سلطان سکندر لودھی کے لقب سے مشہور ہوا۔

آپ کے دو لڑکے تھے۔ ایک حضرت شیخ عبداللہ بیابانیؒ اور دوسرے حضرت نصیر الدین جو آپ کے قائم مقام اور جانشین تھے۔ آپ کے خاص مرید اور خلیفہ حضرت شیخ جمالی نے سفر بیت اللہ سے واپس آکر آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت شیخ بیابانی سے ملنے کا اشتیاق ظاہر کیا اور ان کو آپ کی خدمت میں لانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ یہ سن کر آپ بہت خوش ہوئے۔ حضرت شیخ جمالی کو سینے سے لگایا اور ان کو ملبوس خاص عطا فرمایا۔ اس کے ایک ہفتہ بعد ۱۷ جمادی الاولیٰ ۹۰۱ھ کو آپ کا وصال ہوا وفات سے چند سال قبل آپ نے قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو خواب میں دیکھا کہ آپ حوض شمسی کے کنارے کھڑے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ جگہ تمہاری ہے۔ چنانچہ آپ کا مزار پرانوار مہرولی میں (پرانی دہلی) حوض شمسی کے قریب مرجع خلائق ہے۔ آپ کا عرس ہر سال ہوتا ہے۔

آپ کے ممتاز خلفاء حسب ذیل ہیں: حضرت نصیر الدینؒ، مولانا شیخ جمالی، شیخ ادہن آپ کی سخاوت کا یہ حال تھا کہ ہزاروں روپے آتے تھے، لیکن آپ ان روپوں میں سے کچھ بھی نہ بچاتے تھے۔ سب رقم فقراء، غرباء، مساکین اور یتیموں پر خرچ کر دیتے تھے۔ اکثر قرض لے کر آپ دوسروں کی ضروریات پوری کرتے تھے۔

حضرت خواجہ باقی باللہؒ
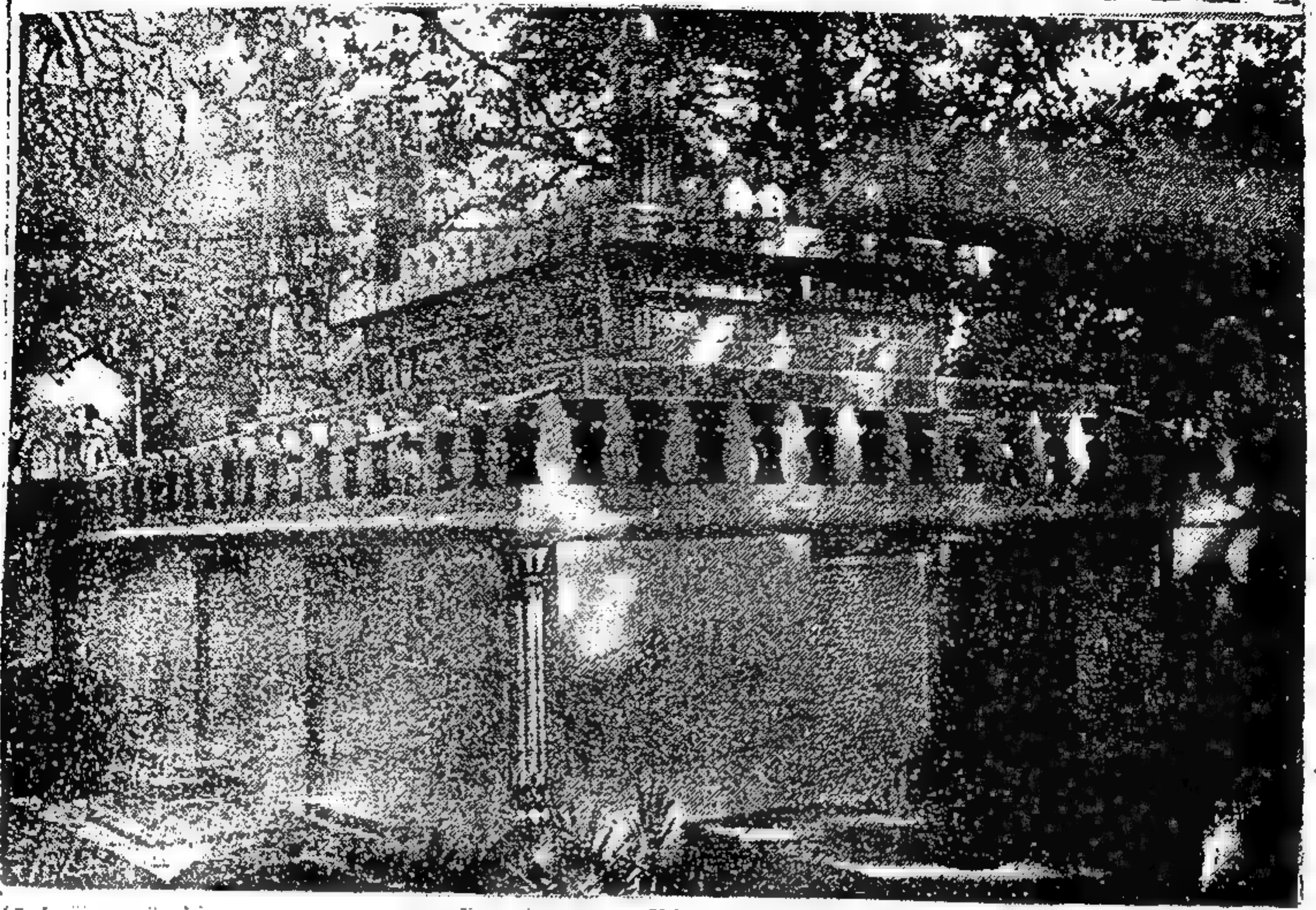
دہلی میں قطب روڈ بہت مشہور شاہراہ ہے یہاں کئی قدیمی تاریخی عمارتیں اور روحانی مقامات ہیں۔ اس سڑک پر قدم شریف کے قریب ہی حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی درگاہ مرجع خلائق ہے۔ درگارہ کی کمیٹی نے چاردیواری تعمیر کر کے قبرستان کو بچالیا ہے چاردیواری کے اندر لاتعداد مزاد ہیں جو تقریباً پختہ ہیں شاندار مسجد بھی تعمیر کی گئی ہے حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے مزار تک پہنچنے کیلئے مسجد سے گزرنا پڑتا ہے چاردیواری کے اندر حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے مزار کے علاوہ حافظ غلام رسول ویراں وفات ۱۸۸۷ء کی قبر ہے۔ ان کے علاوہ چند مشہور شخصیات سید وحید الدین بیخود دہلویؒ، داغ دہلوی کے مشہور شاگرد تھے مخمور دہلوی، حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے چھوٹے بیٹے خواجہ عبداللہ المعروف خواجہ خورد کا مزار بھی یہی ہے۔ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی وفات کے وقت آپ کمسن تھے آپ کی تعلیم و تربیت حضرت خواجہ باقی باللہ کے جانثار مرید خواجہ حسام الدینؒ وفات ۱۶۳۳ء نے کی جو شاہی منصب چھوڑ کر حضرت خواجہ باقی باللہ کے مرید ہو گئے تھے۔ خواجہ خورد اپنے وقت کے بہت بڑے عالم تھے۔ خواجہ باقی باللہ کے مزار پر انوار سے جانب مشرق "واقعات دارالحکومت دہلی" کے مصنف مولوی بشیر احمد، اور ڈپٹی نذیر احمد کی ابدی آرام گاہ ہے بانی ہمدرد دواخانہ حکیم حافظ کی قبر کے قریب باقی باللہؒ کے بڑے بیٹے خواجہ عبداللہ المعروف خواجہ کلاں کا مزار ہے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ کے والد کا نام

قاضی عبدالسلام ہے۔ حضرت قاضی صاحب نے کابل میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ان کا شمار اہلِ علم اور ارباب کمال میں ہوتا تھا۔ آپ تصوف اور فقہ اور حدیث میں اپنی نظیر آپ تھے۔ مذہبی تقدس کے ساتھ ساتھ حضرت قاضی صاحب دنیاوی اعزاز اور دولت کے بھی مالک تھے۔ آپ کابل میں پیدا ہوئے۔ آپ کی تاریخ ولادت میں اختلاف ہے۔ بعض نے آپ کی تاریخ پیدائش ۹۷۱ء اور بعض نے ۹۷۲ء لکھی ہے۔ آپ کا نام سید رضی الدین ہے۔ آپ خواجہ محمد باقی باللہ کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کے والد آپ کی تعلیم وتربیت سے غافل نہ تھے۔ جب آپ پانچ سال کے ہوئے، آپ کو ایک مکتب میں داخل کر دیا۔ مکتب میں قرآن مجید ختم کیا۔ ابتدائی علوم سے فارغ ہو کر آپ مولانا صادق حلوائی کی خدمت میں پہنچے۔ آپ نے تحصیلِ علومِ ظاہری کی بجائے علومِ باطنی کے حصول میں کوشش کرنا شروع کی۔ آپ ماوراء النہر میں درویشوں، فقیروں اور اہلِ دل کی تلاش میں گھوما کرتے تھے۔ اسی تلاش میں آپ بلخ، بدخشاں اور سمرقند تشریف لے گئے۔ لاہور بھی تشریف لائے۔ جن بزرگان کے رُوحانی فیوض وبرکات سے آپ مستفید و مستفیض ہوئے، ان میں حضرت خواجہ عبید، حضرت امیر عبداللہ بلخی، حضرت شیخ بابائی والی قابلِ ذکر ہیں۔ لاہور میں ایک مجذوب رہا کرتا تھا۔ آپ نے اس سے ملنے کی بہت کوشش کی، لیکن ناکام رہے۔ آخر کار ایک دن اُس مجذوب نے آپ کو اپنے پاس بلا کر بہت سی دُعائیں اور بہت سی باطنی نعمتیں دیں۔ لاہور سے ماوراء النہر تشریف لے گئے۔ آپ نے حضرت خواجہ امکنگی کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں: "اے فرزند! ہم تمہارے منتظر ہیں۔ جلد آؤ اور ہمارے انتظار کی تشویش کو دُور کرو۔"

آپ جلد ہی حضرت خواجہ امکنگی کی خدمتِ بابرکت میں پہنچے۔ آپ نے اُن سے بیعت کی۔ حضرت خواجہ امکنگی نے تین شبانہ روز اپنے پاس رکھا۔ یہ تین دن آپ نے خلوت میں گزارے۔ ان تین دن میں آپ اپنے پیرومرشد حضرت خواجہ امکنگی کے احوال اور مقامات سے بخوبی واقف ہوئے اور ان کے فیوض باطنی اور دیگر فوائد سے بہرہ مند ہوئے۔ آپ کے پیرومرشد نے آپ کو خلافت سے مشرف فرمایا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی سے بھی فیض یاب ہوئے ہیں۔

اپنے پیرومرشد کے حکم کے مطابق آپ ہندوستان تشریف لائے اور دوبارہ لاہور پہنچ کر ایک سال وہاں قیام فرمایا۔ لاہور سے سکونت ترک کر کے آپ دہلی میں رونق افروز ہوئے۔ دہلی میں آپ نے قلعہ فیروزی میں قیام فرمایا۔ آپ پانچوں وقت کی نماز مسجد فیروزی میں ادا کرتے تھے۔ آپ نے دو شادیاں کیں۔ آپ کے دو لڑکے ہوئے۔ حضرت خواجہ محمد عبیداللہ ایک بیوی سے ہیں اور حضرت خواجہ محمد عبداللہ دوسری بیوی سے۔ حضرت خواجہ محمد عبداللہ اپنے بڑے خواجہ محمد عبیداللہ سے چار سال چھوٹے ہیں۔ یہ دونوں بھائی دو سال کے بھی نہ ہوئے تھے کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اُٹھ

گیا۔آپ نے ۲۵ جمادی الآخر ۱۰۱۲ء میں رحلت فرمائی۔ وفات کے وقت آپ کی عمر چالیس کی تھی۔آپ کے خلفاء میں حضرت شیخ احمد سرہندی جو مجدد الف ثانی کے خطاب سے مشہور ہیں۔سب سے زیادہ عالم، کامل اور ممتاز تھے۔آپ نے حضرت شیخ احمد سرہندی کو تاکید فرمائی تھی کہ اُن کے دونوں لڑکوں کو کچھ دن اپنی صحبت میں رکھیں۔ان دونوں کو تعلیم و تلقین سے بہرہ مند کریں۔آپ کے دیگر ممتاز خلفاء حسب ذیل ہیں :

شیخ تاج الدین سنبھلی، خواجہ حسام الدین، شیخ الہداد، حضرت خواجہ باقی اللہ نقشبندیہ میں ایک نمایاں اور ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ سلسلہ نقشبندیہ کی ہندوستان میں مقبولیت کا راز حضرت خواجہ باقی باللہ کی پرکشش ذات والا صفات میں مضمر ہے۔آپ کی زندگی سراپا کرامت تھی۔وفات سے کچھ دن قبل آپ نے فرمایا کہ بعض خوابوں سے اپنا معلوم ہوتا ہے کہ نقش بندی سلسلے کا کوئی بڑا شخص عنقریب فوت ہونے والا ہے۔ایک روز آپ کے سائیس کا لڑکا آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ اس کے باپ کے پیٹ میں سخت درد ہے۔آپ نے فرمایا کہ اس نے گھوڑے کا حق لیا ہے۔گھوڑے کا حق گھوڑے کو واپس کردے گا، اچھا ہوجائے گا۔اس لڑکے نے اپنے باپ سے جاکر آپ کا فرمان سنایا۔سائیس نے کہا کہ واقعی گھوڑے کا حق غصب کیا تھا۔کچھ روغن اور دانہ گھوڑے کو دیا اور وہ اسی وقت اچھا ہوگیا۔

آپ کے پڑوس میں ایک شخص رہتا تھا۔اس پر ایک حاکم نے جبر و تشدد کیا اور اس کو گھر سے نکال دینے کی کوشش کی۔یہ خبر آپ تک پہنچی۔آپ نے اس ظالم حاکم سے فرمایا کہ محلے میں فقراء رہتے ہیں۔ ظلم کرنا جائز نہیں، وہ ظالم حاکم حکومت کے نشے میں اتنا چور تھا کہ آپ کے کہنے کی کچھ پرواہ نہ کی ۔ایک بار آپ نے اس کو نصیحت فرمائی اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔دو تین دن کے بعد وہ ظالم حاکم چوری کے الزام میں گرفتار ہوا اور معہ اپنے رشتہ داروں اور گھروالوں کے قتل ہوگیا۔آپ کے مزار شاندار انداز میں تعمیر کیا گیا ہے۔ مزار مبارک پر تختی پر یہ تحریر درج ہے۔اوصاف حمیدہ حضرت باقی باللہؒ آپ ہندوستان میں نقشبندیہ خاندان کے پیر مانے جاتے ہیں۔اگر آپ کی ذات برکات نہ ہوتی تو یہ طریقہ نقشبندیہ ملک ہندوستان میں جاری نہ ہوتا آپ کے ظاہری باطنی کمالات وزہدو تقویٰ اتباع آفتاب کی طرح روشن ہیں آپ کے معمولات شریف یہ تھے۔ کم بولنا، کم سونا، تھوڑا کھانا ہر روز بعد از نماز عشاء تا نماز تہجد سے ختم قرآن کریم فرماتے تھے اور بعد نماز تہجد سے فجر تک ایک سو بار سورۃ یٰسین شریف کی تلاوت فرماتے آپ حضرت مجدد الثانی سرہندی کے پیرو مرشد اور سلسلہ نقشبندیہ کے بانی ہند ہیں۔

درگاہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

مہرولی پرانی دہلی میں حوض شمسی کے گردونواح کئی اولیاؒ اکرام کے آستانے ہیں ان ہی آستانوں میں ایک درگاہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی ہے، حوض شمسی کے شمال کی جانب کافی تجاوزات ہو چکی ہیں، مغلیہ طرز کی پرانی عمارت کے مغرب کی سمت اور حوض شمسی کے شمال کی طرف آپ کا روضہ مبارک ہے راقم زیر تعمیر گلیوں سے گزرتا ہوا، آپ کے مزار پر پہنچا، آستانے کے اندر داخل ہونے کے لئے صرف جنوبی دروازہ ہے ساتھ ہی ضیاء الحق سوز حقی متولی سجادہ نشین درگاہ کی رہائش اور دفتر ہے مزار کے صحن میں لاتعداد قبریں ہیں، جنوب مغرب کی طرف عالی شان مسجد ہے آپ کا مزار شاندار انداز میں تعمیر کیا گیا ہے سبز گنبد دور سے ہی نظر آتا ہے، مزار کے اندر اور باہر صفائی دیکھنے کے قابل ہے، راقم نے کافی وقت آپ کے حضور گزارا

ولی اللہ تو دلوں کے بھید جانتے ہیں، حاضری قبول ہوئی آپ کے مزار کے قریب دیوار پر آپ کے مکمل حالات زندگی تحریر میں اس تحریر کے مطابق

ولادت: محرم الحرام ۹۵۸ھ عہد سلیم شاہ ------------ وفات: ۲۲ ربیع الاول ۱۰۸۲ھ عہد شاہجہان ۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی دہلی میں پیدا ہوئے ۔ یہ دور سلیم شاہ سوری کی حکومت کا تھا آپکی تعلیم و تربیت ظاہری وباطنی آپکے والد ماجد حضرت شیخ سیف الدین نے کی ۔ بچپن ہی سے آپ میں علم کی پیاس موجود تھی، بلوغت سے قبل

ہی آپ روحانیت کے متلاشی تھے، اس وقت ہندوستان میں دنیا پرستی کی لعنت نے عزم وراستی کی روح کو مردہ کر دیا تھا، مذہبی گمراہی کی سوتیں محلوں سے پھوٹ کر جھونپڑیوں میں بہہ رہی تھیں سنت وشریعت سے غفلت ، بے اعتمادی بڑھ رہی تھی، علماء کے دامن حرص وہوا سے آلودہ تھے، صوفیا، دنیا پرستی میں غرق تھے سرمایہ ملت منتشر ہو رہا تھا، قرآں وحدیث سے رابطہ ٹوٹ چکا تھا۔ اس وقت ایک ولی اللہ کی ضرورت تھی۔

حضرت شیخ عبدالحق محدثؒ سلیم شاہ سوری کے عہد میں پیدا ہوئے، اور شاہ جہان کے سن جلوس میں وصال فرمایا، اس مدت میں آٹھ فرمانرواں دہلی کے تخت نشین ہوئے: (۱) اسلام شاہ (۲) مبریز شاہ (۳) ابراھیم شاہ (۴) احمد خاں سکندر شاہ (۵) ہمایوں (۶) اکبر (۷) جہانگیر (۸) شاہ جہاں

عہد اکبری میں یہ خیال زبردست طریقے سے پھیلایا جا رہا تھا کہ اسلام کی مدت صرف ایک ہزار سال ہے اس مدت کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ احکام اسلام وشریعت اسلامی کی اتباع کی ضرورت بھی ختم ہو گئی، لیکن شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اکبر اور اس کے حواریوں کی فتنہ گری کا زبردست طریقہ سے مقابلہ کیا اور حدیث شریف کے نادر خزانوں کو عوام تک پہنچایا ہی نہیں بلکہ مکمل پابند بنانے کی پوری کوشش کی چنانچہ اس فتنہ پروری اور شاہی ریشہ دوانیوں سے تنگ آکر حضرت شیخ ہندوستان کو خیرباد کہہ کر حجاز تشریف لے گئے آپ نے مکہ معظمہ میں قیام فرمایا اور آپ کی ملاقات ایک بزرگ حضرت شیخ عبدالوہاب متقی سے ہوئی اور ان سے علم فقہ، حدیث وتصوف وحق العباد کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی، اسی اثناء میں آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذریعہ بشارت حکم دیا کہ آپ ہندوستان جائیں حضرت شیخ کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے چار مرتبہ زیارت بخشی، بذریعہ بشارت حضرت امام حسینؓ کو بھی دیکھا کہ آپ اعداء اسلام کے خلاف جنگ کر رہے ہیں، ان اشاروں پر آپ ہندوستان روانہ ہوئے ہندوستان کے مسلمانوں کو آپ کی ضرورت تھی اور آپ نے ان فتنوں کا مقابلہ کیا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وشریعت کے خلاف عوام کو گمراہ کر رہے تھے، حضرت شیخ کے پیر استاد شیخ عبدالوہاب متقی نے فرمایا کہ عبدالحق اب تم ہندوستان جاؤ وہاں تمہاری ضرورت ہے، اور بوقت رخصت آپ نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا پیراہن مبارک عطا فرمایا، دہلی پہنچنے کے بعد آپ نے حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے بیعت فرمائی، یہ بیعت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے روحانی اشارے پر ہوئی آپ نے دہلی میں درس حدیث اور مدارس سنت الجماعت قائم کر کے پورے ملک کو منور کیا، آپ نے سنت وشریعت کی جڑوں کو زبردست طریقہ سے مضبوط کیا برصغیر کے مسلمانوں کے بکھرتے ہوئے شیرازے کو درس حدیث کے ذریعہ منظم کر دیا، آپ نے "مدارج النبوۃ" کو فارسی میں ترتیب دے کر جو احسان برصغیر کے مسلمانوں پر کیا ہے، اسلامی تاریخ کا طالب علم اسے کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔

آپ کا یہ مقبرہ شہنشاہ شاہ جہاں کے فوجی سپہ سالار مہابت خاں نے تعمیر کروایا تھا، مہابت خاں آپکا بے حد

عقیدت مند اور معتقد تھا مہابت خان نے خدمت میں آکر عرض کیا حضرت مقبرہ تیار ہے، آپ نے فرمایا "ہم بھی تیار ہیں" آپ نے اسی درمیانی شب (۲۱، ۲۲، ربیع الاول) میں وصال فرمایا۔

آپ ایک عالم باعمل تھے، صاحب حال اور صاحب نسبت بزرگ تھے، عبادت و ریاضت میں بہت مشغول رہتے تھے، ہندوستان میں آپ محدث کہلائے، آپ کو علم حدیث پر کافی عبور تھا اور آپ کے علمی ذوق کا پتہ آپ کی تصانیف سے چلتا ہے کہ اپ کی تصانیف بہت ہیں، بعض نے آپ کی تصانیف کی تعداد سو سے زیادہ بتائی ہے۔

حضرت شیخ کلیم اللہؒ شاہ جہان آبادی

دہلی کے لال قلعہ کے سامنے کے جنوب کی جانب گنجان آبادی میں حضرت شیخ کلیم اللہ شاہ جہاں آبادی کا بورڈ نصب ہے۔ کشادہ گلی میں داخل ہوں تو آٹو رکشہ، سائیکل رکشہ، سپیئر پارٹس کی دوکانیں ہیں چند ہوٹل جو مسلمانوں کے ہیں ہوٹلوں پر کھانے والوں اور چائے پینے والوں کا کافی رش ہوتا ہے۔ اس احاطہ میں دن رات چہل پہل رہتی ہے۔ اسی احاطہ میں حضرت شیخ کلیم اللہ شاہ جہان آبادی کا مزار اقدس ہے مزار کے قریب جالیاں بھی سنگ مرمر سے بنائی گئی ہیں آپ کے مزار کے قریب آپ کی تعلیمات تحریر کی گئی ہیں۔

حضرت شاہ کلیم اللہ شاہجہان آبادی کے آباواجداد خجند (ترکستان) کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد کا نام شیخ نور اللہ ہے۔ آپ شاہجہاں کے زمانے میں ایک کامیاب اور قابل انجینیئر تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب پہلے خلیفہ امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جا ملتا ہے۔ آپ شاہجہاں آباد (دہلی) میں ۱۰۶۰ھ میں پیدا ہوئے آپ کا اسم گرامی شیخ کلیم اللہ رکھا گیا حضرت شیخ برہان الدین المعروف بہ شیخ بہلول بن کبیر محمد بن علی الصدیق برہان پوری سے نسبت حاصل ہے۔

آپ ایک مجذوب کے پاس گئے، ان مجذوب نے آپ کا خطرہ محسوس کیا اپنے قریب بٹھایا اور فرمایا:
"اگر اس قسم کی آگ چاہتے ہو تو یہ میرے پاس بہت ہے لیکن پانی حضرت شیخ یحییٰ مدنی کے پاس ہے۔ان کے پاس جاؤ۔"

آپ ۱۱۰۱ھ میں مکہ معظمہ پہنچے اور وہاں سے مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔آپ قافلہ کے ہمراہ تھے۔ایک نخلستان میں بیٹھے ہوئے تھے حضرت شیخ یحییٰ مدنیؒ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ شہر کے باہر قافلے کے ساتھ ایک شخص کلیم اللہ نام کا ہے اس کو بلا لاؤ آپ اس کے ساتھ چل کر حضرت شیخ یحییٰ مدنیؒ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔آپ کو بیعت سے مشرف فرمایا اور خرقہ خلافت آپ کو عطا فرمایا۔ کچھ عرصے تک آپ اپنے پیرومرشد کی خدمت میں حاضر رہے اور روحانیت کے اعلیٰ مقام طے کرتے رہے۔اپنے پیرومرشد کے حکم کے مطابق آپ ہندوستان واپس تشریف لائے آپ نے دہلی آکر جامع مسجد اور لال قلعہ کے درمیان رہنا پسند فرمایا دہلی میں آپ نے درس وتدریس اور رشد وہدایت میں ساری عمر صرف کی۔ہزاروں لوگ آپ سے فیض یاب ہوئے۔آپ نے بعمر ۸۱ سال، ۹ ماہ، ۲۴ ربیع الاول ۱۱۴۲ھ کو رحلت فرمائی۔آپ کا مزار پرانوار دہلی میں جامع مسجد اور لال قلعہ کے درمیان واقع ہے۔آپ کا عرس مبارک ہر سال بڑی شان وشوکت سے منعقد ہوتا ہے اور تین دن تک عرس کی محفلیں بڑے تزک واحتشام سے جاری رہتی ہیں۔

آپ کے خاص خاص خلفاء حسب ذیل ہیں: حضرت مولانا نظام الدین اورنگ آبادی، حضرت محمد ہاشمؒ، مولانا شاہ ضیاء الدین صاحب، مولانا شاہ جمال صاحب، خواجہ یوسف، آپ کے خطوط تصوف اور معرفت کا خزانہ ہیں۔یہ خط مکتوبات کلیمی کے نام سے شائع ہوگئے ہیں۔

آپ سے بہت سی کرامتیں ظاہر ہوئیں۔

جب آپ مدینہ منورہ حاضر ہوئے ایک جگہ جو شہر سے کچھ دور تھی، قیام فرمایا۔یکایک آپ باہر تشریف لائے اور لوگوں سے بھی جو وہاں موجود تھے باہر آنے کو فرمایا۔آپ کے باہر تشریف لاتے ہی چھت گر گئی۔سب کی جان بچ گئی۔

آپ کے ایک مرید کے امرود کے باغ کے دو پیڑ خشک ہوگئے۔اس نے آپ سے عرض کیا آپ نے اپنے وضو کا پانی اس کو دیا اور فرمایا کہ وہ پانی سوکھے ہوئے درختوں کی جڑ میں ڈالنا۔اس نے ایسا ہی کیا۔سوکھے ہوئے پیڑ ہر سبز وشاداب ہوگئے۔

ایک سال دہلی میں بارش نہ ہوئی۔چند علماء آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر طالب دعا ہوئے۔آپ نے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی کہ "اے رب اپنے بندوں پر رحم فرما" یہ دعا ختم ہوتے ہی خوب بارش شروع ہوئی۔

دہلی میں بیٹھ کر شمالی ہندوستان میں چشتیہ سلسلے کی بڑے کامیاب طریقہ سے اشاعت کی انہوں نے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں اپنے خلفاء بھیجے حضرت نور محمد مہاوریؒ چشتیاں ضلع بہاولپور انہیں خلفاء میں سے ہیں۔جنہوں نے پنجاب میں سلسلہ چشتیہ کو فروغ دیا۔

حضرت مولانا محمد فخرالدین فخرجہاںؒ
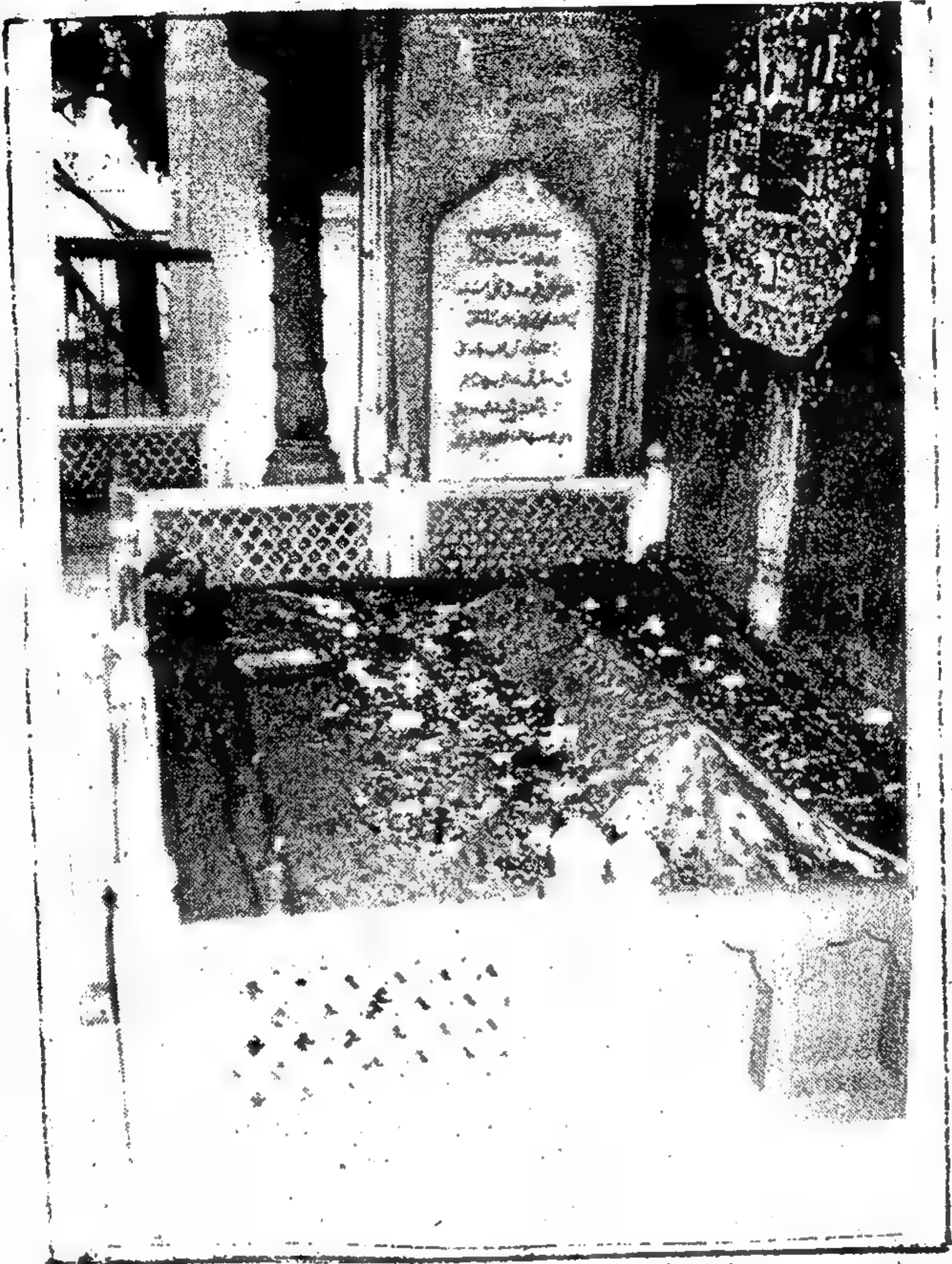
پرانی دہلی مہرولی میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے حضور حاضری کے لئے داخل ہوں تو مشرق کی جانب حضرت مولانا محمد فخرالدین فخرجہاںؒ کا مزار ہے، جو سنگ مرمر سے تعمیر کیا گیا ہے، قریب ہی جامع مسجد ہے اور مسجد کے گردونواح کئی قبریں ہیں یہ مسجد شاندار انداز میں تعمیر کی گئی ہے سلاطین دہلی نے مسجد کی تعمیر پر خصوصی توجہ دی تھی۔ خوبصورتی میں اپنی مثال نہیں رکھتی، حضرت مولانا محمد فخرالدین فخرجہاںؒ 1126 ھ میں اورنگ آباد میں پیدا ہوئے آپ کے والد نے آپ کی پیدائش کی خبر اپنے پیرومرشد حضرت شیخ کلیم اللہ شاہ آبادیؒ کو دی حضرت شیخ کلیم اللہ شاہ جہاں آبادیؒ بہت خوش ہوئے اور اپنا جلوس خاص آپ کے واسطے بھیجا آپ نے آپ کا نام مولانا محمد فخر الدین رکھا فرمایا یہ میرا فرزند ہے

"یہ فرزند شہر شاہجہان آباد کو اپنے نورہدایت سے منور و روشن کرے گا"

آپ کا لقب محب النبی ہے۔

آپ کی عمر سات سال کی تھی کہ ایک روز آپ اپنے والد ماجد کے پاؤں دبا رہے تھے، آپ پر غنودگی طاری ہوئی، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بن کے پانچ دانے مرحمت فرمائے، جب آپ ہوشیار ہوئے، وہ بن کے پانچ دانے آپ نے اپنے ہاتھ میں دیکھے، آپ کے بزرگوار بھی جاگ گئے، آپ کا ہاتھ پکڑ کر انہوں نے فرمایا، ان دانوں میں ہمارا حصہ بھی ہے، آپ نے اور آپ کے والد ماجد نے وہ دانے تناول فرمائے۔

آپ 1160 ھ میں دہلی میں رونق افروز ہوئے،

دہلی تشریف لانے کے چھ ماہ بعد آپ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر کے مزار اقدس کی زیارت کے واسطے پاک پٹن حاضر ہوئے، پانی پت میں چار راتیں قیام فرمایا، حضرت بو علی قلندر کے فیوض و برکات سے مالا مال ہوئے، آپ بہت بڑے ولی اللہ اور درویش ہو گزرے ہیں آپ نے برصغیر میں رشد وہدایت فیض کا سلسلہ جاری رکھا ہزاروں سیاہ دلوں کو منور کیا۔ آپ کے مشاہیر خلفاء حسب ذیل ہیں:

حضرت خواجہ نور محمد مہاروی چشتیاں ضلع بہاولپور، حضرت مولانا میر ضیاء الدینؒ، حضرت مولوی خدا بخشؒ، نواب غازی الدین خاں المتخلص بہ نظام، شاہ فتح اللہؒ، مولوی محمد غوثؒ، شاہ روح اللہؒ، شاہ قمر الدینؒ اور حضرت محمد غوثؒ۔ حضرت مولانا محمد فخر الدین فخر جہاں عبادت، ریاضت، مجاہدہ اور مراقبہ میں زیادہ وقت گزارتے تھے۔ سخاوت کا یہ حال تھا کہ جو روپیہ اور چیزیں نذر میں آتی تھیں، سب کو تقسیم فرمادیتے تھے، آپ کے خلیفہ اعظم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی وفات 1790 ء سے حضرت خواجہ شاہ سلیمان تونسہ شریف وصال 1850 ء نے خرقہ خلافت حاصل کیا، ان سے حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ فیض یاب ہوئے انکے خلفاء میں سے حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑہ شریف حضرت پیر غلام حیدر شاہ جلالپور شریف نے بڑا نام پیدا کیا پنجاب میں گذشتہ صدی میں سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی اشاعت حضرت مولانا فخر الدین کے ذریعے ہوئی آپ کا 27 جمادی الثانی 1199 ھ کو رات کے آخری حصہ میں وصال ہوا حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار کے قریب آپ کا مزار ہے، آپ کی بہت زیادہ کرامات ہیں۔

حضرت سید ابوالقاسم عرف ہرے بھرے شاہؒ
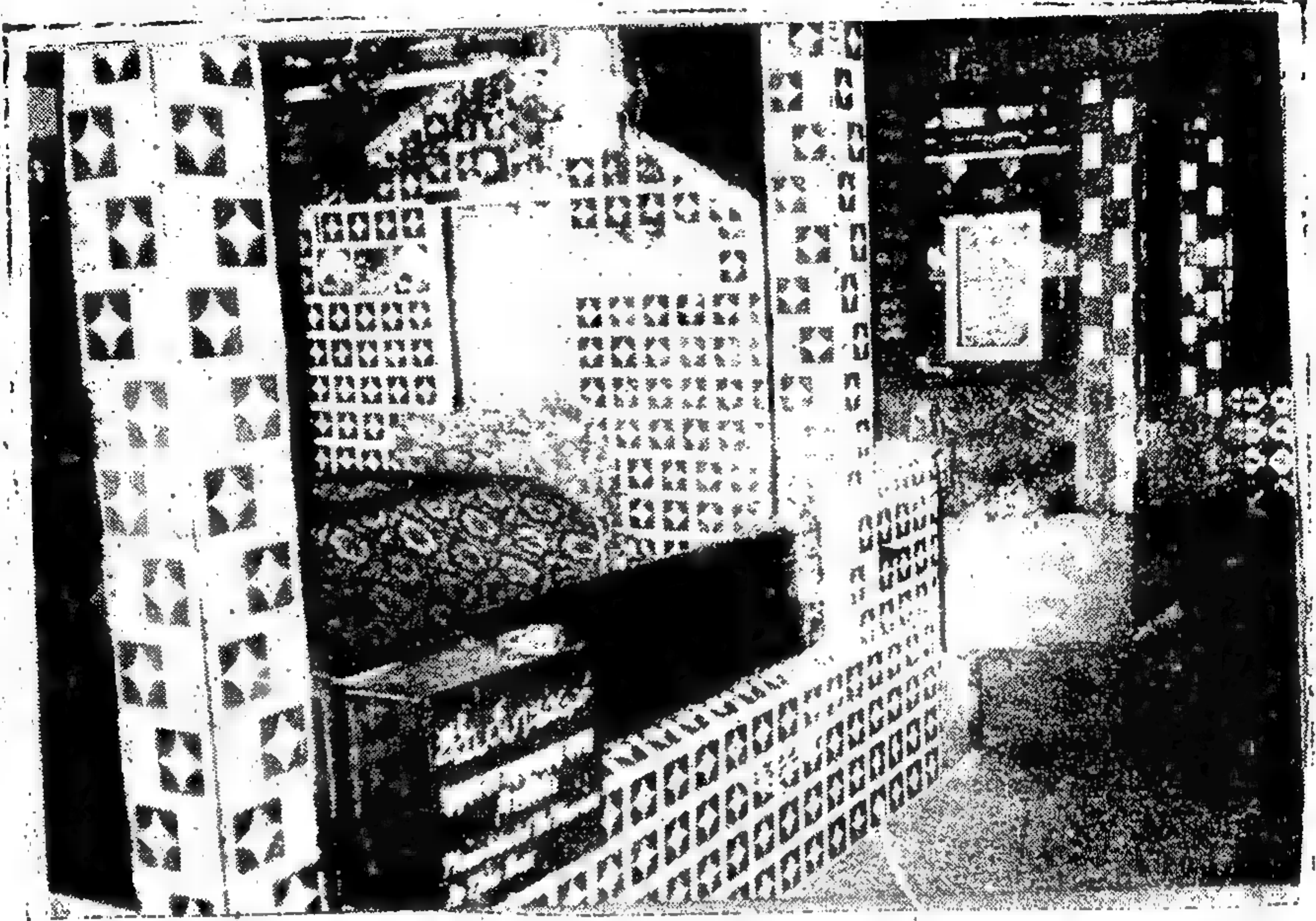
سمجھوتہ ایکسپریس شام کو اٹاری سے روانہ ہوئی دوسرے دن ۲ بجے دہلی کے اسٹیشن پر پہنچی۔ دہلی کا ریلوے سٹیشن قابل دید ہے۔ ہندوستان میں سائیکل رکشہ سب سے سستی سواری ہے۔ میں نے سائیکل رکشہ والے کو جامع مسجد دہلی کے لیے کہا چند لمحوں کے بعد یہ رکشا جامع مسجد کے قریب حضرت سید ابوالقاسمؒ اور حضرت سرمد شہیدؒ کے مزار کے قریب آکر رک گیا۔ سائیکل رکشہ والے نے مجھے مسجد کے مشرقی دروازے کی بجائے مغربی دروازے کے قریب اتار دیا۔ شاید میری ان دواولیا. کرام کے حضور دہلی میں پہلی حاضری منظور تھی۔ بیرونی دیوار پر سبز اور سرخ رنگ نظر آیا۔ یعنی حضرت ابوالقاسمؒ کے مزار کا رنگ سبز ہے جبکہ حضرت سرمد شہیدؒ کے مزار کا رنگ سرخ ہے۔ مزار کے باہر مرقد منور حضرت خواجہ ابوالقاسم ہرے بھرے شاہ اور مرقد اقدس حضرت صوفی سرمد شہیدؒ تحریر ہے چونکہ دونوں اولیائے کرام کا مزار ایک جگہ ہے اسلیے تذکرہ بھی اکٹھا ہی تحریر کیا جارہا ہے۔

تذکرہ حضرت سرمد شہید از پیر سید احمد سرمدی نے سید ابوالقاسم عرف ہرے بھرے شاہؒ کے حالات یوں بیان کیے ہیں۔ معتبر روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ جس زمانے میں شاہجہانؒ نے دہلی میں تعمیرات کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا تو ایک مسجد کی تعمیر کا بھی خیال کیا۔ لیکن یہ طے نہ ہوا کہ مسجد کا نقشہ کیا ہو۔ ایک شب شاہجہان نے خواب میں ایک خوشنما مسجد دیکھی جو رب العزت کی جانب سے ایک امدادی اشارہ تھا لیکن صبح خواب سے بیدار ہوتے ہی اس

مسجد کا نقشہ ذہن سے محو ہو گیا۔ بادشاہ کو بڑا افسوس تھا۔ پریشانی اور تردد کے عالم میں آپ نے فوراً ایک ہنگامی مجلس مشاورت بلوائی اور رات والے خواب کا تذکرہ کیا۔ کافی دیر تک اس مسئلہ پر غور و فکر ہوا اور پھر بھی کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ آخر کار سعد اللہ خان دیوان نے بحکم شہنشاہ یہ اعلان کر دیا کہ جو شخص بادشاہ کے خواب کے مطابق مسجد کا نقشہ تیار کر کے پیش کرے گا اسے خلعت زر و جواہر سے سرفراز کیا جائیگا۔ اس اعلان کے ہوتے ہی تاریخ مقررہ پر لاتعداد نقشے پیش ہوئے لیکن ناپسند رہے۔ سب سے آخر میں فاضل خاں خانساماں نے جو حضرت خواجہ سید ابو القاسم سبزواریؒ کے مقبول و محبوب مرید تھے، ایک نقشہ پیش کیا۔ نقشہ معیار پر پورا اتر گیا۔ بادشاہ نے اقرار کے مطابق فاضل خاں کو انعام و کرام سے سرفراز کر دیئے جانے کا حکم دیا۔ لیکن فاضل خاں نے نہایت عاجزی کے ساتھ عرض کیا غلام تو عالی جاہ کا دیرینہ نمک خوار ہے۔ اس حق نمک کی ادائیگی کے تجسس میں اس ناچیز نے اپنے شیخ سے جو کاملین اولیاء میں سے ہیں یہ درخواست کی تھی جس پر انہوں نے پہلے تو تبسم فرمایا پھر کمال محبت کے بعد مجھے اپنا کمبل اوڑھا کر حکم دیا کہ لو اس مسجد کا نقشہ یہ ہے بنا لو۔ باوجود اس کے میں فن نقشہ نویسی سے قطعی ناواقف ہوں میں نے مکمل اور مشابہ اصل یہ نقل تیار کر لی جو حضور کی خدمت میں حاضر ہے۔ میرے شیخ کی یہ معمولی سی کرامت ہے اس لیے نہایت ادب کے ساتھ عرض ہے کہ تمام کمال اعزاز و اکرام کا مستحق یہ ناچیز نہیں بلکہ میرے شیخ حضرت خواجہ سید ابو القاسم عرف ہرے بھرے سبزواریؒ ہیں۔ شاہ جہاں نے حضرت خواجہ کا نام نامی تو سن رکھا تھا لیکن ان کی صلاحیتوں سے آج ہی واقف ہوئے۔ فوراً حکم دیا گیا کہ خواجہ بزرگ کی بارگاہ میں حاضری کے لیے تیاری کی جائے۔ مابدولت بہ نفس نفیس حاضری دے کر سعادت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ فوراً انتظامات مکمل کر دیئے گئے۔ شہنشاہ فاضل خان کے ہمراہ خدمت میں حاضر ہوئے خواجہ صاحب نے بھی بڑی گرم جوشی کے ساتھ شہنشاہ کا استقبال کیا اور نذر قبول فرما کر اپنے طور پر فاضل خاں کو عطا فرما دی شہنشاہ کے لیے دعا بھی فرمائی۔

شاہجہان نے بھی فاضل خاں سے اس قدر خوش ہوئے کہ ان کو سعد اللہ کی ہمراہی میں ہی تعمیر مسجد کا اہتمام سونپ دیا۔ حضرت خواجہؒ کی شہرت اول تو پہلے ہی دہلی و اطراف میں دور دراز تک پھیلی ہوئی تھی اس واقع کے بعد لوگوں میں آپ اور زیادہ مشہور ہو گئے۔ طالبان حق جوق در جوق آپ کے پاس حاضر ہو کر مستفیض ہونے لگے۔

آپ کا آستانہ عالیہ اسی کوہ جبلہ کے دامن میں واقع تھا، جہاں آج یہ مسجد شاہجہانی تعمیر ہوئی ہے۔ جہاں آپ کا

آستانہ عالیہ تھا۔ آج بھی آپ اسی جگہ آرام فرما ہیں۔ آپ سبزوار سے عہد شاہجہانی میں تشریف لائے تھے۔ یہاں پر تشریف لا کر نظامی چشتیہ سلسلہ سے بھی دستار فضیلت حاصل کی۔ ویسے آپ چاروں سلسلہ سے وابستہ ہیں۔ آپ سب سے زیادہ کم گو بزرگ تھے۔ آپ ہمیشہ روزہ رکھتے اور رات بھر عبادت میں مصروف رہتے۔ ایک مخصوص وقت پر رفاہ عامہ کے لیے آپ حجرہ شریف سے باہر تشریف لاتے۔ آپ نے اپنے دربار سے کبھی کسی کو نہیں جھڑکا۔ محبت پیار سے

بزرگوں کو بھی سینہ سے لگا کر اصلاح فرمائی۔

مسجد شاہجہانی کی تکمیل سے ایک سال پیشتر وفات پائی اور آستانہ عالیہ ہی میں مدفون ہوئے۔آپ کے خلفاء میں صرف دو بزرگوں کے اسماء گرامی مذکور ہیں۔اول سید شاہ عرف پینگا شاہ مدنی ہیں جو حضرت کے ساتھ ہی سبزوار سے تشریف لائے تھے۔اور ہر وقت آپ کی خدمت میں رہتے تھے۔آپ کے وصال سے چند روز ہی بعد وصال فرمایا اور یہیں مدفون ہیں۔

حضرت سید ابو القاسم سبزواری کا عرس ان کی تاریخ وصال کے عین مطابق ۱۹ شوال المکرم کو ہوتا ہے۔اور پروگرام دو دن تک چلتا رہتا ہے۔لاکھوں عقیدت منداس محفل عرس میں شریک ہو کر روحانی فیض پاتے ہیں۔آپ کا وصال ۱۹ شوال المکرم ۱۰۶۵ء میں ہوا۔جامع مسجد دہلی کے قریب آپکا مزار ہے۔

حضرت سرمد شہید

جیسا کہ پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ دہلی میں داخل ہوتے ہی راقم کی پہلی حاضری آپ کے روضہ مبارک پر ہوئی۔ تذکرہ حضرت سرمد شہید از پیر سید محمد احمد سرحدی میں حضرت سرمد شہید کے حالات زندگی تحریر کیے ہیں آپ ملک ایران کا شہر ارمینا آپ کا وطن تھا۔عربی فارسی کی تعلیم ملا صدر الدین شیرازی و ابو القاسم فندرسکی سے حاصل کی اور اسلام قبول کر لیا تجارت آپ کا ذریعہ معاش تھا۔تجارت کا مال ہندوستان لاتے ہندوستان میں اس وقت مغلوں کی حکومت تھی۔ حضرت سرمد شہید قبول اسلام کے بعد ہندوستان میں ۱۰۳۴ھ کو تشریف لائے ایک مشاعرہ میں سرمد شہید کو محبت کا درد ملا عشق الہی میں ڈوب گئے کہ لباس سے بے نیاز ہو گئے ترک سکونت فرما کر لاہور آگئے یہاں پر مسلسل گیارہ سال تک رہے علم وعرفان کی بارش کر کے ۱۰۴۴ھ میں حیدر آباد دکن تشریف لے گئے۔حیدر آباد دکن کے بعد آگرہ کچھ عرصہ قیام کیا اور مستقل طور پر دہلی آگئے دہلی آکر آپ نے حضرت خواجہ ابو لقاسم سبزواری کی خدمت میں حاضری دی اور ان سے فیض حاصل کیا شاہ جہاں بادشاہ کا بیٹا دارہ شکوہ آپ کا بہت زیادہ ارادتمند تھا اور اکثر و بیشتر آپ کی خدمت میں حاضری دیتا رہتا۔اورنگزیب کے بیٹوں کے درمیان تخت نشینی کی جنگ میں اورنگزیب کامیاب ہوا اسے دارا شکوہ کے کتب خانہ سے سرمد شہید کے خطوط ملے سازشی درباری مولوی جو پہلے ہی سرمد شہید کے خلاف تھے اور نگزیب کے سرمد شہید کی مجذوبانہ حالت کے بارے میں کان بھرتے رہتے تھے۔چونکہ سرمد شہید کا چرچا دور دراز تک ہونے لگا آپ کی شہرت جھونپڑی سے نکل کر شاہی محل تک پہنچ چکی تھی شہزادی زیب النساء نے بھی آپ سے ملاقات کی۔

آپ کلمہ پڑھتے تو "لا الہ" پڑھتے اس سے آگے پڑھنے سے رک جاتے کہ اس سے آگے کیوں نہیں پڑھتے تو فرماتے ہیں کہ میں ابھی نفی کی منزل میں گم ہوں۔جب خدا کا دیدار کر لوں گا تب اثبات کے لیے پورا کلمہ طیبہ پڑھ لیتا ہوں

ایک روایت میں یہ بھی مشہور ہے کہ چند یاران طریقت نے اصرار کر کے آپ کو مسجد میں لے جا کر نماز پڑھنے پر مجبور کر دیا۔ آپ کو صرف ایک کمبل اڑھا دیا گیا تھا۔ آپ جماعت میں شامل ہو گئے لیکن دوسری ہی رکعت میں جماعت سے نکل کو باہر بیٹھ گئے لوگوں نے دریافت کیا کہ حضرت یہ کیا؟

آپ نے یہ رباعی ارشاد فرمائی ۔ جسکا ترجمہ یوں ہے "جب دل میں رجوع الی اللہ نہ ہو حضور قلب حاصل نہ ہو سکے تو عبادت نہیں عبادت کا مذاق بنانا ہے ۔ اس وقت امام صاحب کا دل اپنی جگہ اس فکر میں مبتلا تھا کہ کہیں سے کچھ رقم دستیاب ہو جائے تو اپنی جواں بیٹیوں کی شادی کر دوں لیجئے ان سے کہیئے یہاں پر دفینہ موجود ہے اسے کام میں لائیں ۔ وہاں پر مٹی کھدوا کر دیکھا گیا تو واقعی کثیر خزانہ ملا

آپ صحیح معنوں میں فنافی اللہ تھے ۔ دنیا اور دنیا کی تمام چیزیں آپ کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی حکومت وقت نے آپ کی مجذوبی حالت کی پیش نظر آپ کو واجب القتل قرار دے دیا گیا۔ اور عمومی طور پر یہ اعلان ہو گیا کہ جو شخص بھی شعائر اسلام کے خلاف روش اختیار کرے گا گردن زدنی ٹھہرایا جائے گا ۔ یہ واقعہ ۱۰۷۰ھ میں پیش آیا۔

چنانچہ تمام شہر میں احتیاطی طور پر انتظام فوج کے سپرد کر دیا گیا۔ آپ کے قتل کے لیے ایک چبوترہ اس جگہ پر جہاں آپ کا مزار اقدس ہے تعمیر کیا گیا۔ عوام کا بے پناہ ہجوم آپ کی آخری زیارت کے لیے موجود تھا ۔ دور تک انسانی سروں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نظر آتا تھا۔ جس وقت جلاد اپنی تلوار چمکاتا ہوا آپ کے پاس آیا تو اس نے آپ کے منہ پر کپڑا ڈالنے کی کوشش کی لیکن آپ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا جلاد سے اپنا کام کرنے کے لیے کہا۔

خلیفہ ابراہیم بدخشانی راوی ہیں کہ سرمدؒ نے زندگی بھر کبھی پورا کلمہ نہیں پڑھا لیکن شہادت پا جانے کے بعد معلوم ہوا کہ سر بریدہ سے تین بار لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی صدا باآواز بلند سنی گئی۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب آپ کا سر مبارک جب تن سے علیحدہ کیا گیا تو آپ ایسے جلال میں آئے کہ آپ نے اسے دوڑ کر اٹھا لیا اور ہتھیلی پر رکھے ہوئے جامع مسجد کی سیڑھیوں پر چڑھتے چلے گئے ۔ دفعتاً آپ کے پیر و مرشد پیر ہرے ہجرے شاہ کی آواز فضا میں گونج گئی ۔ پوچھا سرمد! کہاں جاتے ہو؟ عرض کیا دربار نبوت میں فریاد لے کر جا رہا ہوں ۔ آپ نے فرمایا کہ کیا کرتے ہو، تم اپنی منزل مراد کو پا چکے ہو ضبط سے کام لو زندگی بھر تو تم نے لب نہ ہلائے آج یہ انتقامی جوش و جلال کیسا ہے؟

حضرت سرمد کا عرس مبارک آپ کی تاریخ وصال کے مطابق ۱۸ ربیع الاخر کو ہوتا ہے ۔ عقیدت مند دور دراز سے عرس میں حاضر ہوتے ہیں ۔ حمد و ثنا۔ اور سماع کی محفلیں منعقد ہوتی ہیں ۔

قطب روڈ پر حضرت سید سیف اللہ گلشنؒ کا مزار
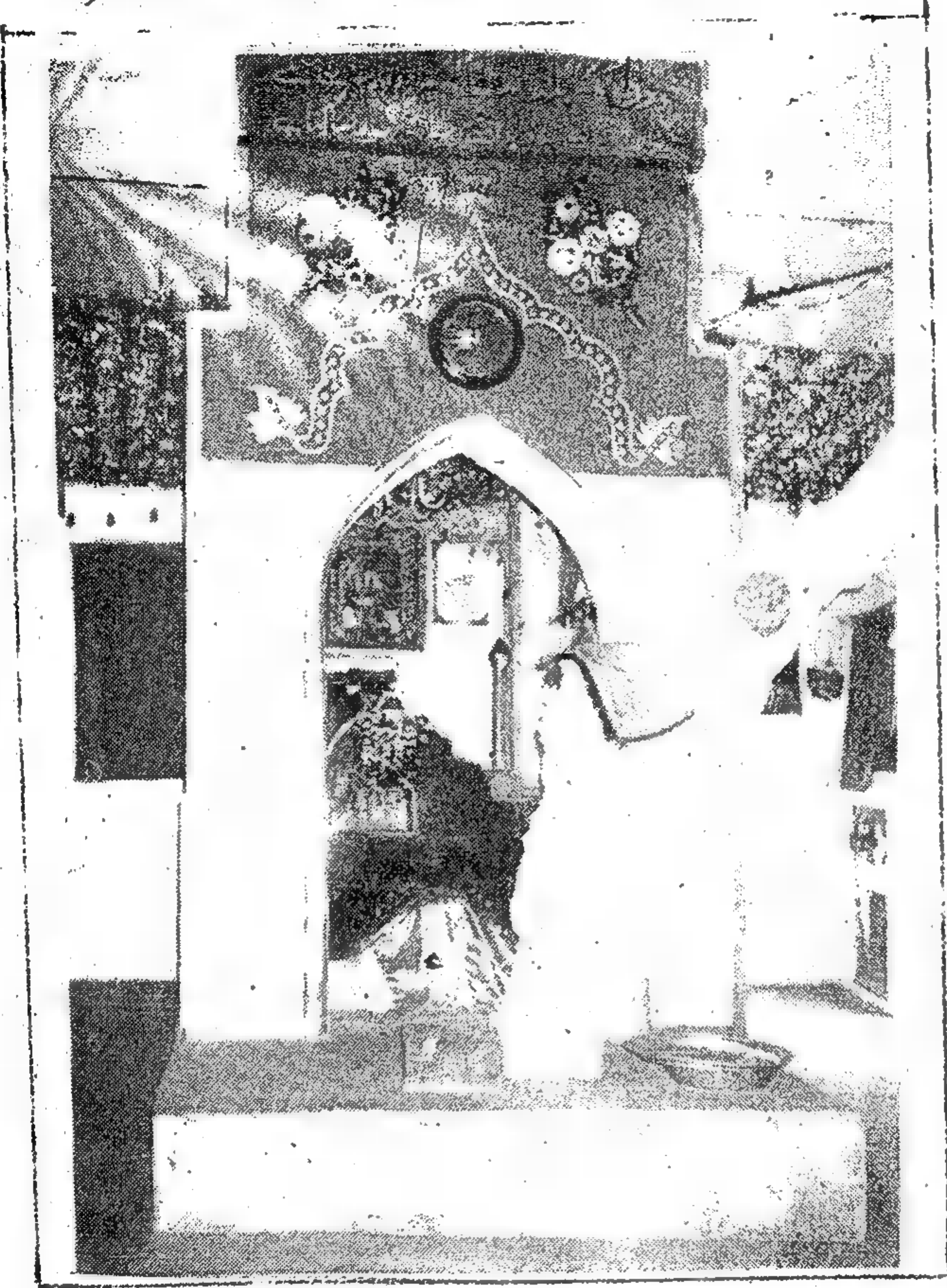
نئی دہلی کے ریلوے اسٹیشن سے ایک سڑک شمال کی طرف جاتی ہے۔ یہ شاہرہ قطب روڈ کے نام سے مشہور ہے اس سڑک کے قریب قدم مبارک ایک روحانی مقام ہے جہاں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش پاء یعنی قدم مبارک کا عکس ہے اس روڈ پر حضرت سید سیف اللہ گلشن کا روضہ مبارک ہے مزار کے دامن میں ایک درخت ہے جو چھت سے ہوتا ہوا کھلی فضا میں پھیلا ہوا ہے مزار کے ملحقہ چھوٹی سی مسجد بھی ہے مزار کے اندر معرفت اور روحانیت سے متعلقہ شعر تحریر ہیں حضرت سید سیف اللہ گلشن رشد ہدایت کے سلسلہ میں یہاں آئے بعد از وفات آپ کا مزار یہیں پر تعمیر ہوا۔

مزار حضرت شیخ عبدالعزیز بسطامیؒ

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار کے احاطہ میں داخل ہوں تو شمال مغرب کی سمت حضرت شیخ عبدالعزیز بسطامیؒ کا مزار ہے جو شاندار انداز میں تعمیر کیا گیا ہے ۔ مزار کے چاروں طرف سنگ مرمر کی جالیاں نصب ہیں مزار پر ایک تختی پر یہ عبارت تحریر ہے۔ مزار حضرت شیخ عبدالعزیز بسطامیؒ آپ قطب صاحب کے خلیفہ ہیں مزار کی جگہ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے آپ سے خریدی تھی۔ مزار حضرت شیخ عبدالعزیز بسطامیؒ کے مغرب کی جانب ایک محراب میں کاشی کاری خوشنما مختلف رنگوں کے بیل بوٹے بنائے گئے ہیں۔

اولیاء کلیر شریف

عرس مبارک حضرت علاؤالدین احمد صابرؒ کلیر شریف کا آنکھوں دیکھا حال

وزارت مذہبی امور شعبہ زیارت حکومت پاکستان کی طرف سے اطلاع یابی کے بعد کہ راقم کا نام پاکستانی زائرین کی جماعت میں جو حضرت خواجہ علاؤالدین علی احمد صابرؒ بمقام کلیر شریف بھارت حاضری دے گی اس قافلہ میں شامل کر لیا گیا عرس کے لیے قیام ۱۵ جولائی تا ۲۲ جولائی ۱۹۹۷ء تک ہو گا ۱۵ جولائی کو [illegible] بجے داتا دربار کی عظیم الشان مسجد میں زائرین کی دستار بندی کی گئی مختصر ہدایات کے بعد زائرین کا قافلہ بسوں کے ذریعے واہگہ بارڈر کی طرف روانہ ہوا۔ زائرین کے اس قافلہ میں گجرات سے راقم کے علاوہ پنجاب بار کونسل کے رکن خواجہ محمد احسن ایڈووکیٹ یعسوب الحسن ہاشمی ایڈووکیٹ میاں محمد سعید پگانوالہ، مبارک احمد بٹ اور ملک محمد اسلم شامل تھے۔ ہم تین وکلاء میاں سعید پگانوالہ کی پجارو گاڑی میں واہگہ بارڈر کی طرف روانہ ہوئے تقریباً ۱۱ بجے زائرین کا قافلہ واہگہ چیک پوسٹ پر پہنچا امیگریشن اور کسٹم چیکنگ کے بعد زائرین کے قافلہ نے بارڈر پار کیا بھارت کی سرحد کے قریب ایمیگریشن اور کسٹم کے عملہ کی کاروائی مکمل ہوتے ہی دربار صاحب امرتسر کے سکھوں نے زائرین کے اعزاز میں چائے اور دوپہر کے کھانے کا اہتمام کر رکھا تھا۔ سکھ سیوادار (خدمت گزار) کھانے پینے کی چیزیں زائرین کو پیش کرتے پنجابی زبان میں خیریت پوچھتے۔ زائرین کے ساتھ خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آتے چائے سے فراغت کے بعد امرتسر کیلئے بسیں تیار کھڑی تھیں یہ بسیں ہندوستان میں تیار ہوتی ہیں ٹاٹا کارخانے نے تیار کی ہیں صنعتی دنیا میں ٹاٹا کا نام دنیا بھر میں مشہور ہے صوبہ پنجاب کی یہ بسیں سکھ ڈرائیور اور کنڈیکٹر کے سپرد تھیں۔ پانچ بسوں کا یہ قافلہ امرتسر ریلوے سٹیشن کی طرف رواں دواں تھا۔ جس سفر میں خواجہ محمد احسن ایڈووکیٹ، میاں محمد سعید پگانوالہ ہوں اس سفر کا نظارہ کچھ اور ہی ہوتا ہے میاں محمد سعید پگانوالہ سفر کیلئے کھانا گھر سے تیار کر کے لائے تھے یہ کھانا اتنا برکت والا تھا کہ دو روز تک تین زائرین پیٹ بھر کر کھاتے رہے۔ میاں سعید پگانوالہ کے ہلکے پھلکے مذاق نے سفر میں چاشنی پیدا کر رکھی تھی۔ مبارک بٹ کے لوٹے کو سارے سفر میں مرکزی حثیت حاصل رہی۔ زائرین کا یہ قافلہ امرتسر میں داخل ہوا تو شام ہو چکی تھی۔ واہگہ بارڈر سے بھارتی پنجاب پولیس جو سکھ جوانوں پر مشتمل تھی زائرین کی حفاظت پر مامور تھی تمام راستہ وہ زائرین کی حفاظت کرتے رہے زائرین کی تین بوگیوں میں کسی اور مسافر کو داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ رات نو بجے ٹرین روڑکی کیلئے روانہ ہوئی۔ بھارت میں ریلوے کا نظام بہت اعلیٰ ہے دوہری لائن بچھی ہوئی ہے۔ ریلوے کی بوگیوں میں پانی روشنی پنکھوں کا بہترین انتظام ہے وقفہ وقفہ کیلئے ٹرینیں مختلف

شہروں کیلئے روانہ ہوتی ہیں ۔ امرتسر کے بعد جالندھر، لدھانہ ، انبالہ سہارن پور روڑکی کے شہر آتے ہیں روڑکی کینٹ زائرین کا قافلہ صبح سویرے پہنچا اسٹیشن کے باہر پانچ بسیں تیار کھڑی تھیں ۔ زائرین کی حفاظت کیلئے پولیس کافی تعداد میں موجود تھی ۔ زائرین کی گنتی کے بعد بسوں کا یہ قافلہ گنگا نہر کے کنارے بنائی ہوئی سڑک کے ذریعے کلیر شریف کے کئے روانہ ہوا روڑکی سے کلیر شریف سات کلو میٹر کے فاصلہ پر ہے ۔ جبکہ ضلع ہردوار کلیر شریف سے بتیس کلو میٹر کے فاصلے پر ہے ۔ ہردوار کے قریب دریائے گنگا کے کنارے ہندوؤں کی مقدس عبادت گاہ ہے ۔یہاں میلہ منعقد ہوتا ہے اس میلہ میں کروڑوں ہندو شامل ہوتے ہیں ۔ دریا کے قریب تقریباً تین چار سو مند رہنے ہوئے ہیں بیشتر مندر پتھر تراش کر بنائے گئے ہیں اس مقام پر کئی میلے منعقد ہوتے ہیں ۔ یہ میلے سو سال بعد پچیس سال پانچ سال اور تقریباً ہر سال منعقد ہوتے ہیں جن میں ہندو ملک بھر سے سرخ رنگ کا لباس پہن کر پیدل اس میلہ میں شامل ہوتے ہیں ان کے قیام اور خوردونوش کا اہتمام ہندوستان کے بڑے صنعتی ادارہ کے مالکان کرتے ہیں دہلی سے ہردوار کے لیے ۸۵ کروڑ روپے کی لاگت سے دوہری سڑک تعمیر کی جا رہی ہے ۔ ہردوارے کے قریب ہی گنگا نہر نکالی گئی ہے ۔ جو کلیر شریف سے ہوتی ہوئی روڑکی کی طرف جاتی ہے کلیر شریف میں زائرین کے قافلہ کا قیام ایک دینی مدرسہ میں کیا گیا ۔ قیام کیلئے چھوٹے چھوٹے کمروں اور ایک مسجد میں اہتمام کیا گیا ۔ اگرچہ گنگا نہر کلیر شریف کے قریب سے گزرتی ہے لیکن کلیر شریف میں عرس کے دوران پانی کی قلت رہتی ہے ۔ عرس کی تقریبات میں تقریباً بیس لاکھ زائرین حاضری دیتے ہیں ۔ حضرت خواجہ علاؤالدین علی احمد صابرؒ کے آستانہ کی تقریباً چار ہزار کنال زمین ہے ۔ زائرین کے آرام کیلئے کمرے اور شیڈ بھی بنائے گئے ہیں جو بالکل ناکافی ہیں درگاہ کی منتظم یوپی سنی سنٹرل وقف بورڈ لکھنؤ ہے عرس کے موقع پر ۸۰ روپے سے لے کر ایک سو بیس روپے مربع فٹ کے حساب سے زمین دوکانداروں کو کرایہ پر دی جاتی ہے ۔ نذرانے بھی لاکھوں کے حساب سے آتے ہیں ۔ لیکن عرس کے موقع پر زائرین کی شب بسری کیلئے انتظامات ناکافی ہیں ۔ بیت الخلا پانی کا انتظام نہ ہونے کے برابر ہے ۔ ہندوستان میں اجمیر شریف کے بعد کلیر شریف کا میلہ دوسرے نمبر پر منعقد ہوتا ہے ۔ پورے بھارت سے مسلمان ہندو سکھ پوری عقیدت و احترام سے یہاں حاضری دیتے ہیں ۔ بالخصوص یہاں اپنے سارے کنبہ کیساتھ حاضری دیتے ہیں ۔ انہیں صابر پیا ، کے ساتھ والہانہ عقیدت ہے ۔ برصغیر کے تمام صابری آستانوں کے منتظم عرس پر لنگر کا انتظام کرتے ہیں ۔ قوال عقیدت کا نذرانہ پیش کرتے ہیں ۔ عرس کے موقعہ پر مسلمان ڈاکٹر حکماء زائرین میں مفت دوائیاں تقسیم کرتے ہیں علاج معالج کا کوئی پیسہ نہیں لیا جاتا ۔ عرس کے موقع پر حاضرین کی کیفیت دیکھنے کے قابل ہوتی ہے ۔ کسی قسم کی ہلڑ بازی لاقانونیت دیکھنے میں نہیں آتی ۔ صابر پیا، کے عشق میں مبتلا قافلے آتے ہیں اور مرادوں کی جھولیاں بھر کر واپس چلے جاتے ہیں ۔ عرس کی تقریبات آٹھ روز جاری رہتی ہیں ۔ میلہ میں ہر ضروریات زندگی کی اشیاء فروخت ہوتی ہیں جو کافی

ستی ہوتی ہیں ۔ ہر خیمہ سے لنگر مفت تقسیم ہوتا ہے ۔ اس سال زائرین کے قافلہ کے لیڈر میاں لطیف سجاد نشین درگاہ حضرت داتا گنج بخش لاہور تھے ۔ چار ڈپٹی لیڈر تھے شوکت فاروقی ناظم نواز ملک حفیظ امین صاحبزادہ اصغر علی شاہ اکوڑہ خٹک مقرر کئے گئے ۔ عرس کی تقریبات میں حکومت ہند کے مرکزی وزراء بنیاد حسین انصاری ۔ سی ایم ابراہیم اہم شخصیات نے حاضری دی ۔

محکمہ مذہبی امور کی جانب سے طاہر جاوید قاضی رابطہ آفیسر تھے ۔ دہلی میں پاکستانی سفارت خانہ کی طرف سے خالد انجم ریاض احمد پروٹوکول آفیسر تھے ۔ لیڈر ڈپٹی لیڈرز ، وزارت مذہبی امور کے رابطہ افیسر اور پروٹوکول افسرز نے زائرین کے آرام کا پورا خیال رکھا زائرین سے مسلسل رابطہ قائم رکھا تا کہ انہیں کوئی پریشانی نہ ہو کلیر شریف میں پہنچتے ہی اخراجات کیلئے زائرین کی جمع شدہ رقم لوٹا دی ۔ صبح دوپہر شام زائرین کیلئے درگاہ حضرت صابرؒ سے لنگر آتا ۔ اس کے علاوہ زائرین نے دیسی گھی کا حلوہ ، نان پلاؤ زردہ غرباء اور زائرین میں تقسیم کیا زندہ دلان لاہور اس نیک کام میں پیش پیش رہے ۔ جنہوں نے غریبوں میں لنگر تقسیم کر کے پاکستان کا نام روشن کیا ۔ زائرین کی اس جماعت میں آستانہ عالیہ صابری شریف پیر شمیم صاحب کے ہمراہ آٹھ رکنی وفد بھی شامل تھا ۔ یہ ارادتمند کلیر شریف میں ننگے پاؤں حاضر ہوئے ۔ جتنا عرصہ کلیر شریف رہے پاؤں میں جوتے نہیں پہنے ۔ ان کے علاوہ درباری لیہ اکوڑہ خٹک پیر سید اصغر علی شاہ بخاری ملتان کے حافظ غلام نصیر صابری منڈی بہاؤالدین محمد اشرف بھی شامل تھے ۔ عرس کی تقریبات میں لاکھوں مہمان زائرین شامل تھے کئی کلومیٹر رقبہ میں انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نظر آتا ۔ عرس کی تقریبات کا آغاز سترہ جولائی کو تلاوت قرآن پاک سے ہوا اٹھارہ جولائی کو نعتیہ شاعرہ اور ختم شریف قوال جس میں بھارت کے نامور شعراء اور قوال حصہ لیتے ہیں ۔ ۱۹ جولائی ختم شریف دستار بندی اور قوالی کی محفل بیس جولائی مزار مبارک کو غسل دیا جاتا ہے ۔ اس موقع پر حاضرین عرق گلاب سے مزار کو غسل دیتے ہیں زائرین کے ہاتھوں میں عرق گلاب کی بوتلیں ہی بوتلیں نظر آتی ہیں اکیس جولائی کو پاکستانی زائرین مزار پر چادر پوشی کرتے ہیں ۔ یہ منظر انتہائی رقت انگیز ہوتا ہے ۔ ارادتمند آگے بڑھ کر ان چادروں کو چومتے ہیں چادر چڑھانے کی تقریب میں تمام پاکستانی زائرین شامل ہوتے ہیں یہ چادر اعلیٰ قسم کی ہوتی ہے ۔ عرس کے آخری روز پاکستانی زائرین کی دستار بندی کی جاتی ہے ۔ قافلہ کے لیڈر میاں محمد لطیف ہر پاکستانی کے گلے میں سرکار کلیر شریف کے روضہ کی چادر سے دستار بندی کرتے ہیں اور تبرک پیش کیا جاتا ہے ۔ زائرین کی خدمت میں مستانہ ، رشید ، ایوب ارشاد خدمت میں پیش پیش رہے ہیں ۔ بالخصوص بوڑھا رشید ماشکی پانی کی مشک لیے سر پر کھڑا رہتا ہے ۔ پیران کلیر شریف میں حضرت صابر پیاؒ کے علاوہ حضرت سید امام الدین ابو محمد صالحؒ کا آستانہ مبارک بھی ہے ۔ جو کافی بلندی پر ہے ۔ خوبصورت اور شاندار انداز میں تعمیر کیا گیا ہے ۔ قریب

زائرین کے لیڈر میاں محمد لطیف راقم ایم زمان کھوکھر کی دستار بندی کر رہے ہیں

درگاہ کلیر شریف کے خدمت گار ماشکی جو عرس کے دوران زائرین کو مفت پانی مہیا
کرتے ہیں۔ زمان کھوکھر کے ساتھ گروپ فوٹو

درگاہ حضرت سید مردان علی شاہ کلیر شریف

کسی تباہ شدہ بستی کے آثار ملتے ہیں یہاں حضرت ککلی صاحب کا مزار بھی ہے۔ نہر کے کنارے حضرت سید مردان علی شاہ المعروف پیر غائب علی شاہؒ حضرت شاہ علیم اللہ عبدالؒ کا مزار ہے ان کے ملحقہ عاشق صابر حضرت سید عبدالقادر ابن سید فقیر محمد شاہؒ کا مزار ہے ان کا وصال ۱۹۷۸ء میں ہوا مزار پر گنبد ہے۔ کلیر شریف سے چند کلو میٹر کے فاصلے پر ایک تباہ شدہ بستی کے قریب سید بابا نوگزہ کا مزار ہے حضرت سراج الدین درویش کا مزار ہے
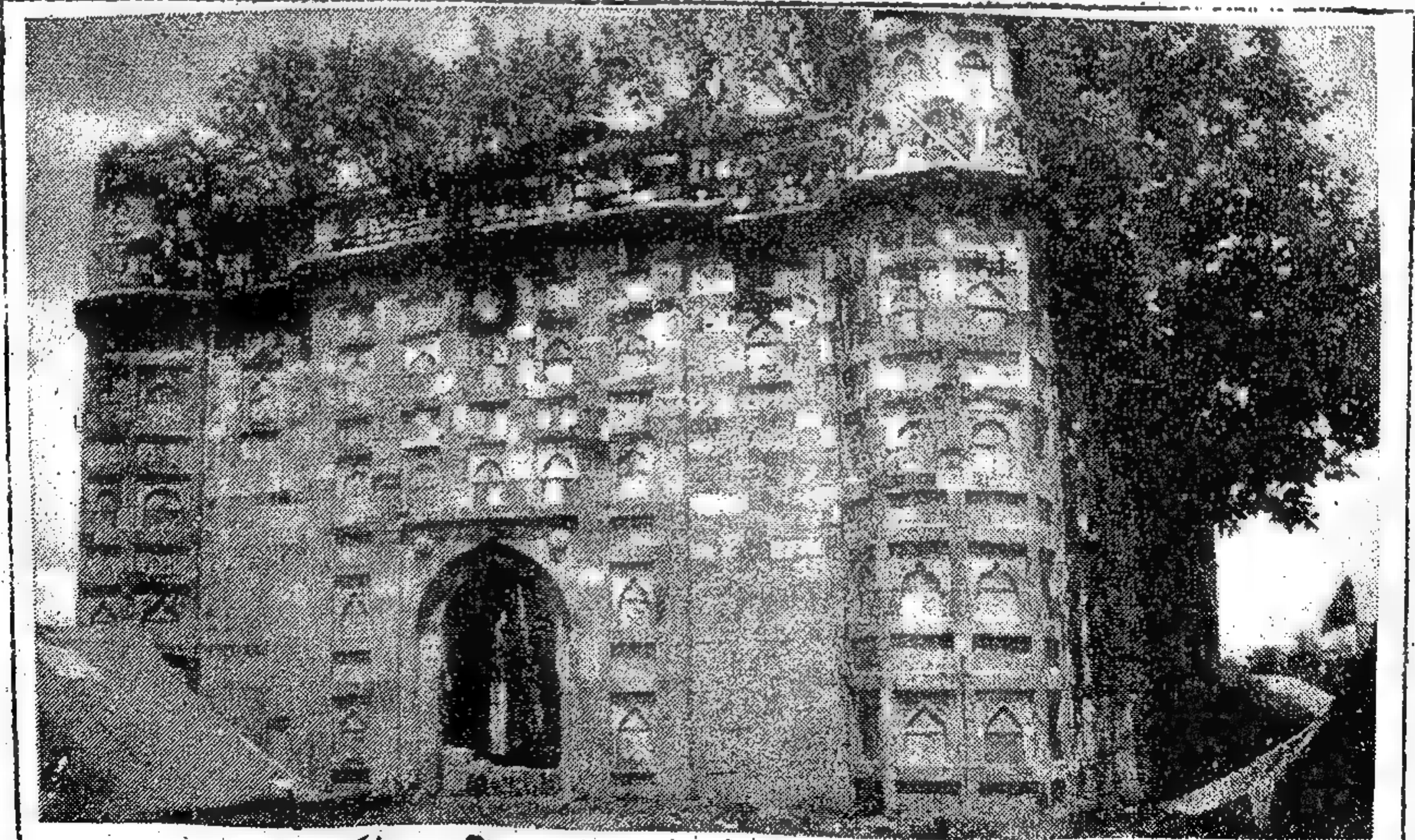
درگاہ صابرؒ سرکار کے قریب ایک تاریخی عمارت جس کے ہر پتھر میں اللہ کندہ ہے

جو رحمت پورہ کے قریب ہے۔ کلیر شریف کے شمال کی جانب ایک تراشے ہوئے پتھروں سے ایک گنبد نما کمرہ میں دو قبریں ہیں۔ تراشے ہوئے پتھروں پر یا اللہ لکھا ہوا ہے۔ کلیر شریف باغ صابری کافی رقبہ میں پھیلا ہوا ہے یہ آموں کا باغ ہے یہاں اعلیٰ قسم کے میٹھے آم پائے جاتے ہیں درگاہ کے چاروں جانب دروازے اور سڑکیں ہیں ہر دروازہ کی دیوار پر شجرہ نسب اور تعلیمات درج ہیں چاروں دروازے شاندار انداز میں تعمیر کئے گئے ہیں۔ مزار کے مغرب کی جانب بہت عالی شان مسجد ہے۔ مسجد کو کشادہ کیا جا رہا ہے حضرت خواجہ سید علاؤالدین صابر کا مزار سنگ مرمر سے تعمیر کیا گیا ہے تین دروازوں میں سر کی جانب دروازہ بند ہے برآمدہ میں زائرین کے بیٹھنے کی جگہ صحن میں کافی کشادہ ہے ہزاروں زائرین آرام کر سکتے ہیں مزار کے چاروں طرف زائرین کی شب بسری کیلئے سینکڑوں کمرے تعمیر کیے گئے ہیں کلیر شریف میں عرس کے دوران مکھی مچھر کا نام نشان نہیں دیکھا ہر روز صبح سویرے زور دار بارش ہوتی اور بارش کا پانی تمام غلاظت کو بہا لے جاتا۔ آٹھ روز عرس کی تقریبات کے اختتام کے بعد زائرین کا یہ قافلہ آہوں سسکیوں کے ساتھ پاکستان کیلئے روانہ ہوا۔ دعا کے ساتھ یا اللہ مسلمانوں میں اتحاد پیدا ہو، اخوت کا جذبہ پیدا ہو۔

ہندوستان کے شہر کلیر شریف میں نوگز لمبا مزار

کلیر شریف کی سرزمین بہت زرخیز اور شاداب ہے۔ یہاں ہر قسم کے اجناس پیدا ہوتے ہیں۔ آم، جامن اور دیگر پھل دار درختوں کے باغ ہیں کلیر شریف میں گھوم پھر کر دیکھا جائے تو تباہ شدہ بستیوں کے آثار دیکھنے میں آتے ہیں۔ پیپل اور بوڑ کے قدیمی اور بڑے بڑے درخت نظر آتے ہیں۔ جولائی 1997ء کلیر شریف عرس کے موقع پر راقم کے ہمراہ خواجہ محمد احسن ایڈووکیٹ ممبر پنجاب بار کونسل۔ سید یعسوب الحسن ہاشمی اور میاں محمد سعید پگانوالہ بھی تھے میں نے انہیں بتایا کہ کلیر شریف میں نوگز لمبا مزار ہے اور صاحب مزار حاضری کے لئے بلا رہے ہیں۔ لیکن کسی کو میری بات پر یقین نہ آیا۔ میں نے انہیں وثوق سے کہا کلیر شریف میں نوگز لمبا مزار ضرور ہے۔ ہندوستان میں سائیکل رکشہ بہت زیادہ ہے میلہ کے دنوں گردنواح سائیکل رکشہ والے میلہ میں آ جاتے ہیں اچھی خاصی کمائی کر لیتے ہیں۔

گنگا نہر کے پل کے پار سائیکل رکشہ والے قطاروں میں کھڑے سواری کا انتظار کرتے ہیں۔ راقم نے ایک رکشہ والے سے کہا نوگز لمبی قبر پر جانا ہے۔ اس نے جواب دیا بیریر کے پاس نوگز لمبی قبر ہے رڑکی سے کلیر شریف تقریباً سات کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے نہر کے دونوں طرف سڑک بنائی گئی ہے یہی سڑک ہندوؤں کے مقدس مقام پر دوار کے لئے جاتی ہے۔

ہمارے قافلہ دو سائیکل رکشاؤں میں سوار ہوا جولائی کے دنوں میں جامن اور آم کا پھل عام

کلیر شریف میں نو گز لمبا مزار

ہوتا ہے راستہ میں چھوٹے چھوٹے بچے جامن فروخت کر رہے تھے۔

پاکستان کی نسبت ہندوستان میں آم، جامن، کیلا، سیب، سنگترہ دوسرے پھل بہت سستے ہیں
صرف ایک سنگترہ کی خوشبو پوری بس یا ٹرین کے ڈبہ کو معطر کر دیتی ہے۔ ہم نے جامن دو اڑھائی
روپے کلو کے حساب سے خریدے اور اعلیٰ قسم کا آم سات روپے فی کلو کے حساب سے خریدا پاکستان
آم مصالحہ سے تیار کیے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اڑھتی اور آم کے تاجر کچے آم خرید لیتے
دوسرے شہروں میں لے جا کر محفوظ کر لیتے ہیں۔ حسب ضرورت رات کو آم کی پیٹی میں مصالحہ کا
میں باندھ کر پیٹی کے نیچے رکھ دیتے ہیں مصالحہ کی تپش گرمی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ صبح تک آم پک
تیار ہو جاتا ہے اسی طرح آلو بخارہ اور دوسرے کچے پل تیار کیے جاتے یہ مصالحہ گیس ویلڈنگ
استعمال ہوتا ہے اور انسانی صحت کے لئے بہت مضر ہوتا ہے اگر اسے پانی میں ڈالا جائے تو پانی فوراً کھو
شروع ہو جاتا ہے۔ ہمارا قافلہ گنگا نہر کے کنارے رواں دواں تھا۔ سائیکل رکشہ والے نے بتایا وہ

۔ ایک ٹبہ ہے وہاں نو گز لمبی قبر ہے۔ یہاں ہر طرف ہریالی ہی ہریالی ہے۔

ہم نے نو گز لمبے مزار پر حاضری دی مزار کی چار دیواری چھت بھی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے گنگا کنارے اللہ کے نیک بندوں کے مزار ہیں۔ پروفیسر محمد اسلم اپنی کتاب سفر نامہ ہند کے صفحہ نمبر پر تحریر کرتے ہیں رڑکی سے کلیر شریف تک نہر کے کنارے کنارے سڑک ہے اسی نہر کے میں حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ جن کا وصال 1884ء میں ہوا فرماتے ہیں کہ نہر کے اس میں انوار نبوت دکھائی دیتے ہیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس نہر کا پانی کسی نبی کی قبر کے پاس سے کر آتا ہے برصغیر پاک ہند میں بیشتر نو گز لمبے مزار انبیاء کرام ان کے خلفاء غازیوں اور شہداء کے جس دور میں یہ بزرگ ہستیاں گزری ہیں اس دور میں گنبد مینار کا رواج نہیں تھا۔ ان کے تقدس کے پیش نظر ان کی قبریں لمبی بنائی جاتی تھیں تاکہ ان کی انفرادیت اور تقدس بحال رہے اسلامی ں میں ہے جب حضرت آدمؑ جنت سے نکالے گئے تو انہیں ہندوستان کے قریب سری لنکا کے شہر ندیپ میں اتارا گیا ہندوستان کے شہر اجودھیا فیض آباد میں حضرت شیثؑ حضرت انوشؑ بن شیثؑ کے ر ہیں ان مزارات کی نشاندہی حافظ شمس الدین گلیانہ ضلع گجرات نے کی ان کے مطابق دونوں مزار رت شیثؑ اور حضرت انوشؑ کے ہیں جو نور نبی کے نام سے مشہور ہیں۔ اسی طرح سر ہند نزد براس حضرت ہندؒ کا نوگز لمبا مزار ہے سہارن پور اور مشرقی پنجاب کے دوسرے اضلاع میں بھی نو گز لمبے ر ہیں۔ جہاں مخلوق خدا حاضری دیتی رہتی ہے ان مزارات کا تقدس کبھی بھی مجروح نہیں ہوا کلیر یف کے نو گز لمبے مزار کے مشرق کی جانب کسی تباہ شدہ کے آثار پائے جاتے ہیں۔ یہ شہر کافی بلند پر آباد تھا۔ کسی قدرتی آفات یا کسی جنگ جدل میں تباہ و برباد ہو گیا۔ یہ شہر کافی رقبہ میں ہے۔ مٹی کے برتن اور ٹھیکریاں قدیمی دور کی اینٹیں اور بنیادوں کے آثار ملتے ہیں۔ اس تباہ شدہ بستی کے شمال ں جانب مسلمانوں کا چھوٹا سا قصبہ ہے۔ تباہ شدہ اس قلعہ نما شہر کے اوپر کھڑے ہو کر دیکھا جائے تو یہ کھنڈرات دور دور تک دکھائی دیتے ہیں کلیر شریف کی دھرتی سرسبز اور شاداب ہونے کے علاوہ یہاں، انی کی فراوانی ہے۔ ماضی میں یہاں بڑے بڑے شہر آباد تھے نافرمان قوموں پر خدا کا عذاب ان کے اعمال کی وجہ سے نازل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا۔ باہر نکلو دیکھو نافرمان قومیں صفحہ ہستی سے مٹا دی گئیں۔ عبرت کے نشان باقی ہیں۔

حضرت علاؤالدین احمد صابرؒ کلیر شریف
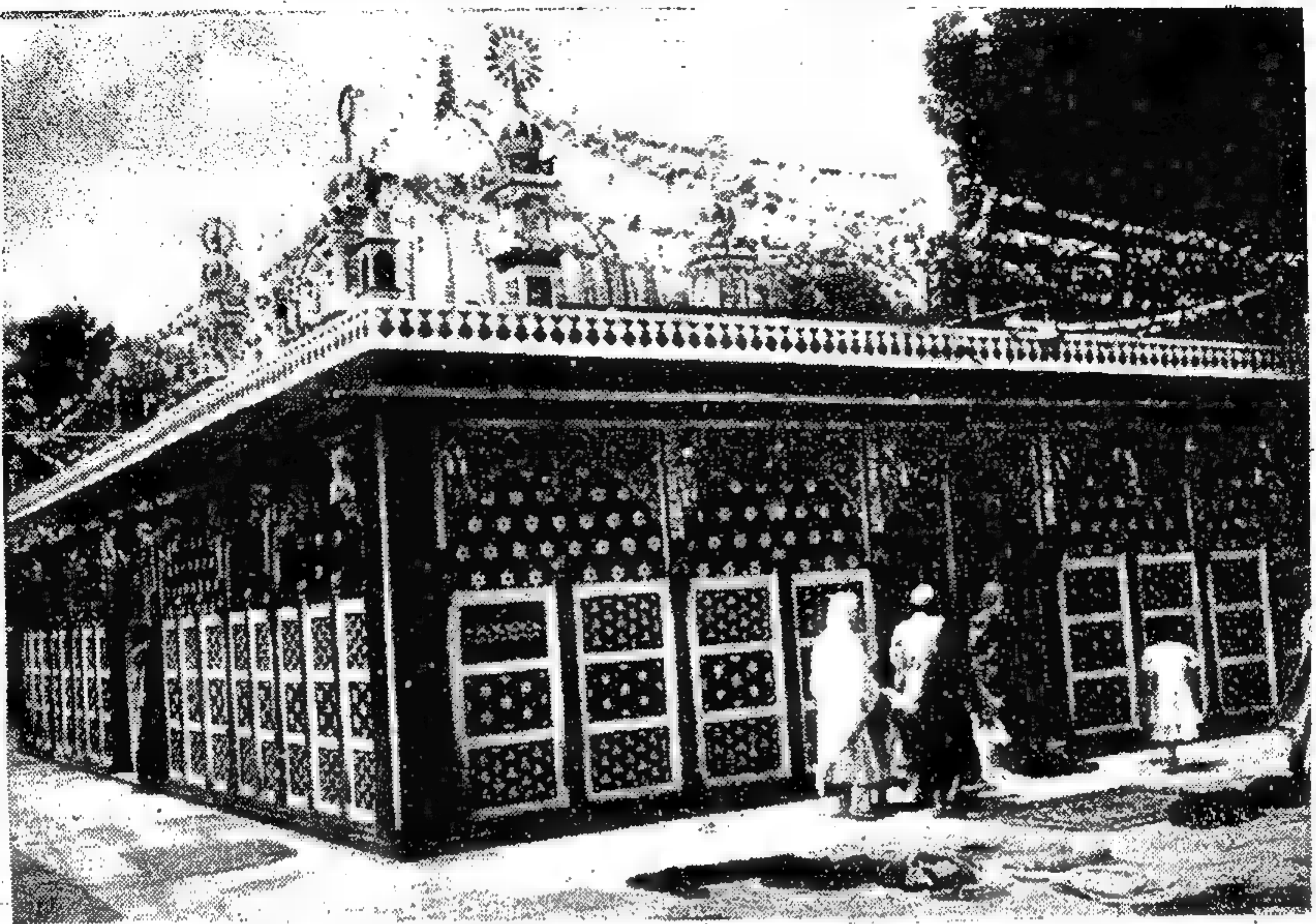
تاریخ گواہ ہے ہند کی تہذیب کو اکابرین اور صوفیائے کرام نے جلا بخشی ہے۔یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام ہر مذہب اور مکتبہ فکر مین عقیدت واحترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔صوفیائے کرام کے مزارات سے عقیدت و وابستگی کا جذبہ ہندوستاں کی اکثریت میں بلاتفریق مذہب وملت یکساں پایا جاتا ہے۔چنانچہ یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ بزرگان دین اور صوفیائے کرام کے مزارات اور ان کی درگاہ میں وحدت انسانی کا حسین مرکز ہیں۔ ہندوستان میں حضرت علاؤالدین احمد صابر قدس سرہ کی درسگاہ سلوک وتصوف کے ساتھ ساتھ وحدت انسانی کا ایک مینارہ نور ہے حضرت صابر کا نام ہندوستان کے صف اول کے صوفیاء میں آتا ہے۔

حضرت صابر ۱۹ ربیع الاول ۵۹۲ھ بمطابق ۱۱۰۵ء بروز جمعرات قصبے برات میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد محترم کا نام عبدالرحیم عبدالسلام اور والدہ کا نام ہاجرہ عرف جمیلہ خاتون تھا۔ حضرت بابا فرید گنج شکر کی بڑی ہمشیرہ تھیں۔ صابر صاحب کی والدہ نے ایک بشارت کے مطابق آپ کا نام علی احمد اور والد نے ایک بزرگ کی نصیحت پر علاؤالدین رکھا اس طرح دونوں کا مرکب علاؤالدین علی احمد آپ کا نام پڑا۔

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنی والدہ سے حاصل کی۔گھر میں ہی قرآن پاک مکمل کیا۔اور عربی فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔اس کے بعد اعلیٰ تعلیم وتربیت کے سلسلہ مین آپ کی والدہ نے حضرت شیخ گرگانی سے مشورہ کیا۔مشورہ کے بعد

یہ طے پایا کہ آپ کو حضرت بابا فریدالدین گنج شکر کے پاس اجودھن (پاک پٹن شریف) بھیج دیا جائے تا کہ شیخ کامل کی صحبت میں ظاہری اور باطنی علوم حاصل کر سکیں ۔۶۰۱ھ میں جب آپ نو برس کے تھے اپنی والدہ کے ساتھ ابو القاسم گرگانی کے ہمراہ ایک قافلے میں شریک ہو کر اجودھن پہنچے ۔ حضرت گنج شکر نے اپنی ہمشیرہ کے اصرار اور بھانجے کی ذہانت کو دیکھتے ہوئے تعلیم وتربیت کی ذمہ داری قبول کر لی حضرت صابر نے اپنے مشفق ماموں کے پاس رہتے ہوئے جلد ہی عربی فارسی میں دسترس حاصل کر لی وہ نصاب جس کو دیگر طلباء چھ سات سال میں پورا کرتے تھے بض دو سال کے عرصہ میں پورا کر لیا۔۹۰۳ھ میں آپ کی والدہ کا بوقت واپسی اپنے بھائی سے کہا کہ میرا لاڈلہ حد درجہ کم گو اور کھانے پینے کی طرف سے لاپرواہ ہے اس لئے اپنی زبان سے کھانا طلب نہیں کر سکے گا۔آپ خود اس کے کھانے پینے کا دھیان رکھنا،چنانچہ حضرت گنج شکر نے ایسی حکمت عملی اختیار کی کہ ان کے بھانجے کو کسی اور سے خورد ونوش کے لئے کہنا نہ پڑے ، انہوں نے اپنے وسیع لنگر کا انتظام ان کے سپرد کر دیا۔ حضرت مخدوم بارہ برس تک تقسیم لنگر کے فرائض انجام دیتے رہے ۔لیکن امانت داری کی یہ انتہا کہ کبھی ایک دانہ بھی اس لنگر کے کھانے سے اپنی زبان پر نہیں رکھا کئی کئی روز بھوکے رہتے، روزہ رکھتے اور بھوک کی شدت ناقابل برداشت ہو جاتی تو جنگل میں جا کر درخت کے پتوں سے سہارا لیتے اور بعد نماز مغرب لنگر کی تقسیم میں مصروف ہو جاتے، اسی دوران آپ نے قرآن پاک حفظ کیا اور یہی دور حضرت مخدوم کی شاعری کے آغاز کا ہے ۔بارہ برس بیت جانے کے بعد آپ کی والدہ ملاقات کیلئے آئیں، انہوں نے دیکھا کہ ان کہ لخت جگر کے جسم پر گوشت کا نام تک نہیں رہا، جسم نہایت لاغر ہو گیا، انہوں نے اپنے بھائی سے شکوہ کیا اور کہا،" میرے احمد کو میری عدم موجودگی میں کھانے کو نہیں ملا جس کے وجہ سے یہ اس قدر کمزور ہو گیا" یہ سن کر حضرت بابا فرید نے کہا کہ میں نے تو احمد کو لنگر کا کل اختیار سونپ دیا تھا۔ کھانے کیوجہ کیا ہے ۔میں بلا کر پوچھتا ہوں۔ حضرت صابر کو بلایا گیا کہ اس نقاہت کا سبب کیا ہے، انہوں نے جواب دیا کہ حضور ا بندہ کی کیا مجال تھی کہ بلا اجازت لنگر خانہ کا ایک دانہ بھی اپنے استعمال میں لاتا،آپ نے مجھے لنگر تقسیم کرنے کا حکم دیا تھا۔ خود کے لئے تصرف کرنے کی اجازت نہیں دی تھی ۔یہ جواب سن کر حضرت گنج شکر فرط انبساط سے بولے "ہمارا اعلیٰ احمد صابر ہے" اسی دن سے آپ کا لقب صابر پڑ گیا۔

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ نے صابر صاحب کو اپنے ہاتھ پر بیعت کر کے اپنے سلسلہ میں داخل کر لیا اس کے بعد صابر صاحب نے اور زیادہ گوشہ نشینی اختیار کر لی اور سوائے اوقات تقسیم لنگر اپنے حجرے سے باہر نہ آتے اسی حال میں دو سال گزر گئے۔

حضرت صابر کی والدۂ محترمہ جب دوبارہ اجودھین آئیں تو اپنے بھائی سے اصرار وتقاضہ کر کے ان کی منجلی بیٹی حضرت خدیجہ بیگم عرف شریفہ سے حضرت صابر کی شادی کرادی ۔روایت ہے کہ حضرت صابر حجلہ عروسی میں تشریف لے گئے

چنانچہ انہوں نے اپنی منکوحہ پر ایک نظر ڈالی اور ان کا نفس امارہ جلا کر راکھ کر دیا (چند روایات میں یہ بھی آتا ہے حضرت نے اپنی اہلیہ کو جلا کر راکھ کر دیا) اور اس کو اپنے ہی رنگ میں رنگ لیا۔

جب حضرت صابر کی والدہ انتقال فرما گئیں ۔اس حادثہ سے آپ کو شدید صدمہ پہنچا اس کا اثر یہ ہوا کہ آپ کے تقسیم لنگر کی ذمہ داری بھی ترک کر دی نہ کسی سے ملاقات کرتے اور نہ ہی محفل سماع وغیرہ میں شرکت کرتے ۔ نو سال تک اپنے حجرے تک محدود رہنے بلا کسی شدت ضرورت کہ باہر آنا بھی ترک کر دیا صرف یادالہی میں مشغول رہتے۔

۶۵۰ھ مطابق ۱۲۵۶ء میں جب سلوک و تصوف کی تمام منزلیں طے کر چکے تو حضرت بابا گنج شکر نے ان کو خلافت سے سرفراز کیا اور سند خلافت اپنے دست مبارک سے لکھ کر فرمایا کہ ہانسی جا کر شیخ جمال الدینؒ سے اس پر مہر ثبوت کرا لاو۔ (حضرت بابا فرید گنج شکر کی مہر ان کے اول خلیفہ شیخ جمال الدین ہانسوی کے پاس رکھی رہتی تھی۔) مہر ثبت کرانے کی غرض سے حضرت صابر ہانسی پہنچے ، بعد نماز مغرب اپنی سند خلافت شیخ جمال ہانسوی کو خدمت میں پیش کی ۔اندھیرے میں ایک چراغ جل رہا تھا۔ ہوا سے ▪ بھی گل ہو گیا، حضرت صابر نے اس پر دم (پھونک) مارا اور اسے روشن کر دیا ایک روایت یہ بھی ہے کہ اپنی شہادت کی انگلی پر پھونک ماری تو اس سے لو اٹھنے لگی ، حضرت شیخ جمال نے جلال کی یہ کفیت دیکھی تو سند خلافت یہ کہتے ہوئے پھاڑ دی کہ "دہلی تم جیسے جلد باز اور دم آتشیں کی تاب نہیں رکھتی، تم تو ایک ہی دم میں دہلی کو جلا کر راکھ کر دو گے" حضرت صابر ہانسی سے واپس لوٹے اور اپنے شیخ کو پورا واقع سنایا، اس کے بعد آپ کے شیخ نے آپ کو کلیر شریف روانگی کا حکم صادر فرمایا۔

ہر دوار ہندوؤں کا مقدس مقام جہاں کروڑوں کی تعداد میں ہندو ہر سال خاضری دیتے ہیں ۔ جہاں ہزاروں سند ہیں، کلیر شریف ہر دوار کے راستے میں آتا ہے مرشد پاک نے اس مقام پر آپ کی ڈیوٹی لگائی تھی۔

حضرت صابر اپنے ساتھ علیم اللہ ابدالی کو لے کر کلیر کے لئے روانہ ہو گئے ۱۹ ذی الحجہ ۶۵۰ھ کو دونوں کلیر پہنچے علیم ابدالی کو انہوں نے واپس بھیج دیا اور خود تن تنہا ایک ٹیلے پر عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے، یادالہی میں استغراق کا یہ عالم تھا کہ ایک درخت گولر کی شاخ پکڑ کر کھڑے ہو گئے اور بارہ برس تک اسی حالت میں رہے، حتی کہ بدن سوکھنے لگا، جسم کی رگ پٹھے اکڑ گئے اور ہڈیوں کے جوڑ ساکت ہو گئے، جلال اس قدر بڑھا کہ کوئی شخص ان کے نزدیک سے نہیں گزر سکتا تھا۔ آپ کے شیخ کو قوت باطنی اور کشف کے ذریعے اس بات کا علم ہوا کہ صابر بارہ برس سے قیام کی حالت میں ہیں، انہوں نے اپنے مریدیں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ہے کوئی ایسا جو صابر کو جا کر بٹھا دے ؟ حضرت خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی تیار ہو گئے اور کہا کہ "حضور! اس خدمت کے لئے میں خاضر ہوں" حضرت بابا فریدالدین نے چند دفاعی تدابیر بتا کر حضرت ترکؒ کو کلیر شریف کے لئے روانہ کیا، انہوں نے وہاں پہنچ کر حضرت صابر

راقم ایم زمان کھوکھر صابر سرکار کے حضور حاضری دے رہے ہیں

کی پشت کی جانب کھڑے ہو کر قرآن مجید کی تلاوت شروع کی، حضرت صابر بڑے انہماک اور شوق سے قرآن پاک سماعت کرتے رہے، کچھ دیر بعد حضرت ترکؒ خاموش ہو گئے حضرت صابر نے سوال کیا کیوں خاموش ہو گئے؟ اور پڑھو، حضرت ترکؒ نے کہا کہ حضرت کھڑے کھڑے تھک گیا ہوں، اور کھڑے ہو کر پڑھنے کی ہمت نہیں ہے۔ اس پر حضرت صابرؒ نے کہا کہ اچھا بیٹھ جاؤ۔ اور بیٹھ کر پڑھو، حضرت ترکؒ نے کہا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کھڑے رہیں اور یہ بندہ بیٹھ جائے۔ چنانچہ قرآن پاک سننے کے شوق میں حضرت صابرؒ بیٹھنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ اور فرمایا کہ شمس الدین میرے روبرو مت آنا۔

حضرت شمس الدینؒ مستقل حضرت صابرؒ کی خدمت میں رہنے لگے، وہاں رہتے ہوئے حضرت صابرؒ کے لئے انہوں نے ایک جھونپڑی تیار کی، رفتہ رفتہ دوسرے لوگ بھی آنے جانے لگے اس کے بعد سے حضرت صابر کی جمالی کفیات کا ظہور ہوا، آپ آنے والوں کو پند و نصیحت فرماتے اور کبھی کبھی شعر و سخن کا شوق بھی فرمالیتے، حضرت صابرؒ نے حضرت شمس الدین ترک پانی پتی کو اپنے سلسلہ بیعت میں داخل کر لیا اور سترہ برس بعد ان کو سلسلہ خلافت عطا کی، اس کے بعد شوق جہاد حضرت ترک کو دہلی لے آیا یہاں آکر وہ اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے ان کہ چلے جانے کے بعد حضرت صابر تنہا رہ گیے تھے۔

۲۲ مارچ ۱۲۱۹ء کو حضرت علاؤالدین علی احمد صابر نے وفات پائی، حضرت شمس الدین ترک کو روحانی

قوت سے یہ علم ہوا کہ ان کے شیخ اس دنیا میں نہیں رہے وہ کلیر آئے اور تدفین کا انتظام کیا اس وقت کلیر اجڑ چکا تھا اور حضرت صابر تن تنہا وہاں موجود تھے۔ تدفین کے بعد حضرت ترک پانی پت واپس چلے گئے۔ ایک طویل عرصہ تک یہ علاقہ ویران رہا، حضرت صابر کے تصرف جلالی کا یہ عالم تھا کہ کوئی شخص ان کے مرقد تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اور پہنچتا تو قبر سے ایک شعلہ نمودار ہوتا اور جلا ڈالتا۔ چنانچہ کلیر جو کبھی ایک آباد بستی تھی اجڑ چکی تھی۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہاں روساء اور قاضی بڑے مغرور مزاج تھے حضرت صابر کو غرور پسند نہ تھا لہٰذا حضرت صابر نے ان کے حق میں بد دعا کی اور وہ سب برباد ہو گئے اسی ضمن میں ایک واقعہ یہ بھی آتا ہے کہ حضرت صابر جب جمعہ کی نماز پڑھنے گئے حضرت صابر امام مسجد کی جگہ پر بیٹھ گئے ان کو وہاں سے اٹھا دیا گیا وہ پیچھے بیٹھ گئے وہاں سے بھی ان کو اٹھا دیا گیا کیونکہ یہ جگہ بھی کسی صاحب ثروت کے لئے تھی۔ انجام کار مسجد سے باہر نکل آئے، ہزار ہا آدمی اس مسجد میں نماز پڑھتے تھے، جب سب سجدے میں گئے تو حضرت صابر نے مسجد سے مخاطب ہو کر کہا کہ "سب سجدہ کر رہے ہیں اور تو کھڑی ہے" اتنا کہنے کے بعد مسجد آن واحد میں منہدم ہو گئی اور تمام انا پرور اس میں دب کر ختم ہو گئے۔ مسجد شہید ہونے کے بعد کلیر کے باشندوں میں خوف وہراس چھا گیا، تھوڑے ہی دنوں بعد اس بستی میں طاعون کی وباء زوروشور سے پھیل گئی۔ اس آبادی کے اکثر باشندے اس وبا کا شکار ہو گئے، اس وباء کے بعد ایسی زبردست آگ لگی جس نے یہاں کے مکانات کو خاکستر کر دیا، ان آفات سے جو لوگ زندہ بچ گئے وہ جان بچانے کی غرض سے یہ شہر چھوڑ گئے۔ تدفین کے ۲۹۷ برس بعد تک یہاں کوئی نہیں آیا یہ جنگل ایک زبردست ویرانہ بن گیا۔ ۹۲۴ھ مطابق ۱۵۱۸ء میں شیخ عبد القدوس گنگوہی قدس سرہ جو اسی سلسلہ کے ایک بزرگ تھے ہمت کر کے کلیر پہنچے۔ ان پر لطف وعنایت ہوئی اور وہ یہاں قیام کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کو قبر کے سلسلہ میں کشف ہوا تو انہوں نے اس کا نشان بنایا اور پھر شہنشاہ ہمایوں کے مالی تعاون سے مقبرے، گنبد، اور ایک مسجد کی تعمیر کروائی۔ ۱۳ ربیع الاول کو یہاں عرس کا اہتمام کیا جس میں چار پانچ زائرین نے شرکت کی اس کے بعد یہ سلسلہ عرس آج تک جاری ہے۔ عرس کے موقع پر لاکھوں کی تعداد میں زائرین عرس میں شرکت کرتے ہیں عرس کے موقع پر نظم ونسق دیکھنے کے قابل ہوتا ہے کسی قسم کی ہلڑ بازی شور شرابہ تھڑ گانے نہیں بولتے سماع کی محفلیں منعقد ہوتی ہیں۔ کلیر شریف میں تباہ شدہ بستیوں کے کھنڈرات دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔

پیران کلیر شریف

کلیر شریف کو عام طور پر پیران کلیر شریف کے نام سے جانا جاتا ہے اسکی وجہ تسمیہ یہ ہے کلیر شریف میں کئی مشہور بزرگان دین کے مزارات ہیں حضرت صابرؒ کی درگاہ سے تقریباً دو فرلانگ کے فاصلہ پر شمال کی جانب ایک بلند بالا ٹیلہ پر حضرت امام الدین سید ابو صالحؒ کا مزار ہے مزار پر جانے کے لئے لاتعداد سیڑھیاں ہیں صاحب مزار کو بڑی درگاہ یا درگاہ امام صاحب کے نام سے جانا جاتا ہے۔ مزار بہت قدیمی ہے ہر سال چھ محرم الحرام کو یہاں عرس ہوتا ہے یہاں بھی دور دراز کے زائرین حاضری دینے آتے ہیں درگاہ کے سجادہ نشین بابا غریب شاہ ہیں جو ضیف العمر ہیں لیکن ان کا جذبہ جواں ہے درگاہ کے قریب اسپتال سکول بابا غریب شاہ کے کاوشوں سے قائم ہوا بابا غریب شاہ کے بقول سلوک تصوف اور فقر کے معنی عیش و عشرت ارام کی زندگی بنانا نہیں یاد الہی کے بعد جو وقت ملے اس کو انسانی خدمت میں صرف کرنا چاہیے انسان کی خدمت بہت بڑی عبادت اور عظیم مجاہدہ ہے۔ بوریا نشین بھی اس قسم کے عظیم کارنامے سرانجام دے سکتے ہیں۔ بشرطیکہ ان میں خلوص اور انسانیت کا جذبہ کار فرما ہو اس درگاہ کے قریب بجانب جنوب حضرت ککلی صاحب کی درگاہ ہے درگاہ کے راستہ میں نہر کے بائیں کنارے پیر غائب کا مزار ہے یہ معرکہ کلیر شریف کے شہیدوں سے بیان کیے جاتے ہیں۔

درگاہ حضرت صابرؒ سے شمال کی جانب تھوڑے سے فاصلہ پر حضرت بابا چرم پوش کا مزار ہے ایک روایت کے مطابق علیم اللہ ابدال مزار بھی کلیر شریف میں جن کی راہنمائی میں صابر صاحب یہاں تشریف لائے۔ ان اولیاء اکرام کی وجہ سے کلیر شریف کو پیران کلیر شریف کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

بڑی درگاہ حضرت امام الدین ابو سید صالح کا روضہ
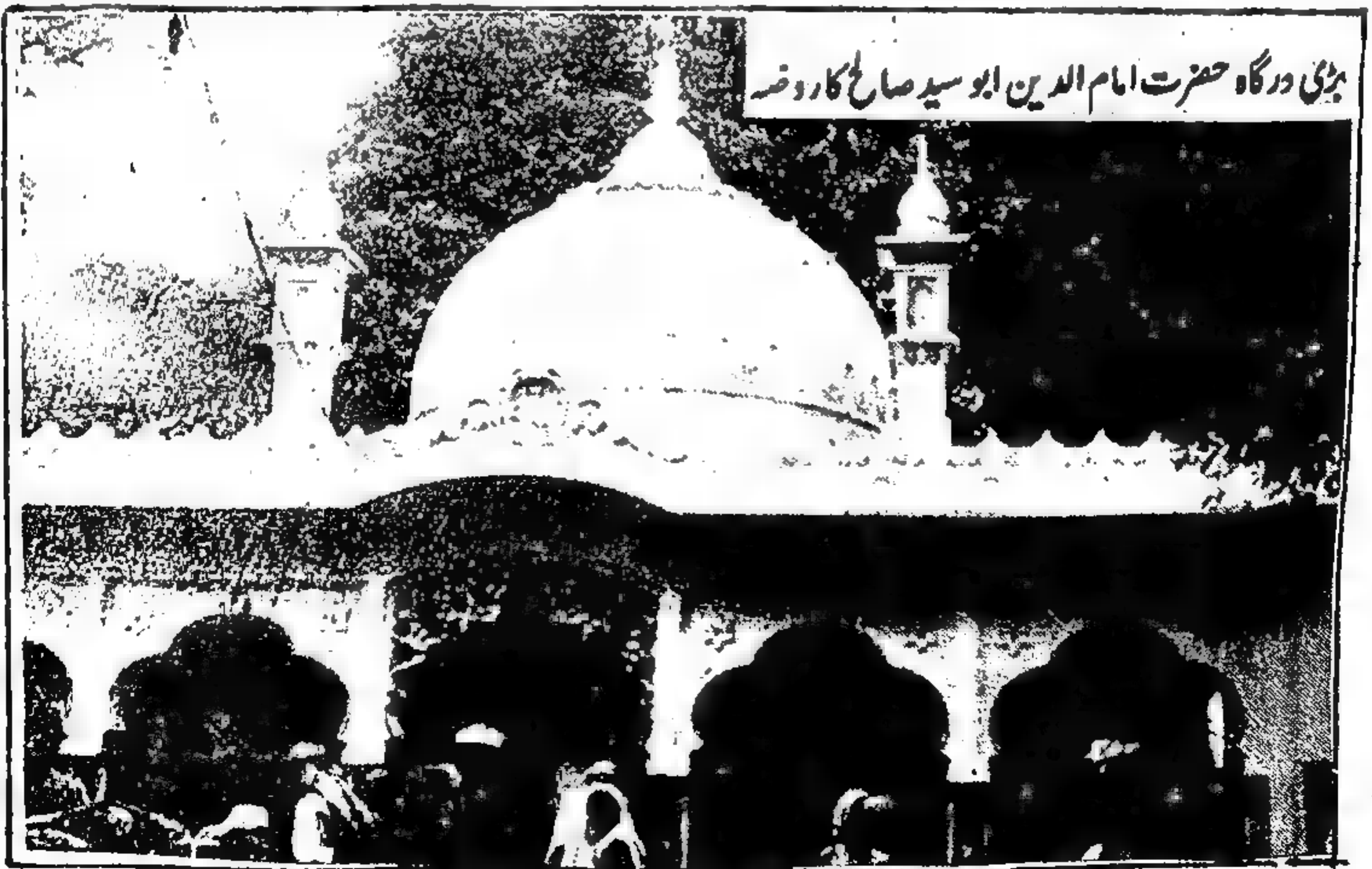
شاہ علیم اللہ ابدال کا مزار

حضرت علاؤالدین علی احمد صابر جب کلیر شریف تشریف لائے ان کے ہمراہ حضرت شاہ علیم الدین ابدال تھے ان کے بارے یہ بات مشہور ہے کہ ان کا مزار بھی کلیر شریف میں ہے یہ مزار آموں کے باغ کے مغرب کی طرف ہے مزار پختہ تعمیر کیا گیا ہے گنبد بھی ہے۔آپ کے مزار کے قریب عاشق صابر حضرت سید عبدالقادر ابن سید فقیر محمد شاہ کا مزار ہے آپ کا وصال ۱۹۷۸ء میں ہوا۔کلیر شریف کی سو فیصد آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے گرد و نواح اضافی بستیاں آباد ہو رہی ہیں بزرگ مسلمان کلیر شریف کو چھوٹا پاکستان کہتے ہیں ۔شاہ علیم اللہ ابدال حضرت بابا فرید الدین گنج شکر اور حضرت صابر صاحب کے درمیان پیغام رسانی کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔عرس کے موقع پر سلسلہ صابری کے بعض بزرگوں نے راقم کو بتایا کہ ابدال صاحب کا مزار کلیر شریف میں نہیں ہے۔آپ پیروں ولیوں کے سپہ سالار تھے۔

آستانہ عالیہ حضرت علاؤالدین احمد صابر کے قریب سے نہر گزرتی ہے جسے گنگا نہر کہتے ہیں نہر میں گنگا کا پانی بہتا رہتا ہے۔سفر نامہ ہند از پروفیسر محمد اسلم نے اس نہر کے بارے تحریر کیا ہے۔کہ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی وفات ۱۸۸۴ء نے فرمایا تھا کہ اس کے پانی میں انوار نبوت دکھائی دیتی ہے۔یوں محسوس ہوتا ہے اس کا پانی کسی نبی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے۔کلیر شریف کے گرد نواح کئی تباہ شدہ شہروں کے آثار ملتے ہیں گنگا نہر کے قریب حضرت سید مردان علی شاہ المعروف پیر غائب علی شاہ کا مزار ہے یہ معرکہ کلیر شریف کے شہیدوں سے بیان کئے جاتے ہیں مزار شاندار انداز میں تعمیر کیا گیا ہے۔ گنبد پر سبز دھاریاں بنی ہوئی ہیں۔یہ مزار بھی قدرے بلندی پر ہے۔مزار کے باھر ایک تختی پر درج ہے۔حضرت مردان علی شاہ ستر پیروں اور ستر ولیوں کے سپہ سالار تھے مزار پر مخلوق خدا پورا سال حاضری دیتی رہتی ہے قریب ایک عالی شان درس گاہ بھی ہے۔

حضرت مرزا جان جاناں مظہر شہیدؒ

آپ کا شمار دہلی کے بائیس خواجہ میں ہوتا ہے آپ نے روحانی فیض سید نور محمد بدایونی سے حاصل کیا مرشد کی وفات کے بعد کئی بزرگوں سے فیض حاصل کیا آخری عمر میں وظائف عبادات میں زیادہ وقت گزارتے ۱۱۹۵ھ میں آپ پر حملہ ہوا اسی حملہ میں آپ نے شہادت پائی فخر زمان قطب دوراں حضرت شاہ محمد آفاق دہلوی آپ کی دعا سے پیدا ہوئے۔

کلیر شریف میں پیر شمیم صابر صابری کے ساتھ آٹھ روز
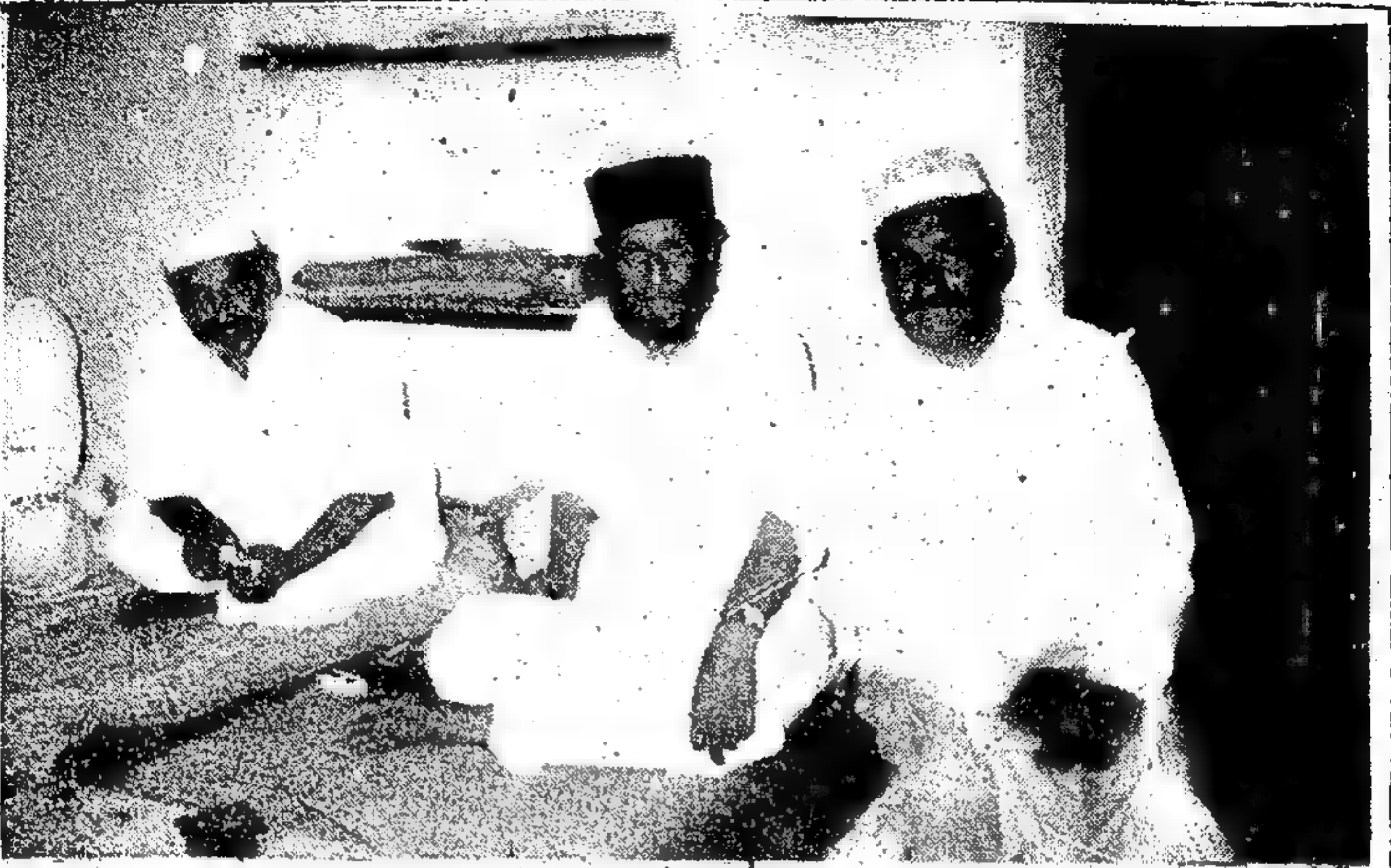
پیر شمیم صابر صابری سجادہ نشین آستانہ عالیہ کلس شریف اور آستانہ عالیہ کلیر شریف کے سجادہ نشین اعجاز منصور کے ساتھ زمان کھو کھر بیٹھے ہیں

جالندھر سے ریل گاڑی کے ذریعے پاکستانی زائرین کا قافلہ کلیر شریف کے لئے رات کے پچھلے پہر انبالہ پہنچا۔ انبالہ ہندستان کا جنکشن اسٹیشن ہے۔ اور مشہور چھاؤنی ہے انبالہ سے سہارن پور اور روڑکی کے لئے دوسری ریل گاڑی میں سوار ہوئے۔ روڑکی صاف ستھرا شہر ہے یہاں بہت بڑی چھاؤنی ہے۔ صبح سویرے ریلوے اسٹیشن کے باہر بسیں تیار کھڑی تھیں۔ پاکستانی زائرین کو دیکھنے کے لئے ریلوے اسٹیشن کے باہر کافی لوگ جمع تھے۔ زائرین کی حفاظت کے لئے پولیس کی اچھی خاصی نفری موجود تھی۔ تمام زائرین بسوں میں سوار ہو گئے۔ بسیں آہستہ آہستہ کلیر شریف کی مقدس سرزمین کی طرف رواں دواں ہو گئیں۔ روڑکی سے کلیر شریف کا فاصلہ سات کلو میٹر ہے روڑکی سے کلیر شریف تک نہر کے کنارے کنارے جاتے ہیں۔ دور سے ہی کلیر شریف آستانہ کے بڑے بڑے پیپل اور بوہڑ کے درخت نظر آتے ہیں پیپل، بوہڑ کے درخت کی عمریں ہزاروں سال ہوتیں ہیں۔

ان درختوں کے سائے میں کئی بزرگوں اولیا۔ کرام کا گزر ہوا ہو گا۔ سامنے گولر کا درخت ہے جس کا پھل زائرین عقیدت سے کھاتے ہیں۔ صابر پیا کے چاہنے والوں کو اس درخت سے والہانہ عقیدت ہے پاکستانی زائرین کا یہ قافلہ حضرت صابر پیا کے حضور پہنچا

آپ کا مزار ایک وسیع احاطے کے وسط میں واقع ہے۔ مزار پر ایک سفید گنبد بنا ہوا ہے۔ جس میں سبز دھاریاں بڑی خوبصورتی کے ساتھ بنائی گئی ہیں۔ روضہ مبارک کے چاروں کونوں میں برجیاں تعمیر کی گئی ہیں۔ مزار شریف کے گرد غلام گردش بنا ہوا ہے۔ جس میں زائرین قرآن خوانی اور ذکر و تسبیح میں معروف رہتے ہیں۔

یو پی وقف بورڈ نے درس گاہ کے قریب ایک پرائمری سکول کھولا ہوا ہے پاکستانی زائرین کو اس سکول میں ٹھہرنے کا اہتمام کیا گیا وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان کے دو آفیسر قافلہ کے ساتھ تھے، زائرین کے اس قافلہ میں آستانہ عالیہ صابری کلیر شریف ضلع سرگودھا نزد ملک وال ضلع منڈی بہاؤالدین کے سجادہ نشین پیر شمیم صابر صابری بھی تھے۔ آٹھ روزہ عرس کی تقریبات کے دوران حضرت علاؤالدین علی احمد صابر سے ان کی عقیدت دیکھنے کے قابل تھی۔

راقم کو ان کے ہمراہ آستانہ عالیہ کلیر شریف کے سجادہ نشین حضرت شاہ منصور اعجاز سے کئی بار ملاقات کا شرف حاصل ہوا راقم نے اولیاء اکرام کے بارے لکھی ہوئی اپنی کتب انہیں پیش کیں۔

حضرت صابر کا یہ سات سو انھائیسواں سالانہ عرس تھا۔ جو گیارہ ربیع الاول 1418 ۔ مطابق سترہ جولائی 1997 ۔ بروز جمعرات منعقد ہوا۔ عرس کے موقع پر تلاوت قرآن شریف نعتیہ مشاعرہ، ختم شریف قوالی، دستار بندی، چادر چڑھانے کی تقریبات منعقد ہوتی ہیں۔ کلیر شریف میں مکھی، مچھر، یا زہریلے کیڑے مکوڑے سانپ وغیرہ نہیں پائے جاتے ہیں۔ عرس کی تقریبات میں لاکھوں زائرین شامل ہوتے ہیں۔ اتنے انسان جب اکٹھے ہو جائیں تو گندگی بھی بہت زیادہ پھیل جاتی ہے۔ عرس کے دوران ہر روز صبح سویرے زوردار بارش ہوتی جو تمام گندگی کو اپنے ساتھ بہا کر لے جاتی۔

پاکستانی زائرین ہر روز ختم شریف کا اہتمام کرتے ہیں خالص دیسی گھی کا زردہ، پلاؤ، نان حلوہ، تقسیم کیا جاتا ہے۔ گرد و نواح کے غریب لوگوں میں یہ چیزیں تقسیم کی جاتی ہیں۔ جو وافر تعداد میں ہوتیں ہیں۔ چند لوگوں نے بتایا کہ حضور صابر کے عرس سے کھانے کی اتنی چیزیں ملتی ہیں جس سے ہم سال بھر گزارہ کر لیتے ہیں۔ پاکستانی زائرین کپڑے بھی کافی مقدار میں ان غریب لوگوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ محمد شریف ماشکی اور اس کے بیٹے نے پانی کی کمی نہیں آنے دی۔ وہ ہر پاکستانی کے سر پر پانی کی مشک لئے کھڑا رہتا۔ عرس کے اختتام پر زائرین اس کی اچھی خاصی مدد کرتے ہیں۔

ہندوستان میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے عرس مبارک کے بعد حضرت صابرؒ کے عرس پر بھی مخلوق خدا حاضری دیتی ہے۔ ہندوستان کے کونے کونے سے عقیدت مند حاضری دیتے ہیں۔ اس عرس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ دوران عرس شراب نوشی، شراب فروشی، لاٹری، قمار بازی، فلمی راگ، ناچ گانے، کی محفلیں

ممنوع ہیں۔ غیر اخلاقی حرکت کی اجازت نہیں ہوتی۔ ہلڑ بازی، ہنگامہ بھی دیکھنے میں نہیں آیا۔
مردوں کے ساتھ خواتین بچے، بوڑھے حاضری دیتے ہیں۔ صابر پیاء کے عشق میں ڈوبے رہتے ہیں۔ اپنے دامن مرادوں سے بھر لیتے ہیں۔ یہاں حضرت صابر کے چاہنے والے روحانی محفلیں منعقد کراتے ہیں۔ زائرین میں مفت لنگر تقسیم کرتے ہیں۔ صابر پیاء کے حضور جو بھی آیا خالی نہیں گیا جسے چاہا در پہ بلا لیا۔ برصغیر پاک و ہند میں کروڑوں اولیاء اکرام کی بدولت مسلمان ہوئے۔ ایک اندازہ کے مطابق ہندوستان میں تیس کروڑ، بنگلہ دیش میں سترہ کروڑ، پاکستان میں تیرہ کروڑ، کشمیر میں سوا کروڑ، مسلمان ہیں جو اولیاء اکرام کی نظر کرم کا نتیجہ ہے۔

حضرت مولانا فخر الدین مروزیؒ

حضرت محبوب الہیؒ کے مزار کے قریب ایک تنگ گلی میں چبوترہ یاران ہے اس چار دیواری کے اندر چند اولیاء کرام کے مزار ہیں اس میں ایک مزار حضرت مولانا فخر الدین مروزیؒ کا ہے۔ آپ علوم ظاہری کی تکمیل سے فراغت پاکر علوم باطنی کی طرف متوجہ ہوئے آپ نے قرآن مجید حفظ کیا علم تفسیر، احادیث اور فقہ حاصل کیا۔ آپ حضرت محبوب الہی کے حلقہ ادارت میں شامل ہوئے اور آخری عمر میں غیاث پور میں سکونت اختیار کی آپ حضرت محبوب الہیؒ سے بے حد محبت اور عقیدت تھی۔ غیاث پور میں رہ کر حضرت محبوب الہی کی خدمت میں مصروف رہے۔ آپ قرآن مجید کے حافظ تھے قرآن مجید کی کتابت کر کے گزارہ کرتے تھے۔ آپ نے ۷۳۲ھ میں وصال فرمایا۔ آپ کا مزار دہلی میں حضرت محبوب الہی کی درگاہ کے قریب چبوترہ یاران میں واقع ہے۔ ایک مرتبہ کا واقع ہے کہ آپکو پیاس لگی کوئی پاس نہیں تھا کہ جس سے پانی منگواتے اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک پیالہ پانی سے بھرا ہوا نمودار ہوا آپ نے اس پیالے کو توڑ دیا اور کہا کہ کرامت کا پانی نہیں پئیں گے۔ جب آپ نے حضرت محبوب الہیؒ سے اس کا ذکر کیا۔ حضرت محبوب الہی نے فرمایا کہ ■ پانی پینا چاہیے تھا۔
ایک اور دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپ کو کنگھی کی ضرورت ہوئی لیکن آپ کے پاس کوئی نہ تھا کہ کنگی لا کر دے اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ دیوار میں سے ایک کنگھی برآمد ہوئی آپ نے وہ کنگھی ہاتھ میں لی اور کر لی۔

قلندر پاک کی سرزمین پانی پت

حضرت شاہ شرف الدین بو علی شاہ قلندرؒ پانی پت
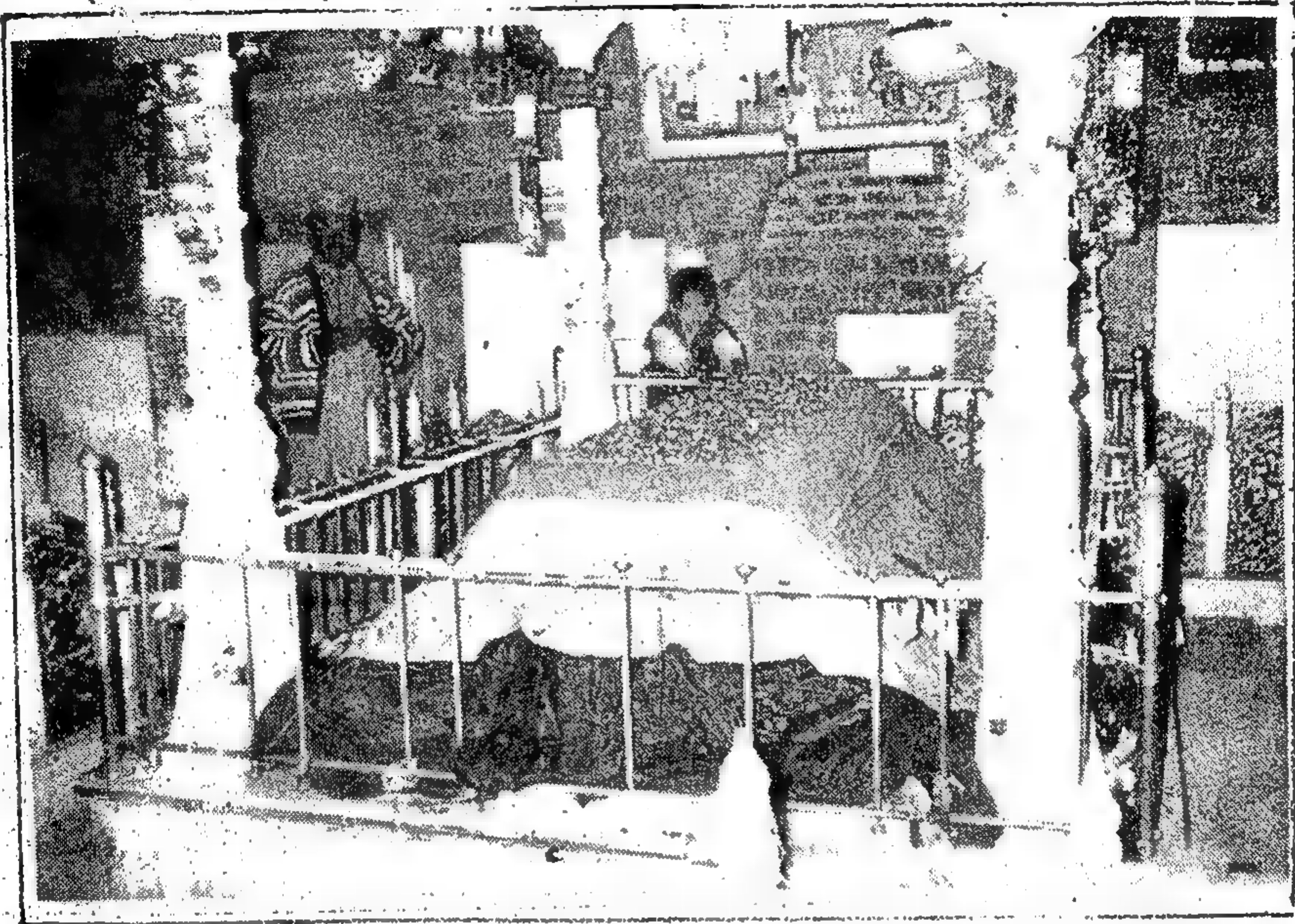
کشمیری دروازہ کے قریب اور دریائے جمنا کے نزدیک دہلی میں بسوں کا بڑا اڈا ہے یہاں سے ہندوستان کے مختلف شہروں کے لیے بسیں روانہ ہوتی ہیں۔پانی پت کرنال کے لیے اڈا سے تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد بسیں روانہ ہوتی ہیں۔ یہی بسیں لدھانہ، انبالہ، جالندھر، امرتسر کو جانکلتی ہیں۔ کنڈیکٹر بسوں کے قریب کھڑے آوازیں دیتے ہیں دہلی سے پانی پت کا فاصلہ ۹۸ کلو میٹر ہے سفر تقریباً دو گھنٹے میں طے ہوتا ہے عام بس میں پانی پت کا کرایہ بیس روپے کے قریب ہے۔ مشرقی پنجاب کو جانے والے زیادہ مسافر پنجابی بولتے ہیں زیادہ تعداد سکھوں کی ہوتی ہے بھارت کے باشندوں کا لباس زبان خدوخال ہمارے جیسا ہے۔ صرف نام پوچھنے پر ہندو مسلمان کی تفریق ہوتی ہے راقم بس میں سوار ہوا۔ بس پانی پت کی سڑک پر رواں دواں، کبھی ان راستوں پر بادشاہوں اور ان کی فوج کا گزر ہوتا تھا۔پانی پت کا وسیع و عریض میدان ہموار ہے۔ ہزاروں سالوں سے یہ پانی پت کی سرزمین میدان جنگ کے لیے مشہور ہے جس کی وجہ سے اس زمین کو ہندی میں مور تھل کہتے ہیں یعنی بنجر زمین،پانی پت کے میدان جنگ میں دور دور تک آبادی کا نام و نشان نہ تھا۔ ہر طرف بنجر زمین کو

درختوں نے اپنی آغوش میں لے لیا ہے ہر طرف جنگل ہی جنگل ہے۔ اب آباد کاروں نے پانی پت کو آباد کر دیا ہے۔ کوروں ،پانڈوں، بابر، ابراہیم لودھی، اکبر ہیموں بقال، احمد شاہ ابدالی اور مرہٹوں کے درمیاں مشہور جنگیں پانی پت کے میدان میں لڑی گئیں میں تاریخ کے جھروکوں میں گم تھا کہ کنڈیکٹر نے آواز دی پانی پت کا شہر آگیا ہے۔ سائیکل رکشہ والے سے کہا کہ قلندر پاک کے حضور حاضری دینی ہے بعد میں ابراہیم لودھی کا مقبرہ بھی دیکھنا ہے۔ میرے ہمراہ دہلی کے مشہور وکیل جے سی بترا بار ایٹ لاء تھے جو پانی پت کے رہائشی ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں ملتان سے ہجرت کر کے پانی پت آباد ہوئے۔ سائیکل رکشہ والے نے پہلے پانی پت کے قلعہ کی سیر کرائی دو تین قدیمی دروازے دیکھنے کے بعد قلندر پاک مزار کے قریب اتار دیا ۔پانی پت کے قلعہ نما شہر کی گلیوں سے گزرتے ہوئے راقم کے علاقہ جی سی بترا صاحب، حضرت شیخ شرف الدین بو علی قلندر کے حضور حاضر ہوئے۔ ایک وسیع و عریض صحن ہے ہزاروں زائرین یہاں آتے ہیں زائرین کے آرام کیلئے کمرے مغرب کی جانب خوبصورت عمارت ہے بڑے دروازے کے بائیں جانب مولانا الطاف حسین حالی کی قبر ہے جس کے گرد لوہے کا جنگلہ لگا ہوا ہے۔ مزار کے قریبی کمرہ میں لائبریری قائم کر دی گئی ہے مولانا الطاف حسین حالی محلہ انصاریاں پانی پت کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے مدوجزر اسلام لکھی جو مسدس حالی کے نام سے مشہور ہوئی۔ قلندر پاک کے مزار کے گرد سنگ مرمر کی خوشنما جالیاں لگی ہوئی ہیں درمیان میں آپ کا مزار پر انوار ہے ملحقہ کمرے میں ان کے مقبول نظر شہزادہ مبارک خان کا مزار ہے قلندر پاک انہیں بہت عزیز رکھتے تھے ان کی کوئی سفارش رد نہیں کرتے تھے۔
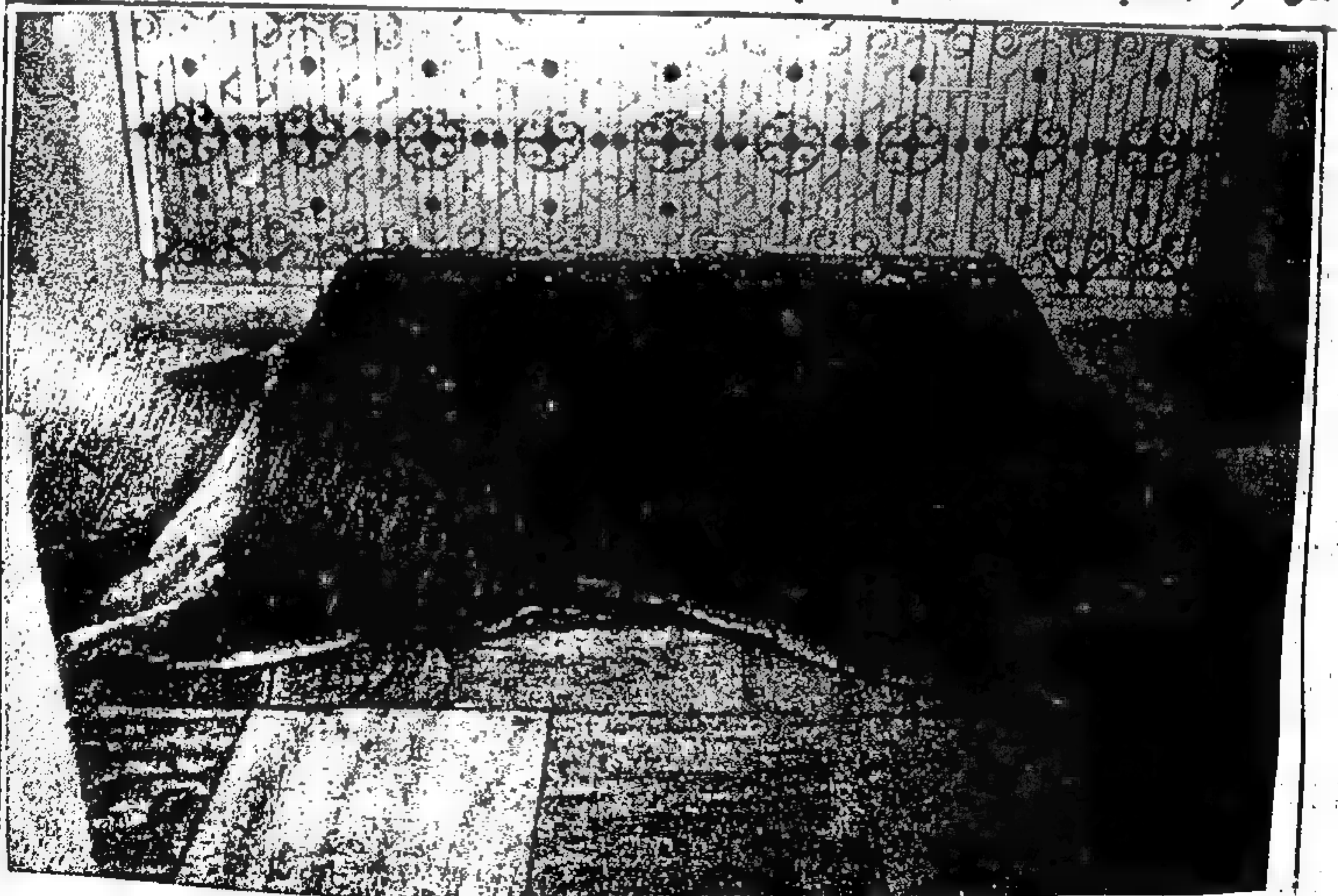
پانی پت میں مولانا الطاف حسین حالی کا مزار

قلندر پاک حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے ہم عصر تھے ان کے درمیان خط و کتابت ہوتی رہتی تھی قاصد کے فرائض حضرت امیر خسروؒ سر انجام دیا کرتے تھے۔ قلندر پاک پانی پت میں پیدا ہوئے آپ کا نام شرف الدین رکھا گیا بو علی قلندر کہلانے کی وجہ تسمیہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جب آپ کو دریا سے باہر نکالا آپ اسی وقت سے مست الست ہو گئے اور اسی دن سے شرف الدین بو علی قلندر کہلانے لگے۔

آپ تعلیم سے فارغ ہو کر رشد و ہدایت میں مشغول ہوئے۔ مسجد قوت الاسلام میں وعظ کہتے تھے اور یہ سلسلہ بارہ سال تک جاری رہا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ آپ وعظ فرما رہے تھے کہ مسجد میں ایک درویش آیا اور با آواز بلند یہ کہہ کر چلا گیا کہ شرف الدین جس کام کے لیے پیدا ہوا ہے اس کو بھول گیا کب تک اس قیل و قال میں رہے گا آپ کو پیر کامل کی تلاش ہوائی، کہا جاتا ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے آپ کو عصر کے وقت جمنا کے کنارے بیعت سے مشرف فرمایا۔ آپ نے اپنی کتابیں دریا میں ڈال دیں مجاہدہ اور ریاضت میں مشغول ہوئے آپ ایک عرصے تک دریا میں کھڑے رہے پنڈلیوں کا گوشت مچھلیاں کھا گئیں۔ حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئے اسی طرح بارہ سال گزر گئے ایک روز غیب سے آواز آئی! "شرف الدین! تیری عبادت قبول کی مانگ کیا مانگتا ہے" دوبارہ پھر آواز آئی کہ! "اچھا پانی سے تو نکل" آپ نے عرض کیا "خود نہیں نکلوں گا تو اپنے ہاتھ سے نکال"۔

آپ پانی پت کے صاحب ولایت تھے اور پانی پت میں رہتے تھے۔ حضرت شمس الدین ترک پانی پتی کے تشریف لانے پر آپ پانی پت سے باگھوتی چلے گئے وہاں چند سال قیام فرمایا اور پھر بڑھا کھیڑہ میں جا کر رہنے لگے۔ آپ ۹ رمضان ۷۲۴ھ کو بڑھا کھیڑہ میں واصل حق ہوئے مزار پر انوار پانی پت میں فیوض و برکات کا سرچشمہ ہے آپ کے ممتاز مرید حسب ذیل ہیں: مبارک خان، اختیار الدین اور شیخ احمد۔ آپ نے تیس سال تک سخت سے سخت مجاہدے کیے ہر وقت عبادت الٰہی میں مشغول رہتے تھے آپ پر جذب الٰہی اس درجہ غالب تھا کہ آپ کو اپنی خبر نہ تھی آپ کو علوم ظاہری و باطنی میں کمال حاصل تھا آپ کو مجذوب اولیاء کی صفت میں نمایاں درجہ حاصل ہے۔ آپ نے کئی کتابیں بھی لکھیں آپ کی ایک کتاب "حکم نامہ شرف الدین" کے نام سے مشہور ہے۔ آپ شاعر تھے آپ کا کلام حقائق و معارف، ترک و تجرید، عشق و محبت کی چاشنی میں ڈوبا ہوا ہے۔ آپ کے خطوط مشہور ہیں یہ خطوط آپ نے اختیار الدین کے نام تحریر فرمائے ہیں آپ کے خطوط تصوف کا بیش بہا خزانہ ہیں۔ پانی پت میں آپ کا مزار عالی شان انداز میں تعمیر کیا گیا ہے ہر سال عقیدت و احترام سے عرس منایا جاتا ہے آپ کے مزار کے ملحقہ ایک دینی درس گاہ قائم ہے سینکڑوں مسلمان بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں مزار کے دروازہ کے ساتھ ہوٹل، کتابوں، ٹوپیوں، پھولوں کی دوکانیں ہیں۔ مسلمان بچے اور عورتیں رہنمائی کیلئے موجود ہوتی ہیں۔ بھاڑو کش بھی بہت محبت سے ملتا ہے۔

پانی پت میں حضرت خواجہ شمس الدین ترکؒ کا مزار

پانی پت کی سرزمین اپنے اندر کئی تاریخی واقعات لئے ہوئے ہے اس روحانی مقدس سرزمین میں کئی ولی اللہ رشد ہدایت کی شمعیں روشن کرنے آئے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ان ہی اللہ کے نیک برگزیدہ بندوں میں ایک نام حضرت شمس الدین ترکؒ کا بھی ہے۔آپ کا مزار پانی پت میں ہے آپ حضرت علاؤالدین علی احمد صابرؒ کے خلیفہ تھے۔آپ ترکستان میں پیدا ہوئے آپ کا نام شمس الدین ہے آپ کو شمس الدین ترک بھی کہتے ہیں۔آپ کے نام میں یہ تاثیر ہے کہ اگر کوئی شخص آپکا اسم مبارک کسی مشکل یا مہم کے واسطے ایک لاکھ مرتبہ پڑے تو آپ کے نام کی برکت سے اس کا کام پورا ہو جائے گا پڑھنے کی ترکیب یہ بتائی جاتی ہے کہ پہلے وضو کرنا چاہیے اور پھر صدق واخلاق سے "یا شمس الدین ترک" ایک لاکھ مرتبہ پڑھنا چاہیے اگر تنہا نہ پڑھ سکے تو اوروں کو شریک کر لے۔"آپ شمس الاولیا" کے لقب سے پکارے جاتے ہیں۔تلاش حق کے جذبہ سے متاثر ہو کر اپنے اپنے وطن عزیز کو خیرباد کہا اول ترکستان کی سیر و سیاحت فرمائی جب وہاں کوئی مرشد کامل نہ ملا تو ماوراالنہر تشریف لائے وہاں بہت سے بزرگوں سے ملے لیکن آپ کی تسکین نہیں ہوئی۔ماوراالنہر سے ملتان تشریف لائے ملتان سے اجودھن آئے اور حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کی قدم بوسی سے مشرف ہوئے آپ نے کچھ عرصے حضرت بابا گنج شکرؒ کی خدمت بابرکت میں رہ کر فیوض و برکات باطنی حاصل کئے۔حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ نے آپ کو خلافت سے سرفراز فرمایا اور آپ سے فرمایا کہ ان کا حصہ دوسرے مرشد کے پاس ہے۔آپ کو حضرت علاؤالدین احمد صابرؒ کی خدمت میں کلیر روانہ کیا حضرت مخدوم علاؤالدین احمد صابر نے آپ کو دیکھ کر فرمایا "اے شمس الدین تو میرا فرزند ہے میں نے خدا سے چاہا کہ میرا سلسلہ تجھ سے جاری ہو اور قیامت تک رہے" آپ کو بیعت سے مشرف فرمایا۔آپ گیارہ سال تک اپنے پیرو مرشد کی خدمت میں رہے پیرو مرشد کو وضو کرانے کی خدمت آپ کے سپرد تھی حضرت نے خرقۂ خلافت آپ کو عطا فرمایا۔آپ کے پیرو مرشد نے آپ کو رخصت کرتے وقت آپ کو ہدایت فرمائی کہ پانی میں مستقل سکونت اختیار کریں کیوں کہ پانی پت کی ولایت ان کے سپرد کی گئی ہے اور ان کے وصال کے بعد تین دن سے زیادہ کلیر میں نہ رہیں۔اپنے پیرو مرشد کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر چوتھے روز آپ پانی پت روانہ ہو گئے پانی پت پہنچ کر آپ نے ایک دیوار کے سائے کے نیچے قیام فرمایا حضرت شیخ شرف الدین بو علی قلندرؒ کو بنور باطن آپ کی آمد کی اطلاع ہوئی۔آپ نے دودھ سے بھرا ہوا ایک پیالہ حضرت شیخ شرف الدین بو علی قلندرؒ کی خدمت میں بھیجا حضرت بو علی قلندر کی خدمت میں جب وہ بھرا پیالہ لایا گیا وہ مسکرائے اور انہوں نے جو گلاب کا پھول ان کے پاس رکھا تھا اس دودھ بھرے پیالے پر رکھ کر پیالہ واپس کر دیا جب وہ دودھ کا پیالہ آپ کی خدمت میں واپس لایا گیا تو آپ بھی مسکرائے۔اور مستقل طور پر پانی پت میں رہنے لگے آپ نے ۱۰ جمادی الثانی ۷۱۶ھ کو وصال فرمایا۔مبارک پانی پت میں ہے۔حضرت شیخ جلال الدین محمد

کبیر الاولیا آپ کے خلیفہ ہیں۔ سلطان غیاث الدین بلبن قلعہ کا محاصرہ کیا آپ شاہی لشکر کے ساتھ تھے قلعہ فتح نہ ہو سکا لیکن محاصرہ بدستور جاری رہا ایک رات آندی اور بارش کے طوفان سے لشکر والوں کے خیمے گر پڑے ہر طرف اندھیرا ہو گیا آگ بجھ گئی ایک بہشتی لوٹا لے کر سلطان بلبن کے وضو کے لئے پانی گرم کرنے کے واسطے آگ تلاش کرنے نکلا اس کی نگاہ آپ کے خیمے پر پڑی خیمے میں داخل ہوا تو دیکھا چراغ روشن ہے اور آپ قرآن شریف کی تلاوت میں مشغول تھے وہ بہشتی خیمہ میں جا کر خاموش کھڑا ہو گیا آپ نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ اگر آگ چاہیے تو لے جاؤ اس بہشتی نے لکڑی سلگائی اور واپس چلا گیا دوسرے روز وہ پھر آیا لیکن آپکو خیمہ میں نہ پایا وہاں سے تلاب پر پانی بھرنے گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ آپ وضو کر رہے ہیں وہ ایک طرف چھپ کر کھڑا ہو گیا آپ کے جانے کے بعد اس نے مشک بھری تو پانی کو خوب گرم پایا اس کو سخت حیرت ہوئی اگلے روز علی الصبح آپکے پہنچنے سے قبل وہ تالاب پر گیا پانی کو سرد پایا۔ وہ ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گیا تھوڑی دیر بعد آپ تشریف لائے اور وضو کیا آپ کے جانے کے بعد اس نے جو مشک بھری تو پانی گرم پایا۔ اب اس کو یقین ہوا کہ یہ سب آپ کی برکت کا نتیجہ ہے۔ اس نے سلطان بلبن سے ذکر کیا بلبن اس سقہ کو ہمراہ لیکر اس تالاب پر پہنچا پانی کو سرد پایا سلطان بلبن اور وہ سقہ ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گئے آپ تالاب پر تشریف لائے اور وضو کیا آپ کے جانے کے بعد سلطان بلبن نے جو تالاب پر جا کر دیکھا تو پانی گرم پایا۔ اس کو کامل یقین ہو گیا کہ آپ کامل درویش ہیں۔ سلطان بلبن آپ کے خیمہ میں گیا، آداب بجالایا آپ سے دعا کا طالب ہوا آپ نے دعا کی اور قلعہ فتح ہوا۔

پانی پت میں حضرت شیخ جلال الدینؒ محمد کبیر الاولیاء کا مزار

حضرت شرف الدین بو علی شاہ قلندرؒ کے حضور حاضری کے بعد بیرونی دروازے کے قریب کھڑے خدام جو پھول ٹوپیاں اور پانی پت کی تاریخ اور قلندر پاک کے سوانح حیات کی کتابیں فروخت کرتا ہے نے راقم کو چائے پیش کی۔ چائے پینے کے بعد راقم نے حضرت شیخ جلال الدین محمد کبیر الاولیاءؒ کے مزار پر حاضری کے لیے کہا۔ قلندر پاک کے مزار کی ایک خادمہ نے راقم کی رہنمائی کی حامی بھر لی۔ مائی صاحب آگے آگے چل پڑیں ٹوٹی پھوٹی گلیاں قلعہ نما شہر پانی پت کے مشرق کی طرف تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد جنوب کی جانب بائیں طرف مسجد کے قریب سے مزار کی طرف گلی جاتی ہے مزار کے قریب سو کے لگ بھگ بچیاں بچے قرآن کی تعلیم حاصل کر رہے تھے بچے اپنا سبق بلند آواز میں پڑھتے ہیں معلم نے راقم کو خوش آمدید کہا بچوں نے کھڑے ہو کر سلام کیا۔ حضرت شیخ جلال الدین محمد کبیر اولیاء کے مزار پر حاضری کے بعد راقم نے درس گاہ کے مغرب کی جانب گنبد نما کمرہ میں دو قبریں دیکھیں ایک بزرگ مسلمان نے بتلایا کہ یہ قبریں بلد بادشاہ
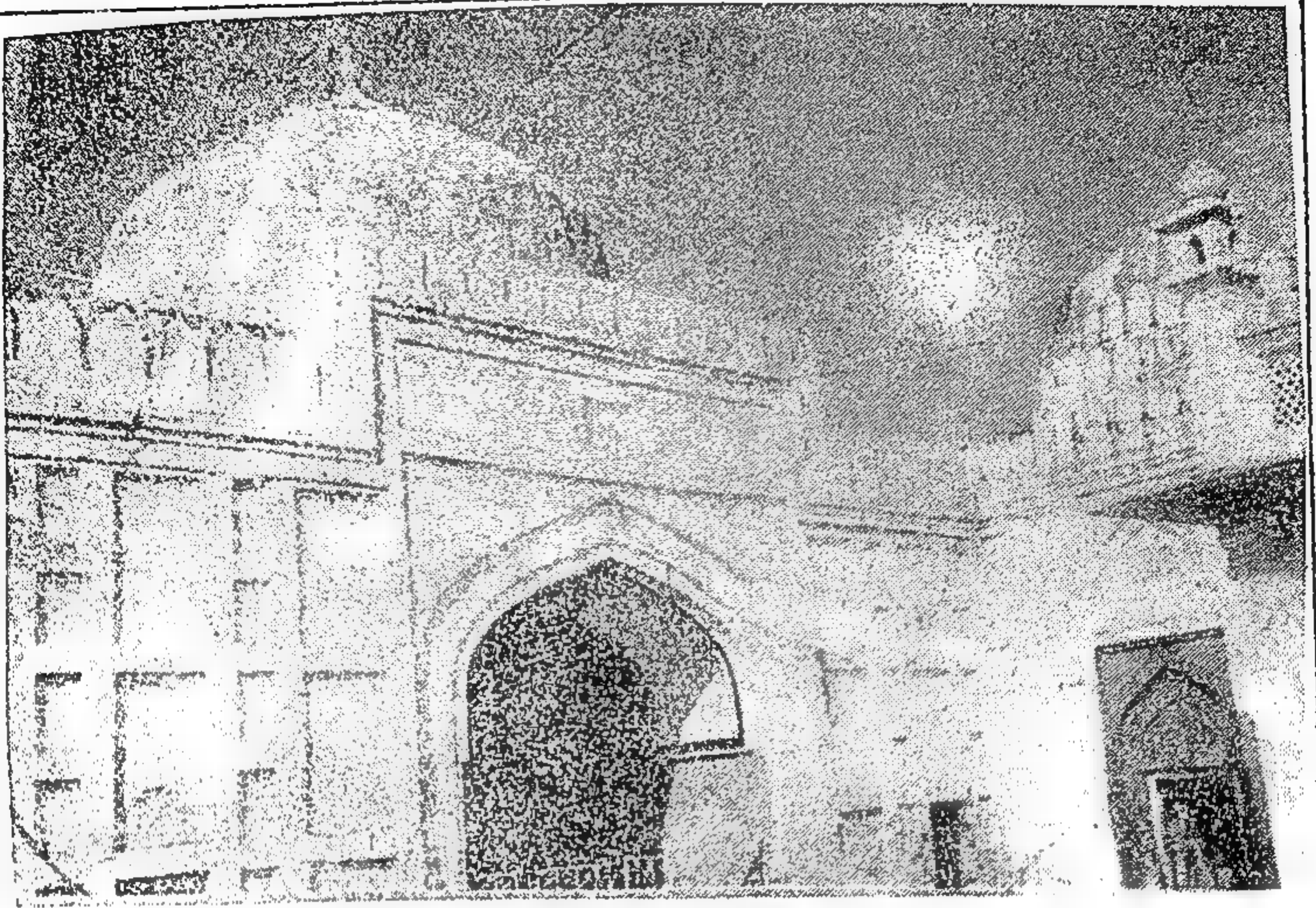
روضہ مبارک حضرت شیخ جلال الدین محمد کبیر اولیاء۔

کے وقت کی ہیں دروازے کے باہر فارسی کلام کا اندراج ہے اسی گنبد نما کمرہ کے مغرب کی جانب قدیمی مسجد ہے جو سلاطین کے دور کی ہے۔ حضرت شیخ جلال الدین محمد کبیر الاولیاء کے والد ماجد شیخ محمود امرائے پانی پت سے تھے آپ کی پیدائش پانی پت میں واقع ہوئی آپ کا نام خواجہ محمد رکھا گیا۔ آپ اپنے پیرومرشد کے عطا کردہ لقب "جلال الدین" سے مشہور ہیں۔ بچپن ہی سے آثار بزرگی نمایاں تھے آپ اور ہم عمر بچوں کی طرح کھیل کود میں دلچسپی نہیں لیتے تھے بچپن میں ہی آپ عشق الٰہی کے اسیر ہوئے اکثر ایسا ہوتا تھا کہ آپ جنگل میں تشریف لے جاتے تھے اور وہاں ذکر و فکر میں مشغول رہتے تھے۔ آپ کو حسن باطنی کے علاوہ حسن ظاہری بھی عطا ہوا تھا کھاتے پیتے گھرانے میں پیدا ہوئے تھے بے دریغ پیسہ خرچ کر۔ حضرت شیخ شرف الدین بو علی قلندرؒ آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ اپنے کھیت پر گئے ہوئے تھے۔ حضرت بو علی قلندرؒ آپ کے مکان پر تشریف لائے معلوم ہوا کھیت پر گئے ہوئے ہیں۔ حضرت بو علی قلندرؒ بھی کھیت پر آپہنچے آپ نے اپنے دامن میں غلہ بھر کے حضرت بو علی قلندرؒ کو پیش کیا حضرت بو علی قلندرؒ نے دریافت کیا کہ کیا ہے آپ نے جواب دیا: گھوڑے کے واسطے دانہ انہوں نے آپ سے کہا کہ گھوڑے سے پوچھو اگر وہ بھوکا ہو اور وہ دانہ مانگتا ہو تو اس کو دو۔

آپ نے گھوڑے سے پوچھا آپ کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ گھوڑے نے عرض کیا میرا پیٹ بھرا ہے۔ حضرت مخدوم مجھ کو دانہ کھلا کر مجھ پر سوار ہوئے تھے۔ دانہ لئے آپ کھڑے رہے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ حضرت مخدوم بو علی

قلندرؒ ایک عام گذر گاہ پر رونق افروز تھے۔ آپ گھوڑے پر سوار وہاں سے گزرے۔ حضرت بو علی قلندرؒ نے جب آپ کو گھوڑے پر سوار دیکھا تو فرمایا: (کیسا خوش قسمت گھوڑا اور کیسا خوش قسمت سوار ہے) یہ سن کر آپ پر وجدانی کیفیت طاری ہوئی گھوڑے سے فوراً اترے۔ گریبان چاک کرکے جنگل کی راہ لی۔ چالیس سال آپ نے سفر میں گزارے۔ بہت سے درویشوں سے ملے اور ان کے فیوض و برکات سے مستفید ہوئے۔ دو حج کیے۔

سیر و سیاحت سے واپس آکر آپ حضرت شمس الدین ترک پانی پتی کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ حضرت بو علی قلندرؒ سے بیعت سے مشرف کرنے کے لئے عرض کرتے تو وہ فرماتے کہ جلدی نہ کرو ٹھہرو تمہارے پیر آنے والے ہیں۔ ایک دن حضرت شمس الدین ترکؒ اپنے حجرے کے دروازے پر رونق افروز تھے مرید و معتقد حاضر خدمت تھے۔ آپ لباس فاخرہ پہنے گھوڑے پر سوار ان کے سامنے سے نکلے۔ انہوں نے آپ کو دیکھتے ہی حاضرین سے فرمایا۔ "اپنی نعمت اس لڑکے کی پیشانی میں تاباں دیکھتا ہوں۔" ان کا یہ فرمانا تھا کہ آپ کی نظر ان پر پڑی۔ نظر کا پڑنا تھا کہ آپ بے اختیار ہو گئے گھوڑے سے اترے اور سر نیاز ان کے قدموں پر رکھا۔ انہوں نے اپنے دست مبارک سے آپ کا سر اٹھایا اور آپ کو حکم دیا کہ "پھر گھوڑے پر سوار ہو، اور گھوڑے کو پھیرو" آپ حکم بجالائے حضرت شمس الدین ترک نے اسی وقت آپ کو بیعت سے مشرف فرمایا اور کلاہ چرمی جو آپ پہنے ہوئے تھے اتار کر اپنے ہاتھ سے آپ کے سر پر رکھی اور فرمایا (میں نے تجھ کو یہ بھی دیا اور وہ بھی دیا) آپ کے پیر روشن ضمیر حضرت شمس الدین ترکؒ نے آخر عمر میں آپ کو خرقہ خلافت سے سرفراز فرمایا اور جانشینی کا شرف بخشا۔

سلطان فیروز شاہ کو جب حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ آپ بقوت روحانی دہلی تشریف لائے اور ان کی صحت کے لیے دعا فرمائی اور آپ نے اپنی عمر کے چند سال ان کو عطا فرمائے اور آپ کی دعا سے وہ اچھے ہوئے اور پھر بقوت روحانی آپ پانی پت تشریف لے گئے۔ ایک مرتبہ آپ کا گزر ایک گاؤں سے ہوا۔ آپ نے دیکھا کہ گاؤں والے اپنا سامان لیے ہوئے جاتے ہیں۔ آپ نے وجہ پوچھی انہوں نے عرض کیا کہ گاؤں میں ژالہ باری کی وجہ سے فصل خراب ہو گئی ہے لگان ادا کرنے سے قاصر ہیں حاکم سخت ہے آپ نے فرمایا کہ اگر اس گاؤں کو ہمارے ہاتھ فروخت کرو اور ہمارے نام پر اس کا نام جلال آباد رکھو تو تمہارا لگان بھی ادا ہو جائے گا اور اچھی خاصی رقم بچ جائے وہ لوگ راضی ہو گئے۔

آپ نے ان لوگوں سے لوہا اور لوہے کا سامان لانے کو فرمایا اور لکڑی جمع کرنے کی تاکید فرمائی۔ ان لوگوں نے حکم کی تعمیل کی پھر آپ نے لکڑی کے جلانے اور لوہا اس میں ڈالنے کی ہدایت فرمائی آپ نے یہ بھی تاکید فرمائی کہ صبح کو آکر دیکھیں کہ کیا ہوا۔ اسی رات کو آپ اس گاؤں سے چل دیئے صبح کو جب گاؤں والے وہاں گئے تو ان کو دیکھ کر حیرت ہوئی کہ

سارا لوہا خالص سونا تھا۔ انہوں نے لگان ادا کیا۔ باقی روپیہ اپنے خرچ میں لائے اور اس گاؤں کا نام "جلال آباد" رکھا۔

ایک دن آپ دریا کے کنارے تشریف لے گئے وہاں ایک جوگی آنکھیں بند کئے بیٹھا تھا۔ آپ کے وہاں پہنچنے پر جوگی نے آنکھیں کھولیں اور آپ کو سنگ پارس دیا۔ آپ نے اس پتھر کو دریا میں پھینک دیا جوگی خفا ہوا۔ آپ نے جوگی سے فرمایا کہ دریا میں جا کر اپنا پتھر لے آئے۔ لیکن اس کے علاوہ اور کوئی پتھر نہ لے۔ جب جوگی دریا میں گیا تو اس نے وہاں ہزاروں اس قسم کے پتھر پائے۔ اس نے اپنے پتھر کے علاوہ ایک اور پتھر اٹھایا اور باہر آیا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ وہ دوسرا پتھر کیوں چھپا کر لایا۔ اس نے دونوں پتھر آپ کے سامنے رکھ دیئے اور آپ کا مرید ہوا۔ آپ کی دعا سے حضرت جمال الدین ہانسوی کا سلسلہ جاری ہوا۔ ایک کیمیا گر آپ کے ایک صاحبزادے کے پاس آیا اور ان کا فقر و فاقہ دیکھ کر ان کو کیمیا سکھانے کا وعدہ کیا انہوں نے آپ سے ذکر کیا۔ آپ نے حجرے کی دیوار پر تھوکا حجرہ سونے کا ہو گیا۔ آپؒ نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ کیمیائے سعادت سیکھنا بہتر ہے۔

مسجد حضرت شیخ جلال الدین کبیر اولیاء پانی پت

اولیائے کیتھل شریف

حضرت شاہ کمال قادری کیتھلیؒ
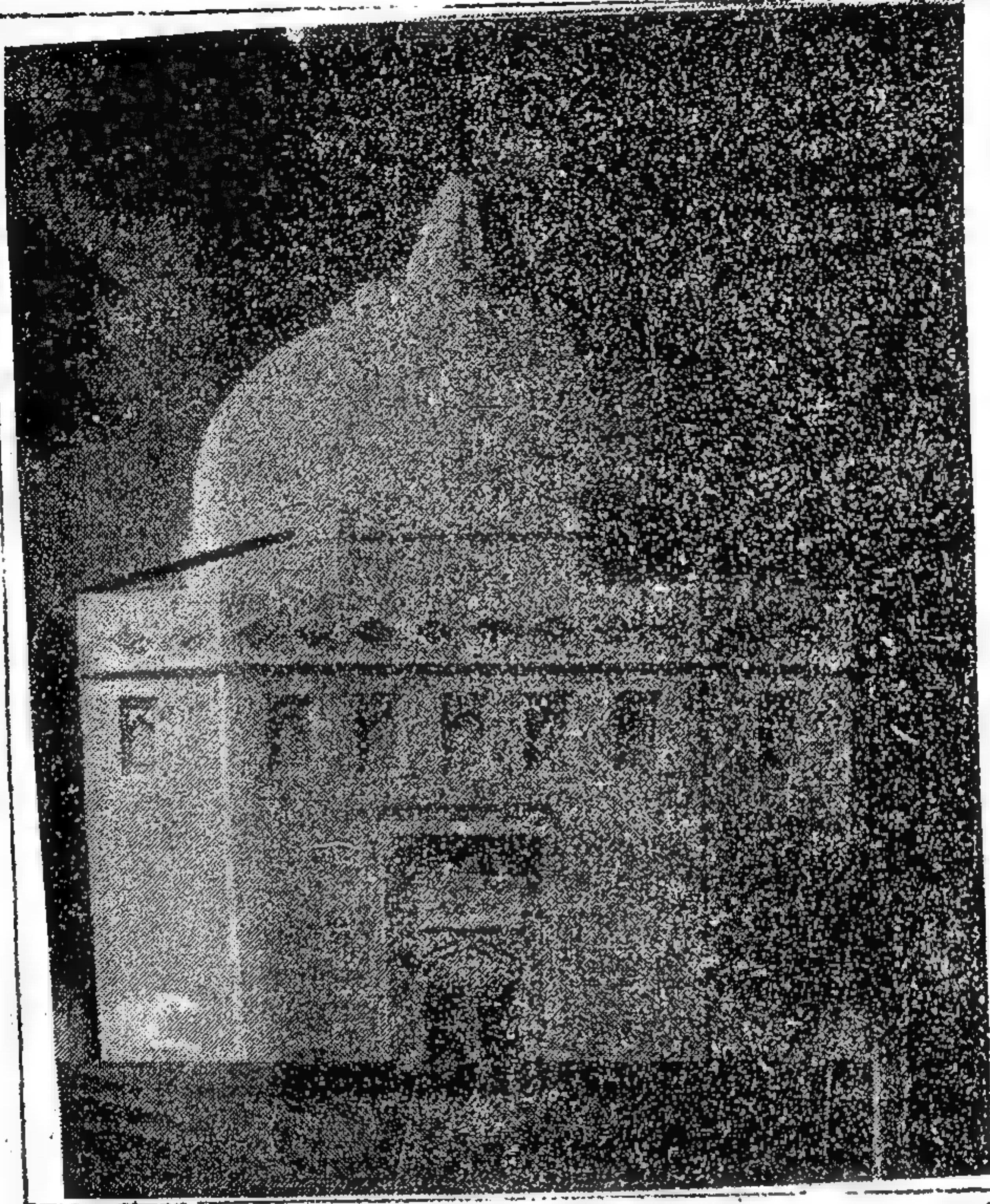
ہندستان کا شہر کیتھل شریف اولیائے کرام کی سرزمین ہے کیتھل کرنل اور پانی پت کے قریب واقع ہے اس سرزمین میں حضرت شاہ کمال قادری کیتھلیؒ کا مزار ہے۔ آپ کا اسم گرامی شاہ کمال الدین حسن عرف شاہ کمال کیتھلی ہے۔ والد ماجد کا اسم گرامی حضرت سید حاجی عمر ہے۔ آپ کا نسب نامہ ۱۲ واسطوں سے غوث صمدانی محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی الحسنی والحسینی سے جاملتا ہے۔ ۸۹۵ھ میں بغداد میں آپ کی ولادت باسعادت کے موقع پر اس زمانے کے سید الاولیاء حضرت شیخ فضیل قادریؒ نے بشارت دی تھی کہ یہ بچہ سلسلہ قادریہ میں اولیاء میں مرتبہ عالیہ پر فائز ہو گا۔ علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد باطنی روحانی علوم اور سلوک کی منازل طے کرنے کیلئے شیخ المشائخ حضرت شیخ فضیلؒ کے یداللہ صفت دست مبارک پر بیعت ہوئے۔ تو غوث زمانہ مرشد کامل حضرت شیخ فضیل قادریؒ نے حکم دیا کہ ہندوستان کو علم وعرفان کے نور سے جاکر منور کریں۔ نور معرفت وطریقت کا یہ دریا سرزمین ٹھٹھہ ملتان، لاہور، پاٹل اور

دہلی کی تشنہ لب انسانیت کو سیراب کرتا ہوا کیتھل کی پیاسی زمین کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے شاداب رکھنے کیلئے یہاں موجزن ہو گیا۔ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کے والد ماجد حضرت شیخ عبدالاحد کابلی قصبہ پائل میں آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے۔ آپ کی فیوضات و برکات اور علم و فضل کی بدولت سلسلہ قادریہ کا چمن ہند میں ابدی بہار بن گیا۔ آپ کو سرزمین ہند میں سلسلہ قادریہ کا بانی کہا جاتا ہے۔ ایسے باکمال اولیاء کرام کی ایک طویل فہرست بنتی ہے۔ جو آپ کی نظر کرم اور فیض رسانی سے ولایت کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہوئے امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ ارشاد فرماتے ہیں جب میں اولیاء امت محمدیہ کی منزل عزت سے گزرتا ہوں تو سلسلہ عالیہ قادریہ میں محبوب سبحانی غوث صمدانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے بعد حضرت شاہ کمال قادریؒ جیسا کوئی عظیم المرتبت بزرگ نظر نہیں آیا۔ علم و فضل اور عرفان کا جو سمندر بغداد سے کیتھل میں آپ نے جاری کیا تھا۔ وہ اسی جلال و جمال کے ساتھ قبولہ شریف، ڈیرہ غازی خان اور ہندوستان کے بیسیوں علاقوں میں جاری کیا۔ اور قیامت تک رہیگا۔

۲۸ جمادی الثانی ۹۸۱ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ کا مزار کیتھل ضلع کرنال بھارت میں ہے۔ مرجع خلائق اور منبع رشد و ہدایت ہے۔ آپ کا سالانہ عرس مبارک تقسیم ہند کے بعد بھی باقاعدگی سے منایا جاتا ہے۔ جس میں بلاامتیاز مذہب و ملت عقید تمند شریک ہوتے ہیں۔ آپ کی اولاد میں شاہ عماد الدین بڑے صاحبزادے تھے۔ جن کی اولاد آپ کی مسند ارشاد پر فائز ہوتی چلی آرہی ہے۔ دوسرے صاحبزادے حضرت شاہ موسیٰ جن کا مزار شریف قبولہ شریف ضلع ساہیوال میں ہے۔ تیسرے چھوٹے صاحبزادے شاہ نور الدینؒ جن کا نو عمری میں وصال ہو گیا تھا۔ مختصراً آپ کی کرامات فیوضات و برکات بہت زیادہ ہیں۔

سراج الاولیاء حضرت شاہ سکندر محبوب الٰہیؒ

شیخ الافاق شاہ کمال کے بڑے صاحبزادے امیر العارفین حضرت شاہ عماد الدینؒ کے فرزند ارجمند حضرت شاہ سکندرؒ اپنے جد امجدؒ کی مسند سجادگی پر جلوہ افروز ہوئے۔ شیخ الافاقؒ نے اپنی حیات مبارکہ میں ہی اپنے اس پوتے کو اپنا جانشین مقرر فرمایا تھا۔ حضرت شاہ سکندرؒ نے اپنے جد امجد کی آغوش فیض رساں میں تربیت پائی۔ علوم دینی و روحانی سے فیضیاب ہوئے، آپ کی کم عمری کا ایک واقعہ ہے کہ غیب سے ندا آئی "سکندر قران کیوں نہیں سیکھتا" آپ نے جواباً کہا "یاالہ العلمین! تو قادر مطلق ہے مجھے علم سکھا" یہ عرض کرنا تھا کہ غیب سے ایک نورانی ہاتھ نمایاں ہوا اور آپ کے سینہ سے مس ہوا۔ جس کی برکت سے قرآن مجید کا علم لامتناہی آپ کے سینہ مبارک میں آگیا۔ آپ کی ذات فیض رساں سے ظاہری و باطنی فیوضات کا وہ نور افشاں ہوا۔ جو سرزمین ہند میں احیائے اسلام اور کلمۃ الحق کی سربلندی کا پیش خیمہ بن گیا۔ ہند میں سلسلہ عالیہ قادریہ میں آپ نے مقام ارفع حاصل کیا۔ حضرت شاہ سکندر محبوب الٰہیؒ کے کرامات اور

روضہ مبارک حضرت شاہ سکندر محبوب الٰہی

فیوضات وبرکات کی وسعت اس قدر ہے کہ اس کے بیان کے لیے دفتر عظیم چاہیے اس زمانے کے بے شمار صوفیاء، علماء اور سالکان راہ طریقت نے آپ کی ارادت میں آکر مقام ولایت کے وہ مدارج طے کیے کہ وہ خود فقر و جذب اور معرفت و حقیقت کے ابر باراں بن گئے۔ جن میں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کا نام نامی کافی ممتاز نظر آتا ہے حضرت مجدد الف ثانیؒ کا ارشاد گرامی ہے کہ موسم گرما کا آفتاب جب نصف النہار میں پوری تمازت سے دمک رہا ہو تو اسے بخوبی دیکھ سکتا ہوں۔ لیکن جب کبھی غوث وقت قطب مدار حضرت شاہ سکندرؒ کے قلب محیط تجلیات قدسیہ وانوار ربانیہ کی طرف دیکھنا چاہا تو نگاہیں تاب نہ لا سکیں۔ خانوادہ جیلاں کا یہ عظیم المرتبت، شیخ کامل ۱۰ جمادی الاول ۱۰۲۵ھ کو اپنے مالک حقیقی سے جاملا آپ کا مزار شریف کیتھل شریف میں ہے اب بھی آپ اپنے مزار انوار پر آنے والے سالکین کو فیوض وبرکات اور تصرف باطنی سے نواز رہے ہیں حاجت مندوں اور سالکین کی آمد کا سلسلہ جاری ہے آپ کا سالانہ عرس تقسیم ہند کے بعد بھی باقاعدگی اور تزک واحتشام سے منایا جاتا ہے بلا امتیاز مذہب وملت عقیدت مند شریک ہوتے ہیں۔

حضرت سید شاہ محب اللہ الیاسؒ

آپ اپنے والد ماجد حضرت شاہ سکندرؒ کے بعد منصب سجادگی پر جلوہ افروز ہوئے مجاہدہ، ریاضت اور یاد الٰہی

میں بکثرت مشغول رہنے کے باعث آپ زیدی کے لقب سے مشہور ہوئے لاہور کے معروف جید عالم با عمل حضرت شیخ محمد طاہر لاہور سے قرآن و حدیث اور دینی علوم حاصل کیے باطنی اور ظاہری علوم کا فیض ابدی اپنے والد ماجد سے حاصل کیا حضرت شاہ سکندر محبوب الہیؒ نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ سنت نبوی کی پیروی کرنا، تقویٰ کو اپنا شعار بنانا، مخلوق خدا کی خدمت کرنا جب تک نیند کا غلبہ نہ ہو مت سونا اور جلد اٹھ بیٹھنا۔ اپنے مرشد کامل اور والد ماجد کی ان نصائح کا یہ اثر ہوا کہ زہد و اتقیاء کی بلندیوں پر جا پہنچے۔ آپ اکثر روزہ رکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ نماز اور وظائف آدھا سلوک ہے تو روزہ بھی سلوک ہے حضرت شاہ سید محب اللہؒ اپنے دور کے قطب وقت تھے علم و فضل کا یہ حال تھا کہ دور دور سے تشنگان علم فلسفہ و حکمت اور فقہ و تصوف کی تشنگی اس جاری و ساری چشمہ سے آکر بجھاتے۔ بے شمار خلق خدا نے آپ سے فیض حاصل کیا۔ آپ یکم محرم الحرام ۱۰۸۶ھ کو واصل الحق ہوئے اور کیتھل شریف میں اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں دفن ہوئے۔

شیخ المشائخ حضرت محمد شاہ علی زندہ ولیؒ

اپنے والد ماجد حضرت شاہ محب اللہ الیاسؒ کے بعد ان کے منصب رشد و ہدایت کو سنبھالا۔ بچپن ہی سے قناعت اور تقویٰ کو اپنا شعار بنایا ہوا تھا۔ آقائے دو عالم نور مجسم ﷺ کا ارشاد ہے کہ الفقر فخری (فقر میرے لیے فخر ہے) حضور محمد شاہ فقر کی اس دولت سے مالا مال تھے جس پر محبوب رب العلمین نے فخر فرمایا۔ آپ کا قول ہے کہ دولت فقر کے سامنے ارض و سموات کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ آپ ہر وقت استغراق کی کیفیت، جسے مقام سکر کہا جاتا ہے میں محو رہتے تھے۔ علماء اور فضلاء کا ایک حلقہ ہر وقت حدیث و فقہ کی تعلیم کے لیے بارگاہ میں حاضر رہتا۔ بے شمار غیر مسلم آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر دولت اسلام سے مالا مال ہوئے۔ آپ کی زاہد و متقی ذات سے سلسلہ قادریہ کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ آپ کے معتقدین اور مریدین کی اچھی خاصی تعداد ہند کے گوشہ گوشہ کے علاوہ غیر ممالک میں بھی پھیل گئی۔ آپ کے خلفاء میں سے بہت سے بزرگان، برصغیر ہند میں اپنے علم و فضل اور مقام ولایت میں ایک ممتاز اور منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔ جن میں تاجدار تصوف حضرت ملوک شاہ غازی بہاولپور، فاضل اجل سر تاج العلماء، حضرت شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی شامل ہیں۔ آپ کی سخاوت اور فیاضی مشہور تھی۔ آپ کو زندہ ولی کے لقب سے موسوم کیا جاتا ہے۔ آپ نے ۲۰ ذی الحجہ ۱۱۳۰ھ کو عالم فنا سے عالم بقا کی طرف سفر فرمایا۔ آپ کا مزار مبارک کیتھل میں ہے اور مزار انور سے کرامات اور فیوضات کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ سالکان تصوف آپ کے مزار پر مراقبہ اور چلہ کشی کے علوم معرفت و طریقت حاصل کرتے رہتے ہیں۔ ان کے علاوہ نور نظر شاہ جیلاں حضرت شاہ کبیر الدین عابدؒ، حضرت

سلطان الاعظم شاہ محمد بالائے ماہؒ، شمس العارفین حضرت حسن الدینؒ، زینت الاولیاء حضرت سید محمد علی شاہؒ، قبلہ عالم حضرت شاہ سید علی سیدؒ، تاج السالکین حضرت سید عبدالعلیؒ، مخدوم ملت حضرت مخدوم سید علی احمد شاہ قادریؒ بلند پایہ کے ولی اللہ ہو گزرے ہیں۔

حضرت مخدوم سیّد مقبول محی الدین گیلانی

سجادہ نشین آستانہ عالیہ کھتیل شریف دربار قادریہ ڈیرہ غازی خان

برصغیر پاک ہند میں تقریباً پچاس ساٹھ کروڑ انسان اولیاء کرام کی نظر کرم سے مسلمان ہوئے۔ تا قیامت رشد ہدایت کا یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ برصغیر پاک ہند میں اولیئا کرام کے ہزاروں آستانے ہیں جہاں مخلوق خدا فیض یاب ہو رہی ہے علم عرفان کے چشمے سیاہ دلوں کو روحانیت کی روشنی سے منور کر رہے ہیں۔ جہاں علم ادب کی شمعیں روشن ہیں ایسا ہی ایک آستانہ ڈیرہ غازی خان میں جہاں حضرت مخدوم سید مقبول محی الدین گیلانی اپنے اسلاف کی مقدس روایات کو تابندہ رکھے ہوئے ہیں راقم نے دسمبر 1998ء کو آستانہ میں حاضری دی۔

روضہ مبارک کی اعلیٰ انداز میں تعمیر مسجد کا انتظام لنگرخانہ مریدین کے لئے علاج معالجہ کی سہولت آرام گاہیں درس تدریس کا انتظام دیکھ کر ایسا محسوس ہوا کہ آستانہ کا انتظام انتہائی اعلیٰ ہاتھوں میں ہے۔ راقم کی آئندہ شائع ہونے والی کتاب اولیائے ہند، مسلمانوں کی عظمت کے نشان کے لئے سب سے زیادہ مواد جناب سید مقبول احمد محی الدین لقب میاں سرکار نے مہیا کیا۔ میں ان کا تہہ دل سے ممنون اور شکور ہوں۔ کاش پاکستان بھر کے آستانے نشرو اشاعت کا ایسا انتظام کریں جیسا کہ سید مقبول محی الدین گیلانی صاحب نے یہ سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے۔ تو تصوف اور روحانیت کی دنیا میں انقلاب آ سکتا ہے۔ سیاہ دلوں کو روشنی مل سکتی ہے۔

سید مقبول احمد محی الدین لقب میاں سرکار ۲۲ اپریل ۱۹۳۵ء کو کیتھل ضلع کرنال میں پیدا ہوئے۔ آپ برصغیر پاک و ہند کے عظیم روحانی پیشوا اور سلسلہ قادریہ کے نامور بزرگ شیخ الآفاق حضرت شاہ کمال کیتھلیؒ کے خانوادے کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ کے والد بزرگوار حضرت مخدوم سید علی احمد شاہ قادریؒ عصر حاضر کے مشائخ عظام میں انتہائی برگزیدہ بزرگ اور فقرد تصوف کے مرد میدان تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب پیران پیر محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے جا ملتا ہے۔ مخدوم سید

ی احمد شاہ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ پیدائشی ولی تھے۔ تقسیم ہند کے بعد پاکستان تشریف لائے،
ور ۔ ۔ ۱۹۶۲ء میں وصال فرمایا۔ آپ کا مزار مبارک ڈیرہ غازی خاں میں سرچشمہ فیض و برکات ہے۔
۔ ۔ ۔ قادریہ کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کے عقیدت مندوں کا سلسلہ پورے ملک میں پھیلا ہوا
ہے۔ چنانچہ میاں سرکار نے مذہبی گھرانے میں پرورش پائی۔ ابتدائی دینی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ اس
کے علاوہ ادیب اور فاضل کے امتحانات پاس کیے۔ آپ اپنی دینی و ملی خدمات کی بناء پر اہل بینش و دانش
کے حلقوں میں نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ کشادہ دل اور کشادہ دست ہیں۔ دل
درد مند رکھتے ہیں۔ جس میں ملت اسلامیہ کی سربلندی و بہبود کی آرزوئیں آپ کی سب سے بڑی تمنائیں
ہیں۔ آپ کے نزدیک موجودہ خرابیوں کا سبب خدا اور آخرت سے بے نیازی اور رسول پاک صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کی محبت اور رہنمائی سے روگردانی ہے۔ آپ علم و ادب، فلسفہ و اخلاق سے دلچسپی رکھتے ہیں۔

مخدوم ملت حضرت سید علی احمد شاہ قادریؒ کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ والد ماجد کے وصال
کے بعد خاندان سکندریہ کمالیہ کی مسند رشد و ہدایت پر جانشین ہوئے ہیں۔ اپنے والد ماجد کی نگرانی اور
سرپرستی میں دینی تعلیم ضلع کے معروف جید عالم دین حضرت مولانا غلام جہانیاںؒ سے حاصل کی۔ علاوہ
ازیں مروجہ تعلیم بھی کالج تک حاصل کی۔ آپ نے اپنے حسن سلوک، علم و بردباری، اعلیٰ حوصلگی اور
مرنجاں مرنج طبیعت کی بناء پر بہت جلد اس خلا کو پُر کر لیا جو آپ کے والد ماجد کے وصال کے بعد
پیدا ہوا تھا۔ آپ کے حسن انتظام اور کمال رغبت کی بدولت دربار عالیہ قادریہ ڈیرہ غازی خان کی شان و
شوکت میں اضافہ ہوا ہے۔ بلکہ دینی لحاظ سے دربار عالیہ کو غیر متنازعہ مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔
دربار پر آکر دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ دربار عالیہ کے سجادہ نشین واقعی اپنے اسلاف کی مقدس روایت کو
تابندہ رکھے ہوئے ہیں۔ حضرت میاں صاحب علم دوست اور اہل علم کے لیے بے حد قدر دان ہیں۔
آپ کی محفل میں اہل قلم، صحافی، اساتذہ، وکلاء اور شعراء موجود رہتے ہیں، تصوف، بزرگان دین کے
حالات اور علوم اسلامیہ آپ کی محفل کے خاص موضوع ہوتے ہیں۔ آپ کی سرپرستی میں جامعہ غوثیہ
مقبول المدارس قائم ہے۔ آپ کی خواہش ہے کہ ملک کی دوسری درس گاہوں کی طرح یہ درس گاہ بھی
ایک منفرد مقام حاصل کرے۔ بحمداللہ آپ کی شخصیت ہر مکتب فکر کے لوگوں کے لئے قابل صد احترام
ہے۔ آپ بھی اپنے اسلاف کی طرح نہ تو احکام سے میل جول رکھتے ہیں اور نہ اہل دول اور جاگیرداروں
سے قناعت و توکل آپ کا شعار سادگی اور صاف دلی آپ کا وطیرہ ہے۔ میاں صاحب میں بڑی خوبی یہ
ہے کہ بناوٹ اور تصنع سے کوسوں دور ظاہری دستار وجہ سے اپنے آپ کو بے نیاز رکھا ہوا ہے۔ آپ
کے اخلاق کریمانہ اور دربار عالیہ میں پابندی کے ساتھ مقررہ اوقات میں قیام کی بدولت دربار پر زائرین،

حاجتمندوں اور ملاقاتیوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ مخدوم ملت حضرت سید علی احمدؒ کا عرس آپ کی سرپرستی میں ہر سال ۵ نومبر تا ۷ نومبر دربار عالیہ قادریہ ڈیرہ غازی خاں میں نہایت تزکِ و احتشام سے منایا جاتا ہے۔ بارگاہ الٰہی میں دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کی ذات سے جماعت اہلِ سنت کو مستحکم و مضبوط فرمائے۔ ملی اتحاد، استحکام پاکستان کے لئے جو مساعی آپ کے بزرگان کر گئے ہیں وہ جاری ساری رہیں آپ کی ذات سے مخلوق خدا رشد و ہدایت اور اتباع سنت کی تعلیم حاصل کرتی رہے۔ (آمین ثم آمین)

از رسالہ اولیائے کیتھل شریف از حاجی رب نواز جامعہ غوثیہ مقبول المدارس ڈیرہ غازی خان۔

حضرت شیخ سلیم چشتیؒ فتح پور سیکری
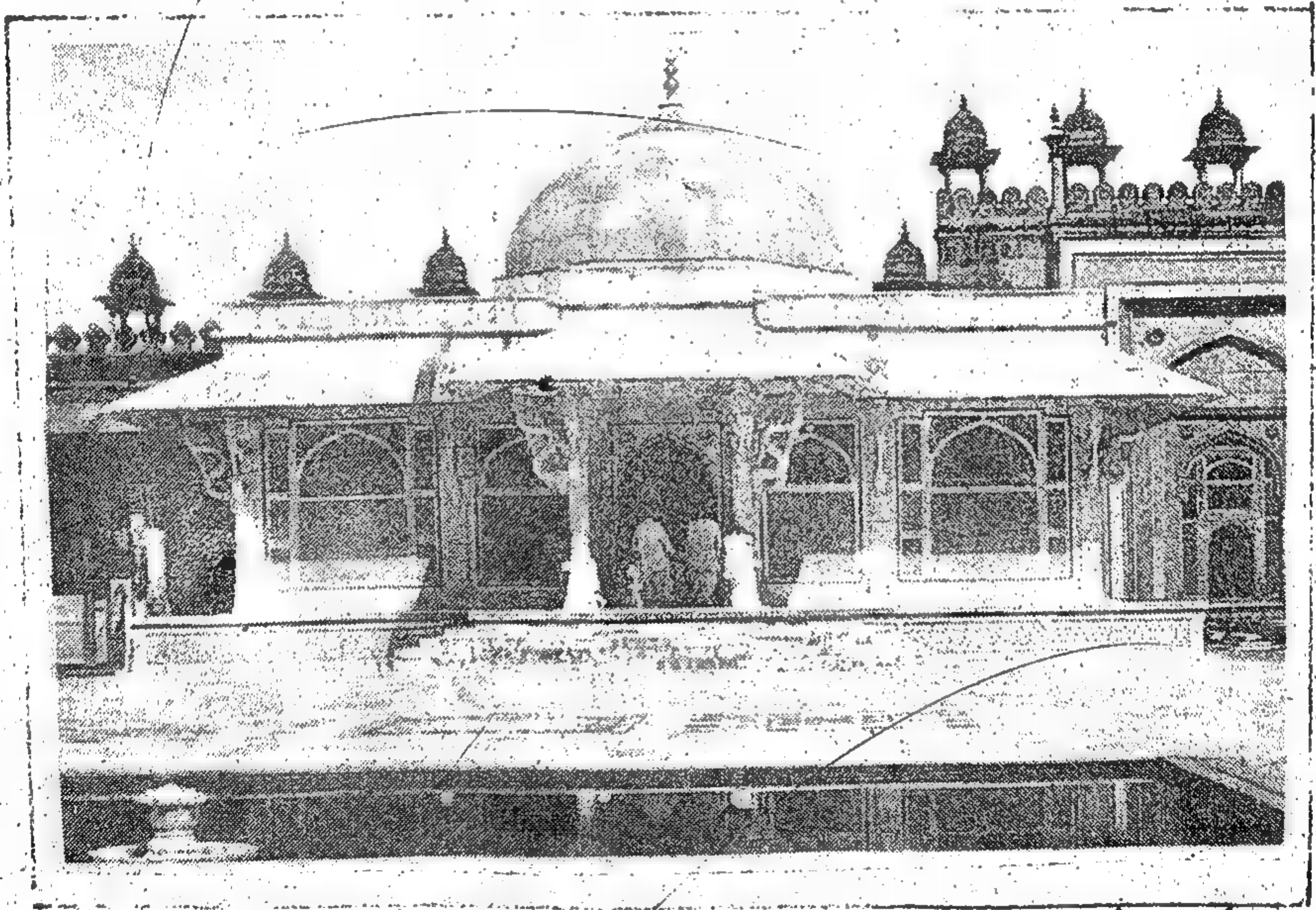
آگرہ سے فتح پور سیکری کا فاصلہ ۲۲ میل ہے۔ فتح پور سیکری روحانی شہر ہونے کے علاوہ تاریخی شہر ہے مغلوں کے دور کی تعمیر کردہ لاتعداد عمارتیں ہیں روحانی شخصیات میں حضرت شیخ سلیم چشتی کا نام نمایاں ہیں یہ وہ شیخ سلیم چشتی ہیں جن کی دعاؤں سے شہنشاہ جہانگیر پیدا ہوا شہنشاہ جلال الدین اکبر کو آپ سے اتنی عقیدت تھی کہ اس نے اپنا دارالخلافہ آگرہ سے فتح پور سیکری منتقل کر لیا وہاں عالی شان عمارتیں تعمیر کروائیں۔

فتح پور اور سیکری دو علیحدہ علیحدہ شہر ہیں لیکن فتح پور سیکری کے نام سے مشہور ہیں اس مقام پر شہنشاہ ظہیر الدین بابر

نے ۱۵۲۷ء میں راناسانگا کو شکست دی تھی۔ حضرت شیخ سلیم چشتی کا مزار عالی شان انداز میں سنگ مرمر سے تعمیر کیا گیا ہے جس سے مغلوں کی عقیدت کا اظہار ہوتا ہے جالیاں بھی دیدہ زیب ہیں روضہ کی تعمیرات میں سیپ کا استعمال کر کے اسے خوشنما بنایا گیا ہے آپ کے مزار کے قریب عالی شان مسجد بھی ہے فتح پور سیکری میں آپ کے مزار پر صبح شام مخلوق خدا حاضری دیتی رہتی ہے ہندوستان میں ایک بات مشاہدہ میں آئی ہے کہ اولیائے کرامؒ کے مزارات پر مسلمانوں کے علاوہ ہندو سکھ بھی پوری عقیدت سے حاضری دیتے ہیں۔ بلکہ کئی مزاروں کے مجاور ہندو ہیں سالانہ عرس کے موقع پر پوری عقیدت سے لنگر نیاز تقسیم کرتے ہیں۔

حضرت شیخ سلیم چشتی کے آباو اجداد اجودھن سے ہجرت کر کے لدھیانہ آئے۔ کچھ عرصہ لدوھیانہ میں رہے پھر دہلی میں سکونت اختیار کی آپ کے والدین دہلی سے ترک سکونت کر کے فتحپور سکیری میں رہنے لگے۔ آپ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کی اولاد سے ہیں شیخ موسیٰ آپ کے بڑے بھائی ہیں۔ آپ دہلی کے ایک محلہ سرائے علاؤالدین زندہ پیر میں ۸۸۴ھ میں پیدا ہوئے ابھی آپ کمسن ہی تھے کہ والدین کا سایہ سر سے اٹھ گیا آپ کی پرورش آپ کے بڑے بھائی کے سایے میں ہوئی آپ کے بڑے بھائی شیخ موسیٰ نے آپ کی تربیت پر کافی دھیان دیا۔ سن بلوغ پر پہنچ کر آپ نے سفر کا ارادہ کیا اپنے بڑے بھائی سے اجازت مانگی آپ کے بڑے بھائی نے آپ کو اجازت نہیں دی اور کہا کہ ان کے اولاد نہیں ہے اور (حضرت سلیم) ہی ان کی اولاد ہیں اور انھوں نے ان کو اولاد کی طرح پالا ہے۔ یہ سن کر آپ نے اپنے بڑے بھائی سے کہا کہ ناامید نہ ہوں۔ ان کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا ان کا گھر روشن ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ نو مہینے کے بعد شیخ موسیٰ کے گھر لڑکا پیدا ہوا۔ آپ کے بڑے بھائی کے گھر جب لڑکا پیدا ہوا تو آپ نے رخت سفر باندھا فتح پور سکیری سے سرہند تشریف لائے اور ملک العلما شیخ مجد الدینؒ سے علوم ظاہری کی تکمیل کی جس زمانے میں آپ کا قیام سرہند میں تھا آپ کبھی کبھی قصبہ بدالی جاتے اور حضرت شیخ زین العابدین چشتی کے مزار سے فیوض و برکات حاصل کرتے آپ نے ۹۳۱ھ میں حرمین شریف کی زیارت کی۔ کچھ عرصہ مکہ معظمہ میں قیام فرمایا پھر مدینہ منورہ میں پہنچ کر دربار رسالت میں رہنے لگے پھر عرب، عجم، خراساں، بصرہ اور شام کی سیر و سیاحت فرمائی بعد ازاں عرب واپس آئے۔ آپ ہندوستان واپس آئے اور فتح پور سکیری میں گوشہ نشین ہو کر عبادات، مجاہدات اور ریاضات میں مشغول ہوئے خانقاہ تیار کرائی باغ لگایا اور کنوئیں کھدوائے۔ سیر و سیاحت کے دوران آپ بہت سے بزرگوں اور درویشوں سے ملے اور ان سے فیوض و برکات حاصل کیے حضرت شیخ ابراہیم چشتی کے دست حق پرست پر آپ بیعت ہوئے اور ان سے خرقہ خلافت پایا۔ پہلے سفر سے واپسی کے بعد جب فتح پور سکیری تشریف لائے تو آپ نے شادی کی آپ کے تین لڑکے تھے تاج الدین سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے ان کا انتقال ڈھائی سال کی عمر میں ہوا آپ کے دو اور لڑکے تھے شیخ بدرالدین، آپ کے وصال کے بعد آپ کے سجادہ نشین ہوئے اور قطب الدین شہنشاہ جہاں گیر کے عہد میں اونچ

عہدے پر فائز ہوئے۔آپ نے ۲۹ رمضان ۹۷۹ھ جو وصال فرمایا مزار فیض آثار فتح پور سیکری میں مرجع خاص و عام ہے آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ بدر الدینؒ آپ کے سجادہ نشین ہوئے عرب میں جب آپ کا قیام ہوا تو آپ نے سید محمد ولی، شیخ محمود شامی اور شیخ رجب علی کو خرقہ خلافت سے ممتاز فرمایا۔ان کے علاوہ آپ کے ممتاز خلفا حسب ذیل ہیں۔

شیخ عبد الواحد، شیخ امام سرہندی، امام سید حسین، شیخ رکن الدین، شیخ یعقوب، شیخ حماد، شیخ محمد غوری، شیخ کبیر، شیخ محمد بخاری، شیخ کمال الدین، شیخ فتح اللہ وغیرہ۔آپ کی سب سے بڑی کرامت شہنشاہ اکبر کے کوئی لڑکا نہ تھا اکبر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کا طالب ہوا آپ نے مراقبہ کیا اور شہنشاہ اکبر سے کہا

"افسوس ہے کہ تیری قسمت میں بیٹا نہیں ہے"

شہنشاہ اکبر نے یہ سن کر آپ سے عرض کیا۔"چونکہ میری قسمت میں بیٹا نہیں ہے اسی لئے تو آپ سے عرض کی ہے آپ دعا کیجیئے۔"

آپ شہنشاہ اکبر کے اس جواب سے خوش ہوئے تھوڑی دیر مراقبہ کیا اور پھر فرمایا "اس ملک میں مغلوں کی حکومت بہت عرصے تک رہے گی اچھا کل بیگم کو میری بیوی کے پاس بھیج دینا" دوسرے دن جب بیگم آپ کے یہاں آئی تو آپ نے اپنی اہلیہ محترمہ کو رانی کی پشت سے پشت ملا کر بیٹھنے کا حکم دیا جب آپ کی اہلیہ محترمہ رانی کی پشت سے پشت ملا کر بیٹھیں تو آپ نے اپنی چادر دونوں پر ڈال دی پھر اپنی اہلیہ محترمہ سے فرمایا کہ اپنا ہونے والا فرزند رانی کو دے دو جب رانی کے لڑکا پیدا ہوا تو اس لڑکے کا نام آپ نے اپنے نام پر "سلیم" رکھا شہزادہ سلیم آپ کو "شیخو بابا" کہا کرتا تھا شہزادہ سلیم اپنے والد شہنشاہ اکبر کے انتقال کے بعد تخت و تاج کا مالک ہوا اور "جہاں گیر" کے لقب سے مشہور ہوا۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ حجرے سے نماز کے واسطے مسجد جا رہے تھے ایک فقیر کو دیکھا کہ سو رہا تھا آپ نے اس کو جگایا اور اس سے فرمایا "فقیروں کو کسی سے لڑنا نہیں چاہیئے" وہ فقیر یہ سن کر شرمندہ ہوا اور اقرار کیا کہ واقعی وہ خواب میں لڑ رہا تھا آپ نے فتح پوری سیکری کے لوگوں سے شاہی عمارات تعمیر ہونے سے پندرہ سال قبل فرما دیا تھا کہ لوگوں کو چاہیئے کہ مکانات کشادہ بنالیں ورنہ پھر جگہ نہیں ملے گی۔آپ کا عرس ہر سال عقیدت اور احترام سے منایا جاتا ہے۔

اولیاء سرہند شریف

منزل عقیدت سفر بسلسلہ شمولیت عرس پاک حضرت مجدد الف ثانیؒ سے اقتسابات

از محمد احسن خواجہ ایڈووکیٹ ممبر پنجاب بار کونسل

حضرت امام ربانی شیخ احمد سرہندیؒ ان چند عظیم المرتبت شخصیتوں میں سے ہیں جن کا نام سدا روشن اور جگمگاتا رہے گا جنہوں نے لوگوں کو اسلام کے صراط مستقیم پر گامزن کرنے کے لیے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ آپ نے مغل بادشاہ اکبر کے گمراہ کن نظریات اور من گھڑت دین الٰہی کا پوری ایمانی قوت سے مقابلہ کیا اور جہانگیر بادشاہ کو سچائی اور راستی کے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیا۔ اقبالؒ کے بقول
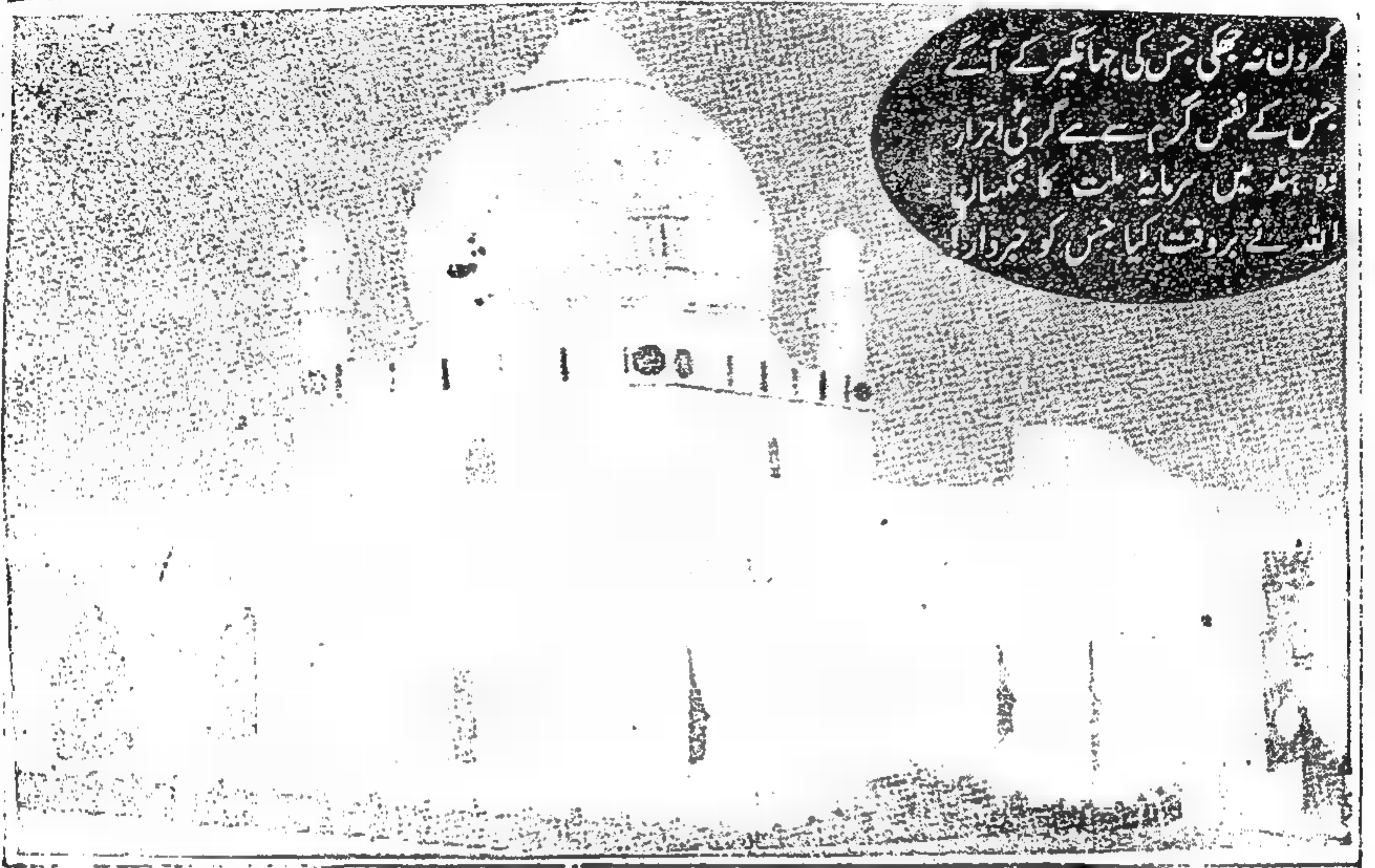
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے، جس کے نفس گرم سے ہے گرمیٔ اسرار

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان، اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

آپ سلسلہ نقشبندیہ کے وہ روشن چراغ ہیں جن کے متعلق ان کے مرشد پاک حضرت خواجہ باقی باللہ نے فرمایا کہ وہ اس پایہ کے روشن سورج ہیں جن میں میرے جیسے ہزاروں ستارے گم ہو جائیں۔

آپ کا مرقد پاک سرہند شریف انڈیا میں ہے آپ کا عرس مبارک سرہند شریف میں ۲۸۔۲۹ صفر المظفر ہجری سن کے مطابق نہایت عقیدت و احترام سے منایا جاتا ہے۔ آپ کا وصال ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ کو ہوا۔

زائرین پارٹی میں شمولیت کے خواہش مند حضرات سے درخواستیں طلب کی گئیں جن خوش نصیبوں کو حاضری کی سعادت نصیب ہوئی راقم کے علاوہ وہ حسب ہدایت وزارت مذہبی امور مورخہ ۱۵ ستمبر ۱۹۹۰ء بوقت ۸ بجے صبح دربار عالیہ حضرت داتا گنج بخشؒ لاہور پہنچ گئے۔

قرآن مجید کی آیات مبارکہ کی تلاوت کے بعد صاحب زادہ غلام جیلانی صاحب سجادہ نشین آستانہ عالیہ چورہ شریف کو رہنمائی اول کے فرائض سونپے گئے اور مولانا خالد حسن مجددی صاحب کو نائب لیڈر مقرر کیا گیا۔ جملہ زائرین کو باری باری ناموں سے پکار کر دستار بندی کی گئی۔ زائرین پارٹی ۱۷۴ افراد پر مشتمل حضرت داتا گنج بخشؒ کے دربار اقدس کے لان میں بسواری بس واہگہ بارڈر جانے کے لیے آ گئی۔ واہگہ بارڈر جانب پاکستان پر پاکستانی کسٹم چیک پوسٹ پر ضروری چیکنگ اور کاروائی عمل میں لائی گئی۔ بھارتی کسٹم حکام نے ویزے اپنے پاس رکھ لیے اور پاسپورٹ پر داخلہ کی مہر اور دستخط کر دیئے۔ بسیں سڑک پر کھڑی تھی جو زائرین کو لے کر امرتسر ریلوے اسٹیشن پر لے گئیں۔

امرتسر سے ٹرین چھ بجکر ۱۵ منٹ پر شام روانہ ہوئی پسنجر گاڑی ایسی ٹرین تھی جو ہر غیر معروف چھوٹے بڑے سٹیشن پر دس پندرہ منٹ کے لیے رکتا تو درکنار اس سے ہر دوسری ٹرین جن میں مال گاڑیاں بھی شامل تھیں کے لیے رستہ چھوڑنا اپنا معمول بنایا ہوا تھا۔ بالآخر ستلج اور بیاس کی زرخیز زمینوں کو عبور کر کے مانانوالہ، جنڈیالہ، بیاس، جالندھر، پھلواڑہ، کرتارپور اور لدھیانہ سے ہوتی ہوئی سرزمین مقدس صبح سرہند شریف ریلوے سٹیشن پر پہنچی جہاں انتظامیہ بلدیہ کے حکام استقبال کے لیے موجود تھے۔

بسواری بس دربار مقدس امام ربانیؒ پہنچے۔ دربار عالیہ کے سجادہ نشین جناب صاحبزادہ محمد یحییٰ صاحب نے جملہ زائرین کا کمروں میں مناسب رہائش کا انتظام کیا اور صبح وہاں پنکھوں کا بھی اہتمام کر دیا گیا کیونکہ ابھی موسم گرم تھا۔ نماز فجر مسجد حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ میں ادا کی نوافل پڑھے۔ یہ مسجد بڑی اہمیت اور افضلیت کی حامل ہے رَوضہ القیومیہ میں درج ہے کہ حضرت امام ربانیؒ کو زیارت کعبہ کا بے حد شوق تھا۔ اشتیاق کی انتہائی کیفیت میں ایک دفعہ تشریف فرما تھے کیا دیکھتے ہیں کہ تمام مخلوقات انسان فرشتے وغیرہ نماز ادا کر رہے ہیں اور رخ آپ کی جانب ہے آپ نے توجہ فرمائی تو القا ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے بے پایاں شوق کے پیش نظر خانہ کعبہ وہاں بھیج دیا ہے اس لیے یہ مسجد ماسوائے چند دیگر مساجد کے بڑی فضیلت کی مسجد قرار دی گئی۔

مزار اقدس پر آپ کی ولادت باسعادت بروز جمعہ شب ۱۴ شوال ۹۷۱ھ اور وصال ۱۵ شوال ۱۰۳۴ھ کندہ ہے روضہ مبارک سے ملحقہ دائیں پہلو میں اکابر اولیاء خواجہ محمد صادقؒ فرزند اول حضرت امام ربانیؒ متوفی ۹ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ اور ان کے آگے خازن الرحمت خواجہ محمد سعید فرزند ثانی حضرت مجدد الف ثانیؒ متوفی ۲۷ ربیع الثانی ۱۰۷۶ھ اور ان کے ساتھ حضرت بی بی ام کلثومؒ دختر نیک اختر حضرت امام ربانیؒ موجود ہیں۔

حضرت مجدد اعظمؒ فرمایا کرتے تھے کہ میرے محمد سعید علوم ظاہری میں اس قدر بڑھے ہوئے ہیں کہ انہیں مجدد وقت کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا اور فرمایا کہ ہر قطب کے دو امام ہوتے ہیں میرے ایک خواجہ محمد معصومؒ اور دوسرے خواجہ محمد سعیدؒ ہیں۔

خواجہ محمد سعیدؒ سے حضرت امام ربانیؒ نے فرمایا کہ تم میرے ضمنی ہو اس بات سے مایوس نہ ہونا۔ حضرت صدیق اکبرؓ سرکار دو عالم شفیع المذنبینؐ کے ضمنی تھے۔ حضرت محمد سعیدؒ کو ظاہری آنکھوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار پاک آٹھ مرتبہ نصیب ہوا۔ صاحب کرامت بزرگ تھے۔ آخری عمر میں آپؒ کو حضرت اورنگزیب عالم گیرؒ نے بڑی منت سماجت سے دلی بلوایا۔ دعوت خلوص سے انکار نہ کر سکے۔ تشریف لے گئے مگر صاحب فراش ہو گئے باوجود علاج افاقہ نہ ہوا۔ واپسی کے مراحل میں ۲ جمادی الاخر ۱۰۷۰ھ سنبھالکہ (دہلی سے ۳۶ میل کے فاصلہ پر) کے مقام پر واصل بحق ہو گئے۔ سرہند شریف لائے گئے خواجہ محمد معصومؒ نے روضہ مبارک کے اندر سپرد خاک کرنے کی ہدایت فرمائی۔ جگہ کم تھی کدال ماری گئی تو قبر مبارک کی دیوار چاروں طرف سے ہٹ گئی آپ کی اولاد میں آٹھ صاحبزادے اور پانچ صاحبزادیاں ہوئی۔ قبر مبارک کے باہر والے برآمدہ میں حضرت مجدد اعظمؒ کے قدموں کی جانب قبلہ خلیفہ سید محمد حسین مجددی نقشبندی خلیفہ خانقاہ عالیہ کی قبر مبارک واقعہ ہے۔

ان کے ساتھ خلیفہ محمد صادقؒ کی قبر مبارک ہے اسی برآمدہ میں تربت پاک کنیز امام ربانیؒ فاطمہ بیگم صاحبہؒ اس کے آگے مرقد حضرت شیخ اولیاء خواجہ محمد یحییٰ فرزند ہفتم حضرت امام ربانیؒ متوفی ۲۷ جمادی الاخر ۱۰۹۶ھ موجود ہے۔

روضہ مبارک حضرت امام ربانیؒ کے شمال کی جانب ایک عظیم الشان مسجد ہے جس کے تین گنبد اور دو چھوٹے مینار ہیں۔

حضرت محمد یحییٰ کا مرقد پاک حضرت امام ربانیؒ کی قبر مبارک سے مغرب کی جانب موجود ہے۔ قبر مبارک حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ پر منزل بالائی کے اندر حضرت مجدد اعظمؒ، حضرت خواجہ محمد صادقؒ اور حضرت خواجہ محمد سعیدؒ کے مزارات مبارکہ کے نشانات موجود ہیں۔

روضہ مبارک حضرت مجدد الف ثانیؒ جو کافی رقبہ پر محیط ہے بتایا گیا کہ قلعہ نما دیوار کے اندر روضہ مبارک کے گرد و پیش مختلف قسم کے پھول اور پھل دار درخت لگے ہوئے تھے۔ اب بے ہنگم جنگل کا سماں ہے مگر روضہ مبارک کی عظیم بلند و بالا عمارا ایک جلالی کیفیت پیدا کر رہی ہے۔ علامہ اقبال نے کیا خوب فرمایا۔

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار

اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے اس خاک میں پوشیدہ ہے صاحب اسرار

آپ کے مرقد پاک کے بائیں جانب قبرستان ہے آپ کے پانچ دمیں دور حجرے واقع ہیں جہاں بیٹھ کر عبادت

کرنا آپ کا معمول تھا صحن میں محبتہ العارفین حضرت پیر ابو ضیغم محمد رضا کریم نقشبندی، چشتی، مجددی ڈھاکہ (بنگلہ دیش) متوفی رجب ۱۳۹۲ھ کی قبر پاک ہے۔ منزل بالائی روضہ پاک حضرت امام ربانیؒ کی سیڑھیوں کے دائیں جانب ملحقہ شیخ بشیر احمد مرحوم بار ایٹ لا کانپور خادم روضہ مبارک حضرت مجدد الف ثانیؒ اور ان کی رفیقہ حیات کی مبارک قبریں ہیں۔

آپ کے روضہ مبارک کے بائیں جانب پانی کا ایک کنواں (نلکہ) ہے جہاں سے لوگ تبرکاً پانی پیتے ہیں۔ آرام گاہ حضرت امام ربانیؒ آبادی سے کافی دور واقعہ ہے۔ سرہند شریف کا شہر یہاں سے قریب پانچ کلو میٹر کی مسافت پر اور گرد و پیش میں غیر مسلم آبادی ہونے کے باعث ماسوائے ایک دو روز سے زیادہ گھما گھمی نہیں ہوتی۔

حضرت قیوم ثانیؒ کے متعلق حضرت امام ربانی قیوم اولؒ نے فرمایا تھا کہ میرے اس فرزند کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے تین سال کی عمر میں اپنے فضل و کرم سے اولیاے امت کے تمام کمالات سے نوازا، سات سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کیا۔ آپ کا اسم مبارک سرکار دو عالم رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کے مطابق محمد معصومؒ رکھا گیا تھا۔ پچاس ہزار آدمیوں نے آپ کے دست پر بیعت کی سعادت حاصل کی جن میں حضرت مجدد اعظمؒ کے دو ہزار خلفاء بھی شامل تھے۔ تین سال بعد شاہجہاں اور پندرہویں سال اورنگزیب عالم گیر بیعت سے مشرف ہوئے۔ سولہویں سال اورنگزیب کی ہمشیرہ روشن آراء اور گوہر آراء نے بیعت کی سعادت عظمیٰ حاصل کی۔ مستند روایات کی رو سے سلسلہ ارشادات میں نو لاکھ اشخاص آپ کے مرید ہوئے سات ہزار خلفاء تھے بے شمار کرامتوں کا آپ سے ظہور ہوا۔ بزرگوں کا قول ہے کہ "اگر روحانیت کے فیوض کے متمنی ہو تو حضرت مجدد اعظمؒ کے در اقدس پر التجا کرو اور اگر دین و دنیا کی نعمتوں کے خواہاں ہو تو حضرت عروۃ الوثقیٰ قیوم ثانی خلیفہ اکمل امام ربانیؒ متوفی ۲ صفر ۱۱۱۷ھ جو صاحب کرامت ولی کامل تھے۔ اس مقبرہ میں حضرت قطب زماں خواجہ سیف اللہ فرزند اکبر حضرت قیوم ثانیؒ متوفی ۹ ربیع الثانی ۱۱۲۸ھ بروز جمعہ کا مرقد پاک ہے آپ حضرت امام ربانیؒ کی حیات مبارکہ میں تولد ہوئے۔ حضرت قیوم اول مجدد الف ثانیؒ نے حضرت محمد معصومؒ کے متعلق فرمایا کہ اس میں مجھے اپنا آپ دکھائی دیتا ہے ایک دفعہ سخت بیمار ہوئے حضرت محمد معصوم کو مجدد اعظمؒ کے پاس لے کر حاضر ہوئے۔ دعا کی التجا کی حضرت صاحب نے فرمایا غم مت کرو میں دیکھتا ہوں کہ ایک بوڑھا ہاتھ میں عصا لیے ہوئے ہے اور ہزاروں مرید اس کے گرد جمع ہیں ایسا ہی ہوا آپ نے سو سال عمر پائی۔ ہزاروں مرید ہوئے۔ خلافت حاصل کر کے کابل روانہ کیا گیا تھا۔

اسی مقام پر خواجہ محمد عبید اللہ فرزند ثالث حضرت محمد معصوم کا مزار ہے۔ حضرت معصوم پاکؒ کو آپ کے ساتھ بے پناہ محبت تھی۔

اس مقام مطہرہ پر قیوم ثانیؒ کے مرقد پاک کے شمال کی طرف سلطان الاولیاء مجدد عصر خواجہ محمد زبیر ہمشیرہ اکرم

خلیفہ اعظم حضرت حجتہ اللہ متوفی ۴ ذیقعدہ ۱۱۵۴ھ کی قبر مبارک ہے۔آپ حضرت ابوالعلیٰ کے فرزند ارجمند تھے جن کے دادا حجتہ اللہ نے فرمایا کہ یہ بیٹا شہرت دوام حاصل کرے گا اور اس میں حضرت مجدد اعظمؒ کے جملہ کمالات ظاہر ہونے شروع ہو جائیں گے۔ حضرت قیوم ثانی محمد نقشبند حج کے موقع پر جب روضہ مقدسہ سرکار دو عالمؐ پر موجود تھے تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے نسبت خاص سے القافرما کر بشارت دی کہ تمہارے ہاں ایک لڑکا پیدا ہو گا جو میرا نائب اور خلیفہ اعظم ہو گا ولادت باسعادت بروز پیر ۵ ذیقعدہ ۱۰۹۳ھ کو ہوئی۔ گنبد قیوم ثانی کے اندر ہی حضرت خواجہ محمد صدیقؒ فرزند ششم حضرت عروۃ الوثقیٰ متوفی ۱۳ جمادی الاول ۱۱۳۵ھ کے مرقد پاک ہے۔آپ مادرزاد ولی تھے۔

حضرت معصوم پاکؒ کے مرقد پاک سے دور احاطہ حضرت مجدد اعظمؒ سے باہر شمال کی طرف فتح باغ کے قریب کچھ فاصلہ پر فرزند دوم حضرت خواجہ محمد نقشبندؒ قیوم ثانی امام حرب اللہ متوفی ۲۹ محرم ۱۲۱۴ کا مرقد پاک ہے۔پیدائش سے حضرت امام ربانیؒ نے حضرت محمد معصومؒ کو فرمایا تھا کہ آپ کے ہاں ایک بچہ پیدا ہو گا جو باطنی کمالات میں میرا ہم پلہ ہو گا۔اس کے بعد حضرت خواجہ سیف الدینؒ کے مزار پاک پر حاضری دی۔آپ حضرت خواجہ معصومؒ کے پانچویں فرزند ہیں ولادت باسعادت کا سن ۱۰۵۵ھ ہے آپ کو حضرت امام الہدیٰ خواجہ محمد معصومؒ کی معرفت اور وسیلہ سے حضرت امام ربانیؒ کے جملہ کمالات وخصائص کی بشارت دی گئی۔

مسجد کے لاؤڈ سپیکر پر اعلان ہوا تھا کہ ۹ بجے بسیں مقام براس جائیں گی جو دربار حضرت مجدد الف ثانیؒ سے قریب ۲۲ کلو میٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔جہاں ٹیلہ پر چند مزارات پیغمبروں کے ہیں جنہیں حضرت امام ربانیؒ نے کشف کے ذریعہ دریافت فرمایا تھا۔یہ ٹیلہ براس شہر سے باہر واقعہ ہے چنانچہ زائرین کا قافلہ بسوں پر سوار ہو کر عازم براس ہوا۔ براس میں چونکہ تمام غیر مسلم آباد ہیں۔مزارات کے بارے آپ نے فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنے اپنے مرقد میں عبادت کر رہے ہیں۔

اس کے بعد زائرین پارٹی ٹیلہ پر آئی جہاں مزارات انبیاء کرام موجود ہیں جن کے اردگرد چھوٹی چھوٹی چار دیواری بنی ہوئی ہے۔نلکہ سے وضو کر کے زائرین نے نوافل ادا کیے۔ڈپٹی لیڈر خالد حسن مجددی صاحب نے مختصراً خطاب کیا اور موجود مقامات مقدسہ کی تاریخی ودینی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ یہ مزار انبیاء کرام کے ہیں جو کرشن جی کے دور میں مبعوث ہوئے انہیں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے دریافت فرمایا ہو سکتا ہے ان سے فیض حاصل کیا۔ واضح رہے کہ سرہند براس میں حضرت ہندؑ کا مزار بھی ہے جو حضرت حامؑ کے بیٹے اور حضرت نوحؑ کے پوتے ہیں۔ (راقم)۔اس احاطہ میں کل ۱۳ قبور مبارک بتائی گئی جن میں سے دو طویل مرقدہائے مبارک جن کی لمبائی کم وبیش اٹھارہ بیس فٹ کے قریب ہو گی کے اسمائے گرامی حضرت ابراہیمؑ اور حضرت خضر علیہ اسلام معلوم ہوئے۔براس میں وہ دو کنویں بھی دیکھے جو اب بالکل بھر چکے ہوئے تھے اور ان کے اوپر بھوسہ اور کوڑا کرکٹ پڑا ہوا تھا ان کے

متعلق مستند روایت یہ ہے کہ بوقت قیام پاکستان کثیر التعداد غیرتمند مسلمان عورتوں نے غیر مسلم درندوں سے اپنی عزت و حیا محفوظ کرنے کیلئے ان دو گہرے کنوؤں میں چھلانگیں لگا کر جام شہادت نوش کر لیا۔ مگر اسلام اور مسلمانوں کی عزت و حرمت پر آنچ نہ آنے دی ہوش رکھنے والوں کو اب بھی صدائیں آرہی تھی کہ ہمیں مردہ سمجھنے والو اپنی آنکھوں سے غفلت اور بے ہوشی کی پٹی اتارو اپنے اسلاف کے کارناموں کو یاد کرو۔

اسی دوران امام رفیع الدین صاحبؒ کے مرقد پاک پر حاضری ہوئی۔ اس چار دیواری میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی والدہ ماجدہ محترمہ کا مرقد پاک ہے فیروز شاہ تغلق سلطان دہلی کے عہد کی بات ہے کہ شاہی کارندے خزانہ لیے لاہور سے دہلی جارہے تھے جب اس جنگل سے گذر ہوا تو قافلہ کے ایک ہمراہ جو کہ ولی کامل تھے نے محسوس کیا کہ یہ جنگل بے آباد ایک جلیل القدر ولی اللہ کی ولادت سے مشرف ہونے والا ہے اس کا تذکرہ اس نے سلطان کے پیرو مرشد جو خود بھی ولی اللہ تھے سے کیا جس کی تجویز پر سلطان نے اپنے وزیر خواجہ فتح اللہ کو دو ہزار آدمی دے کر اس شہر کی تعمیر کے لیے روانہ کیا جس کی بنیاد ۷۶۰ھ میں حضرت امام رفیق الدینؒ اور حضرت شاہ بو علی قلندرؒ کے مبارک ہاتھوں سے سرانجام پائی آہستہ آہستہ یہ آبادی ۱۲ میلوں تک پھیل گئی مغلیہ دور کے آخری ایام ہی کے عہد میں سکھوں نے اس علاقہ کو تاخت و تاراج کیا ایک گوردوارہ تعمیر کیا جسے اب فتح گڑھ صاحب کہتے ہیں امام رفیع الدینؒ نے یہیں پر انتقال فرمایا اور دفن ہوئے۔

زائرین پارٹی کو باغ لے جایا گیا یہ باغ شہنشاہ جہانگیر نے لاہور جاتے ہوئے حکم دیا تھا کہ اس کی دارالخلافہ میں واپسی تک اس مقام پر حوض تعمیر کر کے باغ لگا دیا جائے جس کی تعمیل میں یہ پر شکوہ اور عظیم الشان عمارت حوض اور تختے مکمل کیے گئے اس کی مماثلت شالا مار باغ لاہور سے کی جا سکتی ہے اور یہ مغلیہ تعمیر فن کا شبہ شاہکار ہیں۔ قافلہ حضرت سید محمد اسماعیلؒ بندگی صاحب کے مزار پاک پر ہوا جو آستانہ عالیہ حضرت مجدد اعظمؒ سے جانب مشرق تھوڑے سے فاصلے پر واقع ہے۔ آپ پیدائشی ولی تھے نسباً سید حسینی ہیں۔ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ اور حضرت محمود قادریؒ سے بھی ملاقات ہوئی آپ ملتان بھی تشریف لے گئے اور محمد ہادی درویش کی خانقاہ عالیہ میں قیام فرمایا۔ آپ کے سرہند شریف کے نواح میں تشریف لانے کی وجہ آپ حج بیت اللہ پر تشریف لے گئے حج کی ادائیگی کے بعد سالہا سال مکہ معظمہ کے قریب پہاڑوں میں ریاضت و مجاہدہ کرتے رہے۔ روایت ہے کہ جب روضہ پاک سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہنچے تو عرض کیا السلام علیکم یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ روضہ مبارک سے آواز مقدسہ آئی: وعلیکم اسلام یا شیخ اسماعیل بندگی۔ اس روز سے آپ کا نام بندگی پڑ گیا۔ حکم ملا کہ سرہند کے قرب وجوار میں قیام کرو اور لوگوں کو نور الٰہی سے مشرف اور فیوضات محمدیؐ سے مالا مال کرو آپ نے سرہند شریف کے مقام پر قیام فرمایا۔ جہاں اج کل مسجد شریف حضرت مجدد اعظمؒ ہے جو ان کے روضہ مبارک کے قریب ہے۔

انتظامیہ ماتا گوجری کالج فتح گرھ نے زائرین کے اعزاز میں ایک استقبالیہ کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ سٹیج سیکرٹری کی جانب سے مہمانوں کو خوش آمدید کہا گیا اور خطاب کے لیے کالج کے پرنسپل کو مدعو کیا گیا جنہوں نے پنجابی میں خطاب کرتے ہوئے مہمانان گرامی کی آمد پر خوشی اور مسرت کا اظہار کرتے ہوئے نیک خواہشات کا اظہار کیا اور دونوں ممالک میں خیر سگالی کی فضا پیدا کرنے پر زور دیا۔ حضرت مجدد اعظمؒ کے ساتھ عقیدت کے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ لوگ نبی نوع انسان کے مشترکہ واجب الاحترام ہستیاں ہیں سرہند شریف کے سکھ مذہب کے رہنما نے زائرین کو "ویل کم" کرتے ہوئے خوب صورت انداز میں تمام مذاہب کی کڑیاں ملانے کی کوشش کی۔ ان کے خطاب کا لب لباب انسانی برادری میں اخوت اور بھائی چارہ کو فروغ دینا ہی انسانیت کی فلاح و کامرانی میں مضمر ہے۔

جدائی کی گھڑیاں آن پہنچی ہیں۔ رخت سفر باندھ لو بسیں پہنچنے والی ہیں جو سرہند شریف ریلوے سٹیشن پر لے کر جائیں گی۔ دوران سفر آستانہ عالیہ حضرت امام ربانیؒ و مزارات خواجگان کی روح پرور کیفیات ہر زبان بنی رہیں ان ہی راہوں کو عبور کرتی ٹرین امرتسر پہنچی۔ جہاں زائرین کو اتاری، واہگہ بارڈر پر پہنچانے کے لیے بسیں تیار کھڑی تھیں۔ بارڈر پر پہنچے انڈین سیکورٹی کسٹم بیریر عبور کر کے وطن عزیز کی پاک سرزمین پر قدم رکھا۔ جہاں کسٹم کے معمولات سے گزرنے کے بعد حضرت داتا گنج بخشؒ کی حسین نگری کی جانب جادہ پیما ہوئے۔

محبوب یزدانی مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ

ساتویں صدی ہجری میں ایران کے صوبہ خراسان میں سادات حسینی کی حکومت تھی جسکا دارالحکومت شہر سمنان تھا۔ سلطان سید ابراہیم اس حکومت کے سربراہ تھے۔ جو ظاہری شان و شوکت اور سطوت و جلال کے ساتھ ساتھ باطنی خوبیوں سے بھی پوری طرح بہرہ ور تھے۔ حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی ان ہی دین و دنیا کی نعمتوں سے مالا مال بکرم و محترم شخصیت کے فرزند ارجمند تھے سرزمین ہندوستان میں جن بزرگان دین کے فیض قدوم سے شمع اسلام منور ہوئی اور جن نفوس پاک کی برکت سے اس شمع فروزاں کی روشنی ہر چہار جہت پھیلی، حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ کی ذات گرامی ان میں سے ایک ہے۔

آٹھویں صدی ہجری کے اول ربع میں حضرت سید اشرف جہانگیر کی ولادت باسعادت ہوئی آپ کی ولادت بھی اپنی جگہ ایک کرامت تھی۔ شہر سمنان میں ایک صاحب حال مجذوب شیخ ابراہیم نامی رہا کرتے تھے۔ ایک روز سلطان خراسان سید ابراہیم اور ان کی اہلیہ محترمہ شاہی محل کے حرم میں تشریف فرما تھے کہ اچانک شیخ ابراہیم مجذوب اس جگہ پروارد ہوئے۔ بادشاہ اور ملکہ عالیہ نے مجذوب کی بہت تعظیم کی۔ مجذوب نے فرمایا ابراہیم بیٹا مانگتا ہے؟ مجذوب بزرگ نے اولاد نرینہ کی دعا فرمائی۔ سلطان نے ایک ہزار اشرفیاں نذر کیں اور چند قدم بزرگ کے پیچھے چلے۔ بزرگ

نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور فرمایا "اچھا ایک بیٹا اور لے" یہ کہہ کر مجذوب غائب ہو گئے۔ چند روز بعد سلطان سید ابراہیم نے خواب میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی حضور نے فرمایا "اے ابراہیم تجھ کو اللہ تعالیٰ دو فرزند عطا کرے گا۔ بڑے کا نام اشرف اور چھوٹے کا نام اعراف رکھنا۔ اشرف اللہ کا ولی ہو گا۔ اس کی پرورش اور تربیت بھی خاص طریقے پر کرنا اس کے بعد جب حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی کی ولادت ہوئی تو پھر یہی مجذوب ظاہر ہوئے اور آپ کے والد ماجد سلطان ابراہیم سے تاکید فرمایا کہ "خبردار اس بچے کی پرورش میں غفلت نہ برتنا یہ اللہ تعالیٰ کی خاص امانت ہے جو تمہارے سپرد کی گئی ہے۔

سلطان سید ابراہیم نے اپنے فرزند ارجمند کی تعلیم حفظ قرآن سے شروع کرائی۔ سات سال کی عمر میں حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی نے قرآن کریم حفظ کر لیا اور چودہ سال کی عمر میں تمام علوم پر عبور حاصل کر لیا۔ حضرت مخدوم سمنانی کمسنی ہی میں حضرت شیخ رکن الدین علاؤالدولہ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے جو اپنے دور کے جید عالم دین اور صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔ حضرت شیخ رکن الدین کی خصوصی توجہ اور اپنے جذبہ صادق کی وجہ سے حضرت مخدوم سمنانی راہ سلوک پر بڑی تیزی سے گامزن ہو گئے۔ جب آپ کی عمر پندرہ سال ہو گئی تو آپ کے والد ماجد سلطان سید ابراہیم نے وصال فرمایا۔ اور دستور کے مطابق آپ تخت نشین ہوئے اور تھوڑے ہی عرصے میں حضرت کے حسن انتظام اور عدل و انصاف سے ملک میں ہر طرف خوشحالی کا دور دورہ ہو گیا۔ امراء دربار آپ کے مطیع اور رعایا گرویدہ تھی مگر ان سب باتوں کے باوجود حضرت کا میلان طبع سلوک و تصوف کی طرف بڑھتا ہی گیا۔

حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی ایک مرتبہ کاشان میں حضرت شیخ عبدالرزاق کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہاں آپ کی ملاقات سید علی ہمدانی سے ہوئی۔ اسی دوران آپ کی ملاقات حضرت خضر علیہ السلام سے ہوئی انہوں نے حضرت کو "اسم ذات" کی مشق کرائی اور اس کا ورد کرنے کا حکم دیا۔ آپ اس ورد کی مشق مسلسل دو سال کرنے کے بعد اشغال اویسیہ کی طرف رجوع ہوئے تو خواب میں حضرت اویس قرنیؓ کی زیارت ہوئی۔

آخر وہ وقت آگیا جب آپ کو دنیا کی حکومت سے دستبردار ہو کر روحانیت کی بادشاہت پر سرفراز ہونا تھا۔ ۲۷ رمضان المبارک کی شب تھی حضرت خضر علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا "حجاب تخت و تاج دور کر کے لذت وصل الہٰی کے لیے تیار ہو جاؤ۔ حضرت علاؤالدین گنج نبات تمہارے منتظر ہیں" صبح ہوتے ہی حضرت مخدوم سمنانی نے اپنے چھوٹے بھائی سید اعراف کی تخت نشینی کا اعلان کر دیا۔ اور خود ہمیشہ کے لیے تخت و تاج سے دستبردار ہو گئے۔ سید اعراف کی تاج پوشی کے بعد والدہ محترمہ سے سفر کی اجازت لی اور ہندوستان کی طرف روانہ ہو گئے ہجرت کے وقت جب آپ شہر سمنان سے باہر تشریف لائے تو بارہ ہزار آدمی آپ کے ساتھ تھے جن میں سینکڑوں علماء، فضلاء اور سلطنت تھے۔ آپ نے حدود سلطنت سے باہر آنے کے بعد بصد اصرار لوگوں کو رخصت کیا اور خود تن تنہا اس

وقت کے دشوار گزار راستوں سے پیدل سفر کرتے ہوئے ملتان کے نواح میں قصبہ اوچ شریف میں وارد ہوئے۔ یہاں حضرت مخدوم جلال الدین بخاری جہانیاں جہاں گشت تشریف فرما تھے آپ نے حضرت مخدوم سمنانی کا شاندار استقبال کیا اور یہاں سے آپ دہلی ہوتے ہوئے پنڈوا (بنگال) کے قریب پہنچے تو ادھر سلطان العارفین حضرت شیخ علاؤالدین پنڈوی بھی حضرت سید اشرف کے منتظر تھے اور اچانک آپ نے اپنے اصحاب کو بشارت دی "جس کا میں دو سال سے منتظر ہوں وہ آجکل میں پہنچنے والا ہے" چنانچہ حضرت پنڈوا پہنچے۔ مغرب کے بعد شیخ علاؤالدین نے ان سے بیعت لی اور سید اشرف جہانگیر سمنانی بارہ برس تک شیخ علاؤالدین کی خدمت میں رہے۔ خلافت کے خرقے کے علاوہ شیخ نے آپ کو جہانگیر کا لقب بھی عطا کیا۔ سید اشرف جہانگیر دل پر پتھر رکھ کر مرشد سے رخصت ہوئے شیخ نے رخصت کے وقت آپ کو بچشم کشف وہ مقام دکھایا جہاں آپ کی خانقاہ اور پھر مزار مبارک بننا تھا۔ آپ بنگال اور بہار سے گزر کر صوبہ اودھ میں جونپور کے مقام پر تشریف فرما ہوئے اور اپنے شیخ کے دکھائے ہوئے مقام فیض آباد (امبیڈ کر نگر) پہنچے کہ دریائے سرجو کے کنارے اور ہنود کے متبرک مقام اجودھیا کے بالمقابل واقع ہے حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر کا قافلہ آبادی سے باہر باغ میں ٹھہرا اور خود اس مقام کی تلاش میں نکلے جو آپ بنظر کشف آستانہ شیخ پر ملاحظہ فرما چکے تھے آبادی کے وسط میں ایک پرانا تالاب تھا۔ جس کے وسط میں ایک خشک جگہ تھی حضرت نے یہ دیکھ کر فرمایا "یہی وہ جگہ ہے جہاں میرا قیام ہوگا اور اسی مقام کو میرے شیخ نے مجھے دکھایا تھا" حضرت نے اسی جگہ تعمیر کا حکم دیا یہ مقدس و مبارک خانقاہ تین سال میں تیار ہوئی یہی وہ مقام ہے جو آج کل کچھوچھہ مقدسہ کہلاتا ہے۔

مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی نے تین بار عالمی سیاحت فرمائی۔ لاکھوں نفوس آپ کے دست حق پر مشرف باسلام ہوئے۔ کوئی سائل آپ کے در سے محروم نہیں گیا آپ کا دسترخواں ہمیشہ وسیع رہا۔ جو آپ کہتے، وہ ہو جاتا، جو بات ذہن میں سوچتے رونما ہو جاتی، جہاں آپ جاتے ہزاروں لوگ ساتھ ہو جاتے۔ فتاوی اشرفیہ، تفسیر نور بخشیہ، دیوان اشرف، کنزالاسرار، رسالہ غوثیہ، مرآۃ الحقائق، تحجہ الذاکرین، بشارت الاخوان، مکتوبات اشرفی، لطائف اشرفی، اشرف الانساب، فوائد الاشراف، تنبیہ الاخوان، ارشادالاخوان، بشارت المریدین وغیرہ آپ کی یادگار تصانیف ہیں۔

۲۸ محرم الحرام ۸۰۸ھ کو آپ نے اپنے حقیقی بھانجے سید عبدالرزاق نور العین کو، اپنے خلفاء کی موجودگی میں اپنا جانشین مقرر فرمایا اور بہت سی اہم نصیحتیں فرمائیں۔ یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہو گیا تو آپ نے اپنے مقرر کردہ جانشین کو امامت کا حکم دیا اور خود بھی ان کی اقتداء میں نماز پڑھی اور نماز کے بعد خانقاہ میں رونق افروز ہو گئے اور آپ پر ایک خاص وجدانی کیفیت طاری ہو گئی ادھر روح پاک عالم فانی سے دیار جاودانی کی طرف پرواز کر گئی۔

آپ کا مزار مبارک کچھوچھہ شریف میں آج بھی مرجع خلائق ہے اگرچہ مخدوم کے وصال مبارک کو چھ سو سال

سے زائد عرصہ ہو چکا ہے۔ لیکن آج بھی آپ کی یاد اسی طرح لوگوں کے دلوں میں زندہ ہے آپ کا عرس مبارک ۲۶، ۲۷، ۲۸ محرم الحرام کو کچھوچھہ شریف ضلع فیض آباد (امبیڈکر نگر) اور اس کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی بڑی شان و شوکت سے منایا جاتا ہے ہندوستاں میں طریقت کے جو سلاسل معروف و مقبول تھے۔ سلسلہ اشرفیہ ان میں سے ایک ہے اور حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ العزیز کی نسبت سے ہی سلسلہ اشرفیہ کہلاتا ہے اس میں وقتاً فوقتاً بڑی علمی و روحانی جلیل القدر ہستیاں گزری ہیں۔ سلسلہ اشرفیہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس سے تعلق رکھنے والے مریدین و معتقدین اس وقت پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں جن میں علماء و مشائخ بھی کثیر تعداد میں ہیں۔

حضرت شیخ عبدالاحد بن شیخ زین العابدین

آپ حضرت محبوب ربانی مجدد الف ثانیؒ کے والد بزرگوار تھے آپ کی قبر مبارک مزار حضرت مجدد الف ثانیؒ سے قریب ایک میل کے فاصلہ پر جانب شمال واقع ہے آپ اپنے سب برادران سے بڑے تھے اپنے عہد کے جید عالم تھے۔ ظاہری اور باطنی علوم پر مکمل دسترس حاصل تھی جن کا شمار برصغیر کے معروف مشائخ میں ہوتا تھا آپ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ جو مشائخ چشتیہ میں سے تھے سے بیعت تھے نے حضرت شیخ صاحب کو فرمایا کہ آپ کی پیشانی میں ایک ولی برحق کا نور جلوہ گر ہے جس کا ظہور عنقریب ہونے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے ایک خاص اہم کام لینا ہے اگر میں زندہ رہا تو وسیلہ رحمت الٰہی سمجھوں گا مگر کچھ عرصہ بعد بھی ان کا انتقال ہو گیا جس کے بعد حضرت شیخ عبدالاحدؒ نے وقت کے قطب شیخ رکن الدینؒ سے علوم ظاہری و باطنی حاصل کیے۔

اپنے والد بزرگوار کے متعلق حضرت محبوب ربانیؒ مکتوبات میں فرماتے ہیں کہ ان کے پاس کثیر التعداد لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ اپ کو بغداد شریف میں دیکھا ہے لیکن آپ فرماتے ہیں کہ میں تو گھر سے باہر نہیں گیا۔ ان کے دوسری کرامت ایک دفعہ دیکھا گیا کہ حجرے میں اپ کے اعضا علیحدہ علیحدہ پڑے ہیں۔ لوگ سن کے حجرے کے طرف بھاگے لیکن وہاں انہیں عبادت میں مشغول پایا۔ آپ کو سلسلہ چشتیہ کے علاوہ سلسلہ قادریہ میں بھی بیعت کی اجازت تھی۔ آپ کا وصال ۲۴ جمادی الاخر ۱۰۰۷ھ سرہند شریف میں [illegible] برس کی عمر میں ہوا۔ بوقت وفات آپ کے صاحبزادے حضرت مجدد الف ثانیؒ موجود رہے۔ آپ نے وصیت فرمائی کہ میں اہل بیت کا دیوانہ ہوں اور اس نعمت سے مالا مال ہوں۔

آپ نے حضرت امام ربانیؒ کی ولادت باسعادت سے قبل خواب دیکھا کہ تمام جہان اندھیرے میں گھرا ہوا ہے بندر، ریچھ اور سور آدمیوں کو ہلاک کر رہے ہیں۔ آپ کے سینہ مبارک سے ایک شعلہ نکلا۔ اس میں ایک تخت ظاہر ہوا جس پر ایک بزرگ تکیہ لگائے بیٹھے ہے اور تمام ظالم، ملحد اور بے دین ہلاک ہو گئے۔

حضرت شیخ بدر الدین غزنویؒ

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی درگاہ کے گرد و نواح سینکڑوں اولیائے کرام کے مزار ہیں ان میں ایک مزار حضرت شیخ بدر الدین غزنویؒ کا بھی ہے۔ حضرت شیخ بدر الدین غزنوی حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ آپ غزنی کے رہنے والے تھے۔ آپ مرشد کی تلاش میں دہلی تشریف فرما ہوئے۔ دہلی پہنچ کر آپ نے خواجہ قطب الدین کے متعلق دریافت کیا۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ وہ درویش جن کا نام خواجہ قطب الدین ہے اور جن کو آپ نے خواب میں دیکھا تھا دہلی میں تشریف رکھتے ہیں۔ ایک مشہور درویش ہیں اور حضرت خواجہ قطب الدین اور حضرت قاضی حمید الدین ناگوری ایک ہی جگہ ساتھ رہتے ہیں۔ پھر آپ نے عمر کے متعلق دریافت کیا۔ آپ کو بتایا گیا کہ حضرت قاضی حمید الدین ناگوری ضعیف ہیں ان کی عمر قریب ایک سو تیس سال کی ہے لیکن خواجہ قطب الدین صاحب کی جوانی کا آغاز ہے۔ قریب سترہ سال کے ہوں گے داڑھی نکل رہی ہے۔ یہ سن کر آپ کو پورا پورا یقین ہو گیا کہ وہ درویش جن کو انہوں نے خواب میں دیکھا تھا یہی بزرگ ہیں۔ آپ حضرت قطب صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے بے چین تھے کچھ لوگوں سے آپ کو حضرت قطب صاحب کی خانقاہ کا پتہ معلوم ہوا۔ آخر کار آپ خانقاہ پہنچے۔

عرضی کی "بندہ بدر الدین حضرت کا مرید ہونا چاہتا ہے" حضرت قطب الدین نے ارشاد فرمایا "اے بدر الدین! تو میرا مرید ،اسی رات سے ہو گیا تھی جس رات تو نے پیغمبر علیہ السلام کو خواب میں دیکھا تھا۔ اور آں حضرت علیہ السلام نے تجھے میرے سپرد کر دیا تھا اور فرمایا گیا کہ اسے مرید بنالے، میں نے اسی رات اللہ تعالیٰ کے روبرو تجھے مرید کر لیا تھا۔ آپ کو شرف بیعت سے نوازا، اور کلاہ چہار ترکی آپ کو مرحمت فرمائی۔ آپ پیرو مرشد کی خدمت میں رہ کر درجہ کمال کو پہنچے۔ حضرت قطب صاحب نے آپ کو خلافت عطا فرمائی اپنے پیرو مرشد سے آپ نے خرقہ بھی پایا۔ وصال سے قبل حضرت قطب صاحب نے آپ سے فرمایا "اے بدر الدین !جو نعمت ہم نے اپنے پیر سے حاصل کی تھی وہ تجھے عنایت کی تو میرا محبوب ہے"

مرشد پاک نے نصیحتیں فرمائیں: ہمارے پیروں کی پیروی کرو، فقر و فاقہ کو اختیار کرو۔ فقیروں اور غریبوں کو عزیز جانو۔ دنیا والوں سے میل جول نہ رکھو، دنیا سے باز رہو، گدڑی پہنو، ہر وقت خدا کی یاد میں مشغول رہو۔ اللہ تعالیٰ کے دوستوں سے محبت کرو، دولت مندوں سے زیادہ درویشوں کی عزت کرو فقیروں کے ہاتھ خود اپنے ہاتھ سے دھوؤ"۔ آپ کی عمر سو سال سے زیادہ ہوئی۔ آپ کا مزار مبارک حضرت خواجہ قطب صاحب کے قریب ہے آپ کا سالانہ عرس ہوتا ہے۔

آپ حافظ قرآن تھے اور ایک قران دن کو اور ایک قرآن رات کو ختم کرتے تھے آپ ایک بلند پایہ درویش تھے، ایک اچھے عالم تھے رات کو جاگتے تھے درویشوں کی خدمت کو آپ عظمت سمجھتے تھے آپ دو سو مشائخین سے ملے اور ان سے روحانی فیض پایا۔ ان کی نگاہ لطف و کرم سے آپ مالامال ہوئے۔

آپ کی بہت زیادہ کرامات ہیں ایک مرتبہ دہلی میں بارش بہت کم ہوئے۔ سلطان شمس الدین التمش آپ سے دعا کا طالب ہوا آپ نے فرمایا جب تک بدر الدین زندہ ہے کبھی دہلی میں قحط نہیں پڑے گا۔ اور نہ ہی بارش کی کمی ہوگی" آپ کے یہ فرماتے ہی بارش ہونے لگی۔

حضرت شیخ شہاب الدین عاشق خدا ؒ

تھانہ مہرولی کے قریب سے ایک سڑک مہرولی کے جنگل کی طرف جاتی ہے۔ اس جنگل میں تباہ شدہ عمارتوں کے پتھر بکھرے نظر آتے ہیں۔ کسی زمانہ میں یہاں کوئی شہر آباد تھا۔ مزار حضرت شیخ شہاب الدین عاشق خدا کے لیے عید گاہ کے قریب سے سڑک گزرتی ہے یہ سڑک کچی ہے البتہ پتھروں کی وجہ سے نیم پختہ دکھائی دیتی ہے۔ میلوں پھیلے ہوئے اس جنگل میں کئی اولیاء کرام کے مزار ہیں۔ حضرت شیخ شہاب الدین کا مزار نشیبی علاقہ میں ہے آپ کے آستانہ میں لنگر کا

سلسلہ جاری ہے مزار کے باہر بہت بڑا کنواں ہے کنواں کا پانی ٹھنڈا اور میٹھا ہے چرخی کے ذریعہ پانی نکالا جاتا ہے مزار کے قریب درجنوں مٹی کے مٹکے رکھے گئے ہیں۔ زائرین پانی نکال کر مٹکوں میں ڈال دیتے ہیں احاطہ میں داخل ہوں تو دو طرف کمرے ہیں ایک طرف مرد دوسری طرف خواتین کے بیٹھنے کا انتظام کیا گیا ہے۔ آپ کا مزار پختہ تعمیر کیا گیا ہے۔ چھت بھی ہے۔ مزار کے سرہانے پتھر پر یہ الفاظ کندہ ہیں عاشق خدا عالم فاضل زاہد عابد سماع کے دلدادہ حضرت شاہ شیخ شہاب الدین عاشق اللہ خلیفہ فرزند حضرت خواجہ امام ادین احمد لبدال، پیرو مرشد حضرت مولانا شرف الدین بو علی شاہ قلندر پانی پت بھانجے حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ وصال بمطابق ۱۱ رمضان ۷۱۷ ۱۶/۷/ ء راقم مزار پر کافی دیر تک حاضری دیتا رہا آپ کے مزار کے قریب ٹیلہ پر چلہ گاہ ہے حضرت شیخ شہاب الدین عاشق خدا نے حضرت مولانا بدر الدین غزنویؒ سے فیض حاصل کیا۔ محبت الٰہی عشق حقیقی میں اعلیٰ درجہ پر پہنچ گئے تھے۔ اس لیے عوام الناس میں عاشق خدا مشہور ہوئے۔ ایک مرتبہ آپ نے اپنے والد محترم کے عرس کے موقع پر کھانا پکوایا خدام نے عرض کی مخلوق خدا بہت زیادہ ہے کھانا کم ہے آپ نے فرمایا کھانے کو ڈھانک کر بسم اللہ پڑھ کر تقسیم کرنا شروع کردو اللہ برکت ڈال دے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کھانا تمام حاضرین میں تقسیم ہو جانے کے بعد بھی کافی بچا رہا۔

آپ کی بہت زیادہ کرامات ہیں سب سے بڑی کرامت حضرت شرف الدین بو علی شاہ قلندر آپ کے مرید ہیں راقم کی یہ خوش نصیبی ہے کہ حضرت شرف الدین بو علی شاہ قلندر پانی پت کے حضور ۱۹۹۸ء میں حاضری کے بعد سال ۱۹۹۹ء میں آپ کے مرشد پاک کے حضور حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کے مزار کی وجہ سے مہرولی کے جنگل میں منگل کا سماں پیدا ہو گیا۔ مخلوق خدا دن رات حاضری دیتی ہے بالخصوص ماہ رجب میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے عرس مبارک پر ہندوستان کے زائرین اجمیر شریف جانے سے پہلے دہلی کے آستانوں پر حاضری دیتے ہیں، ان ایام میں دہلی میں بہت رش ہوتا ہے۔

اولیائے ہند

<u>حضرت شاہ میناؒ</u>: آپ کا نام شیخ محمد رکھا گیا آپ کو شاہ اور شیخ مینا کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔ آپ شیخ قوام الدین کی دعا سے پیدا ہوئے۔ آپ کا مزار لکھنو میں ہے لکھنو کی ولایت آپ کے پاس ہے۔

<u>حضرت شاہ عالمؒ</u>: آپ مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی اولاد سے ہیں نام شاہ منجھن لقب شاہ عالم ہے آپکے والد کا نام سید برہان الدین ہے جو قطب عالم کے لقب سے مشہور ہیں آپ کا وصال ۸۸۰ھ میں ہوا مزار مبارک احمد آباد میں ہے۔

<u>حضرت شیخ سعد الدین خیر آبادیؒ</u>: آپ حضرت شاہ میناؒ کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ آپ نے ۸۸۲ھ میں وفات پائی مزار خیر آباد میں ہے۔

حضرت شیخ حسام الدین مانک پوریؒ: آپ اولیائے کرام کی اولاد سے ہیں صاحب کرامت بزرگ تھے۔ آپ کا وصال ۸۰۲ھ میں ہوا مزار مانک پور میں ہے۔

حضرت شیخ درویش محمدؒ: آپ سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں حضرت شیخ فتح اللہ اودھی سے بیعت تھے ۸۹۶ھ کو وصال ہوا مزار فیض آباد میں ہے۔

حضرت خواجہ حسین ناگوریؒ: آپ حضرت حمید الدین ناگوریؒ اور حضرت شیخ وحید الدینؒ کی اولاد سے ہیں۔ آپ حضرت شیخ کبیرؒ کے مرید اور خلیفہ ہیں آپ نے ۹۰۱ھ میں وفات پائی مزار ناگور میں ہے۔

حضرت شیخ احمد مجد شیبانیؒ: آپ خواجہ حسین ناگوریؒ کے مرید ار خلیفہ ہیں آپ کا وصال ۷۲۲ء میں ہوا مزار مبارک ناگور میں ہے۔

حضرت خواجہ خانوؒ: آپ خواجہ حسین ناگوریؒ کے مرید ہیں حضرت شیخ اسماعیل سرمست سے بھی فیض حاصل کیا۔ ۹۴۰ھ میں وفات پائی مزار گوالیار میں ہے۔

حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ: آپ حضرت شیخ محمد بن حضرت شیخ عارف سے بیعت ہوئے اولیاء ہند میں آپکا خاص درجہ ہے آپ صاحب کشف و کرامت بزرگ ہو گزرے ہیں۔ جو کچھ منہ سے کہتے پورا ہو جاتا۔ آپ کے خلفاء میں شیخ عبد الکبیر، شیخ جلال الدین تھانیسری، شیخ عبد الغفور اعظم پوری، شیخ بھورو اور شیخ عبد الاحد تھے۔ آپ کا وصال ۹۴۲ھ میں ہوا آپکا مزار گنگوہ میں ہے۔

حضرت شیخ عبد الرزاق جھنجانہؒ: آپ حضرت شیخ محمد حسن کے خلیفہ ہیں آپ ولی اللہ درویش ہو گزرے ہیں آپ نے ۹۴۹ھ میں وفات پائی مزار مبارک جھنجانہ میں ہے۔

حضرت شیخ حمزہ دھرسوئیؒ: آپ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ کی اولا سے ہیں آپ کی کئی کرامات مشہور ہیں آپ نے ۹۵۷ھ میں وفات پائی روضہ اقدس دھرسوئی میں ہے۔

حضرت شیخ جلال الدین تھانیسریؒ: آپ اپنے والد کیساتھ ۷ سال کی عمر میں ہندوستان میں تھانیسر ی کے مقام پر آئے آپ حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کے دست حق پر بیعت ہوئے۔ آپ نے ۹۸۹ھ کو وفات پائی مزار تھانیسر میں ہے آپ کے مشہور خلفاء شیخ نظام الدین بلخیؒ، شیخ عبد الغفورؒ، قاضی سالم کیرانویؒ، شیخ موسیٰ، شیخ عیسیٰؒ اور شیخ فاضل تونہؒ ہیں۔

حضرت سیدنا شاہ امیر ابو العلیٰؒ: آپ حضرت امیر عبد اللہ سے بیعت ہوئے انہوں نے آپ کو خرقہ خلافت سے سرفراز فرمایا۔ آپ کا وصال ۱۰۶۱ھ میں ہوا مزار آگرہ میں ہے آپ کی بہت کرامات مشہور ہیں آپ نے آگرہ میں رشد و ہدایت کا

سلسلہ جاری رکھا اور لاکھوں سیاہ دلوں کو روشنی بخشی۔

حضرت میر سید محمد کالپوریؒ: آپکو حضرت شاہ امیر ابو العلی سے فیض اور خلافت ملی۔ آپ کا وصال ۱۰۷۱ھ میں ہوا مزار کالپوری میں ہے آپکے خلفاء کا نام حضرت سید احمد شیخ محمد افضل ہے۔

حضرت سید دوست محمدؒ: آپ کو فیض خرقہ خلافت سیدنا ابو العلی سے ملا آپکا وصال ۱۰۹۰ھ میں ہوا مزار مبارک اورنگ آباد میں ہے حضرت مسافر شاہ، حضرت محمود شاہ، حضرت شاہ محمد فرہاد آپ کے خلفاء ہیں۔

حضرت میراں سید شاہ پھیکہؒ: آپ ترمز سے ہندوستان میں آئے۔ آپ حضرت شاہ ابو المعلی کے مرید ہیں۔ ولی اللہ درویش ہو گزرے ہیں آپ کا وصال ۱۱۳۱ھ میں ہوا مزار کہرام میں ہے۔

حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ: آپ کو حضرت شیخ شاہجہان آبادی حضرت کلیم اللہ سے فیض ملا۔ مرشد کے حکم پر اورنگ آباد میں قیام فرمایا۔ وصال ۱۱۴۲ء میں ہوا مزار اورنگ آباد میں ہے آپ کے مشہور خلفاء حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاں، خواجہ کامگار خان، سید شاہ شریف، شاہ عشق اللہ، شاہ محمد علی، خواجہ نور الدین، غلام قادر خان، محمد یار بیگ، محمد جعفر، شیر محمد، کرم علی شاہ ہیں۔

حضرت سید عبداللہ قادریؒ: آپ حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ بغداد شریف کی اولاد سے ہیں ہندوستان کے شہر دہلی میں تشریف لائے، دہلی کے اولیاء کرام نے آپ کی بہت عزت تعظیم کی۔ اسکے بعد آپ رام پور تشریف لے گئے۔ آپکا وصال ۱۲۰۷ھ میں ہوا مزار مبارک رام پور میں ہے۔ آپ کے خلفاء کے نام مولوی امجد علی، حضرت نیاز احمد بریلوی، شمس الضحیٰ اکبر آبادی۔

حضرت شاہ نیاز احمدؒ: آپ نے حضرت فخر الدین فخر جہاںؒ سے فیض حاصل کیا آپ صاحب کرامت ولی اللہ تھے۔ آپ نے ۱۲۵۰ھ میں وفات پائی مزار مبارک بریلوی میں ہے آپ کی بہت کرامات علاقہ میں مشہور ہیں۔

حضرت سید غوث علیشاہؒ: حضرت لال شاہ سے روحانی فیض حاصل کیا خاندان سہروردیہ میں آپکو حضرت سید فدا حسین شاہ رسول شاہی سے فیض ملا بیشتر وقت قلندر پاک کے حجرہ میں گزارتے وہیں پر انتقال ہوا مزار مبارک پانی پت میں ہے۔

حضرت مولانا شاہ فضل الرحمنؒ: آپ پیدائشی ولی اللہ درویش تھے۔ آپ ۱۳۱۲ھ میں فوت ہوئے مزار مراد آباد (یو۔پی) میں ہے۔

حضرت حاجی وارث علیشاہ: آپ حضرت سید خادم علیشاہ کے مرید و خلیفہ تھے مرشدہ کا قیام لکھنو میں تھا آپ کا وصال ۱۹۰۵ھ میں ہوا۔ مزار دیوا میں ہے آپ کے کئی نامی گرامی خلفاء ہیں۔

حضرت شیخ جلال الدین تبریزیؒ: آپ شیخ ابو سعید تبریزی کے مرید تھے مرشد کی وفات کے بعد حضرت شیخ شہاب الدینؒ

کی خدمت میں رہنے لگے آپ کی بہت زیادہ کرامات ہیں۔ آپ کا وصال ۶۴۲ھ میں ہوا۔ آپ کا مزار دیو محل ہندوسلیٹ میں ہے خواجہ علیؒ آپ کے مرید خاص تھے۔

حضرت شیخ محمد ترک نارنواںؒ: آپ ترکستان سے ہندوستان آئے آپ خواجہ عثمان ہارونیؒ کے مرید تھے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے بھی فیض پایا تھا صاحب کمال ولی اللہ تھے ۶۴۲ھ میں وصال ہوا مزار نارنول میں ہے۔

حضرت خواجہ فخر الدین ابوالخیرؒ: آپ خواجہ معین الدین چشتیؒ کے بڑے صاحب زادے ہیں آپ کا وصال ۶۶۱ھ میں ہوا مزار مبارک سروار میں ہے آپ کا عرس عقیدت واحترام سے منایا جاتا ہے۔

حضرت شیخ احمد یزدانیؒ: آپ حضرت قاضی حمید الدین ناگوری کے مرید ہیں آپ کا کمال ۶۶۱ھ میں ہوا مزار مبارک بدریوں میں ہے آپ کی کئی کرامات ہیں۔

حضرت صوفی حمید الدین ناگوریؒ: آپ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مرید ہیں سلطان التارکین کا خطاب پایا آپ کا وصال ۶۷۳ھ میں ہوا مزار مبارک ناگور میں ہے۔

حضرت شیخ نظام الدین ابوالمویدؒ: آپ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مرید تھے آپ نے ۶۷۳ھ میں وصال پایا شیخ کمال الدین کولوی آپ کی اولاد سے تھے۔

حضرت شیخ جمال الدین ہانسویؒ: آپ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے مرید اور خلیفہ ہیں آپ کا وصال ۶۵۹ء میں ہوا مزار ہانسی میں ہے صاحب کرامت ولی اللہ تھے۔

حضرت شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیریؒ: آپ حضرت نجیب اللہ فردوسیؒ کے مرید ہیں۔ حضرت شیخ نجیب اللہ فردوسیؒ کا مزار حوض شمسی کے قریب دہلی میں ہے۔

حضرت خواجہ حسام الدین سیوختہؒ: آپ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے پوتے ہیں آپ درویش ولی اللہ تھے۔ کمال درجہ کو پہنچے ہوئے تھے۔ آپ نے ۷۴۱ھ میں وصال فرمایا مزار سانبھر میں ہے۔

حضرت شیخ صدر الدین احمد طبیب دلہاؒ: آپ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی دعا سے پیدا ہوئے آپ حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ ۷۵۹ھ میں وفات پائی مزار دہلی میں ہے شیخ فتح اللہ اودھی، حضرت شیخ احمد چشتیؒ آپ کے خلفاء ہیں آپ کاملین وقت ہوئے۔

حضرت شیخ فتح اللہ اودھیؒ: آپ شیخ صدر الدین طبیب دلہاؒ کے مرید اور خلفاء تھے۔ آپ کا وصال ۸۲۱ھ میں ہوا آپ درجہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے حضرت شیخ قاسم اودھیؒ، حضرت شیخ محمد عیسیٰ جونپوریؒ آپ کے خلفاء تھے۔

حضرت سید محمد گیسودرازؒ: آپ مشاہیر اولیاء سے ہیں۔ حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ سے فیض پایا ۸۲۵ھ میں وصال ہوا

مزار گلبرگہ میں ہے۔ حضرت محمد یوسف عرف سید محمد اصغر حسینی، مولانا حسن دہلویؒ، مولانا شیخ علاؤالدین گوالیاری، قاضی علیم الدین بن شرف الدینؒ، قاضی نور الدینؒ، شیخ صدر الدینؒ آپ کے ممتاز خلفاء ہیں۔

حضرت شاہ نعمت اللہ ولیؒ: آپ ولی اللہ ہو گزرے ہیں کئی کرامات مشہور ہیں۔ آپ نے ۸۸۴ھ میں وفات پائی مزار مبارک ڈھکنی میں واقع ہے۔ شیخ قطب الدین آپ کے خلفاء ہیں۔

حضرت شیخ احمد عبدالحق رودولویؒ: آپ عبدالحق کے خطاب سے مشہور ہوئے حضرت جلال الدین کبیر والاولیاء پانی پت سے فیض یاب ہوئے۔ ۸۳۷ھ میں وصال ہوا۔

حضرت شاہ بدیع الدین مدارؒ: دربار رسالت سے حکم ہوا۔ ہم نے تمہارے قیام کے لیے ہندوستان کو تجویز کیا ہے ہندوستان کے کئی شہروں سے ہوتے ہوتے مکن پور مستقل قیام پذیر ہوئے۔ ۸۳۸ھ میں آپ کا وصال ہوا مزار مبارک مکن پور میں ہے آپ کے کئی خلفاء نے رشد وہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔

حضرت شیخ ستارنگؒ: آپ حضرت مخدوم جہانیاں جہان گشتؒ کے مرید اور خلیفہ ہیں حضرت شیخ راج قتالؒ کی بھی آپ پر نظر کرم تھی آپ نے ۸۴۷ھ میں وفات پائی مزار لکھنو کے قریب ہے حضرت شاضیاؒ آپ کے ممتاز خلیفہ تھے۔

حضرت قاضی شہاب الدین دولت آبادیؒ: آپ حضرت مولانا محمد خواجگی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ حضرت سید محمد اشرف جہانگیر سمانی سے فیض حاصل ہوا۔ ۸۴۸ء میں آپ کا وصال ہوا مزار مبارک جون پور میں ہے۔

حضرت شیخ احمد کھٹوؒ: آپ حضرت بابا اسحاق مغربی کے مرید اور خلفاء ہیں سلطان فیروز آپ کا مرید تھا سلطان مظفر کی استدعا پر سرکھج تشریف لائے۔ یہیں پر آپ کا وصال ہوا۔ مزار سرکھج میں ہے ۔ محمد بن سعید ابہرجی آپ کے ممتاز مرید ہیں۔

حضرت قطب عالمؒ: آپ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے پوتے ہیں نام سید برہان الدین ۸۵۷ء میں وفات پائی مزار مبارک تبوہ احمد آباد کے قریب ہے۔

حضرت قاضی سید عبدالملکؒ: آپ حضرت سید جلال الدین بخاریؒ کے مرید اور خلفیہ ہیں آپ کا وصال ۸۶۴ھ میں ہوا مزار شریف بہرائچ میں مولوی نور محمدؒ کے مزار کے قریب ہے۔

حضرت خواجہ سراج الدینؒ: آپ حضرت چراغ دہلی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ اپنے والد حضرت خواجہ کمال الدین سے بھی فیض ملا تھا آپ کا وصال ۸۱۷ھ مزار مبارک قلعہ پیران پٹن محلہ برکات پورہ احمد آباد گجرات میں ہے۔

حضرت خواجہ علم الدین علم الحقؒ: آپ خواجہ سراج الدین کے صاحبزادے تھے حضرت خواجہ سید محمد گیسودرازؒ سے بھی فیض ملا آپ کا وصال ۹۰۱ھ کو ہوا مزار مبارک پیراں پٹن احمد آباد گجرات میں ہے۔

حضرت خواجہ محمود عرف راجنؒ: آپ کو فیض خواجہ علم الدین علم الحقؒ سے ملا، حضرت شیخ الفتح سے ۹۳۲ھ میں وصال ہوا مزار مبارک پیران پٹن میں ہے۔

حضرت خواجہ جمال الدین عرف جمنؒ: آپ اپنے والد حضرت خواجہ محمود راجنؒ کے مرید خلیفہ تھے۔ حضرت احمد کھٹوؒ سے خلافت پائی آپ کا مزار احمد آباد گجرات محلّہ شاہ پور دریائے سابر کے کنارے زیارت گاہ خلائق ہے۔

حضرت خواجہ ابو صالح حسن محمدؒ: آپ مادر زاد ولی اللہ تھے مختلف سلسلوں سے فیض ملا آپ کا وصال ۹۸۲ھ میں ہوا مزار احمد آباد گجرات میں ہے۔

حضرت خواجہ شمس الدین محمد حامدؒ: حضرت خواجہ حسن محمدؒ سے فیض پایا ۱۰۴۱ء میں وصال ہوا مزار احمد آباد گجرات میں ہے۔

حضرت خواجہ ابو یوسف محی الدین مدنیؒ: آپ حضرت خواجہ کمال الدینؒ کی اولاد سے تھے اورنگزیب عالمگیر کے دور میں ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ کے اشارہ پر مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔

سید احمد بجواڑیؒ: آپ جہانگیر کے دور میں ہو گزرے ہیں درویش ولی اللہ تھے۔

حضرت حاجی امداد اللہؒ: آپ ضلع سہارن پور میں پیدا ہوئے عالم فاضل تھے۔ ۱۳۱۷ھ میں وصال پایا۔

دہلی میں دوسرے اولیاء کرام کے اسم گرامی

حضرت شیخ حضر الدین دہلویؒ، مولانا مصدؒ، قاضی عمارؒ، حضرت خواجہ محمد رمونیہ دوز۔ آپ قاضی حمید الدین ناگوری کے مرید تھے۔ حضرت شیخ احمد رئیس، آپ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے رضاعی بھائی تھے۔ حضرت شیخ امام الدین ابدالؒ آپ کی دوستی حضرت نظام الدین اولیاء سے گہری تھی ۷۰۰ھ میں وصال ہوا۔ مزار احاطہ قطب صاحب میں ہے۔ حضرت شیخ داتاؒ، آپ قطب صاحب کے مرید تھے ان کے مقبول نظر تھے۔ آپ کا مزار احاطہ قطب صاحب میں مسجد کے قریب ہے۔ حضرت سید امجدؒ حضرت سید زین الدین، ان دونوں بزرگوں کے مزار شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے روضہ کے قریب ہیں۔ مزار حضرت شاہ صابر بخش چشتی صابریؒ آپ کا وصال ۱۲۲۷ھ میں ہوا مزار دہلی میں ہے۔

حضرت شاہ صابر بخش چشتی صابریؒ آپ کا وصال ۱۲۲۷ء میں ہوا مزار دہلی میں ہے۔ حضرت ملا جیونؒ وال ۱۱۳۰ھ میں ہوا حضرت خواجہ میر نگؒ ۱۰۴۳ھ میں وفات پائی مزار حضرت خواجہ باقی باللہ کی درگاہ میں ہے۔ حضرت خواجہ حافظ سعد اللہؒ آپ کا وصال ۱۱۵۲ء میں ہوا بیرون اجمیری گیٹ دہلی آپ کا مزار ہے۔ حضرت خواجہ شاہ گلشن نقشبندیؒ آپ کا وصال ۱۱۵۳ھ میں ہوا مزار دہلی میں ہے۔ حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ ابن سید عبداللطیف شاہ دہلوی آپ بہت بڑے ولی اللہ

صاحب کرامت بزرگ ہو گزرے ہیں۔ آپ کا وصال ۱۲۴۰ھ میں ہوا مزار مبارک دہلی میں ہے حضرت حاجی علاؤالدین احمد آپ کا مزار دہلی میں ہے۔ حضرت سید حسن رسول نماؒ آپ کا وصال ۱۱۰۳ھ میں ہوا۔ آپ کے مزار کے قریب ہی حضرت خدانماؒ اور حضرت نور نماؒ کے مزار ہیں۔

حضرت خواجہ صدرالدین عرف بھورے شاہؒ
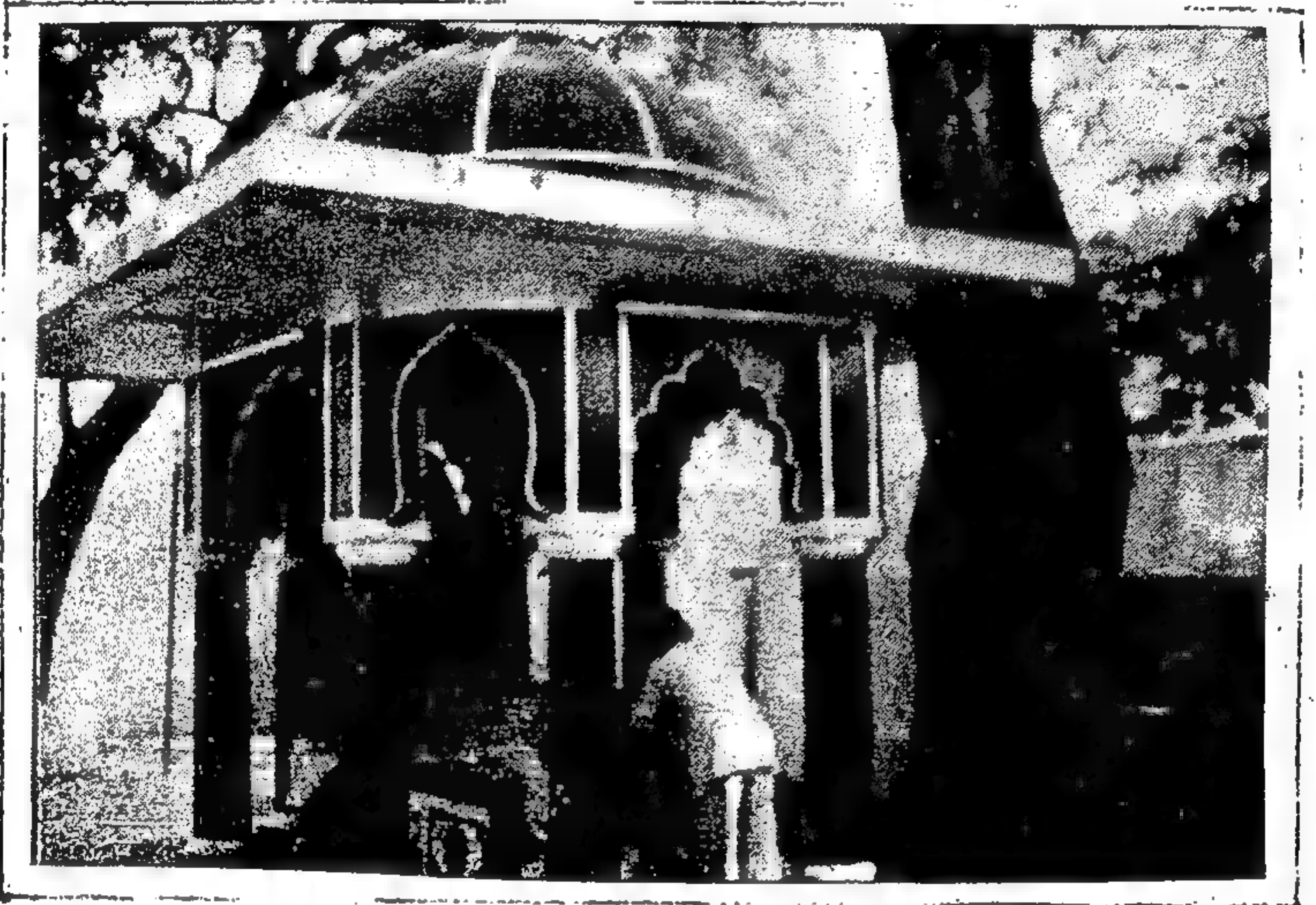
حضرت خواجہ صدرالدینؒ عرف بھورے شاہؒ کا مزار لال قلعہ کے دہلی گیٹ لاہوری گیٹ کے درمیان ٹبہ پر ہے مزار پختہ شاندار انداز میں تعمیر کیا گیا ہے اوپر چھت بھی ہے آپ شہنشاہ اکبر کے دور میں ہو گزرے ہیں آپکا وصال ۹۸۳ھ میں ہوا۔ آپ صاحب کمال ہو گزرے ہیں خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے عرس مبارک میں حاضری دینے والے زائرین دہلی کے دیگر اولیاء کرام کے مزارات کے علاوہ آپ کے مزار پر بھی حاضری دیتے ہیں آپ کے مزار کے قریب زائرین اجمیر شریف کا کیمپ بھی لگایا جاتا ہے۔

حضرت شاہ محمد آفاق دہلویؒ

آپ ۱۱۶۰ھ میں پیدا ہوئے حضرت خواجہ ضیاء اللہ نقش بندی کے مرید ہیں حضرت شاہ محمد آفاق سلسلہ

مجددیہ کے بہت بڑے بزرگ ہو گزرے ہیں آپ کا وصال ۱۲۵۱ھ میں ہوا آپ کا مزار دہلی میں ہے حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی حضرت مولانا نصیر الدین آپ کے ممتاز خلفاء میں ہیں آپ کی کئی کرامات مشہور ہیں۔

مزار حضرت شیخ سید برہان الدین بلخیؒ
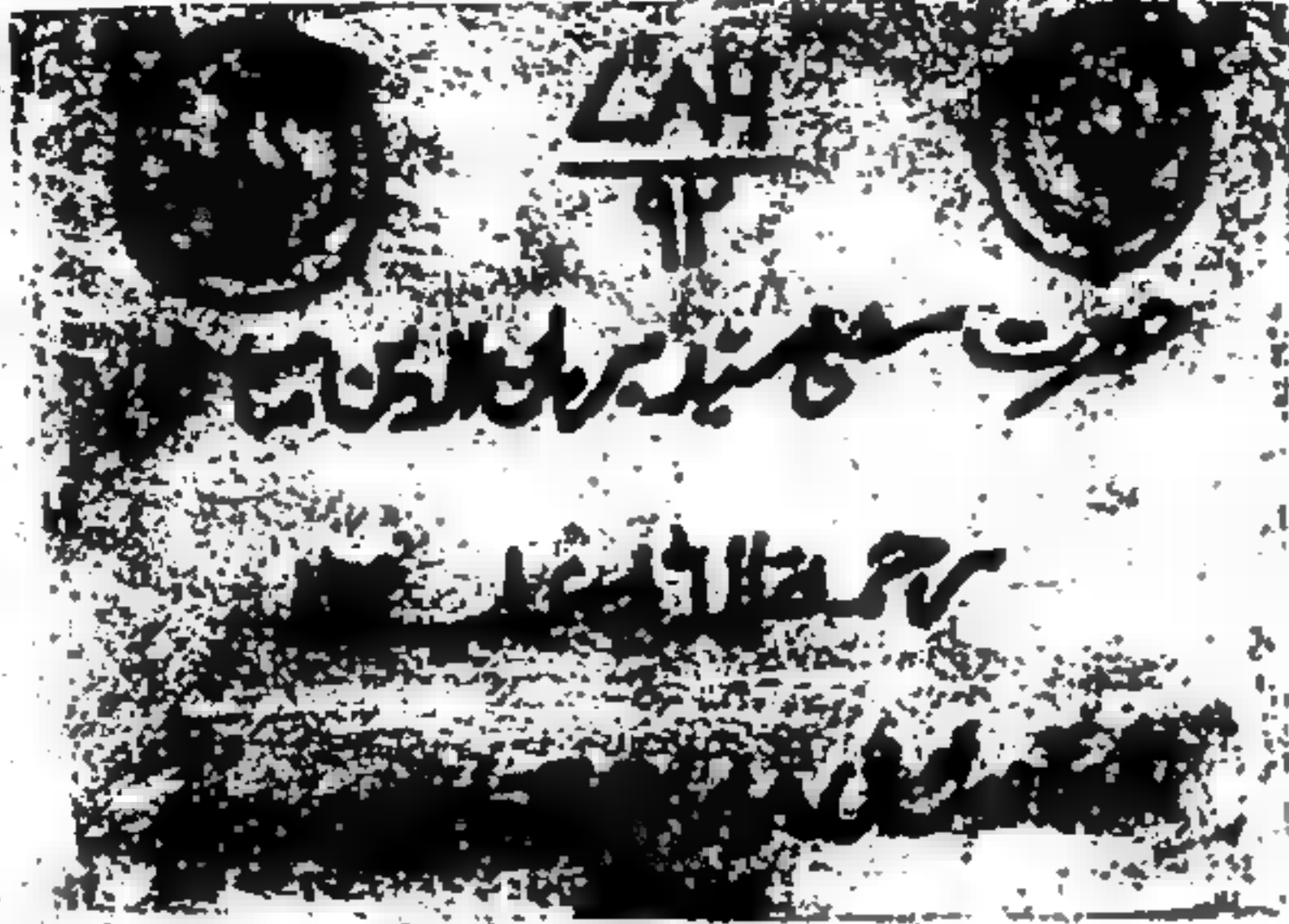
حوض شمسی کے کنارے مسجد اولیاء میں حاضری کے بعد راقم دوسرے اولیاء کے حضور حاضری کے لیے رواں دواں تھا۔ قریب ہی سڑک کے مشرق کی جانب چائے کے کھوکھا کے نزدیک سفید رنگ کا ایک مزار ہے مزار پر نصب تختی پر آپ کا اسم مبارک حضرت شیخ سید برہان الدین بلخیؒ تحریر ہے۔ آپ کا تاریخ وصال ۸ ربیع الاول شریف ۵۰۰ھ تحریر ہے آپ کے مزار کا تعویز پختہ تعمیر کیا گیا ہے۔ چار دیواری چھت نہیں ہے۔ چائے فروش نے مزار کے قریب میز کرسیاں رکھی ہیں جہاں لوگ بیٹھ کر چائے پیتے ہیں راقم نے مزار کی تصویر لینی چاہی تو وہاں موجود تمام لوگ ایک طرف ہو گئے میں نے آسانی سے مزار کی تصویر بنائی۔ آپ سماع کے دلدادہ تھے۔ کتاب نزہۃ الخواطر و بہجۃ المسامع والنواظر حصہ اول میں آپ کا نام محمود بن ابو الخیر سعد بلخی دہلوی تحریر ہے۔ لقب برہان الدین نے اس زمانہ میں اسے بڑا کوئی عالم نہ تھا۔ آپ کے حضور بادشاہ غیاث الدین بلبن دوسرے امراء حاضری دیتے رہتے تھے بحوالہ خزینۃ اصفیا۔

مزار حضرت امام ضامنؒ

قطب مینار دہلی کے گرد و نواح میں بادشاہوں شہزادوں اور امراء کے مزار ہیں۔ قطب مینار کے جنوبی سمت علائی دروازہ ہے اس دروازہ کے مشرق کی طرف حضرت امام ضامن کا مزار ہے مزار بہت خوبصورت انداز میں تعمیر کیا گیا ہے۔ شاندار گنبد بھی ہے مزار کی اونچائی ۲۰ فٹ اور چوڑائی بھی ۱۱ فٹ ہے اور فرش پر سنگ مرمر استعمال کیا گیا ہے مزار کے چاروں طرف جالیاں تمام پٹیاں تراشی گئی ہیں جو کہ لودھی دور کی یاد دلاتی ہیں۔

امام ضامنؒ سکندر لودھی کے عہد میں ۱۴۸۹ء تا ۱۵۱۷ء ترکستان سے دہلی تشریف لائے اپنی زندگی میں ہمایوں کے دار الحکومت میں مقبرہ تعمیر کروایا ۱۵۳۹ء میں وفات پائی اسی مقبرہ میں دفن ہوئے آپ سادات میں سے

مزار حضرت امام ضامنؒ
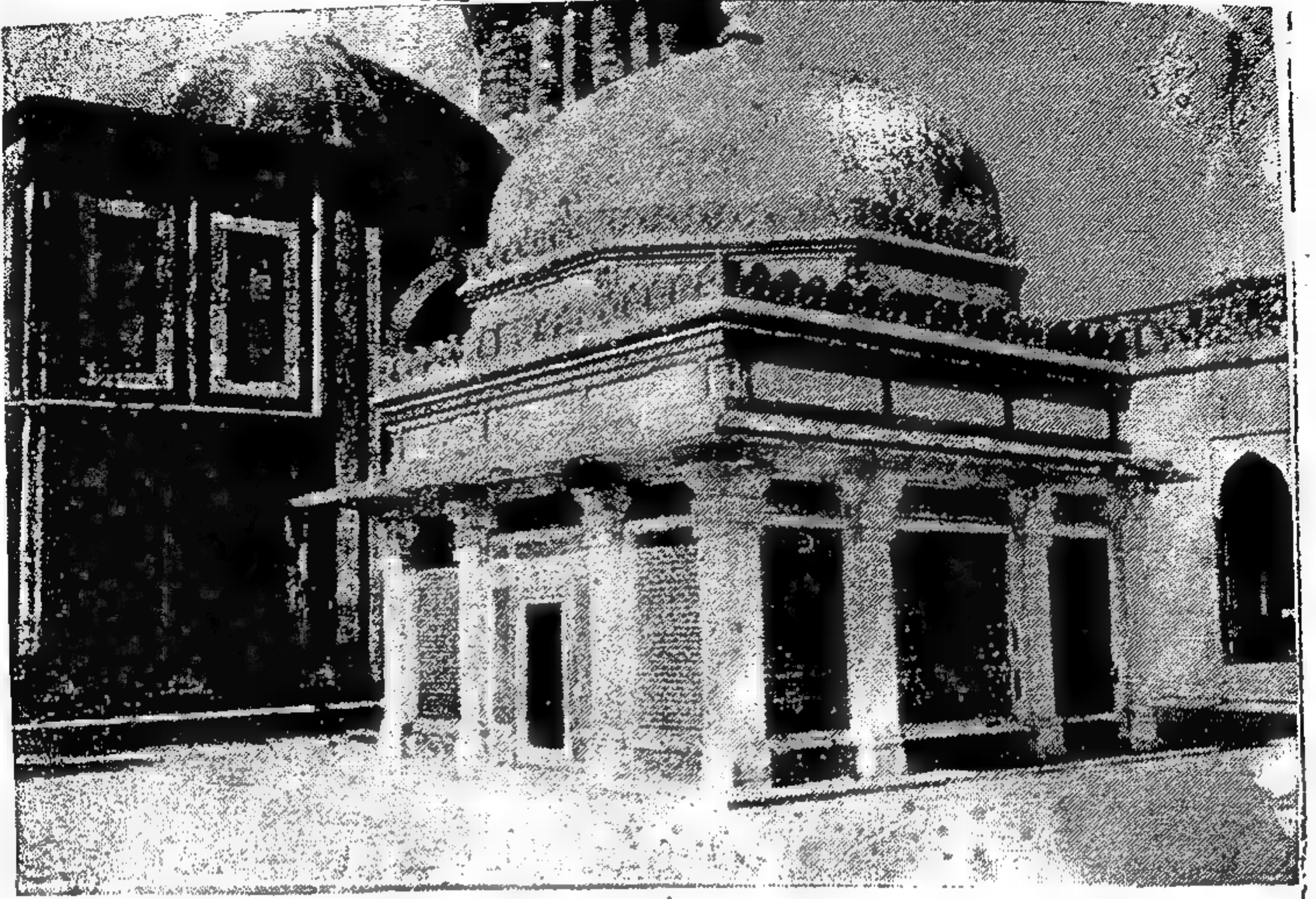
ہیں آپ کا سلسلہ نسب امام حسنؓ حسینؓ سے جاملتا ہے۔آپ کا سلسلہ چشتیہ تھا دہلی کی مسجد قوت اسلام کے امام مقرر ہوئے جو اس وقت سب سے بڑا شاہی منصب تسلیم کیا جاتا تھا آپ کے مقبرہ کے قریب کتبہ نسب ہے۔ تفصیل انگریزی میں درج ہے مقبرہ کے چاروں طرف چار دیواری بھی ہے۔

TOMB OF IMAM ZAMIN:

ACCORDING TO THE INSCRIPTION OVER THE SOUTHERN DOORWAY OF THIS TOMB. IMAM MUHAMMAD ALI OR IMAM ZAMIN CAME TO DELHI FROM TURKESTAN IN THE REIGN OF SIKANDAR LODI (A.D. 1489-1517). HE BUILT THIS MAUSOLEUM IN HIS LIFETIME AND DIED IN A.D. 1539. IT IS SURMOUNTED BY A DOME OF SANDSTONE COVERED WITH PLASTER AND RISING FROM AN OCTAGONAL DRUM. ITS SIDES ARE CARVED WITH PERFORATED SCREENS, CHARACTERISTIC OF THE LODI PERIOD.

مسجد اور درگاہ حضرت مولانا شیخ فضل اللہ عرف جلال خان المعروف جمالی کمالیؒ
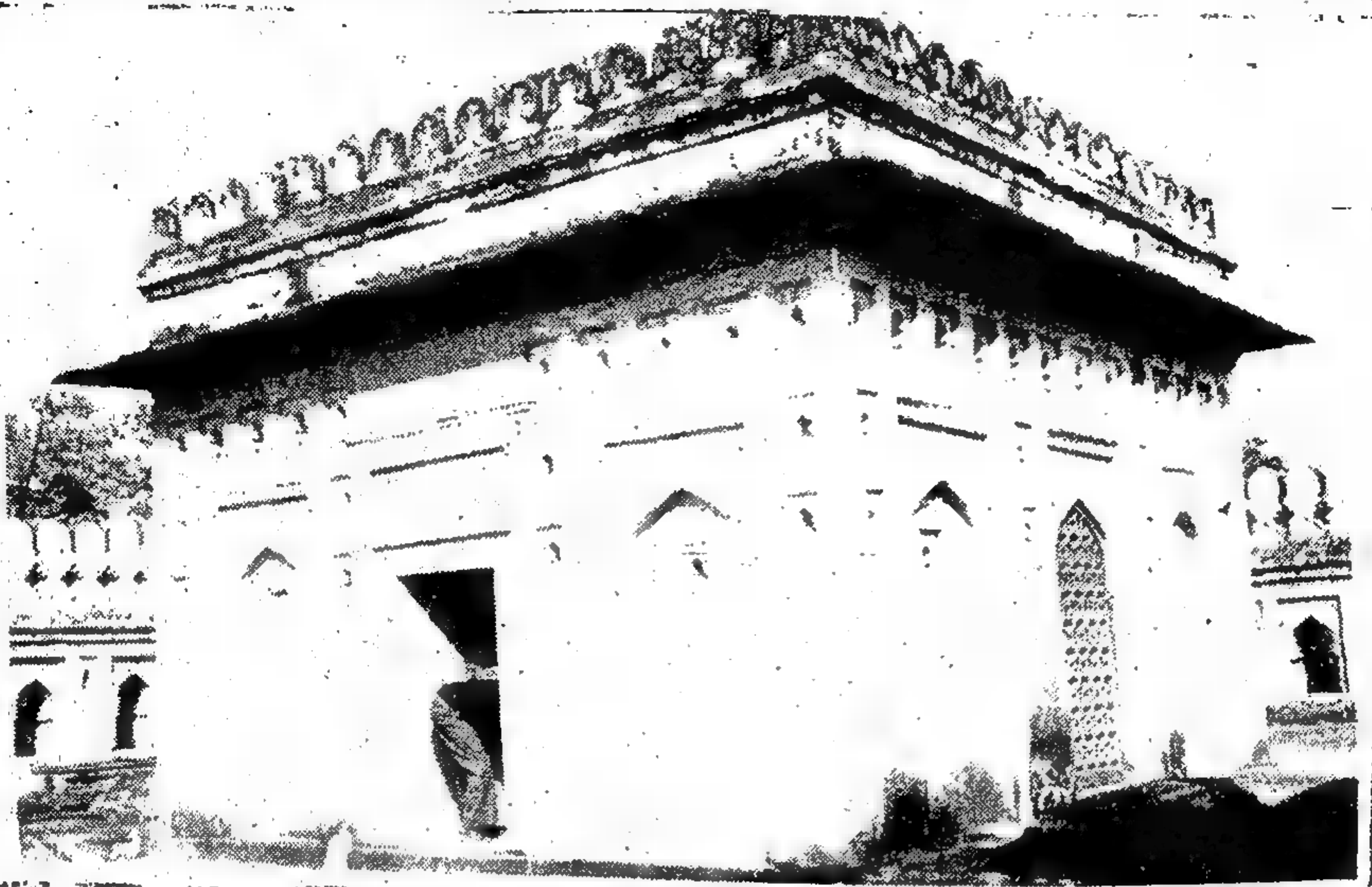
مہرولی میں بسوں کے اڈا کے ساتھ ہی جنوب کی جانب مہرولی کی تباہ شدہ شہر جو اب جنگل کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ پورے جنگل میں تراشے ہوئے پتھر بکھرے پڑے ہیں مکانوں کی بنیادیں گمنام بادشاہوں شہزادوں امراء کے مقبرے اولیاء اکرام کے آستانے غیر آباد مساجد دکھائی دیتی ہیں۔ کسی زمانہ میں اس جنگل میں کوئی شہر آباد تھا۔ اس جنگل میں میری رہنمائی کر مو کر رہا تھا۔ ہم دونوں گندے نالے کے ساتھ ساتھ چلتے رہے جا بجا تراشے ہوئے پتھروں کچ چونا سے تعمیر شدہ مقبرے دیکھنے کو ملے جو مسلمانوں کی عہد رفتہ کی عظیم نشانیاں ہیں جن کے آثار مٹتے جا رہے ہیں، امرود کے باغ تک کر مو میرے ساتھ رہا۔ گندے نالے کے پانی کا بہاؤ مغرب سے مشرق کی طرف ہے۔ جوں ہی میں نے شمال کی طرف رخ کیا سامنے مزار حضرت جمال خان المعروف جمالی کمالی دکھائی دیا مزار سے تھوڑے فاصلہ پر پرانی عمارتوں کی مرمت کی جا رہی تھی ان بوسیدہ عمارتوں پر قرآن پاک کی آیات کلمہ مبارک نمایاں نظر آتا ہے۔ میں نے بہت کوشش کی کہ محکمہ آثار قدیمہ کو کوئی بزرگ گائیڈ مل جائے جس سے اس سے ان گمنام مقبروں کے بارے تفصیل حاصل کر سکوں۔ سڑک کے مغرب کی جانب درگاہ حضرت جمالی کمالیؒ میں داخل ہوا تو میرے سامنے ایک عالی شان بہت بڑی مسجد تھی جو سنگ سرخ اور سنگ مرمر سے تعمیر کی گئی تھی کسی زمانہ میں جب یہاں شہر آباد تھا تو یہ مسجد بھی آباد تھی مسجد کا صحن بھی کافی وسیع ہے۔ مسجد اور درگاہ کے ارد گرد چار دیواری تعمیر کی گئی ہے مسجد کے صحن میں ارکیالوجیکل سروے آف انڈیا کے دو ملازموں سے ملاقات ہوئی جنہوں نے بتایا کہ مرکزی حکومت اور دہلی گورنمنٹ کے محکمے ان پرانی عمارتوں کی دیکھ بھال

کرتے ہیں دونوں چوکیدار میرے ساتھ ساتھ رہے جھک کر بڑے احترام سے حضرت جلال خان جمالی کے مزار کا دروازہ کھولا۔ مسجد اور مزار کے اندر باہر صفائی کا خاص خیال رکھا گیا یہ حقیقت ہے کہ ہندو مسلمانوں کی درگاہوں کا بہت احترام کرتے ہیں۔ میں نے حضرت جمال خان المعروف جمالی کمالیؒ کے مزار پر حاضری دی مزار بہت خوبصورت عالی شان انداز میں تعمیر کیا گیا ہے فرش سنگ مرمر سے تعمیر کیا گیا ہے دیواریں بھی قیمتی پتھر سے بنائی گئی ہیں چھت پر بھی نقش و نگا ہیں چار دیواری بھی بہت خوبصورت ہے۔

مہرولی کے جنگل کو آباد کر کے پارک بنائے جا رہے ہیں مہرولی کے بارے یہ بات مشہور ہے کہ جس زمانہ میں رائے پتھورا نے یہاں قلعہ بنایا اس زمانہ میں بھی آبادی اس مقام پر تھی حضرت شیخ فضل اللہ عرف جلال خان بڑے نامی گرامی شاعر عالم باعمل بڑے سیاح تھے۔ شاعری میں بڑا مقام رکھتے تھے۔ اپنے کلام کی بدولت شاہی دربار میں عقیدت و احترام سے دیکھے جاتے آپ نے چار بادشاہوں سکندر لودھی، ابراہیم لودھی، ظہیر الدین بابر، نصیر الدین ہمایوں کا زمانہ دیکھا تھا۔ اپنے زمانے کے اولیائے کاملین میں سے تھے۔ ہندوستان کے علاوہ دیگر اسلامی ممالک میں بھی آپ کے علم کا شہرہ تھا۔ آپکا تخلص جلالی تھا لیکن جمالی کے نام سے مشہور تھے آپ نے اپنی زندگی ۹۳۵ھ میں مسجد تعمیر کروائی مولانا جمالی ۹۴۲ء میں شہنشاہ نصیر الدین کے ہمراہ گجرات مغربی ہند تشریف لے گئے جہاں ان کا انتقال ہوا آپ کی نعش دہلی لائی گئی آپ کو اس حجرہ میں دفن کیا گیا جو آپ نے زندگی میں ہی تعمیر کرایا تھا آپ کی تحریر کردہ مشہور کتاب سر العارفین ہے۔

مسجد جمالی کمالی

JAMALI-KAMALI'S MOSQUE AND TOMB

THIS MOSQUE AND THE ADJOINING TOMB ARE ASSOCITED WITH THE NAME OF SHAIKH FAZLULLAH ALSO KNOWN AS JALAL KHAN OR JAMALI, A SAINT AND POET WHO LIVED BETWEEN

SIKANDAR LODI'S REIGN AND THAT OF HUMAYUN. THE MOSQUE THOUGH COMMENCED IN ABOUT 1528-29 WAS COMPLETED DURING HUMAYUN'S REIGN, WHILE THE TOMB WAS BUILT IN 1528 A. D. IT CONTAINS TWO GRAVES, ONE BELIEVED TO BE THAT OF JAMALI, AND THE OTHER THAT OF KAMALI WHOSE IDENTITY IS UNKNOWN.

SOME OF THE NOTEWORTHY FEATURES OF THIS ELEGANT MOSQUE ARE FLUTED PILASTERS FLANKING THE CENTRAL ARCH, CARVED BANDS ND MEDALLIONS IN THE SPANDRELS AND PENDANT LOTUS BUDS BELOW THE PARAPET WHICH DECORATE THE FAÇADE OF THE PRAYER HALL, PIERCED BY FIVE ARCHED OPENINGS. THE WEST WALL WITH OCTAGONAL TOWERS AT THE CORNERS HAS A NARROW GALLERY RUNNING ROUND THE MOSQUE ON THE SECOND STOREY WITH THREE ORIEL WINDOWS.

THE FLAT-ROOFED TOMB IN THE ADJOINING ENCLOSURE TO THE NORTH IS UNIQUE FOR ITS ORNAMENTATION WITH COLOURED TILES AND PATTERNS IN INCISED AND PAINTED PLASTER BEARING AN INSCRIPTION COMPOSED BY JAMALI HIMSELF

مہرولی میں حضرت شرف الدینؒ کا مزار

پرانی دہلی مہرولی کا علاقہ کافی رقبہ میں پھیلا ہوا ہے خودرو پودے اور درختوں کی وجہ سے جنگل کی صورت اختیار
کر گیا ہے۔ پورے علاقے میں جا بجا ٹوٹی ہوئی تاریخی عمارتیں، مساجد باولیاں اور اولیائے کرام کے آستانے ہیں دہلی

کارپوریشن کے بسوں کے اڈا سے ایک سڑک حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار کی طرف جاتی ہے ایک پرانی باولی جو گندھک باولی کے نام سے مشہور ہے باولی کے مشرق کی طرف حضرت شرف الدینؒ کا مزار ہے۔ مزار کے گرد و نواح لاتعداد قبریں ہیں آپ کا مزار پختہ تعمیر کیا گیا ہے مزار کے سرہانے ایک چھوٹی سی تختی پر آپ کا نام درج ہے تاریخ وصال کے حروف مٹ چکے ہیں مزار کے متولی نے بتایا آپ ولی اللہ درویش ہو گزرے ہیں راقم نے آپ کے مزار پر حاضری دی اور فوٹو حاصل کیے۔

مزار حضرت شیخ ابو بکر طوسیؒ المعروف مٹکہ پیر
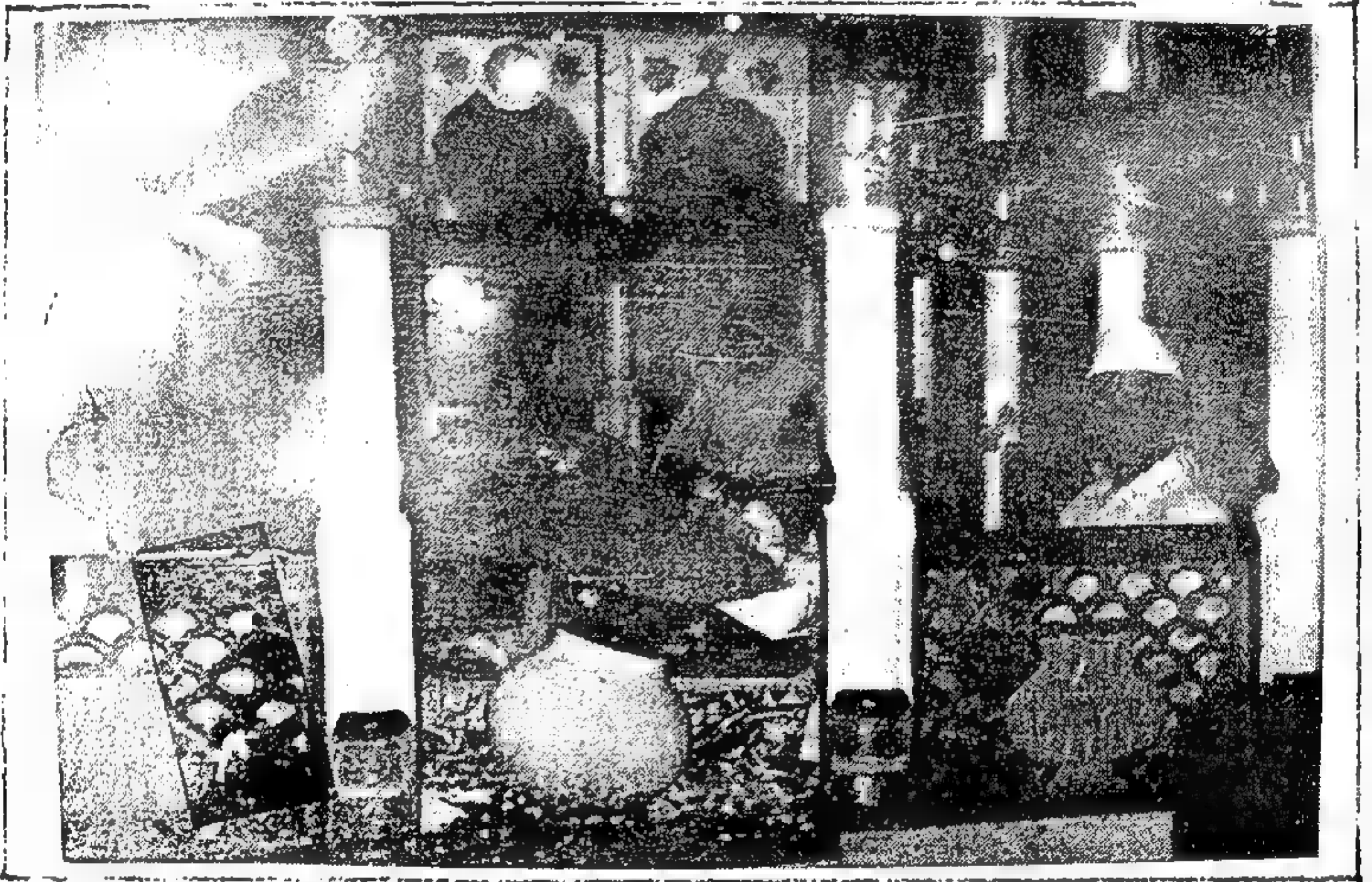
پرانا قلعہ کے بالمقابل مسجد خیر المنازل کے قریب ایک پہاڑی کی چوٹی پر حضرت شیخ ابو بکر طوسیؒ کا مزار ہے مزار پر جانے کیلئے تقریباً 70 سیڑھیاں سنگ مرمر سے بنائی گئی ہیں۔ یہاں قلعہ کے آثار بھی ملتے ہیں شاید کسی زمانے میں یہاں قلعہ بھی تھا۔ مزار پر ہزاروں کی تعداد میں مٹکے پڑے ہوئے ہیں اور سینکڑوں کے قریب مٹکے درختوں پر سجائے گئے ہیں۔ آپکا مزار شاندار انداز میں تعمیر کیا گیا ہے مزار کے قریب مسجد بھی ہے۔ زائرین اجمیر شریف جانے سے پہلے یہاں حاضری دیتے ہیں ۔ مخلوق خدا یہاں دن رات حاضری دیتی ہے مزار پر بڑے بڑے قد آور درخت بھی ہیں آپ کی کئی کرامات علاقہ میں مشہور ہیں۔

مزار مبارک حضرت نجیب الدین فردوسیؒ
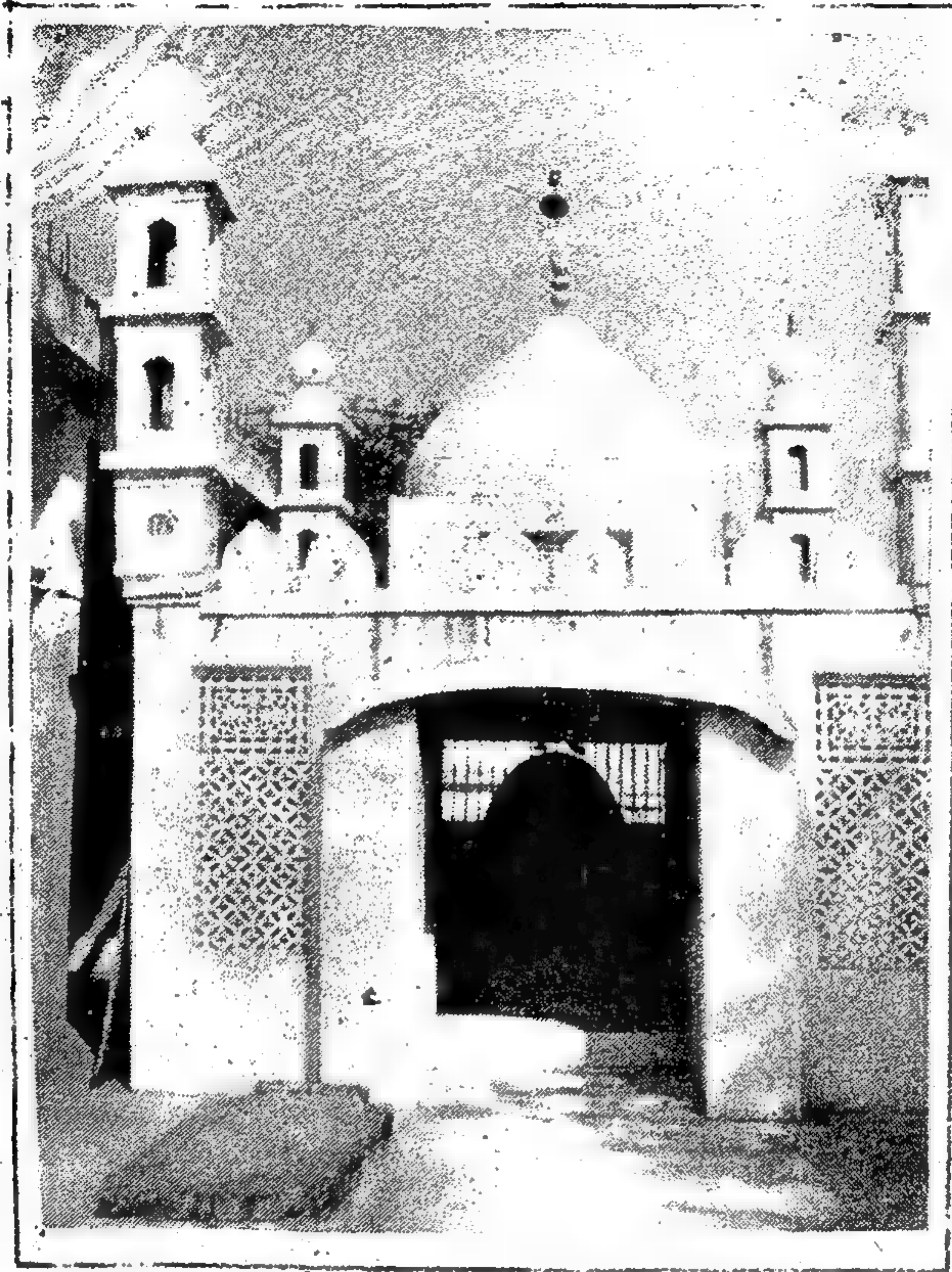
حوض شمسی کے قریب حضرت شیخ سماء الدین سہروردیؒ کے مزار سے تھوڑے سے فاصلہ پر سڑک کے مشرق کی طرف شمشان گھاٹ کے قریب حضرت نجیب اللہ فردوسیؒ کا مزار ہے مزار کے مغرب کی جانب مسجد ہے مسجد کے قریب بچوں کی درس گاہ ہے آپ کا مزار پختہ تعمیر ہے راقم نے مزار پر حاضری دی اور مزار کے فوٹو کھینچے۔ حضرت نجیب الدین احمد بن یحییٰ منیریؒ جن کا وصال ۱۳۷۱ء میں ہوا آپ رشد و ہدایت کے سلسلہ میں بہار اور بنگال تشریف لے گئے۔ اس سلسلے کی خانقاہیں بہار اور بنگال کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی ہیں۔ حضرت شیخ شرف الدین احمدؒ کو صوبہ بہار کا سب سے بڑا ولی اللہ تسلیم کیا جاتا ہے آپ کے مزار سے تھوڑے فاصلے پر ایک قدیمی مسجد ہے جو پتھروں سے تعمیر کی گئی ہے برسوں غیر آباد رہی اب آباد ہو رہی ہے مسجد کی مرمت مکمل ہو چکی ہے۔ حضرت نجیب الدین فردوسیؒ کو فیض حضرت شیخ رکن الدین فردوسیؒ سے ملا حضرت نجیب الدی فردوسی کے خلیفہ کا نام حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ ہے۔

باب دوم

مسلمانوں کی عظمت کے نشان

مشہور حکمران

سلطان شہاب الدین محمد غوری

کے حالات زندگی

راقم کی لکھی ہوئی کتاب "سیالکوٹ سے خیبر تک" میں ملاحظہ فرمائیں

سلطان قطب الدین ایبک اور ایاز محمود کے حالات زندگی

راقم کی لکھی ہوئی کتاب

"جنوبی پنجاب، سندھ، بلوچستان میں اولیائے کرام کے قدیمی تاریخی روحانی مقامات"

میں ملاحظہ فرمائیں

ہندوستان میں مسلمانوں کے ہر دور میں علماء کرام اور صوفیائے بزرگان کا ظہور ہوا

ہندوستان میں مسلمان ہمیشہ اقلیت میں رہے اور اقلیت میں ہونے کے باوجود قندھار سے رنگون تک اور سری نگر سے راس کماری تک کے وسیع و عریض علاقے میں اکثریت پر حکومت کرتے رہے۔ ایسی صورت میں اقلیت کے نمائندہ بادشاہ کا مطلق العنان ہونا ضروری تھا لیکن اس کی مطلق العنانی کو جائز حدود میں رکھنے کیلئے ایک طرف تو بادشاہ وقت اپنے فیصلوں کے لیے مرکز خلافت کی طرف دیکھنے پر مجبور تھا اور دوسری طرف قدرت حق نے تعدیل و توازن کا یہ نکتہ مستقل قائم رکھے رکھا کہ ہر عہد اور ہر زمانے میں علماء کرام صوفیائے کرام اور بزرگان دین کا ظہور رہا۔ شہاب الدین غوری کے لیے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کو مامور کیا۔ غیاث الدین کے لیے قاضی منہاج سراج جرجانی، التمش کے لیے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، جلال الدین کے لیے قاضی مغیث الدینؒ، غیاث الدین تغلق کے لیے خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، ناصر الدین قباچہ کیلئے حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی، سلطان محمد تغلق کے لیے حضرت محمود چراغؒ دہلوی۔ فیروز تغلق کے لیے مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ، شہنشاہ اکبر کے لیے حضرت خواجہ باقی باللہؒ، جہانگیر کے لیے حضرت مجدد الف ثانیؒ، شاہجہان کے لیے حضرت میاں میرؒ حتیٰ کے اورنگزیب جیسے دیندار حکمران کے لیے سرمد شہید شمالی ہند کے لیے داتا گنج بخشؒ، مغربی پنجاب کے لیے بابا فرید گنج شکرؒ اور سلطان سخی سرورؒ، کشمیر کے لیے سید علی ہمدانیؒ، بنگال کے لیے حضرت قطب العالم نور الحقؒ، دکن کے لیے بندہ نواز گیسو دراز سندھ کیلئے شاہ عبداللطیف بھٹائی، مخدوم لعل شہباز قلندرؒ اور منگھو پیرؒ، دور جدید کی اصطلاح میں صوفیائے کرام کو حزب اختلاف بھی کہا جا سکتا ہے۔ ان حضرات کی سادگی اور قدرت کی اس تعدیلی نظام کا نتیجہ یہ ہوا کہ کروڑوں لوگوں اور ان کے آنے والے نسلوں کو اپنا گرویدہ بنایا کہ سیاست و معاشرت اور تمدن کے ایسے متحیر العقول مظاہر دیکھنے میں آئے جو دنیا کے کسی اور مذہب یا ملک کی تاریخ میں نظر نہیں آتے مثلاً یہ کہ تین چوتھائی اکثریت نے اقلیت کی حکمرانی مسلسل ایک ہزار سال تک کے لیے دل و جان سے تسلیم کیے رکھی۔ یہ ایک ایسا سیاسی معجزہ ہے جو دنیا کے کسی اور خطے میں رونما نہیں ہوا۔ مشہور ہندو مورخ پروفیسر کھوسلہ لکھتے ہیں کہ "اکثریت پر اقلیت کا ایک ہزار سال راج دنیائے سیاست کا سب سے بڑا انوکھا واقعہ ہے اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ مسلمان بادشاہوں کو اگرچہ مطلق العنانی اور زبردست طاقت حاصل تھی لیکن وہ اس کا غلط استعمال نہ کرتے تھے۔ ان کی استبدادی بادشاہت کو عوام کی دلی حمایت کے باعث وہی سیاسی حیثیت حاصل ہو گئی تھی جو دور جدید میں جمہوریت کو حاصل ہے۔ ان کی دو خوبیاں بے مثل تھیں ایک تو ہندو رعایا کو انہوں نے مسلمانوں کے

ساتھ برابری کا درجہ دیا اور دوسرے انہوں نے اپنے آپ کو مقامی حالات کے سانچے میں ڈھال لیا۔ اور یہی ان کی طاقت کا راز تھا۔ انہوں نے رواداری، عدل و انصاف اور مساوات کا ایسا شاندار نمونہ پیش کیا کہ آج کی جمہوریت بھی اس مطلق العنان بادشاہت کے سامنے ہیچ ہے۔ اگرچہ آمریت کے پنپنے کے تمام آثار و امکانات موجود تھے لیکن حیرت ہے کہ کسی ایک مسلمان بادشاہ پر بھی ڈکٹیٹر ہونے کی تہمت نہیں لگائی جا سکتی۔ پروفیسر کھوسلہ کو اس پر حیرت نہ ہونی چاہیے کیونکہ اسلام نے تو دوسرے بتوں کے ساتھ ساتھ آمریت کا بت بھی پاش پاش کر دیا اسلامی ہند کی ایک ہزار سالہ تاریخ میں ایک بھی ڈکٹیٹر پیدا نہیں ہوا شاہی اختیارات پر کئی قسم کی پابندیاں اور رعایائی آزادیوں اور حقوق کیلئے کئی قسم کی ضمانتیں تھیں۔ ان حدود سے تجاوز کرنے والے حکمران کا تخت دیر تک سلامت نہ رہ سکتا تھا۔

یاد رہے کہ ہندوستان کے مسلمان بادشاہ محض جولیس سیزر، نپولین، ہٹلر اور چنگیز خان کی طرح فاتح نہ تھے کہ آئے فتح کیا اور گزر گئے بلکہ فتوحات کے بعد انہوں نے یہیں ڈیرے ڈال دیئے اور ایک باقاعدہ منظم حکومت قائم کر کے ملکی نظم و نسق اور رفاہ عام کے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ مثال کے طور پر صرف فیروز تغلق کے عہد میں ایک سو نہریں دو سو سرائیں، پانچ سو شفاخانے ایک سو پل اور دوسرے مفید ادارے قائم ہوئے۔ اس نے فیروز آباد میں ہندوستان کا سب سے پہلا گھنٹہ گھر بنوایا۔ سلطان محمد تغلق کے عہد میں صرف دہلی شہر میں ایک ہزار چھوٹے بڑے مدرسے اور ستر ہسپتال تھے جہاں مفت علاج ہوتا تھا۔ ہملٹن لکھتا ہے کہ اورنگزیب کے عہد میں صرف شہر ٹھٹھہ میں چار سو سکول تھے اور میکس ملر لکھتا ہے کہ بنگال میں انگریزوں کی آمد کے وقت اسی ہزار سکول تھے لیکن انگریزوں کے آتے آتے تو ایک ہزار سالہ اسلامی سلطنت کا نقشہ ہی بدل گیا۔ وہ سیاسی کروفر، جاہ و جلال، جامع مسجدیں، لال قلعے، دیوان خاص و عام، شیش محل، قصر ہزار ستون اور قطب خانے سب ماضی کا ورق بن گئے۔ وہ فنون لطیفہ کی نیرنگیاں، وہ تصوف کے اسرار و رموز، نقاشی و تعمیر کی نفاست، علم و ادب، شاعری و موسیقی اور مصوری کا وہ ذوق، وہ رونق، گہما گہمی، تجارت، صنعت، زبان، تمدن سب کچھ تاریخ کی فضاؤں میں تحلیل ہو کر رہ گئے۔ سید قاسم محمود کے مضمون محمد بن قاسمؒ سے محمد علی جناحؒ تک ...... سے اقتباسات بشکریہ روزنامہ نوائے وقت مورخہ ۲۹ دسمبر ۱۹۸۸ء۔

دہلی کے مسلم اور غیر مسلم حکمران

دہلی کی تاریخ ہزاروں سال پرانی ہے یہ اس برصغیر کی قسمت کی فیصلے دہلی میں ہوتے رہے۔ نئی تہذیبیں جنم لیتی رہیں پرانی تہذیبیں ملیامیٹ ہوتی رہیں دہلی کے میدانوں میں کوروں پانڈووں کی جنگ ہوئی شمال کی جانب ہمالیہ نے اسکی حفاظت کی جنوب کی سمت سمندر کے گہرے پانی اسکے رکھوالے رہے مغرب کی سمت سے اسلام کی کرنیں پھوٹیں آج کا دہلی دو حصوں پرانی دہلی، نئی دہلی پر مشتمل ہے۔ جس کا مرکز مہرولی ہے جبکہ نئی دہلی، پرانی دہلی کی حد بندی دہلی دروازہ کرتا ہے۔ سر سید احمد خاں کی تحریر کردہ کتاب آثار الصنادید کے مطابق راجہ جرجودھن اور راجہ جدہشٹر میں اختلاف پیدا ہوا راجہ جدہشٹر نے نیا شہر اندرپت بسایا۔ جو دہلی کے نام سے مشہور ہے مابعد دونوں کے درمیان تھانسیر کے قریب کورچھتر کے نزدیک لڑائی ہوئی۔ جو مہابھارت کے نام سے مشہور ہوئی۔ مہا کے معنی بڑی اور بھارت کے معنی جنگ کے ہیں۔ یعنی بڑی جنگ اس جنگ میں راجہ جدہشٹر نے فتح پائی وہی دہلی کا پہلا حکمران تسلیم کیا جاتا ہے۔ آثار الصنادید کے مطابق مہابھارت کی لڑائی ایک ہزار چار سو پچاس برس قبل مسیح لڑی گئی۔ مسلمان حکمرانوں سے قبل ایک سو بیالیس حکمرانوں نے دہلی پر حکومت کی جب کہ انگریزوں کی آمد سے قبل تقریبا پینسٹھ مسلمان دہلی کے حکمران ہوئے۔

آج کا دہلی کئی میلوں میں پھیلا ہوا ہے۔ دریائے جمنا کے کنارے آباد یہ شہر اپنے اندر کئی داستانیں لیے ہوئے ہے پرانی دہلی مہرولی میں ہزاروں اولیاء اکرام کے مزار ہیں جبکہ سینکڑوں مسلمان بادشاہوں، شہزادوں، امراء، جرنیلوں، بیگمات کے مزار اسی آن شان سے کھڑے ہیں۔ ہر نئے حکمران خاندان نے اپنے جاہ جلال دبدبہ کے لئے نئی عمارتیں قلعے تعمیر کیے پرانی دہلی میں تقریبا پانچ سو کے قریب مساجد ہیں جن میں بیشتر غیر آباد ہیں لاتعداد مساجد ٹوٹ پھوٹ چکی ہیں۔ کئی مساجد رہائش گاہوں میں تبدیل ہو چکی ہیں۔ اب آہستہ آہستہ دہلی کے مسلمان ان مساجد کو آباد کر رہے ہیں۔ مرکزی حکومت اور دہلی کی گورنمنٹ نے مہرولی پرانی دہلی میں آثار قدیمہ کو محفوظ کر رکھا ہے۔ نئی دہلی میں مندروں کی تعداد بہت زیادہ ہے نئی دہلی کی نواحی بستی چھترپور میں بلند و بالا مندر تعمیر کیے گئے ہیں۔ ان میں ایک ایسا مندر بھی جہاں سونے کی وزنی مورتیاں رکھی گئی ہیں جن کی پوجا کے لئے دور دراز سے پجاری آتے ہیں ہر وقت ایک میلے کا سماں رہتا ہے۔ آثار الصنادید کے مطابق دہلی کے غیر مسلم اور مسلمان حکمرانوں کی تفصیل یوں ہے۔

دہلی کے غیر مسلم حکمران:

(۱) راجہ جدہشٹر قبل از مسیح ۱۴۵۰ دارالسلطنت ہستناپور مدت حکمرانی ۳۶ سال، (۲) راجہ پرکھیت ۱۴۱۴ ق

م مدت حکمرانی ۳۲ سال، (۳) راجہ جنیہبہ ۱۳۸۲ ق م مدت حکمرانی ۳۴ سال، (۴) راجہ شتانیک عرف راجہ اشمید ۱۳۴۸ ق م مدت حکمرانی ۳۳ سال (۵) راجہ سہرانیک عرف راجہ اوہمن ۱۳۱۵ ق م مدت حکمرانی ۳۲ سال، (۶) اسومی ویج عرف راجہ مہاجی ۱۲۱۳ ق م مدت حکمرانی ۳۶ سال، (۷) اسین کرشن ۱۲۴۷ ق م مدت حکمرانی ۳۵ سال، (۸) نمی عرف راجہ دشت دان ۱۲۱۲ ق م کنارو کوشکی ندی مدت حکمرانی ۳۵ سال (۹) راجہ چکر عرف اوگر سین ۱۱۷۷ ق م مدت حکمرانی ۳۶ سال، (۱۰) راجہ چترر تھ ۱۱۴۱ ق م مدت حکمرانی ۳۶ سال، (۱۱) کیرتھ ۱۱۰۵ ق م مدت حکمرانی ۲ سال، (۱۲) برشت مان عرف رسمی ۱۱۰۳ ق م مدت حکمرانی ۳۸ سال، (۱۳) سو سین عرف راجہ رجہل ۱۰۴۲ ق م مدت حکمرانی ۲۷ سال، (۱۴) راجہ سوتھ عرف سکھپال ۱۰۱۵ ق م مدت حکمرانی ۲۸ سال، (۱۵) راجہ نرچک شو عرف نرہر دیو ۹۸۷ ق م مدت حکمرانی ۲۳ سال، (۱۶) سکھی تل عرف سورج رتھ ۹۶۴ ق م مدت حکمرانی ۱۸ سال، (۱۷) پریلو عرف راجہ بھوپت ۹۴۶ ق م مدت حکمرانی ۴۶ سال، (۱۸) راجہ سونی ۹۲۰ ق م مدت حکمرانی ۲۳ سال، (۱۹) میدحاوی [illegible] ق م مدت حکمرانی ۲۳ سال، (۲۰) نرپ انجی عرف شرون پتر ۸۷۲ ق م مدت حکمرانی ۲۵ سال، (۲۱) دورہنیہ عرف بھیکم ۸۴۷ ق م مدت حکمرانی ۱۹ سال، (۲۲) راجہ تمی عرف بدارتھ ۸۲۸ ق م مدت حکمرانی ۲۱ سال، (۲۳) ہربدرتھ عرف راجہ دسوان ۸۰۷ ق م مدت حکمرانی ۲۰ سال، (۲۴) سوداسی عرف اونی پال ۷۸۷ ق م مدت حکمرانی ۲۰ سال، (۲۵) شتانیک عرف ابھی دھر ۷۶۷ ق م مدت حکمرانی ۲۳ سال، (۲۶) درومن عرف ڈنڈپاں ۷۴۴ ق م مدت حکمرانی ۱۸ سال، (۲۷) بہی تر عرف دربل رائے ۷۲۶ ق م مدت حکمرانی ۱۹ سال (۲۸) ڈنڈپانی عرف دشت پال ۷۰۷ ق م مدت حکمرانی ۱۶ سال (۲۹) راجہ نمی عرف کھیم پال ۶۹۱ ق م مدت حکمرانی ۲۶ سال (۳۰) کشی مک عرف راجہ کمین ۶۶۵ ق م مدت حکمرانی ۲۲ سال (۳۱) راجہ بسرادہ ۶۴۳ ق م مدت حکمرانی ۷ سال (۳۲) سورج سین ۶۱۷ ق م مدت حکمرانی ۱۹ سال (۳۳) راجہ بیرساہ ۶۱۷ ق م مدت حکمرانی ۲۴ سال (۳۴) راجہ ایک ساہ یا رب سین ۵۹۳ ق م مدت حکمرانی ۲۲ سال (۳۵) راجہ ہرجیت یا پتر ۵۷۱ ق م مدت حکمرانی ۱۶ سال (۳۶) راجہ دربہہ [illegible] ق م مدت حکمرانی ۲۰ سال (۳۷) راجہ سدھی پال ۵۳۵ ق م مدت حکمرانی ۱۳ سال (۳۸) راجہ برست ۵۲۲ ق م مدت حکمرانی ۱۹ سال (۳۹) راجہ یحیٰ ۵۰۳ ق م مدت حکمرانی ۱۶ سال (۴۰) راجہ امرجو [illegible]۸۷ ق م مدت حکمرانی ۱۳ سال (۴۱) اسین پال ۴۷۴ ق م مدت حکمرانی ۱۱ سال (۴۲) راجہ سروہی ۴۶۲ ق م مدت حکمرانی ۲۲ سال (۴۳) راجہ پدارتھ ۴۴۰ ق م مدت حکمرانی ۱۲ سال (۴۴) راجہ بدھمل ۴۲۸ ق م مدت حکمرانی ۱۵ سال (۴۵) راجہ بیرباہ ۴۱۳ ق م مدت حکمرانی ۱۲ سال (۴۶) مرار سنگھ ۳۹۶ ق م مدت حکمرانی ۱۴ سال (۴۷) شترکن ۳۸۲ ق م مدت حکمرانی ۱۱ سال (۴۸) مہی پت یادھن بیت ۳۷۱ ق م مدت حکمرانی ۱۲ سال (۴۹) مہابل ۳۵۹ ق م مدت حکمرانی ۱۹ سال (۵۰) سروپ دت ۳۴۰ ق م مدت حکمرانی ۱۴ سال (۵۱) مترسین ۳۲۶ ق م مدت حکمرانی ۱۲ سال (۵۲) راجہ سکھروان ۳۱۴ ق م مدت حکمرانی [illegible] سال (۵۳) راجہ جیت مل ۳۰۶ ق م مدت حکمرانی ۱۴ سال (۵۴) راجہ پال سنگھ ۲۹۲ ق م مدت حکمرانی ۱۹ سال (۵۵) راجہ کلمنی ۲۷۳ ق م مدت

حکمرانی ۱۹ سال (۵۶) راجہ شتر مردن ۲۵۴ق م مدت حکمرانی ۶ سال (۵۷) راجہ جیون حیات ۲۴۸ق م مدت حکمرانی ۳ سال (۵۸) راجہ بیر سین ۲۲۷ق م مدت حکمرانی ۱۷ سال (۵۹) راجہ پرمہت ۲۲۵ق م مدت حکمرانی ۸ سال (۶۰) راجہ اودیپت ۲۲۰ق م مدت حکمرانی ۱۳ سال (۶۱) راجہ دھرنی دھر ۱۹۷ق م مدت حکمرانی ۱۹ سال (۶۲) راجہ سین دھج ۱۷۸ق م مدت حکمرانی ۲۵ سال (۶۳) مہی کنک ۱۰۳ق م مدت حکمرانی ۱۹ سال (۶۴) مہاجودہ ۱۳۴ق م مدت حکمرانی ۲۲ سال (۶۵) بیر ناتھ ۱۱۲ق م مدت حکمرانی ۱۳ سال (۶۶) جیون راج ۹۹ق م مدت حکمرانی ۲۱ سال (۶۷) اودی سین ۷۸ق م مدت حکمرانی ۱۷ سال (۶۸) راجہ اتند جگ ۶۱ق م مدت حکمرانی ۲۵ سال (۶۹) راجہ راجپال ۳۶ق م مدت حکمرانی ۱۲ سال (۷۰) راجہ بھگونت کوہی ۲۴ق م مدت حکمرانی ۱۳ سال (۷۱) راجہ بکر ماجیت والی اوجین ۱۱ق م مدت حکمرانی ۹۳ سال (۷۲) راجہ سمندر پال جوگی ۷۸۔ مدت حکمرانی ۲۴ سال (۷۳) راجہ چندر پال ۱۰۲۔ مدت حکمرانی ۲۷ سال (۷۴) نی پال ۱۲۹۔ مدت حکمرانی ۲۱ سال (۷۵) دیس پال [illegible]۔ مدت حکمرانی ۱۴ سال (۷۶) سکھ پال ۱۶۴۔ مدت حکمرانی ۱۹ سال (۷۷) گوبند پال ۱۸۳۔ مدت حکمرانی ۱۸ سال (۷۸) مکھ پال ۲۰۱۔ مدت حکمرانی ۲۲ سال (۷۹) ہرچند پال ۲۲۳۔ مدت حکمرانی ۱۳ سال (۸۰) مہی پال ۲۳۶۔ مدت حکمرانی ۱۵ سال (۸۱) ہرپال ۲۵۱۔ مدت حکمرانی ۱۴ سال (۸۲) مدن پال ۲۳۶۔ مدت حکمرانی ۱۸ سال (۸۳) کرم پال ۲۸۳۔ مدت حکمرانی [illegible] سال (۸۴) بکرم پال یا کھیم پال ۲۹۸۔ مدت حکمرانی ۱۵ سال (۸۵) ملوک چند ۳۱۰۔ مدت حکمرانی ۲ سال (۸۶) بکرم چند ۳۱۲۔ مدت حکمرانی ۱۳ سال (۸۷) کانچند ۳۶۵۔ مدت حکمرانی ۱ سال (۸۸) رام چندر ۲۳۶۔ مدت حکمرانی ۱۱ سال (۸۹) دھیر چند ۳۳۷۔ مدت حکمرانی ۱۵ سال (۹۰) کلیان چند ۳۵۲۔ مدت حکمرانی ۱۶ سال (۹۱) بھیم چند ۳۶۸۔ مدت حکمرانی ۱۲ سال (۹۲) ہرچند ۳۸۰۔ مدت حکمرانی ۱ سال (۹۳) گوبند چند ۳۸۱۔ مدت حکمرانی ۱۳ سال (۹۴) رانی پیم دیوی ۳۹۴۔ مدت حکمرانی ۱ سال (۹۵) ہر پریم ۳۹۵۔ مدت حکمرانی [illegible] سال (۹۶) گوبند پریم ۴۰۳۔ مدت حکمرانی ۲۰ سال (۹۷) گوپال پریم ۴۲۳۔ مدت حکمرانی ۱۶ سال (۹۸) مہاپاتر ۴۳۹۔ مدت حکمرانی ۷ سال (۹۹) دہی سین ۴۴۶۔ مدت حکمرانی ۱۸ سال (۱۰۰) بلاول سین ۴۶۴۔ مدت حکمرانی ۱۲ سال (۱۰۱) کنور سین ۴۷۶۔ مدت حکمرانی ۱۵ سال (۱۰۲) مادھو سین ۴۹۱۔ مدت حکمرانی ۱۵ سال (۱۰۳) سورین ۵۰۶۔ مدت حکمرانی ۶ سال (۱۰۴) بھیم سین ۵۱۲۔ مدت حکمرانی ۵ سال (۱۰۵) کان سین ۵۱۷۔ مدت حکمرانی ۵ سال (۱۰۶) ہر سین ۵۲۲۔ مدت حکمرانی ۹ سال (۱۰۷) کہن سین ۵۳۱۔ مدت حکمرانی ۲ سال (۱۰۸) نرائن سین ۵۳۳۔ مدت حکمرانی ۲۷ سال (۱۰۹) دامود سین ۵۶۰۔ مدت حکمرانی ۱۱ سال (۱۱۰) راجہ دیپ سنگھ کوہی ۵۷۱۔ مدت حکمرانی ۱۷ سال (۱۱۱) رن سنگھ ۵۸۸۔ مدت حکمرانی ۱۴ سال (۱۱۲) راج سنگھ ۶۰۲۔ مدت حکمرانی ۹ سال (۱۱۳) شیر سنگھ ۶۱۱۔ مدت حکمرانی ۴۵ سال (۱۱۴) ہنر سنگھ ۶۵۶۔ مدت حکمرانی ۱۳ سال (۱۱۵) جیون سنگھ ۶۶۹۔ مدت حکمرانی ۷ سال (۱۱۶) انیکپال تنور ۶۷۶۔ مدت حکمرانی ۱۸ سال (۱۱۷) باسدیو ۶۹۴۔ مدت حکمرانی ۱۹ سال (۱۱۸) کنک پال ۷۱۳۔ مدت حکمرانی ۲۱ سال (۱۱۹) پرتھی پال ۷۳۵۔ مدت حکمرانی ۱۹ سال (۱۲۰) جیدیو ۷۵۴۔ مدت حکمرانی ۲۱ سال (۱۲۱)

[illegible] ۔ مدت حکمرانی ۱۳ سال (۱۲۲) اودے راج ۷۸۹ ۔ مدت حکمرانی ۲۶ سال (۱۲۳) بچھراج ۸۱۶ ۔ مدت حکمرانی ۲۱ سال (۱۲۴) انتپال ۸۳۷ ۔ مدت حکمرانی ۲۲ سال (۱۲۵) رکھ پال [illegible] ۔ مدت حکمرانی ۲۱ سال (۱۲۶) انیکپال ۸۸۱ ۔ مدت حکمرانی ۲ سال (۱۲۷) گوپال ۸۸۳ ۔ مدت حکمرانی ۱۸ سال (۱۲۸) سلکھن ۹۰۱ ۔ مدت حکمرانی [illegible] سال (۱۲۹) جیپال ۹۲۲ ۔ مدت حکمرانی ۱۹ سال (۱۳۰) کنور پال ۹۴۳ ۔ مدت حکمرانی ۲۹ سال (۱۳۱) انیکپال ۹۷۲ ۔ مدت حکمرانی ۲۹ سال (۱۳۲) بجی پال ۱۰۰۲ ۔ مدت حکمرانی ۲۴ سال (۱۳۳) بھی پال ۱۰۲۶ ۔ مدت حکمرانی [illegible] سال (۱۳۴) اگر پال ۱۰۵۱ ۔ مدت حکمرانی ۲۱ سال (۱۳۵) پرتھی راج ۱۰۷۳ ۔ مدت حکمرانی ۲۲ سال (۱۳۶) بیلدیو ۱۰۹۵ ۔ مدت حکمرانی ۶ سال (۱۳۷) امر کنکو ۱۱۰۱ ۔ مدت حکمرانی [illegible] سال (۱۳۸) کمر پال ۱۱۰۶ ۔ مدت حکمرانی ۲۰ سال (۱۳۹) سمیر ۱۱۲۶ ۔ مدت حکمرانی [illegible] سال (۱۴۰) جاہر ۱۱۳۳ ۔ مدت حکمرانی ۴ سال (۱۴۱) ناک دیو ۱۱۳۸ ۔ مدت حکمرانی ۳ سال (۱۴۲) پرتھی راج عرف رای پتھورا ۱۱۴۱ ۔ مدت حکمرانی ۴۹ سال پرتھوی راج کو سلطان شہاب الدین محمد غوری نے تراوڑی کے میدان میں ۱۱۹۱ ۔ میں شکست دے کر مسلم سلطنت کی بنیاد رکھی ۔

دہلی کے مسلمان حکمران

(۱) شہاب الدین غوری نے پندرہ سال حکومت کی ۱۲۰۵ ۔ میں وفات پائی (۲) سلطان قطب الدین ایبک نے چار سال چند ماہ حکومت کی دہلی یعنی قلعہ رائے پتھورا دارالحکومت قرار پایا ۱۲۱۰ ۔ میں لاہور میں وفات پائی ۔ (۳) ارام شاہ عرصہ حکومت چند ماہ (۴) سلطان شمس الدین التمش نے ۲۶ سال حکومت کی ۱۲۳۵ ۔ میں وفات پائی (۵) رکن الدین فیروز شاہ نے چھ ماہ حکومت کی ۱۲۳۷ ۔ میں وفات پائی ۔ (۶) رضیہ سلطانہ بیگم نے ۳ سال چند ماہ حکومت کی ۱۲۴۰ ۔ میں وفات پائی ۔ (۷) معزالدین بہرام شاہ نے ۲ سال ایک ماہ حکومت کی ۱۲۴۱ ۔ میں وفات پائی ۔ (۸) سلطان علاوالدین مسعود شاہ نے [illegible] سال ایک ماہ حکومت کی ۱۲۴۶ ۔ میں وفات پائی ۔ (۹) سلطان ناصرالدین محمود شاہ نے ۲۰ سال حکومت کی ۱۲۶۵ ۔ میں وفات پائی ۔ (۱۰) الغ خان المشہور سلطان غیاث الدین بلبن نے ۲۱ سال حکومت کی ۱۲۸۷ ۔ میں وصال پایا ۔ (۱۱) معزالدین کیقباد المعروف سلطان شمس الدین نے دو سال حکومت کی ۱۲۹۰ ۔ میں وفات پائی ۔ (۱۲) جلال الدین فیروز شاہ خلجی نے چھ سال چند ماہ حکومت کی ۱۲۹۵ ۔ میں وفات پائی ۔ (۱۳) رکن الدین ابراھیم شاہ نے چار ماہ حکومت کی ۔ (۱۴) سلطان علاوالدین خلجی نے ۱۹ سال حکومت کی [illegible] ۔ میں وفات پائی ۔ (۱۵) شہاب الدین عمر نے صرف تین ماہ چند یوم حکومت کی ۔ (۱۶) قطب الدین مبارک شاہ نے [illegible] سال ایک ماہ ۲۷ یوم حکومت کی ۱۳۲۱ ۔ میں وفات پائی ۔ (۱۷) حسن خان لقب بہ سلطان ناصرالدین خسروخان نے چار ماہ چند یوم حکومت کی ۱۳۲۱ ۔ میں وفات پائی ۔ (۱۸) سلطان غیاث الدین تغلق نے چار سال چند ماہ حکومت کی ۱۳۲۴ ۔ میں فوت ہوا ۔ (۱۹) سلطان محمد عادل تغلق شاہ ۲۷ سال حکومت کی ۱۳۵۱ ۔ میں وفات پائی ۔ (۲۰) فیروز شاہ نے ۳۸ سال ۷ ماہ ۲۰ یوم حکومت کی ۱۳۸۸ ۔ میں وفات پائی ۔

(۲۱) غیاث الدین محمد (۲۲) شاہزادہ فتح خاں (۲۳) ناصر الدین محمد شاہ (۲۴) سلطان غیاث الدین تغلق شاہ ثانی نے ۵ ماہ ۸ یوم حکومت ن ۱۳۸۸ء میں وفات پائی۔ (۲۵) ابو بکر شاہ نے ایک سال ۶ ماہ چند یوم حکومت کی ۱۳۸۹ء وفات پائی۔ (۲۶) ناصر الدین محمد شاہ ۳۱ سال ۵ ماہ حکومت کی ۱۳۹۳ء میں وفات پائی۔ (۲۷) علاؤالدین سکندر شاہ نے ایک ماہ چند یوم حکومت کی ۱۳۹۳ء میں وصال ہوا۔ (۲۸) ناصر الدین محمود شاہ نے ۱۹ سال ۸ ماہ حکومت کی ۱۴۱۲ء میں وفات پائی۔ (۲۹) ناصر الدین نصرت شاہ نے چند یوم حکومت کی ۱۴۱۲ء میں فوت ہوا۔ (۳۰) اقبال خاں عرف ملو (۳۱) امیر تیمور نے ۱۵ یوم حکومت کی ۱۴۱۳ء میں فوت ہوا۔ (۳۲) دولت خاں نے ایک سال دو ماہ حکومت کی ۱۴۱۴ء میں وفات پائی۔ (۳۳) خضر خاں نے ۷ سال دو ماہ حکومت کی ۱۴۲۱ء میں وفات پائی۔ (۳۴) معز الدین ابو الفتح مبارک شاہ نے ۱۳ سال ایک ماہ حکومت کی ۱۴۳۳ء میں وفات پائی۔ (۳۵) سلطان محمد شاہ نے ۱۲ سال چند ماہ حکومت کی ۱۴۴۵ء میں وصال ہوا۔ (۳۶) سلطان علاؤالدین عالم شاہ نے ۶ سال چند ماہ حکومت کی ۱۴۷۸ء میں وفات پائی۔ (۳۷) سلطان بہلول لودھی نے ۳۸ سال ۸ ماہ حکومت کی ۱۴۸۸ء میں وفات پائی۔ (۳۸) سلطان سکندر لودھی نے ۲۸ سال ۵ ماہ حکومت کی ۱۵۱۷ء میں فوت ہوا۔ (۳۹) سلطان ابراھیم لودھی نے ۸ سال حکومت کی ۱۵۲۵ء میں وصال ہوا۔ (۴۰) ظہیر الدین بابر بادشاہ نے ۴ سال چند ماہ حکومت کی ۱۵۳۰ء میں وفات پائی۔ (۴۱) نصیر الدین ہمایوں بادشاہ نے ۱۱ سال ۵ ماہ حکومت کی ۱۵۴۱ء میں وفات پائی۔ (۴۲) فرید خاں شیر شاہ سوری نے ۴ سال ۴ ماہ حکومت کی ۱۵۴۵ء فوت ہوا۔ (۴۳) جلال الدین خاں لقب بہ اسلام شاہ نے ۸ سال دو ماہ حکومت کی ۱۵۵۲ء میں وصال ہوا۔ (۴۴) فیروز شاہ نے ۳ یوم حکومت کی ۱۵۵۲ء میں فوت ہوا۔ (۴۵) مبارز خاں بہ محمد عادل شاہ نے ایک سال ۱۱ ماہ حکومت کی۔ (۴۶) سلطان ابراھیم نے دو ماہ حکومت کی ۱۵۶۷ء میں وفات پائی۔ (۴۷) احمد خاں بہ سکندر شاہ نے دو ماہ حکومت کی۔ (۴۸) نصیر الدین محمد ہمایوں بادشاہ نے ۶ ماہ حکومت کی ۱۵۵۵ء میں وفات پائی۔ (۴۹) ابو الفتح جلال الدین محمد اکبر بادشاہ نے ۵۱ سال ۲ ماہ حکومت کی ۱۶۰۵ء میں وفات پائی۔ (۵۰) ابو المظفر نور الدین جہانگیر بادشاہ نے ۲۱ سال ۸ ماہ حکومت کی ۱۶۲۶ء میں وفات پائی۔ (۵۱) میرزا بلاقی سلطان داور بخش نے ۲ ماہ حکومت کی ۱۶۲۶ء میں وفات پائی۔ (۵۲) شہاب الدین محمد شاہجہان بادشاہ نے ۳۲ سال چند ماہ حکومت کی ۱۶۶۵ء میں وفات پائی۔ (۵۳) ابو المظفر محی الدین اورنگزیب عالمگیر نے ۵۰ سال حکومت کی ۱۷۰۶ء میں وفات پائی۔ (۵۴) شاہ عالم بہادر شاہ نے ۵ سال ایک ماہ حکومت کی ۱۷۱۲ء میں وفات پائی۔ (۵۵) محمد اعظم شاہ (۵۶) معز الدین جہاندار شاہ نے ۱۱ ماہ حکومت کی ۱۷۱۳ء میں وفات پائی۔ (۵۷) جلال الدین فرخ سیر نے ۶ سال ۳ ماہ حکومت کی ۱۷۱۸ء میں فوت ہوئے۔ (۵۸) محمد ابو البرکات نے ۳ ماہ حکومت کی ۱۷۱۸ء میں وفات پائی۔ (۵۹) شمس الدین رفیع الدولہ نے ۳ ماہ حکومت کی ۱۷۱۸ء میں وفات پائی۔ (۶۰) روشن اختر ابو الفتح محمد شاہ بادشاہ نے ۲۹ سال ۸ ماہ حکومت کی ۱۷۴۸ء میں فوت ہوا۔ (۶۱) مجاہد الدین ابو النصر احمد شاہ بہادر شاہ نے ۶ سال ۳ ماہ حکومت کی ۱۷۷۴ء میں وفات پائی۔

(۶۲) عزیز الدین عالمگیر ثانی احمد شاہ درانی نے ۵ سال ۷ ماہ حکومت کی ۱۷۵۹ء میں فوت ہوئے۔ (۶۳) ابو المظفر جلال الدین سلطان عالی گوہر شاہ عالم بادشاہ نے ۴۵ سال حکومت کی ۱۸۰۶ء میں وفات پائی۔ (۶۴) ابو لنصر معین الدین اکبر شاہ نے ۳۱ سال ۹ ماہ حکومت کی ۱۸۳۷ء میں وفات پائی۔ (۶۵) شاہ جارج چہارم نے ۱۰ سال ۵ ماہ حکومت کی ۱۲۴۶ء میں وفات پائی۔ (۶۶) ابو المظفر شاہ سراج الدین محمد بہادر شاہ آخری مغل حکمران رنگون میں وفات پائی وہی پران کا مزار ہے۔

سلطان شمس الدین التمش

راقم سلطان شمس التمش کے مزار پر

قطب الدین ایبک کی طرح اس کا جانشین سلطان شمس الدین التمش بھی ایک غلام تھا۔ بچپن میں ترکستان سے پکڑا، بخارا پہنچا تھا۔ پھر غزنی لایا گیا۔ اور بالآخر دہلی بکا۔ قطب الدین ایبک نے اسے ایک لاکھ روپے کے عوض خریدا تھا۔

تاریخ فرشتہ اور طبقات ناصری کی روایت کے مطابق اس کے بھائیوں نے یوسفؑ کے بھائیوں کی طرح باپ کی غیر معمولی محبت کے سبب اسے پکڑ کر یوں ہی راہ جاتے کسی سوداگر کے ہاتھ بیچ ڈالا تھا۔

یوں وہ ایک ممتاز ترک باپ کا بیٹا اور ایک اچھے خاندان کا چشم وچراغ تھا۔ خواہ کچھ بھی ہو وہ کسی بڑے خاندان کا چشم وچراغ ہو یا چھوٹے خاندان کا وارث۔ وہ ایک غلام بن کر اسلام کے دربار میں آیا۔ اور اسلام نے جو اس وقت

تک مسلمانوں کی ستم ظریفی کا شکار نہیں ہوا تھا اسے اوپر اٹھایا۔
فرشتہ کہتا ہے وہ بڑا خوبصورت اور وجیہہ نوجوان تھا۔ اپنے پچھلے مالکوں سے عربی اور فارسی خوب پڑھی تھی۔ قطب الدین کے پاس آکر سپاہیانہ صلاحیت حاصل کی۔ اور ہوتے ہوتے سپہ سالار اعظم کے ساتھ ساتھ قطب الدین کی منجھلی شہزادی کا شوہر بھی بنا۔
التمش میں بڑی خوبیاں تھیں۔ وہ آقا کا وفادار، نیکوکار، نیک نفس، پرہیزگار اور سخی آدمی تھا۔ اسے اوپر اٹھانے اور سپہ سالار اعلیٰ بنانے میں اس کی یہ صلاحیتیں خوب کام آئیں۔
ہندوستان میں قطب الدین ایبک اگر اسلامی حکومت کا بانی ہے۔ تو سلطان شمس الدین التمش اسے استحکام و پائداری بخشنے والا فرمانروا ہے۔ اس نے نہ صرف اپنے پیشرو کی قائم کردہ سلطنت کو محفوظ رکھا بلکہ اس میں نئے اضافے کئے۔
طبقات ناصری کے بیان کی رو سے وہ اتنا خدا ترس، نیکوکار اور صاحب تقویٰ و ایثار تھا۔ کہ اس کی اکثر رعایا اسے ولی اللہ سمجھتی۔ وہ رات کا زیادہ تر حصہ عبادت میں گذارتا۔ خیرات و صدقات سے اسے بڑی دلچسپی تھی۔
وہ رعایا کے ہر شخص سے عدل و انصاف کا سلوک کرتا۔ اس نے اپنے محل کے سامنے دو برج بنوا کر ان پر سنگ مرمر کے دو شیر نصب کرائے تھے۔ دونوں شیروں کے گلوں میں گھنٹیاں بندھی ہوتیں۔ اور دن رات کے جس وقت بھی رعایا کے کسی فرد پر ظلم یا زیادتی ہوتی۔ وہ ان گھنٹیوں کو بجا کر بادشاہ کو اپنے حال سے آگاہ کر سکتا تھا۔
بادشاہ کے کان میں جب بھی گھنٹیاں بجنے کی آواز آتی وہ کسی حال میں بھی ہوتا۔ اٹھ کر باہر آتا۔ اور مظلوم کے ساتھ انصاف کرتا۔
اس نے کئی عظیم الشان مساجد بنوائیں۔ مدرسے تعمیر کئے۔ اور علماء و فضلاء کی بڑی قدردانی کی۔
اس کے دربار میں علم و فضل کی بڑی حوصلہ افزائی ہوئی۔ اس نے علماء کو بڑی بڑی تنخواہوں پر نوکر رکھا۔ جامع الحکایات اور طبقات ناصری کے مصنف قاضی منہاج بھی اسی کے دور کے بزرگ ہیں۔ اس کا وزیر اعلیٰ نظام الملک کمال الدین بھی علم کے ذریعہ اس کے دربار میں آیا۔ اور وزارت عظمیٰ کا منصب پایا۔
مسجد قوت الاسلام جس کی تعمیر کا کام قطب الدین ایبک نے شروع کیا تھا اسی کی فیاضی سے وقت کی نادر عمارتوں میں شمار کی گئی۔
وہ درویشوں، صوفیاء اور اکابر علماء کے سامنے دوزانو بیٹھتا۔ اور کبھی پاس ادب سے کھڑا رہتا۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے تو اسے بے پناہ عقیدت تھی۔ وہ ان سے ہر بات میں مشورہ کرتا اور وہ اس کی رہنمائی فرماتے۔
وقت کے بڑے درویش اسکے دربار میں آتے۔ وہ ان کیساتھ مل کر رات بھر عبادت کرتا۔ یہی وجہ تھی کہ ان باکمال درویشوں کی صحبت نے اسے بھی درویش کامل بنا دیا تھا۔
بنگال، سندھ، پنجاب، گجرات، کاٹھیاواڑ اور مالوہ اس کی قلمرو میں شامل تھے۔ وہ نیکوکار ہونے کے ساتھ ساتھ بڑا اونچا

مدبر، بڑا بانکا سپاہی اور فرض شناس بادشاہ تھا۔ اس نے چھتیس سال حکومت کی۔ ۱۲۳۳ھ میں اس دنیا سے رخصت ہوا۔ التمش کا مزار قطب مینار دہلی کے احاطہ میں شمال کی جانب ہے۔

التمش کو بجا طور پر برصغیر میں مسلم حکومت کا بانی کہا جاتا ہے۔ اس نے برصغیر میں پہلی مرتبہ اسلامی طرز کے چاندی کے سکے رائج کیے لین پول کے مطابق بلاشبہ خاندان غلاماں کا اصلی بانی التمش ہی تھا۔ دنیا بھر کے تاریخ دانوں نے التمش کو عظیم حکمران قرار دیا۔

رضیہ سلطانہ (۱۲۳۶ء تا ۱۲۳۹ء)
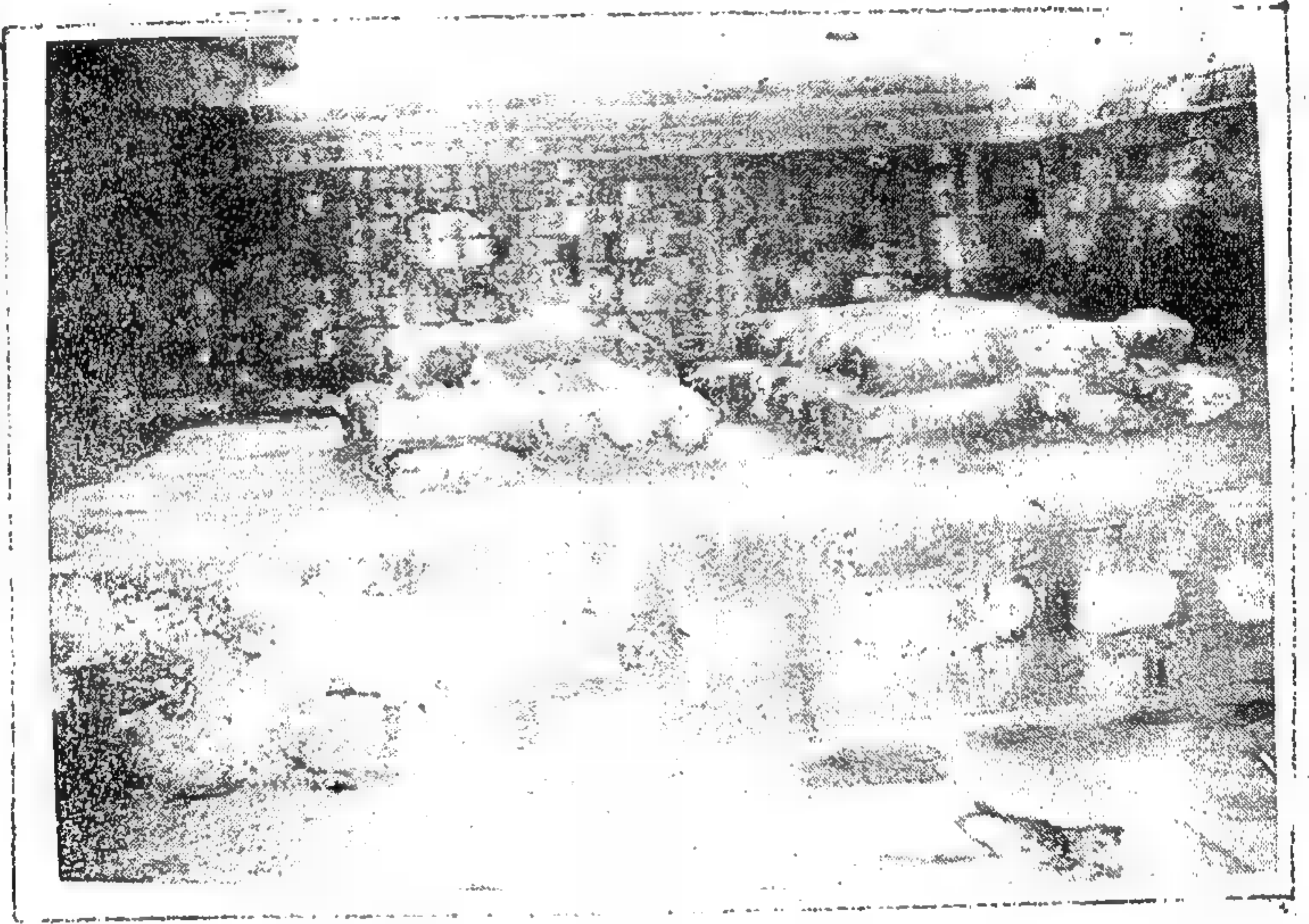
سلطان قطب الدین ایبک کی بیٹی جس کی شادی شمس الدین التمش سے ہوئی، کے بطن سے رضیہ سلطانہ پیدا ہوئی۔ یہ چند صاحبزادوں کے بعد پیدا ہوئی تھی۔ اس لیے بڑی قدر سے دیکھی گئی۔ پرورش شاہانہ طریقہ پر ہوئی۔ تیرہ برس کو پہنچی تو التمش نے شہ سواری میں طاق کرادیا اور فنون حرب میں ایسی مہارت کرادی تھی کہ مردوں کے پہلو بہ پہلو شہسواری کے فن میں یگانہ روزگار بن گئی۔

سلطان التمش بیٹی کی ذہانت اور مردانہ طبیعت سے بہت محظوظ ہوا کرتا تھا۔ اکثر جنگوں میں التمش کے ساتھ جاتی وہاں باپ بیٹی کے جوہر شجاعت دیکھ کر باغ باغ ہو جاتا۔ التمش گوالیار مسخر کرنے گیا تو رضیہ سلطانہ کو اپنا قائم مقام

مقرر کر گیا۔ رضیہ سلطانہ نے چندروزہ انتظام عمدگی سے انجام دیا۔ التمش کو اپنی اولاد میں سب سے زیادہ رضیہ عزیز تھی التمش کے انتقال کے بعد امرائے سلطنت نے رکن الدین کو تخت نشین کیا۔ یہ چند دن کے بعد نازیبا حرکتیں کرنے لگا اس نے اپنے بھائی معزالدین کو مرواڈالا۔ اس واقعہ کا اثر رضیہ سلطانہ نے بہت لیا۔

ابن بطوطہ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ رضیہ سلطانہ نے رکن الدین کو برا بھلا کہا اور جمعہ کے دن قصر قدیم پر چڑھ کر جامع مسجد کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ نماز جمعہ میں رکن الدین شریک تھا۔ اس نے ایک پر اثر تقریر کی اور اپنے بھائی مظلوم کے مارے جانے کا انتقام لینا چاہا۔ تمام نمازی رکن الدین سے ایسے ناراض ہوئے کہ وہیں قصاص میں قتل کر ڈالا۔ اسی لمحے دربار منعقد کیا گیا۔ رضیہ سلطانہ پردے سے برآمد ہوئی اس نے مردوں کا لباس زیب تن کیا ہوا تھا تخت پر رونق افروز ہوئی اور تمام امراء نے اطاعت کی رضیہ سلطانہ نے تمام معاملات ملکی کو ہاتھ میں لیا۔

رضیہ نے صرف تین سال حکومت کی لیکن اس مختصر سے عرصے میں اس نے اپنی لیاقت اور عظمت کے جوہر دوست ودشمن دونوں سے تسلیم کرالیے۔ فتوح السلاطین کے مصنف عصامی کا بیان ہے کہ "رضیہ نے اپنی تخت نشینی کے وقت باشندگان دہلی سے اس امر کا قرار کیا تھا کہ اسے حکومت کرنے کا موقع دیا جائے۔ اگر اس کی حکومت مردانہ حکومت سے بہتر ثابت نہ ہو تو اس کا سر قلم کر دیا جائے اور واقعی اس نے خود کو حکومت کرنے کا اہل ثابت کر دکھایا۔ چونکہ وہ مردانہ لباس پہن کر اجلاس کیا کرتی تھی اور ہاتھی پر سواری کے وقت بھی بلا نقاب ہوتی تھی۔ اس لیے تاریخ ہند میں وہ سلطان کے لقب سے مشہور ہوئی۔ اس کے سکوں سے جو لقب پڑھا جاتا ہے وہ "سلطان معظم رضیہ زینت مذہب وعالم" ہے اس نے ذہانت اور خوبصورتی اپنے باپ سے ورثہ میں پائی تھی۔ باوجود رضیہ کے بھائی بھی موجود تھے لیکن سلطان التمش کو جب بھی سرکشوں کی قلع قمع اور بغاوتوں کے خاتمہ کے لیے باہر جانا پڑا۔ وہ دارالحکومت دہلی میں رضیہ ہی کو انتظام کے لیے منتخب کرتا۔

سلطانہ رضیہ ہر روز تخت پر جلوہ افروز ہو کر رعایا کی شکایات خود سنتی اور ہر معاملہ میں انصاف کرتی۔ اس زمانہ میں ترکان، چہلگان کا زور بہت زیادہ تھا۔ یہ ترک امراء معمولی غلاموں سے ترقی کر کے امارت کے درجے تک پہنچے تھے۔ یہ لوگ اقتدار کے بھوکے تھے اور رضیہ کو اپنے زیر اثر رکھنا چاہتے تھے۔ مورخین کا خیال ہے کہ جب رضیہ نے پردہ ترک کیا تو شرع کے پابند امراء بھڑک اٹھے۔ دراصل وہ ایک عورت کی اطاعت کرنا اپنے لیے باعث توہین سمجھتے تھے۔

ان امیروں میں ناگواری کا ایک بہت بڑا سبب یہ تھا کہ رضیہ نے ان کا زور توڑنے کے لیے یاقوت نامی ایک حبشی پر خاص عنایات کیں۔ پہلے اس داروغہ اصطبل بنایا اور پھر امیر الامراء کا درجہ عطا کیا امراء یاقوت سے حسد کرنے

لگے اور س کے خلاف سازش کرنے کے لیے متحد ہو گئے۔ انہوں نے بھٹنڈہ کے حاکم اختیار الدین التونیہ کو بغاوت پر ابھارا رضیہ لشکر لے کر بغاوت دبانے چلی۔ مگر سازشیوں نے شبخون مارا۔ یاقوت حبشی کو قتل کر دیا گیا اور رضیہ کو گرفتار کر کے التونیہ کے سپرد کر دیا۔ دہلی میں مخالف نے التمش کے بڑے لڑکے معز الدین بہرام کو تاج شاہی پہنا دیا۔ التونیہ کو جب نئے بادشاہ نے کوئی بڑا عہدہ نہ دیا تو وہ بگڑ گیا اس نے رضیہ کی صورت لیاقت اوضاع واطوار سے متاثر ہو کر اس سے شادی کر لی اور دونوں نے مل کر معز الدین بہرام شاہ کے خلاف لشکر کشی کی۔ دہلی کے نزدیک کیتھل کے مقام پر بہرام شاہ کی فوجوں نے رضیہ اور التونیہ کی فوج کو شکست دی رضیہ اور التونیہ جان بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہو گئے تھے لیکن ان ہندو جاٹ سپاہیوں نے جو التونیہ کے ساتھ لشکر میں آئے تھے۔ دونوں کو قتل کر دیا۔ رضیہ سلطانہ کا مقبرہ دہلی کے ترکمان دروازہ کے اندر ہے دو قبروں کے باہر انگریزی میں مختصر سی تاریخ لکھی ہے۔ ان میں ایک قبر رضیہ سلطانہ دوسری بجیلہ بیگم کی ہے لوگ اسے رجی بجی کی درگاہ کہتے ہیں۔ کیتھل کے قریب بھی رضیہ سلطان کا مقبرہ ہے جو عالی شان انداز میں تعمیر کیا گیا ہے۔

رضیہ سلطانہ کے مقبرہ کی قریب اسکے مختصر حالات زندگی انگریزی میں تحریر ہیں

SULTAN RAZIYA'S TOMB

EARLIER KNOWN AS RANI SAJI-KI-DARGAH THIS ENCLOSURE HOUSES THE GRAVE SAID TO BE OF SULTAN RAZIYA, WHO SUCCEEDED HER FATHER SULTAN ILTUTMISH. SHE WAS ABLE AND VALIANT AND WAS IN AUTHORITY FROM 1235-1240 A. D. DURING WHICH TIME THE FACED MUCH OPPOSITION FROM HER NOBLES. SHE DIED FIGHTING ON THE 14TH OCTOBER 1240 A. D. AT KAITHAL IN KARNAL DISTRICT IN THE COURSE OF A REBELLION SPEARHEADED BY HER OWN BROTHER MOI ZZU D-DIN BAHRAM SHAH WHO SUCCEEDED HER AS SULTAN.

OF UNPRE TENTIOUS ARCHITECTURE THE ENCLOSURE PRESERVES ON A CENTRAL PLATFORM. TWO GRAVES OF WHICH THE IDENTITY OF THE SECOND IS NOT KNOWN TOWARDS THE SOUTH-FASTERN CORNER ARE TWO OTHER UNKNOWN GRAVES. THERE IS A MIHRAB ON THE WESTERN WALL OF THE UN DOMED MAUSOLEUM.

سلطان ناصرالدین محمود شاہ

درویش سلطان ناصرالدین بادشاہ محمود شاہ نے ہندوستان پر ۱۹ سال حکومت کی خاندان غلامان کے مسعود شاہ کے بعد ناصرالدین محمود بن شمس الدین تخت نشین ہوا جو ترکی خاندان میں خاص امتیاز رکھتا ہے۔ یہ التمش کا سب سے چھوٹا لڑکا تھا اور اس کی تعلیم و تربیت میں حد درجہ کوشش کی گئی تھی۔ سلطان مسعود شاہ کے عہد میں بہرائچ کا والی تھا۔ اس کے واقعات عدل و رعیت پروری ملک میں مشہور تھے۔ چنانچہ مسعود شاہ کے انتقال کے بعد تخت نشین ہوا۔

ناصرالدین علاوہ عادل و شجاع ہونے کے حد درجہ عابد تھا اور خزانہ شاہی سے ایک پیسہ بھی اپنے اوپر صرف نہ کرتا تھا اور صرف کلام مجید لکھ کر گزارہ کرتا ابن بطوطہ مشہور سیاح نے ناصرالدین کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن مجید خود دیکھا ہے ▪ لکھتا ہے کہ "قاضی کمال الدین نے مجھے ایک نسخہ بادشاہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیا تو نہایت خوش خط تھا"۔

سلطان ناصرالدین کی صرف ایک بیوی تھی اور کوئی خادمہ وغیرہ نہ تھی ایک دن بیوی نے شکایت کی کہ میرے ہاتھ روٹی پکاتے پکاتے جلے جاتے ہیں اگر کوئی کنیز لے لی جائے تو کیا حرج ہے سلطان نے جواب دیا۔ "بیت المال بندگان خدا کا حق ہے میں اس میں سے کچھ صرف نہیں کر سکتا۔ ورنہ کوئی کنیز مہیا کر دیتا"

چونکہ سلطان مذہبی زندگی کی طرف زیادہ راغب تھا اس لیے تمام امور سلطنت غیاث الدین بلبن کے ہاتھوں طے پاتے تھے۔ اور حقیقت یہی ہے کہ ناصرالدین کی کامیابی بحیثیت فرمانروا ہونے کے صرف بلبن کی قابلیت کی ممنون تھی جس نے اپنی غیر معمولی ذہانت و فراست، شجاعت و پامردی اور نظم و نسق سے سلطان ایبک اور سلطان التمش کے عہد کو بھلا دیا۔ عہد ناصرالدین کے خاص خاص واقعات یہ ہیں:۔

۱۲۴۷ء میں ناصرالدین تخت نشین ہوا اور کوہستان جودی کے رانا کے خلاف بلبن کی سرکردگی میں ایک مہم روانہ کی گئی جس نے مغلوں کا ساتھ دیا تھا۔ ۱۲۴۸ء میں ناصرالدین نے مملکت قنوج اور قلعہ کو فتح کیا۔ ۱۲۴۹ء میں بلبن نے رانائے رنتھنبور کے خلاف فوج کشی کی اور خواجہ بہاؤالدین ایبک اس جنگ میں شہید ہوا۔ ۱۲۴۹ء میں ناصرالدین نے اپنی بیٹی کی شادی بلبن سے کی اور الغ خاں اعظم کا خطاب عنایت کیا۔ ۱۲۵۰ء میں عزالدین نے ملتان کا محاصرہ کیا جہاں شیر خاں سنقر حاکم تھا لیکن ناکامیاب رہ کر اوچ واپس آیا۔ ۱۲۵۱ء میں عزالدین نے ناگور میں بغاوت کی لیکن ناصرالدین کے پہنچنے پر اس نے اطاعت اختیار کی بادشاہ مالوہ کی طرف گیا۔ راجہ ناہر دیو کو شکست ہوئی اور نرور فتح ہوا۔

۱۲۹۳ء میں بلبن نے ناگور کو اپنا مرکز مقرر دیا اور ناہر دیو کے خلاف فوج کشی جاری رکھی شیر خاں نے دریائے سندھ کو عبور کیا۔ ۱۲۵۴ء میں حدود بجنور (بجور) میں بادشاہ کو بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا یہاں سے فارغ ہو کر ▪ بدایوں ہوتا ہوا دہلی واپس آیا۔ امراء نے بلبن کی موافقت میں بادشاہ کے رویہ کی مخالفت کی جب بادشاہ کو علم ہوا

تو وہ دہلی سے سرہند کی طرف چلا۔ جہاں ان سب کا اجتماع تھا لیکن جب وہ ہانسی کے قریب پہنچا تو امرائے مذکور کہرام اور کیتھل کی طرف ہٹ گئے اور وہاں فوجی مظاہرہ کیا۔ آخر باہم صلح ہو گئی اور بلبن کی طرف سے بادشاہ کا دل صاف ہو گیا ور ریحان جو باعث فساد تھا علیحدہ کر کے بدایوں بھیج دیا گیا۔

۱۲۵۶ء میں قتلغ خاں کے خلاف فوجی کاروائی جاری رہی ۔ ۱۲۵۷ء میں عزالدین بلبن نے بغاوت کی اور سامانہ کے قریب قتلغ خاں بھی اس کا شریک ہو گیا اس کے بعد یہ دنوں دہلی کی طرف بڑھے لیکن ہزیمت کھا کر واپس آئے۔ بادشاہ مغلوں کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوا جو ملتان تک پہنچ گئے تھے لیکن وہ بلا مقابلہ چلتے بنے اور بادشاہ واپس آیا۔ ۱۲[illegible]ء میں خاص عساکر سلطانی جنوب کی طرف روانہ کیے گئے دار الحکومت میں امن و سکون رہا اور حکام لکھنوتی نے خراج روانہ کیا۔ ۱۲۶۰ء میں الغ خاں میواتیوں کی سرکوبی کے لیے مامور ہوا اور ہلاکو خاں (مغل) کی طرف سے ایک سفارت دہلی آ گئی۔ ۱۲۶۵ء میں ۱۱ جمادی الاول کو بادشاہ نے انتقال کیا سلطان ناصر الدین محمود شاہ نے ۱۲۴۶ء سے ۱۲۶۵ء تک ہندوستان پر حکومت کی۔ تاریخ میں اسے درویش کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

سلطان غیاث الدین بلبن

جس نے بحثیت وزیر شہنشاہ چالیس سال تک ہندوستان پر حکومت کی
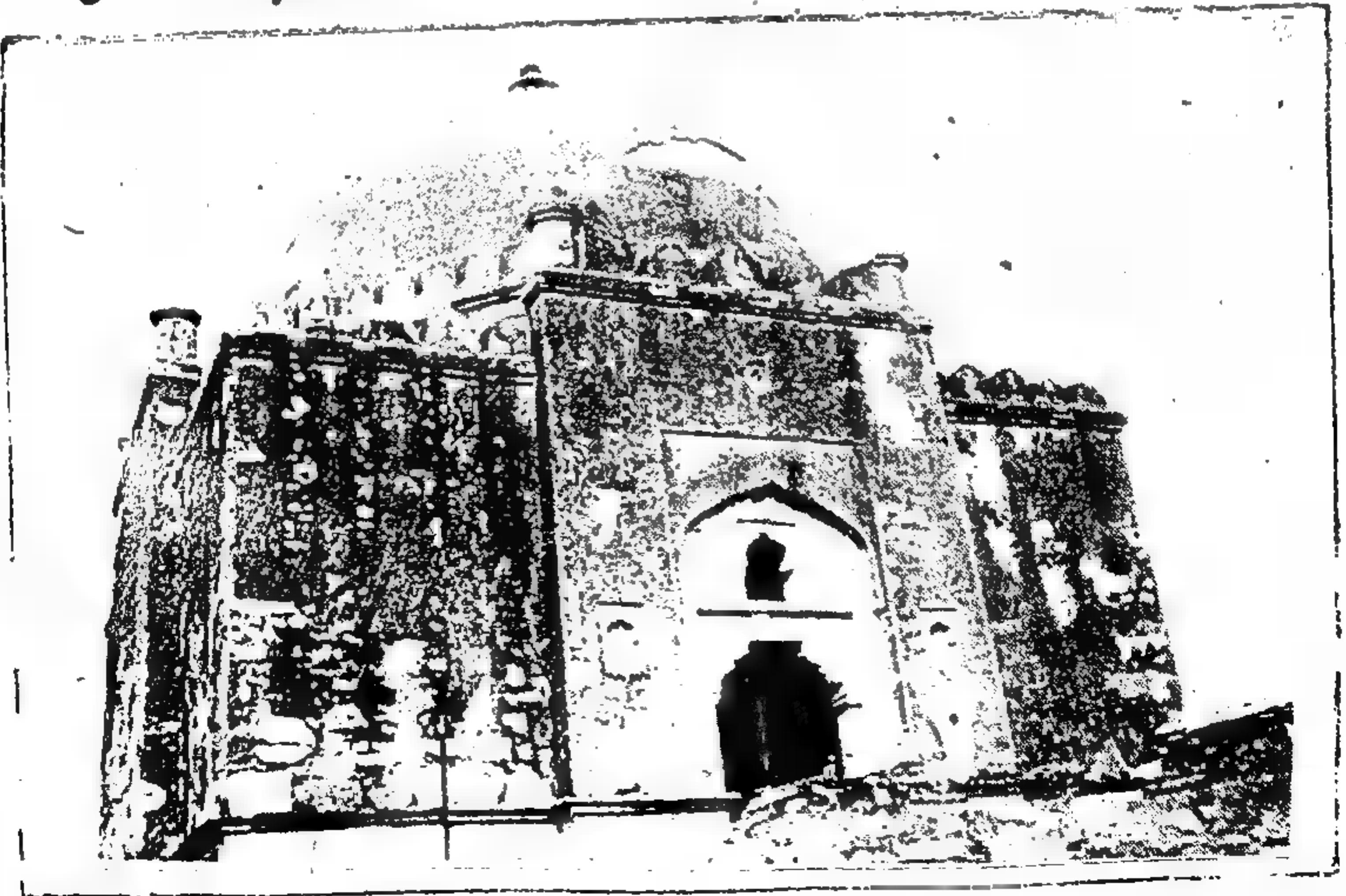
قطب مینار دہلی میں کھڑے ہوں تو مشرق کی سمت چھوٹی سی پہاڑی پر ایک مقبرہ ہے یہ مقبرہ سلطان غیاث

الدین بلبن کا ہے جو از سر نو تعمیر کیا گیا ہے ۔ مقبرہ کے جنوب کی طرف چند اور قبریں بھی ہیں جو سنگ سرخ اور سنگ مرمر سے تعمیر کی گئی ہیں ۔ مقبرہ پر گنبد بھی ہے چار دروازے ہیں تین دروازے لوہے کی سلاخوں سے بند کیے گئے ہیں مقبرہ تک پہنچنے کے لیے جھاڑیوں سے گزرنا پڑا قطب مینار کے باہر کسی پھیری والے سے پوچھیں کہ بلبن کا مقبرہ کہاں ہے ▪ فوراً رہنمائی کر دیتا ہے قطب مینار سے بلبن کے مقبرہ تک جانے کیلئے جو سڑک ہے ۔ اس کے دونوں جانب پھول والوں کی دکانیں ہیں راقم قطب مینار سے بلبن کے مقبرہ تک پیدل روانہ ہوا تھوڑی دیر کے بعد مقبرہ پر پہنچا ۔ سلطان بلبن کا مقبرہ بلندی پر ہے جس کے قریب کھڑے ہو کر پرانی اور نئی دہلی کا نظارہ کیا جا سکتا ہے اس مقام سے جنوب کی طرف جین مت کے چوبیسویں رہنما بھگوان مہاویر کا مجسمہ ہے یہ مجسمہ بھی پہاڑی پر ہے اسی پہاڑی پر کھڑے ہو کر قطب مینار اور مہرولی کی طرف دیکھا جائے تو مسلمانوں کے عہد کی تعمیر کردہ عمارتیں مقبرے نظر آتے ہیں مہرولی کچھ حصہ پر پارک تعمیر کر دیئے گئے ہیں سلطان شمس الدین التمش کی طرح بلبن بھی ترک تھا اور اسی سرزمین کا فرد تھا جہاں التمش پیدا ہوا تھا اس کا باپ ایک ہزار فوج کا سردار تھا جب مغلوں نے اس ملک کو غارت کیا تو بلبن ان کے ہاتھ آگیا ایک بردہ فروش نے اس کو مول لے لیا اور بغداد میں خواجہ جمال الدین مصری کے ہاتھ فروخت کر دیا ۔ خواجہ نے مثل اولاد کے تعلیم و تربیت کی اور اسلامی تعلیمات سے آگاہ کیا پھر خواجہ اس کو سلطان شمس الدین التمش کے پاس لایا ۔

ابن بطوطہ نے بیان کیا کہ جب بلبن سلطان التمش کے روبرو لایا گیا تو اس نے خریداری سے انکار کر دیا کیونکہ یہ بہت پستہ قامت اور بدصورت تھا بلبن نے یہ معلوم کر کے سوال کیا کہ جہاں پناہ اور غلام کس کے لیے خرید کیے گئے ہیں ۔ التمش نے ہنس کر جواب دیا "اپنے لیے" بلبن نے عرض کیا کہ تو پھر مجھے خدا کے لیے مول لے لیجئے یہ سن کر التمش خوش ہوا اور اس کو خرید کر سقہ کی خدمت سپرد کر دی ۔

چونکہ بلبن فطرت کی طرف سے بہترین صفات و خصایل لے کر آیا تھا اور اسلامی تعلیم خواجہ نے دی تھی ۔ اس وجہ سے اس کا رتبہ بڑھتا گیا رضیہ سلطانہ کے عہد میں میر شکار ہو گیا اور سلطان بہرام شاہ نے میر اخور بنا دیا ۔ سلطان علاؤالدین مسعود کے زمانے میں "امیر حاجب" ہو گیا اور سلطان ناصرالدین نے تو تمام امور سلطنت ہی اس کے سپرد کر دیئے ۔ ناصرالدین کے بعد بالاتفاق سب امراء نے اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا ۔

بلبن کی عدل پروری کا یہ عالم تھا کہ وہ انصاف کے معاملے میں کسی کی رعایت نہ کرتا تھا اور نہ کسی کی سفارش کو مانتا تھا ۔ اس نے اپنے لڑکوں سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اگر کبھی تمہاری طرف سے ظلم و ستم ظاہر ہو گا تو میں بغیر سزا دیئے ہوئے نہ چھوڑوں گا ۔ اسی طرح ایک بار ہیبت خاں نے جو سلطان بلبن کے نہایت معتبر غلاموں میں سے تھا ۔ ایک شخص کو حالت مستی میں مار ڈالا ۔ اس کی بیوی سلطان کے پاس فریاد لائی سلطان نے ہیبت خاں کو

حلب کر کے پانچ درے لگوائے اور عورت سے کہا۔ "ہیبت خان آج تک میرا غلام تھا لیکن آج سے تو اس کی مالک ہے تجھے اختیار ہے کہ چاہے مار ڈالے چاہے معاف کر دے" ۔ بہ مشکل تمام ہیبت خاں نے بیس ہزار تنکہ دے کر اس عورت کو راضی کیا اور نجات پائی۔

بلبن کو شکار کا بھی بہت شوق تھا۔ دہلی کے چاروں طرف بیس بیس کوس تک کا جنگل شکار کے لیے مخصوص کر لیا تھا اور جاڑوں میں روزانہ صبح کو ہزاروں سواروں کی جمعیت لیکر نکل جاتا۔ اور رات کو واپس ہوتا۔ علاوہ سواروں کے ایک ہزار سپاہ پیادہ فوج کی بھی ہوتی۔ جب ہلاکو کو بغداد میں یہ خبر ہوئی کہ سلطان بلبن شکار کا اس قدر شائق ہے تو اس نے کہا کہ بلبن معلوم ہوتا ہے کہ بڑا تجربہ کار اور ہوشیار بادشاہ ہے ■ بظاہر شکار کو جاتا ہے لیکن اس سے مقصود یہ ہے کہ اس کے سپاہی اور گھوڑے محنت کے عادی رہیں اور خطرہ و ضرورت کے وقت اچھا کام دے سکیں

بلبن کے عہد میں بڑے بڑے صاحب کمال موجود تھے۔ مثلاً شیخ فرید الدین مسعود شکر گنج، شیخ الشیوخ حضرت بہاؤ الدین ذکریاؒ، حضرت صدر الدین بن شیخ بہاء الدینؒ، حضرت شیخ بدر الدین غزنویؒ، خلیفۂ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور سید مولا وغیرہ کہ ان میں سے ہر ایک بے مثل تھا۔

بلبن کی زندگی اس کے بیٹے محمد کی شہادت سے جو مغلوں کا مقابلہ کر رہا تھا بے لطف ہو گئی تھی اور ہر چند وہ دن بھر انتظام سلطنت میں بغیر کسی اظہار تاثیر کے مصروف نظر آتا تھا۔ لیکن رات کو وہ مضطرب ہو جاتا تھا اور آخر کار چار سال کے بعد ہی وہ بھی اس دنیا کو خیر آباد کہہ گیا۔ بلبن نے بہ حیثیت شاہ و وزیر، چالیس سال تک حکومت کی یہ نصف صدی کا زمانہ ہندوستان کی تاریخ میں بہت ہی عروج و اقبال کا زمانہ سمجھا جاتا ہے۔ بلبن کا دور حکومت ۱۲۶۵ء تا ۱۲۸۷ء تک رہا ہندوستاں میں مثالی دور حکومت رہا۔

بلبن ادنیٰ درجے سے ترقی کر کے وزیر پھر بادشاہ بنا۔ چالیس سال تک ہندوستان پر حکومت کی اس کا زمانہ خیر و برکت کا زمانہ تھا انتظام سلطنت عدل وانصاف بیداد مغزی دور اندیشی رحم و کرم علم پروری الغرض ہر اعتبار سے سلطان غیاث الدین بلبن اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ رعایا خوشحال تھی۔ علم وفضل کا دور دورہ تھا ملک میں امن وسکون تھا۔ حضرت امیر خسروؒ نے صحیح فرمایا کہ اس وقت بخارا جو وسط ایشیاء میں علم و ہنر کا مرکز تھا دہلی پر رشک کر رہا تھا۔

خلجی خاندان کے بانی جلال الدین فیروز شاہ

سلطان کیقناد کے بعد سلطنت خلجی خاندان میں منتقل ہوئی۔ اس خاندان میں کل چھ فرمانروا ہوئے اولین فرمانروا جلال الدین تھا اور آخری ناصر الدین خسرو شاہ تھا۔ ۱۲۹۰ء جب جلال الدین فیروز شاہ جب تخت نشین ہوا تو بے حد ضعیف تھا۔ عمر ستر سال کی تھی۔ رعایا کے ساتھ مہربانی سے پیش آیا جس سے عوام و خواص سب اس کی طرف مائل ہو گئے۔ غرضیکہ حکومت سنبھالنے کے بعد جلال الدین نے تمام ان عمارات کو جو نا تمام تھیں مکمل کرایا۔ ایک باغ نصب کرا کر اس کے چاروں طرف سنگین حصار کرا دیا۔ مسجد و بازار کی بنیاد رکھی۔ امراء کو تاکید کی کہ وہاں اپنے مکانات تعمیر کرائیں اور رفتہ رفتہ پرانی دہلی کے ساتھ نئی دہلی قائم ہو گئی اور بادشاہ نے اپنے سکونت مستقلاً یہیں اختیار کر لی۔ سلطان جلال الدین بڑا خدا ترس، رحمدل اور خطا پوش بادشاہ تھا۔ اس نے کبھی خونریزی کو روا نہیں رکھا اور بڑے بڑے مجرموں کی خطائیں در گزر کر دیں۔

جب جلال الدین پرانی دہلی گیا اور قصر کے پاس اترا تو اس نے نماز شکرانہ ادا کی اور با آواز بلند کہا میں کیونکر خدا کا شکر ادا کر سکتا ہوں کہ جس تخت کے سامنے میں برسوں سر جھکایا ہے اس پر آج اپنا قدم رکھتا ہوں۔ جلال الدین بے انتہا علیم و کریم تھا جب وہ کسی کو جاگیر دیتا تو کبھی اس میں تغیر نہ کرتا اور امراء و مقربین سے اگر کوئی جرم سرزد ہو جاتا تو بھی انہیں ذلیل نہ کرتا۔ رعایا اور امراء کے ساتھ مساویانہ سلوک کرتا اور نہایت بے تکلفی کے ساتھ ان کے ساتھ ملتا۔ جلال الدین خلجی نے کئی عمارتیں تعمیر کروائیں پرانی عمارتوں کی مرمت کروائی حقیقت میں وہ خلجی خاندان کا بانی تھا۔

علاء الدین نے الماس بیگ کو بادشاہ کے پاس بھیجا تاکہ تنہا بادشاہ کو کشتی میں بٹھا کر لے آئے اور فوج ہمراہ نہ آ سکے۔ چنانچہ الماس بیگ اس میں کامیاب ہوا اور عین وقت پر جبکہ آفتاب غروب ہو رہا تھا اور بادشاہ ساحل پر اتر کر علاؤالدین کے ساتھ حد درجہ محبت سے گفتگو کر رہا تھا کہ اس کا سر تن سے جدا کر دیا گیا سلطان جلال الدین خلجی نے سات سال اور چند ماہ تک حکومت کی۔ ان کا عرصہ حکومت ۱۲۹۰ء تا ۱۲۹۵ء ہے۔ جلال الدن خلجی کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ جلاالدین ذاتی طور پر بڑا شریف، نیکوکار، اسلام کے اصول ضوابط کا پابند تھا۔ ایک بار اس نے اپنی حکمت عملی پر اعتراض کرنے والوں سے یہ بات خود کہی تھی۔ اگر بادشاہی قتل و غارت اور مخالفین کو قتل اور قید کرنے سے عبارت ہے تو میں ایسا بادشاہ نہیں ہوں میں پیغمبر کی شریعت کے خلاف ایک کام بھی نہیں کر سکتا۔

اس نے یہ بات صحیح کہی تھی وہ قتل و غارت عام کرنے کے لیے بادشاہ نہیں بنا تھا وہ تو انتہا رحم دل اور شریف آدمی

تھا کہ جب ملک چھجو، ملک امیر علی اور بعض بلبنی امراء نے اس کے خلاف بغاوت کی اور انہیں اس کے سپہ سالار نے ان
کے گلوں میں دوشاخے لگا کر اور ہاتھ پیٹھ سے باندھ کر بہت برے حالوں اسکے حضور پیش کیا تو اس نے چلا کر حکم دیا
"ظالمو! تم نے یہ کیا قیامت ڈھائی"
اسی وقت ان کے ہاتھ کھلوائے ان کے گلوں سے دوشاخے اتروائے اور انہیں نہلوا کر عمدہ کپڑے پہنوائے۔

سلطان علاؤالدین خلجی
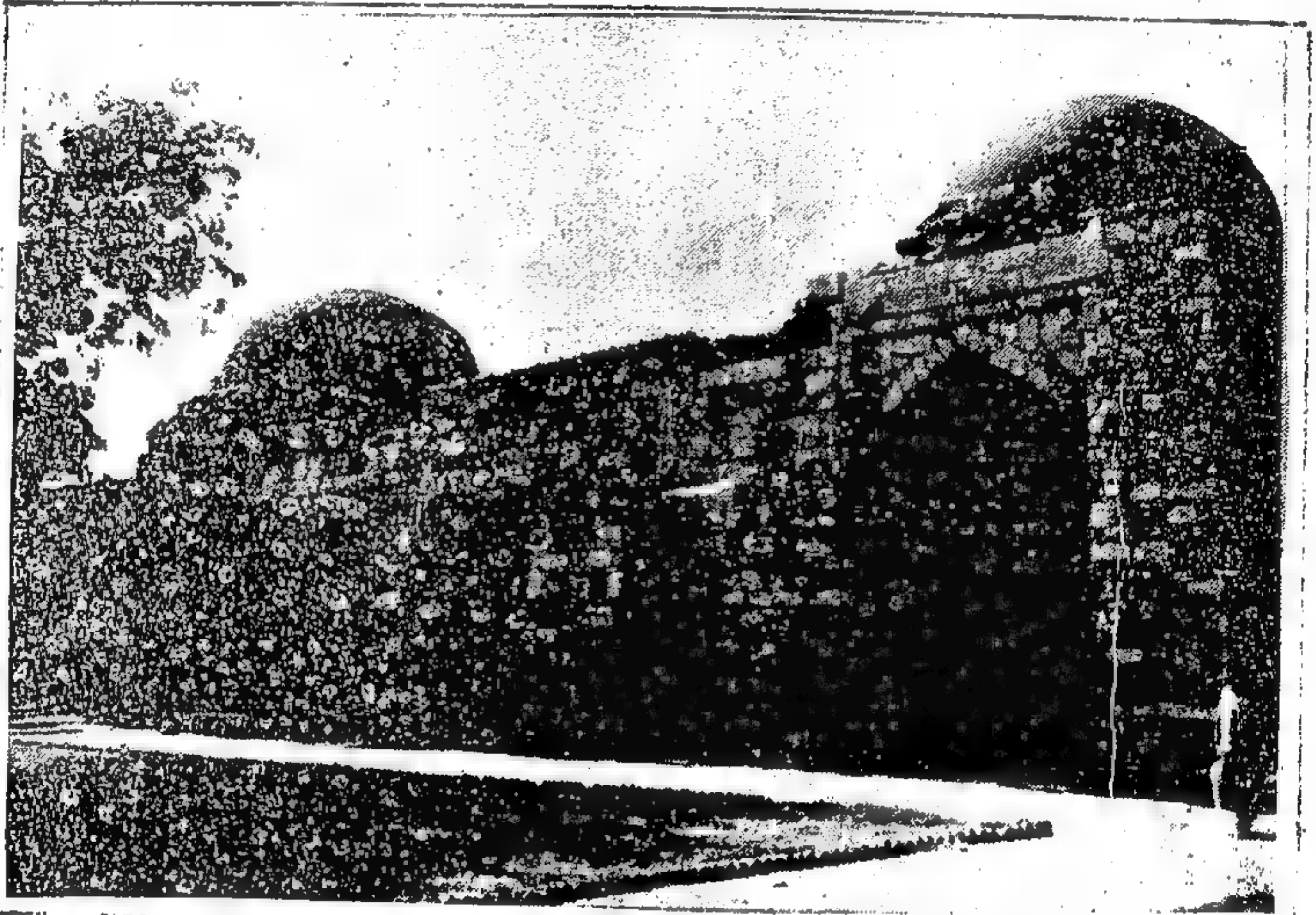
COLLEGE AND TOMB OF ALAUDDIN KHALJI

THIS QUADRANGLE ENCLOSED BY HIGH WALLS WITH ROOMS ALONG THE SIDES AND ENTRANCE ON THE WEST. WAS ORIGINALLY A COLLEGE (MADRASA). BUILT BY ALAUDDIN KHALJI (A.D 1296-1316). TO IMPART TRADITIONAL INSTRUCTIONS HIS TOMB WAS PERHAPS LOCATED IN THE CENTER OF THE SOUTHERN WING OF THE ENCLOSURE. THE CONCEPTION OF A COMBINED COLLEGE AND TOMB APPEARS HERE IN INDIA FOR THE FIRST TIME AND IS INSPIRED BY SALJUQIAN TRADITION.

علاؤالدین اپنے چچا جلال الدین خلجی کے عہد میں کڑہ مانک پور کا حاکم تھا۔ ۱۲۹۴ء میں تخت نشین ہونے
کے کچھ سال قبل اس نے مالوہ اور بندیلکھنڈ کی بغاوتوں کو ختم کیا اور کوہستان وندھیا کے دشوار گزار دروں کو طے کیا

اور ۷۰۰ نفوس کو لے کر دیو گڑھ پہنچا اور اس کو فتح کر لیا۔ پھر دکن کی طرف بڑھ کر ایلچ پور پر قبضہ کیا۔ ان فتوحات سے علاؤالدین نے بے شمار دولت پائی۔ دکن پر یہ مسلمانوں کا پہلا اقدام تھا۔

علاؤالدین نے ہندوستان کے عوام کے لیے جو معاشی، مجلسی اور اقتصادی سہولتیں بہم پہنچائیں وہ چونکہ اسلامی ضابطہ حیات کے معیار پر پوری اترتی ہیں اس لیے علاؤالدین سخت گیر ہونے کے باوجود مسلمانوں کی صف اول میں شامل ہے۔ اس بات پر فخر کرتا تھا کہ وہ مسلمان اور مسلمان کا بیٹا ہے اس کا یہ اعتراف مورخ برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں ایک مکالمہ کے آخر میں درج کیا ہے جو علاؤالدین اور قاضی مغیث الدین میں ہوا۔

علاؤالدین نے بیس سال تک حکومت کی اور بس زمانے میں سلطنت دہلی کے حدود دکن تک وسیع ہو گئی بڑے بڑے راجاؤں نے اطاعت قبول کی۔ دولت کی کوئی انتہا نہ رہی سینکڑوں عمارتیں بن گئیں۔ علماء و فضلا سر زمین دہلی میں پیدا ہونے لگے۔ خانقاہیں آباد ہو گئیں۔ مساجد کی رونق بڑھ گئی۔ مدارس میں درس و تدریس کا مشغلہ عام ہو گیا۔

علاؤالدین نے حضرت خواجہ نظام الدین کی دعا سے ایک منصوبہ تیار کیا کہ اس کی رعایا کے ہر فرد کی ابتدائی ضرورتیں باآسانی پوری ہوں۔ رعایا میں ایک قسم کی معاشی ابتدائی مساوات قائم ہو جائے کوئی ذخیرہ اندوزی، کوئی رشوت، کوئی بے ضابطگی اور بے راہ روی زندگی کے کسی شعبہ میں دکھائی نہ دے۔ اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے علاؤالدین نے اعلان کیا کہ آئندہ نرخ بادشاہ کی طرف سے مقرر ہوں گے سرکار غلہ ذخیرہ کرے گی جن منڈیوں میں اناج بکنے کے لیے آئے گا۔ ان کی نگرانی نیک اور مستعد سرکاری عمال کے سپرد ہو گی اور کسی قسم کی رورعایت سے کام نہیں لیا جائے گا ہر منڈی اور ہر بازار کے تاجران غلہ کی نگرانی کے لیے ایک دفتر قائم کیا جائے گا۔ جہاں تاجروں کی دیکھ بھال کی جا سکے گی۔ اس اعلان کے ساتھ ہی علاؤالدین نے حکم دیا کہ دوآب سے سیراب ہونے والی زمین اور دہلی کے آس پاس کے سو میل کے رقبہ میں کوئی بھی زمیندار، جاگیردار یا کاشتکار کے پاس دس من سے زیادہ غلہ نہیں رکھ سکتا۔ زمیندار ہر فصل پر غلہ سرکاری نگرانی میں فروخت کریں اور ان داموں پر فروخت کریں جو سرکار نے متعین کیے ہوں جتنا غلہ سوداگر منڈی تک لائیں اور جتنا فروخت ہو۔ اس کی روئیداد سرکاری عمال بادشاہ کو دیتے رہیں۔ جن دنوں بارش نہ ہو کوئی شخص سرکاری عمال کی مرضی یا اجازت کے بغیر منڈی سے غلہ نہ خریدے۔ علاؤالدین کے اس حکم پر پوری مملکت میں اس سختی سے عمل ہوا کہ کسی ایک جگہ بھی نہ ذخیرہ اندوزی ہو سکی اور نہ چھپی تجارت ہی کو فروغ ملا بادشاہ نے اس سلسلہ میں ایسی سخت سزائیں تجویز کیں کہ تاجر اور زمیندار ان سزاؤں کے تصور سے لرز اٹھتے تھے۔

بھوک سب سے بڑا گناہ اور سب سے بڑی لعنت ہے۔ علاؤالدین نے ہندوستان کے عوام کو اس لعنت سے

محفوظ کر دیا اور برنی کے بیان کی رو سے ایسے ارزاں نرخ معین کیے جنہیں عام سے عام آدمی بھی ادا کرنے پر قادر تھا مثلاً گیہوں ۷ پیسے فی من، جو ۴ پیسے فی من، چاول مکی اور باجرہ ۵ پیسے فی من، ماش چنا اور مونگ پانچ اور تین پیسے فی من۔ اس سختی کا یہ نتیجہ نکلا کہ بنجارے یا تاجران غلہ خریدتے ہی منڈی میں لے آتے۔

علائی فوج نے لاہور کے حدود میدان کیلی میں مغلوں سے ایسا مردانہ مقابلہ کیا کہ تاریخ میں اس کی دوسری نظیر مشکل سے مل سکتی ہے نتیجہ یہ ہوا کہ مغلوں کو سخت شکست ہوئی اور علاؤالدین تاج فتح مندی سر پر رکھے ہوئے دلی واپس آیا اور اپنے نام کے خطبہ میں سکوں میں سکندر ثانی کے لقب کا اضافہ کیا۔ اس کے ساتھ اس نے تمام راستوں کو اس قدر محفوظ کر دیا کہ تمام قافلے آزادی کے ساتھ سفر کرتے تھے اور رات کو اپنا اسباب بغیر کسی حفاظت کے یوں ہی کھلا چھوڑ دیتے تھے۔ پھر یہ انتظام صرف دہلی ہی کے قرب وجوار میں نہ تھا بلکہ کابل و کشمیر سے لے کر بنگال تک، سندھ و گجرات سے لے کر تلنگانہ و معبر تک ہر جگہ راستوں کے پرامن ہونے کی یہی کیفیت تھی۔ اور راہزنی و قزاقی بالکل مفقود ہو گئی تھی اگر کوئی سیاح یا مسافر گاؤں میں پہنچتا تو گاؤں کے لوگ اس کو عزت سے ساتھ بٹھاتے اور کھانے پینے کا بندوبست کرتے۔

علاؤالدین کے دور میں روزمرہ کی اشیاء کے نرخ یہ تھے۔ ایک من گیہوں ساڑھے سات جیتل۔ جو ۴ جیتل۔ چاول ۵ جیتل۔ ماش ۵ جیتل۔ چنا ۵ جیتل۔ موٹھ ۳ جیتل۔ ایک سیر شکر تری ڈیڑھ جیتل۔ گڑ ۱/۳ جیتل۔ اڑھائی سیر گھی یا مکھن ایک جیتل۔ تین سیر تل کا تیل ایک جیتل۔ اڑھائی من نمک ۵ جیتل عہد علائی کا من موجودہ وزن کے لحاظ سے ساڑھے بارہ سیر کا تھا ایک سیر موجودہ چھ چھٹانک کے برابر اور ایک جیتل تقریباً دو پیسہ اگر حساب لگایا جائے تو معلوم سکتا ہے کہ موجودہ ارزانی اور سستوں کے لحاظ سے عہد علائی میں ایک من (یعنی موجودہ ۴۰ سیر) گیہوں کی قیمت (۴/۳ روپیہ سکہ انگریزی) تھی۔

علاؤالدین پہلے بالکل ناخواندہ تھا اور بعد میں اس نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا فرشتہ لکھتا ہے کہ جتنے ماہرین فن، بزرگان دین، علماء کرام، شعراء عظام اس کے زمانے میں ہوئے ہیں کسی عہد کو نصیب نہیں ہوئے۔ حضرت نظام الدین اولیاء۔

شیخ علاؤالدین صابر، قطب الاولیاء۔ شیخ رکن الدین بن صدرالدین عارف ملتانی اسی عہد کے بزرگوں میں سے تھے۔ شیخ صدرالدین جو بے مثل فیاض تھے۔ تاج الدین ولد صدرالدین جو اپنی جود و سخاوت، علم کے لحاظ سے بہت مشہور تھا۔ سید مغیث الدین و سید نجیب الدین، قاضی جلال الدین، قاضی صدرالدین، مولانا ضیاء الدین بیانوی اور حمید الدین ملتانی جو اپنے کمالات ظاہری و باطنی میں مخصوص درجہ رکھتے تھے اسی بادشاہ کے دربار سے متعلق تھے۔ علماء ظاہری میں اس وقت ۴۶ صرف وہ لوگ تھے جو درس تدریس کے مشغلہ میں مصروف تھے فن قرآت کے جاننے والوں

میں مولانا نشاطی، مولانا علاؤالدین، خواجہ ذکی خواہر شیخ حسن خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اہل وعظ میں سے مولانا حسام الدین، مولوی جلال الدین، مولانا شہاب الدین جلیل، مولانا کریم وہ نفوس تھے جنہیں نوادر روزگار میں جگہ دی جاتی ہے۔ طبقہ شعراء میں صدر الدین عالی، فخر الدین حمید الدین، مولانا عارف عبدالحکیم، شہاب الدین جن میں سے ہر ایک شاعری میں ایک خاص طرز کا مالک تھا۔ اور ان سب کے سرتاج حضرت امیر خسرو جو جامع کمالات ظاہری و باطنی ہونے کی حیثیت سے دنیا میں عظیم تسلیم کیے جاتے ہیں۔

اطباء میں صدر الدین، جولیبی طبیب، علیم الدین اور مولانا بدر الدین دمشقی خاص لوگ تھے۔ مولانا بدر الدین کی مسیحائی کا یہ عالم تھا کہ اس وقت تک کوئی دوسرا طبیب اس ذہانت و فراست کا پیدا نہیں ہو سکا۔ علاوہ ان کے دیگر فنون کے ماہرین جن میں مغنی، مطرب، اہل نجوم وغیرہ شامل کثرت سے پائے جاتے تھے۔ علاؤالدین کے عہد میں اس قدر مسجدین، خانقاہیں، حوض، مینار اور قلعے تیار ہوئے کہ کسی اور بادشاہ کو نصیب نہیں ہوئے۔

فرشتہ لکھتا ہے "علاؤالدین کے شاگرد پیشہ کی تعداد ستر ہزار تھی جن میں سات ہزار صرف معمار و گلگار تھے جو بڑی بڑی عمارت کو چند ہفتوں میں تیار کر دیتے تھے۔ تمام سلطنت میں سڑکیں کثرت سے بن گئی تھیں اور نہایت عمدہ حالت میں تھیں۔"

۱۳۱۰ء میں ملک کافور ساحل مالا بار گیا اور وہاں کے قدیم دارالحکومت کو فتح کر کے میسور تک بڑھ گیا اور معبر کے مشہور مندر کو مسمار کیا اس تاخت میں ۶۱۲ ہاتھی، بیس ہزار گھوڑے، جواہرات کے بہت سے صندوق، ۹۶ ہزار من سونا (جو موجودہ حساب سے ۲۹۴۰۰ ٹن کے برابر ہوا) ہاتھ آیا۔ جس وقت یہ دولت قصر شاہی میں بادشاہ کے سامنے پیش کی گئی تو اس نے منوں کے حساب سے سونا لوگوں کو تقسیم کیا۔ ملک کافور نے دکن کے تمام شمالی حصہ کو سلطنت دہلی کا باجگذار بنا دیا اور یہ زمانہ علاؤالدین کے انتہائی عروج کا سمجھنا چاہیے۔ ان کا دور حکومت ۱۲۹۵ء سے ۱۳۱۶ء تک کا ہے۔

مارکس ازم، لینن ازم، کیمونزم یا جتنے بھی ازم اقتصادیات و معاشیات میں مساوات کے لیے ظہور میں آئے ہیں وہ کبھی اتنے کامیاب نہیں ہو سکے جو کامیابی اس عظیم تاجدار علاؤالدین خلجی کو ۷۰۰ھ سے بھی پہلے یا تیرھویں صدی عیسوی میں نصیب ہو چکی تھی۔ اس عظیم انسان نے ہندوستان جیسے برعظیم کے کروڑوں انسانوں کو اس وقت معاشی مساوات کی نعمت عطا کی جب اسلام کے سوا کوئی دوسرا ازم اس دنیا میں تولد نہ ہو سکا تھا۔

قلعہ تغلق آباد مقبرہ غیاث الدین تغلق اور تغلق کے حالات زندگی
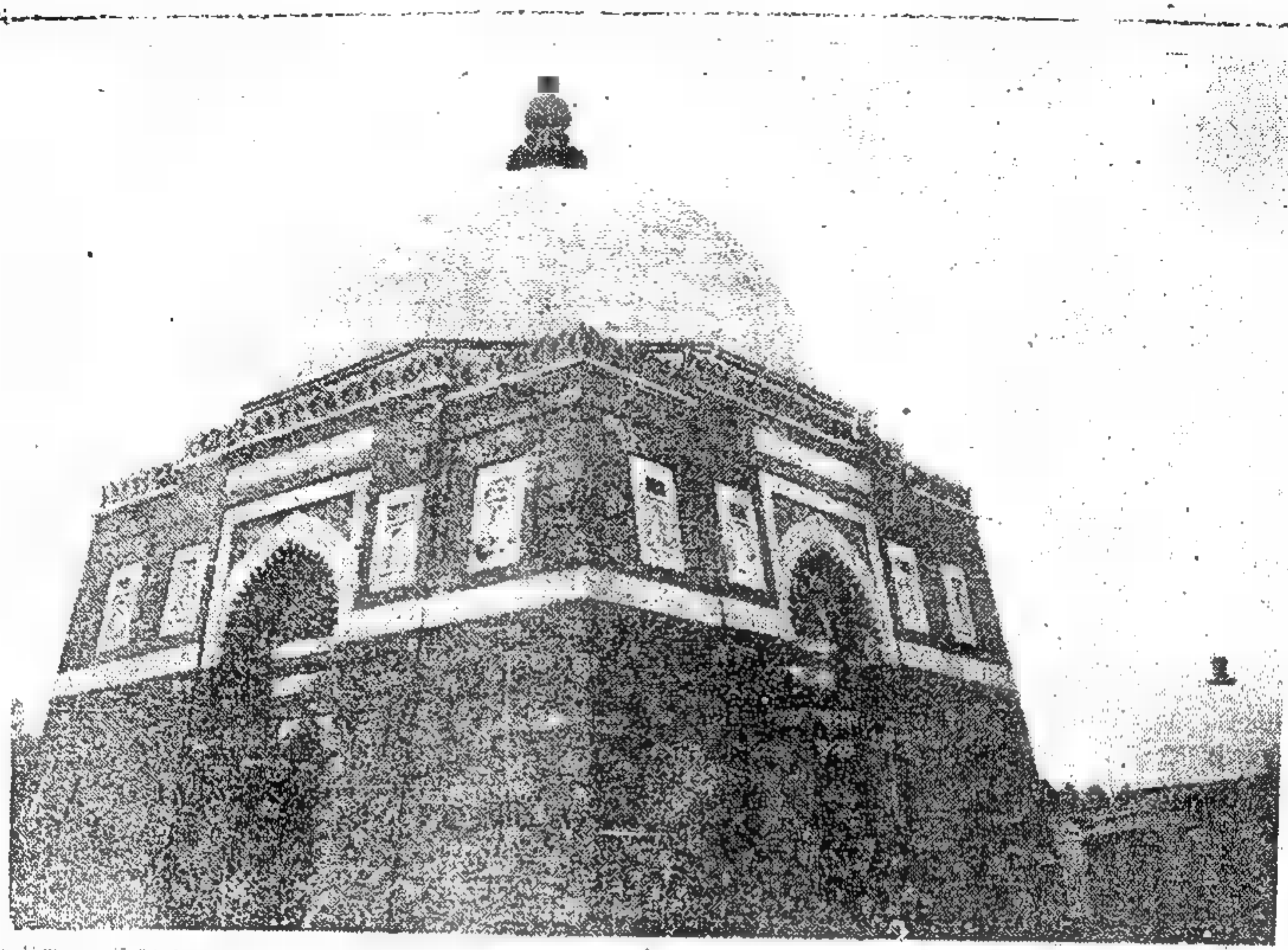
اگست کے مہینے میں برصغیر میں کہیں بارش اور کہیں حبس ہوتی ہے اس مہینے کیلئے یہ بات مشہور ہے کہ برصغیر میں سب سے اچھا موسم ساون بھادوں اور سب سے خراب موسم بھی ہے۔ بارش برسی تو ماحول خوشگوار ہو گیا بارش کے بعد حبس اور گرمی۔ ان حالات سے دوچار راقم اگست ۱۹۹۷ء میں دہلی کی تاریخی عمارتوں کا مشاہدہ کرتے ہوئے تغلق آباد کے لیے روانہ ہوا۔ بس کے کنڈیکٹر نے تغلق آباد کی بجائے اگلے سٹاپ پر اتار دیا۔ یہ بستی ہندوؤں کے نیچ طبقہ کی تھی ہر طرف گندگی اور سوروں کے غول گھوم پھر رہے تھے۔ میں نے ایک بوڑھے ہندو سے مقبرہ غیاث الدین تغلق اور تغلق آباد کے قلعے کے بارے میں پوچھا لیکن وہ میری بات سمجھ نہ سکا جب میں نے اسے سمادی برجیوں کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ پچھلا سٹاپ ہے وہاں سے سمادی برجیوں کیلئے دوسری بس میں سوار ہونا پڑے گا۔ واپسی پر تغلق آباد قلعہ اور مقبرہ غیاث الدین تغلق کے لیے بس تیار تھی بس میں دیہاتی قسم کے مسافر سوار تھے کنڈیکٹر کو میں نے تاکید کی تھی کہ مجھے تغلق آباد قلعہ کے دروازے اور مقبرہ غیاث الدین تغلق کے سامنے اتار دے دہلی میں چلنے والی بسوں کے کنڈکٹر بہت خوش اخلاق ہوتے ہیں کنڈیکٹر نے مجھے مطلوبہ اسٹاپ پر اتار دیا میں نے سب سے پہلے مقبرہ غیاث الدین تغلق پر حاضری دی ان دنوں مقبرہ کی مرمت ہو رہی تھی۔ مقبرہ کے جانب مغرب دو اور قبریں ہیں۔ مقبرہ

غیاث الدین کے شمال کی جانب قلعہ تغلق آباد ہے جو کافی رقبہ میں پھیلا ہوا ہے شدید گرمی میں دوپہر کے وقت میرے علاوہ انگریز مرد اور عورت بھی قلعہ تغلق آباد کا مشاہدہ کر رہے تھے مقامی آبادی کے چند لڑکے بھی آ گئے جنہوں نے پیش کش کی اگر آپ تغلق اباد قلعہ کو گھوم پھر کر دیکھنا چاہتے ہیں تو ہم گھوڑے کا بندوبست کر دیتے ہیں یہ قلعہ کافی رقبہ پر پھیلا ہوا تھا عمارتوں کی چھتیں گر چکی ہیں فصیل برج دیواریں اور بنیادیں اسی حالت میں ہیں تغلق آباد کا قلعہ پتھر تراش کر تعمیر کیا گیا ہے تغلق آباد کا قلعہ دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے ہزاروں کاریگروں، مزدوروں نے دن رات محنت کر کے اتنا بڑا شہر تعمیر کیا۔ یہ قلعہ بے آباد ہے قلعہ کے کھنڈرات میں جنگلی جانور رہتے ہیں قلعہ کی فصیل بہت اونچی ہے فصیل پر مور بھی آ کر بیٹھ جاتے ہیں بندرے بھی اچھل کود کرتے نظر آتے ہین ہندوستان میں بندر کا بہت احترام کیا جاتا ہے ہنومان کے نام سے پکارتے ہیں رام لکشمن سیتا کے قصہ میں ہنومان نے اہم رول ادا کیا ہے۔ آثار الصنادید از سر سید احمد خان نے تغلق آباد قلعہ کے بارے تحریر ہے کہ ۷۲۱ھ بمطابق ۱۳۲۱ء قلعہ اور شہر تغلق آباد کی تعمیر شروع ہوئی دو سال کے عرصہ میں قلعہ اور شہر بالکل تیار ہو چکا تھا اس خبر کی خوشی میں دلی اور قلعہ اور شہر تغلق آباد میں بہت دھوم دھام سے چراغاں کیا گیا۔ یہ قلعہ پہاڑ پر واقع ہے نہایت مضبوط بہت خوبصورت نفیس بنا تھا۔ چونا اور سنگ خارا سے تعمیرات کی گئی قلعہ کے درمیان ایک بہت بلند مقام خاص بادشاہ کی سیر کیلئے بنایا گیا۔ اس کو جہاں نما کہتے تھے قلعہ اور شہر اس انداز سے تعمیر کیا گیا کہ سارا شہر اور قلعہ ایک جیسا معلوم ہوتا تھا اسی قلعہ اور شہر کے چھپن کوٹ اور باون دروازے تھے۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ کے مطابق اس شہر میں ایک خوبصورت قصر تھا جسے غیاث الدین تغلق نے چمکیلی اینٹوں سے تعمیر کروایا سورج کی روشنی میں اینٹوں کی
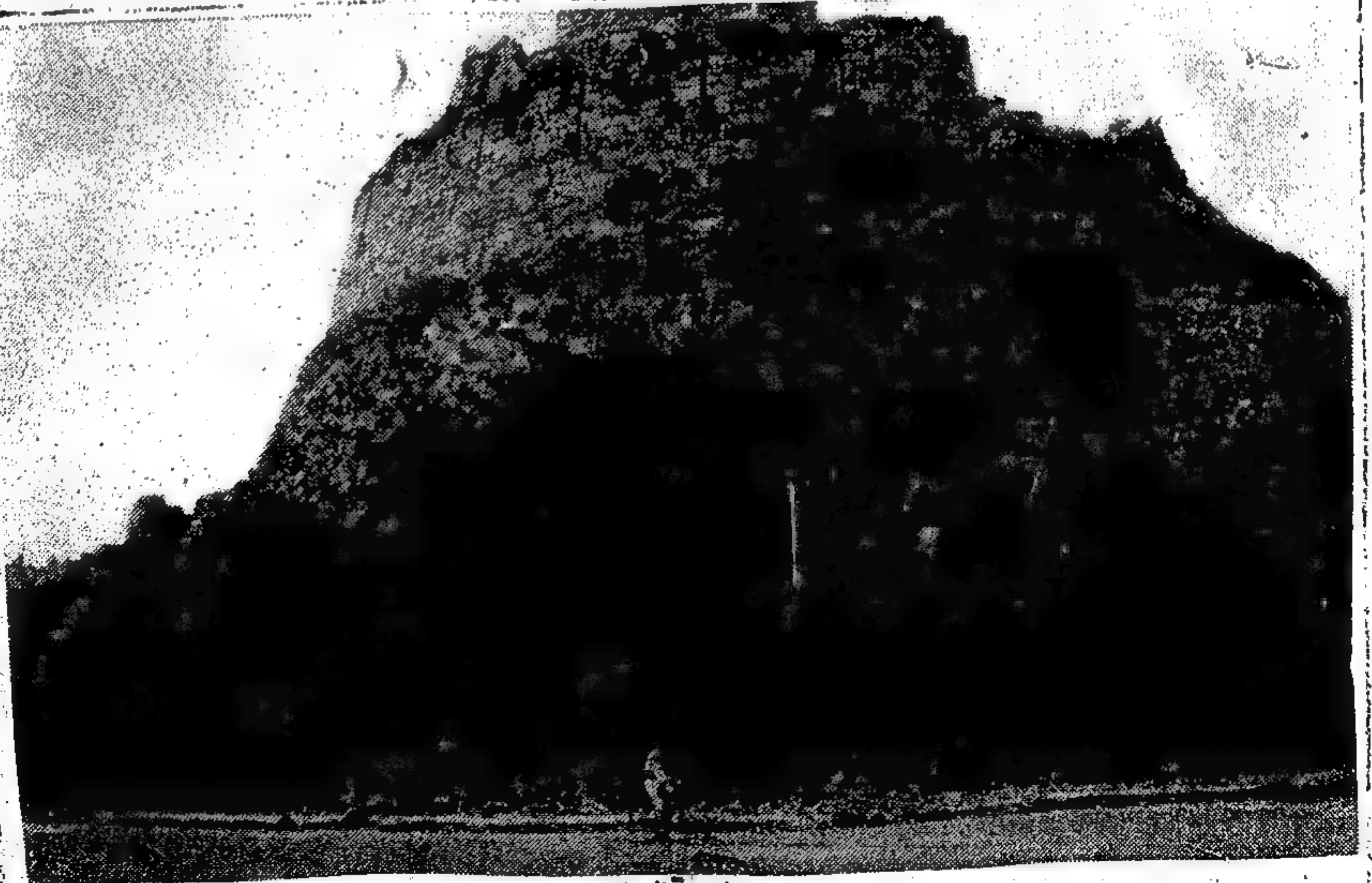
قلعہ تغلق آباد

الدین تغلق نے تمام امراء کے سامنے واضح کر دیا تھا کہ وہ اقتدار کے خواہشمند نہیں ہیں لیکن امراء کے بے حد اصرار پر غیاث الدین تغلق نے مجبور ہو کر حکمران بننا قبول کر لیا۔

غیاث الدین تغلق نے بدعنوانیوں کے انسداد کیلئے سخت قوانین بنانے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو روزگار کے اچھے مواقع فراہم کیے اور تنخواہوں میں خاصہ اضافہ کیا غیاث الدین تغلق نے کاشتکاروں کی حالت بہتر بنانے پر خصوصی توجہ دی۔ غیاث الدین تغلق کی تمنا تھی کہ ان کی مملکت میں ہر فرد آسودگی اور خوشحالی سے زندگی بسر کرے۔ غیاث الدین تغلق نے کئی قلعے بنوائے، ان میں سے تغلق آباد کا قلعہ بہت اہم ہے۔ جسے ابن بطوطہ نے اپنے عہد میں دنیا کا سب سے مضبوط اور بے نظیر قلعہ قرار دیا۔ کئی مساجد تعمیر کروائی ان میں سے ایک بہت بڑی مسجد ملتان میں بنوائی۔ مورخ ضیاء الدین برنی کے مطابق آبپاشی کیلئے نہریں تعمیر کرنے کا منصوبہ سب سے پہلے غیاث الدین تغلق کے دور میں جاری ہوا۔ غیاث الدین تغلق نے کئی خوبصورت باغ لگوائے، غیر آباد زمینوں کو آباد کیا اور بنجر اراضی کو قابل کاشت بنایا۔ اس قابل فخر اور اہل حکمران نے مختصر عرصہ میں ایسے موثر اقدامات کیے کہ شاہراہوں اور بستیوں میں رہزنی اور ڈکیتی کے واقعات کا بالکل خاتمہ ہو گیا۔ غیاث الدین تغلق نہایت دین دار حکمران تھے۔ وہ علماء کرام کے بے حد قدر دان تھے۔ خصوصاً امیر خسرو ان کے بہت قریب تھے۔ بزرگان دین میں وہ مشہور صوفی بزرگ حضرت فرید الدین گنج شکر سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔

غیاث الدین تغلق کا ایک بہت بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے برصغیر کا حکمران بننے سے قبل، جب سے دیپالپور کے حاکم تھے ۱۵ سال تک برصغیر کو منگولوں کی وحشیانہ یلغار کا نشانہ بننے سے متعدد بار بچایا اور کابل اور غزنی پر کئی بار حملے کیے انہوں نے منگولوں سے کئی جنگیں لڑیں۔ ابن بطوطہ لکھتے ہیں کہ انہوں نے ملتان میں غیاث الدین تغلق کی بنائی ہوئی ایک بڑی مسجد میں ایک گنبد پر خود لکھا دیکھا کہ میں غیاث الدین تغلق ، منگولوں سے ۲۹ بار لڑا ہوں اور ایک جنگ میں بھی شکست نہیں کھائی۔

انہیں دنوں منگولوں کے ایک لشکر نے دریائے سندھ عبور کر کے پنجاب کے سرحدی علاقے پر حملہ کیا غیاث الدین تغلق نے اپنی فوج بھیجی۔ جس نے منگولوں کو شکست دی اور اس کے دو سرداروں کو گرفتار کر لیا اس کے کچھ عرصہ بعد بنگال کے علاقوں میں بغاوت کی لہریں اٹھنے لگیں۔ اس زمانے میں بنگال کے مختلف علاقوں میں مسلمان اور غیر مسلم حکمران قابض تھے اور کم وبیش سب سے سرکشی اختیار کر رکھی تھی غیاث الدین تغلق نے دہلی میں اپنے بیٹے محمد تغلق کو نائب بنا کر خود فوج کی قیادت سنبھالی اور بنگال کی طرف کوچ کیا۔ یہ مہم بہت کامیاب رہی اور بنگال کے تمام حکمران مطیع ہو گئے۔ ربیع الاول ۷۲۵ھ / مارچ ۱۳۲۵ء میں غیاث الدین تغلق کی بنگال کی کامیاب مہم سے واپسی پر ان کے بیٹے الغ خان (محمد تغلق) نے ان کے شاندار خیر مقدم کا اہتمام کیا اس غرض سے انہوں نے بہت کم وقت میں ایک چوبی محل دار الحکومت کے باہر چار میل کے فاصلے پر تیار کروالیا تاکہ غیاث

الدین تغلق رات میں وہاں قیام کر سکیں۔ عصر کی نماز کے وقت غیاث الدین تغلق اس محل کے نزدیک پہنچے محل میں قیام کیا۔ کھا
کھانے کے بعد تمام حاضرین تو ہاتھ دھونے کی غرض سے باہر نکل آئے لیکن غیاث الدین تغلق اور ان کے ایک بیٹے اور چند دیگر
چمک آنکھوں کو خیرا کر دیتی تھی۔ قلعہ کے جنوب کی جانب غیاث الدین تغلق وفات ۱۳۲۵ء کا مقبرہ ہے مقبرہ کے گرد قلعہ نما
فصیل ہے مقبرہ تک جانے کیلئے ایک بہت بڑا دروازہ ہے یہ مقبرہ ایک جھیل کے وسط میں بنایا گیا ہے۔ سڑک سے مقبرہ تک ایک
محراب دار پل ابھی تک موجود ہے جھیل ختم ہو گئی ہے۔ وہاں فصل کاشت کی جاتی ہے البتہ کچھ حصہ پر پانی کھڑا نظر آتا ہے۔ فصیل
کے اندر غیاث الدین تغلق کا سرخ پتھروں سے تعمیر کیا گیا۔ ہے گنبد سنگ مرمر سے بنایا گیا ہے مقبرہ کی دیواریں قائداعظم کے
مقبرہ کی طرح ہیں۔ غیاث الدین تغلق کے مزار کے قریب اس کی بیوی جو مخدومہ جہاں کے لقب سے مشہور تھی کی قبر ہے اس
کے پہلو میں محمد بن تغلق وفات ۱۳۹۱ء کی قبر ہے جسے ٹھٹہ سندھ میں امانتاً دفن کیا گیا تھا۔ بعد ازاں اس کا تابوت دہلی منتقل کر دیا گیا۔
دونوں قبریں سنگ مرمر سے تعمیر کی گئی ہیں چھوٹے چھوٹے گنبد بھی بنائے گئے ہیں۔ ساتھ ہی ایک کمرہ میں محکمہ آثار قدیمہ نے
دفتر بنا رکھا ہے مقبرہ غیاث الدین تغلق کو دہلی کی تاریخی عمارتوں میں نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ برصغیر میں تغلق خاندان کے پہلے
حکمران غیاث الدین تغلق جنہوں نے اپنے مختصر دور حکومت میں برصغیر پاک و ہند کو خوشحالی اور ترقی کی منہ بولتی تصویر بنا دیا۔
غیاث الدین تغلق نسلاً ترک تھا۔ ان کے آباؤ اجداد برصغیر آ گئے ان کے والد برصغیر کے فرمانروا غیاث الدین بلبن کے غلام تھے۔
غیاث الدین تغلق پنجاب میں پیدا ہوئے انہوں نے عملی زندگی کی ابتدا ایک سوداگر کے گھوڑوں کی دیکھ بھال سے کی۔ پھر وہ برصغیر
کے حکمران علاؤالدین خلجی کے بھائی کے پاس بطور پیادہ بھرتی ہو گیا پھر وہ ترقی کرتے کرتے (سوار فوج کے افسر اعلی) بنے۔ اس
کے بعد انہوں نے اپنی صلاحیتوں کو اس حد تک منوا لیا کہ منگولوں کی یلغار کے خلاف مملکت کے دفاع کی مہمات ان ہی کے سپرد
کی گئیں۔ ۷۰۵ھ / ۱۳۰۵ء میں انہیں ملتان اور دیپالپور کے علاقے کا حاکم بنایا گیا تھا۔ خلجی خاندان کے حکمران علاؤالدین خلجی
کے انتقال کے بعد ۷۲۰ھ / ۱۳۲۰ء میں ایک کم عمر شہزادے شہاب الدین عمر کو تخت پر بٹھا دیا گیا۔ یہاں سے مملکت کا نظم و نسق
بگڑنے لگا۔ تین ماہ بعد ایک اور شہزادہ مبارک شاہ برسر اقتدار آئے اور قطب الدین شاہ خلجی کے لقب سے معروف ہوا ان کے دور
میں ایک بظاہر مسلمان شخص خسرو خان انہیں قتل کروا کے خود اقتدار پر قبضہ کر لیا خسرو خاں صرف چار ماہ حکمران رہا لیکن اس عرصہ
میں اس نے لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کر دیا...... اس کے ظلم و بربریت کی خبریں دیپالپور کے حاکم غازی ملک تک پہنچ رہی تھیں۔ آج
کل دیپالپور، ضلع ساہیوال سے پاکپتن سے ۲۸ میل مشرق میں واقع ہے۔ خلجیوں کے عہد میں یہ پنجاب کا دارالحکومت تھا اور بہت
اہم شہر تھا۔ غازی ملک نے فوجی تیاری کر کے دیپالپور سے دہلی کی طرف کوچ کر دیا۔ خسرو خان نے اپنے بھائی خان خاناں اور دیگر
امیروں کو فوج دے کر بھیجا۔ تھانیسر (دہلی سے ۸۷ میل دور دریائے سرستی کے کنارے ایک شہر) کے مقام پر دونوں فوجوں کا آمنا

سامنا ہوا۔ غازی ملک کی فوج نے دشمن کو مار بھگایا اور فاتح فوج، پیش قدمی کرتے ہوئے دہلی تک پہنچ گئی۔ دوسرے دن خسرو کی فوج کے ساتھ معرکہ ہوا۔ غازی ملک کا لشکر کامیاب ہوا۔ خسرو فرار ہو کر ایک باغ میں جا چھپا لیکن اسے ڈھونڈ نکالا گیا۔

شعبان ۷۲۱ھ / اگست ۱۳۲۱ء میں خسرو کو سزائے موت دینے کے بعد اتفاق رائے اور باہمی رائے مشورہ سے غازی ملک کو بر صغیر کا حکمران تسلیم کر لیا گیا۔ غازی ملک نے حکمران بن کر غیاث الدین تغلق کا لقب اختیار کیا۔ دہلی کو فتح کرنے کے بعد غیاث افراد اندر ہی بیٹھے رہے۔ اسی وقت محل کی چھت گر پڑی اور غیاث الدین تغلق اور دیگر کئی افراد ملبہ تلے دب کر جاں بحق ہو گئے محل کی چھت گرنے کی مختلف ترجیحات پیش کی گئیں ہیں لیکن زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ محل بہت کم وقت میں تعمیر ہوا تھا اور اس کی بنیادیں گیلی تھیں جب ہاتھی داخل ہوئے تو ان کے پیروں کی دھمک سے یہ بنیادیں ہل گئیں ایک روایت ہے کہ محل پر بجلی گری تھی بہر حال اس افسوسناک واقعہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ بر صغیر ایک بہت دیندار، لائق اور منتظم حکمران سے محروم ہو گیا۔ غیاث الدین تغلق کو تغلق آباد میں اس مقبرے میں سپرد کیا گیا جو انہوں نے اپنی حیات میں اپنے لیے تعمیر کروایا تھا۔

سلطان محمد بن تغلق

غیاث الدین تغلق کی وفات کے بعد شاہزادہ جونا جسے الغ خاں بھی کہتے ہیں "محمد بن تغلق" کا لقب اختیار کر کے ۷۲۵ھ میں تخت نشین ہوا۔ اس کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ اس سخی شہنشاہ نے تاتار خاں والئی سنار گاؤں کو جب اس نے بہرام خاں کا خطاب دیا تو اس کے ساتھ ایک ہی دن میں سو ہاتھی، ہزار گھوڑے اور ایک کروڑ سکہ سرخ (اشرفی) بھی عطا کی ملک سنجر بدخشانی کو اسی لاکھ سکہ، ملک عماد الدین کو ستر لاکھ سکہ اور مولانا ظفر الدین اپنے استاد کو چالیس لاکھ سکہ ایک دن میں دیدیئے۔ اسی طرح مولانا ناصر الدین اور ملک غازی کو جو ایک فاضل شاعر تھا سالانہ لاکھوں سکے انعام میں دیئے۔ جرات و بہادری، کے علاوہ بہت خوبیوں کا مالک تھا۔ سلطان محمد بن تغلق شاہ کے عہد میں دہلی میں چھوٹے اور بڑے مدارس ایک ہزار کے قریب تھے اور ستر دار الشفاء تھے جن میں غرباء کا علاج ہوتا تھا، دو ہزار مسجدیں تھیں اور خانقاہوں اور حماموں کا کوئی شمار نہ تھا۔ کنوئیں کثرت سے موجود تھے۔ افسران حکومت درجہ بدرجہ خان، ملک، امیر، سپہ سالار اور جرنل کہلاتے تھے۔ اور سواروں کی تعداد نو لاکھ تھی جن میں ترک، ایرانی اور ہندوستانی لوگ شامل تھے۔ ان کے گھوڑے عمدہ، وردی نفیس اور اسلحہ کی حالت پسندیدہ تھی۔ ایک خان کی ماتحتی میں دس ہزار سوار اور ایک ملک کی ماتحتی میں ایک ہزار سوار ہوتے تھے۔ امیر سو سواروں کے دستہ کا افسر تھا اور ان کی تنخواہوں کی عوض میں جاگیریں مقرر تھیں جن میں کبھی کمی نہ ہوتی تھی۔ ہر خان کو دو لاکھ سکہ (ہر سکہ آٹھ درہم کے برابر) ہر ملک کو پچاس اور ساٹھ ہزار سکہ کے درمیان، ہر امیر کو

تمیں اور چالیس ہزار تنکہ کے درمیان اور سپہ سالار کے بیس ہزار تنکہ کی جاگیر اس کے ذاتی مصارف کے لئے مقرر تھی۔ سپاہیوں کی تنخواہ کے علاوہ خوراک، لباس اور مصارف اسپ کے ۵۰۰ تنکہ مقرر تھی جو خزانہ شاہی سے نقد ملتی تھی۔ غلاموں کو دس تنکہ ماہوار تنخواہ دی جاتی تھی اور چار جوڑے کپڑے ہر سال دیئے جاتے۔ اس کے علاوہ ماہوار دو من گیہوں اور چاول اور روزانہ تین سیر گوشت معہ ضروری سامان گھی اور مسالہ وغیرہ کے ہر غلام کے لئے مقرر تھا۔ سلطان ہر سال دس ہزار عرب گھوڑے نہایت اچھی نسل کے معہ سازوبراق کے امراء کو تقسیم کرتا تھا اور معمولی گھوڑوں کا تو کوئی شمار نہ تھا۔ سلطان کے دربار میں بارہ سو طبیب تھے۔ سلطان روزانہ صبح وشام دربار کرتا تھا اور اس کے بعد کھانا ہوتا تھا۔ سلطان محمد بن تغلق کا دستر خوان وسیع ہوتا تھا۔

ڈاک کا نظام عمدہ تھا۔ ڈاک دو قسم کی تھی ایک برید الخیل (گھوڑے کی ڈاک) دوسری برید الرجال (قاصدوں یا ہرکاروں کی ڈاک) ہر میل کے اندر تین چوکیاں ڈاک کی ہوتی ہیں۔ یہاں ہرکارے متعین ہوتے ہیں جس وقت کسی ہرکارے کے پاس ڈاک پہنچتی ہے وہ فوراً اپنی کمر کس لیتا ہے اور ایک ہاتھ میں ڈاک اور دوسرے میں گھونگرودار چابک لئے ہوئے جسے وہ راستہ بھر بجاتا رہتا ہے۔ دوسری چوکی کی طرف روانہ ہوتا ہے۔ اسی طرح وہاں کا ہرکارہ گھونگرو کی آواز سن کو گھوڑے کی کمر کس لیتا فوراً اگلی چوکی کی طرف روانہ ہو جاتا۔

محمد بن تغلق نے مشہور عمارت قصر ہزار ستون تعمیر کی۔ اس مین ایک ہزار چوبی ستون لگے ہوئے تھے جہاں بادشاہ لوگوں سے ملاقات کرتا ہے۔ دربار کی نشست اکثر عصر کے بعد ہوتی ہے۔ ایک چبوترہ پر سفید فرش بچھا کر اس پر شاہی تخت رکھا جاتا ہے۔ سلطان عدل وانصاف کے معاملہ میں بہت سخت تھا حتی کہ وہ اپنے وجود کو بھی اس سے مستثنے نہ سمجھتا تھا۔ ایک بار کسی ہندو امیر نے قاضی کے ہاں نالش کی کہ سلطان نے اس کے بھائی کو بے سبب قتل کر ڈالا ہے۔ قاضی نے سلطان کو طلب کیا۔ سلطان قاضی کو سلام کر کے کھڑا ہو گیا۔ جب قاضی نے بیٹھنے کی اجازت دی تو بیٹھا اور اس وقت تک عدالت سے باہر نہ گیا جب تک مدعی راضی نہیں ہو گیا۔ تخت نشین ہوتے ہی وہ ایک سیلاب کی طرح تمام دور دراز علاقوں پر چھا گیا اور سلسلہ فتوحات شروع ہوا تو گجرات، مالوہ، تلنگانہ، جھجر اور سمندر، لکھنوتی، (بنگال) سٹ گاؤں (چٹگام) کرناٹک، درنگل یکے بعد دیگرے اس کے قبضے میں آگئے۔

دہلی سے پایہ تخت بدل کر دیوگیر (دولت آباد) قائم کرنا عمدہ تجویز تھی۔ کیونکہ دیوگیر درمیان میں واقع تھا اور یہاں سے مختلف صوبوں پر اقتدار آسانی سے قائم رہ سکتا تھا۔ سلطان محمد بن تغلق ٹھٹھہ میں ایک مہم پر روانہ ہوا۔ محرم ۷۵۲ھ (۱۳۵۰ء) کی دسویں تاریخ تھی اور ٹھٹھہ صرف تمیں کوس رہ گیا تھا کہ شام کو روزہ افطار کرنے کے بعد اس نے مچھلی

کھائی۔ طبیعت پہلے سے بھی کچھ خراب تھی۔ اس بد پرہیزی سے بخار بڑھ گیا لیکن سلطان نے سفر کو ملتوی نہیں کیا کہ ۲۱ محرم کو دریائے سندھ کے ساحل پر اس نے انتقال کیا اور اس طرح خاندان تغلق کے اس جلیل القدر بادشاہ کا عہد حکومت ختم ہو گیا جس کی مثل تاریخ ہندوستان پھر کوئی اور پیدا نہ کر سکی۔ سلطان محمد بن تغلق نے ہندوستان پر تقریباً ستائیس سال حکومت کی۔

غیاث الدین تغلق کی مختصر تاریخ مقبرہ کے قریب انگریزی میں تحریر کی گئی ہے

GHIYATHU'D-DIN TUGHLAQ'S TOMB:

GHIYATHU'D-DIN TUGHLAQ'S SELF BUILT TOMB WITH A MAUSOLEUM ENCLOSED WITHIN HIGH BATTERED PENTAGONAL STONE WALLS, STRENGTHENED WITH BASTIONS AND SURMOUNTED BY COPULAS, LOOKS LIKE. A SMALL FORTRESS, ORIGINALLY IT STOOD WITHIN ARTIFICIAL LAKE. FED BY THE OVERFLOWING OF THE HAUZ-I-SHAMSI AND BY SOME NATURAL DRAINAGE CHANNELS AND WAS CONNECTED WITH THE FORT OF TUGHLUQABAD BY A CAUSEWAY BORN ON THE ARCHES PRESENTLY THIS HAS BEEN PIERCED BY THE MEHRAULI-BADARPUR ROAD.

THE ENTRANCE TO THE TOMB ENCLOSURE IS THROUGH A HIGH AND MASSIVE GATEWAY OF RED SANDSTONE, APPROACHED BY A FLIGHT OF STEPS. THE MAUSOLEUM ABOUT 8M SQUARE WITH SLOPING WALLS OF RED SANDSTONE CROWNED WITH BATTLEMENTS IS SURMOUNTED BY A WHITE MARBLE DOME RAISED ON AN OCTAGONAL DRUM A STRING COURSE INSCRIBED PANELS ARCH BORDERS AND PERFORATED SCREENS IN TYMPANA ALL IN MARBLE TOGETHER WITH ITS LOTUS BUD FRINGES BREAK THE MONOTONY OF THE RED SANDSTONE AND LEND IT A DECORATIVE EFFECT.

THERE ARE THREE GRAVES INSIDE THE CENTRAL ONE OF GHIYATHU'D-DIN TUGHLAQ'S AND THE OTHER TO BELIEVE TO BE THOSE OF HIS WIFE AND HIS SON AND SUCCESSOR MUHAMMAD BIN TUGHLIUQ (A.D. 1325-51) AGAINST THE ENCLOSURE WALLS ARE CELLS ARE PILLARED CORRIDORS WITH PRICKETS AND LINTELS APENNINES IN THE NORTH-WESTERN BASTION THERE IS AN OCTAGONAL TOMB WITH AN INSCRIBED SLAB OVER ITS SOUTHERN DOOR ACCORDING TO WHICH ONE, ZAFAR KHAN LIES BURIED IN IT. IT SEEMS THAT THIS TOMB WAS THE FIRST TO BE RAISED HERE AND WHILE ENGAGED ON CONSTRUCTION, GHIYATHU'D-DIN TUGHLAQ'S HAD THE IDEA OF PUTTING UP REFERRED TO AS DARUL-AMAN (ABODE OF PEACE)) IN THE INSCRIPTION MENTIONED ABOVE AND ALSO IN THE CONTEMPORARY RECODE OF GHIYATHU'D-DIN TOMB

قلعہ تغلق اباد کے بارے انگریزی میں مختصر تاریخ درج کی گئی ہے

TUGHLUQABAD:
GHIYATHU'D-DIN TUGHLAQ'S (A.D. 1321-25) STEP ASCENDING THE THRONE OF DELHI SELECTED THIS SITE AS AT HIS CAPITAL FOR STRATEGIC REASONS HE BUILD DURING A.D. 1321-23 A MASSIVE FORT AROUND THE CAPITAL CITY, WHICH STANDS HIGH ON SCARPED OUTCROP OF A ROCKY HILL.
THE FORT IS ROUGHLY OCTAGONAL ON PLAN WITH A PERIMETER OF 6.5 KM. ITS 10 TO 15 M HIGH RUBBLE-BUILT WALLS ARE PROVIDED WITH DASTARDS AND GATES AT INTERVAL THE RAHPRT WALL ARE PIERCED WITH LOQP-HAOLES AND ARE CROWN WITH A LINE OF RUD BETTERMENTS OF SOLID STONE WHICH ARE ALSO PROVIDED WITH LOOP HOLES PERSONALITY THE FORT HAS A TOGETHER GATES AND THERE ARE THREE INNER GATES TO THE CITADEL THE WAST SIZE THE GREAT STRENGTH AND THE WISE ABLE SOLIDITY OF THE WHOLE GIGANTIC IN PRODUCTION AND STRENGTH GIVE TO THE FORT AN AIR OF STERN AND MASSIVE GRANDEUR.
TUGHLUQABAD WAS DIVIDED MAINLY INTO THREE POTIONS TO THE FAST OF THE THIS ENTRANCE AND RECTANGULAR ARE WITH HIGH WALLS AND BASTIONS SERVED AS THE CITADEL A WIDER AREA IMMEDIATELY TO ITS WEST SIMILARLY BOUNDED BY RUBBLE WALLS AND BASTIONS HOUSES THE PELAGES BEYOND THIS TO THE NORTH LAY THE CITY NOW MARKED BY RUINS OF HOUSES STREETS IN THE CITY SOME OF WHICH ARE TRACEABLE EVEN NOW RAN IN A GRID PATTERN FROM GATES ON ONE SIDE TO THOSE ON THE OPPOSITE SIDE INSIDE THE CITADEL ENCLOSURE ARE A TOWER KNOWN AS BAGHIMANDAL AND REMARKS OF SEVERAL HALYS INCLUDING A LONG UNDER GROUND PASSAGE THE FORT ALSO CONTENT SEVEN TANKS HONEST RUINS OF SEVERAL LARGE BUILDING TO THE SOUTH OF THE FORT OUT SIDE WAS A WAST PRESERVER CREATIVE BY ERECTING BUNDS BETWEEN MILES A CAUSEWAY CONNECTS BY WITH THE TOMB OF GHIYASUSDIN TUGHLUQ WHILE A WIDE EMBANKMENT NEAR ITS SOUTH EASTERN CORNER GAVE ACCESS TO THE FORTRESS OF ALABAD BUILT A LITTLE LATER OPPOSITE IT IN ANOTHER HILL.

سلطان فیروز شاہ تغلق

(تغلق دور کا مثالی حکمران جس نے ہندوستان پر چالیس سال حکمرانی کی)

حوض خاص دہلی کا وہ مشہور تاریخی مقام ہے جہاں حوض خاص کے علاوہ دومنزلہ مدرسہ فیروز شاہ تغلق اور کئی امراء شہزادوں کے مقبرے ہیں۔ سینکڑوں سال گزرنے کے باوجود یہ عالی شان عمارتیں آن شان سے کھڑی ہیں اور اپنے اندر عظمت کے نشان شاندار ماضی کی داستانیں لیے کھڑی ہیں حکومت ہندان عمارتوں کی مرمت دیکھ بھال پر خصوصی توجہ دے رہی ہے۔ تمام تاریخی مقامات کو محفوظ کیا ہوا ہے راقم اکتوبر ۱۹۹۹ء نے حوض خاص میں فیروز شاہ تغلق کے مقبرے کی تصویریں لی گائیڈ سے معلومات حاصل کیں۔ مسلمان حکمرانوں کی یہ تاریخی عمارتیں ان کی عظمت کی نشانیاں ہیں، فیروز شاہ کے حالات زندگی یوں ہیں۔

محمد تغلق نے اپنے بعد کوئی اولاد نرینہ نہیں چھوڑی تھی اور اپنے آخری وقت وہ "فیروز شاہ" کی تخت نشینی کے لیے وصیت کر گیا تھا اس لیے ۷۵۲ھ کو وہیں وادی سندھ کے اندر تمام امراء کے انتخاب واصرار سے تخت نشین ہوا اور باغیوں کی سرکوبی کے بعد "دہلی" کی طرف روانہ ہوا۔ سلطان فیروز الدین حد درجہ رحیم المزاج نیک نفس، پابند مذہب

بادشاہ تھا اور وہ خون ریزی سے بچتا تھا۔ اس نے خود فتوحات "فیروز شاہی" میں جابجا اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے ظلم سے پناہ مانگی ہے اور اس نے اپنا نصب العین بتایا ہے کہ ملک میں ہر طرف امن وسکون نظر آئے۔ فیروز شاہ کے عہد میں زراعت وآبادی کی ترقی کا یہ عالم تھا کہ دوآبہ کے ۵۲ پر گنے تھے اور تمام پر گنوں میں ایک گاؤں بھی غیر آباد نہ تھا۔ اس کے عہد میں صرف دوآبہ کی آمدنی ۸۰ لاکھ تنکہ اور کل سلطنت کی ۶ کروڑ ۸۵ لاکھ تنکہ تھی۔ فیروز شاہ نے کل ۳۶ کارخانے قائم کر رکھے تھے ان کی دو قسمیں تھیں معمولی اور غیر معمولی قسم میں فیل خانہ (اصطبل) مطبخ، شتر خانہ، سگ خانہ، آبدار خانہ وغیرہ شامل تھے۔ ان کارخانوں کا خرچ ماہوار ایک لاکھ ساٹھ ہزار تنکہ تھا۔ سلطان محمد تغلق کی طرح فیروز شاہ کو بھی سکوں کی طرف بہت توجہ دی، اس کے عہد کے خاص سکے طلائی اور نقرئی تنکہ جو پہلے سے رائج تھے چہل وہشت گانی و پنج گانی بست و چہار گانی، دوازدہ گانی، دہ گانی، شش گانی تھے۔ ان کی قیمتیں علی الترتیب ۴۸ سے لے کر ۶ جیتل تک تھیں۔ فیروز شاہ کو تعمیرات کا غیر معمولی شوق تھا اور آثار قدیمہ کی طرف توجہ کرنے میں اولیت کا فخر اسی بادشاہ کو حاصل ہوا۔ نہری نظام بھی مثالی تھا۔ "فیروز آباد، فیروز آباد ہارنی کھیڑا، تغلق پور کاسنہ، تغلق پور ملوک مکوت اور جونپور میں محلات تعمیر کرائے جس میں فیروز کوشک حصار فیروزہ، کوشک فتح آباد، کوشک جونپور، کوشک شکار (جسے اب فیروز شاہ کا کوٹلہ کہتے ہیں) کوشک بند فتح خان، کوشک سامورہ خاص شہرت رکھتے تھے۔

دہلی اور فیروز آباد میں فیروز شاہ نے ایک سو بیس خانقاہیں اور سرائیں تعمیر کرائیں۔ یہ ہمیشہ مسافروں سے بھری رہتیں اور بادشاہ کی طرف سے کوئی مسافروں اور فقراء سب کو کھانا وغیرہ دیا جاتا۔ فیروز آباد میں اس نے اپنے دربار کے تین محل تیار کیے تھے۔ فیروز شاہ کو باغوں کا بھی بہت شوق تھا۔ دہلی کے قریب اس نے بارہ سو باغات خود نصب کرائے اور علاؤالدین کے زمانہ کے تیس باغات کو بھی از سر نو آباد کر کے بہت ترقی دی۔ فیروز شاہ کے تمام کاموں میں جو رفاہ عام سے متعلق ہیں سب سے بڑا اور اہم کام نہروں کا اجراء تھا۔ فیروز شاہ نے رفاہ عامہ کے کئی منصوبے پایہ تکمیل تک پہنچائے اور سلاطین دہلی کی پرانی عمارتوں مقبرہ کی مرمت کروائی ان میں دہلی کی مسجد، سلطان معز الدین، حوض شمس، سلطان التمش کا مدرسہ، سلطان رکن الدین، علاوالدین اور ان کے بیٹوں، حضر خان، شادی خان، فرید خان، سلطان شہاب الدین، سکندر خان محمد خان ان کے پوتوں پر پوتوں کے مقبروں کی مرمت کروائی۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے روضہ کی مرمت کرائی اور سونے کی زنجیریں آویزاں کرائیں۔ جہاں پناہ محل کو مکمل کروایا غرض دہلی میں جتنے قلعے اور حصار تھے ان سب کی مرمت کروائی اولیائے کرام کے آستانوں کے لیے جو دیہات وقف تھے ان کو بدستور قائم رکھا کئی دار الشفا مدرسے قائم کیے۔

فیروز شاہ کے تمام کاموں میں قابل قدر کام یہ ہے کہ اس نے عہد قدیم کے دو مینار میرٹھ اور خضر آباد کے قریب سے اکھڑوا کر فیروز شاہ کوٹلہ میں نصب کروائے۔ یہ دونوں مینار ۳۲۰ سال قبل مسیح کے ہیں جن پر پالی حروف میں اشوکا (بدھ مذہب کے بہت بڑے مبلغ) کے احکامات مذہبی درج ہیں۔ جب یہ دونوں مینار دہلی پہنچے تو فیروز شاہ نے تمام پنڈتوں کو جمع کیا لیکن کوئی منقوش عبارت کو نہ پڑھ سکا۔

فیروز شاہ نے ۵۰ بند جن سے آبپاشی ہوتی تھی۔ ۴۰ مسجدیں، ۳۰ مدارس جن کے ساتھ مسجدیں بھی تھیں۔ ۲۰ خانقاہیں ۱۰۰ محل، ۵۰ شفاخانے ۱۰۰ مقبرے، ۱۰ حمام، ۱۵۰ کنوئیں، ۱۰۰ پل، ۲۰۰ رباط، ۳ شہر، ۴۰ حوض۔ ۱۰ مینارے اور باغوں وغیرہ کا کوئی شمار نہیں ہے، تعمیر کروائے۔ فیروز شاہ کے عہد میں بڑے بڑے علماء پائے جاتے تھے، ان میں سے ایک مولانا جلال الدین رومی تھے جو مدرسہ فیروز شاہی کے پرنسپل تھے، جن کا مزار مدرسہ کے قریب ہے۔ دوسرے مولانا عالم آندپتی جن کی نسبت مولانا عبدالحق دہلوی نے لکھا ہے کہ فتاویٰ تاتارخانی کی ترتیب میں ان کا خاص حصہ تھا۔ علاوہ ان کے مولانا خواجگی (قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے استاد) مولانا احمد تھانیسری اور قاضی عبدالمقتدر جو علاوہ فاضل ہونے کے مثل شاعر عربی، فارسی کے تھے اور جنہوں نے لامعہ العجم کا جواب لکھ کر شہرت دوام حاصل کر لی ہے، ملک احمد ولد امیر خسرو اور مولانا مظہر کڑوی اور قاضی عابد بھی اپنی اپنی جگہ بے مثل علماء و صاحبان کمال میں شمار کئے جاتے تھے۔

فیروز شاہ نے ۱۸ رمضان ۷۹۰ھ کو ۹۰ سال کی عمر میں وفات پائی اس نے چالیس سال ہندوستان پر حکومت کی اور اپنے غیر فانی نقوش حسن انتظام کے چھوڑ گیا۔ فیروز شاہ حوض خاص کے پاس مدفون ہوا۔ مقبرہ کے ارد گرد چار دیواری ہے۔
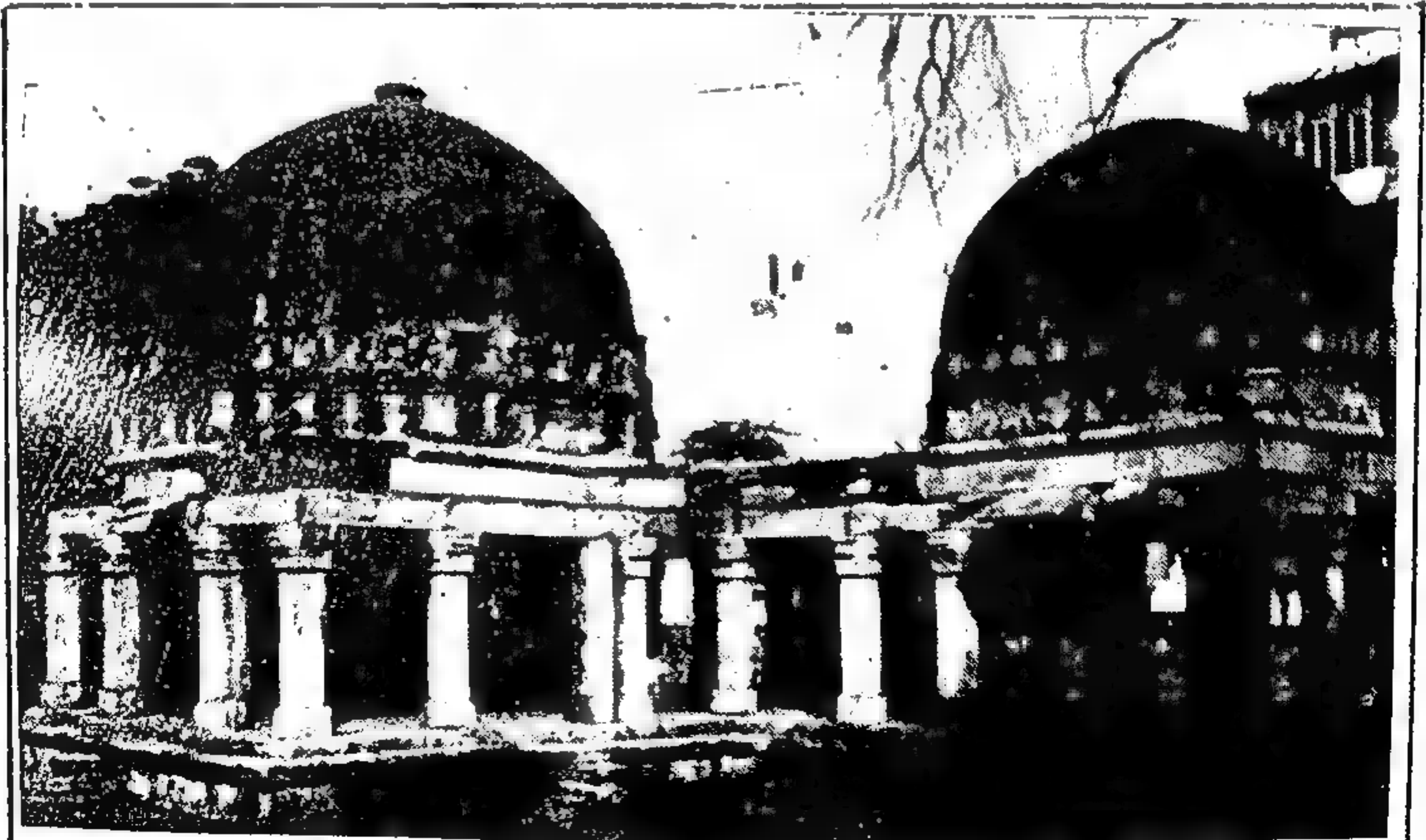
حوض خاص مقبرہ فیروز شاہ تغلق کے قریب سلاطین تغلق امراء شہزادوں کے مقبرے

فیروز شاہ تغلق کے دور میں اشوکا پلر نصب کیا گیا

THE PYRAMIDAL STRUCTURE AND ASOKAN PILLAR

THIS LOFTY RUBBLE BUILT STRUCTURE IN THREE STOREYS WITH SIZE DIMINISHING IN EACH SUCCESSIVE STORYS CONSISTING OF CELLS WITH ARCHED ENTRANCES WAS BUILT BY FEROZ SHAH TUGHLAQ IN A. D. 1356 TO INSTALL THE ASOKAN COLUMN ON ITS TOP. THIS LATE IS ONE OF THE TWO STONE PILLARS OF AOSKA (273-236 B.C) REMOVE BY THE FEROZ SHAH TUGHLAQ FROM TOPRA, IN AMBALA DISTRICT AND THE SECOND ONE NOW KEPT NEAR HINDU RAO HOSPITAL RIDGE WAS BROUGHT FROM MEERUT, WITH A GREAT CARE THE LAT WAS TRANSPORTED TO KOTLA FIRUZ SHAH, SILK COTTON WAS WRAPPED ROUND THE COLUMN WHICH WAS GENTLY LOWERED IN A BED PREPARED FOR IT. THEN ENCASED IN REEDS AND RAW SKINS IT WAS CARRIED IN A CARRIAGE WITH 42 WHEELS. A STRONG ROPE WAS FASTENED TO EACH WHEEL AND 200 MEN PULLED EACH OF THESE ROPES. IT WAS THIS REMOVED TO THE BANKS OF YAMUNA WHERE SULTAN FIRUZ SHAH TUGHLAQ PERSONALLY CHECKED TRANSPORTATION ARRANGEMENTS FROM HERE IT WAS CARRIED BY LARGE BOATS TO FIRUZABAD AND CONVEYED INTO KUSHAK. THE PYRAMIDAL STRUCTURE WAS CONSTRUCTED IN STAGES, WHEN A STAGE WAS FINISHED THE COLUMN WAS RAISED ON TO IT AND REPEATED IN THE SAME MANNER IN SUCCESSION UNTIL IT REACHED THE INTENDING TERRACE. AFTER THE INSTALLATION OF THE LAT SOME ORNAMENTAL PRIZES IN BLACK AND WHITE STONES WERE PLACED RUND ITS CAPITAL AND OVER THIS WS RAISED A GUILDED GOPPER CUPULA OR A KALAS INOW MISSING. THE LAT ORIGINALLY APPEARS TO HAVE BEEN UNGLAZED WITH STONE RAILINGS THE ASOKA EDITS OF THIS COLUMN IN BRAHMI WERE FIRST TO BE DECIPHERED IN 1837 JAMS PRINSER.

BESIDES OTHER MINOR REGORDS OF PILGRIMS AND TRAVELERS INSCRIBED ON IT DURING DIFFERENT CENTURIES, THE ONE IN SANSKRIT ENGRAVED IN SAMVAT 1220 (A.D. 1163) RECORDS CONQUESTS OF GHAUHAN PRINCE VISALA DEVE.

مسجد فیروز شاہ

درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے مشرق کی جانب ایک بہت بڑی عالیشان مسجد ہے جس کا گنبد بھی بہت بڑا ہے۔ گنبد کا قطر ۴۸ فٹ ہے۔ یہ مسجد ۱۳۵۳ء میں فیروز شاہ نے تعمیر کروائی۔ کسی زمانہ میں گنبد کے بیچ میں سونے کا کٹورا نصب کیا گیا تھا۔ مسجد کے پانچ بڑے برج ہیں مسجد کے اندر کوفی خط میں قرآنی آیات کندہ ہیں۔ مسجد بہت کشادہ ہے اور اس کا ایک دروازہ درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی طرح کھلتا ہے۔ زائرین یہاں نماز کے بعد آرام کرتے ہیں۔

قلعہ عادل آباد

قلعہ تغلق آباد کے قریب بدرپور کے نزدیک چھوٹا سا قلعہ آتا ہے جو عادل آباد کے نام سے مشہور ہے۔ محمد آباد یا عمارت ہزار ستون کے نام سے بھی موسوم ہے۔ سلطان محمد تغلق شاہ عرف فخر الدین جو غیاث الدین تغلق شاہ کا بیٹا بادشاہ بنا اس نے ۱۳۲۷ء میں یہ قلعہ تغلق آباد کے پاس بنوایا محمد آباد یا عادل آباد نام رکھا یہ قلعہ بھی ایک چھوٹی سی پہاڑی پر واقع ہے۔ یہ قلعہ صرف سیر گاہ کیلئے بنایا گیا تھا۔ آثار الصنادید از سر سید احمد خان کے مطابق شہر تغلق آباد کے دروازے سے اس قلعے کے دروازے تک ایک پل بنایا گیا تھا کیونکہ درمیان میں پانی تھا۔ اس پل کے ساتھ مقبرہ غیاث الدین تغلق کے قریب دیکھے جا سکتے ہیں یہ قلعہ ہزار ستون کے نام سے مشہور ہے۔ اب ہزار ستون کا نام و نشان نہیں رہا۔ سفر نامہ ہند از پروفیسر محمد اسلم کے مطابق یہ قلعہ سلطان محمد بن تغلق کا تعمیر کردہ ہے اسے سلطان العادل کہلانے کا شوق تھا یہ قلعہ اس نے اسی مناسبت سے بنوایا تھا۔ اس کے ایک ہم عصر عالم شہاب الدین حق گو کے لقب سے مشہور تھے ایک بار سلطان نے اس سے کہا کہ وہ اسے عادل کہیں حضرت شہاب نے کہا کہ وہ ظالم کو عادل نہیں کہہ سکتے اس پر سلطان نے حکم دیا کہ انہیں قلعہ کی فصیل پر کھڑا کر کے نیچے گرا دیں۔ اس صدمے سے شہاب الدین کا انتقال ہوا شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے عہد تک ان کی قبر قلعہ کے نیچے موجود تھی یہ قلعہ بھی تغلق آباد کی سڑک سے گزرتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔

سلطان بہلول لودھی جس نے لودھی خاندان کی بنیاد رکھی

دہلی میں جہاں حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کا آستانہ مبارک ہے وہ علاقہ "چراغ دہلی" کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے آستانہ مبارک کے مغرب کی جانب سرخ پتھر سے تعمیر شدہ ایک قدیم عمارت ہے جس کے اندر سلطان بہلول لودھیؒ دفن ہیں۔اس قدیم عمارت میں جو ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔ دو قبریں ہیں۔ ایک قبر سلطان بہلول لودھیؒ کی ہے۔ سلطان بہلول لودھیؒ کا وصال ۱۴۸۸ء میں ہوا سلطان بہلول لودھیؒ کے بیٹے سکندر لودھی نے یہ مقبرہ تعمیر کروایا ہے۔اس کے بارہ در اور پانچ برج ہیں۔ مقامی آبادی نے مقبرہ کی کافی زمین پر قبضہ کر رکھا ہے۔ راقم نے ۱۹۹۷ء اور ۱۹۹۸ء جب حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے حضور حاضری دی اور سلطان بہلول لودھیؒ کا مقبرہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ سلطان بہلول لودھی کی وفات کے بعد جب مقبرہ تیار ہوا تھا بہت پروقار عالی شان تھا۔ اب مخدوش حالت میں ہے حکومت ہند سلطان کے مقبرہ پر خصوصی توجہ دے جس نے ہندوستان میں سلطنت لودھی کی بنیاد رکھی۔

سلطان بہلول لودھی کی پیدائش کا واقع بھی عجیب ہے۔ ملتان کے محلہ کمانگراں میں بہلول لودھیؒ کی والدہ پر مکان کی چھت آگری۔ والدہ موقع پر ہی مر گئی لیکن بہلول لودھی کو ماں کا پیٹ چاک کر کے بچا لیا گیا۔ یہی بچہ بعد میں ایک دیندار، منکسر المزاج، حوصلہ مند، مدبر حکمران ثابت ہوا جس نے برصغیر کی سلطنت کو پارہ پارہ ہونے سے بچا لیا۔ یہ

قانون فطرت ہے فطرت جن ہاتھوں سے کوئی نیک کام لینا چاہتی ہے ان ہاتھوں کو موت نہیں آسکتی۔ بہلول لودھی پیدائش کے وقت بہت کمزور تھے۔

رشتہ دار اسے اپنے ساتھ لے گئے۔ مشکل یہ تھی کہ بچے کے والد ایک جنگ میں مارے جاچکے تھے۔ بچے کے چچا سلطان شاہ نے اپنے یتیم بھتیجے کی پرورش کی۔ بچے کو لوگ پیار سے بلو کہنے لگے۔ بلو کے معنی مقامی زبان میں "تیز دوڑنے والا" کے ہیں۔ بلو بچپن ہی سے نہایت شوخ، ذہین اور تیز تھا۔

جوان ہونے پر بلو خان نے گھوڑوں کی تجارت شروع کر دی۔ وہ افغانستان اور اس سے آگے کے علاقوں سے گھوڑے خرید کر لاتے اور ہندوستان میں فروخت کر دیتے۔

لودھی، دراصل افغانستان کے غلزئی قبیلے کی ایک شاخ کا نام ہے۔ محمود غزنوی کے برصغیر (پاک وہند) پر حملے سے قبل لودھی قبیلے کا خاندان ملتان میں آکر آباد ہو چکا تھا۔

ایک بار بلو خان اپنے گھوڑے لے کر محمد شاہ کے پاس جا پہنچے۔ محمد شاہ نے تمام گھوڑے پسند کئے اور انہیں خرید لیا۔ معاوضے کی ادائیگی اس طرح طے ہوئی کہ محمد شاہ نے ایک پرگنہ (ضلع) کے پورے سال بھر کا محصول بلو خان کے نام لکھ دیا۔ یہ پرگنہ سرکشوں اور باغیوں کا مرکز تھا۔ بلو خان کے ساتھیوں نے محصول وصول کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ بلو خان نے محمد شاہ سے اجازت چاہی کہ محصول کی وصولی کے لئے وہ اپنی مرضی سے کاروائی کرنا چاہتے ہیں۔ محمد شاہ نے کہا کہ اگر تم ان باغیوں کو مطیع بنالو گے تو میں وہ پرگنہ بھی تمہارے حوالے کر دوں گا بلکہ جتنا مال تمہارے ہاتھ لگے گا وہ بھی تمہیں بخش دوں گا۔ چنانچہ بلوخاں نے پرگنہ میں جاکر سخت کاروائی کی اور تمام سرکشوں کو اپنا مطیع و فرمانبردار بنالیا۔

محمد شاہ اس کامیابی پر بہت خوش ہوئے۔ انعام کے طور پر مزید چند پرگنے دے دیئے۔ ملک بہلول کا خطاب دیا اور اپنے پاس ملازم رکھ لیا۔ بہلول سپاہی بن کر دیگر سپاہیوں کی تربیت کرنے لگے۔ ہر سال تربیت یافتہ سپاہیوں کی ایک کھیپ تیار کر کے محمد شاہ کے سامنے پیش کر دیتے۔ محمد شاہ خوش ہو کر اور پرگنے، بہلول کے حوالے کر دیتے۔

اس دور میں بھی بہلول کے چچا سلطان شاہ (اسلام خان) سرہند کے حاکم (گورنر) تھے وہ اپنے بھتیجے بہلول سے بہت متاثر تھے اور ان سے بہت محبت کرتے تھے حتیٰ کہ سلطان شاہ نے اپنے سگے بیٹوں پر بہلول کو فوقیت دیتے ہوئے اعلان کر دیا تھا کہ بہلول ہی میرا جانشین ہوگا۔ انہوں نے اپنی بیٹی کے ساتھ بہلول کی شادی بھی کر دی تھی کچھ عرصے بعد سلطان شاہ کا انتقال ہو گیا۔ بہلول اپنے چچا کے جانشین ہو کر سرہند کے حاکم ہو گئے۔

سید خاندان کے آخری حکمران علاؤالدین عالم شاہ کی حکومت سمٹ کر صرف دہلی تک محدود رہ گئی تھی۔ علاؤالدین عالم شاہ بدایوں چلے گئے تھے۔ کیونکہ انہیں بدایوں بہت پسند تھا۔ ان حالات میں بہلول لودھی نے پیش قدمی

نی اور دہلی کی اس حکومت پر قبضہ کر لیا جو بظاہر اپنی زندگی کے آخری سانس لے رہی تھی ۸۵۵ھ (۱۴۵۱ء) میں بہلول لودھی سلطنت دہلی کے فرنروا بن چکے تھے۔ اس طرح برصغیر میں لودھی خاندان کی حکومت کا آغاز ہوا۔ لودھی خاندان ۸۵۵ھ سے ۹۳۲ھ تک برصغیر پر حکمران رہا اس کے بعد ظہیر الدین بابر نے حکومت سنبھال کر مغلیہ خاندان کی حکومت کی بنیاد ڈال دی۔

سلطان بہلول لودھی نے حکومت سنبھالتے ہی سب سے پہلے پنجاب کی جانب توجہ کی۔ انہوں نے دہلی میں اپنے بیٹے بایزید کو قائم مقام مقرر کیا اور خود ۸۵۶ھ (۱۴۵۲ء) میں دیپال پور کی طرف روانہ ہوئے۔ دیپال پور، پاک پتن سے ۲۸ میل مشرق میں تھا۔ خلجیوں کے عہد میں یہ پنجاب کا دارالحکومت تھا چونکہ لاہور اور ملتان کے وسط میں تھا اس لیے بیرونی حملوں کی روک تھام کے لیے اس کی بڑی اہمیت تھی۔ تیمور کے حملے کے وقت یہ ملتان کے مساوی شہر تھا۔ اپنے 38 سالہ دور حکومت میں بہلول لودھی نے کڑہ، بہرائچ، لکھنؤ، کالپی، بدایوں، دوآبہ کا تمام حصہ، اٹاوہ، گوالیار، سندھ، اودے پور، سنبھل، میوات، کول (علی گڑھ) اور برہاں آباد کو پھر سے سلطنت دہلی میں شامل کر لیا اور پنجاب میں بھی مستحکم اقتدار قائم کر دیا

بہلول لودھی نے اپنی اس وسیع سلطنت کو اپنے بیٹوں اور رشتہ داروں میں تقسیم کر دیا۔ جونپور میں انہوں نے اپنے بیٹے باربک شاہ کو مقرر کیا۔ کڑہ مانک پور عالم خان کو دیا۔ بہرائچ میں اپنے بھانجے شیخ قمر علی کا تقرر کیا۔ لکھنؤ اور کالپی میں خواجہ اعظم ہمایوں کو حکمران بنایا۔ بدایوں میں اپنے عزیز خان جہاں کو مقرر کیا اور دوآبہ کا علاقہ نظام خان کو دیا۔ یہی نظام خان، سکندر لودھی کے لقب سے بہلول لودھی کے بعد مملکت کے فرمانروا بنے۔

بہلول لودھی نے ۸۹۴ھ میں گوالیار کے سرکش راجہ کے خلاف فوج کشی کی۔ راجا نے اسی لاکھ تنکے دے کر اطاعت کا یقین دلایا۔ بہلول لودھی جب اس مہم سے واپس دہلی لوٹ رہے تھے تو راستے میں ان کی طبیعت خراب ہو گئی۔ سکیت کے نواحی قصبے بھداونی (اسے تلاولی بھی لکھا گیا ہے) میں ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کے بیٹے سکندر لودھی نے ان کی میت دہلی بھیج دی جہاں انہیں سپرد خاک کر دیا گیا۔ بعد میں ان کی قبر پر شاندار مقبرہ تعمیر کیا گیا۔ سلطان بہلول لودھی نے 38 سال 8 ماہ 8 روز حکومت کی۔

بہلول لودھی کے نو لڑکے تھے۔ بہلول نے ان میں سے نظام الدین کو اپنا جانشین مقرر کیا جو سکندر لودھی کے لقب سے سلطنت دہلی کے حکمران بنے اور انہوں نے بہت عمدگی کے ساتھ حکومت کی۔ بہلول عالم اسلام کی مرکزیت اور یکجائی کے قائل تھے۔ انہوں نے اپنے دور میں جو سکے رائج کیے ان پر "نائب امیر المومنین" کے الفاظ کندہ کروائے تھے۔ اس سے ظہار ہوتا ہے کہ وہ خود کو عباسی خلیفہ کا نائب تصور کرتے تھے۔ ان کے دور میں ایک سکہ، بہلولی کے نام سے رائج ہوا۔ اس کا نام بہلول لودھی کے نام پر ہی رکھا گیا تھا۔ ان کے دور میں طلائی، نقرئی اور تانبے

کے مختلف اوزان کے سکے جاری کیے گئے۔ سکوں پر کلمہ طیبہ کے علاوہ سلطان کے القاب اور دار الضرب (ٹکسال) کا نام بھی درج ہوتا تھا۔

بہلول لودھی کے عہد میں جو تعمیرات ہوئیں ان پر تیموری اثرات نمایاں ہیں۔ انہوں نے بنگال کی سرحد تک جونپور کی حکومت اور شمالی اور وسطی ہند کو فتح کر لیا تھا چنانچہ ان کی تعمیر کردہ عمارتیں نہ صرف دہلی، مہرولی، خیرپور، سیری، بلکہ سرہند، سکندرہ، آگرہ، بیانہ، دھولپور، سنبھل، میں بھی پائی جاتی ہیں۔

سلطان سکندر لودھی

(جس نے ہندوستان پر تقریباً تیس سال حکومت کی)
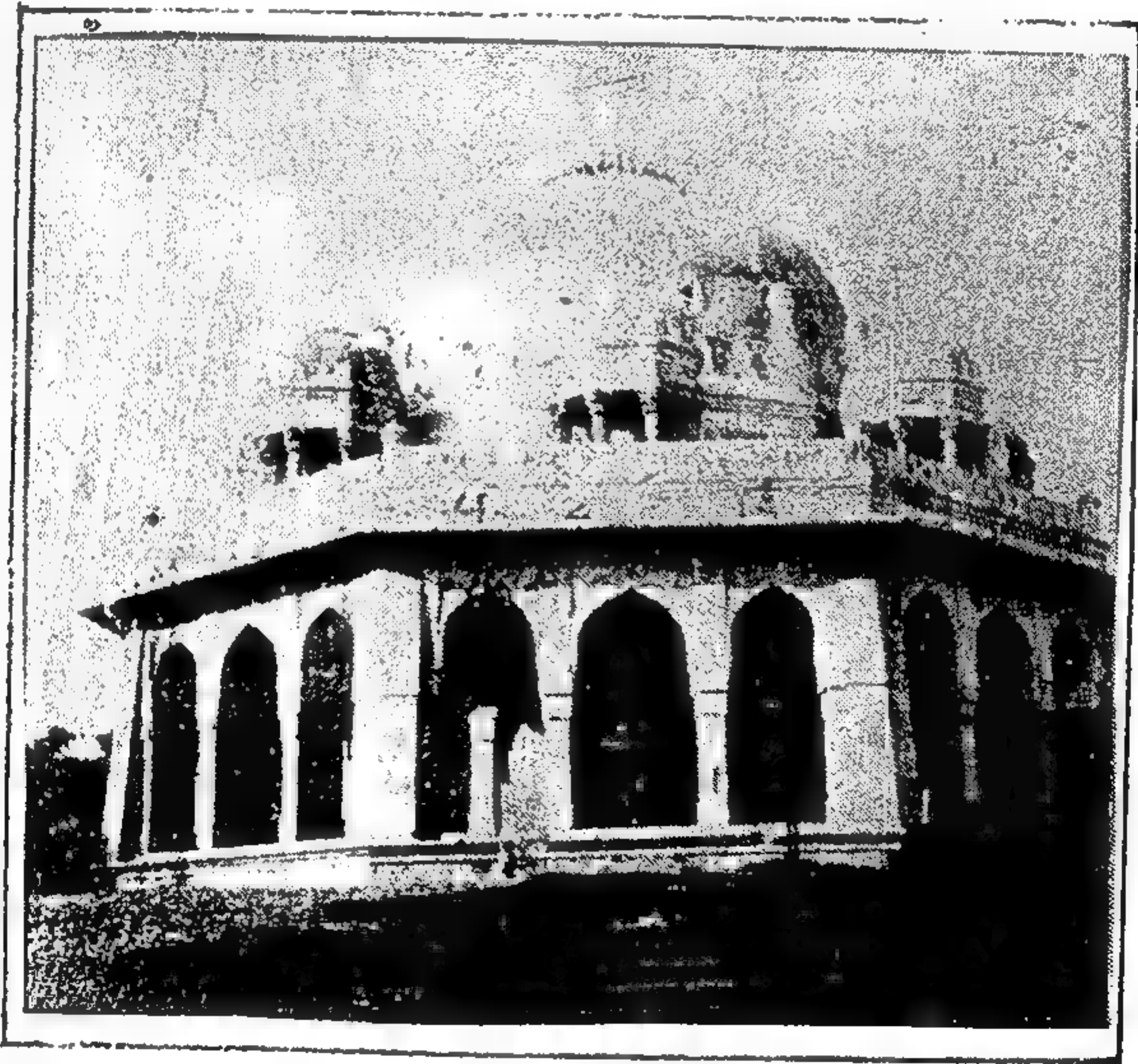
سلطان بہلول لودھی کی وفات کے بعد سلطان سکندر لودھی ۹۴-۱۴۸۸ء میں تخت نشین ہوا۔ جب سکندر تخت نشین ہوا تو اس نے اپنے بھائی باربک سے کہا کہ خطبہ میں اس کا نام پڑھا جائے لیکن باربک نے انکار کیا مجبوراً سکندر کو اس کے خلاف فوج بھیجنی پڑی اور باربک کو مغلوب کرنے کے بعد پھر بدستور اسی عہدہ پر بحال رکھا گیا۔ سکندر کا سارا عہد حکومت باغیوں اور سرکشوں کی سرکوبی میں صرف ہو گیا ان میں بیانہ، جونپور اور اودھ کی مہمیں

خاص طور پر اہمیت رکھتی ہیں جن میں سکندر کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی بیانہ کے قلعہ پر قبضہ کو لیا گیا اور جونپور اودھ کی بغاوتیں بھی پوری طرح ختم کر دی گئیں۔ سلطان سکندر اپنے ظاہری صورت کے لحاظ سے جس قدر حسین وجمیل تھا اسی قدر اس کا باطن پاکیزہ تھا۔ وہ اپنے باپ کی طرح حد درجہ سادگی پسند تھا اور کبھی شاہانہ تکلفات میں اپنا وقت ضائع نہ کرتا تھا۔ وہ خدا سے ڈرتا تھا اور بندگان خدا پر ہمیشہ رحم کرتا تھا۔

بادشاہ کا معمول تھا کہ وہ نماز ظہر ادا کر کے مجلس علماء میں جاتا اور قرآن مجید کی تلاوت کرتا۔ مغرب کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کر کے حرم سرا میں جاتا اور ایک گھنٹہ وہاں قیام کر کے خلوت خاص میں جاتا اور وہاں لوگوں کے شکایتیں سنتا امور سلطنت کی اصلاح کرتا۔ فرمان جاری کرتا اور سلاطین ہم عصر کے نام خطوط لکھتا رات کو بہت کم سوتا بڑے جید علماء سے مذہبی احکام وغیرہ ان سے دریافت کرتا رہتا۔ اس کے بعد کھانا چنا جاتا۔ ساری عمر اسکا یہ معمول کبھی ترک نہیں ہوا۔ سلطان سکندر لودھی نے کثرت سے مسجد تعمیر کرائیں اور ہر مسجد میں ایک واعظ، ایک قاری اور ایک جاروب کش مقرر کیا جن کو ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ موسم سرما میں محتاجوں کو کثرت سے کپڑے اور شالیں تقسیم کی جاتیں اور ہر جمعہ کو ایک مقرر رقم غرباء کو تقسیم کی جاتی۔ رمضان اور ربیع الاول کے مہینوں میں مساکین و مستحقین کو بے دریغ روپیہ دیتا۔ سکندر لودھی کے عہد میں زراعت پر خصوصی توجہ دی گئی۔ چیزیں بہت سستی تھیں تاجر بہت خوش حال تھے اور تمام اہل پیشہ اپنے اپنے مشاغل میں نہایت اطمینان کے ساتھ مصروف نظر آتے تھے۔ سلطنت میں کہیں چوروں اور راہزنوں کا پتہ نہ تھا اور قافلے نہایت امن وسکون کے ساتھ رات دن سفر کیا کرتے تھے۔ سکندر شاہ کے دربار میں ہر وقت علمی چرچہ ہوا کرتا تھا اور یہ فخر اس بادشاہ کو حاصل ہے کہ اس کے عہد میں سب سے پہلے ہندوؤں نے فارسی کی طرف توجہ کی اور مسلمانوں کے علوم حاصل کرنے شروع کیے۔ سلطان سکندر کے عہد میں تصانیف کثرت سے ہوئیں جن میں خود بادشاہ اور اس کے امراء کا ذوق علمی بہت کچھ شامل تھا تاریخ داودی میں لکھا ہے کہ ارکر مہاویدک جو فن طب کے متعلق سنسکرت کی مشہور کتاب تھی۔ فارسی زبان میں طب سکندر شاہی کے نام سے ترجمہ کی گئی طبیبوں حکیموں نے اس سے بہت فائدہ اٹھایا ہے اس نے کئی کارنامے انجام دیئے سکندر لودھی ایک مثالی حکمران تھا۔ سکندر لودھی نے بیماری کے دوران بہت خیرات کی سونا چاندی غرباء میں تقسیم کیا گیا۔ ۱۵۱۰ء میں سکندر لودھی کا انتقال ہوا، اس نے ہندوستان پر تقریباً تیس سال حکومت کی اس کا جنازہ دہلی لایا گیا۔ لودھی گارڈن میں دفن کیا گیا۔ لودھی گارڈن میں لودھی خاندان کے بادشاہوں کے عالی شان مزار ہیں۔

لودھی خاندان آخری فرمانروا

سلطان ابراہیم لودھی
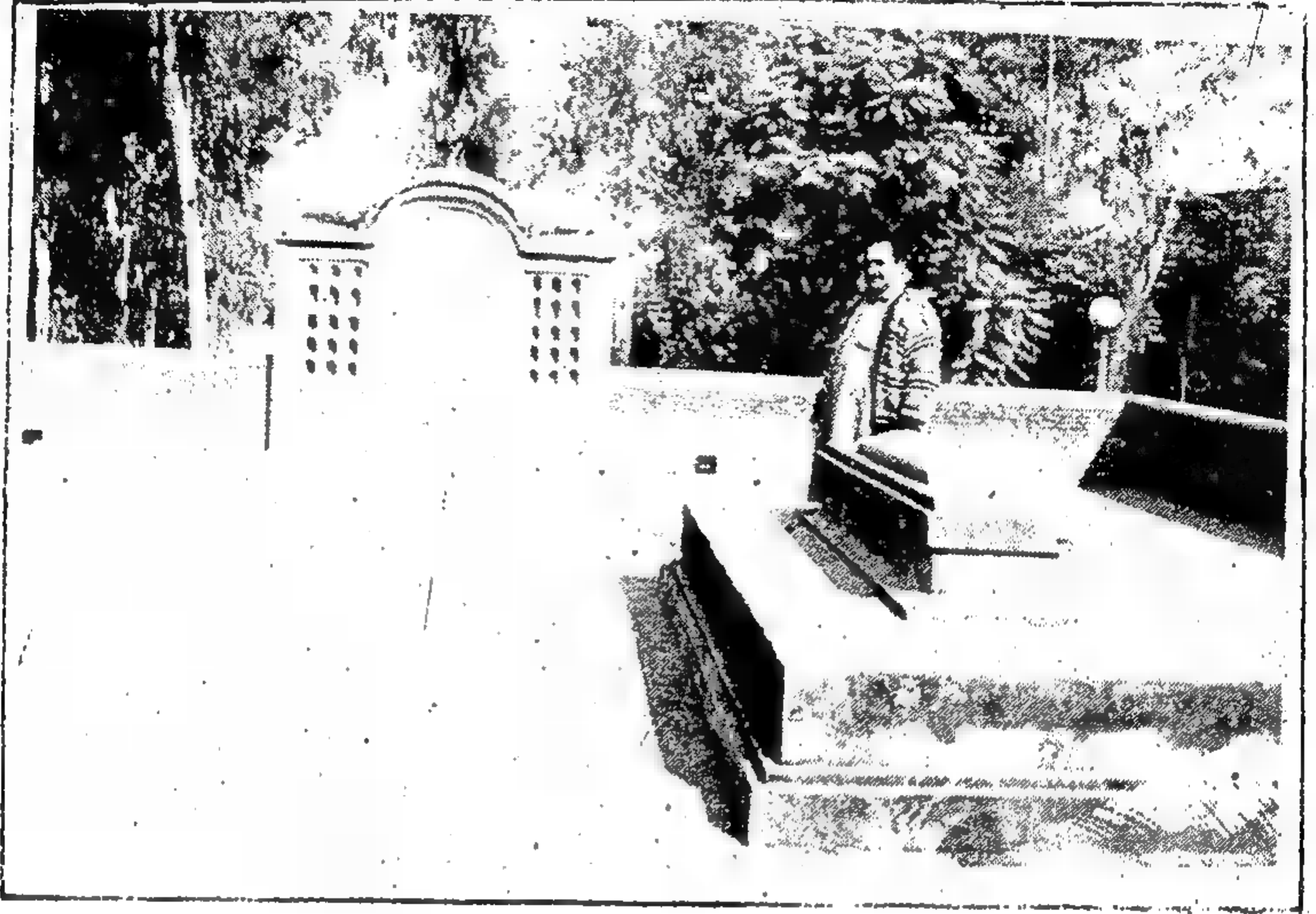
بر صغیر پاک و ہند کی تاریخ میں پانی پت کی سرزمین پر تین جنگیں لڑی گئیں پہلی جنگ ۱۵۲۶ء میں بابر اور ابراہیم لودھی کے درمیان لڑی گئی۔ سلطان ابراہیم لودھی بہادری سے لڑا اور میدان جنگ میں موت کو گلے لگالیا۔ سلطان ابراہیم لودھی کا مقبرہ پانی پت میں پارک کے قریب چھوٹی اینٹوں کے چبوترہ پر تعمیر کیا گیا ہے۔ سنگ مرمر کے پتھر پر مختصر تاریخ لکھی ہوئی ہے قریب پانی کا نالہ بہتا ہے چبوترہ کافی بلند ہے کبھی یہاں میدان جنگ تھا۔ پانی پت میں آبادی قلعہ سے باہر دور دور تک پھیل چکی ہے۔ سلطان ابراہیم لودھی ایک بہادر حکمران تھا وہ میدان جنگ میں پسپائی کے بعد فرار بھی ہو سکتا تھا لیکن اس نے مغل شہنشاہ ظہیر الدین بابر کے سامنے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ سلطان سکندر لودھی نے اپنے دو بیٹے چھوڑے جو حقیقی بھائی ایک ہی ماں سے تھے۔ بڑے کا نام ابراہیم تھا اور چھوٹے کا جلال الدین تھا چونکہ ابراہیم اپنی حسن صفات کی وجہ سے امراء کے طبقہ میں بہت مقبول تھا اور یوں بھی وہ بڑا بیٹا تھا اس لیے ۱۵۱۷ء دہلی کا فرماں روا بنا کے سلطان ابراہیم نے کل ۹ سال تک حکومت کی اور اس کے دوران حکومت میں اگر کوئی خاص بات نظر آتی ہے تو وہ غیر معمولی ارزانی ہے۔

مصنف تاریخ لودی کا بیان ہے کہ سلطان ابراہیم کے عہد میں غلہ کپڑا اور تمام چیزیں ایسی ارزاں تھیں کہ اس سے قبل کبھی نظر نہ آئیں۔ سلطان علاؤالدین خلجی کے عہد میں جو ارزانی تھی وہ جبر و سختی سے پیدا ہوئی تھی لیکن ابراہیم کے زمانہ میں پیداوار اس قدر کثرت سے ہوتی تھی کہ لوگ خود ارزاں فروخت کرنے پر مجبور تھے۔ سلطان لودھی کے وقت میں بھی ارزانی بہت تھی لیکن نہ اس قدر۔ اس کے عہد میں ایک بہلولی سکہ کا دس من آتا تھا۔ پانچ سیر گھی اور دس گز کپڑے کی قیمت بھی ایک بہلولی تھی تانبہ کا سکہ تقریباً پونے دو تولہ کے برابر تھا۔ بادشاہ نے حکم دے دیا کہ لگان میں بجائے روپیہ کے غلہ وصول کیا جائے جس نے سکہ کی قیمت کو گھٹا دیا اور امراء و جاگیرداروں کو مجبور کر دیا کہ اپنے اپنے علاقہ کا غلہ نہایت ارزاں قیمت پر فروخت کریں۔

ایک معزز آدمی معہ اپنے خاندان کے پانچ تنکہ ماہوار کی آمدنی میں نہایت امن و راحت سے زندگی بسر کرتا تھا اور اگر کوئی سوار دہلی سے آگرہ تک کا سفر کرتا تو صرف ایک بہلولی سکہ اس کے، اس کے گھوڑے اور سائیس کے اخراجات کے لیے کافی ہوتا تھا۔ ابراہیم لودھی جب دہلی کا بادشاہ ہوا تو اپنے بھائی سے جونپور کے لیے لڑتا رہا کامیابی کے بعد اس کی ہمت بڑھ گئی۔ اس نے بہادری کے ساتھ گوالیار کا قلعہ راجہ سے چھین لیا کچھ دنوں کے بعد جب اس کو معلوم ہوا کہ بعض امیروں نے اس کے خلاف سازش کی ہے تو ان کو سخت سزائیں دینی شروع کیں یہاں تک کہ ڈر کر تمام امیر ادھر ادھر بھاگ گئے۔ دولت خان لودھی لاہور کے حاکم نے مغلوں کے سردار بابرؒ بادشاہ کو جو کابل پر قابض تھا دہلی فتح کرنے کے لیے بلایا پہلے وبابر نے علاؤالدین لودھی کو جو اس کے یہاں ملازم تھا بطور ہراول کے بھیجا۔ ابراہیم لودھی بھی اس کے مقابلہ کو آیا۔ علاؤ الدین نے اسے شکست دے کر لاہور پر قبضہ کر لیا۔ پھر دہلی کی طرف چلا ابراہیم لودھی بھی اس سے غافل نہ تھا ایک بڑی بھاری فوج لے کر پانی پت کے میدان میں پہنچ گیا بابر کی فوج بھی اس کے مقابلہ کے لیے موجود تھی۔

۱۵۲۶ء میں دونوں کی لڑائی شروع ہوئی ابراہیم کے پاس گو فوج بڑی تعداد میں تھی لیکن ہتھیار اچھے نہ تھے اور فوج بھی تجربہ کار نہ تھی ادھر بابر کی فوج میں تجربہ کار سپاہیوں کے علاوہ ایک توپ خانہ بھی موجود تھا۔ جس سے لودھی کی فوج واقف نہ تھی۔ بابر نے اس توپ خانہ کے ذریعے پہلے دشمن کی فوج کو منتشر کیا اور پھر تجربہ کار فوج کا دستہ لے کر اس طرح حملہ کیا کہ ابراہیم کی فوج ٹھہر نہ سکی۔ ابراہیم خود مارا گیا اور تمام فوج نے بری طرح شکست کھائی۔ بابر فتح پا کر دہلی میں داخل ہو گیا۔

لودھی گارڈن

درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے تھوڑے سے فاصلہ پر لودھی گارڈن ہے درگاہ سے لودھی گارڈن کیلئے بسیں اور رکشے بھی مل جاتے ہیں۔لودھی گارڈن دہلی کا ایک خوبصورت پارک ہے باغ کے عین وسط میں سکندر لودھی کا مقبرہ ہے۔ جس میں کئی قبریں ہیں مقبرہ کے چاروں طرف ہشت پہلو برآمدہ ہے۔ چار دروازے بڑے گنبد کے علاوہ چھوٹے گنبد بھی ہیں جو پتھروں کو تراش کر بنائے گئے ہیں۔یہ مقبرہ بہت نفاست سے شاندار انداز میں بنایا گیا ہے۔ جو ایک بلند چبوترے پر ہے۔یہاں چار بادشاہوں کے مقبرے ہیں ۔سکندر لودھی کا مقبرہ اس کے بیٹے سلطان ابراہیم شاہ ثانی نے ۹۲۲ھ میں تعمیر کروایا تھا۔ سکندر لودھی کی لاش آگرہ سے دہلی لا کر یہاں دفن کی گئی ہے۔

ہندوستان میں مغل سلطنت کا بانی ظہیر الدین بابر

ظہیر الدین بابر ۱۴ فروری ۱۴۸۳ء میں پیدا ہوا۔وہ ابھی گیارہ برس کا تھا کہ اس کے باپ کا انتقال ہو گیا بابر اس کا جانشین ہوا۔بابر کو برسوں کی خاندانی تمنا پوری کرنے کی توقع ہوئی اس نے سمرقند فتح کر لیا جو اس کے خاندان کا دارالسلطنت رہ چکا تھا ۔ مگر وہ اس پر تھوڑے عرصہ تک قابض رہا۔وہ بیمار ہو گیا اور شہر سے جلد نکال دیا گیا۔کچھ عرصہ تک وہ بے خانماں اور جلاوطن رہا لیکن ہمت نہ ہاری۔اس نے اپنے رشتہ داروں سے امداد لی اپنی سلطنت کا ایک حصہ بحال کر لیا۔ سمرقند دوبارہ فتح کرنے کا اسے موقع مل گیا۔اس شہر کے فتح کرنے کی آرزو بابر کو بہت تھی۔یہ شہر محلات اور باغات کا عالیشان شہر تھا۔ سمرقند میں بابر کو بہت عرصہ تک چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا اس کے بڑے دشمن ازبک تھے جو ایک طاقتور مغل قوم تھی انہوں نے ایک جرار فوج جمع کی بابر کو جنگ میں شکست دی۔

بابر نے اپنی سلطنت کی بحالی کی تمام امیدیں ترک کر دیں اور کابل میں اپنی قسمت آزمائی کے لیے ارادہ کر لیا کابل کی سلطنت اس کے خاندان کی تھی کابل پر قبضہ کرنے کے بعد دولت خان نے بابر کو پنجاب میں آنے کیلئے مدعو کیا۔بابر نے فوراً دعوت منظور کر لی اور فوج جرار کے ساتھ پنجاب کو روانہ ہوا اس نے جلدی لاہور پر قبضہ کر لیا۔ بابر اب دہلی کی طرف بڑھا۔ چونکہ اس کی فوج سلطان ابراہیم کے مقابلے میں بہت کم تھی اس لیے اس نے اپنی چھوٹی فوج سے پورا فائدہ اٹھانے کا مکمل انتظام کیا۔بابر نے ہدایت کی کہ توپوں کی گاڑیاں بیلوں کی مروڑدار کھالوں کے ساتھ زنجیر کی طرح جوڑی جائیں۔ ہر ایک دو توپ گاڑیوں کے درمیان چھ یا سات لوہے کے توڑے تھے گول انداز ان توپ گاڑیوں یا لوہے کے توڑے کے عقب میں

کھڑے تھے اور گولہ اندازی کرتے تھے میں پانچ چھ روز تک ان تیاریوں کو مکمل کرنے کے بعد فوجی افسروں کی اصلاح کے بعد وہ پانی پت کی طرف بڑھا جو دہلی سے چند میل ہے یہ ضلع ہند کی تاریخ میں کئی مشہور جنگوں کا مظہر رہا ہے کیونکہ یہ قدرتی جگہ ہے جہاں سے شمالی حملے کا بہترین مقابلہ ہو سکتا ہے ایک ہفتہ کے التواء کے بعد ۲۱ اپریل ۱۵۲۶ء میں جنگ ہوئی ۔بابر کے مقابلے میں سلطان ابراہیم ایک لاکھ فوج لے کر میدان میں آیا۔بابر نے چاروں طرف سے اپنے دشمن کو گھیر لیا۔ بابر کے سخت جنگجو سپاہیوں کے مقابلہ میں ابراہیم لودھی کی فوج ٹھہر نہ سکی۔

سلطان ابراہیم لودھی عظیم الشان فوج آدھے دن کے عرصہ میں زیر ہو گئی۔ہم نے شمار کیا کہ مقتولین کی تعداد میدان جنگ کے مختلف حصوں میں پندرہ سولہ ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ سلطان ابراہیم میدانِ جنگ میں مارا گیا اس طرح پانی پت کی جنگ کا خاتمہ ہوا۔بابر پانی پت کی فتوحات کے بعد دہلی پر قبضہ کرنے کے لیے اپنے افسروں میں سے ایک کو شہر کا چارج دے کر آگے بڑھا۔ تب اس نے بہت سی دلچسپ عمارتوں اور یادگاروں کی سیر کی جو دہلی کی گردونواح میں ملتی ہیں وہ آگرہ گیا اور سلطان ابراہیم کے محل میں قیام کیا۔اب بابر کی فوج ہند کی گرمی سے جس کی وہ عادی نہ تھی بہت تنگ آ گئی۔

اس نے دہلی کی سلطنت فتح کے بعد ہند میں اور بھی طاقت اور حکمران سے واسطہ پڑا جو کے خلاف معرکہ آرائی کرنے لگے۔ ان کے نہایت طاقت ور اودھے پور کا مشہور راجہ سنگرام سنگھ تھا اور وہ سلطان ابراہیم کی طرح کوئی ناتجربہ کار اور کم فہم نہ تھا وہ پیرانہ سال جنگجو تھا جس نے بہت سی جنگیں کی تھیں اور جو اپنے بدن پر سخت جنگوں کے نشانات رکھتا تھا۔ دلاور راجپوت اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔بابر نے اپنے دشمن کے مقابلہ کے لیے نہایت غور سے تیاری کی اس موقع پر اس نے عہد کیا کہ میں شراب خوری کی بری عادت کو ترک کرنے کا مصمم ارادہ کرتا ہوں سونے اور چاندی کے پیالوں کو معہ دیگر ظروف کے جن کو شراب کی انجمن میں استعمال کرتا تھا توڑ ڈالنے کا حکم دیا اور شراب کا استعمال ترک کر دیا جوں جوں ایام جنگ نزدیک آنے لگے بابر کے لوگ خوف و ہراس کی علامت ظاہر کرنے لگے وہ چند ہی آدمی تھے جو اپنے ملک سے دور تھے ان کو معلوم تھا کہ راجپوتوں کی جرار فوج کے سامنے فتح مند ہونا ناممکن ہے بابر نے ان سے حوصلہ افزائی کے الفاظ کہنے شروع کیے بابر اپنی سوانح عمری میں لکھتا ہے۔

"میں نے کل افسروں کی اور عمائد کی کونسل بلائی اور ان سے مخاطب ہوا۔ شرفاء اور سپاہی ہر ایک آدمی جو اس دنیا میں آتا ہے فنا ہو جاتا ہے بدنامی کی زندگی سے رہنے کی نسبت نامور موت بہتر ہے اس لیے ہم ایک رائے ہو کر خدا کی قسم کھائیں کہ ہم میں سے کوئی اس جنگ سے منہ موڑنے کا خیال نہ کریگا اور نہ میدان جنگ سے پیٹھ دکھائے گا جب تک اس کے بدن میں روح ہے ۔ ان الفاظ نے فوج میں حوصلہ پیدا کر دیا۔ سب نے قرآن کی قسم کھائی کہ وہ اپنے بادشاہ کا ساتھ آخر دم تک

ہیں گے۔ ۱۶ مارچ ۱۵۲۷ء کو دونوں فوجوں میں کنواہ کے مقام پر جو آگرہ سے دور نہیں تھا مقابلہ ہوا۔ ایک دفعہ پھر بابر کی جنگی ہنر مندی اور اس کے آدمیوں کی شجاعت نے فتح کا دن دیکھا۔ اس نے بڑی فتح پائی اور راجپوت فوج تباہ ہو گئی۔ تمام جنگوں کے بعد اب بابر کو ذرا فرصت ملی اس کی صحت ہندوستان کی آب وہوا کی وجہ سے متاثر ہونا شروع ہو گئی تھی اور بخاروں کے حملوں سے اس نے بہت تکلیف اٹھائی لیکن اس میں اب بھی بہت طاقت تھی دریائے گنگا میں لمبی ترائی اور دور دراز کی سواری جو معمولی آدمی کو تھکا دیتیں اسکی روزانہ زندگی کے کام تھے۔

اب وہ آگرہ میں مستقل طور پر قیام پذیر ہوا وہاں بڑی شان سے دربار کرتا، بابر نے اپنے قدیم سپاہیوں کو فراموش نہ کیا اس کے وفادار ہمراہی جو اس کے وطن سے ساتھ آئے تھے اور جن کی امداد سے اسے تخت نصیب ہوا تھا ان کو بڑے بڑے تحائف اور جاگیریں عطا ہوئیں۔ مغل شہنشاہوں کی طرح بابر کو عمارتوں اور باغات بنانے کا شوق تھا نئی عمارتوں اور باغات سے آگرہ کی خوبصورتی میں اضافہ کیا۔ تھوڑے ہی دنوں بعد اس کے بیٹے ہمایوں کو بخار چڑھ گیا اور اس کے بچنے کی امید نہ تھی وہ بیٹے کے پلنگ کے گرد گیا۔ تین مرتبہ طواف کیا، دعا مانگی کہ بیماری بیٹے کے بجائے اس کو لگ جائے باپ کی دعا قبول ہوئی اور ہمایوں ٹھیک ہو گیا۔ لیکن بابر نے اپنی جان بیٹے کی صحت یابی کی قیمت میں ادا کی۔ قریب المرگ بابر نے ہمایوں کو اپنا جانشین نامزد کیا۔ ۲۵ دسمبر ۱۵۳۰ء مطابق ۹۳۷ھ کو بابر اڑتالیس برس کی عمر میں آگرے میں جاں بحق ہو گیا۔ ہمایوں بیارہ برس کی عمر میں تخت نشین ہوا بابر کی نعش کابل لے گئے اور باغ نور افشاں میں دفن کیا جس سے اسے بہت انس تھا۔

مقبرہ ہمایوں اور شہنشاہ نصیر الدین ہمایوں کے حالات زندگی

A WORLD HERITAGE MONUMENT

"HUMAYUN'S TOMB" HAS BEEN INSCRIBED ON THE WORLD HERITAGE LIST OF THE CONVENTION CONCERNING THE PROTECTION OF THE WORLD CULTURAL AND NATURAL HERITAGE. INSCRIPTION ON THIS LIST CONFIRMS THE EXCEPTIONAL UNIVERSAL VALUE OF A CULTURAL OR NATURAL SITE WHICH DESERVES PROTECTION FOR THE BENEFIT OF ALL HUMANITY.

دہلی میں سب سے بڑی اور عظیم الشان عمارت ہمایوں بادشاہ کا مقبرہ ہے یہ مقبرہ وسیع رقبہ میں ہے چار دیواری بھی ہے جس میں ہمایوں بادشاہ کے علاوہ ایک سو ستاون شہزادوں اور شہزادیوں کی قبریں ہیں اس احاطہ میں ہمایوں کی بیوی حمیدہ بانو اور شہزادہ دارہ شکوہ کا مقبرہ ہے تمام مزار پختہ اور سنگ سرخ سے تعمیر ہیں اور مقبرہ ہمایوں میں آخری مغل بادشاہ
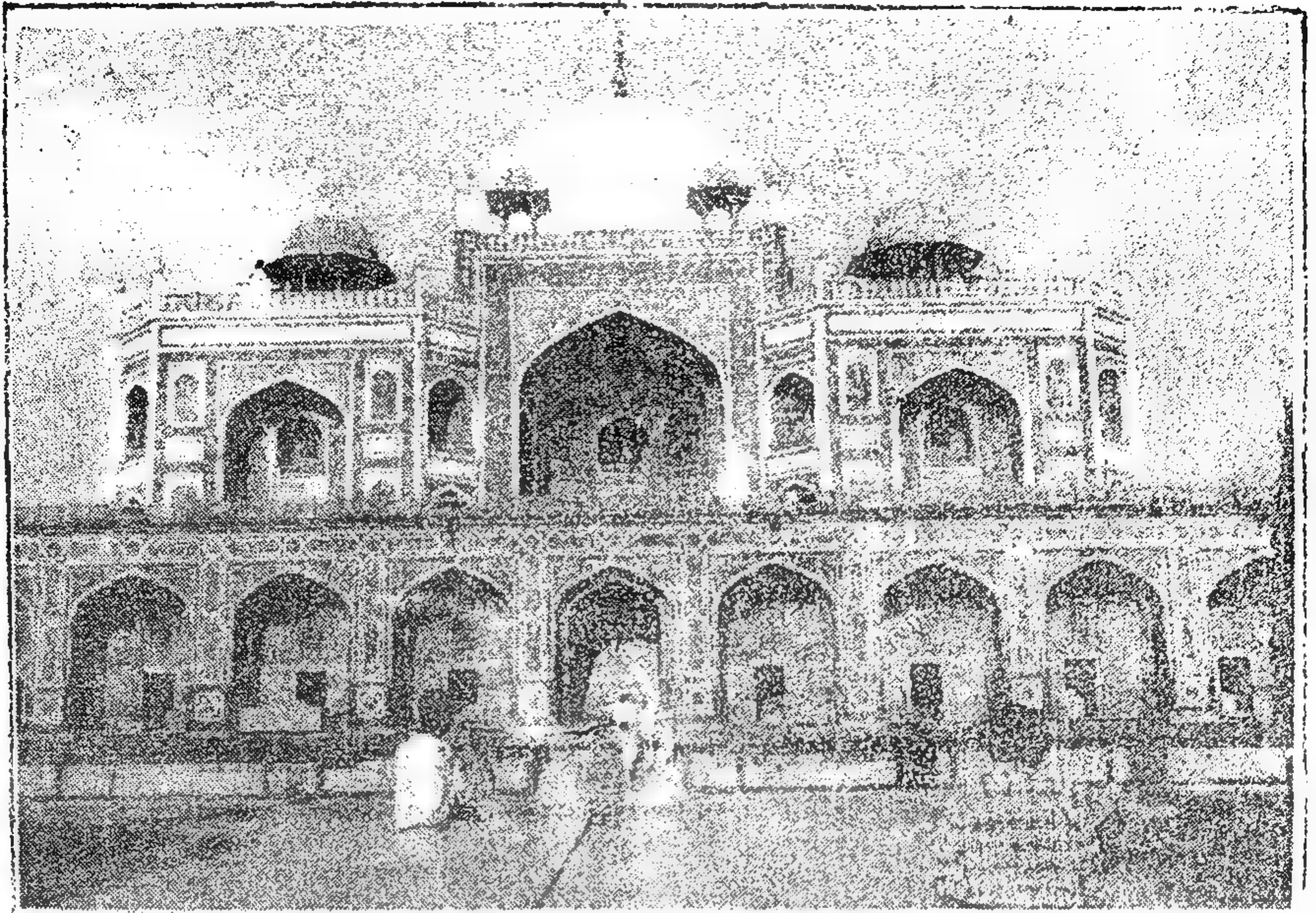
مقبرہ نصیر الدین ہمایوں

بہادر شاہ ظفر نے پناہ لی تھی اسے انگریزوں نے یہاں سے گرفتار کیا تھا۔ دہلی میں یہ سب سے بڑی عمارت ہے۔ برصغیر میں مغلوں کی یہ پہلی عظیم الشان عمارت ہے یہ مقبرہ ایک بلند کرسی پر تعمیر کیا گیا ہے گنبد سنگ مرمر کا ہے باقی عمارت سرخ پتھر سے تعمیر کی گئی ہے۔ مقبرہ ہمایوں میں مینار تعمیر نہیں کیے گئے۔ مقبرہ ہمایوں کے گردونواح لاتعداد مقبرے ہیں ان میں ایک مقبرہ پر یہاں افغان دور کا ایک نامور امیر عیسیٰ خان کا مقبرہ ہے جو افغان طرز تعمیر کا نمونہ ہے۔ مقبرہ عیسیٰ خان کے قریب مسجد بھی ہے۔ مقبرہ عیسیٰ خان میں چھ قبریں ہیں یہ تمام قبریں عیسیٰ خان کے خاندان کی ہیں۔ مقبرہ ہمایوں میں پارک اور اعلیٰ قسم کے خوشنما درخت ہیں آثار الصنادید از سر سید احمد خان کے مطابق مقبرہ ہمایوں ۱۵۶۵ء میں نواب حاجی بیگم جو ہمایوں بادشاہ کی بیوی تھی نے ۱۴ جلوس اکبری میں اس مقبرے کو بنانا شروع کیا سولہ سال کے عرصہ میں پندرہ لاکھ روپے کے خرچ سے تیار ہوا۔ مغل خاندان کا قبرستان بھی یہیں ہے۔ مقبرہ ہمایوں بہت خوبصورت ہے چاروں طرف سے ایک جیسا نظر آتا ہے صحن میں حوض اور فوارے ختم ہو چکے ہیں۔ مقبرہ میں داخلہ ٹکٹ ۲ روپے ہے معلومات کے لیے گائیڈ مل جاتے ہیں۔ ہر روز یورپ کے سیاحوں کی بڑی تعداد مقبرہ ہمایوں دیکھنے کے لیے آتی ہے مقبرہ ہمایوں میں عرب سرائے، عیسیٰ خان کی مسجد، عیسیٰ خان کا مقبرہ، ہمایوں بادشاہ کی بیگمات دختران، اورنگزیب کے لڑکے شہزادہ دارہ شکوہ کے علاوہ کسی مغل شہزادہ کا مقبرہ جو سرخ پتھر سے تعمیر کیا گیا ہے۔ مقبرہ کے اندر دو قبریں ہیں۔

ہندوستان میں مغل سلطنت کے بانی ظہیر الدین بابر کی وفات کے بعد ہمایوں ۹ جمادی الاول ۹۳۷ھ میں تخت نشین ہوا۔ بابر کے زمانہ میں اکثر جنگوں میں شریک ہوا تھا۔ انتظام سلطنت سے واقف تھا اور تعلیم یافتہ بھی تھا مگر اس کو ناکامی کا منہ اکثر دیکھنا پڑا۔ بابر نے بھائیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی وصیت کی تھی چنانچہ اس نے بھائیوں کو بڑی جاگیریں اور عہدے دیئے مرزا کامران کو کابل اور قندھار عطا کیے عسکری کے حصہ میں سنبھل آیا اور الور مرزا ہندال کو دیا گیا۔ افغانوں کی طاقت پورے زور سے ختم نہیں ہوئی تھی مغلوں سے حکومت واپس لینے کے متمنی تھے۔ ہمایوں کا مخالف گجرات کا بادشاہ بہادر شاہ تھا۔ اس نے سلطنت بہت بڑھائی تھی اور راجپوتانہ کو فتح کرنا چاہتا تھا ادھر ہمایوں کا خزانہ خالی تھا اور فوج بھی کم تھی ہمایوں کو جونپور کے قریب چند افغان سرداروں کی بغاوت فرو کرنی پڑی۔ پھر کالنجر فتح کر کے بہار کی طرف گیا۔ شیر شاہ نے اطاعت قبول کرلی۔ پھر گجرات کا بادشاہ جو طاقتور تھا۔ اس کے پاس ہمایوں کے درباری امراء چلے گئے تھے اور مشورہ ہو رہا تھا کہ مغلوں سے حکومت لے لی جائے۔ چنانچہ بہادر شاہ نے چتوڑ فتح کیا اور مندسور آیا۔ ہمایوں شیر خاں سے صلح کر کے گجرات کی طرف روانہ ہوا۔ بہادر شاہ سے مقابلہ ہوا۔ بہادر شاہ شکست کھا کر مانڈو پہنچا۔ ہمایوں نے پیچھا کیا پرتگیزیوں کے پاس ڈیو چلا گیا۔ اور ۱۵۳۷ء میں سمندر میں گر کر مر گیا۔ مغل گجرات پر قابض ہو گئے۔ مرزا عسکری وہاں کا حاکم مقرر ہوا۔ ہمایوں نے چمپانیر کا قلعہ فتح کرنا چاہا اور بڑی بہادری کا ثبوت دیا۔ مگر گجرات میں بغاوت ہو گئی۔ مرزا عسکری احمد آباد چھوڑ کر آگرہ چلا آیا۔ یہی زمانہ تھا کہ فرید خان شیر شاہ بن چکا تھا۔ شیر شاہ سوری سے شکست کھا کر ہمایوں ایران کی طرف بھاگ گیا۔

ہمایوں قنوج کی لڑائی کے بعد پنجاب: سندھ اور راجپوتانہ کے ریگستانوں میں مارا مارا پھرا۔ اسی زمانہ میں امر کوٹ کے قلعہ میں ۱۵۴۲ء میں اکبر پیدا ہوا۔ ہمایوں نے قندھار کا رخ کیا اس کا بھائی عسکری حکمران تھا اس نے ہمایوں کی مدد بھی نہ کی آخر کار ایران چلا گیا یہاں شاہ طہماسپ نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور جب ۱۵۴۵ء میں قندھار پر ہمایوں نے حملہ کیا تو شاہ نے مدد کی ہمایوں کامیاب ہوا۔ پھر کابل پر یلغار کی اور قبضہ کر لیا پھر اپنی سلطنت افغانوں سے واپس لے لی۔ شیر شاہ کے جانشین کمزور تھے پنجاب پر سکندر لودھی کا قبضہ تھا۔ ہمایوں نومبر ۱۵۵۴ء میں پندرہ ہزار سوار لے کر کابل سے روانہ ہوا اور لاہور پر قبضہ کر لیا اور سرہند کے قریب ماچھی واڑہ میں سکندر لودھی کو شکست دی اور ۱۵۵۵ء میں ہمایوں ایک فاتح کی حیثیت سے دہلی میں داخل ہوا۔ اس نے شہنشاہ اکبر اور بیرم خان کو سکندر کا پیچھا کرنے کے لیے پنجاب ہی میں چھوڑ دیا تھا۔ ہمایوں کی بدقسمتی سامنے آئی اس کامیابی کے چھ مہینے بعد ہی وہ سیڑھیوں سے پھسل کر گر گیا اور چند دن بعد ۲۶ جنوری ۱۵۵۶ء میں دنیا سے رخصت ہو گیا۔

اس کی موت کی خبر فوراً بیرم خان کو بھیجی گئی بیرم خان سمجھدار آدمی تھا۔ اس نے بہت جلد انتظام کر کے اکبر کی تخت نشینی کا اعلان کیا اور کلانور ضلع گورداسپور میں رسم تاجپوشی ادا کی گئی۔ ہمایوں بہادر اور اعلیٰ قابلیت رکھتا تھا پھر وہ عملی اقدام اٹھانے میں دیر کر دیتا تھا جس کی وجہ سے نقصان اٹھانا پڑا۔ اہل علم کا قدر دان تھا، شاعر بھی تھا وہ احسان فراموش نہ تھا ہمایوں کی یہ قابلیت کبھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی اپنی کھوئی ہوئی سلطنت پھر قائم کی اور دوبارہ مغلیہ حکومت کی بنیادیں استوار کر گیا اور ایک مضبوط حکومت کی بنیاد رکھی۔

مغل سلاطین صاحب علم و فضل تھے اور ان کے درباروں سے علماء وابستہ رہے اور وہ ملک میں علم و تعلیم کا فیض پہنچاتے تھے۔ مختلف شہروں میں مدرسے قائم تھے اور پچھلے فرماں رواؤں کے طرز پر ان کے مصارف شاہی خزانے سے ادا ہوتے تھے نیز ملک میں جابجا علماء کے وجود سے مدرسے جاری تھے ہمایوں کو علم ہیئت و ہندسہ کا شوق تھا اس عہد کے باکمال ہیئت دان مولانا نور الدین ترخان اس کے دربار سے وابستہ تھے وہ کبھی خود ان سے درس لیتا اور کبھی ان کی فنی مشکلات حل کرتا۔ ہمایوں کے عہد میں دو نئے اہم مدرسے لائق ذکر ہیں ایک زین الدین خوانی کا مدرسہ آگرہ میں جہاں وہ مدفون ہوئے اور دوسرا دلی کا ایک مدرسہ جس میں شیخ حسین مدرس تھے۔

ہمایوں کے مقبرے کے قریب انگریزی میں مختصر تاریخ درج ہے

HUMAYUN'S TOMB

THIS TOMB WAS BUILT IN 1565 HUMAYUN'S WIDOW / BEGA BEGAM POPULARLY KNOWN AS HAJI BEGAM NINE YEARS AFTER HER HUSBAND'S DEATH. IT IS THE FIRST SUBSTANTIAL EXAMPLE OF THE MUGHAL ARCHITECTURE. WITH OCTAGONAL PLAN. LOFTY ARCHES PILLARED KIOSKS AND DOUBLE DOME. WHICH OCCURS HERE FOR THE FIRST TIME IN INDIA. IT IS ALSO THE FIRST STANDARD EXAMPLE IN INDIA OF THE GARDEN-TOMB CONCEPT WITH CHARBAGH (GRID OF SQUARES) LAY-OUT. CHANNELS AND FOUNTAINS. WHICH CULMINATED IN THE TAJ MAHAL AT AGRA.

THE ENCLOSURE HAS TWO LOFTY DOUBLE-STOREYED GATEWAYS ONE ON THE WEST AND THE OTHER ON THE SOUTH A BARADARI (PAVILION) OCCUPIES THE CENTER OF THE EASTERN WALL OF THE ENCLOSURE AND A BATH-CHAMBER THAT OF THE NORTHERN WALL SEVERAL MUGHAL PRINCES, PRINCESSES AND RULERS INCLUDING BEGA BEGAM THE BUILDER OF THE TOMB LIE BURIED HERE. IT WAS IN THIS TOMB IN 1857 THAT BAHADUR SHAH II. THE LAST MUGHAL EMPEROR OF DELHI HAD TAKEN SHELTER WITH HIS THREE SONS AND WAS CAPTURED BY LIEUTENANT HODSON.

BU-HALIMA'S GARDEN AND TOMB:

THIS IS INNER FACE OF THE GATEWAY OF THE SO-CALLED BU-HALIMA'S GARDEN, WHICH EXISTED BEFORE THE RISING OF HUMAYUN'S TOMB. THE COLOURED-TILE DECORATION, TRACES OF WHICH STILL EXIST ON THE EXTERIOR FACING THE HUMAYUN'S TOMB. COMBINED WITH SANDSTONE ORNAMENTATION BOTH SET IN PLASTER LEND IT A PICTURESQUE CHARM.

THE PLATFORM TO THE NORTHWEST OF THE GATE IS BELIEVED TO BE THE REMAINS OF BU-HALIMA'S TOMB WHO THIS LADY WS IS NOT KNOWN BUT SHE MUST HAVE OCCUPIED AN IMPORTANT POSITION IN THE CONTEMPORARY SOCIETY. IT IS DOUBTFUL IF THE GARDEN WAS ORIGINALLY LAID FOR THIS TOMB, WHICH IS NOT IN ITS CENTRE. THE GATEWAY AND WALLS APPEAR, HOWEVER TO HAVE BEEN PRAISED IN THE SIXTEEN CENTURY IN THE MUGHAL PERIOD.

آدھے دن کا بادشاہ نظام سقہ مدفن شاہ نیم روز بہشتی
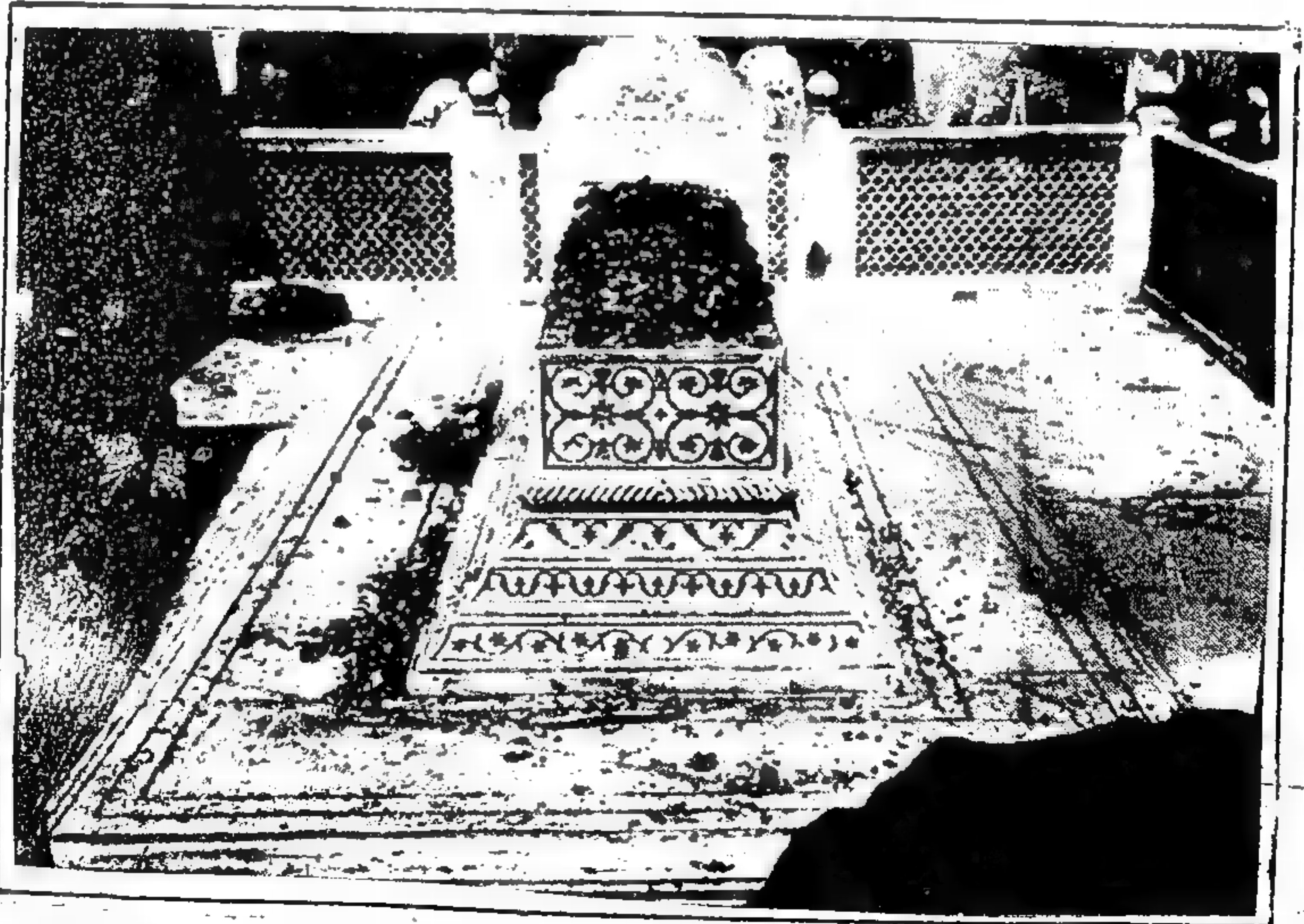
شہنشاہ نصیر الدین ہمایوں شیر شاہ سوری سے شکست کھانے کے بعد ایران کی طرف بھاگ رہا تھا شکست

خوردہ ہمایوں بے یارومددگار تھا۔ جب دریائے گنگا عبور کر رہا تھا دریا میں طغیانی تھی قریب تھا کہ ہمایوں بادشاہ

ڈوب جائے نظام سقہ (بہشتی) نے جب بادشاہ کو ڈوبتے دیکھا اپنی مشک (مشکیزہ) میں ہوا بھر کر مشکیزہ کا منہ بند کر کے سینہ سے باندھ کر دریا میں چھلانگ لگا دی اور بادشاہ کو ڈوبنے سے بچا لیا۔ ہمایوں نے وعدہ کیا کہ اگر وہ دوبارہ ہندوستان کا بادشاہ بنا تو اسے ضرور انعام دے گا ایک یاداشت نظام سقہ کو لکھ کر دی۔ چنانچہ ہمایوں جب دوبارہ ہندوستان کا بادشاہ بنا نظام سقہ (بہشتی) ہمایوں بادشاہ کی تحریر کردہ دستاویز لے کر دربار میں پیش ہوا چنانچہ ہمایوں نے نظام سقہ کو آدھے دن کے لیے ہندوستان کا بادشاہ بنا دیا۔ نظام سقہ نے آدھے دن کے لئے ہندوستان پر حکمرانی کی اور اپنی مشک کاٹ کاٹ کر چمڑے کے سکے جاری کیے بادشاہ سے خواہش ظاہر کی کہ مرنے کے بعد اسے درگاہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے احاطہ میں دفن کیا جائے چنانچہ نظام سقہ کو مرنے کے بعد اجمیر شریف دفن کیا گیا نظام سقہ کا مزار درگاہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی درگاہ میں ہے۔ قبر سنگ مرمر سے تعمیر کی گئی ہے تعویز قبر پر خوشنما بیل بوٹے ہیں مقبرہ کے اردگرد سنگ مرمر کی جالیاں نصب ہیں قبر کے سرہانے مدفن شاہ نیم روز بہشتی لکھا ہوا ہے اور ہمایوں بادشاہ کی دریا میں جان بچانے کی مختصر تاریخ درج ہے۔

سوری خاندان کا بانی شیر شاہ سوری

شیر خان کا اصلی نام فرید تھا۔ حسن خان جاگیر دار سہسرام کا بڑا لڑکا تھا۔ ۱۴۹۴ء میں جونپور گیا۔ عربی، فارسی تاریخ و فقہ میں مہارت حاصل کی۔ تاریخ سے اس کو دلچسپی تھی۔ بہادری اور فاتحانہ سرگرمیوں کو گرہ میں باندھتا رہتا تھا۔ اس زمانہ میں جب حسن خان جونپور آیا اور شیر خاں کو گھر واپس۔ لے گیا اور جاگیر کا انتظام سپرد کیا اس نے اس چھوٹی سی جاگیر کی حالت بہتر کر دی۔ مگر اس کی سوتیلی ماں نے وہ صورت پیدا کر دی کہ شیر خاں گھر سے نکل گیا۔ پہلے سلطان ابراہیم لودھی کے دربار میں پہنچا ابراہیم اور بابر میں پانی پت کے مقام پر مقابلہ ہوا۔ ابراہیم لودھی کا خاتمہ ہوا۔ بابر دہلی کے تخت کا مالک بن گیا۔

شیر خاں بابری دربار تک پہنچا۔ ایک سال رہا۔ بابر کے دستر خوان پر شریک تھا۔ تلوار سے روسٹ بکرے کی ران کاٹ کر اٹھائی۔ بابر کو شک گزرا یہ شخص مغل سلطنت کیلئے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ وہ بار بار شیر خان کو دیکھتا۔ کھانا کھا کر شیر خاں چلتا ہوا۔ بابر نے مہتمم سے کہا شیر خاں کو بلاؤ۔ اس نے تلاش کیا تو اس کا پتہ نہ لگا۔ بابر نے کہا افسوس! خطرناک شخص دام سے نکل گیا۔ یہاں سے شیر خاں بہار پہنچا اور بہار خاں الخاطب سلطان محمد کے پاس پہنچا اور چند روز میں مقرب بارگاہ ہو گیا شیر کے مارنے پر شیر خان کا خطاب پایا اور اس کے نابالغ لڑکے جلال خاں کا اتالیق مقرر ہوا۔ سلطان محمد

مرنے کے بعد جلال خان تخت حکومت پر بیٹھا اور سلطان محمد کی حرم نے عنان حکومت سنبھالی۔ شیر خان نائب بنایا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ملکہ انتقال کر گئی تو شیر خاں اکیلا مختار کل ملک بہار ہو گیا۔ مگر سرداران لوحانی نے جلال خاں کو اپنا ھمنوا بنا لیا۔ شیر خاں وطن چلے آئے۔ لوحانی، جلال خاں کو شاہ بنگال کے پاس بہکا کر لے گیا۔ شیر خان نے فوج بھرتی کرنی شروع کر دی۔ ادھر شاہ بنگال سلطان محمود نے بہار پر قبضہ کرنے کیلئے ابراہیم پسر قطب شاہ کو لشکر دیکر بھیجا۔ شیر خاں فوج لے کر مقابل ہوا۔ آخر ش ابراہیم کام آیا لوحانی بہت سے کھیت رہے۔ جلال خان بھی ابراہیم کے ساتھ تھا۔ اس معرکہ میں خزانہ وہاتھی سب شیر خان کے ہاتھ لگے۔ ملک بہار کا شیر خاں مالک ہوا۔ اس نے تھوڑے دنوں میں اپنے علاقہ کی حالت سدھارلی اور رعایا امن وامان سے رہنے لگی۔

ہمایوں نے شیر خاں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روکنے کی کوشش کی لیکن شیر خاں نے صلح کرلی ہمایوں گجرات گیا۔ شیر خان نے بہار کی سلطنت پر قبضہ کر لیا اور بنگال کے کچھ حصہ پر بھی عمل دخل کیا۔ ہمایوں گجرات سے لوٹا۔ پوری فوج ساتھ تھی۔ چنار پر حملہ کر کے قلعہ کو مسخر کیا چنار کا قلعہ نکل جانے کی خبر سن کر شیر خاں نے اپنے خاندان کے لوگوں کو اتھاس کے قلعہ میں بھیج دیا اور خود وہاں سے چل دیا۔ ہمایوں نے چنار اور جونپور کا محاصرہ کر لیا اور جب ہمایوں واپس ہوا گنگا کے قریب اس کو پٹھانوں نے روکا۔ چونسہ کے میدان میں لڑائی ہوئی جس میں مغلوں کو شکست ہوئی اور ہمایوں جان بچا کر بھاگا۔ جب وہ گنگا عبور کر رہا تھا نظام سقہ نے مدد کی ہمایوں ڈوبنے سے بچا۔ اس کے صلے میں نظام سقہ کو چند گھنٹوں کی بادشاہت ملی۔ نظام سقہ کا مزار اجمیر شریف میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی درگاہ کے قریب ہے۔

چونسہ کی لڑائی کے بعد شیر خاں نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا اور شیر خان کا لقب اختیار کیا۔ ہمایوں دوبارہ فوج ٹھیک کر کے افغانوں کے مقابلہ پر آیا۔ قنوج کے میدان میں دونوں فریق بڑی بہادری سے لڑے لیکن پھر مغلوں کو شکست ہوئی وہ بھاگ نکلے اور ہمایوں کو سلطنت چھوڑ کر جانا پڑا۔ شیر شاہ نے پنجاب تک ہمایوں کا پیچھا کیا اور کھوکھروں کو شکست دے کر شمالی پنجاب اور سرحدی ضلعوں پر قبضہ کیا۔ اس کے بعد اس نے مالوہ، سندھ اور رائے سین کو اپنی سلطنت میں شامل کیا۔ پھر راجہ جودھپور سے مقابلہ کر کے اس کو شکست دی اور راجپوتانہ کے اکثر حصے سوری سلطنت میں شامل کر لیے۔ پھر شیر شاہ نے کالنجر کا محاصرہ کیا بارود میں آگ لگ جانے سے شیر شاہ زخمی ہوا۔ قلعہ تو فتح ہوا لیکن ۲۲ مئی ۱۵۴۵ء کو یہ لائق فائق بادشاہ پانچ سال کی مختصر حکومت کے بعد مر گیا۔ اس وقت اس کی حکومت تمام شمالی برصغیر میں قائم ہو چکی تھی۔ یہ کوئی معمولی کام نہ تھا لیکن شیر شاہ کا سب سے بڑا کارنامہ اس کا وہ نظام حکومت تھا جس کی بنیادوں پر مغلوں نے اپنی مضبوط اور پائیدار سلطنت قائم کی۔

شیر شاہ نے اپنی سلطنت کو ۴۷ حصوں میں تقسیم کیا تھا جو سرکار کہلاتے تھے۔ ہر سرکار میں کئی پرگنے ہوتے

تھے اور ہر پرگنہ میں ایک شقدار، ایک امین، ایک منصف، ایک خزانہ دار اور چھوٹے سرکاری افسر کام کرتے تھے۔ ان کے علاوہ پٹواری، مقدم اور چوہدری بھی ہوتے تھے۔ جو مالگزاری جمع کرتے تھے۔ شیر شاہ نے زمین کی پیمائش کرائی۔ اس کے بعد پیداوار کا ایک چوتھائی حصہ حکومت وصول کر لیتی تھی۔ سرکاری مالگزاری نقد بھی دی جا سکتی تھی اور جنس کی شکل میں بھی۔ کسان اس طرح سے خوشحالی کی زندگی بسر کرنے لگے خشک سالی کے موقعہ پر ان کی مدد ہوتی۔ اسی طرح فوجی انتظام میں اصلاحیں کیں اس نے علاؤالدین خلجی کے فوجی انتظام کو نہیں اپنایا۔ یعنی گھوڑوں پر داغ لگانا۔ شیر شاہ کی فوج میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ سوار اور پچپن ہزار پیادے تھے۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مہربانی سے پیش آتا تھا رعایا پر ظلم نہیں کرتا تھا جو فوجی رعایا پر تشدد کرتا اس کو سخت سزا دیتا تھا۔

شیر شاہ نے رفاع عام کے بہت سے کام کیے ایک سڑک بنگال سے پنجاب تک آگرہ سے راجپوتانہ دوسری برہان پور جاتی ہوئی لاہور سے ملتان تک نکالی۔ ہر منزل پر سرائیں، مسجد، کنواں تعمیر کرایا۔ سڑک کے دونوں طرف درخت لگوائے۔ ہندو مسلمانوں کے لیے سراؤں میں کھانے، رہنے کا انتظام رہتا۔

پانچ سال کے اندر اس نے سلطنت کا ایسا انتظام کیا کہ پیش رونہ کر سکے سلطنت کے ہر معاملہ کو خود دیکھتا اور اس کا انتظام کرتا۔ کاش اسی عظیم الشان بادشاہ کو چند سال اور مل جاتے تو وہ ہندوستان میں ایسے کام کر جاتا جس کا ذکر رہتی دنیا تک رہتا۔ دینہ کے قریب روہتاس کا قلعہ بھی شیر شاہ سوری کے دور میں تعمیر ہوا۔ یہ قلعہ دنیا کے عظیم قلعوں میں شمار ہوتا ہے جس کا ذکر راقم کی لکھی ہوئی کتاب "سیالکوٹ سے خیبر تک" میں موجود ہے۔

صبح کو بہت سویرے اٹھتا۔ نماز فجر کے بعد قرآن مجید کی تلاوت کرتا وظائف سے فارغ ہو کر سلطنت کے کام میں لگ جاتا۔ دوپہر کو کھانا کھا کر کچھ آرام کرتا۔ پھر انتظام سلطنت میں مشغول ہو جاتا۔ نماز کا بڑا پابند تھا۔ اسلام کا متوالا تھا احکام اسلامی کا سختی سے متبع تھا۔ رعایا کو بھی پابند بنانا چاہتا تھا۔ علماء صوفیاء کا احترام کرتا تھا۔ مختصر یہ کہ شیر شاہ کی ہستی تاریخ میں مایہ ناز ہستی ہے۔

شیر شاہ سوری کی تعمیر کردہ شاہراہیں

شیر شاہ سوری نے اپنے دور میں کئی بڑی شاہراہیں تعمیر کروائیں جن میں ایک سرائے شاہراہ قلعہ رہتاس سے جو کہ اس نے پنجاب میں تعمیر کرائی۔ سنار گاؤں تک جو کہ بنگلہ دیش میں دریائے شور خلیج بنگال کے ساحل پر واقع ہے شاہراہ دوم آگرہ پایہ تخت سے برہان پور تک جو کہ ملک دکن جنوبی ہند کی سرحد کے اندر واقع تھی بنوائی۔ شاہراہ سوم آگرہ سے چتوڑ تک، چوتھی شاہرہ آگرہ پایہ تخت سے جودھپور اور چتوڑ راجپوتانہ تک بنوائی۔ پانچویں شاہراہ لاہور سے ملتان تک تعمیر کروائی۔ ان میں سے ہر سرائے کے دو الگ الگ حصے ہوتے تھے جن کے مرکزی دروازوں پر پانی سے

بھرے مٹکے دھرے رہتے تھے ان سے مسلمان اور ہندو مسافروں کو پانی فراہم کیا جاتا تھا۔ سرائے میں مسلمانوں کی خوردونوش کا انتظام کرنے کے لیے اس نے مسلمانوں کے لیے مسلمان اور ہندوؤں کے لیے ہندو ملازم مقرر کیے جو ان کے لیے سردی گرمی کی مناسب سے ٹھنڈا اور گرم پانی کھانا اور چارپائیاں اور ان کے سواری کے جانوروں کے لیے چارہ اور دانہ مہیا کرتے تھے۔ اس کا حکم تھا کہ ان سرکاری سراؤں میں قیام پزیر ہونے والے مسافروں کو ان کے مقام و مرتبہ کے مطابق غذا اور ان کے سواری کے لیے جانوروں کو سرکاری خرچ پر چارہ اور دانہ فراہم کیا جائے ایسی ہر سرائے کے قریب مسافروں کی سہولت کیلئے گاؤں آباد کیے جن میں خرید و فروخت کے لیے بازار بنوائے جہاں پانی کی بہم رسانی کے لیے پختہ اینٹوں کے کنوئیں تعمیر کرائے ان سراؤں سے ملحقہ دیہات میں مساجد بنوائیں جن میں سے ہر ایک میں ایک ایک امام اور موذن مقرر کیا اس کے علاقہ اور ان سراؤں میں نظم و نسق بر قرار رکھنے کے لیے کوتوال اور اسپاہی بھی متعین کیے جن کی تنخواہ متعلقہ سرائے کے اخراجات سے ادا کی جاتی تھیں۔

شیر شاہ سوری نے شاہراہوں پر ہر دو کوس پر واقع اس سراؤں کو آپس میں مربوط رکھنے کے لیے ان میں ڈاک چوکیاں بھی قائم کیں جن میں دو گھڑ سوار ہمہ وقت مستعد رہتے تھے جس کی وجہ سے ان شاہراہوں پر دور و نزدیک پیش آنے والے تمام واقعات کی خبر اسے اسی روز مل جایا کرتی تھی۔ اس نے ان شاہراہوں کے دونوں طرف میوہ دار اور سایہ دار درخت لگوائے تاکہ مسافر گرم موسم میں ان کے سائے تلے سفر کریں جب تھک جائیں تو ان کے نیچے ستالیں اور اگر کسی سرائے میں اتریں تو ان کے سائے میں اپنے گھوڑے باندھ سکیں۔ اس نے ان شاہراہوں کی حفاظت کے لیے خصوصی قوانین وضع کیے اور اپنے حکام کو انتہائی سخت احکام جاری کرتے ہوئے کہا کہ اگر میری سلطنت میں چوری یا ڈاکے کی واردات ہوئی اور مجرموں کا پتہ نہ چلا تا اس کی سزا اس علاقہ کے نمبردار (مکھیا) کو دی جائے گی۔ جہاں یہ واردات ہوئی ہوگی اور اگر کسی علاقہ میں کوئی قتل ہوگا تو اس علاقہ کو گردونواح کے تمام نمبرداروں کو گرفتار کرلیا جائے گا۔ اگر متعلقہ نمبردار قاتلوں کی نشاندہی کردے گا تو اس کو شرعی قوانین کے مطابق سزا دی جائے گی۔ وگرنہ اس نمبردار کو جس کے حلقے میں خون ہوا ہوگا۔ قتل کردیا جائے گا اس کو یقین تھا کہ چوری یا ڈاکے کی وارداتیں نمبردار کی ملی بھگت کے بغیر وقوع پذیر نہیں ہوسکتیں۔ یہی وجہ تھی کہ اس عہد سلطنت میں دیہات کے نمبردار خود اپنے علاقے کی دیکھ بھال کرتے تھے کہ مبادا کوئی رہزن کسی راہ گزر کو نقصان پہنچائے جو اس کے لئے ندامت اور ہلاکت کا باعث بن جائے۔ اسی لئے اس کی سلطنت میں اگر کوئی بوڑھی عورت بھی زروجواہر سے بھری ٹوکری سر پر دھرے کسی شاہرلو سے گزرتی تو کوئی چور یا ڈاکو اس کے قریب بھی نہیں پھٹکتا تھا۔

شہنشاہ ہند اکبر اعظم
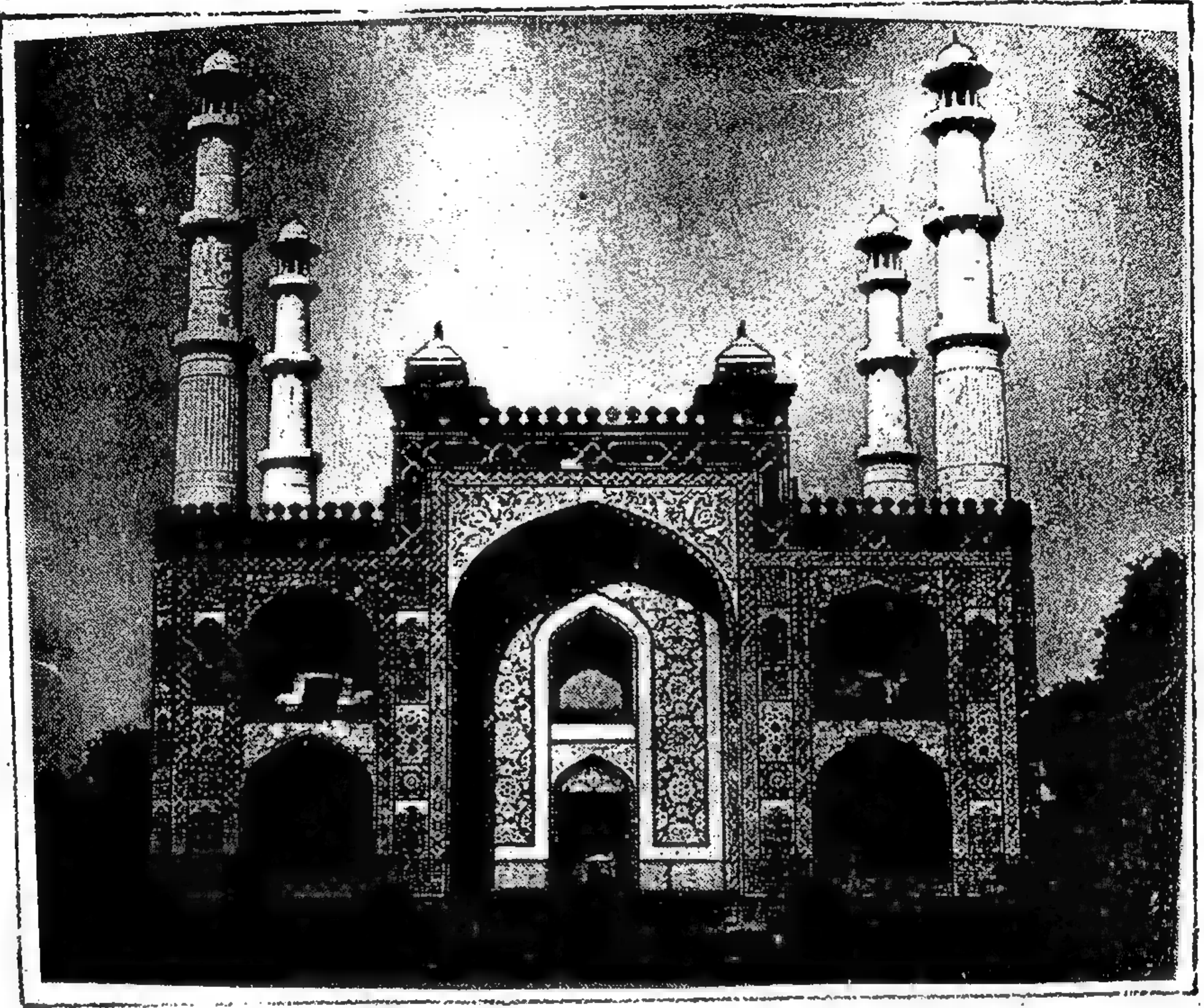
اکبر جسے مورخین اکبر اعظم کے نام سے پکارتے ہیں، ہندوستان کے ان شہنشاہوں میں تھا جو صدیوں کے وقت کو لمحوں میں سمیٹ لیتے ہیں اور ایسے ایسے کارنامے کر جاتے ہیں جن کے نقوش برس ہا برس تک صفحہ ہستی پر باقی رہتے ہیں۔

اکبر کا پورا نام جلال الدین محمد اکبر تھا۔ اس کا باپ ہمایوں اور ماں حمیدہ بانو بیگم تھی۔ ہمایوں اور حمیدہ بیگم جلاوطنی کے دوران اگست ۱۵۴۲ء میں عمر کوٹ جاگزیں ہوئے۔ یہیں ۱۵ اکتوبر ۱۵۴۲ء کو اکبر پیدا ہوا۔ اس تاریخ ولادت پر ڈاکٹر اے ایل سری واستوا، پروفیسر عبدالرشید، ابوالفضل اور نظام الدین کا اتفاق ہے۔ اکبر کی پیدائش کی اطلاع ہمایوں کو ملی تو وہ خوشی سے پھولا نہ سمایا مگر اس کی مالی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ اس موقع پر ہمایوں نے اپنے خیمے میں تقریب منعقد کی اور ایک رکابی میں مشک نافہ رکھ کر اس کے دانے امراء میں تقسیم کیے اور کہا "اپنے بیٹے کی ولادت کی خوشی میں، میں صرف یہی تحفہ پیش کر سکتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ میرے اس بیٹے کی شہرت اسی طرح چار دانگ عالم میں پھیلے گی جس طرح آج اس خیمے کے کونے کونے میں خوشبو رچی ہوئی ہے۔"

حقیقت بھی یہی ہے کہ "صحرائے سندھ اور دور جلاوطنی میں پیدا ہونے والا بچہ اکبر اعظم بنا اور دنیا کے عظیم ترین انسانوں میں شمار ہوا"۔ اکبر کا بچپن اپنے باپ کی مشکلات کے طوفان سے بچ سکا۔ جب ہمایوں سندھ سے شاہ ایران کے پاس جا رہا تھا تو مستونگ کے مقام پر عسکری حملہ آور ہوا۔ ہمایوں کو کمزور حالت کے سبب حمیدہ بیگم کو لے کر ایران بھاگنا پڑا اور شیر خوار شہزادہ کو پیچھے چھوڑ دیا۔ اس وقت اکبر ایک سال کا تھا۔ عسکری نے اکبر کو پرورش کی خاطر اپنی بیوی سلطانہ بیگم کے سپرد کر دیا۔ کابل اور قندھار کے قبضہ کے بعد اکبر اپنے ماں باپ سے مل سکا تین سالہ شہزادے نے والدین کو پہچان لیا۔ یہاں شہزادے کی ختنہ ہوئی اور اعلیٰ پرورش کا انتظام کیا گیا۔ اکبر کی تعلیم و تربیت پر پوری توجہ دی گئی مگر شہزادہ کا رجحان کبوتر بازی، شمشیر زنی، شہسواری اور شکاری کتوں کی پرورش کی طرف تھا۔ اسے حروف ابجد تک یاد نہ ہوسکے اسکے باوجود وہ بلا کا ذہین اور جنگی ماہر تھا۔

مرزا ہندال کی وفات کے بعد اکبر کو غزنی کا حاکم بنایا گیا۔ وہ ۱۵۵۴ء تک گورنری کرتا رہا۔ غزنی میں منعم خاں نے اکبر کی نگرانی کے فرائض سرانجام دیے۔ ۱۵۵۵ء میں سکندر سوری کو سرہند کے مقام پر شکست ہوئی تھی۔ فتح اکبر کے نام منسوب کر دی گئی۔ دہلی پر قبضہ کے بعد ہمایوں کی موت کے وقت اکبر بیرم خاں کے ساتھ گورنر پنجاب کی سرکوبی میں مصروف تھا۔ اس وقت اس کی عمر تیرہ سال اور چند ماہ تھی۔ واپسی پر کلانور کے مقام پر اسے ہمایوں کی وفات کی خبر ملی، فوج میں کہرام مچ گیا۔ امراء اور جرنیلوں نے رسومات کے مطابق ماتم کیا اور پھر اکبر کی رسم تاجپوشی ادا ہوئی اور اکبر کی بادشاہت کا اعلان کیا گیا۔ اکبر نے کم عمر ہونے کے باعث بیرم خاں کو اپنا اتالیق مقرر کیا جس نے سلطنت کے سیاہ و سفید کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

جب ہمایوں فوت ہوا تو سوا تیرہ سالہ شہزادہ اکبر پنجاب میں سکندر سوری کے خلاف مہم کی کمان کر رہا تھا۔ اطلاع پہنچتے ہی اس کے اتالیق بیرم خاں نے فوری طور پر گورداس پور کے قصبے کلانور میں اینٹوں کا تین فٹ اونچا "18-"18 مربع فٹ کا ایک سادہ سا چبوترہ بنا کر ۱۴ فروری ۱۵۵۶ء کے دن اکبر کی تاجپوشی کی رسم ادا کر دی۔ ڈاکٹر سمتھ کے الفاظ ہیں: "یہ محض ہندوستان کے تخت پر دعویٰ کا اعلان تھا ورنہ اس وقت عظیم مغل شہنشاہ کی سلطنت اس چبوترے سے کچھ تھوڑی ہی زیادہ تھی!" کیونکہ افغانستان اور شمالی کوہستان میں اکبر کے سوتیلے بھائی حکیم مرزا نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا تھا۔ مشرقی صوبوں کے حاکم عادل شاہ سوری کے جرنیل ہیمو بقال نے مغل گورنر تردی بیگ کو شکست دے کر دہلی، آگرہ اور دوآب سے نکال دیا تھا جب کہ پنجاب میں سکندر سوری ابھی مان کوٹ کے قلعہ سے جنگ جاری رکھے ہوئے تھے۔ اکبر کے چغتائی، ازبک اور ایرانی امراء نسل پرستی اور فرقے بازی میں مبتلا ہو کر باہم دست و گریباں تھے۔ جب تردی بیگ نے ہیمو کے ایک لاکھ سپاہیوں اور تین ہزار ہاتھیوں کی پیش قدمی کی اطلاع دی تو مغل فوج کابل واپس جانے کی ضد کرنے لگی۔

جنگ سرہند کے فاتح اور وکیل سلطنت بیرم خاں نے صورت حال پر قابو پانے کے لیے تردی بیگ پر بزدلی اور غداری کا الزام لگا کر اسے پھانسی دے دی جس سے دیگر امراء خوف زدہ ہو گئے اور جنگ لڑنے کا فیصلہ کر لیا گیا حالانکہ کامیابی کی کوئی امید نظر نہیں آتی تھی کیونکہ ہیموں نہ صرف ۲۲ بڑی لڑائیوں کا فاتح اور تجربہ کار جرنیل تھا بلکہ اس کے پاس کئی سو توپیں بھی تھیں تاہم اس کا بھاری بھر کم لشکر بڑی بے ترتیبی کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا غالباً اسے توقع تھی کہ مختصر سی فوج گھبرا کر ہندوستان سے نکل جائے گی۔ اکبر اور بیرم خاں کے جرآت مندانہ فیصلے نے ہندو لشکر کو ناگہانیت کا شکار بنا دیا اور مغل ہراول کے ازبک سالار علی قلی خاں شیبانی نے دشمن کے مختلف دستوں کو مرتکز ہونے سے پہلے ہی حملہ کر کے شدید نقصان پہنچا دیا اور ہیموں کے توپ خانے پر قبضہ کر لیا۔

۵ نومبر ۱۵۵۶ء کو پانی پت کی دوسری جنگ لڑی گئی۔ اکبر نے حسب سابق بابر کی طرح صف بندی کی، توپوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ اس کے ۲۰ ہزار سپاہیوں تک دشمن کا پہنچنا ناممکن ہو گیا۔ سکندر ازبک میمنہ، عبداللہ ازبک میسرہ اور علی قلی خاں شیبانی قلب کا سالار تھا خود بیرم خاں ریزرو شہسواروں کی کمان کر رہا تھا جب کہ اکبر کو قلب کے پیچھے ایک بلند بکن محفوظ مقام پر متعین کیا گیا جہاں سے وہ ساری فوج کی نگاہ میں رہے مگر خطرے سے دور ہو۔ ہیموں کے لشکر میں آدھے سے زیادہ ہندو تھے جو رام راجیا کی خاطر فیصلہ کن جنگ لڑنے آئے تھے۔ مگر مغل توپ خانے اور صف بندیوں نے ہر حملہ روک لیا۔ علی قلی خان شیبانی نے جوابی حملہ کیا تو ہیموں جرات سے کمان کرتا ہوا محاذ کی اگلی صف میں پہنچ گیا جہاں ایک مغل تیر انداز نے اس کی آنکھ کو نشانہ بنا کر اسے ہاتھی کے ہودے میں گرا دیا آنکھ سے اوجھل ہوتے ہی اس کی فوج میدان سے فرار ہو گئی۔ ہیموں گرفتار ہوا اور اکبر نے اس کا سر قلم کر دیا۔ نومبر ہی میں مغل دہلی پر تیسری بار قابض ہو گئے۔ مغلیہ سلطنت تباہ ہونے سے بچ گئی اور رام راجیا کا خواب منتشر ہو کر رہ گیا۔

مغل سلطنت کا احیاء بیرم خاں کا مرہون منت تھا۔ اس نے چار سال تک اکبر کے وزیر اعظم کی حیثیت سے حکومت کی لیکن ایرانی اور پانی پت کی جنگ میں فتح کے بعد اکبر نے فتوحات کا ایک نیا باب کھول لیا کیونکہ اس کا قول تھا کہ "ایک حکمران کو ہمیشہ فتوحات میں مشغول رہنا چاہیے اور فوج کو ہمیشہ جنگ میں مصروف رکھنا چاہیے ورنہ سپاہی فن حرب کے ماہر بننے کی بجائے تن پرور ہو جائینگے" لہذا ۱۶۰۱ء تک مالوہ، جونپور، چنار، مرتھا، گونڈوانہ، رنتھمبور کالنجر، گجرات، بہار، بنگال، کابل، کشمیر، سندھ، بلوچستان، قندھار، چتوڑ، اڑیسہ فتح ہوئے، جے پور، مارواڑ، جیسلمیر، بیکانیر، جودھپور اور دیگر راجپوت ریاستوں نے اطاعت قبول کر لی۔ وندھیاچل سلسلہ کوہ پار کر کے مغل فوجوں نے احمد نگر، اسیر گڑھ، برہان پور، بیدر، برار، اور خاندیش پر قبضہ کر لیا جس کے بعد شہزادہ سلیم کی بغاوت کی وجہ سے شہنشاہ کو واپس لوٹنا پڑا۔ بقول ڈاکٹر سری ستوانہ: "اکبر نے اپنے مفتوحہ علاقوں کے بارے میں ایک منظم حکمت

عملی کو اپنایا۔ جونہی کوئی علاقہ فتح ہوتا وہاں نظام مالیہ اور انتظامی اصلاحات نافذ کر دی جاتیں، عوامی مفاد کا پورا خیال رکھا جاتا۔ اپنے پیشروؤں کے برعکس اس نے تمام صوبوں میں ایک ہی نوعیت کا انتظام سلطنت نافذ کیا جس سے قومی وحدت کے قیام کا مستقل راستہ ہموار ہو گیا۔"

اکبر کو مورخین "مغل اعظم" قرار دیتے ہیں، اس کا عہد جن امتیازی خصوصیات کا حامل ہے ان میں فتوحات کے بعد راجپوت پالیسی، مذہبی پالیسی، دین الٰہی، دکن پالیسی، نظام مالیہ اور منصبداری سسٹم سرفہرست ہیں۔

اکبر کے عہد میں اشیاء کی قیمتیں کم تھیں چند روز مرہ کے استعمال کی اشیائے خوردنی کی قیمتیں نیچے دی جاتی ہیں۔

گندم ۱۱ آنے من چنے ۱۴ آنے ۶ پائی من جو ۷ آنے من چاول بہترین قسم ۶ روپے ۳ آنے من چاول معمولی قسم ایک روپیہ ۲ آنے من مونگ ایک روپیہ من ماش ۱۴ آنے ۶ پائی من موٹھ ۱۱ آنے من جوار ■ آنے من، آٹا ایک روپیہ ۴ آنے، گھی ۵ روپیہ ۴ آنے ۶ پائی من دودھ ایک روپیہ ۶ آنے ۶ پائی من نمک ۱۴ آنے ۶ پائی من چینی فی سیر ۵ آنے ۶ پائی مندرجہ اوزان موجودہ اوزان کے دو تہائی ہیں۔

اس زمانے میں مزدوروں کی اجرت بہت کم تھی ایک مزدور کو تقریباً روزانہ دو آنے معاوضہ ملتا تھا لکڑی کا کام کرنے والوں کو یومیہ اجرت موجودہ ■ آنے سے ۶ آنے تک تھی ایک اچھے کاریگر کی اجرت موجودہ پونے دو روپے سے زیادہ نہ تھی ان کم اجرتوں کے باوجود بھی مزدور پیشہ لوگ نہایت خوشحال تھے کیونکہ اشیائے خوردنی کی قیمتیں کم تھیں گندم، دودھ اور گھی کی افراط تھی۔ اس لئے عوام نہایت خوشحالی کی زندگی بسر کرتے تھے۔

ہندوستان کا انجینئر بادشاہ ابو المظفر شہاب الدین محمد شاہجہان
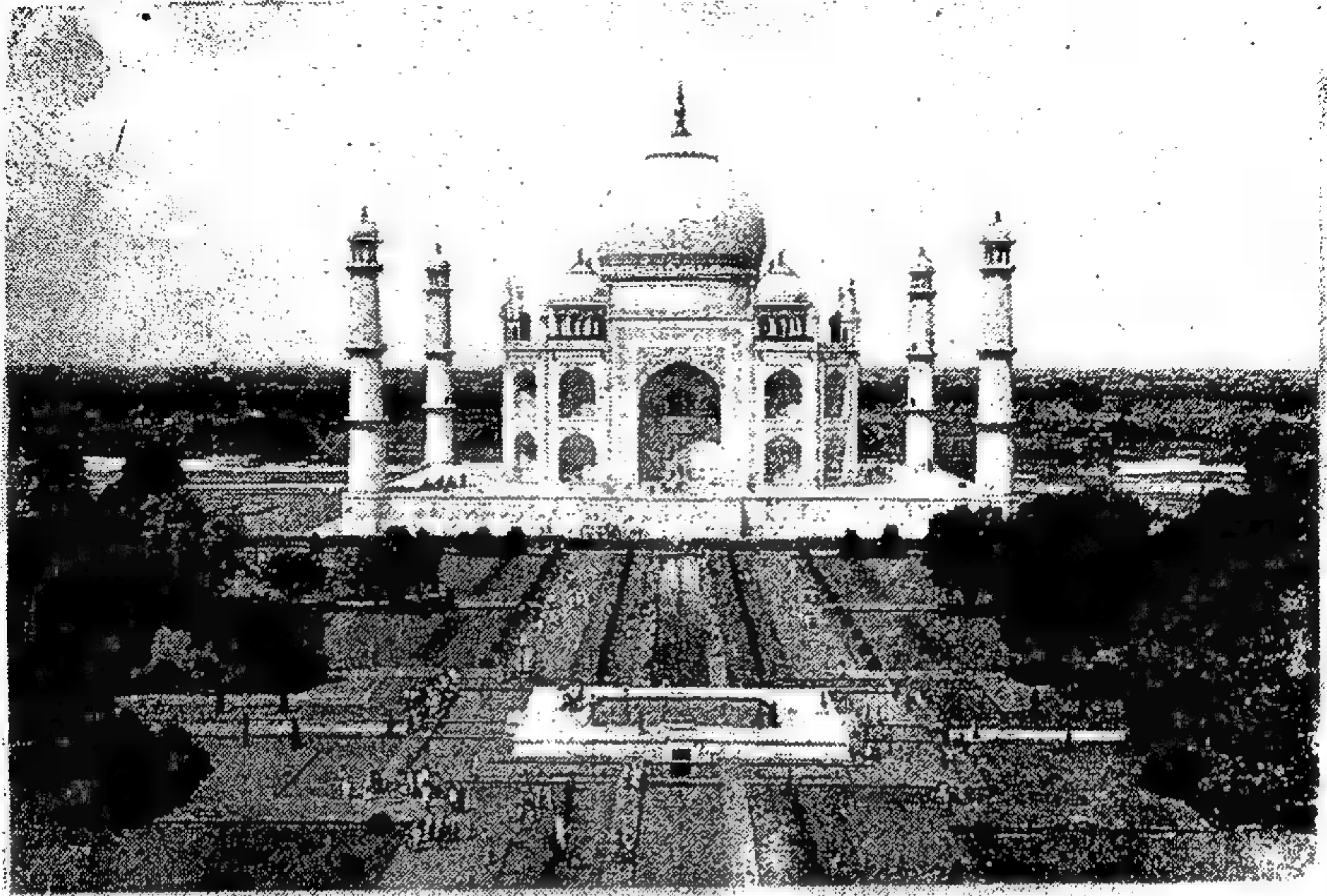
شاہجہان کا پہلا نام خرم تھا اور جہانگیر کا تیسرا بیٹا تھا۔ وہ راجپوت رانی جگت گوسین کے بطن سے ۱۵۹۲ء میں لاہور میں پیدا ہوا تھا۔ اکبر بادشاہ اپنے پوتے کو بہت پسند کرتا تھا۔ اور خرم کو بھی اپنے دادا سے بڑی محبت تھی۔ شاہجہان کو بہترین تعلیم و تربیت مہیا کی گئی وہ خداداد صلاحیت سے مالامال تھا اور جلد ہی علم و ادب میں طاق ہو گیا۔ شاہجہان اپنی شکل و شباہت اور آداب و اطوار سے شائستہ اور مہذب تھا۔ حالات ظاہر کر رہے تھے کہ جہانگیر شاہجہان کو اپنا وارث منتخب کرے گا۔ ۱۶۰۷ء میں شہزادے کو ۸ ہزاری ذات اور ۵ ہزاری سوار کا منصب عطا کیا گیا۔ ایک سال بعد حصار فیروز کی جاگیر اسے عطا کی گئی اپریل ۱۶۱۲ء کو شہزادہ خرم کی شادی ارجمند بانو بیگم (المعروف ممتاز محل) بنت آصف خاں سے انجام پائی۔ نور جہاں شہزادہ خرم کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کو دیکھ کر اپنے منصوبے بنا رہی تھی اس نے شہزادے کو خوش کرنے کے لیے جہانگیر سے سفارش کی اور خرم کا منصب بڑھا کر تیس ہزاری ذات اور بیس ہزاری سوار کر دیا گیا...... شاہجہان کی جسمانی، سیاسی اور عسکری صلاحیتوں سے سبھی باخبر تھے۔ ان تمام صفات سے خوش ہو کر جہانگیر سے شاہجہان کو اپنے تخت کے قریب جگہ دے دی۔ ۶ فروری ۱۶۲۸ء کو شاہجہان تخت نشین ہوا۔ شاہجہان نے تخت نشین ہو کر درباریوں اور امیروں پر انعامات کی بوچھاڑ کر دی آصف خان کو اعلیٰ مناصب ملے، مہابت خان خانخاناں کو بھی بلند عہدے دیے گئے۔ شاہجہان نے خلاف شرع قوانین منسوخ کر دیے۔ شمسی سالوں کی بجائے قمری سال کا اجراء کیا اور سن ہجری کو فروغ دیا

گیا...... سجدہ...... کی رسم اکبر اور جہانگیر کے دور میں رائج تھی شاہجہان نے اسے منسوخ کر دیا۔ شاہجہان کی تخت نشینی کے بعد بغاوتیں رونما ہوئیں جن پر اس نے قابو پالیا۔

شاہجہان ایک زیرک، دلیر، حساس اور سیاسی تدبر سے مالا مال شخص تھا وہ سپاہی بھی تھا اور جرنیل بھی، اس کی سیاسی بصیرت اور عسکری صلاحیت سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا، اس نے عوامی فلاح و بہبود کے لیے بے شمار کام کیے تعمیرات کے سلسلے میں دور شاہجہانی ایک مثالی نمونہ تھا۔ شاہجہان نے منصب داری نظام کو متوازن کیا اور منصب داروں کو مقررہ تعداد میں سوار اور دیگر لشکری فراہم کرنے کا پابند کیا۔ بہ حیثیت بادشاہ اس نے قابل قدر خدمات سر انجام دیں۔ شاہجہان ہندوستان کے عظیم الشان شاہوں میں سے تھا۔ اس کا اپنی رعایا سے سلوک بڑا فیاضانہ اور مشفقانہ تھا اور وہ اپنے اقرباء سے بہت فراخدلانہ رویہ رکھتا تھا۔ شاہجہان کا عہد بڑا خوشحال عہد تھا تخت طاؤس اور ہیروں کی چمک دمک دیکھ کو سیاحوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں تاج محل، موتی مسجد، شاہجہان آباد کی علی مسجد، اور شاہجہان کا قلعہ مغل سلطنت کی عظمت اور اس کے دور کی شان و شوکت کی دلیل ہے۔ دہلی، لاہور اور کشمیر میں واقع باغات ظاہر کرتے ہیں کہ اسے برگ و گل اور چشموں سے کتنی محبت تھی اس کے دور میں علی مردان خان نے راوی سے طویل نہر نکالی، اور اسے لاہور تک لایا اور بعد نہر شہاب (پرانی نہر فیروز کو نہ صرف دوبارہ کھولا بلکہ اسے ساٹھ میل تک مزید طویل کر دیا اور نہر بہشت نام رکھا۔ اس کے دور میں امن کا دور دورہ تھا، کسان خوشحال تھے سخت گیر اور جابر گورنروں کو لوگوں کی شکایت پر اکثر سبکدوش کر دیا جاتا تھا۔

شاہجہان نے اپنے دور اقتدار میں جو عمارات تعمیر کرائیں وہ فن تعمیر کا شاندار اور یگانہ روزگار نمونہ ہی نہیں بلکہ اس بات کی دلیل بھی ہے کہ شاہجہان واقعی انجینئر بادشاہ تھا اور تعمیرات کا بادشاہ تھا...... شاہجہان کا فن تعمیر کا انداز مختلف تھا ہمایوں کا مقبرہ، فتح پور سیکری کی عمارات، سکندرہ میں اکبر کا مقبرہ، اعتماد الدولہ کا مقبرہ، ہندی اور ایرانی فن تعمیر کا خوبصورت امتزاج ہیں۔ شاہجہان کے دور سے پہلے عمارات بڑی بھاری اور وسیع ہوتی تھیں۔ شاہجہان کے عہد میں جو عمارتیں بنیں ان میں نسوانی حسن کی نزاکت جمالیات کی جھلک اور نفاست کے نقوش نمایاں ہیں یہ عمارتیں قوت کا نمونہ نظر آنے کی بجائے "نزاکت و نفاست" کی مثال ہیں اور اس کا سبب بے پناہ قیمتی سامان سجاوٹ سے اکبر اور جہانگیر سرخ پتھر استعمال کرتے تھے۔ جبکہ شاہجہان نے سنگ مرمر کے استعمال کو ترجیح دی شاہجہاں کی سب سے خوبصورت عمارت تاج محل آگرہ ہے۔ تاج محل کے علاوہ لال قلعہ، جامع مسجد دہلی، موتی مسجد آگرہ، تخت طاؤس لاہور اور ٹھٹھہ کی عمارتیں شامل ہیں۔ ۱۶ ستمبر ۱۶۵۷ء کو شاہجہان بستر علالت پر دراز ہو گیا اس کی موت کی خبر اڑادی گئی مگر ایک ہفتہ کے بعد جھروکہ میں درشن دینے آیا تا کہ لوگوں کو موت کی جو غلط اطلاع ملی ہے اس کی تردید ہو جائے۔ بادشاہ نے بھی اپنی حالت کے پیش نظر

وصیت کی داراشکوہ کو جانشین مقرر کیا۔ شہزادہ داراشکوہ، شجاع مراد، اور نگزیب کے درمیان تخت کے جنگیں ہوئیں اور نگزیب کامیاب ہوا اور شاہ جہاں کو قلعہ آگرہ میں نظر بند کر دیا ہیں پر شاہجہان کا انتقال ہوا وصال کے وقت اس کی بیٹی جہاں آرا اس کے پاس موجود تھی۔

شاہجہان کے عہد میں لاہور، احمد آباد، دہلی اور جون پور علم و تعلیم کے ایسے مراکز تھے کہ ہندوستان کے باہر ہرات اور بدخشاں سے لوگ تعلیم و تحصیل کے لیے ہندوستان آتے تھے اس عہد میں باکمالوں کی مسند درس کو شہرت عام حاصل تھی ان کے مدرسے علم و فن کی اعلیٰ تعلیم کے لیے ایشیاء میں مشہور تھے۔

شاہ جہاں کی لاڈلی بیٹی جہاں آراء بیگم
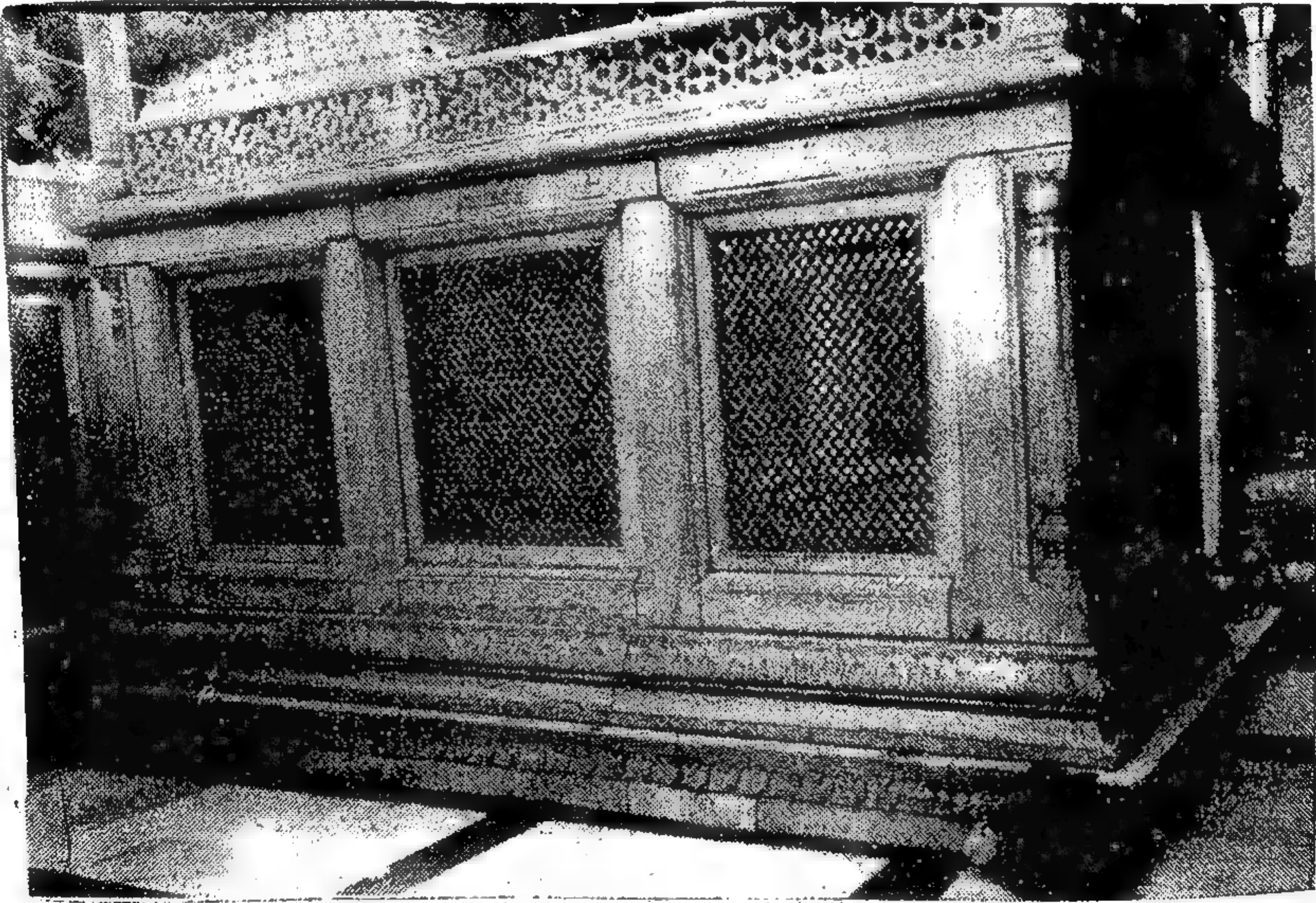
جہاں آراء بیگم کو بیگم صاحب اور بادشاہ بیگم بھی کہا جاتا ہے۔ یہ نیک دل خاتون دو اپریل ۱۶۱۴ء میں پیدا ہوئی۔ شاہجہان کی بیٹی اور ممتاز محل کے بطن سے تھی۔ نیک دل، شریف النفس اور فیاض تھی۔ اپنے باپ اور داراشکوہ کی بے حد طرفدار تھی اور اور نگزیب کی طرفداری اور حامی نہ تھی۔ اسے والد سے اس قدر محبت تھی کہ شاجہان کے اسیری کے دنوں میں جہاں آراء ہی نے اس کی دل جوئی کی تھی اور رضاکارانہ طور پر دوران زندان زندگی گزارتی رہی شاہجہان کو اس سے بہت محبت تھی اور ممتاز محل کی چھوڑی ہوئی جائیداد کا آدھا حصہ جہاں آراء کو ملا تھا۔ جہاں آراء کا وظیفہ بھی بڑھا دیا

تھا۔ اورنگزیب نے تخت نشین ہونے کے بعد جہاں آراء کی توقیر و عظمت کو برقرار رکھا اور حرم سرا میں اسے ہی برتری حاصل رہی...... اس سے درخواست کی گئی کہ وہ دہلی چلی جائے۔ دہلی میں ۱۶ ستمبر ۱۶۸۱ء میں اس خاتون کا انتقال ہوا۔ جہاں آراء کی فیاضی اور نیک دلی مشہور ہے اسے خواجہ نظام الدین اولیاء سے گہری عقیدت تھی۔ وفات کے بعد اسے درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء کے احاطہ میں دفن کیا گیا۔ جہاں آراء کے مقبرہ پر جو الفاظ کندہ ہیں وہ جہاں آراء کی پاک نفسی اور توکل کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

هوالحی القیوم

ترجمہ: میر قبر کی نقاب پوشی سرسبز گھاس سے ہی ہونی چاہیے کیونکہ غریبوں کی قبور کے لیے گھاس ہی بہترین پردہ ہے

فقیر اور فانی جہاں آراء مرید خواجگان چشت بنت شاہ جہاں بادشاہ غازی فار اللہ برھانہ ۱۰۹۲ھ

دنیا کی حسین ترین عمارت تاج محل
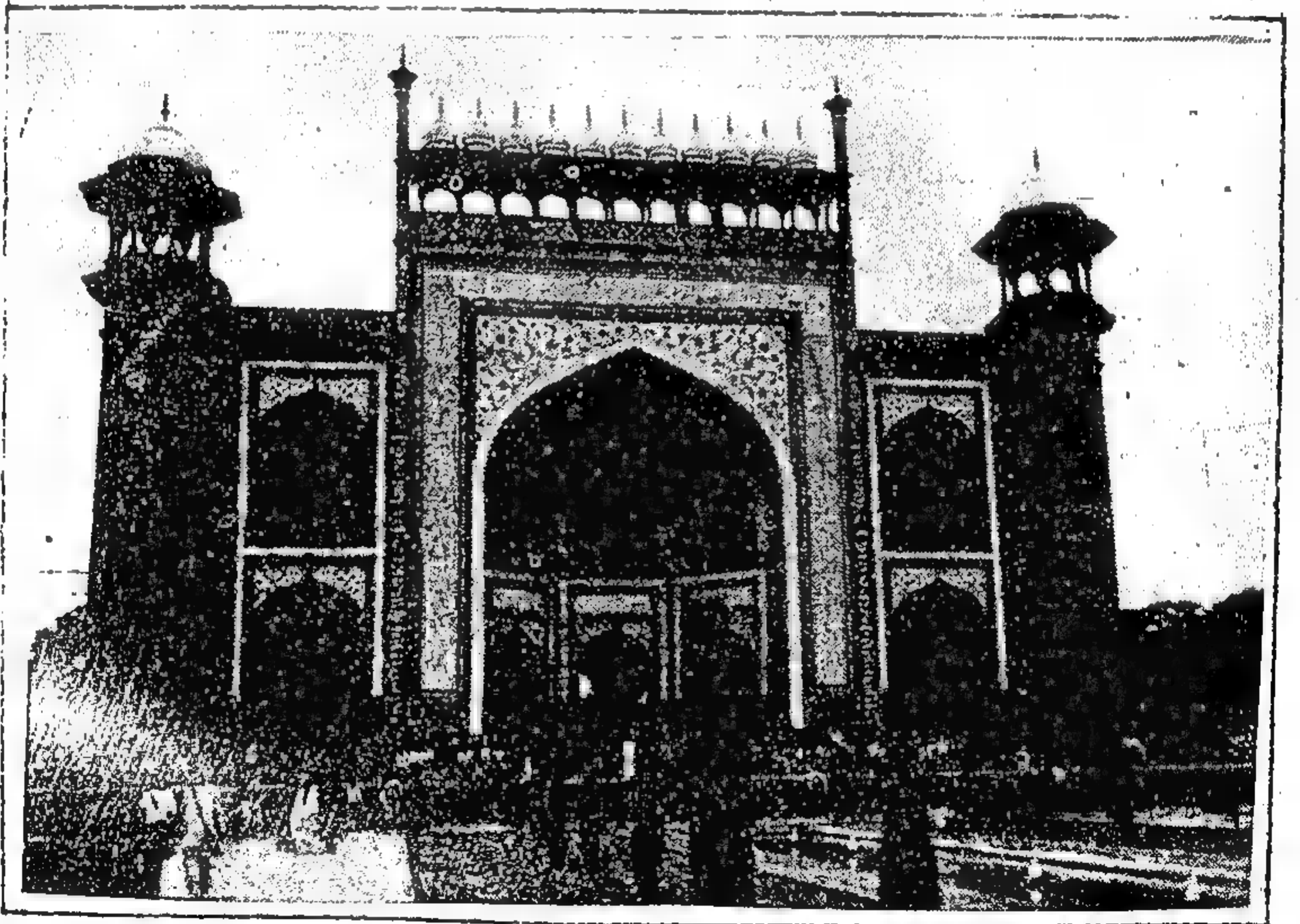
شاہجہان کا خواب جسے بیس ہزار مزدوروں نے بائیس سال کی شبانہ روز محنت سے حقیقت کا قالب عطا کیا۔ تاج محل کی تعمیر کا آغاز ۱۶۳۲ء میں ہوا۔ ان کاریگروں میں سے استاد عیسیٰ اور استاد احمد لاہوری کی ایک ایک ہزار روپے تنخواہ مقرر ہوئی اسمعیل خان رومی جس نے روضہ کے صرف گنبد تعمیر کیے پانچ سو روپے ماہوار تنخواہ پاتا تھا۔ اندرونی دیواروں

یہ آیات قرآنی کتابت کرنے کے لیے جس خوش نویس کی خدمات حاصل کی گئی اسے بھی ایک ہزار روپے ماہوار دیئے جاتے تھے بیا!! تقریباً بیس سال کی شبانہ روز محنت کے بعد روضہ تاج محل موجودہ صورت میں مکمل ہوا شاہ جہان خود اپنے لیے بھی اسی طرز کا ایک روضہ سنگ سیاہ سے تعمیر کرانا چاہتا تھا مگر اپنی اس خواہش کو دل میں لیے دنیا سے رخصت ہو گیا۔ تاج محل جسے دنیا بھر کے سیاح دیکھنے آتے ہیں ہندوستان آنے والے ہر شخص کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ وہ تاج محل دیکھے تاج محل کے ساتھ لاکھوں انسانوں کو روزگار وابستہ ہے حکومت ہند کو ہر سال کروڑوں کی آمدنی ہوتی ہے سوائے جمعہ کے عام دنوں مین چار بجے تک ٹکٹ پندرہ روپے ہوتا ہے شام کے بعد گیٹ سو روپے سے کر لے چار سو روپے ہوتا ہے تاج محل پر ہندوستان پاکستان بھر میں سینکڑوں تحقیقی کتب تحریر ہو چکی ہیں ہر مصنف نے یہی لکھا ہے۔ رہتی دنیا تک تاج محل جیسی خوبصورت عمارت پھر تعمیر نہ ہو گی۔ یہ دنیا کے سات عجائبات میں سے ہے تاج محل کی تعمیر کی کہانی یوں ہے۔

تاج محل کے لیے جس باغ کا انتخاب کیا گیا تھا وہ راجہ جے سنگھ کا تھا اور اسے شاہ جہاں نے صرف خاص کی جاگیر سے زمین دے دی تھی ممتاز محل کی میت کو جب برہان پور سے لایا گیا تو اس باغ میں عارضی طور پر دفن کیا گیا کچھ دنوں بعد جب تاج محل کی عمارت کی بنیاد رکھی گئی تو تاج محل کی عمارت تیار ہونے تک قبر کو ایک عارضی گنبد سے محفوظ کر دیا گیا جو نقشہ تاج محل کے لیے پسند کیا گیا وہ استاد عیسیٰ کا پیش کیا ہوا تھا۔ تاج محل کا خیال ہمایوں کے مقبرے سے لیا گیا ہے۔ لیکن مینار ہمایوں کے مقبرے میں نہیں ہیں۔ سکندرہ میں اکبر کے مقبرے کے دروازے پر مینار موجود ہیں۔ تاج محل کی تعمیر کا کام کسی ایک ماہر فن کی بس کی بات نہ تھی۔ اس لیے نقشہ نویس روم اور سمر قند سے، خوش نویس، بغداد، ملتان، ایران (طہران) اور بیت المقدس سے طغرئی نویس، شیراز سے گل آرائش، ملتان اور بخارا سے پچی کاری، لاہور دہلی، ملتان اور بلخ سے گنبد ساز روم سے اور کلس ساز لاہور سے آئے۔ ان کی تنخواہیں پانچ سو سے ایک ہزار روپے تک تھیں۔ شاہ جہاں سے پہلے سنگ سرخ کے ساتھ سنگ مرمر استعمال ہوتا تھا۔ لیکن شاہ جہان نے پوری عمارت سنگ مرمر سے بنوانی شروع کی یہ مرمر مکرانہ (ریاست جودھ پور) سے منگوایا جاتا تھا۔ عمارت میں کوئی پچاس اقسام کا بیش قیمت پتھر استعمال ہوا ہے ملک بغداد سے عقیق، تبت سے فیروزہ، عدن سے مونگا، کابل اور لنکا سے لاجورد، ایک دیسی ریاست جھاری سے سنگ موسیٰ، فتح پور سیکری سے سنگ سرخ، عرب سے سنگ سیماق، چین سے یشب اور بلور، گوالیار سے مقناطیس اور سنگ امیری، دریائے نیل سے ناپتا، بند ھیل کھنڈ سے ہیرے، سوات سے عجوبہ، یاقوت، نیلم وغیرہ۔ تعمیر کے دوران میں تاج محل کے قریب ایک بڑا شہر آباد ہو گیا۔ جس کا نام ممتاز آباد تھا۔ اب اسے تاج گنج کہتے ہیں ۔ روضہ کی عمارت ہشت پہلو ہے پیائش میں مکعب نما ہے۔ یعنی جتنا اس کا طول ہے، اتنا ہی عرض ہے اس عمارت کی بلندی اور گنبد کی بلندی، دونوں برابر ہیں۔ تاج

محل میں جانے کے لیے ایک راستہ دریائے جمنا کی طرف سے بھی تھا تاج محل کا نظارہ اسی طرح سے دلکش ہے، کیونکہ پورے تاج محل کا عکس جمال میں دکھائی دیتا ہے۔ ممتاز محل نہایت مدبر، سلیقہ شعار خاتون تھی۔ جہانگیر کی ناراضگی کا زمانہ شاہ جہاں کے لیے حد سے زیادہ پریشانی اور مشکلات کا زمانہ تھا۔ ممتاز محل جیسی سلیقہ شعار ہی اس کا حوصلہ بڑھاتی تھی اور اپنے رفیق حیات کی مونس و غمگسار رہی اور حق رفاقت پوری طرح ادا کیا مگر افسوس اس کی عمر نے وفا نہ کی۔ چودہ سال نکاح میں رہی اور چودہ بچے پیدا ہوئے۔ آٹھ لڑکے، چھ لڑکیاں ۔ سات کا انتقال ہو گیا سات زندہ بچے۔ دارا، شجاع، عالمگیر، مراد، چاروں شہزادے اسی تاج محل سے تھے بادشاہ کو ملکہ ممتاز بیگم کی وفات کا بے حد صدمہ ہوا۔

تاج محل کے حسین تصور میں شاہ جہان دن رات گم رہتا تھا، اس کی خواہش تھی کہ اس کے خواب و خیال اور تصور کی یہ عمارت حقیقت بن کر ابھرے۔ ملکہ ممتاز محل نے خواب میں تاج محل کا نقشہ دیکھا اور شاہ جہاں سے خواہش ظاہر کی کہ اس خواب کی تعبیر کے طور پر اسکی آخری آرام گاہ تعمیر کی جائے شاہ جہاں نے ہندوستان بھر کے معمار اکٹھے کیے اور انہیں ملکہ کے خواب میں دیکھی گئی عمارت کا نقشہ یا خاکہ بنانے کا حکم دیا۔ مگر سب ناکام ہو گئے آخری ایک مرد درویش نے ایک ایرانی معمار استاد عیسیٰ کو کو ایک مشروب پلایا کچھ دیر بعد اس ایرانی معمار کے سامنے تاج محل کی حسین عمارت تھی معمار نے اس عمارت کا بھرپور جائزہ لیا اور پھر اس کا ڈیزائن بنا کر پیش کیا جسے دیکھ کر ملکہ ممتاز محل خوشی سے چیخ اٹھی کہ ہاں یہی عمارت تھی۔ تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ رہتی دنیا تک تاج محل جیسی خوبصورت عمارت پھر تعمیر نہ ہو گی۔ تاج محل کے چاروں جانب چار خوبصورت مینار ایستادہ ہیں جو تاج کے حسن کو چار چاند لگا دیتے ہیں۔ تاج محل کے پہلو میں صاف اور شفاف دریائے جمنا شہنشاہ اور ملکہ کے احترام میں نہایت خاموشی سے بہتا ہے کہ مبادا اس کے شور سے شاہ و ملکہ کے آرام میں خلل نہ پڑ جائے۔ جمنا کو اس پر فخر ہے کہ وہ اس حسین و جمیل عمارت کا حسن بے پایاں اپنی آغوش میں لیے ہوئے ہے شاہ و ملکہ کی اصل قبریں سب سے زیریں حصے ہیں، جن سے روشنی چھن چھن کر آتی ہے۔ تاج محل کی دیواروں پر نہایت خوبصورت گل بوٹے بنے ہوئے ہیں جن میں لعل یاقوت زمرد پکھراج اور اسی قسم کے نہایت قیمتی پتھر جڑے ہوئے تھے۔ جو اب ان کی جگہ نقلی پتھر لگا دیئے گئے ہیں نیچے سے اوپر تک نہایت خوش خط قرآنی آیات اس انداز سے لکھی گئی ہیں کہ نیچے سے اوپر تک دیکھیے تو تمام الفاظ ایک ہی سائز کے نظر آئیں گے۔ اور پھر عمارت جس وسطی اور اونچے چبوترے پر قائم ہے اس کے سامنے چاروں اطراف چھوٹی سی نہر ہے۔ جس کی دونوں جانب سرو کے اونچے درخت پہرہ دے رہے ہیں۔ اطراف وسیع میدان میں سرسبز درختوں سے بھرا باغ عجب کیفیت پیدا کرتا ہے۔

شمال کی جانب شاہجہان کی خواہش تھی کہ وہاں سنگ سیاہ کا ایک اور تاج محل تعمیر کیا جائے اور دونوں روضوں کو ایک گنگا

جمنی پل کے ذریعہ آپس میں ملایا جائے۔ لیکن شاہ جہاں کی زندگی نے وفا نہ کی اور قیدی ہستی سے رہائی کے بعد اسے اس کی محبت اور خواہش کے مطابق ممتاز محل کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ سنگ مرمر کی موجود جالی اس سونے کے کٹہرے کا بدل ہے جو ۱۰۵۲ء میں بے بدل خان داروغہ، زرگر خانہ شاہی نے اپنی نگرانی میں تیار کروایا تھا۔ اس کٹہرے کی تیاری میں چالیس ہزار تولے سونا استعمال ہوا تھا۔ اس کو نہایت قیمتی جواہرات سے مزین کیا گیا تھا۔ یہ کٹہرہ ۱۰۵۲ء تک نصب رہا لیکن بعد میں مصلحتاً نکال دیا گیا۔ سونے کا یہ کٹہرہ چھ لاکھ میں تیار ہوا تھا۔ جالی کے عین وسط میں ارجمند بانو کا مزار ہے ان کے پہلو میں جانب غرب شاہ جہاں کا مزار ہے تاج محل کی مغربی سمت سنگ سرخ کے چبوترے کے ایک سرے پر خوبصورت مسجد اور دوسرے مشرقی سرے پر مہمان خانے تعمیر کیے گئے روضہ تاج کے ابھار کے اعتبار سے ان عمارتوں کے طول عرض اور بلندی کو متعین کیا گیا ہے یہ دونوں عمارتیں اصلی عمارت سے برابر فاصلے پر بنائی گئی ہیں۔

محی الدین اورنگ زیب عالمگیر

جس نے ہندوستان پر پچاس سال حکومت کی

اورنگزیب عالمگیر...... شاہجہان بادشاہ کا تیسرا بیٹا تھا۔ بے حد حساس، زیرک اور پرہیز گار تھا۔ اورنگزیب ۲۴ اکتوبر ۱۶۱۸ء کو گجرات اور راجپوتانہ کے سرحدی مقام دوحد میں پیدا ہوا۔ وہ بچپن ہی سے علوم فنون کا دلدادہ تھا۔ بھائیوں سے نپٹ لینے کے بعد اورنگزیب نے جولائی ۱۶۵۸ء میں تخت سنبھالا روایتی رسم تخت نشینی جون ۱۶۵۹ء میں ہوئی اور نگزیب نے عالمگیر لقب اختیار کیا۔ اورنگزیب پکا سنی العقیدہ مسلمان تھا۔ تاریخ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مجدیہ خاندان سے اسکے گہرے مراسم تھے وہ حضرت مجدد الف ثانی کے خاندان سے گوناں عقیدت رکھتا تھا۔ خواجہ محمد سعیدؒ اور خواجہ محمد معصومؒ سے اسے بڑا لگاؤ تھا۔ خواجہ محمد معصومؒ کے دونوں صاحبزادگان شیخ سیف الدین اور محمد نقشبند ثانیؒ سے بڑی عقیدت تھی۔

تخت نشین ہوتے ہی اس نے کئی اصلاحات کیں۔ سکوں پر کلمہ کندہ کرانا بند کر دیا گیا تا کہ ناپاک ہاتھوں میں پہنچنے سے جو بے ادبی ہوتی تھی وہ ختم کی جا سکے۔ رسم سجدہ ختم کر دی گئی۔ نوروز کی رسم کا خاتمہ کر دیا ہے۔ مسجدوں اور خانقاہوں کی مرمت کرائی۔ موذنوں اور اماموں کی تنخواہیں مقرر کیں۔ شمسی سال کا استعمال ختم کر دیا گیا۔ دور اقتدار کے گیارہویں سال درباری گویوں کو دربار میں حاضر ہونے کی اجازت تو تھی مگر گانے بجانے اور رقص و سرور کی اجازت نہ تھی انہیں دربار سے خارج کر دیا گیا۔ جھروکہ درشن کا رواج ختم کر دیا گیا۔ اس سے شخصیت پرستی کو ہوا ملتی تھی بعض لوگوں نے

درشنی جتھ بنار کھا تھا۔ جو صبح درشن کیے بغیر کھاتے پیتے نہ تھے۔ ۱۲سال جلوس میں بادشاہ نے خود کو سونے چاندی وغیرہ میں تلوانے کا سلسلہ ختم کر دیا۔ شاہی دربار سے منجموں اور کاہنوں کو نکال دیا گیا۔ سونے چاندی کے خوشبودان دربار سے ہٹادیئے گئے۔ چاندی کے سیاہی دان بھی ہٹادیئے گئے۔ رقاصاؤں اور طوائفوں کو اختیار دیا گیا کہ یا تو وہ شادی کر لیں یا مغل سلطنت سے نکل جائیں۔ بھنگ اور دیگر منشیات، تیاری اور خرید و فروخت بند کر دی گئی۔ قمار بازی ممنوع قرار پائی۔ تہواروں پر آتشبازی ممنوع قرار پائی میلوں ٹھیلوں کی ممانعت کر دی گئی۔ مردوں کو سونا پہنچنا ممنوع قرار دے دیا۔ ریشمی پارچات پہننے کی بھی مخالفت کر دی گئی۔ اخلاقی برائیوں کی روک تھام کے لیے عورتوں پر مزاروں پر جانے سے روک دیا گیا اور نگزیب خاندان تیموریہ میں سب سے زیادہ دانا بادشاہ تھا بڑا معاملہ فہم اور ذہین تھا۔ اور نگزیب عالمگیر بہت زیادہ خوبیوں کی وجہ سے اپنے باپ دادا سے سبقت لے گیا، وہ صاف سفید ململ کو پوشاک پہنے ہوئے عصائے پیری کے سہارے امیروں کے جھرمٹ میں کھڑا تھا۔ اس کی پگڑی میں زمرد کا ایک بڑا ٹکڑا لگا ہوا تھا۔ سائیلوں کی عرضیاں لیتا تھا۔ اور انہیں بلا عینک پڑھ کر اپنے ہاتھ سے دستخط کرتا جاتا تھا۔ بادشاہ فوج کا معائنہ کرتا اور جماعت کی بھی دیکھ بھال کرتا جو نماز جمعہ کے جلوس میں اس کے ہمرکاب ہوتی تھی۔ عالمگیر کے لشکر میں دس لاکھ فوج رہتی تھی۔ معائنہ فوج وغیرہ کے بعد بادشاہ دیوان عام میں آتا اور تخت پر جلوہ افروز ہوتا۔ امراء اور وزراء اپنے اپنے مراتب کے لحاظ سے صف بستہ کھڑے ہو جاتے۔ بادشاہ گیارہ بجے کے قریب دیوان خاص میں تشریف لاتا۔ یہاں سلطنت کے خاص امور دینی و دنیاوی سرانجام پاتے۔ امراء، وزراء خدام ایک ایک کر کے باریابی کا شرف حاصل کرتے۔ وزیر اعظم صوبوں کی رپورٹوں کا خلاصہ پیش کرتا۔ عالمگیر ان سب پر احکام جاری کرتا۔ بعض معاملات میں وزرا کو ہدایت دیتا اور وہ اس کے بموجب فرمان تیار کر کے بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتے۔ وہ پڑھتا اور مناسب ترمیم کے بعد اپنے ہاتھ سے مہر ثبت کرتا۔ اکثر فرامین خود لکھتا "فیاض القوانین" میں بیشتر فرمان خود عالمگیر کے لکھے ہوئے ہیں۔ بادشاہ اپنے ذاتی اخراجات کے لیے خزانہ شاہی سے ایک پیسہ نہ لیتا۔ نماز کے بعد ٹوپیاں سیا کرتے اور کلام اللہ لکھا کرتے ان کی فروخت اور ہدیہ سے جو رقم آتی تھی نجی اخراجات میں وہی صرف ہوتی تھی۔ عالمگیر کی ابتدائی زندگی پارسا تھی۔ خوف خدار کھتے تھے۔ اولاد اور افسران ملک کو خوف الٰہی سے ڈراتے رہتے تھے۔ اور ہر قسم کی نمود و نمائش سے نفرت تھی۔ حالات اور اسباب کے لحاظ سے جس کامیابی کے ساتھ سلطنت کی وہ تاریخ ہند میں بے نظیر ہے۔ شہسواری، تیر اندازی، تیزہ بازی، نشانہ بازی اور شکار وغیرہ، غرضیکہ تمام فنون حرب میں غایت درجہ کے چست و چالاک اور ہوشیار تھے۔ فقیروں کا دوست، ریاکاروں کا دشمن، علماء کا قدردان، غرباء و مساکین کے لیے نقدی اپنے پاس رکھتے۔ نرمی اور عفو کا مادہ حد سے زیادہ تھا۔ لوگوں نے اکثر ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا مگر ان کو معاف کر دیا۔

دارالخلافہ دہلی روئے زمین کے دارالخلافتوں میں عہد عالمگیر میں سبقت لے گیا تھا کہا جاتا ہے کہ اس کی بیس لاکھ کے قریب آبادی ہو گئی تھی۔ عالمگیر آخر عمر میں دکن کے ملکوں کا انتظام کر رہا تھا۔ بڑھاپے کے سبب بیمار ہوا۔ بعمر ۹۱ سال ۱۳ دن بروز جمعہ ۲۸ ذیقعدہ ۱۱۱۸ء کو وفات ہوئی۔ دولت آباد کے قریب شیخ برہان الدین اور شاہ زری زر بخش کے مزاروں کے درمیان دفن کئے گئے۔ پچاس سال دو ماہ ستائیس روز سلطنت کی۔ فتاویٰ عالمگیری منشوری عالمگیر مشہور تصانیف میں فتاویٰ عالمگیر برصغیر میں اورنگزیب کی مقبول ترین کتاب ہے۔ عالمگیر کے عہد کی علمی و تعلیمی ترقیاں برصغیر ہندوپاکستان میں یہاں کے شاہان سلف سے بڑھ کر تھیں۔ مرکزی شہروں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے شہروں اور قصبات اور شرفاء کی بستیوں میں بھی تعلیم پھیلانے کے لیے حکومت اور امراء کی جانب سے مدرسے قائم کئے گئے۔ یہ مدارس علماء کے تھے ان کو اور سرکاری مدارس کے مدرسین کو حکومت کی جانب سے تنخواہیں ملتی تھیں ان کو جاگیریں عطا کیں۔ عالمگیر کے عہد میں دونوں قسم کے مدرسے قائم تھے۔ شاہی مدرسے جن کے پورے مصارف حکومت کے طرف سے ادا ہوتے تھے اور جن کا انتظام و انصرام بھی حکومت کے پاس تھا۔ دوسرے وہ مدرسے جو ارباب خیر اور علمائے دین خود اپنی طرف سے جاری کرتے تھے عالمگیر نے پہلی قسم کے مدرسوں کے لیے ہر صوبہ میں یہ انتظام کر دیا تھا کہ مدرسین اور طالب علموں کی تنخواہیں اور وظیفے اسی صوبے کے خزانے سے ادا کیے جائیں۔

موتی مسجد
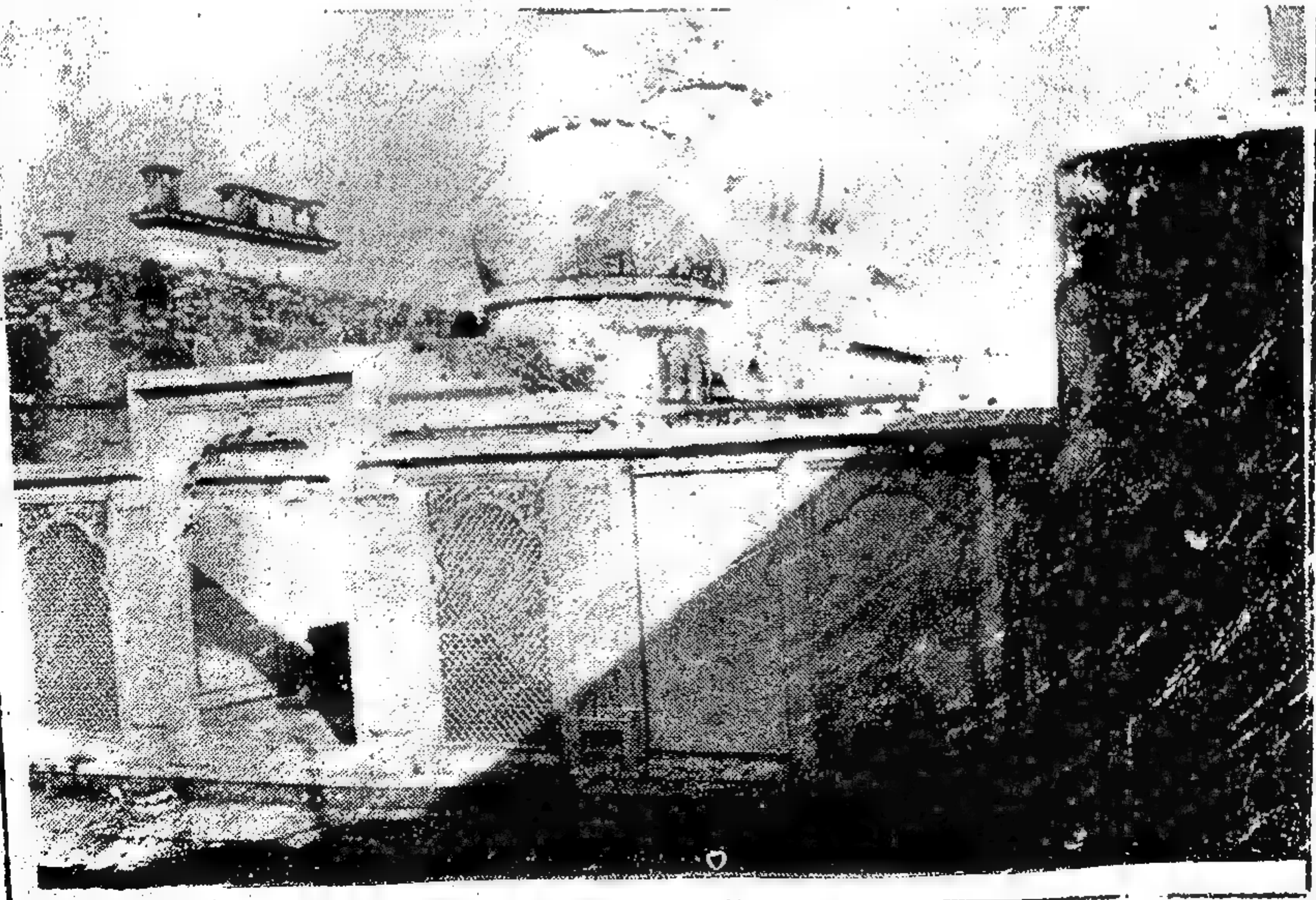
درگاہ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے جانب مغرب سنگ مرمر سے تعمیر شدہ ایک مسجد جو موتی مسجد کے نام سے مشہور ہے تین گنبد تین دروازے اور مینار بھی ہیں یہ مسجد زیادہ تر غیر آباد رہتی ہے۔ قطب صاحب کے حضور حاضری دینے والے کبھی کبھار یہاں سجدہ دے لیتے ہیں۔ مسجد میں داخلے کا دوسرا راستہ ظفر محل کی طرف سے جاتا ہے مسجد کے جنوب کی جانب کئی بادشاہوں اور امراء کی قبریں ہیں یہ مسجد اورنگزیب کے بیٹے محمد معظم شاہ عالم اول نے ۱۱۲۱ھ میں تعمیر کروائی تھی۔ تمام مسجد عمدہ سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے صحن میں سنگ مرمر کے مصلے ہیں جن پر کالے پتھر کا حاشیہ لگا ہوا ہے۔ مسجد کافی محنت سے تعمیر کی گئی ہے مسجد کے شمالی دروازہ پر پتھر پر مسجد کی مختصر تاریخ درج ہے۔ بادشاہ شاہ عالم کے دور میں مسجد کو زلزلہ سے نقصان پہنچا تھا جو نقصان ہوا مسجد کی مرمت کردی گئی۔

MOTI MASJID

THIS MOSQUE KNOWN AS MOTI MASJID (PEARL MOSQUE) IS REPORTED TO HAVE BEEN BUILT BY SHAH ALLAM BAHADUR SHAH II IN 1709 A. D. NEASURING 27 FT. 3 IN. BY 13FT., IT IS BUILT OF WHITE MARBLE. IT HAS THREE DOMES WITH MARBLE PINNACLES. THE RECESSED MIHRAB IS IN THE WESTERN WALL. THE BATTLEMENTED PARAPETS AND PAPERING MINARETS ARE IMPRESSIVE EATURES. A TWO STOREYED MARBLE MINAR STANDS AT EACH OF THE EASTERN CORNERS OF THE COURTYARD.

اورنگزیب عالمگیر سے لے کر انگریز کی آمد تک مغل حکمران

محمد معظم شاہ عالم بہادر شاہ

اورنگزیب نے اپنی اولاد کی تربیت اپنی نگرانی میں کروائی لڑکوں کو اداب حکمرانی سکھائے رقعات عالمگیری گواہ ہے کہ اس نے آخری عمر میں اپنے لڑکوں کو بہت نصیحتیں کیں شاہ عالم بہادر ۱۷۰۷ء میں تخت نشین ہوا۔ پانچ سال دو ماہ حکومت کی ۱۷۱۲ء میں اس کا انتقال ہوا اس وقت اسکی عمر ۷۲ سال تھی درگاہ قطب صاحب کے قریب موتی مسجد کے نزدیک دفن ہوا۔ شاہ عالم، سخی، رحم دل، عالی دماغ، خوش اخلاق جوہر شناس بہادر بادشاہ تھا۔ اس کا دربار شاہ جہاں کے دربار سے بھی بڑا تھا۔ سترہ شہزادے بیٹے پوتے برادرزادے اس کے تخت کے اردگرد بیٹھے تھے۔ چاندی کے کٹہرا میں ہفت ہزاری سے سہ ہزاری تک امراء کھڑے رہتے بادشاہ دربار میں شاہانہ انداز رکھتا مگر گھر میں سادہ لباس پہنتا۔ نماز باجماعت ادا کرتا اس نے سر اٹھانے والوں کی بیخ کنی کی۔ شاہ عالم بہادر شاہ کے دور میں علم وادب پر خصوصی توجہ دی گئی۔

آخری آرام گاہ شاہ عالم بہادر شاہ

بادشاہ اکبر شاہ ثانی
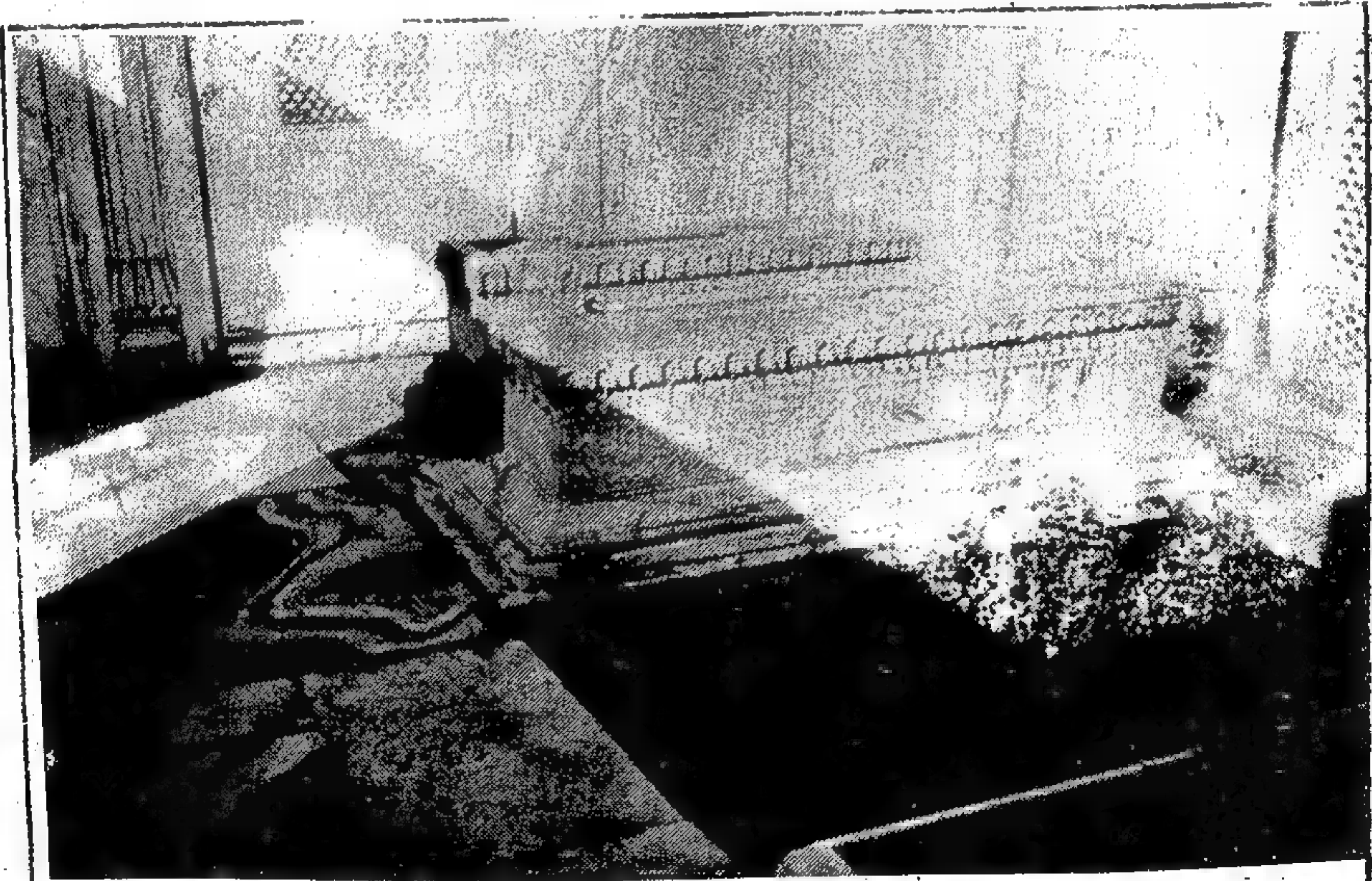
دوسری قبروں کے ساتھ خالی قبر بہادر شاہ ظفر نے اپنے لیے رکھی تھی لیکن اسے رنگون (برما) کی مٹی نصیب ہوئی

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار کے مغرب کی جانب موتی مسجد کے جنوب کی طرف ایک سنگ مرمر کی چوکنڈی ہے اس چوکھنڈی تک پہنچنے کے لیے ظفر محل سے گزرنا پڑتا ہے۔ سنگ مرمر کی اس چوکھنڈی میں مغل شہنشاہوں شاہ عالم بہادر شاہ ظفر جن کا وصال ۱۷۱۲ء اور اکبر شاہ ثانی جن کا وصال ۱۸۳۷ء میں ہوا، کی قبریں ہیں

۔ تیسری قبر کی جگہ خالی ہے جو آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر نے اپنی زندگی میں اپنے لیے یہاں قبر کے لیے جگہ مختص کر لی تھی لیکن اس کی مٹی اسے رنگون لے گئی جس پر بہادر شاہ ظفر کی غزل کا ایک شعر ؎ "کتنا ہے بد نصیب ظفر دو گز زمین نہ ملی کوئے یار میں" اکبر شاہ کے دور میں دہلی انگریزوں کی عمل داری میں آچکا تھا وہ ۱۸۰۶ء میں ۴۶ سال کی عمر میں بادشاہ بنا اکتیس سال تک ہندوستان کا برائے نام بادشاہ رہا۔

جہاں دار اشاہ

شاہ عالم کی وفات کے بعد چاروں بھائیوں میں تخت کے لیے جنگ ہوئی معزالدین جہاں دار اشاہ کے لقب سے ہندوستان کا تاجدار بنا ۱۷۱۲ء سے لیکر ۱۷۱۳ء تک حکومت کی عیش عشرت کے دلدادہ بادشاہ کا تختہ فرخ میر نے الٹ دیا۔

جلال الدین فرخ سیر

فرخ سیر ۱۱۲۴ھ میں ہندوستان کا بادشاہ بنا ۱۱۳۱ھ میں قتل ہوا فرخ سیر جتنی دیر بادشاہ رہا شہزادوں اور باغیوں کے درمیان جنگ وجدل میں مصروف رہا ہے اس خانہ جنگی کی وجہ سے مغلیہ حکومت روز بروز کمزور ہوتی چلی گئی انگریزوں کے قدم آگے بڑھتے رہے اس دوران محمد ابوالبرکات سلطان رفیع تکو سیر بھی چند ماہ کے لیے بادشاہ بنا۔

ناصر الدین محمد شاہ المعروف محمد شاہ رنگیلا

محمد شاہ ۱۱۳۱ھ کو روشن اختر فتح پور میں تخت نشین ہوا ملکی امور پر خاص توجہ دی اختیارات مختلف امراء کے پاس منتقل کر دیئے جو سیاہ سفید کے مالک بن گئے۔ محمد شاہ فرخ میر کی بیوہ سے نکاح کیا اور جشن منایا محمد شاہ کے دور حکومت میں نادر شاہ نے ہندوستان پر حملہ کیا اور فتح یاب ہوا نادر شاہ نے دہلی میں قتل عالم کا حکم دیا اس قتل عام میں ہزاروں بے گناہ لوگ مارے گئے۔ نادر شاہ واپسی پر کروڑوں روپے کا خزانہ تخت طاؤس سینکڑوں ہاتھی شاہی سواری کے گھوڑے بیسیوں قیمتی اشیاء اپنے ہمراہ لے گیا واپسی پر نادر شاہ نے تاج تخت محمد شاہ کو بخش دیا۔ محمد شاہ کے دور میں علم وادب کو فروغ ملا مرکز کے کمزور ہوتے ہی کئی صوبوں کے حکمران باغی ہو گئے مغل سلطنت کا شیزارہ بکھر رہا تھا۔ ۱۷۴۸ء میں محمد شاہ کا انتقال ہوا۔ درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء میں دفن ہوا محمد شاہ نے تقریباً تیس سال ہندوستان پر حکومت کی۔

مجاہد الدین ابو النصر احمد شاہ بادشاہ احمد شاہ

۱۷۶۱ء میں تخت سلطنت پر بیٹھا اس وقت اسکی عمر بیس سال تھی اس کے دربار میں لائق اہل کار جمع ہو گئے۔ جنہیں احمد شاہ

نے کئی خطابات سے نوازا۔ احمد شاہ کے دور میں صفدر جنگ کو کافی اہمیت حاصل تھی۔ ۱۷۵۴ء میں محمد شاہ کو تخت سے اتار کر قید میں ڈال دیا سلطان عزیز الدین کو تخت پر بٹھادیا احمد شاہ نے چھ سال دس مہینے حکومت کی۔

عزیز الدین عالمگیر ثانی

عالمگیر ثانی ۱۷۵۴ء میں بادشاہ بنا اسکی حدود مملکت دوآبہ کے چند ضلع ستلج کے کئی ایک ضلع رہ گئے گجرات مرہٹوں کے پاس ،بنگال بہار، اڑیسہ علی وادی خان کے جانشینوں کے تصرف میں اودھ میں صفدر جنگ کا دور دورہ تھا وسط دوآب میں بنگش حکمران تھے روہیل کھنڈے میں حافظ الملک حافظ رحمت خان دوسرے نواب جاگیروں پر قابض تھے پنجاب احمد شاہ درانی کے حوالے تھا۔ دکن میں نواب دست گریباں تھے۔ انگریز بھی موقع کی تلاش میں تھے دہلی کے گردونواح مرہٹوں نے اودھم مچار کھا تھا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے احمد شاہ کو صورت حال لکھی احمد شاہ ابدالی اپنی فوج کے ہمراہ پانی پت کے میدان میں آپہنچا۔

پانی پت کی تیسری جنگ

اس جنگ میں مرہٹہ فوج کی تعداد پانچ لاکھ کے قریب تھی جبکہ احمد شاہ درانی کی فوج چالیس ہزار کے لگ بھگ تھی۔ ۷ جمادی الاول ۱۷۶۱ء مرہٹوں کا سردار بھاؤ ساتھیوں کاشی رائے کو کنج پور پہنچا۔ عبدالصمد خان محمد زئی اور میاں قطب شاہ سرداران شاہ درانی فراہمی رسد کے لیے متعین تھے ان پر حملہ کیا وہ شہید ہوگئے۔ یہاں سے آگے بڑھ کر پانی پت کے میدان میں فوج آجمی اور مقابلہ پر شاہ درانی معہ ہمراہیوں کے آگئے پہلے چھیڑ چھاڑ رہی پھر ہنگامہ کارزار گرم ہوگیا۔ اشرف الوزرا کی فوج بہت کام آئی اور نجیب الدولہ بھی داد شجاعت دے رہا تھا۔ مگر غلبہ مرہٹوں کا تھا۔ جنگ کا نقشہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ شاہ درانی سرخ خیمہ سے نکل کر ایک اونچی جگہ پر کھڑا ہوا۔ میدان جنگ کا جائزہ لیا شجاع الدولہ کی فوج سرد مہری دکھا رہی تھی بھاؤ اور بسواس راؤ اپنی فوج کو خوب لڑا رہے ہیں اور ان کا ہاتھی اکثر شجاع کی فوج میں آجاتا ہے۔ اپنی فوج کی طرف نظر ڈالی۔ شاہ ولی خان جو قلب لشکر کا محافظ تھا اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر مرہٹوں سے نبٹ رہا تھا مگر نازک وقت آچکا ہے۔ شاہ نے اپنے محافظ دستے طلب کیے اور ان کو حکم دیا کہ توپ لے کر شجاع الدولہ کی فوج میں سے گزر کر بسواس راؤ کے ہاتھی کو توپ کے گولوں پر رکھ لو اور سرداران مرہٹہ رگھناتھ اور شمشیر بہادر جنکو جی جو بھاؤ کے ارد گرد ہیں ان پر ایک ساتھ ٹوٹ پڑو۔ غلاموں کے دستے رخصت کیے اور خود مصلیٰ بچھا کر خدا سے گڑگڑا کر دعائے فتح و نصرت مانگنے لگا۔ یکایک توپ کی آواز آئی سجدے سے سر اٹھا کر میدان کارزار پر نظر ڈالی نقشہ جنگ بگڑ چکا تھا۔ توپ کا گولہ پشت سے

ہاتھ پر لگا۔ بسواس اور خود زخمی ہوئے۔ بھاؤ کی آنکھوں میں جہاں تاریک ہو گیا۔ بسواس کی جان پر زد پڑنے سے بھاؤ کی گویا کمر ٹوٹ گئی اس نے دوسرے ہاتھی کے ہودے میں لٹانے کو حکم دیا۔ لٹاتے ہی وہ مر گیا بھاؤ خود ایک عربی گھوڑے پر سوا ہو اور لڑائی کے بھنور میں آکودا۔ احمد شاہ ابدالی کی اس حربی ترکیب سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا بھاؤ داد شجاعت دے رہا تھا۔ روہیلہ سردار نواب عنایت خان خلف حافظ الملک تیغ زنی کرتے ہوئے بھاؤ کی طرف آنکلے ہر دو نیزہ بازی ہوئی عنایت خان ایک مرد شجاع اور بہادر شخص تھا اس کا وار نہ جھیل سکا۔ گھوڑے سے نیزہ کے ساتھ نیچے آرہا۔ عنایت خاں گھوڑے سے کود کر تلوار سے بھاؤ کا سر اتار لیا۔

سرداران مرہٹہ نے بھاؤ کو نہ دیکھا ان کے اوسان خطا ہو گئے ادھر پٹھانوں اور روہیلوں نے جوش وخروش سے مرہٹوں پر تیغ زنی شروع کر دی اور تمام سمتوں سے ان کو رگیدتے ہوئے چلے حتیٰ کہ شام کے چار بجے سارا میدان مرہٹہ جنگ جوؤں سے خالی ہو گیا اور ہر طرف لاشوں کے انبار نظر آنے لگے گرانٹ ڈف کے بقول دو لاکھ مرہٹے اور دکنی میدان پانی پت میں قتل و ہلاک ہوئے۔ جو مرہٹے میدان جنگ سے بھاگے افغانیوں نے دس بارہ کوس تک ان کو تہ تیغ کیا ۔ کچھ مرہٹے حصار کے اندر داخل ہو گئے خندق میں گر کر بہت سے کام آئے۔ افغانوں نے شب ہی میں قصبہ کے ارد گرد پہرے لگا دیئے اور علی الصبح قصبہ میں داخل ہو کر جس قدر مرد، عورت بچے حصار میں ملے سب کو گرفتار کر لیا۔ عورتیں اور بچے اپنے ملک میں لے جانے کے لیے علیحدہ کر لیے اور بقیہ مردوں کو ذلت و مصیبت اور فاقہ زدگی سے بچانے کے لیے قید سے انہیں چھڑا کر ہمدردانہ سلوک کیا ان کے پچھلے مظالم کا یہ بدلہ لیا۔ اب افغانی بپھر چکے تھے مرہٹوں کے سروں کے مینار بنائے۔

کاشی رائے لکھتا ہے کہ لڑائی ختم ہونے کے بعد تمام بڑے بڑے سرداروں نے شاہ ابدالی کو تہنیت فتح کی نذریں پیش کیں اور شاہ نے میدان جنگ کا سرسری معائنہ کر کے جس میں کشتوں کے پشتے اور لاشوں کے انبار لگے ہوئے تھے اپنے خیمہ کو واپس ہو گیا اور تمام افسران بھی اپنے اپنے ڈیروں میں چلے گئے عام سپاہی لوٹ میں لگا ہوا تھا۔ مرہٹہ لشکر میں غلہ نہ تھا روپیہ بھی نہ تھا۔ اس جنگ میں احمد شاہ درانی کے لشکر کو بہت زیادہ مال غنیمت حاصل ہوا۔ ایک ایک افغانی کے پاس آٹھ آٹھ دس دس اونٹ قیمتی سامان سے لدے ہوئے تھے۔ پانی پت کی اس جنگ میں احمد شاہ درانی کے ساتھ بزرگوں کی دعائیں شامل تھیں۔ یہ بزرگ ولی اللہ حضرت عمر شیخ چمکنی پشاور کے ہیں دعاؤں کی تفصیل راقم کی لکھی ہوئی کتاب "سیالکوٹ سے خیبر تک" میں تحریر ہے۔

ایک خوشنما قدیمی تاریخی باولی
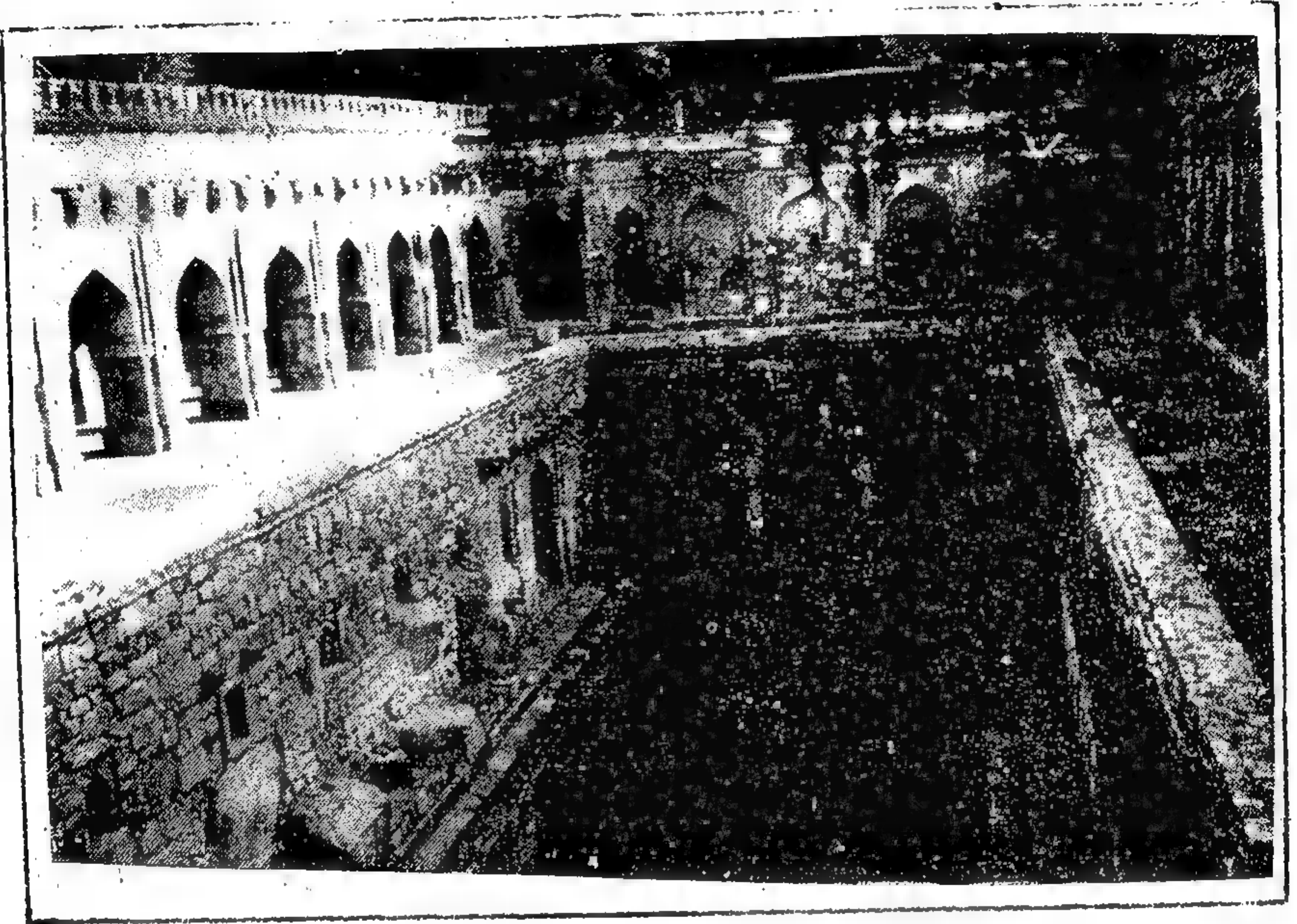
یہ باولی مہرولی کے جنگل میں ہے جو راجہ کی باولی کے نام سے مشہور ہے باولی چار منزلہ ہے جو پتھر تراش کر تعمیر کی گئی ہے۔ گرمیوں کے موسم میں ٹھنڈک کی وجہ سے امراء کمروں میں قیام کرتے۔ باولی کی ہر منزل میں کمروں کے علاوہ برآمدے بھی ہیں بالائی منزل بھی خوبصورت انداز میں تعمیر کی گئی ہے۔ پانی تک پہنچنے کے لیے پتھر کی سیڑھیاں بنائی گئی ہیں۔ اس باولی کے مغرب کی جانب غیر آباد مسجد ہے۔ مسجد کے صحن میں ایک مقبرہ ہے جبکہ شمالی کی طرف بھی چند مقبرے ہیں جو پتھروں کو تراش کر بنائے گئے ہیں ان مقبروں پر عالی شان گنبد ہیں جو ستونوں پر کھڑے ہیں۔ کسی بھی مقبرے پر کتبے نہیں ہیں۔

ابو المظفر جلال الدین محمد شاہ عالم ثانی

جس نے ہندوستان پر ۴۸ سال برائے نام حکومت کی مرزا عبداللہ نام تھا

ارباب خاندان عالی گوہر سے خطاب کرتے تھے۔ معزالدین جہاندار شاہ کے پوتے تھے۔ ماں کا نام لال کنور تھا۔ بادشاہ ہو کر ابو المظفر جلال الدین محمد شاہ عالم ثانی کا لقب اختیار کیا۔ سوتیلی والدہ نواب زینت محل نے حقیقی ماں سے بڑھ کر پرورش کی۔ ۱۷۵۹ء تخت نشین ہوئے۔ ۱۸۰۶ء تک یعنی ۴۵ سال حکومت کی اس بادشاہ کا دور حکومت بھی سازشوں میں گزرا انگریزوں کی بچھائی ہوئی سازشوں نے ہندوستان کا سکون تباہ و برباد کرر کھا تھا ہر طرف بے چینی مایوسی پھیل چکی تھی۔ پہلی مرہٹہ جنگ میں انگریزوں نے جان توڑ کر لڑائی لڑی اور انہیں شکست دی دوسری جنگ دہلی پر ہوئی اور یہ خونخوار جنگ تھی۔ انگریزوں نے لارڈ لیک کو اس جنگ کے لیے مقرر کیا تھا۔ وہ ۱۸۰۳ء میں دہلی پر حملہ آور ہوا دولت راؤ سندھیا کی طرف سے اس کا فرانسیسی جنرل یوکین تھا۔ مرہٹہ اس جنگ کو دل لگی کی جنگ سمجھ رہے تھے اس لیے انہوں نے اس میں اتنا زور ہی نہیں دیا صرف جنرل یوکین صف آرا تھا۔ جب خونریزی کے ساتھ جنگ شروع ہوئی تو مرہٹوں نے شاہ عالم کو مجبور کیا کہ آپ چل کر جنگ کریں۔

زبدۃ النساء نے ہر چند چاہا کہ بادشاہ انگریزوں کے مقابلہ میں نہ جائے لیکن مرہٹے بضد رہے۔ آخر ش زبدۃ النساء شاہ کے پیچھے خود ہاتھی پر بیٹھی اور ہاتھی میدان جنگ کی طرف چلا۔ شاہ کے ہاتھ میں تیر و کمان تھی وہ بحالت عدم بینائی کیا تیز چلاتے مرہٹوں کا مجبور کرنا تھا۔ چنانچہ زبدۃ النساء پیچھے سے کہتی جاتی تھی تیر ہاتھ بلند کر کے مارتے جایئے اسی اثناء میں بیگم نے لارڈ لیک کے نام شاہ کی مہر سے ایک رقعہ بھجوادیا جس میں اپنی مجبوری کا اظہار تھا۔ آخر ش مرہٹہ لارڈ لیک کے مقابل شکست یاب ہوئے۔ ۱۱ ستمبر ۱۸۰۳ء کو دہلی فتح ہوئی لارڈ لیک نے بادشاہ کے حضور میں آکر عرض کیا حضور آپ مرہٹوں کی قید سے آج آزاد ہو گئے۔ زبدۃ النساء نے شاہ کی طرف سے کہا شاہ آپ کو فرزند دلبند کا خطاب عطا فرماتے ہیں اور آپ کو اس نمایاں فتح پر مبارکباد دیتے ہیں۔ لارڈ لیک نے یہ سن کر ٹوپی اتار کا سلام کیا شاہ کے خطاب عطا کرنے پر شکریہ ادا کیا گوروں کی پلٹنوں نے لارڈ لیک کے حکم سے شاہ کو سلامی دی اور پھر بڑے جاہ و جلال سے شاہ قلعہ میں داخل ہو کر تخت پر رونق افروز ہوئے۔

۱۴ ستمبر ۱۸۰۳ء کو برطانوی فوجوں نے جمنا عبور کر کے دار السلطنت پر قبضہ کر لیا۔ ۱۶ ستمبر کو کمانڈر انچیف جنرل لیک شہر میں داخل ہوئے۔ دہلی کے سارے باشندے جو مرہٹوں کے مظالم کا شکار رہے تھے۔ دولت ان کی لٹی تھی۔ عزت و آبرو خاک میں مل رہی تھی وہ اس واقعہ سے بے حد خوش ہوئے۔ ادھر جنرل لیک نے ہر ایک کی دلجوئی اور تشفی کی جس پر دہلی

کے باشندے اور بالخصوص "مسلمان" اس قدر متاثر ہوئے کہ اس کا بیان احاطہ تحریر سے باہر ہے جنرل کو سلطنت کا دوسرے نمبر کا خطاب ملا تھا کیونکہ پہلا خطاب سندھیا کو دیا جا چکا تھا۔ اس شمال مغربی صوبوں میں ان کی کامیابی سے فرانسیسی اثر و اقتدار پر بڑا اثر پڑا اور دوآبہ کا علاقہ برطانیہ کے لیے محفوظ ہو گیا۔ انگریز جب قلعہ میں داخل ہوئے تو بادشاہ کی حالت بہت زبوں تھی وہ شکستہ حالی میں گرفتار، ضعیفی، غربت، عدم بصارت ایک بوسیدہ شامیانہ کے نیچے بیٹھے ہوئے اپنی گذشتہ عظمت پر آنسو بہا رہے تھے۔ شاہ عالم اب انگریزوں کی حفاظت میں تھے۔ کمانڈر انچیف دہلی سے روانہ ہونے لگے۔ لیفٹیننٹ کرنل اکڑلونی جو ڈپٹی جوئینٹ جنرل تھے برطانوی گورنمنٹ کی جانب سے دربار مغلیہ میں ریزیڈنٹ بنائے گئے۔ دو سال جوں توں کر کے گزارے اس اثنا میں ریواڑی پر برطانیہ کی فتح ہوئی تھی بادشاہ نے کمانڈر انچیف کو اس فتح کے صلے میں اعزازی خلعت دے کر اپنی مسرت اور جانبداری کا اظہار کیا۔ ایک چھوٹے سے پیانہ پر قیام سلطنت مغلیہ، کی تجویز لارڈ ولزلی جارج یارلو اور مسٹر ریڈ جانسٹن جیسے قابل اور تجربہ کاروں کی دماغ سوزی کا نتیجہ ہے۔" یہ اسکیم تھی جس سے شاہ عالم کی حیثیت ایک پنشن خوار کٹھ پتلی سے گو کچھ زیادہ بڑھ جاتی ہے مگر اس کے ساتھ اس کے پاس کچھ اختیارات شاہی نہ تھے۔ وہ بادشاہ تھا بھی اور نہیں بھی، سب کچھ تھا اور کچھ بھی نہ تھا۔

چنانچہ نومبر ۱۸۰۶ء، ۷ رمضان ۱۲۲۱ھ کو اس بادشاہ نے حکومت مغلیہ کا بیڑہ غرق کر کے دنیائے فانی سے عالم جاودانی کو کوچ کیا قطب صاحب میں بہادر شاہ اول کی قبر کے برابر دفن کئے گئے۔ ان کی حکومت کی کل مدت ۴۸ سال ہے۔

ابو النصر معین الدین اکبر شاہ ثانی

شاہ عالم ۱۸۰۶ء میں انتقال کر گیا، محمد اکبر شاہ ثانی 46 سال کی عمر میں بادشاہ بنا، اس موقع پر جشن منایا گیا اکبر شاہ ثانی کے دور میں ہندوستان انگریزوں کے قبضہ میں آ چکا تھا۔ چارلس مٹکاف نائب ریزیڈنٹ تھا۔ وہ بادشاہ کو تمام اختیارات سے محروم کرنے کے درپے تھا چاہتا تھا کہ مغلیہ خاندان کو لقب شاہی سے محروم کر دیا جائے اور بادشاہ کے سالانہ وظیفہ میں کمی کر دی گئی تمام آداب شاہی رسوم دربار بھی ختم کر دیئے گئے مایوس کن حالات میں ذلت آمیز شرائط بادشاہ اکبر شاہ ثانی ارباب اختیار حکومت کی فتنہ پردازیوں سے سخت صدمہ تھا۔ وہ ان ظالمانہ واقعات سے بے حد اثر لے رہا تھا کچھ عرصہ بیمار رہا ۱۸۳۷ء کو ۸۲ سال کی عمر میں انتقال کیا ۳۱ سال بادشاہ برائے نام رہا۔

بادشاہوں کی اولاد بادشاہ ہی ہوتی ہے اس لحاظ سے اکبر شاہ ثانی بے حد سخی اور غریب پرور تھا۔ اکبر شاہ کے دور میں شعر و شاعری کے بڑے چرچے تھے بادشاہ سلامت کو بھی اردو سے بڑی دلچسپی تھی خود بھی شعر کہہ لیا کرتے تھے شعاع تخلص تھا میر سودا، درد دوسرے شاعروں نے اردو کو پروان چڑھایا، دہلی میں ان کی شاعری کا سکہ رائج تھا۔ مایہ ناز ارباب کمال کا دہلی میں جمگھٹا رہتا اور شاعری کا بازار گرم رہتا۔ ابراہیم ذوق بہادر شاہ ظفر کے شاعری میں نگران بنے قصیدہ کے

لم میں خاقانی ہند کا خطاب پایا۔ اکبر شاہ ثانی کے آخری دور میں مفتی صدر الدین ازدرہ، مولانا فضل حق، مرزا غالب حکیم
د من خان مومن جیسے شاعر جوان تھے ان حضرات کے کارنامے بہادر شاہ ظفر کے عہد سے وابستہ ہیں اکبر شاہ کے عہد
ں علماء مشائخ حکماء نے اپنے اپنے شعبہ میں نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ اردو ادب نے بہت ترقی کی۔

آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر

مغلوں کی تاریخ شاعری میں بہادر شاہ ظفر کو منفرد حیثیت حاصل رہی

خاندان تیموریہ کا یہ بادشاہ جس کی قسمت میں سلطنت مغلیہ کا خاتمہ دیکھنا روز اول سے تحریر ہو چکا تھا۔
۵ ۷ ۷اء کو پیدا ہوا اور اس کا تاریخی نام "ابو ظفر" رکھا گیا۔ اس کے والد مرزا اکبر شاہ فرمانروائے دہلی شاہ عالم کے
دوسرے شہزادے تھے اور والدہ کا نام لال بائی تھا۔ ابو ظفر جب سن شعور کو پہنچے تو حافظ ابراہیم اتالیق مقرر ہوئے
اور مشہور قاری حافظ محمد جمیل نے قرآن کی تعلیم دی۔ مشہور خوشنویس سید جلال الدین حیدر کے والد میر ابراہیم
علی شاہ نے تحریر کی مشق کرائی۔ عربی اوسط درجہ کی اور فارسی ادب کی تکمیل کرنے کے علاوہ تیر اندازی،
شہسواری، تیغ زنی، نشانہ بازی اور فن بنوٹ میں ید طولیٰ حاصل کیا۔ کہا جاتا ہے کہ بادشاہ آٹھ آدمیوں کے مقابل میں
ہر ایک کا وار بیک وقت روکتے تھے اور شہسواری میں یہ کمال حاصل تھا کہ اس وقت ہندوستان میں اڑھائی سوار مشہور
تھے۔ ایک بہادر شاہ ظفر ایک ان کے بھائی جہانگیر اور آدھا کوئی اور۔ فن تیر اندازی میں بادشاہ آیا سنگھ سکھ کے
شاگرد تھے۔ شمشیر زنی میں بہادر شاہ ظفر کا خاص مقام تھا۔ ظفر نے اس وقت آنکھ کھولی جب اردو شاعری منازل
ارتقا کو تیزی کے ساتھ طے کر رہی تھی اور اس کا آفتاب پوری بلندی پر تھا۔ ظفر کے دادا شاہ عالم ثانی حکومت پر
متمکن تھے یہ خود اچھے شاعر تھے اور آفتاب تخلص کرتے تھے۔ اس وقت خواجہ میر درد، مظہر جانجاناں، میر تقی،
سودا، مصحفی، انشاء، جرات وغیرہ جیسے مایہ ناز شعراء ہو چلے گئے تھے۔ اور دہلی میں شاہ نصیر، احسان، ممنون، قاسم
وغیرہ جیسے رطب اللسان ماہرین فن موجود تھے۔

بہادر شاہ صبح بعد ادائے فرائض مذہبی طبیب کو نبض دکھاتے۔ پھر دربار خاص میں رونق افروز ہوتے۔ جنگ آزادی
کے زمانہ میں عمائد شہر اور باہر سے آئے ہوئے لوگ دربار میں شرکت کرتے۔ مفتی صدر الدین خاں آزردہ، مولانا
امام بخش صہبائی، بہادر جنگ رئیس دادری، نواب حسن علی خان، نواب احمد علی خان والی فرخ نگر۔ منیر الدین خان
جو پولیس آفیسر تھے۔ مولانا عبدالقادر دہلوی، شیو سنگھ والی سمفوٹ، حکیم عبدالحق، مولوی احمد علی سفیر راجہ نیر
سنگھ والی بلب گڑھ، قاضی فیض اللہ چیف پولیس آفیسر سعادت خان رئیس جہانگیر آبادی گوری شنکر، شہزادہ محمد

عظیم، کپتان ناظر حسن مرزا دلدار علی خان، مرزا ضیاء الدین، سالک رام خزانچی، رحمت علی خان بن نواب فیض محمد خاں، محمد علی خان فرزند سالار جنگ، خواجہ سرا محبوب علی خاں کچھ عرصہ وزیر بھی رہے۔ خالق داد بقولی، مغل خان دین محمد جنہوں نے فریزر کو گولی سے گرا کر قتل کیا۔ قدرت اللہ خان رسالدار، نواب محبوب علی خان، ناظر حسن، مرزا امیر الدین، حسن علی شاہ، نظام الدین پیرزادہ، نواب محمد جان وغیرہ۔

بہادر شاہ ظفر کے شب و روز: دربار برخاست کر کے محل سرا میں داخل ہوتے، دوپہر کے کھانے کے بعد پھر آرام گاہ میں تشریف لے جا کر قیلولہ کرتا۔ پھر ظہر کی نماز ادا کر کے ذکر و فکر میں مشغول ہوتا۔ عصر کی نماز پڑھتا، اس کے بعد مشورہ کی انجمن منعقد ہوتی محبوب علی وزیر اعظم حسن عسکری شاہ، نواب زینت محل، بہادر شاہ کی صاحبزادی مانی بیگم، دوسری دختر آغا بیگم، بہادر شاہ کی بیگم نواب شرف النساء شریک ہوتیں اور ضروری مشورے ہوتے۔

مغرب کی نماز ادا کر کے پھر طعام نوش کرتا۔ عشاء کی نماز پڑھ کر خواب گاہ میں تشریف لے جاتا۔ پھر تہجد کے لیے اٹھتا اور نوافل کی ادائیگی اور وظیفہ میں مشغول ہو کر صبح کاذب پر کچھ آرام کرتا۔

پلاسی کی جنگ کے بعد انگریز مغلیہ حکومت پر چھا گیا تھا۔ روز بروز مکر و فریب سے ریاستوں کو باہمی لڑوا کر کمزور ریاست اپنی نگرانی میں لینے کے بہانے تسلط جماتا چلا جا رہا تھا۔ جب وہ پورے ہندوستان پر قابض ہو گیا تو یہاں کی اقوام کو مذہبی جال میں پھانسنے کی سعی کی۔ حریت پسندوں نے انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی کا آغاز کیا جسے انگریزوں نے غدار کا نام دیا۔ یہ جنگ آزادی مغل شہزادوں اور قوم فروشوں کی سازش کے نتیجہ میں حریت پسندوں کی قربانیاں رائیگاں گئیں اور فتح شکست میں تبدیل ہو گئی۔

بہادر شاہ ظفر مقبرہ ہمایوں میں تھا۔ ہڈسن پچاس گورے لے کر مقبرہ میں پہنچا۔ مرزا الٰہی بخش بادشاہ کو باہر لائے۔ پہلے انہیں اور زینت محل اور جواں بخت کو پالکی میں اس نے سوار کر دیا۔ مرزا مغل، مرزا خضر سلطان بیل گاڑی میں سوار ہوئے۔ بیل گاڑی قلعہ کو روانہ کی گئی راہ میں ان دونوں سے ہڈسن نے ہتھیار لیے اور ہر دو کو گولی مار دی اور شہزادوں کو کوتوالی کے سامنے گولی کا نشانہ بنایا۔ زینت محل میں محل سرا میں ٹھہرائے گئے، نواب زینت محل اور مرزا جواں بادشاہ کے ہمراہ تھے ہڈسن نے ایک خوان میں شہزادوں کے سر کاٹ کر بادشاہ کے حضور پیش کیے۔ بادشاہ نے سرد آہ بھری اور خاموش ہو گئے ہڈسن بہادر شاہ کو قتل کرنا چاہتا تھا مگر اس کے افسر نے اس فعل سے باز رکھا۔

انگریزوں نے یہ الزام بہادر شاہ بادشاہ پر لگائے۔ اس نے ۴۹ انگریز قتل کرائے۔ وظیفہ خوار ہو کر حکومت سے بغاوت کی فوجیوں کو ورغلایا۔ اس مقدمہ کے لیے لال قلعہ میں ایک بنچ مقرر ہوا۔ اس فوجی کمیشن کے صدر لیفٹیننٹ

کرنل داس تھے میجر پامر، ریڈ منڈر، میجر سائرس، کپتان راتھن، کپتان سلہ بیدل مترجم مسٹر جیمس، وکیل سرکار میجر ایف جے ہیرٹ ڈپٹی جج ایڈووکیٹ جنرل تھے دیوان خاص میں مظلوم بادشاہ کو مثل قیدی کے لایا جاتا۔ ۲۷ جنوری ۱۸۵۸ء سے مقدمہ شروع ہوا۔ مکند لال پیشکار بہادر شاہ چنی لال روزنامچہ نویس، حکیم احسن اللہ خان اور فوجی افسران گواہ کی حیثیت سے پیش ہوئے۔ بادشاہ کی طرف سے غلام عباس پیروکار مقدمہ تھے بہادر شاہ نے اپنا بیان تحریری دیا۔ تمام الزام بخت خان اور مرزا مغل کے سر تھوپا۔ خود انقلابی تحریک سے اپنے دامن کو بچا لے گئے۔ آخر ش عدالت نے یہ فیصلہ دیا کہ بادشاہ نے انگریز قتل کرائے اور ملک میں بغاوت پھیلائی۔ غرضیکہ تمام جرائم کے مجرم بادشاہ ہیں۔ ۹ مارچ، ۱۸۵۸ء کو رنگون جانے کا فیصلہ صادر ہوا۔ سر جان لارنس کی کوشش سے بہادر شاہ کو جان سے نہیں مارا گیا۔ بہاذر شاہ رنگون بھیج دیئے گئے۔ نواب تاج محل بیگم، نواب زینت محل اور جواں بخت، ان کے سالے ولایت علی بیگ اور بیوی رنگون گئے۔ ان پر بھی مقدمہ تھا اور بری ہوئے اور واپس آ گئے۔ زینت محل، جواں بخت وہیں رہے چھ سو روپیہ ماہوار مقرر ہوا جسے بادشاہ نے لینے سے انکار کر دیا۔ چار سال نہایت عسرت سے بسر کیے۔ ۷ نومبر ۱۸۶۲ء کو عالم غربت میں بہادر شاہ نے وفات پائی۔ رنگون کی سرزمین میں پیوند خاک ہوئے۔
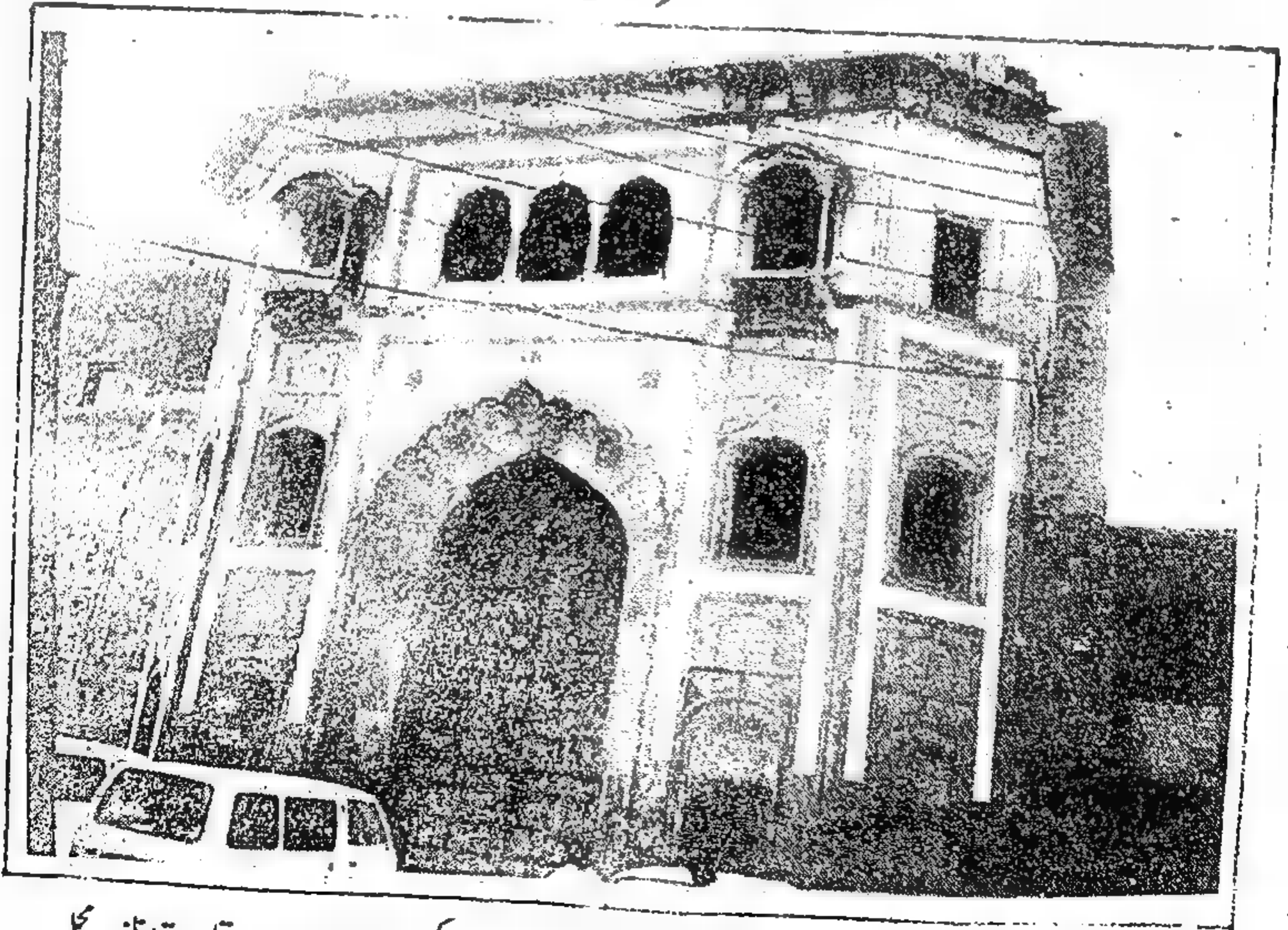
ظفر محل

ظفر محل حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی درگاہ کے قریب ہے کسی زمانہ میں یہاں قلعہ تھا ظفر محل

تک جانے کے لیے چڑھائی چڑھنی پڑتی ہے شہر کا یہ حصہ قلعہ نما نظر آتا ہے۔ ظفر محل کو جانے والا راستہ حوض شمسی کی طرف جانکلتا ہے ظفر محل آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر نے تعمیر کروایا تھا اور برسات کے موسم میں یہاں قیام کرتا تھا ظفر محل دو منزلہ ہے کافی حد تک ٹوٹ پھوٹ چکا ہے۔ تاہم حکومت ہند ظفر محل کی مرمت کروا رہی ہے۔ محل کا دروازہ لکڑی کا ہے باقی حصہ سرخ پتھر اور سنگ مرمر سے تعمیر کیا گیا ہے۔ گیٹ کے اوپر دوسری منزل میں گرمیوں میں ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آرام دہ ثابت ہوتے ہیں زیریں منزل میں کمرے اور عملہ کے قیام کے لیے برآمدے ہیں۔ ظفر محل میں کسی اہم شخصیت کی قبر ہے۔ قبر پر گنبد ہے صحن کے ملحقہ موتی مسجد آخری مغل بادشاہوں کے مقبرے ہیں مغرب کی جانب پتھر تراش کر کمرے تعمیر کیے گئے ہیں لیکن چھتیں نہیں ہیں ظفر محل میں ان دنوں کبوتر اور چمگادڑ قیام پذیر ہیں۔

ZAFAR MAHAL

THIS PLACE KNOWN AFTER BAHADUR SHAH II (A.D.1847-1857) WAS ORIGINALLY BUILT BY AKBAR II. BUT THE MAIN GATE WAY WAS BUILT BY ZAFAR SHAH. IT IS IN RED SAND STONE RELIEVED WITH MARBLE AND ABOUT SOFT. HIGH AND II FT.9 IN.WIDE. THE GATE IS THREE STOREYS HIGH HAVING PROJECTED WINDOWS WITH CURVED BENGALI DOMES. THE CHAJJA IS PRETTY BROAD THE GATE LEADS TO ARCADES ON THE SOUTH AND THE EAST. THE INNER BUILDINGS ARE IN INEERIOR MASONRY AND NOW IN RUINS.

کوہ نور ہیرا

تاج ہندوستان سے تاج برطانیہ تک

ہندوؤں کی تاریخی اور مذہبی کتاب "مہابھارت" میں ایک انمول ہیرے کا ذکر ہے، جو راجہ کا ماوالی آمنگا نے پہنا تھا۔ ہندوستان کی قدیم تاریخ میں ہیرے، جواہرات اور قیمتی موتیوں کا بہت تذکرہ ملتا ہے لیکن یہ صحیح طرح معلوم نہیں ہوتا کہ ان جواہرات میں کوہ نور کیسے اور کہاں سے پہنچا۔ مغل تاریخ میں بھی دو انمول ہیروں کا ذکر ہے ایک بابر کا ہیرا تھا اور دوسرا ایک قیمتی ہیرا، دونوں میں ایک ہر حالت میں کوہ نور تھا۔ بابر اپنی توزک میں کوہ نور کا ذکر کرتا ہے کہ یہ انمول ہیرا سب سے پہلے علاؤالدین خلجی کے قبضے میں تھا مہابھارت کے حوالے کے بعد کوہ نور کا ذکر بھی صرف خلجی خاندان کے اس سلطان کے خزانے میں ملتا ہے۔

ان دنوں ایک سکھ نوجوان جو خود کو مہاراجہ رنجیت سنگھ کی اولاد کہتا ہے نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ آخری بار

بر صغیر میں کوہ نور سکھوں کی ملکیت رہا ہے اس لیے وہ قانونی طور پر اس ہیرے کا حقدار ہے جو اس وقت انگلستان کے شاہی خزانے کی زینت ہے۔ اور ملکہ کے تاج میں جڑا ہوا ہے۔ کوہ نور کا ذکر پڑھنے سے اس قیمتی ہیرو کی پر آشوب تاریخ ماضی کے اوراق میں جھانکتی محسوس ہوئی یہ حقیقت ہے کہ زمانے کے نشیب و فراز بہت تبدیلیاں لاتے رہے ہیں حکومتیں بدل جاتی ہیں لوگ بدل جاتے ہیں حالات بدل جاتے ہیں اور شب و روز ایسی تبدیلیاں لاتے ہیں کہ جنہیں جب تاریخ دان قلم بند کرتا ہے تو پڑھنے والوں کو حیرت ہوتی ہے۔

کوہ نور کی کہانی بہت دلچسپ اور افسانوی ہے۔ کافی عرصہ کوہ نور خلجی خاندان کے شاہی خزانے میں رہا۔ علاؤالدین خلجی کی وفات کے بعد اس کے جانشین نالائق ثابت ہوئے تخت و تاج کے لیے شاہی خاندان کے لوگوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ ہر کوئی تخت اور حکومت ہند کا حکمران بننے کا خواہشمند تھا خانہ جنگی کی صورت میں ملک کی سرحدیں
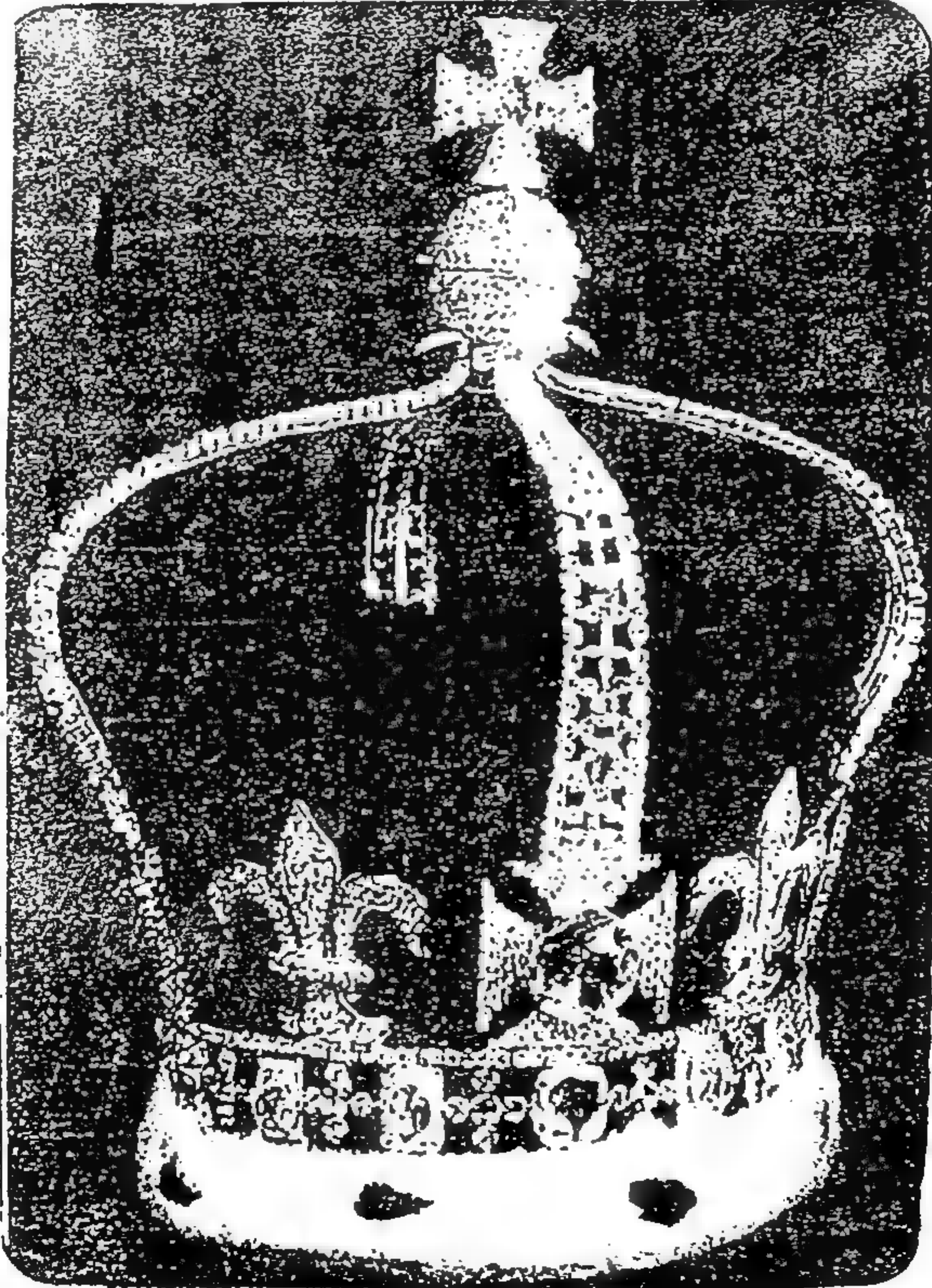
ہمیشہ کمزور ہوتی ہیں مرکز کی حکومت میں کوئی ایسا حکمران نہیں تھا جو شمال مغربی سرحدی صوبہ کے دروں سے آنے والے حملہ آوروں کا مقابلہ کر سکتا۔ ان ہی دنوں سمرقند اور بخارا کے ایک مغل سردار کی فتوحات کی بہت دھوم تھی جس کا نام تیمور لنگ تھا اور جس کے متعلق یہ مشہور تھا کہ وہ آندھی کی طرح آتا ہے اور بگولے کی طرح چلا جاتا ہے۔ اس کی غرض صرف نئے نئے ملک فتح کرنا اور زرد و جواہرات سے اپنا خزانہ بھرنا تھا۔ ہندوستان اپنی دولت کی وجہ سے سونے کی چڑیا کہلاتا تھا۔ یہاں کی سیاسی بدامنی اور کمزور حکومت نے تیمور کو یہاں آنے کے لیے اچھا موقعہ فراہم کر دیا چنانچہ بہت جلد شمال مغربی سرحد سے اٹک کو پار کر کے تیمور کی افواج دہلی کی طرف بڑھنے لگیں۔ اس زمانے میں سلطان نصرت شاہ دہلی کا کمزور بادشاہ تھا اس نے شاہی داروغہ کی مدد سے سارا خزانہ ایک دوسری جگہ منتقل کیا اور کوہ نور کو اپنے کمربند میں چھپالیا تیمور نے دہلی پر قبضہ کر لیا اور اسے تباہ و برباد کر دیا دہلی کی گلیوں میں انسانوں کا ایسے قتل عام ہوا کہ ایسی سفاکی کی مثال دنیا میں کم ملتی ہے۔ اس کے لشکر میں مشرقی وسطی سے لیکر کاکیشیا تک کے جنگجو سپاہی شامل تھے انہوں نے فتح کے ساتھ بے گناہ شہریوں کا خوب خون بہایا جگہ جگہ آگ لگا کر آباد بستیاں اجاڑ دیں دھوئیں سے آسمان کئی روز تک تاریک رہا اور دہلی کی گزرگاہیں انسانی خون سے لالہ زار بن گئیں۔

تیموری لشکر نے لاکھوں روپے کے ہیرے اور جواہرات پر قبضہ کر لیا لیکن کوہ نور سلطان دہلی نے بہت ہوشیاری سے اپنے پاس ہی رکھا اور اس طرح یہ انمول ہیرا سمرقند و بخارا جانے سے رہ گیا۔ تیمور واقعی آندھی کی طرح آیا اور بگولے کی طرح درہ ٹوپی کے راستے واپس چلا گیا اور تاریخ میں انمٹ نقوش تباہی و بربادی کے چھوڑ گیا تیمور کے حملے کے بعد کوہ نور ہیرا ایک سو برس تک گمنامی کی تاریکیوں میں گم رہا دہلی کے تخت پر کئی بادشاہ بیٹھے اور اندرونی سازشوں اور بدامنی کی وجہ سے کوئی دیرپا حکومت دہلی میں قائم نہ ہو سکی مغلوں کے اکا دکا حملے ہندوستان پر ہوتے رہے لیکن اپنے ملک میں خانہ جنگی کی وجہ سے وہ ہندوستان میں کوئی مستقل حکومت قائم نہ کر سکے کافی عرصے کے بعد لودھی خاندان کے پٹھانوں کی حکومت دہلی میں شروع ہوئی جس کے آخری بادشاہ ابراہیم لودھی کے درباری امراء کی باہمی مخالفت اور سازش کی وجہ سے تیموری خاندان کے ایک بہادر شہزادے بابر کو ہندوستان پر حملہ کرنے کا موقع مل گیا چند بار تو وہ صرف مال و دولت اکٹھا کرنے کی غرض سے ہندوستان میں آیا لیکن آخری بار دہلی کے تخت پر قبضہ کرنے کی غرض سے اس نے دریائے اٹک کو تیر کر عبور کیا اور موجودہ پاکستان کو فتح کرتا ہوا پانی پت کے مشہور میدان میں دہلی کے سلطان سے ایک فیصلہ کن جنگ کی ابراہیم لودھی مارا گیا اور دہلی پر مغلوں کی حکومت قائم ہو گئی۔

بابر نے لودھی فوجوں سے دہلی اور اس کے گرد و نواح کو محفوظ کرنے کے لیے شہزادہ ہمایوں کو بھیجا آگرہ کے قلعے میں سلطان ابراہیم کا ایک ہمدرد راجپوت سردار والئی گوالیار کا کنبہ پناہ لیے ہوئے تھا۔ یہ راجہ پانی پت کے میدان میں مارا

گیا ہمایوں کے آگرہ پہنچنے سے پہلے ہی اس کنبے نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن ہمایوں کو علم ہو گیا اس نے چاروں طرف سے ناکہ بند کر دی اور وہ بھاگ نہ سکے۔ چنانچہ گوالیار کے شاہی خاندان نے مغلیہ شہزادے کی اطاعت قبول کر لی۔ ایک بوڑھی رانی نے ہیرے جواہرات سے بھرا ہوا ایک تھال شہزادہ ہمایوں کی نذر کیا ان میں کوہ نور بھی تھا۔ ہمایوں اس چمکدار ہیرو کو دیکھ کر حیران رہ گیا اور اس نے ازراہ عقیدت یہ انمول ہیرا شہنشاہ بابر کی نذر کیا شہنشاہ بھی کوہ نور کی چمک دمک اور ساخت دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ شاہی جوہریوں نے کوہ نور کی قیمت ساری دنیا کی ڈھائی دن کی خوراک بتائی۔ اس کا وزن ۱۹۱ رتی تھا۔ بابر نے خوش ہو کر ہیرا پھر شہزادہ ہمایوں کو واپس کر دیا کوہ نور راجہ گوالیار کے پاس کیسے پہنچا تاریخ دانوں کا خیال ہے کہ دہلی کے ایک عیاش سلطان نے روپے کی تنگی کے باعث کوہ نور کو راجہ گوالیار کے پاس بیچ دیا تھا۔

بابر کی اچانک موت کے بعد ہمایوں ہندوستان کا بادشاہ بنا ہمایوں رحم دل اور صابر انسان تھا دس سال اس نے نہایت سادگی سے حکومت کی لیکن اس کے تینوں بھائی کامران، ہنڈال اور عسکری اس کے لیے مشکلات پیدا کرتے رہے وہ اس کے ہمدرد نہ تھے اور اسے کبھی چین کا سانس نہ لینے دیا ہمایوں کو اکثر ان کی مخالفت کچلنے کے لیے چوکنا رہنا پڑتا۔ انہی دنوں ایک افغان سردار شیر خان نے بہار کے چھوٹے سے صوبے میں علم بغاوت بلند کر کے دہلی کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ قنوج کے مقام پر ہمایوں نے اس کا مقابلہ کیا مگر شکست کھائی اور بھاگ نکلا۔ دہلی کے تخت پر باغی افغان سردار شیر شاہ سوری کے نام سے تخت نشین ہو گیا ہمایوں جان بچاتا ہوا سندھ کے ریگستان کی طرف بھاگ نکلا کئی سال وہ ان صحراؤں میں مارا مارا پھرتا رہا پھر اس نے حمیدہ بانو بیگم سے شادی کی شادی کے دوسرے سال امر کوٹ کے مقام پر جلاوطنی کے زمانے میں اکبر پیدا ہوا۔ اس عرصہ میں ہمایوں پر مصیبت اور تکلیفوں کا پہاڑ ٹوٹتا رہا لیکن کوہ نور ہیرا اس کے پاس محفوظ رہا اس نے اس انمول ہیرے کو اپنے سے جدا نہ کیا۔

ہمایوں بہت تگ و دو کے بعد ایران پہنچنے میں کامیاب ہوا اور شاہ طہماسپ کے پاس پناہ لی۔ حمیدہ بانو بیگم اور شہزادہ اکبر اس سے جدا ہو گئے قندھار کے مقام پر اس کے بھائی کامران نے دونوں کو یرغمال بنا کر اپنے پاس رکھ لیا۔ شاہ ایران نے جلاوطن بادشاہ کی بہت عزت کی اور اس کی ہر طرح مدد کرنے کا وعدہ کیا چنانچہ ہمایوں نے نذرانے کے طور پر دوسرے ہیرے جواہرات کے ساتھ کوہ نور ہیرا بھی شاہ ایران کو پیش کر دیا ہمایوں کوہ نور کے متعلق کہا کرتا تھا کوہ نور خریدا نہیں جا سکتا یہ قسمت کی یاوری سے ہاتھ آتا ہے یا صرف بادشاہوں کے ترکہ میں ملتا ہے یقیناً یا دو تلواروں کے فیصلہ کن ٹکراؤ سے حاصل ہوتا ہے اس نے بادل نخواستہ یہ ہیرا شاہ ایران کو پیش کیا ہو گا۔ پندرہ سالوں کی طویل جلاوطنی کے بعد ہمایوں نے ہندوستان کا کھویا ہوا تخت دوبارہ حاصل کیا شیر شاہ سوری مر چکا تھا اور اس کے جانشین

نالائق اور کمزور ثابت ہوئے اور دہلی کی سلطنت ایک بار پھر بدامنی اور کمزوری کی جیتی جاگتی مثال تھی۔ ہمایوں سب سے پہلے کابل آیا جہاں اس کا بھائی کامران حکمران تھا اسے شکست دی اور آگے بڑھا۔ کامران کی غداری کی وجہ سے ہمایوں نے اس کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروائیں ہمایوں کا جرنیل بیرم خان دہلی کی طرف روانہ ہوا اور دہلی اور آگرہ پر مغل افواج کا قبضہ ہو گیا اور مغل دہلی کے تخت کے ایک بار پھر حکمران بن گئے۔ کوہ نور ایران کے شاہی خزانے میں ساٹھ برس تک رہا لیکن ایک انجانے اور پراسرار طریقے سے کسی سوداگر نے ایران سے کوہ نور کو نکال کر احمد نگر کی دکنی ریاست کے حکمران برہان نظام شاہ کے حوالے کر دیا یہ سوداگر دکن کی اس ریاست میں جاسوسی میں گرفتار ہو گیا تھا جب اس کی تلاشی لی گئی تو نظام شاہ نے کوہ نور کے عوض اس کی جان بخشی کر دی۔ لیکن احمد نگر میں کوہ نور بہت تھوڑی دیر تک رہا۔ اکبر اعظم نے دکن پر چڑھائی کی اور احمد نگر کے شاہی خزانے کے ساتھ کوہ نور بھی مغلیہ خزانے کی زینت بن گیا۔

اکبر کے بعد جہانگیر بادشاہ بنا اور ایک موقع پر اس نے کوہ نور اپنی چہیتی ملکہ نور جہاں کو پیش کر دیا۔ نور جہاں کوہ نور کی آب و تاب پر فریفتہ تھی اور اسے اپنے سنگار دان میں رکھتی تھے اور شاید ہر روز اسے دیکھتی تھی۔ جہانگیر کے بعد شاہجہان بادشاہ بنا اسے عمارتیں بنوانے کا بہت شوق تھا اس نے ایک نیا شہر شاہجہان آباد پرانی دہلی کے پاس ہی بنوایا۔ جمنا کے کنارے سرخ پتھر سے ایک مضبوط اور خوبصورت قلعہ تعمیر کروایا اس کے سامنے اسی سرخ پتھر سے ایک جامع مسجد بھی بنوائی قلعہ کو سرخ پتھر کی تعمیر کی وجہ سے لال قلعہ کا نام دیا گیا اس میں بہت عمدہ ایوان، حرم سرائیں بھی تھیں شہنشاہ دربار کے لیے دیوان عام اور دیوان خاص بھی بنائے گئے شہزادوں شہزادیوں اور بیگمات کے لیے الگ الگ حجرے اور ایوان تعمیر ہوئے بیچوں بیچ سنگ مرمر کی نہر نکالی گئی اس کا پانی جمنا سے آتا تھا اور قلعہ کے تمام باغات اس پانی سے سیراب ہوتے تھے کوہ نور کو بھی قلعہ کے محفوظ مقام پر دوسرے شاہی جواہرات کے ساتھ رکھ دیا گیا خاص جشن اور تقریبات پر بطور نمائش اس خوبصورت ہیرے کو نکالا جاتا جب شاہجہان نے پہلی بار اپنی ملکہ ممتاز محل کو یہ ہیرا دکھایا تو اس نے کہا "سبحان اللہ، یہ تو کوہ نور یعنی روشنی کا پہاڑ ہے کتنا تابدار ہے"۔

شاہجہان کی زندگی میں ہی اس کے چاروں بیٹوں دارا شکوہ مراد، شجاع اور اورنگزیب میں تخت کے حصول کے لیے جنگ ہوئی جس میں اورنگ زیب کو فتح نصیب ہوئی شاہجہان کی وفات کے بعد اور اسے ملکہ ممتاز محل کے پہلو میں ہی تاج محل میں دفن کیا گیا جو بادشاہ نے ملکہ کے لیے بنوایا تھا اور جو جمنا کے کنارے ابھی بھی ایک "حسین خواب" کی طرح نظر آتا ہے۔ کوہ نور اب شہنشاہ اورنگزیب کی ملکیت میں تھا شہنشاہ کو ایک اور ہیرا بھی ملا جس کا نام دریائے نور تھا، یہ ہیرا وزن میں کوہ نور سے کم لیکن بہت خوبصورت اور بے داغ تھا۔ میر جملہ نامی ایک

سوداگر گولکنڈا کے حکمران کے دربار میں بہت معروف تھا۔ سپہ سالار ہونے کے علاوہ وہ ایک اچھا سوداگر بھی تھا اور ہیرو جواہرات کی تجارت بھی کرتا تھا گولکنڈا کی کانوں سے کافی ہیرے جواہرات نکلا کرتے تھے دریائے نور ان دنوں گولکنڈا کے حکمران کے پاس تھا کچھ عرصے کے بعد میر جملہ کے گولکنڈا کے حکمران سے تعلقات خراب ہوئے۔ شاہی خزانے کے کافی قیمتی ہیرے اڑا لیے اور انہیں شاہجہاں کی خدمت میں پیش کیا شاہجہاں نے خوش ہو کر اسے بہت بڑا عہدہ دیا لیکن دریائے نور میر جملہ نے اپنے پاس ہی رکھا۔ شہزادوں کی حصول تخت کی لڑائی میں میر جملہ نے اورنگزیب کا ساتھ دیا اس لیے اورنگزیب نے تخت نشین ہوتے ہی میر جملہ کو اپنا وزیر اعظم بنالیا اس موقع پر میر جملہ نے اورنگزیب کو دریائے نور کا تحفہ دیا۔ انگریز مصنفین کوہ نور اور دریائے نور کو بسا اوقات ایک ہی ہیرا سمجھتے ہیں لیکن دریائے نور بہت تھوڑا عرصہ ہندوستان کی سرزمین میں رہا۔ اورنگزیب عالمگیر نے یہ ہیرا بطور نذرانہ حضرت فاطمہ الزہرہؓ کے روضہ مبارک پر بھیج دیا یہ ہیرا پہلی جنگ عظیم تک حضرت فاطمہ زہرہؓ کے روضے پر موجود تھا۔ ہاشمی خاندان کے سلطان شریف حسین والئی مکہ نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے ان کا کہنا ہے کہ جنگ شروع ہونے تک حضرت فاطمہ کے روضہ مبارک میں ایک بہت خوبصورت ہیرا نصب تھا۔ جو مرغی کے ایک انڈے کے برابر بڑا تھا اور تابدار تھا اس کے علاوہ اور قیمتی جواہرات بھی یہاں موجود تھے جنگ شروع ہونے کے بعد امیر فیصل اور کرنل لارنس کی کمان میں عرب اور انگریز فوجیں ترکوں سے لڑتی ہوئی جب حجاز پہنچیں تو ترکوں نے دریائے نور اور دوسرے قیمتی جواہرات کو روضہ مبارک سے نکال کر ان کو طولیہ کے کسی محفوظ مقام پر پہنچا دیا پہلی جنگ عظیم سے پہلے عرب کا سارا علاقہ ترکوں کے قبضے میں تھا دریائے نور آج کل ترکی کے پاس ہے۔ دہلی بار بار اجڑی اور بارہا آباد ہوئی غالباً دنیا کا کوئی شہر اتنی بار تعمیر نہیں ہوا جتنی بار دہلی۔ تیمور لنگ کے حملے کے بعد مغلیہ بادشاہوں نے دہلی کو ایک بار پھر آباد کیا تعمیر کیا اور وہاں زندگی کی رونقیں اس طرح دوبارہ بحال ہوئیں کہ دہلی کی تاریخ بربادی کی ساری داستانیں فراموش ہو گئیں اور اورنگزیب کی وفات کے بعد مغلیہ بادشاہ کمزور اور نالائق ثابت ہوئے مرکز کمزور ہو گیا بغاوتیں ہونے لگی اور اندرونی سازشوں نے ملک میں جنم لینا شروع کیا۔

اورنگزیب کی وفات کے ۱۳ برس تک کئی بادشاہ تخت نشین ہوئے محمد شاہ رنگیلا کے عہد حکومت میں ہندوستان کے کئی صوبے خود مختار ہو گئے اور خانہ جنگی سے ملک کمزور ہو گیا کوہ نور بھی وقت کے ساتھ مختلف بادشاہوں کے خزانے کی زینت بنتا رہا۔ محمد شاہ رنگیلا گانے بجانے کا بہت شوقین تھا شراب کا رسیا تھا دربار میں بھی اس قسم کے لوگ اس نے جمع کر رکھے تھے۔ وہ موسیقی کو سمجھتا تھا اور کئی راگ اور راگنیاں اس نے ایجاد کیں، لیکن بادشاہ کی کچھ اور اہم ذمہ داریاں بھی ہوتی ہیں۔ جن سے وہ بالکل غافل تھا اور اسے سلطنت کے کاموں اور انتظام سے کوئی سروکار نہ تھا ان

حالات میں بیرونی خطرے ملک کو پیش آجاتے ہیں چنانچہ ایران کے بادشاہ نادر شاہ نے ہندوستان پر حملہ کر دیا اور شمالی ہند کے کافی رقبے کو ایران میں شامل کر لیا ایک معمولی گڈریئے کا محض اپنی قابلیت بہادری اور ذہانت کی وجہ سے ایران جیسے ملک کا بادشاہ بن جانا تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے۔ لاہور کو فتح کرنے کے بعد نادر شاہ کی سپاہ دہلی کی طرف بڑھی لیکن محمد شاہ رنگیلا اور اس کے عیاش امرا اس بات کی اہمیت نہ جان سکے کہ دہلی کے تخت پر کیسا خطرہ منڈلا رہا ہے مغلیہ خاندان کے چند وفادار اور بہادر سپاہیوں نے نادر شاہ کا مقابلہ کیا لیکن چند گھنٹے کی مختصر لڑائی کے بعد نادر شاہ نے دہلی فتح کر لی محمد شاہ کا سارا اسلحہ خانہ، شاہی اصطبل اور فیل خانہ حملہ آور بادشاہ کے قبضے میں آگئے۔

دوسرے دن فتح و کامرانی سے سرشار نادر شاہ دہلی آیا اور شکست خوردہ محمد شاہ رنگیلا کے ساتھ لال قلعہ میں داخل ہوا دہلی کی تاریخ کی یہ بدقسمتی ہے کہ کسی نے یہ مشہور کر دیا کہ نادر شاہ قلعہ میں مارا گیا ہے چند سپاہیوں نے یہ خبر سن کو نادر شاہ کے سپاہیوں کو مار دیا اس کی خبر جب نادر شاہ کو پہنچی تو وہ غصے سے پاگل ہو گیا اور دہلی کے عوام کے قتل عام کا حکم دے دیا، تاریخ میں ایسی المناک داستانیں کم ہیں جو نادر شاہی افواج نے ان معصوم بے گناہ اور لاچار شہریوں کے ساتھ کیا۔ جوان، بوڑھے، بچے عورتیں کوئی تلوار کی تیز دھار سے نہ بچ سکے۔ لاشوں کے ڈھیر لگ گئے شہر میں خون کی ندیاں بہنے لگیں اور پھر قتل و غارت گری کے اس وحشی کھیل کے بعد شہر کو آگ لگا دی گئی۔ انسانیت گنگ ہو گئی اور جو قتل عام سے بچے تھے شعلوں کی نذر ہو گئے۔ محمد شاہ رنگیلا شاید اب غفلت کی نیند سے چونکا اور اسے احساس ہوا کہ اس کی وجہ سے بے گناہ رعایا ماری گئی ہے وہ روتا ہوا نادر شاہ کے پاس گیا اور اپنے گناہوں کیلئے معافی کی درخواست کی نادر شاہ بھی شاید خون کی ہولی دیکھ کر تنگ آگیا تھا قتل عام بند کرنے کا حکم صادر کیا اب صرف ایک بار اس کی تلوار میان میں جانے سے دہلی میں فوراً امن ہو گیا۔

دہلی لٹ گیا، تباہ ہو گیا اب شاہی خزانہ کی باری تھی خزانہ میں صدیوں سے جمع کیا ہوئی بے پناہ دولت جس میں قیمتی زرد جواہر اور آبدار موتی تھے۔ نادر شاہ کے قبضے میں آئے شاہجہان کا کروڑوں روپے کا بنا ہوا تخت طاؤس بھی نادر شاہ نے قبضہ میں کر لیا کوہ نور ہیرا محمد شاہ نے اپنی دستار میں چھپا لیا۔ لیکن جاسوسوں کو اس کی خبر ہو گئی اور انہوں نے نادر شاہ کو بتا دیا۔ چنانچہ روانگی کے وقت نادر شاہ نے اپنا کلاہ محمد شاہ کے سر پر رکھ دیا اور اس کی پگڑی یہ کہہ کر اپنے سر پر رکھ لی کہ ہم دونوں آج سے بھائی بھائی ہیں محمد شاہ نے اس طرح مجبوراً کوہ نور لاعلمی میں نادر شاہ کے حوالے کر دیا اور یہ انمول ہیرا ایک بار پھر ایران پہنچ گیا محمد شاہ رنگیلا جیسے بدنصیب بادشاہ دنیا میں کم گزرے ہیں جس نے نہ صرف اپنا تخت و تاج کھویا بلکہ ملک کا ایک بڑا حصہ جس میں کشمیر، سندھ کابل اور پنجاب شامل تھا اس کے ہاتھ سے نکل گئے۔ پھر کوہ نور کا ذکر سکھ حکمران مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانے میں سننے میں آتا ہے جب

افغانستان کا والی شاہ شجاع جو احمد شاہ ابدالی کے خاندان سے تھا اور Sudozy نسل سے تعلق رکھتا تھا پنجاب میں پناہ لینے پر مجبور ہوا اس کے امراء نے اس کے خلاف بغاوت کر دی اور امیر دوست محمد کابل کا حکمران بن گیا غزنی، ملتان، کشمیر پر بھی اس نے قبضہ کر لیا۔ اور اس کے بھائی قندھار پر قابض ہو گئے رنجیت سنگھ نے کابل کا تخت دوبارہ حاصل کرنے کیلئے شاہ شجاع کی مدد کا وعدہ کیا ۱۸۳۳ء میں ایک کوشش ناکام ہو گئی۔ شاہ شجاع کا قیام لاہور کی مشہور مبارک حویلی میں تھا۔ جو اب قزلباش خاندان کی ملکیت ہے رنجیت سنگھ نے تین لاکھ روپے اور پچاس ہزار سالانہ کی ایک جاگیر کے عوض شاہ شجاع سے کوہ نور ہیرا خریدا۔ کہتے ہیں کہ شاہ شجاع کسی قیمت پر کوہ نور کو بچانا چاہتا تھا۔ جلاوطنی کے زمانے میں بھی کوہ نور کو ہندوستان لے آیا تھا۔ لیکن رنجیت سنگھ کی عیاری کے سامنے اس کی کوئی پیش نہ گئی اور کوہ نور مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گیا ۱۸۴۶ء میں انگریزوں اور سکھوں کے درمیان لاہور معاہدہ ہوا۔ رنجیت سنگھ کے کمزور جانشین اس کی موت کے بعد انگریزوں کے سامنے بالکل بے بس تھے۔ اس لیے اس معاہدہ میں جہاں اور کئی شرائط طے پائیں پنجاب پر قبضے کے علاوہ کوہ نور بھی انگریزوں نے لے لیا۔ لارڈ ڈلہوزی جو اس وقت ہندوستان کا گورنر جنرل تھا، نے یہ انمول ہیرا ملکہ وکٹوریہ کو پیش کیا۔ اس وقت یہ چمکدار اور تاریخی ہیرا بادشاہ انگلستان کے تاج میں جڑا ہوا ہے انگریزوں کے عروج کا سورج غروب ہو چکا ہے جن کے متعلق یہ کہا جاتا تھا کہ ان کی سلطنت پر سورج کبھی غروب نہیں ہوتا لیکن کوہ نور کا سورج چمک رہا ہے۔

مضمون نگار: ثریا کے ایچ خورشید (نوائے وقت سنڈے میگزین ۲۰ جون ۱۹۹۹ء

سیّد خاندن کا تاریخ ہند میں مقام

عروج وزوال کی داستان

محمود تغلق کے دور میں امیر تیمور نے دہلی پر حملہ کیا اہل دہلی کا قتل عام کیا محمود تغلق گجرات فرار گیا۔ تیمور کی واپسی کے بعد امیر تیمور نے سمرقند واپس لوٹتے ہوئے سیّد خضر خان کو اپنا نائب السلطنت مقر کیا۔ وہ محمود تغلق کے بعد بادشاہ بن گیا۔ اس نے خاندان سادات کی بنیاد ڈالی۔ سادات خاندان کا عہد 1414 سے 1451ء تک رہا اس خاندان کا آخری تاجدار علاوالدین عرف شاہ عالم تھا۔ اس خاندان کے چھ حکم ہوئے جنہوں نے دہلی پر مندرجہ ذیل عرصہ میں حکومت کی ان کے نام امیر تیمور پندرہ یوم سن وفا 1405ء۔ دولت خان ایک سال دوماہ سن وصال 1414ء۔ سید خضر خان سات سال دوماہ وصال 1421 خضر الدین ابو لفتح مبارک شاہ تیرہ سال سن وفات 1433ء۔ سلطان محمد شاہ بارہ سال چندماہ وفات 1445 کو ہوئی۔ سلطان علاوالدین عالم شاہ نے چھ سال چندماہ دہلی پر حکومت کی اس نے 1478ء میں وفات پائی۔ خضر خان، ملک المشرق ملک سلیمان کا بیٹا تھا۔ ناصر الملک مردان دولہ (گورنر ملتان) کا متبنی تھا۔ اس مرنے کے بعد ملک شیخ اس کا بیٹا جانشین ہوا۔ لیکن قضا نے اس کو بھی چند دن بعد اپنے باپ سے ملا دیا۔ اس فیروز شاہ ملک سلیمان کو اقطاع ملتان کا مالک بنا دیا مگر یہ بھی چند روز زندہ رہا۔ اس لیے اس کے بعد اس کا بیٹا خان یہاں کا فرمانروا مقرر کیا گیا چونکہ ملک سلیمان سیّد تھا اور خضر خان اس کا بیٹا تھا۔ اس لیے جو عہد حکوم خضر خان سے شروع ہوتا ہے اسے سید خاندان کی سلطنت سے تعبیر کرتے ہیں۔ خضر خان کو کسی مورخ سلطان کے لقب سے یاد نہیں کیا۔ مبارک شاہی میں تخت نشینی کے بعد اس کو "مدہ رائت عالی" اور تخت سے پہلے "مسند عالی" لکھا ہے۔ طبقات اکبری میں رایت عالی درج ہے اور ملائے بدایون نے مسند عالی تحری ہے۔ فرشتہ نے صرف سید خضر خان کو ترجیح دی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خضر خان نے باوجود تخت نشین جانے کے ہمیشہ اپنے کو تیمور کا ماتحت سمجھا اور کبھی بادشاہ ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ ملا عبدالقادر بدیونی نے اپنی تصنیف میں اس بیان پر کفایت کی ہے کہ "ہم بادشاہی بر خود تجویز نہ کرو ورایات اعلیٰ خطاب یافت"

خضر خان نے فیروز شاہ یا اس کی اولاد کا نام سکوں میں درج کرایا تھا حالانکہ وہ خود بادشاہ کہلائے جا کی آرزو نہ رکھتا تھا۔ اس لیے اس کو پرواہ نہ تھی کہ سکوں پر کس کا نام ہے۔ البتہ وہ سن ضرور درج کرتا جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ فلاں شخص کے عہد میں یہ سکہ جاری ہوا۔

خضر خان سب سے پہلے تاریخ ہند میں بہ حیثیت گورنر ملتان نمودار ہوا۔ جب فیروز شاہ مر گیا اور اس کے

حکومت میں طوائف الملوکی پھیل گئی تو پھر وہ اس وقت نظر آیا جب سارنگ خان ملا اقبال خان کے بھائی نے قلعہ ملتان کا محاصرہ کر کے اس کو قید کرایا ۷۹۸ھ اس کے بعد خضر خان کسی طرح قید سے اپنی جان بچا کر بیانہ چلا گیا اور پھر جب تیمور نے حملہ کیا تو اس نے اپنی امیدوں کو اس کے ساتھ وابستہ کر دیا اور آخر کار امیر تیمور کی واپسی پر اس نے ۱۴۱۴ء میں دولت خان لودھی کو زیر کر کے دہلی پر قبضہ حاصل کر لیا اس نے سات سال تک حکومت کی اور ہمیشہ اس کوشش میں رہا کہ کسی طرح سلطنت دہلی کا اگلا اقتدار پھر قائم ہو جائے، لیکن وہ اس میں صرف اس قدر کامیاب ہوا کہ قرب وجوار کے راجہ ایک حد تک مطیع ہو گئے لیکن بغاوت وشورش بدستور باقی رہی اور جو اجزاء سلطنت منتشر ہو گئے تھے وہ فراہم نہ ہو سکے۔

۸۱۷ھ میں تخت نشین ہوتے ہی اپنے وزیر تاج الملک (ملک الشرق) کو بدایوں اور کیھتر ہ کی طرف روانہ کیا یہاں کا راجہ ہر سنگھ آنولہ میں بھاگ گیا اور پھر مطیع ہو گیا۔ اسی طرح حیات خان امیر بدایونی نے بھی اطاعت اختیار کی۔ اس کے بعد اسی نے کالی ندی اور گنگا کو عبور کر کے شمس آباد اور کمبل (کملا) کے باغیوں سے خراج وصول کیا اور دہلی واپس آیا۔ چونکہ راجاؤں اور باغیوں کی یہ اطاعت بالکل عارضی تھی۔ اس لئے پھر شورش اور انحراف کی شکایت رہی اور ۱۴۱۶ء ۸۱۹ھ میں دوبارہ تاج الملک کو بیانہ اور گولیار جانا پڑا خود خضر خان کو بھی قلعہ ناگور کی طرف سفر کرنا پڑا کیونکہ سلطان احمد شاہ گجراتی نے وہاں محاصرہ کر رکھا تھا۔ اس سے فارغ ہو کر یہ گوالیاء گیا قلعہ تو فتح نہ ہوا لیکن وہاں احمد شاہ نے راجہ سے خراج وصول کر کے بیانہ گیا اور یہاں کے حاکم شمس خان اوحدی کو زیر کیا۔

۱۴۱۷ء میں ملک طغائی اور ترکوں کی جماعت نے بغاوت کی اور سرہند کا محاصرہ کر لیا۔ خضر خان نے زیرک خان سمانہ کو اس بغاوت کے فرد کرنے کے لئے مامور کیا۔ ملک طغائی نے اطاعت قبول کی۔ اور جالندھر اس کے سپرد کیا گیا ۸۲۱ھ 1418ء میں راجہ کیتھر نے بغاوت کی تاج الملک نے اسے زیر کیا اور اٹاوہ کو تاخت کرتے ہوئے دہلی واپس آیا۔ ۸۲۲ھ میں خود خضر خان کو کیتھر کی طرف جانا پڑا اور اس نواح کے باغیوں کو زیر کر کے بدایوں کی طرف متوجہ ہوا مہاجت خان حاکم بدایوں قلعہ بند ہو گیا۔ خضر خان نے محاصرہ کیا اور چھ ماہ تک یہیں پڑا رہا۔ قلعہ فتح ہونے کے قریب تھا کہ دہلی میں شورش ہونے کی خبر معلوم ہوئی اور مجبوراً واپس جانا پڑا اس کے بعد معلوم ہوا کہ ایک شخص نے جو اپنے کو سارنگ خان کہتا ہے۔ جالندھر میں شورش برپا رکھی ہے۔ مشکل تمام اس کا فتنہ بھی فرد ہوا۔

۱۴۲۱ء میں خضر خان نے میوات کو زیر کیا اور گوالیاء کی طرف روانہ ہوا۔ یہاں سے خراج لے کر اٹاوہ پہنچا اور یہیں بیمار ہو گیا اسی حال میں دہلی واپس آیا اور ۷ اجمادی الاول ۸۲۴ھ ۱۴۲۱ء مئی کو مر گیا۔ تاج الملک کا انتقال اس سے چار ماہ قبل محرم میں ہو چکا تھا۔

خضر خان نے اپنی وفات سے تین دن قبل اپنے بیٹے کو جانشین مقرر کر دیا تھا۔ چنانچہ ۱۹ء جمادی الاول ۸۲۴ھ کو تخت نشین ہوا۔

اسی سال شیخا کھوکھر کے بھائی جسرت کھوکھر اور طغار ئیس نے بغاوت کی اور یہ شورش اس حد تک بڑھی کہ خود مبارک شاہ کو سفر کرنا پڑا۔ اس جنگ میں جسرت کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ گیا لاہور بالکل ویران ہو گیا تھا۔ اس لئے کچھ عرصہ قیام کر کے اس کو آباد کیا۔ عمارات بنوائیں اور پھر دہلی واپس آیا۔

۱۴۲۳ء میں کیتھرہ (روہیل کھنڈ) کی طرف فوج کشی کی اور خراج وصول کیا۔ مہابت خان حاکم بدایوں نے بھی حاضر ہو کر معافی چاہی اس سال بیانہ میں بدامنی پھیلی اور مبارک شاہ نے اس کو فرو کیا۔ ۸۲۹ھ ۱۴۲۵ء میں میواتیوں نے شورش برپا کی اور لشکر شاہی اس طرف روانہ کیا گیا۔ ابراہیم شاہ شرقی کی مبارک شاہ سے برہاں آباد ضلع اٹاوہ کے میدان میں جنگ ہوئی۔ لیکن ابراہیم شاہ شرقی جونپور خائف ہو کر چلا گیا اور ۱۴۲۸ء میں مبارک شاہ کامیاب دہلی واپس آیا۔

۲۹۔۱۴۳۰ء ۸۳۲ھ میں فولاد غلام نے سرہند میں سر اُٹھایا اور مسلسل چار سال تک مبارک شاہ اس کے پیچھے سرگرداں رہا۔ آخر کار ۱۴۳۳ء میں جو مبارک شاہ کا آخری سال تھا۔ فولاد غلام مارا گیا۔ اور بمشکل تمام پنجاب کی شورش عارضی صورت سے رفع ہوئی۔

مبارک شاہ اپنے خصائل کے لحاظ سے نیک نیت کریم النفس شخص تھا۔ وہ اکثر و بیشتر اپنی فوج کے ساتھ جاکر دشمنوں سے جنگ کرتا تھا اور حد درجہ دلیر و شجاع تھا۔ جو بدامنی اور خرابی پہلے سے چلی آرہی تھی۔ وہی اس کے عہد میں بھی قائم رہی جونپور اور مالوہ کے صوبوں کی جو سیاسی اہمیت ہو چکی تھی۔ اس نے مبارک شاہ کو اس قدر تکلیف نہیں پہنچائی جس قدر اقطاع پنجاب نے جہاں اس کا باپ خضر خان سلطنت دہلی حاصل کرنے کے لئے دولت خان لودھی کے خلاف روانہ ہوا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ محمد بن سام کے جانشینوں کا متبرک پایہ تخت پہلے ہندوستان میں اپنا اقتدار کھو چکا تھا۔ اور تیمور کے حملہ نے تو ایسی کاری ضرب لگائی کہ گجپتی بادشاہوں کو جو عزت ہندوستانی آبادی کے دل میں مرتسم تھی وہ دفعتہً زائل ہو گئی۔

کیتھرا کے ہندو زمینداروں نے اس کے عہد میں بغاوت کی دہلی کے جنوب میں جو ایک حصہ ملک نصف دائرہ کی صورت میں مختلف جاگیرداروں راجاؤں اور امراء کے قبضہ میں تھا اس نے سر اٹھایا۔ مبارک شاہ نے ان کو دبایا خراج وصول کیا عارضی طور پر وہ مطیع ہو گئے اور پھر سرکشی اختیار کی۔ الغرض یہی مد و جزر قائم رہے لیکن سب سے زیادہ تکلیف پنجاب کے گکھڑوں یا کھوکھروں سے پہنچی جن پر حقیقت یہ ہے کہ تیمور کو بھی برائے نام فتح حاصل ہوئی تھی اور ان تاتاری حملوں سے جو شاہ رُخ کے گورنر کابل کی امداد سے فولاد نے پے در پے پنجاب میں جاری رکھے اور ان کی سازشوں سے خود دہلی بھی محفوظ نہ رہ سکا۔

مبارک شاہ اپنے نئے شہر مبارک آباد کی مسجد میں تھا کہ خود اس کے وزیر سرور الملک کے اشارہ سے ہندوؤں نے اسے قتل کر ڈالا تاریخ وفات مصنف مبارک شاہی نے ۹ رجب ۸۳۷ھ (۱۹ جنوری ۱۴۳۴ء) تحریر کی ہے۔

مبارک شاہ کے قتل ہوتے ہی چند گھنٹے بعد مکار وزیر (سرور الملک) نے محمد شاہ کو جو خضر خان کا پوتا، فرید خاں کا بیٹا اور مبارک شاہ کا متبنی تھا۔ تخت نشین کر دیا اور چونکہ یہ تخت نشینی بالکل برائے نام تھی اور وزیر خود بادشاہ بننا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے خزانہ پر قبضہ کر لیا۔ اور بڑی بڑی جاگیریں اپنے ہی آدمیون کو تقسیم کیں اور امراء مبارک شاہ میں سے بعض کو قتل اور بعض کو مقید کر دیا۔ چونکہ سرور الملک (جسے اب خان جہاں کا خطاب مل گیا تھا) کی دغابازی اور مکاری کا حال سب کو معلوم ہو گیا تھا۔ اس لئے ان امراء نے جو خضر خان کے ممنون تھے۔ سرور الملک کی مخالفت شروع کر دی۔ اس نے اپنے خاص سرداروں کو مخالف امراء کے مقابلہ میں روانہ کیا انہیں میں ایک کمال الملک بھی تھا۔ جو در پردہ سرور الملک کا سخت دشمن اور مبارک شاہ اپنے آقا کے خون کا بدلہ اس سے لینا چاہتا تھا۔ یہ لوگ برن (بلند شہر) پہنچے تو کمال الملک کے ساتھی امراء کو معلوم ہوا کہ یہ خود ہمارا ہی دشمن ہے۔ اس لئے انہوں نے سرور الملک کو اس کی اطلاع دی۔ سرور الملک نے اس کا انسداد کرنا چاہا، مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہوا اور اسی اثناء میں کمال الملک نے ملک الہ داد وغیرہ موافق امراء کو ساتھ لے کر دہلی کا رُخ کیا اور قلعہ سری کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ تین ماہ تک قائم رہا۔ بادشاہ کو بھی سارے حالات معلوم ہو چکے تھے۔ اس لئے اس نے سرور الملک کو جب کہ وہ خود بادشاہ کے قتل کی فکر میں تھا ہلاک کرا دیا اور اس کے ساتھیوں کو بھی عبرتناک سزائیں دیں۔ اب محمد شاہ کے لئے یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے اپنے تئیں خود مختار بادشاہ سمجھا اس کے بعد ۱۴۳۶ء ۸۴۰ھ میں بادشاہ سامانہ گیا اور وہاں کے گکھڑوں کے خلاف ایک فوج روانہ کی جو تاخت و تاراج کے بعد واپس آئی۔

محمد شاہ نے ان جھگڑوں سے فارغ ہو کر کچھ دنوں تک انتظام سلطنت کی طرف توجہ کی۔ لیکن پھر عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں پھر وہی بدامنی شروع ہو گئی اور قرب وجوار کے خود مختار فرمانرواؤں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ ابراہیم شاہ شرقی (جونپور) نے بہت سے اضلاع کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ مالوہ کے فرماں روا محمود خلجی کی جرأت تو اس حد تک بڑھ گئی کہ اس نے خود دہلی پر حملہ کیا ان مصائب سے آزاد ہونے کے لئے محمد شاہ نے بہلول لودھی کو طلب کیا جو لاہور اور سرہند کا گورنر (حقیقتاً وہاں کا حکمران) اس کی مدد سے یہ خطرات اس وقت دور ہو گئے۔ بادشاہ نے بہلول لودھی کو اپنا بیٹا بنایا اور خان خاناں کا خطاب دیا۔ ہر چند اس کے بعد اسی بہلول نے خود محمد شاہ کو معزول کرنے کی غرض سے دہلی پر حملہ کیا۔ لیکن کامیاب نہیں ہوا۔

محمد شاہ بن فرید خان ۸۴۷ھ میں اپنی طبعی موت سے مرا۔ محمد شاہ کے بعد تمام امراء نے سوائے بہلول لودھی کے علاؤالدین کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اسے دہلی کا حکمران تسلیم کیا لیکن اس نے تخت نشین ہوتے ہی اپنی عادت واطوار سے ظاہر کر دیا کہ اس میں حکمرانی کی اہلیت بالکل نہیں ہے۔ اس وقت دہلی کی تفریق اور انتشاء کی یہ حالت تھی کہ

۱۔ دکن گجرات، مالوہ، جونپور، بنگال کے گورنر خود مختار بادشاہ تھے۔ اور اپنے نام کا سکہ وخطبہ انہوں نے جاری کر رکھا تھا۔ ۲۔ پنجاب میں پانی پت سے لاہور، دیپال پور اور سرہند تک بہلول لودھی کی حکومت تھی۔ ۳۔ سنبھل سے حدود دہلی تک دریال خان لودھی کی فرماں روائی تھی۔ ۴۔ مہرولی اور میوات میں (دلی سے سات کوس تک) احمد خان میواتی قابض تھا۔ ۵۔ کمپلا اور پٹیالی میں پرتاب سنگھ کی حکومت تھی۔ ۶۔ بیانہ میں داؤد خان لودھی کا تصرف تھا۔ ۷۔ گوالیار و دھولپور، بھدورا میں جداجدا راجہ فرمانروا تھے۔ ۸۔ راپری اور اس کے مضافات میں قطب خان افغان حکمران تھا۔

چنانچہ تاریخ خان جہاں لودھی میں لکھا ہے۔ کہ اس وقت علاؤالدین کی سلطنت کے متعلق عام طور پر یہ فقرہ ضرب المثل تھا کہ "بادشاہی شاہ عالم از دہلی تا پالم" الغرض دہلی کے حدود یہ رہ گئے تھے کہ ایک جانب صرف ایک میل اور باقی اطراب میں ۱۲ میل سے زائد زمین نہ تھی۔ پھر اس کے ساتھ یہ طرہ کہ بادشاہ کو بدایوں کی آب وہوا زیادہ اچھی معلوم ہوئی اور دارالحکومت اس کو بنانا چاہا۔ ہر چند امراء نے منع کیا لیکن وہ باز نہ آیا اور باوجود اس کے کہ اس اثناء میں دوبارہ بہلول لودھی حملہ کر چکا تھا (ہر چند وہ حملے کامیاب نہ ہوئے) بادشاہ نے اپنا عزم پورا کیا اور دہلی میں اپنے دو سالوں کو حکومت سپرد کر کے بدایوں چلا گیا۔ یہ پہلی غلطی علاء الدین کی تھی دوسری حماقت یہ ہوئی کہ اس نے اپنے وزیر حمید خان کو دشمنوں کے کہنے سے مقید کر لیا جو بعد میں بدایوں سے بھاگ کر دہلی آ گیا۔ اس نے علاؤالدین سے انتقام لینے کے لئے بہلول لودھی کو دہلی میں آنے کی دعوت دی۔ یہ پہلے ہی سے تیار تھا۔ فوراً دہلی آ گیا اور قبضہ کر لیا لیکن علاؤالدین کا نام خطبہ اور سکے بدستور جاری رکھے۔ بعد میں جب اس کا پورا اقتدار قائم ہو گیا تو اس نے حمید خان کو قید کر کے علاؤالدین کو اطلاع دی۔ بادشاہ نے لکھ بھیجا کہ میرے باپ نے تمہیں بیٹا بنایا تھا۔ اس لئے تم میرے بھائی ہو۔ دہلی کی سلطنت میں تمہیں دیتا ہوں اور خود بدایوں پر قناعت کرتا ہوں اس کے بعد ۸۵۵ھ میں اس نے خطبہ سے علاؤالدین کا نام خارج کرا دیا اور چتر شاہی سر پر رکھ کر دہلی کا بادشاہ ہو گیا۔

علاؤالدین بدایوں میں ۸۸۳ھ تک زندہ رہا۔ اس نے دہلی میں سات سال چھ ماہ تک حکومت کی اور بدایوں ۲۸ سال تک۔ اس کے ساتھ ہی سید خاندان کی حکومت کا دور ختم ہو گیا اور بہلول لودھی کے وقت سے دہلی کے تخت پر ایک اور جدید خاندان نظر آئے گا۔ جسے خاندان لودھی کہتے ہیں۔!

سیّد خاندان کا تاریخِ ہند میں مقام

سادات خاندان کو تاریخ ہند میں کوئی نمایاں مقام حاصل نہیں ہے اس کے چھ بادشاہ اکیس سال تک حکمران رہے اس تمام عرصہ میں وہ بغاوتوں اور شورشوں کو فرو کرنے میں مصروف رہے امیر تیمور کے حملے نے ہندوستان کو سیاسی اور اقتصادی لحاظ سے تباہ کر دیا تھا۔ ان تمام حالات میں کوئی غیر معمولی ذہانت اور قابلیت کا حکران بھی اس قابلیت کا نہیں گزرا جو بگڑے ہوئے حالات کو صحیح کر سکتا۔ مزید براں سادات حکمرانوں کے عہد میں ہر جگہ بغاوتوں سے سر نکالنا شروع کر دیا تھا۔ اس خاندان کا آخری فرماں روا سلطان علاؤالدین تھا۔ وہ بھی اپنی باپ کی طرح ناکارہ اور راحت پسند تھا۔ ایک مرتبہ بدایوں گیا۔ تو وہاں کی آب و ہوا اس قدر مرغوب طبع ہوئی کہ وہیں مستقل سکونت کا ارادہ کر لیا۔ حالانکہ یہاں دہلی میں سخت بدامنی پھیلی ہوئی تھی اس کے علاوہ دہلی حکومت کا رقبہ سمٹتے سمٹتے بہت ہی مختصر رہ گیا تھا۔ ان سب باتوں کا انجام یہ ہوا کہ بہلول لودھی جو پنجاب کا گورنر تھا دہلی پہنچ کر شہر پر قابض ہو گیا اور اس نے علاؤالدین کو بدایوں لکھا کہ میں نے دہلی آکر یہاں کے تمام بگڑے ہوئے کام سنوار دیئے ہیں اور خطبہ سے آپ کا نام نہیں نکالا۔ علاؤالدین نے جواب دیا۔ ”میرے باپ نے تم کو بیٹا بنایا تھا۔ اور میں تم کو اپنا بڑا سمجھتا ہوں۔ اب میں دہلی کی سلطنت بخوشی تمہارے حوالہ کرتا ہوں اور خود بدایوں میں قناعت کرتا ہوں“ اس قسم کے سادات خاندان کے راحت پسند حکمران تاریخ میں کوئی خاص رول ادا نہیں کر پائے۔ اس وجہ سے تمام مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سادات خاندان کو تاریخ ہند میں کوئی خاص مقام حاصل نہیں۔

ٹیپو سلطان کے والد حیدر علی والیے میسور

برصغیر کی انگریزوں سے آزادی کے عظیم مجاہد ٹیپو سلطان نے اپنی آخری اور تاریخی جنگ تو جنوبی ہندوستان کے شہر میسور میں لڑی تھی۔ مگر در حقیقت اسی جنگ نے اس جدوجہد کی بنیاد رکھی تھی جو تقریباً دو سو سال جاری رہی اور جس کے نتیجہ میں انگریزوں کو بالآخر ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کو آزادی دینی پڑی تھی۔ ہندوستان کے بیشتر حکمرانوں کا تعلق افغانستان، ایران یا ماوراء النہر کے علاقوں سے رہا ہے۔ حیدر علی اور ٹیپو کے بارے میں بھی اب تک تاریخ دانوں کا یہی خیال رہا ہے کہ ان کے آباؤ اجداد کا تعلق سرزمین میسور سے تھا جہاں سے انہوں نے جدوجہد آزادی اور حریت کی ناقابل فراموش تاریخ رقم کی مگر اب ایک نئی تحقیق کے مطابق حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے آباؤ اجداد کا تعلق پنجاب سے تھا۔ حیدر علی کے بزرگوں میں سے محمو بہلول پہلا شخص تھا جس کے خاندان نے جنوبی ہندوستان کی طرف کوچ کیا۔ بعض دوسروں کی تحقیق کے مطابق اس نے اپنے بیٹوں محمد علی اور ولی محمد کو بھیجا۔

شاہجہان کے وزیر اعظم نواب سعد اللہ خان، قاضی القضاۃ مفتی محمد یوسف اور اس وقت پنجاب کے گورنر نواب وزیر خان کا تعلق محمد بہلول ہی کے آبائی علاقے سے تھا اس لیے اس کا قسمت آزمائی کے لیے جنوب کی طرف جانے کے بارے سوچنا کسی طور باعث حیرت نہیں ہونا چاہیے۔ سب لوگ اس بات پر بھی متفق ہیں کہ محمد بہلول نہ صرف انتہائی پرہیزگار انسان تھا بلکہ اس کے بزرگ بھی مذہب سے گہرا لگاؤ رکھتے تھے۔ محمد بہلول خود لاہور کے شاہ حسین قادری کا مرید تھا۔ فیض عالم صدیقی نے اپنی کتاب "شیر میسور سلطان ٹیپو شہید" میں کیا ہے۔ اس کے مطابق حیدر علی کا پردادا محمد بہلول ایک نیک صفت آدمی تھا جو پنجاب کے کسی علاقے سے نقل مکانی کر کے گلبرگہ جا بسا۔ کلکتہ یونیورسٹی کا پروفیسر نریندر کرشن سنہا اپنی تصنیف "حیدر علی" میں لکھتا ہے کہ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ حیدر علی کے آباؤ اجداد جنوبی پنجاب کے ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔

جھنگ پورے پنجاب کا واحد ضلع ہے جہاں کے لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ حیدر علی کا تعلق ان کا علاقہ سے تھا۔ پچھلے اڑھائی سو سال میں کسی اور علاقے کے لوگوں نے کبھی ایسا دعویٰ نہیں کیا۔ یہ وہ بات ہے جو اہل جھنگ تک نہ صرف سینہ بہ سینہ روایات کے ذریعے پہنچی ہے بلکہ تاریخ جھنگ کے مصنفین بھی اسی چیز کے دعویدار ہیں کہ حیدر علی کے بزرگوں کا تعلق ضلع جھنگ کی تحصیل چنیوٹ کے ایک گاؤں سے تھا اگر کوئی چنیوٹ کے دیہات میں جائے تو اس کا سامنا ایسا دعویٰ کرنے والے بے شمار لوگوں سے ہوگا۔

بلال زبیری جو کہ تاریخ جھنگ پر سب سے مستند لکھاری سمجھا جاتا ہے اپنی کتاب "تاریخ جھنگ" میں یہی دعویٰ کرتا ہے اور اس کے حق میں بڑے مضبوط اور ناقابل تردید دلائل بھی فراہم کرتا ہے۔ کہ حیدر علی کا تعلق جھنگ کے ضلع سے تھا۔

سلطان فتح علی ٹیپو شہید

زندہ قومیں اپنے مشاہیر کے دن پوری عقیدت و احترام سے مناتی ہیں۔ برصغیر پاک و ہند کی تاریخ میں ایسے ہیرو بھی گذرے ہیں جن پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے ان کے بہادری کے کارنامے آنے والی نسلوں کے لیے باعث فخر ہوتے ہیں۔ 326 قبل مسیح جب سکندر دنیا کو فتح کرتا برصغیر میں داخل ہوا تو اس دھرتی کے قابل فخر سپوت پورس نے گجرات کی سرزمین پر دریائے جہلم کے کنارے سکندر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مقابلہ کیا پنجاب سے ان کی لاشیں واپس یونان گئی۔ آج سکندر کی یادگار دریائے جہلم کے قریب اہل یونان جلالپور شریف کے نزدیک تعمیر کر رہے ہیں۔ لیکن ہم اپنے ہیرو پورس کو بھول چلے ہیں۔ برصغیر کی دھرتی پر آزادی کے متوالوں نے حملہ آوروں کے خلاف کئی جنگیں لڑیں وہ یادگار جنگیں تاریخ کا حصہ بن گئیں۔ پلاشی کی سرزمین نواب سراج الدولہ کے بہادری کے کارناموں سے بھری پڑی ہے دھرتی ماتا کے رکھوالوں میں ٹیپو سلطان نے بہادری کے کارناموں سے پوری قوم واقف ہے جس نے بہادری کے جوہر دکھاتے ہوئے کہا شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے اگر غدار انگریزوں کا ساتھ نہ دیتے تو برصغیر کا نقشہ کچھ اور ہوتا ٹیپو سلطان نے مادر وطن کی حفاظت کے لیے ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو میدان جنگ میں جان کا نذرانہ دے کر غیرت مند مسلمان قوم پرستوں کی لاج رکھ لی چار مئی ۱۷۹۹ء ٹیپو سلطان کا یوم شہادت ہے۔ غور کیا جائے تو تاریخی لحاظ سے یہ دن بہت اہم ہے جو اس عظیم الشان انسان کی یاد دلاتا ہے۔ جس نے سرنگاپٹم کی لڑائی میں داد شجاعت دیتے ہوئے شہادت حاصل کی اور انگریز سامراج کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روکا۔ سلطان ٹیپو کے والد حیدر علی کا تعلق بہادروں کی سرزمین پاکستان کے صوبہ پنجاب سے تھا۔ حیدر علی نے فوج میں بھرتی ہو کر بہادری کے جواہر دکھائے اور ریاست میسور کی بھاگ دوڑ سنبھال لی۔ حیدر علی کی وفات کے بعد ٹیپو سلطان والی میسور بنے ٹیپو سلطان ۱۷۵۰ء میں پیدا
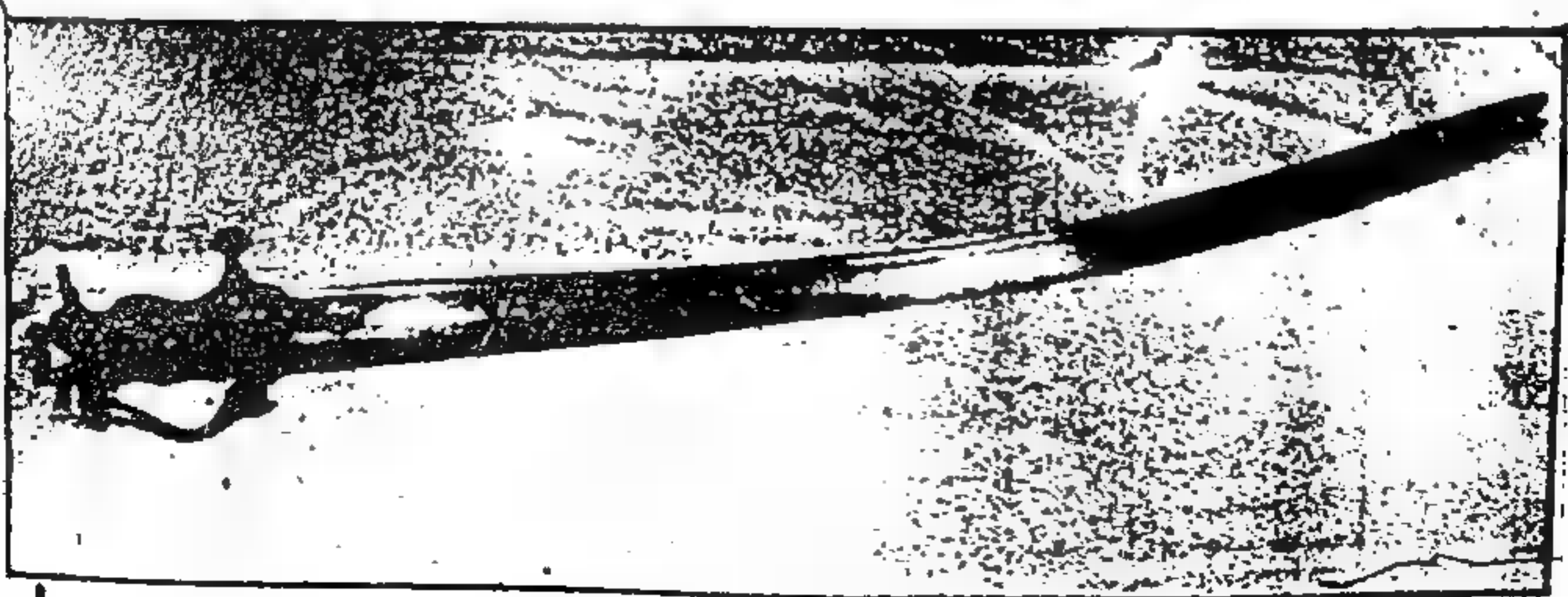
سلطان ٹیپو کی تلوار جس پر شیر کا نشان ہے

ہوئے والدہ کا نام فخر النساء تھا ٹیپو سلطان بہت خوبصورت تھا بڑی بڑی روشن آنکھیں، گول چہرہ، مضبوط جسم قدم پانچ فٹ آٹھ انچ تھا اس بہادر انسان کا حلیہ بہت باوقار تھا۔ ٹیپو سلطان کا دبدبہ انگریزوں پر ہمیشہ طاری رہتا۔ ٹیپو سلطان رحمدل انسان تھا۔ جسے عسکری تربیت اپنے والد سلطان حیدر علی سے وراثت میں ملی تھی ۔ ٹیپو سلطان شہسواری اور تیغ زنی میں مکمل مہارت رکھتا تھا ٹیپو سلطان نے اپنے والد سلطان حیدر علی کے ہمراہ کئی جنگوں میں حصہ لیا ٹیپو سلطان دسمبر ۱۷۸۲ء میں حیدر علی کی وفات پر تخت نشین ہوا اس وقت برصغیر میں برطانوی سامراج آہستہ آہستہ قدم جمار ہا تھا وہ اس فارمولے پر کاربند تھا تقسیم کرو اور حکومت کرو۔ پھوٹ ڈالو اور اقتدار پر قبضہ کرو اسی فلسفہ پر کاربند ہو کر برطانوی سامراج کے قدم دہلی کی طرف بڑھ رہے تھے ان حالات میں تخت نشین ہوتے ہی سلطان ٹیپو کو کئی محاذ پر دشمنوں کا مقابلہ کرنا پڑا لیکن اس نے ہمت نہ ہاری سلطان ٹیپو کی پوری زندگی تھکا دینے والی جدوجہد گوناگوں مصائب کی لمبی داستان ہے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایجنٹ اور غدار وطن ہر وقت ٹیپو سلطان کو پریشان کرنے پر تلے رہتے تھے۔ ایک بہادر حکمران ہونے کے علاوہ ٹیپو سلطان کا مذہب سے دلی لگاؤ تھا وہ حقیقی معنوں میں خدا پرست تھا۔ اس کا زیادہ وقت عبادت میں گزرتا۔ اسی مذہبی لگاؤ پر اس نے اپنی سلطنت کا نام ۔سلطنت خداداد میسور رکھا۔ وہ ہر کام میں خدا پر بھروسہ کرتا۔ مملکت کے امور خوش اسلوبی سے سرانجام دیتا خطہ میں رونما ہونے والی تبدیلیوں پر اس کی مکمل نظر تھی۔ وہ ایک بہادر اور غیرت مند حکمران تھا۔ سلطان ٹیپو کی شہادت کی تفصیل یوں ہے کہ جس دن سلطان ٹیپو قلعہ سرنگاپٹم میں محصور ہوا محل میں رہنا چھوڑ دیا عام سپاہیوں کے

سرنگاپٹم کا قلعہ

ساتھ رہنا پسند کیا چار مئی ۱۷۹۹ء کو سلطان ٹیپو دوپہر کا کھانا کھا رہے تھے کہ چند غدار افسروں نے سلطان کو بری خبر سنائی کہ دشمنوں نے قلعہ میں شگاف ڈال دیا ہے اور ان کے چند سپاہی قلعہ میں داخل ہو گئے ہیں سلطان نے کھانا سے ہاتھ کھینچ لیا غصہ سے سلطان کا چہرہ سرخ ہو گیا ۔اور تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے غداروں پر برس پڑے۔عیار افسروں نے عرض کی آپ دشمنوں کے نرغے میں آگئے ہیں اس موقع پر سلطان نے وہ الفاظ کہے جو تاریخ کا حصہ بن گئے ہیں اور تاریخ میں سنہری حروف میں لکھے جاتے ہیں۔ غدار و بزدلو شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سوسالہ زندگی سے بہتر ہے غدار تو اپنا سا منہ لے کر رہ گئے سلطان ٹیپو اسی جذبہ کے تحت گھوڑے پر سوار ہو کر قلعہ سے باہر نکلا باہر نکلتے ہی ایک گولی سلطان کے گھوڑے کے پیٹ میں لگی گھوڑا اسی جگہ بیٹھ گیا سلطان نے گھوڑے کو اسی حالت میں چھوڑ کر پیدل چل پڑے ۔دوسری گولی سلطان کی پنڈلی پر لگی سلطان نے گولیوں کی ذرا پروا نہ کی ۔برستی گولیوں میں آگے ہی بڑھتے گئے سلطان کو تیسری گولی بائیں بازو میں پیوست ہو گئی مگر شیر دل سلطان دشمنون کے سامنے سیسہ پلائی دیوار کی طرح آگے بڑھتا رہا اور مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے اس جگہ پہنچا جہاں دست بدست جنگ ہو رہی تھی غداروں نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ اور دشمن کے سپاہی اندر آنا شروع ہو گئے سلطان کو اس حالت میں دیکھ کر اس کے جانثار وفادار سپاہی مردانہ وار سلطان پر نثار ہونے لگے اور سلطان کو اپنے گھیرے میں لے لیا اور ہر طرح سلطان کی حفاظت کرنے لگے۔ گھمسان اور دست بدست جنگ میں ٹیپو سلطان کو کافی زخم آئے۔جب تک سلطان میں کھڑا رہنے کی سکت رہی وہ دشمنوں کے ساتھ مردانہ وار لڑتے رہے اور کئی فرنگیوں کو ختم کر دیا آخر کار زخموں سے چور ہو کر سلطان گر پڑے لیکن پھر بھی تلوار پر گرفت مضبوط رکھی لیٹے لیٹے جو بھی قریب آیا تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا جب دشمن کے سپاہیوں نے دیکھا کہ وہ شیر جس نے اپنی خداداد شجاعت کے بل بوتے پر انگریز جرنیلوں سے ہتھیار رکھوائے تھے زخموں سے نڈھال ہو کر گر پڑا تھا دشمن کے ایک سپاہی نے سلطان کی کمر بند جواہر نگار پیٹی پر ہاتھ ڈالا سلطان ٹیپو کو یہ توہین کب گوارا تھی اس نے لیٹے لیٹے تلوار کا ایک وار سپاہی کو رسید کیا جو اس کی ران پر لگا اچانک ایک گولی سلطان ٹیپو کی دائیں کنپٹی پر لگی ۔اس طرح میدان جنگ میں فرنگیوں سے لڑتے لڑتے سلطان نے جام شہادت نوش کیا تاریخی کتابوں میں میدان جنگ کا یہ واقع تحریر ہے کہ چار مئی کی شام کو زبردست طوفان اور بارش ہوئی۔ سرخ آندھی نے پورے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا غداروں پر قہر الٰہی نازل ہونے کی نشانی تھی فرنگیوں کو سلطان شہید کی میت ڈھونڈنے میں بہت دقت پیش آرہی تھی وہ مشعلیں لے کر ایک ایک نعش کو دیکھ رہے تھے آخر بڑی تگ ودو کے بعد سلطان کی نعش ملی لیکن دشمن کو قریب جانے کی ہمت نہ پڑی۔ ان کا

70 Seringapatam 1799
obverse

سرنگاپٹم کی جنگ کے بعد دیا جانے والا میڈل

خیال تھا کہ سلطان ابھی زندہ ہے۔ ابھی اٹھ کر مقابلہ کے لیے تیار ہو جائے گا۔ جب یقین ہو گیا کہ سلطان شہید ہو چکا ہے۔ سلطان شہید کے جسد خاکی کو دیکھ کر فرنگی لارڈ ہیرس پکار اٹھا آج ہندوستان ہمارا ہے۔ شہید ٹیپو سلطان نے اپنے خون سے مادر وطن کی آبکاری کی تاریخ میں ان کا یہ سنہری کارنامہ ہمیشہ یادر کھا جائے گا۔ آزادی کی جنگ لڑنے والے لڑتے رہے شہادت کا جام پیتے رہے اور آزادی کو قریب بلاتے رہے گجرات کے معروف نوادرات جمع کرنے والے سید مسعود شاہ کے پاس ٹیپو سلطان کے دور کے سکے محفوظ ہیں۔ ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد بھی انگریزوں کو اسکی لاش کے قریب جانے کی ہمت نہ پڑتی تھی ان کے خیال میں ٹیپو سلطان ابھی زندہ ہے یہ حقیقت ہے کہ ٹیپو سلطان دو سو سال گزرنے کے باوجود بھی زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔

باب سوم

دہلی کی کہانی تصاویر کی زبانی

دہلی کئی بار اجڑی، کئی بار آباد ہوائی

تاریخ مخزن پنجاب میں دہلی کی ایک جھلک

شہر دہلی بہت مشہور قدیمی دارالخلافت ہندو راجوں اور مسلمانوں بادشاہوں کا ہے۔ پہلے پہل اس شہر کو راجا
جا. ہشر پانڈو نے آباد کیا اور اندر پرست نام رکھا اور آبادی حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کی پیدائش سے پہلے بقدر تین ہزار ایک س
ایک سال کے وقوع میں آئی تھی۔ کئی سو برس تک وہ آبادی قائم رہی پھر بسبب فساد باہمی کے وہ شہر بالکل ویران ہو کر آبادی
اس کی بالکل نیست و نابود ہو گئی جب زمانہ سلطنت راجہ دہلو کا آیا تو اس نے یہ شہر پھر بسایا اور اپنے نام پر نام اس کا دہلی رکھا۔ د
آبادی مدت تک قائم رہی مگر یہ دارالخلافت مقرر نہ تھا آخر راجہ انگ پال نے اس کو دار اخلافت مقرر کیا۔ جس نے سلطان
سبکتگین سے بمقام سرحد جاکر لڑائی کی اور شکست کھائی اور اسی کے بیٹے جے پال نے سلطان محمود غزنوی سے جنگ کر
ہزیمت کھائی۔ شہاب الدین غوری کے حملے کے وقت راجہ یہاں پر پرتھی راج عرف رائے پتھورا تھا۔ وہ مارا گیا تو یہ ش
مسلمان بادشاہوں کے قبضہ میں آکر دارالخلافت مقرر ہوا ان کے وقت میں اس کی آبادی اس قدر ترقی پر پہنچی کہ کل شہر تی
کوس تک لمبا اور بارہ کوس تک چوڑا ہو تھا جب سلطان محمد تغلق کا وقت آیا تو اس نے اپنے مزاج کے وحشی پن سے دہلی کو اج

ر دیو گڑھ کو آباد کیا اور کل رعایا کو حکم دیا کہ یہاں سے اٹھ کر دیو گڑھ میں جا کر آباد ہوں دیو گڑھ کا نام اس نے دولت آباد رکھا
چنانچہ وہ بھی آباد نہ ہوا اور دہلی بھی اجڑ گئی رعایا خراب و خستہ ہو کر جابجا نکل گئے اس کے مرنے کے بعد پھر یہ شہر آباد ہوا
اور نہایت اوج پر آباد ہوا تھا کہ امیر تیمور نے آکر اس شہر کو لوٹا اور بڑی بڑی عمارتیں جلا کر خاک کر دیں اور کئی روز تک رعایا
شہر کی بے آب و دانہ قید رہی۔ اکبر بادشاہ کے وقت پھر اس کی آبادی اوج پر آئی اور پرانے حدود تک آبادی اس کی پہنچ گئی کہ
اس کے پوتے شاہجہان نے اگلا شہر موقوف کر کے نیا شہر شاہجہان آباد موجودہ حال 44 جلوس شاہجہانی مطابق 1020 ہجری
آباد کیا۔ پہلے مٹی اور پتھر سے چار مہینے کے عرصہ میں ڈیڑھ لاکھ روپیہ خرچ ہو کر فصیل اس کی تیار ہوئی مگر دوسری برسات
میں وہ اکثر مقامات سے گر گئی۔ اس واسطے اس کو بادشاہ نے پھر چونا اور پتھر سے از سر نو سات برس کے عرصہ میں بصرف چار
لاکھ روپیہ کے بنوایا۔ طول اس کا چھ ہزار چھ سو چونسٹھ گز کا ہے اور چار گز کی چوڑائی اور نو گز کی اونچائی ہے چودہ دروازے اور
چودہ کھڑکیاں رکھی ہیں تین طرف شہر کے بڑی پختہ اور بلند دیوار ہے اور ایک طرف دریائے جمنا بہتا ہے بازار اور کوچے اس
کے تنگ ہیں مگر چاندنی چوک بڑا بازار ہے جو شمال و مغرب قلعہ سے چل کر دہلی دروازہ تک پونے میل تک لمبا اور پچاس فٹ
چوڑا ہے۔ اس بازار میں پختہ نہر سرخ پتھر کی بنی ہوئی ہے اور دوسرا بازار جو قلعہ کے مشرق کی طرف سے مغرب کو لاہور
دروازہ تک جاتا ہے اس میں بھی اسی طرح نہر بنی ہے یہ نہر جمنا سے کاٹ کر نواب علی مردان خان شاہجہان کے حکم سے
لایا تھا شاہجہانی عمارتیں اس شہر میں بے تعداد ہیں۔ محمد شاہ بادشاہ کے وقت یہ شہر نہایت آباد رہا جب نادر شاہ ایران سے آیا تو
اس نے اس کو خوب لوٹا قتل عام کیا جاتی دفعہ بیس کروڑ روپیہ نقد و تخت طاؤس و جواہر کوہ نور وغیرہ اپنے ساتھ لاد کر لے گیا
بعد ازاں برابر بسبب ضعف سلطنت کے اس پر صدمے آتے رہے آخر جب عملداری انگریزی ہوئی تو پھر شہر آباد ہوا رعایا
دل شاد ہوئی مگر پھر ۱۸۵۷ء میں پوربی فوج کے فساد کے وقت وہ حالت اس شہر کی ہوئی کہ پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ پہلے
تو رعیت بیچاری کو باغیوں نے لوٹا اور کئی مہینے تک وہ دل کھول کھول کر غارت کرتے رہے پھر جب انگریزوں نے شہر لیا تو
شہر والوں کو فوج انگریزی نے ٹکڑے ٹکڑے کا محتاج کیا۔ ہزروں جانیں تلف ہو گئیں مستورات صدہا کنوؤں میں گر کر مر
گئیں سینکڑوں مکانات منہدم ہو گئے لاکھوں روپوں کا نقد و جنس لٹ گیا۔ غرض شہر اور شہر والوں کا کچھ باقی نہ رہا جدھر جس
کی سمائی ہوئی چل دیا اگرچہ امید نہ تھی کہ ایسا اجڑا ہوا شہر پھر آباد ہو گا مگر صاحبان انگریز کی نیک نیتی اور حسن اخلاق سے اب
پھر برابر آباد ہوتا چلا جاتا ہے۔ دن بدن رونق بڑھتی جاتی ہے۔ مکانات پھر بن رہے ہیں سڑکیں جو حال میں نکالی گئی ہیں
نہایت دلچسپ اور پر فضا ہیں اور نہر جو پہلے جاری تھی اس کو کہیں کہیں سے واسطے صفائی اور وسعت بازار کے پاٹ دیا ہے اور
کہیں سے بدستور کھلی ہوئی ہے۔

ضلع دہلی کے متعلق چار تحصیلیں ہیں ایک حضور تحصیل دہلی کے دوسری تحصیل مہرولی تیسری تحصل علی پور چوتھی تحصیل بلم گڑھ شمال کے طرف اس کے پانی پت مشرق میں دریائے جمنا جو کہ اس کے اور ضلع میرٹھ وبلند شہر کے درمیان بہتا ہے۔ جنوب میں بلم گڑھ و گورگانوں و مغرب میں رہتک و بہادر گڑھ جھجر ہے اور کل سطح اس کا سات سواونانویں میل مربع شمار میں آتا ہے۔ سنہ ۱۸۵۳ء میں مفسدہ دہلی سے اول جو آبادی اس کی شمار میں آئی تو چار لاکھ پینتیس ہزار سات سو چوالیس آدمی شمار میں آتے ہی جن میں ایک لاکھ اٹھتر ہزار چھ سو چورانوے ہندو کاشتکار ایک لاکھ چوالیس ہزار ہندو غیر کاشتکار، اٹھارہ ہزار نو سو سترہ مسلمان کاشتکار اور ایک لاکھ ساٹھ ہزار باسٹھ مسلمان غیر کاشتکار وغیرہ اقوام متفرق تھے اور خاص شہر دہلی کی آبادی ایک لاکھ باون ہزار چار سو چھ ان میں سے چھتر ہزار تین سو بہتر ہندو اور چھتر ہزار چوبیس مسلمان شمار میں آئے تھے بعد مفسدہ دہلی کے اگرچہ شہر کی آبادی وہ ہے مگر ضلع کی آبادی بڑھ گئی اور کتاب مجموعی رپورٹ ۱۸۶۶ء میں مردم شماری ضلع دہلی کے پانچ لاکھ چھ ہزار چھ سو نواسی زیب اندراج پائی اب بھی مردم شماری ضلع دہلی کی جو سال ۱۸۶۸ء کے جنوری میں ہوئی اس میں بھی آبادی اس ضلع کی سب ضلعوں سے زیادہ نکلی اور فی میل مربع چار سو چھیانوے آدمی شمار ہوئے۔ یہ ضلع دو حصوں میں منقسم ہے شمالی و جنوبی ان دونوں حصوں میں ہندوؤں کی آبادی فی زمانہ غالب ہے مگر خاص شہر اور اس کے گرد و نواح میں مسلمان بہت ہیں اور ہندو کم، مشرقی شمالی و مغربی شمالی حصہ اس ضلع کا دریائے جمنا اور اس کی شاخوں سے سیراب ہوتا ہے۔ نہر دہلی کی جس کو بادشاہی نہر یا علی مراد خان کی نہر کہتے ہیں۔ اور جھوتی نالہ جو کہ بارش کے موسم میں فرخ نگر کی جھیل تک پھیل جاتا ہے۔ قریب دو میل کے شہر سے ہو کر جمنا سے جاملتا ہے۔ جنوبی حصہ اس ضلع کا بنجر اور ناہموار سطح ہے زمین اس کی بہت مقامات سے شور اور کنوؤں کے پانی کا بھی شور ہے۔ خاص شہر دہلی کا سطح سمندر سے آٹھ سو فٹ بلند ہے اور چونکہ دریا اور جھیلیں اس علاقہ میں بہت زیادہ ہے اس لیے جاڑوں میں سردی زیادہ ہوتی ہے آب و ہوا یہاں کی بہت اچھی مگر خشکی مائل ہے۔ پیداوار یہاں کی ہر ایک قسم کا غلہ و میوہ ہے۔ ۱۸۴۶ء و ۱۸۴۷ء میں معاملہ سرکاری اس علاوہ کا تین لاکھ انچاس ہزار چھ سو ستر روپیہ قرار پایا اور یہ جمع ۱۸۶۷ء تک قائم ہو گئی تھی مگر یہ بندوبست مفسدہ دہلی میں ٹوٹ گیا اور دوبارہ بندوبست وقوع میں آیا ضلع میرٹھ کا اس ضلع کے ساتھ ملتا ہے جو اس سے زیادہ سیراب ہے قدرتی چشمے پانی کے اس میں بکثرت جاری ہیں پھر ضلع دہلی کا اول ماتحت لیفٹیننٹ گورنر ممالک مغربی و شمالی کے تھا مفسدہ دہلی کے بعد پنجاب کی لیفٹنشی کے زیر حکم ہو گیا۔ خاص شہر کی زمین بھی بہت مقامات سے پست و ناہموار ہے۔ ساکین یہاں کے خوش مزاج خوش پوشاک مودب خوش کمال ہو گزرے ہیں کہ جن کی تعریفوں سے کتابیں بھری ہوئی ہیں

۔اس زمانے کے شعرا میں محمد ابراہیم ذوق اس شہر میں ایسا تھا کہ اس کو لوگ طوطی ہند کہتے تھے۔ بہادر شاہ ظفر شاعر بھی تھے اور بادشاہ ہند بھی حکومت کے متعلق تھے ان کے دیوان شعروں کی تمام جہاں میں مشہور ہیں وہ مفسدہ دہلی کے بعد تخت سے اتارے گئے اور جلاوطن کر کے رنگون بھیجے گئے وہاں وہ جاں بحق تسلیم ہوئے۔

دہلی کے روحانی قدیمی تاریخی عمارات

لوہے کی لاٹھ، اشوکا کی لاٹھ، انیک پور، انیکتال، سورج کنڈھ، مسجد قوت اسلام، علائی دروازہ، علائی مینار، حوض شمسی، مقبرہ سلطان غازی، مقبرہ سلطان شمس الدین، درگاہ شاہ ترکمان، مقبرہ رکن الدین فیروز شاہ، مقبرہ رضیہ سلطان بیگم، مقبرہ معز الدین بہرام شاہ، مقبرہ سلطان غیاث الدین بلبن، حوض علائی یا حوض خاص، مقبرہ سلطان علاؤالدین، باولی حضرت نظام الدینؒ، مقبرہ غیاث الدین تغلق شاہؒ، درگاہ حضرت نظام الدینؒ، ست پلہ، درگاہ شیخ صلاح الدینؒ، مسجد درگاہ حضرت نظام الدینؒ، مسجد جامع فیروزی، کوشک توریا مہندیان، بولی بھٹیاری کا محل، کالی مسجد کوٹلہ نظام الدین، درگاہ
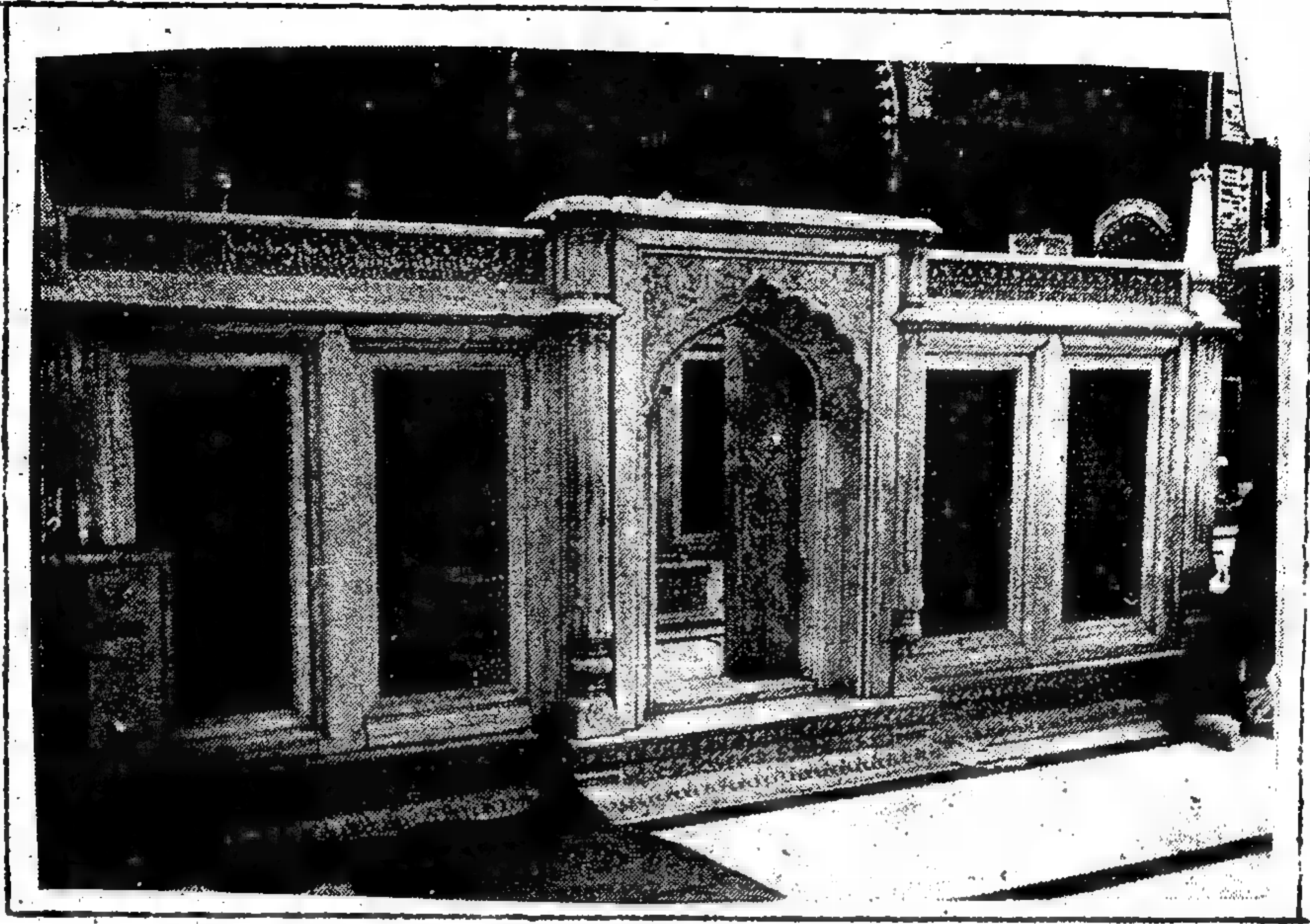
روشن چراغ دہلیؒ، قدم شریف یا مقبرہ فتح خان، مسجد چوراہہ قدم شریف، درگاہ حضرت سید محمود بہار، کالی مسجد شہر۔ مسجد بیگم پور، مسجد کالو سرائے مسجد کھڑکی، مقبرہ فیروز شاہ، خضر کی گمٹی، مبارکپور کوٹلہ، مقبرہ محمد شاہ، مقبرہ سلطان بہلول لودھی، بیچ برجہ زمرد پور، بستی باوڑی، موٹھ کی مسجد، مقبرہ لنگر خانؒ، تبرجہ، راجو نکی بائین، مقبرہ سلطان سکندر، درگاہ یوسف قتال، درگاہ مولانا جمالی، مسجد درگاہ جمالی، نیلی چھتری، درگاہ امام ضامن، درگاہ حضرت قطب صاحب۔ مسجد قلعہ کہنہ، شیر منڈل، مسجد و مقبرہ خیر پور، کھاری باؤلی، مقبرہ عیسیٰ خان، مسجد عیسیٰ خان، مسجد درگاہ قطب صاحب، عرب سرا، خیر المنازل، بھول بھلیاں یا مقبرہ ادھم خان، مقبرہ ہمایوں، نیلی چھتری یا مقبرہ نور خان، مقبرہ تکہ خان، درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ۔ درگاہ حضرت امیر خسروؒ۔ جیل خانہ یا سرائے فرید خان، بارہ پلہ، منڈی، کوس مینارہ، پل سلیم گڈھ، مقبرہ شیخ فرید، نیلہ برج یا مقبرہ فہیم، مقبرہ خانخاناں، چونسٹھ کھبا مقبرہ کوکلتاش خان، مقبرہ سید عابد، خاص محل، مقبرہ شیخ عبدالخالق، جامع مسجد، دار الشفا دار البقا، باغ بیگم مسجد فتح پوری، مسجد اکبر آبادی، مسجد سرہندی، باغ شالامار، باغ روشن آرا، باغ سرہندی۔ قلعہ موتی مسجد، مجر جہاں آرا بیگم، مقبرہ سر نالہ، درگاہ حضرت سید حسن رسول، جھرنہ، مسجد اورنگزیب آبادی، مقبرہ زیب النساء بیگم، موتی مسجد قطب صاحب، زینت المساجد، مقبرہ غازی الدین خان، مجر شاہ عالم بہادر شاہ، برج مقبرہ ہمایوں، سنہری مسجد کوتوالی، مسجد دریبہ، جنتر منتر، شاہ مردان، فخر المساجد، باغ محلدار خان، مسجد روشن الدولہ، باغ ناظر، مجر محمد شاہ، قدسیہ باغ، چوبی مسجد، سنہری مسجد، مقبرہ منعنوز وغیرہ۔

دہلی کے چودہ دروازے اور چودہ کھڑکیاں
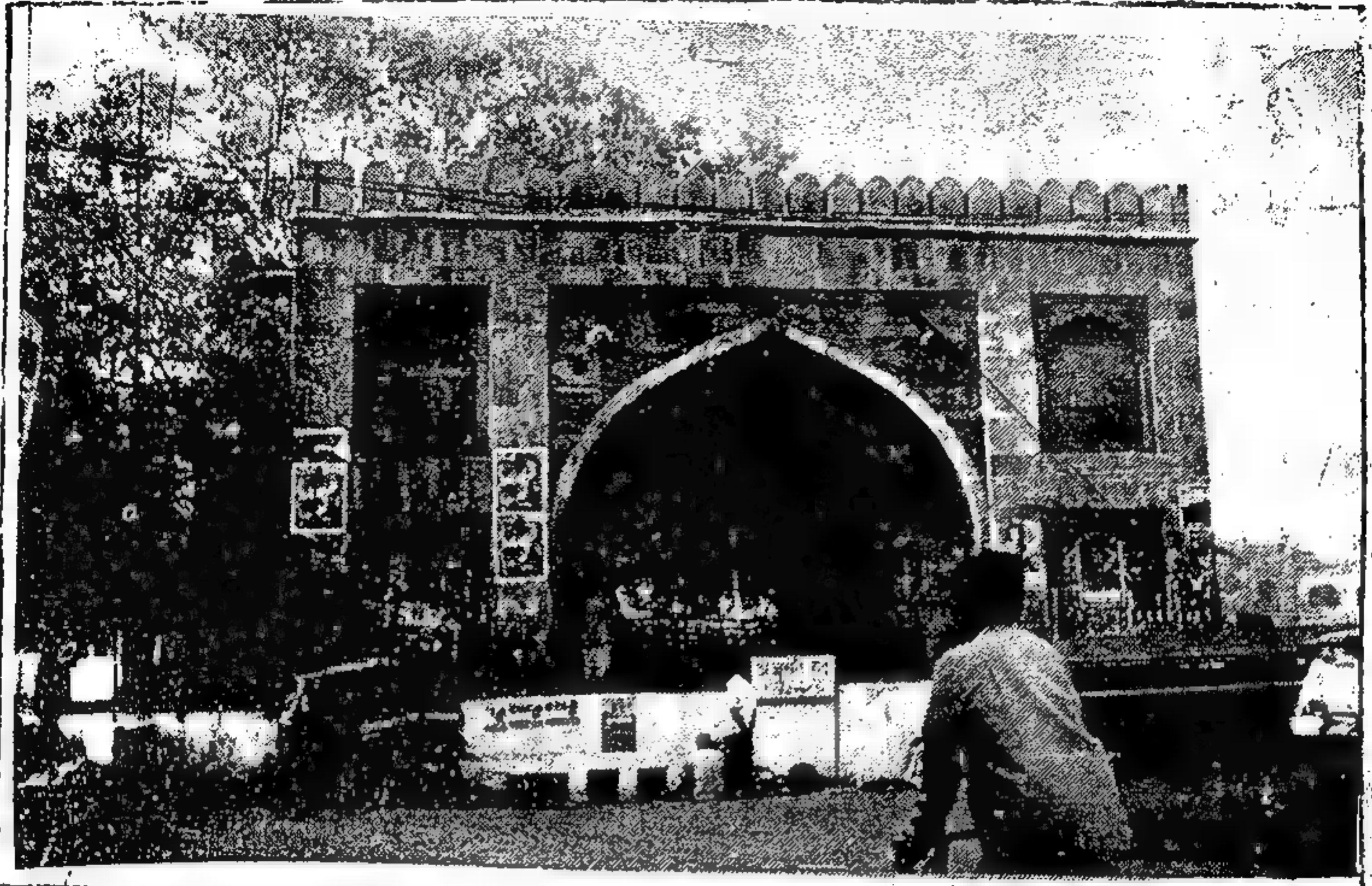
دہلی شہر کے چودہ دروازے اور چودہ کھڑکیاں ہیں اور انکے نام یہ ہیں۔ دلی دروازہ، راج گھاٹ دروازہ، خضری دروازہ، کلکتہ دروازہ، نگمبود دروازہ، کیلہ گھاٹ دروازہ، لال دروازہ، کشمیری دروازہ، بدرو دروازہ، کابلی دروازہ، پتھر گھٹی دروازہ، مسدود لاہوری دروازہ، اجمیری دروازہ، ترکمان دروازہ۔
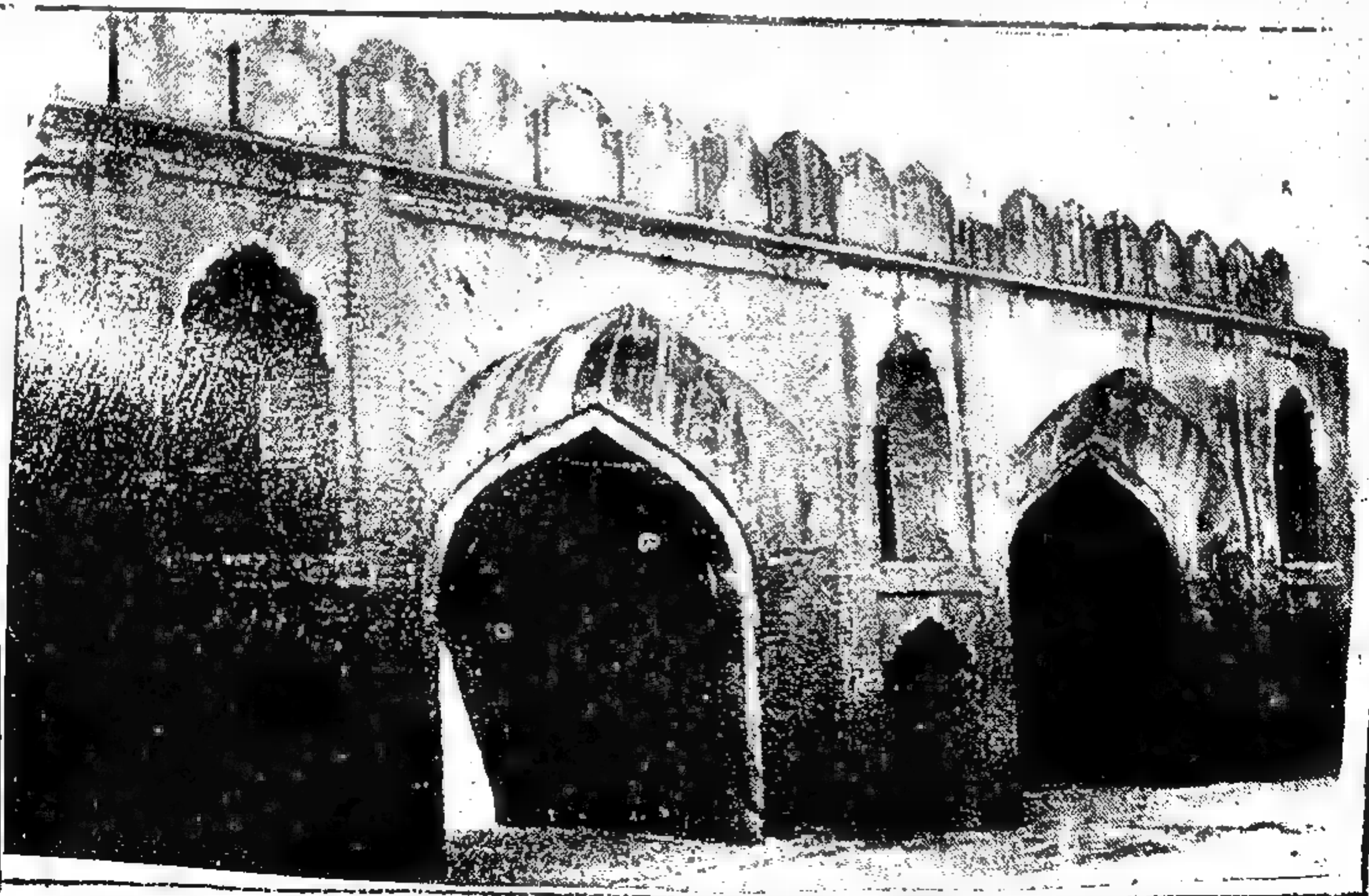
کھڑکیوں کے نام

زینت المساجد کی کھڑکی، نواب احمد بخش خان کی کھڑکی۔ نواب غازی الدین خان کی کھڑکی، نصیر گنج کی کھڑکی، نئی کھڑکی، شاہ گنج کی کھڑکی، اجمیری دروازے کی کھڑکی۔ مسدود سید بھولے کی کھڑکی، مسدود بلند باغ کی کھڑکی، مسدود فراش خانے کی کھڑکی، امیر خان کی کھڑکی، خلیل خان کی کھڑکی، بہادر علی خان کی کھڑکی، نکسبود کی کھڑکی۔

خونی دروازہ

دہلی دروازہ سے تھوڑے فاصلہ پر سڑک کے جنوب کی طرف خونی دروازہ ہے۔ جو دہلی میں خونی دروازہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس دروازہ کے ایک طرف پرانی دہلی اور دوسری جانب نئی دہلی ہے اس دروازہ کے سائے میں بہادر شاہ ظفر کو اسکے بیٹوں کے سر تھالے میں رکھ کر پیش کیے گئے۔ جس کی وجہ سے یہ دروازہ خونی دروازہ کے نام سے مشہور ہے وہ سرخ پتھر سے تعمیر کیا گیا ہے۔ دو منزلہ ہے اوپر جانے کے لیے سیڑھیاں بھی ہیں۔

قطب مینار دہلی کے سائے میں۔ برصغیر کی قدیمی مسجد قوۃ الاسلام

ایک ولی اللہ، دو بادشاہ اور کئی امراء دفن ہیں۔

ہندوستان میں پہلے مسجد قوت اسلام مسجد

راقم دہلی میں مقبرہ ہمایوں میں 157 شہزادے شہزادیاں بیگمات کے مزار لودھی گارڈن میں لودھی خاندان کے بادشاہوں کے مزار، پرانا قلعہ، جامع مسجد لال قلعہ اور اس کے اندر تاریخی مقامات، مقبرہ غیاث الدین تغلق اور تغلق آباد، فیروز شاہ کوٹلہ، مقبرہ بہلول لودھی، مقبرہ رضیہ سلطانہ علائی حوض خاص، مقبرہ فیروزشاہ، مہرولی میں گمنام تاریخی عمارتیں مقبرہ ادھم خان، پونسٹھ کھمبا، مرزا غالب اور غیاث الدین بلبن کے مزار۔ ظفر محل المعروف لال محل، حضرت جمال کمال کی مسجد اور مقبرہ دیگر تاریخی عمارتیں دیکھنے کے بعد قطب مینار بذریعہ بس پہنچا۔

دہلی میں ٹرانسپورٹ کا نظام بہت اچھا ہے دوسرے لفظوں میں سڑکوں پر دہلی ٹرانسپورٹ کی حکمرانی ہے بیک وقت دس دس بیس بیس بسیں ایک قطار میں رواں دواں رہتی ہیں۔ مینار کے لئے بسیں دہلی کے ہر سٹاپ سے مل جاتی ہیں مرکزی سٹاپ پرانی دہلی مہرولی میں ہے۔ قطب مینار سے دہلی کے مختلف اطراف کی طرف بسیں چلتی ہیں۔ قطب مینارے کے چاروں طرف دیوار ہے صرف مشرق کی سمت دروازہ ہے۔ دروازہ کے باہر فوٹو گرافر، اشیاء خورد و نوش فروخت کرنے والے رکشہ، ٹیکسیاں۔ تاریخی مقامات کے فوٹو فروخت کرنے والے نظر آتے ہیں یہاں ہر وقت ہما ہمی رہتی ہے جو بھی دہلی میں آتا ہے سب سے پہلے قطب مینار دیکھنے کا شوق رکھتا ہے۔ خصوصی طور پر غیر ملکی

سیاحوں کا بہت زیادہ رش رہتا ہے۔ پورے ہندوستان میں جمعہ کے دن تاریخی مقامات کے لئے کوئی ٹکٹ نہیں ہوتا۔ مسلمانوں کی عبادت گاہیں یعنی مساجد تاریخی مقامات کے اندر ہیں۔ جو اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ جمعہ کے دن عبادت کے لیے آنے والوں سے ٹکٹ نہیں لیا جائے گا قطب مینار میں داخلہ کا ٹکٹ دو روپے ہے اندر داخل ہوتے ہی دائیں طرف ایک قدیم مسجد ہے اس میں قطب مینار کے علاوہ علائی مینار مزار شمس الدین التمش مزار علاؤالدین خلجی مسجد قوت اسلام علاؤالدین کے دور کا تعمیر کردہ مدرسہ علائی دروازہ اور مزار امام ضامن کے علاوہ کئی تاریخی عمارتوں کھنڈرات میں قطب مینار کی بنیاد فتح دہلی کی یادگار کے طور پر قطب الدین ایبک نے رکھی تھی مینار کی تکمیل سے پہلے ہی وفات پا گیا بعد میں اس کی تکمیل سلطان شمس الدین التمش نے کی علاؤالدین خلجی نے قطب مینار کی مرمت کروائی اس مرمت کا ذکر ایک کتبہ میں تحریر ہے۔ سلطان فیروز شاہ تغلق کے عہد میں اس مینار کو آسمانی بجلی سے نقصان پہنچا۔ سلطان نے ۱۳۶۸ء میں اس کی مرمت کروائی۔ کہتے ہیں کہ مینار کی کبھی سات منزلیں تھیں اب پانچ رہ گئی ہیں۔

پہلی تین منزلیں سرخ پتھر سے تعمیر کی گئی ہیں دو منزلیں سنگ مرمر سے تعمیر شدہ ہیں قطب مینار پر قرآنی آیات خط کوفی میں کندہ ہیں سر سید احمد خاں نے آثار الصنادید میں یہ لکھا ہے کہ یہ عمارت روئے زمین پر اپنی مثال نہیں رکھتی پگڑی ٹوپی والے ٹوپی پگڑی تھام کر مینار کو دیکھتے ہیں۔ اوپر والے حصہ پر ہو کر نیچے دیکھا جائے تو آدمی چھوٹے چھوٹے نظر آتے ہیں قطب مینار عجوبہ روزگار ہے اس قدر بلندی ایسی خوبصورت خوش قطع بنی ہوئی ہے بے اختیار دیکھنے کو جی چاہتا ہے پہلی منزل کی 156 دوسری منزل کی 78 تیسری منزل کی 62 چوتھی منزل کی 42 پانچویں منزل کی 41 سیڑھیاں ہیں۔ قطب مینار کی قریب پتھر کی کھدائی کر کے مختصر تاریخ لکھی گئی ہے جسکی تفصیل یوں ہے۔

دنیا بھر میں مشہور اس مینار کی بنیاد جسے قطب مینار کہتے ہیں خاندان غلاماں کے سلطان قطب الدین ایبک نے بارھویں صدی کے اواخر میں رکھی۔ اس کی پہلی منزل کی تعمیر سلطان کی وفات کی وجہ سے روکنا پڑی اور باقی تین منزلیں اسی تعمیراتی مواد اور طرز تعمیر کے مطابق اس کے جانشین التمش نے مکمل کروائیں جس کا عہد حکومت ۱۲۱۰ء سے شروع ہو کر ۱۲۳۶ء میں ختم ہوتا ہے۔ مینار کو آسمانی بجلی سے زبردست نقصان پہنچا بعد میں فیروز شاہ تغلق (۱۳۵۱ء تا ۱۳۸۸ء) نے موجودہ دو منزلیں اب سے بالائی منزل کی جگہ تعمیر کروائیں جن کے سامنے کا حصہ سنگ مرمر سے بنا ہوا ہے۔ سکندر لودھی (۱۴۸۹ء تا ۱۵۱۷ء) نے ۱۵۰۳ء میں مینار میں کچھ مرمت کا کام کروایا۔ دوسری دفعہ مینار کو آسمانی بجلی سے نقصان پہنچا مینار کی بلندی ۷۲.۵ میٹر ہے۔ قاعدے کا قطر 14.32 میٹر جب کہ مینار کی چوٹی کا قطر 2.75 میٹر ہے اس کے اوپر جانے کے لئے 379 سیڑھیاں ہیں۔ یہ ہندوستان کا بلند ترین پتھر کا بنا ہوا ہے اور مینار کی کامل ترین مثال ہے اس کی تین نچلی منزلوں کا متنوع نقشہ باہر کی طرف نکلی ہوئی بالکونیاں جن کی چھتوں سے آویزاں سفید براق شکن

اانتہائی خوبصورت منقش اگوازہ اس کی تزئین و آرائش میں اضافہ کرتے ہیں۔

قطب مینار سے جنوب کی جانب علاؤالدین خلجی کا تعمیر کردہ علائی
دروازہ کی شاندار عمارت ہے جو دنیا کا بہترین خوشنما دروازہ ہے۔ باہر سے یہ دو منزلہ معلوم ہوتا ہے جب اندر داخل ہوں تو ایک
منزلہ ہے۔ چاروں جانب دروازے ہیں منگولوں کے حملہ کے وقت وسط ایشیاء سے جو مسلمان کاریگر بھاگ کے دہلی آئے تھے علائی
دروازہ ان کے ہاتھوں تعمیر ہوا کمرہ کی اندرونی پیمائش ساڑھے پینتیس فٹ اور بیرونی ساڑھے چھپن فٹ ہے دیواروں کی بلندی 47 فٹ
اور چوڑائی 11 فٹ ہے اور عمارت میں سلجوقیوں کے فن تعمیر کی جھلک دکھائی دیتی ہے یہ دروازہ سرخ پتھر اور سنگ مرمر سے تعمیر کیا گیا
اور قرآنی آیات اور احادیث کندہ ہیں علائی دروازہ کے مشرق کی جانب حضرت امام ضامن کا مقبرہ ہے۔ سر سید احمد خان کی تحریر
کردہ کتاب آثار الصنادید میں آپ کا نام سید محمد علی مشہدی تحریر ہے۔ اس مقبرہ کی تعمیر ۱۵۳۱ء میں ہمایوں کے عہد میں ہوئی مزار
گنبد کے بجائے ڈھلوان چھت تعمیر کی گئی ہے مزار کا نقشہ مزار حضرت میاں میر لاہوری سے ملتا جلتا ہے۔ امام ضامن ترکستان
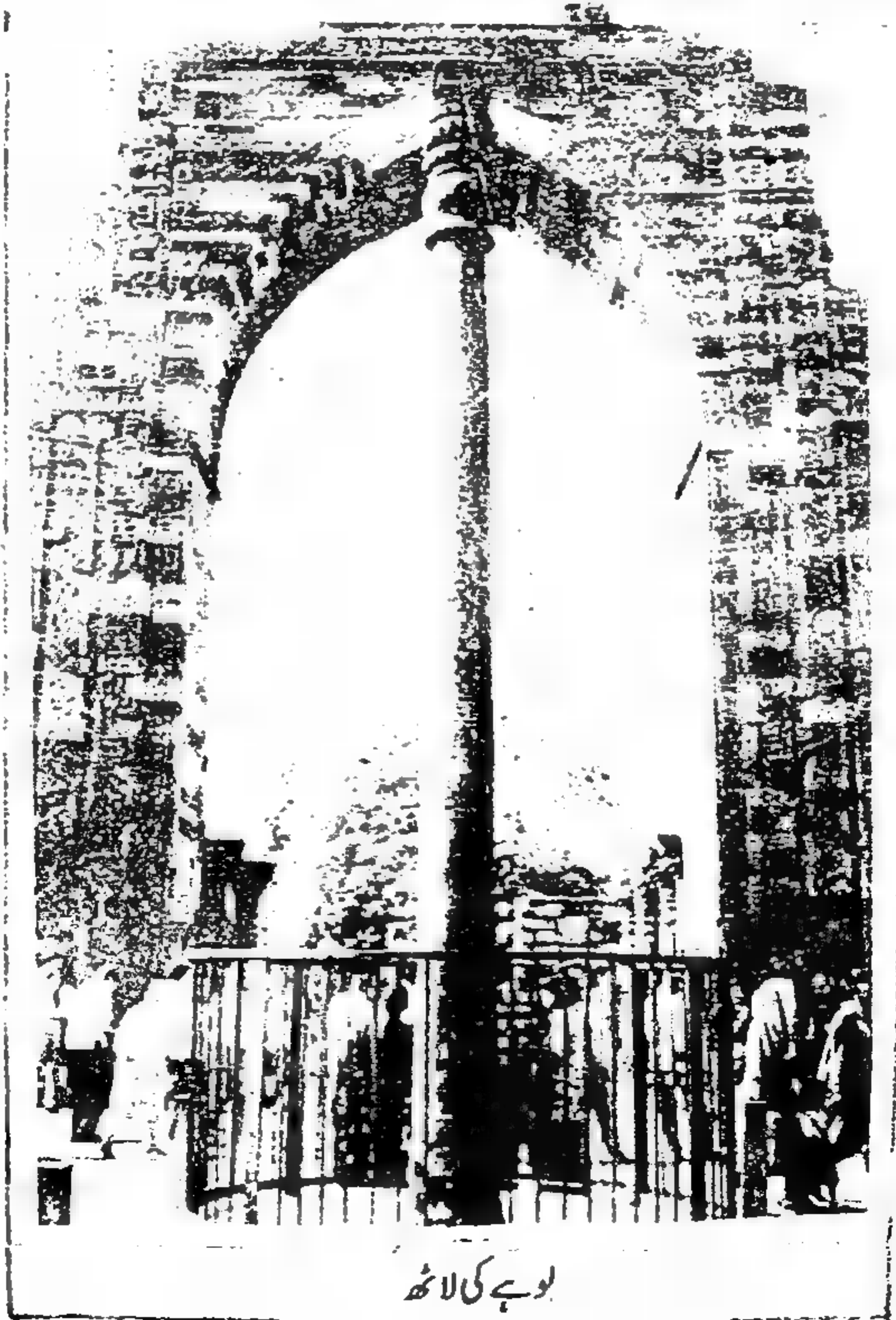
لوہے کی لاٹھ

سے سکندر لودھی کے عہد میں دہلی آئے قطب مینار کے شمال کی جانب علائی مینار ہے سلطان علاؤالدین خلجی نے قطب مینار سے بلند مینار تعمیر کرنے کا ارادہ کیا لیکن اس کی زندگی نے وفا نہ کی علائی مینار کے قریب انگریزی میں مختصر تاریخ درج ہے۔ نا اس نامکمل مینار کی تعمیر کا آغاز جس کی زیادہ سے زیادہ بلندی 24 میٹر ہے علاؤالدین خلجی ۱۲۹۶ء تا ۱۳۱۶ء تعمیر شروع کی ابھی منزل سے پہلی منزل تعمیر ہوئی کہ علاؤالدین کا انتقال ہو گیا۔ اس کی خواہش تھی کہ اس مینار کی بلندی قطب مینار سے دوگنی ہو۔ اگر یہ مینار پایہ تکمیل کو پہنچ جاتا تو دنیا کا سب سے بلند ترین مینار ہوتا۔ قطب مینار اور علائی مینار کے درمیان مسجد قوۃ الاسلام شکستہ حالت میں کھڑی ہے مسلمان حکمرانوں کی آمد سے قبل یہاں ہندوؤں اور جینیوں کے مندر تھے۔ ۱۱۹۹ء میں یہ مسجد تعمیر ہوئی جو پہلی قرار پائی اس مسجد کی محرابیں قابل دید ہیں قرآنی آیات نقش و نگار ابھی تک صحیح سلامت ہیں مسجد کے قریب سرخ پتھر پر مسجد کی تار نمایاں حروف میں درج ہے۔ اس تحریر کے مطابق یہ مسجد قوۃ الاسلام کے نام سے مشہور ہے یہ مسجد برصغیر میں سب سے قدیم وسیع و عریض مسجد ہے۔ یہ مستطیل صحن پر مشتمل ہے جس کا رقبہ 32.9 43.2 مربع میٹر ہے۔ محرابی چھت والی چار دیواری کرائی جس میں تراشیدہ ستونوں میں ہندوؤں اور جینی مندروں کے تعمیراتی نمونے ہیں مسجد کی تعمیر کا آغاز قطب الدین ایبک نے ۱۱۹۳ء میں کیا ۱۱۹۷ء میں اسے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ نماز کی ادائیگی کے لیے استعمال ہونے والے وسیع کمرے کے سامنے ایک عالی شان پردہ تعمیر کیا گیا اس تعمیر سے عمارت میں اسلامی طرز تعمیر کی جھلک نظر آتی ہے۔ پردے کے حاشیے پر خوبصورت اور عربی کے ڈیزائن کندہ کیے گئے ہیں قطب الدین ایبک کے بعد آنے والے مسلمان حکمرانوں شمس الدین التمش ۱۲۱۱ء تا ۱۲۳۶ء اور علاؤالدین خلجی ۱۲۹۶ء تا ۱۳۱۶ء نے مسجد میں توسیع کرائی یہ مسجد آج کل شکستہ حالت میں ہے لیکن در و دیوار پر قرآنی آیات کھدی ہوئی ہیں بیل بوٹے پھول پتی صحیح حالت میں ہیں اس مسجد کی تعریف قرآن السعدین میں امیر خسرو نے لکھی ہے مسجد اور جامع فیض آلہ، زمزمہ خطبہ او تا ماہ قطب مینار اور مسجد قوۃ الاسلام کے مغرب کی جانب آمنے سامنے دو بادشاہوں کے مقبرے ہیں شمال کی جانب سلطان شمس الدین التمش کا مقبرہ ہے جن کا وصال ۱۲۳۶ء میں ہوا مقبرے کا ستون دار گنبد گر چکا ہے مقبرے کے اندرونی اور بیرونی دیواروں پر خط کوفی میں قرآن مجید کی آیات کندہ ہیں اس مقبرہ کی عمارت باہر سے سنگ خارا کی ہے اندر سے سنگ سرخ کی ہے کہیں کہیں سنگ مرمر بھی استعمال کیا گیا ہے۔ سرسید احمد خان کی تحریر کردہ کتاب آثار الصنادید کے [illegible] یہ مقبرہ سلطان شمس الدین التمش کی بیٹی رضیہ سلطانہ نے تعمیر کروایا۔ فیروز شاہ لکھتا ہے اُس نے اس مقبرے کی مرمت کروائی صندل کا چھپر کھٹ چڑھایا اور اس کے گنبد میں پتھر کی سیڑھی تراش کر لگائی آج کل ایک بوڑھی عورت مقبرہ کے پاس بیٹھی سیاحوں کو جوتے اتار کر مقبرہ میں داخل ہونے کی ہدایت کرتی ہے مقبرہ کے باہر مشرق کی جانب کئی قبریں ہیں سلطان شمس الدین التمش کے مزار کے بالکل سامنے جنوب کی جانب سلطان علاؤالدین خلجی کا مقبرہ اور مدرسہ ہے۔ مدرسہ کے تمام کمرے پتھر سے تعمیر کیے گئے ہیں جو ٹوٹ پھوٹ چکے ہیں پتھر پر مدرسہ اور مقبرہ کی مختصر تاریخ درج ہے جس کے مطابق چار گوشہ عمارت جس کے چاروں طرف بلند و بالا چار دیواری ہے ہر سمت کمرے بنے ہوئے ہیں اس عمارت کے مغربی جانب ایک بڑا دروازہ ہے یہ چار گوشہ عمارت آغاز میں ایک

بہت بڑی درس گاہ تھی جہاں روایتی علوم کی تعلیم دی جاتی تھی مقبرہ احاطہ کے جنوبی حصے کی عمارت کے وسط میں واقع تھا۔ سے علاؤالدین خلجی نے ۱۲۹۶ء تا ۱۳۱۶ء بنوایا تھا۔ برصغیر میں مقبرے اور مدرسے کے ایک ہی مقام پر یکجا ہونے کا تصور سب سے پہلے یہیں نظر آتا ہے اس تصور کو سلجوقی روایت سے تحریک ملی فیروز شاہ نے اپنے عہد میں اس مقبرے اور مدرسے اور مسجد کی مرمت کروائی تھی لیکن اب یہ مقبرہ برائے نام ہے نشان تک محدود ہو گیا ہے البتہ مدرسہ کی عمارت کھڑی ہے مسجد قوۃ الاسلام کے صحن میں لوہے کی لاٹھ یعنی لوہے کا ستون نصب ہے۔ یہ لوہے کی لاٹھ مضبوط لوہے کی بنی ہوئی ہے۔ جس کی اونچائی بتیس فٹ آٹھ انچ ہے زمین پر اس کی گولائی چھ فٹ چار انچ ہے اوپر کی جانب دو فٹ چار انچ ہے اس لوہے کی لاٹھ کے ساتھ ہندوؤں کی کئی داستانیں منسوب ہیں ایک روایت کے مطابق لوہے کا ستون راجہ مہادیو کے عہد میں 895 قبل مسیح نصب ہوا دوسری روایت کے مطابق یہ آئرن پلر تیسری یا چوتھی صدی عیسوی میں راجہ دھاوا کے عہد میں نصب ہوا۔ بعض ہندو سکالروں نے یہ رائے بھی قائم کی ہے کہ مہاراجہ چندرا نے وشنو دیوتا کے احترام کے لیے یہ لاٹھ نصب کی لوہے کی لاٹھ پر کتبہ قدیمی زبان میں تحریر کیا گیا ہے۔ اس

کا ترجمہ آثار الصنادید میں درج ہے ترجمہ کے اختتامیہ الفاظ یوں ہیں اس شخص نے جس نے بوسیلہ اپنی تلوار کے بقدر تک زمین کی بادشاہت کی اور اس نے اپنے میں سورج چاند کی خاصیتیں اکٹھی کر لیں اس کے چہرے کی خوبصورتی مثل پورے چاند کی تھی اس راجہ دھاوا کا جس نے اپنا سر جھکایا اون وشنون میں اور لگایا دل اسی وشنون پر تھا۔ یہ اونچا ہتھیار یعنی لاٹھ وشنون کے نام پر جو قابل پرستش کے ہے بنایا ہوا راجہ دھاوا کا ہے۔

صدیاں گزرنے کے بعد بھی دہلی میں مسلمانوں کی عظمت کے نشان قائم اور دائم ہیں جن سے ماضی کی شان و شوکت جھلکتی ہے۔ حکومت ہند نے تمام تاریخی عمارتوں کے باہر مختصر سی تاریخ پتھر میں کندہ کر کے بیان کی ہیں۔
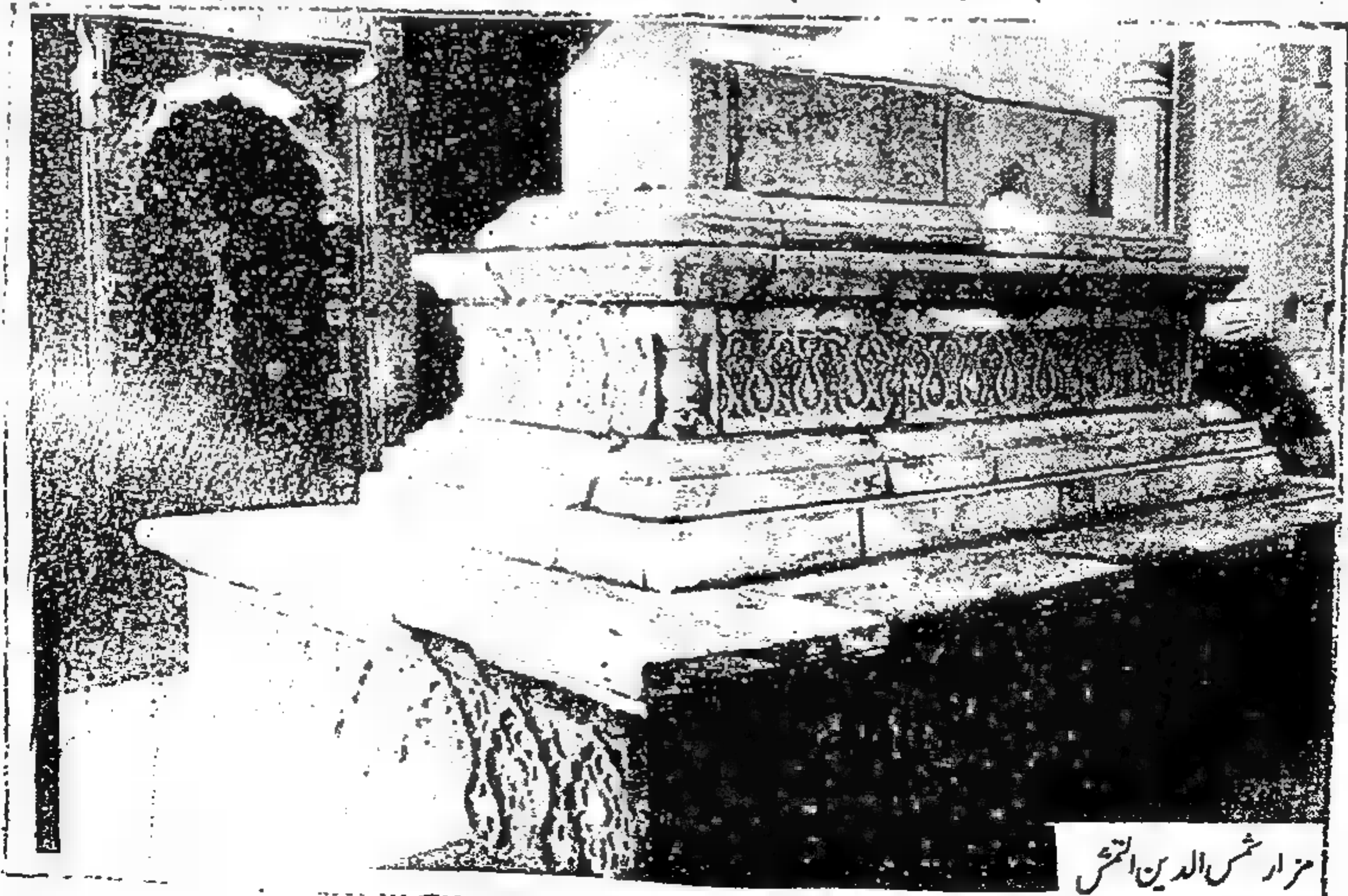
مزار شمس الدین التمش

QUWWATUL-ISLAM MASJID
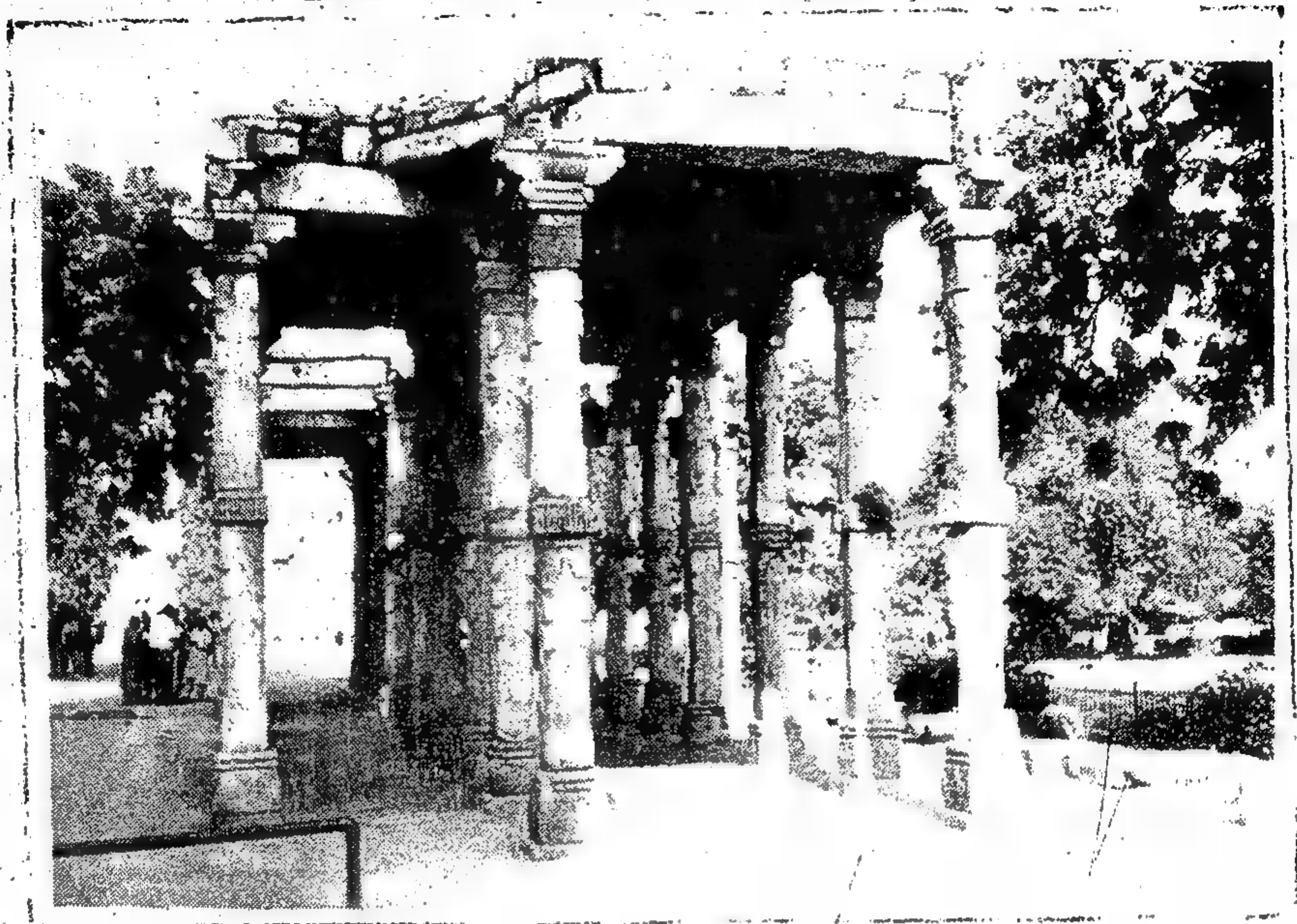
KNOWN AS THE QUWWATUL-ISLAM (MIGHT OF ISLAM) MASJID. IT IS THE EARLIEST EXTANT MOSQUE IN INDIA. IT CONSISTS OF A RECTANGULAR COURTYARD, 43.2 M. BY 32.9 M., ENCLOSED BY CLOISTERS WHICH WERE ERECTED BY QUTBUDDIN AIBAK WITH THE CARVED COLUMNS AND OTHER ARCHITECTURAL MEMBERS OF TWENTY-SEVEN HINDU AND JAIN TEMPLES.

THE CONSTRUCTION OF MOSQUE WAS BEGUN IN A. D. 1193 BY QUTBUDDIN AIBAK OF THE MAMLUK DYNASTY AND COMPLETED IN A. D. 1197. A MASSIVE STONE SCREEN OF LOFTY FIVE ARCHES WAS PUT UP IN FRONT OF ITS PRAYER-HALL WHICH IMPARTED AN ISLAMIC CHARACTER TO THE BUILDING. THE SCREEN IS BEAUTIFULLY CARVED WITH BORDERS OF INSCRIPTIONS AND GEOMETRICAL AND ARABESQUE DESIGNS. BUT THE HAND OF CRAFTSMEN USED TO HINDU MOTIFS IS NONETHELESS CLEAR IN NATURALISTIC CURVED LINES.

SUBSEQUENTLY, THE MOSQUE WAS ENLARGED BY TWO LATER RULERS, SHAMSUDDIN ILTUTMISH (A. D. 1211-36) AND ALAUDDIN KHALJI (A. D. 1296-1316). THE SCREENS OF THESE TWO SULTANS ARE CARVED WITH PURELY ISLAMIC MOTIFS ABOUNDING IN GEOMETRIC PATTERNS.

QUTB - MINAR
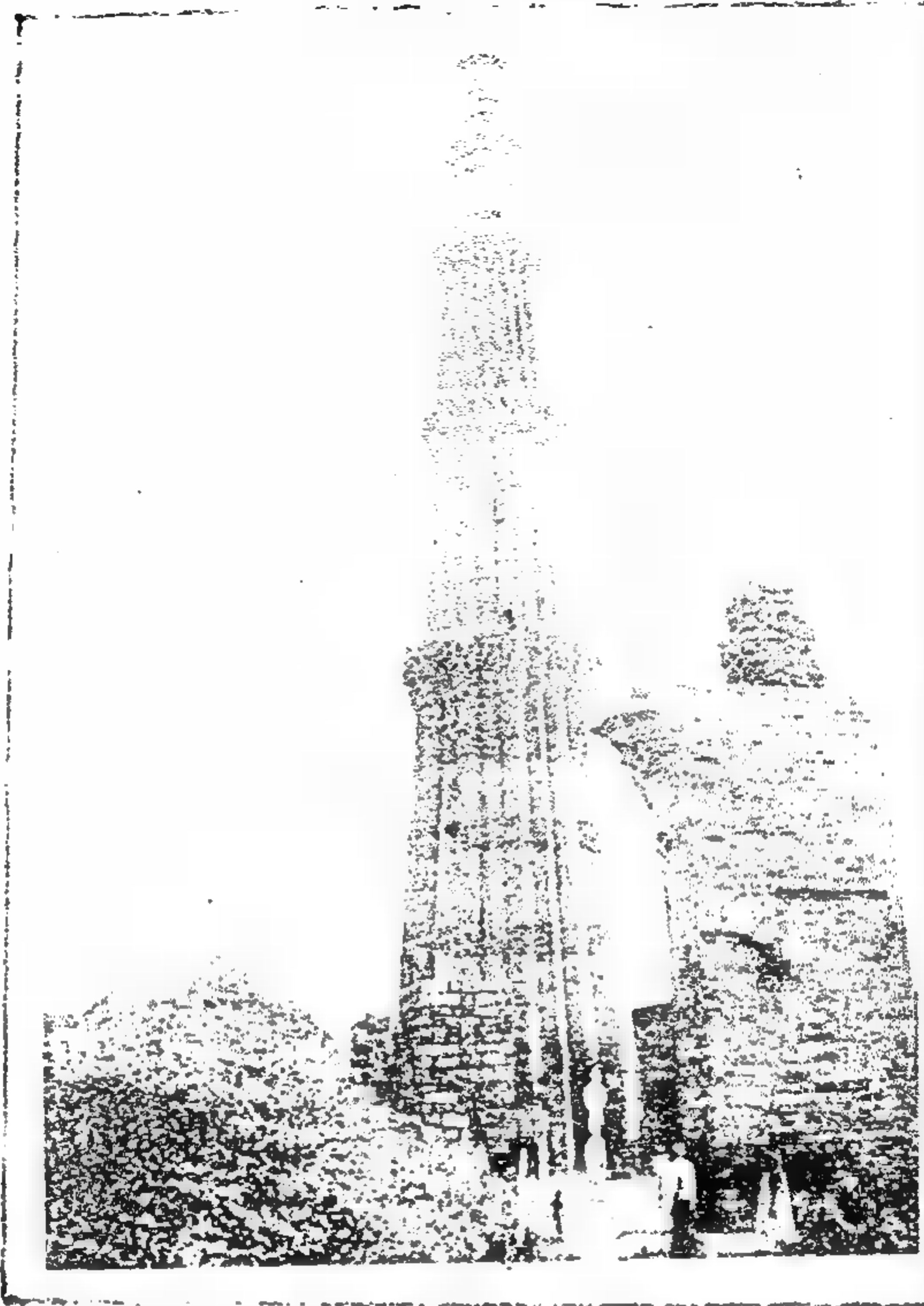
THE FOUNDATIONS OF THIS WORLD – FAMOUS TOWER. KNOWN AS THE QUTB-MINAR. WERE LAID BY QUTBUDDIN AIBAK OF THE MAMLUK DYNASTY TOWARDS THE END OF THE TWELFTH CENTURY. THE CONSTRUCTION WAS INTERRUPTED AT THE FIRST STOREY BY HIS DEATH, AND THE REMAINING THREE STOREYS WERE COMPLETED IN MATCHING MATERIAL AND STYLE BY HIS SUCCESSOR ILTUTMISH COMMONLY KNOWN AS ALTAMASH IN A. D. 1230. IN A. D. 1368 THE MINAR WAS DAMAGED BY LIGHTNING. LATER, FIRUZ SHAH TUGHLUQ (A. D. 1351-88) REPLACED THE TOP STOREY BY THE EXISTING TWO STOREYS FACED WITH MARBLE. SIKANDAR LODI (A. D. 1489-1517) ALSO EXECUTED SOME REPAIRS TO HE MINAR IN A.D.1503, WHEN IT WAS AGAIN INJURED BY LIGHTNING.

THE TOWER HAS A DIAMETER OF 14.32M.AT THE BASE AND OF

ABOUT 2.75M.AT THE TOP WITH A HEIGHT OF 72.5M AND ASCENDED BY 379 STEPS. IT IS THE HIGHEST STONE-TOWER IN INDIA AND A PERFECT EXAMPLE OF MINAR KNOWN TO EXIST ANYWHERE. THE VARIEGATED PLAN OF ITS THREE LOWER STOREYS. THE PROJECTING BALCONIES WITH STALACTITE PENDENTIVE BRACKETS AND ORNATE BANDS OF INSCRIPTIONS ON ITS FACADES HEIGHTEN ITS DECORATIVE EFFECT.

ALAI-DARWAZA:
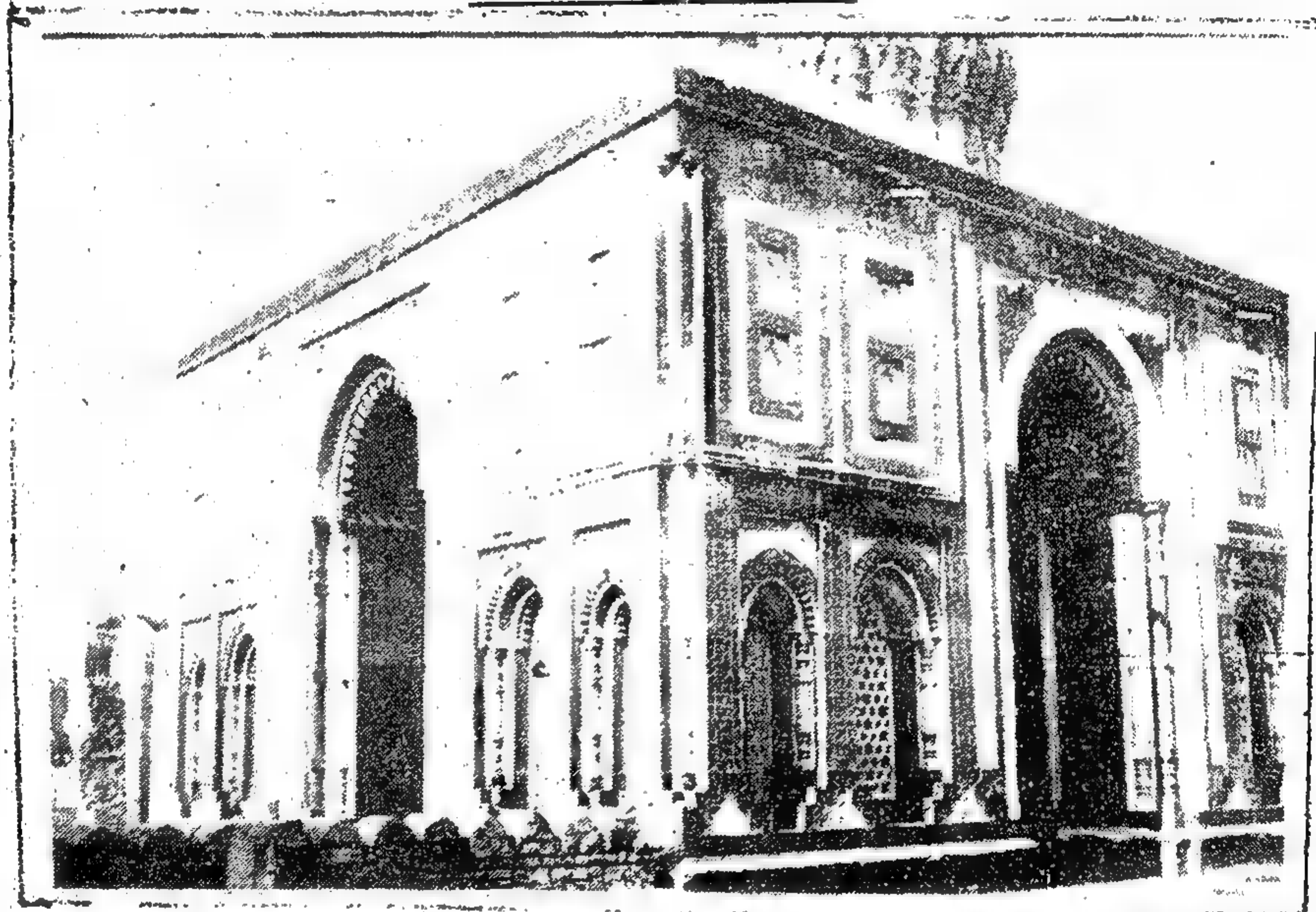
DESCRIBED AS ONE OF THE MOST TREASURED GEMS OF ISLAMIC ARCHITECTURE THE ALAI-DARWAZA. BUILT BY ALAUDDIN KHALJI IN A.D. 1311. IS A GATEWAY WHICH FORMED THE MAIN ACCESS THROUGH THE SOUTHERN WALL TO THE ENLARGED QUWWATUL ISLAM MOSQUE IT IS THE FIRST BUILDING EMPLOYING WHOLLY ISLAMIC PRINCIPLES OF ARCUATE CONSTRUCTION AND GEOMETRIC ORNAMENTATION IT ALSO BETRAYS CERTAIN SALOUQIAN FEATURES IN THE FORM OF ITS WIDE AND BULGING DOME WITH A CENTRAL KNOB POINT HORSESHOE SHAPED ARCHES AND QUENCHES AND THE LOTUS BUD FRINGED EMBELLISHMENT ON THE UNDER SIDE OF THE ARCHES.

ITS FINE PROPORTIONS PROFUSE CARVINGS ON THE EXTERIOR INSCRIPTIONAL BANDS OF WHITE -MARBLE IN BOLD NASKH

CHARACTERS AND OTHER DECORATIVE DETAILS IN RED STONE MAKE IT AN UNIQUE STRUCTURE. THE GEOMETRICAL DECORATION ON ITS INTERIOR IS REMINISCENT OF DELICATE TIMBER ORNAMENTATION.

ALAI - MINAR
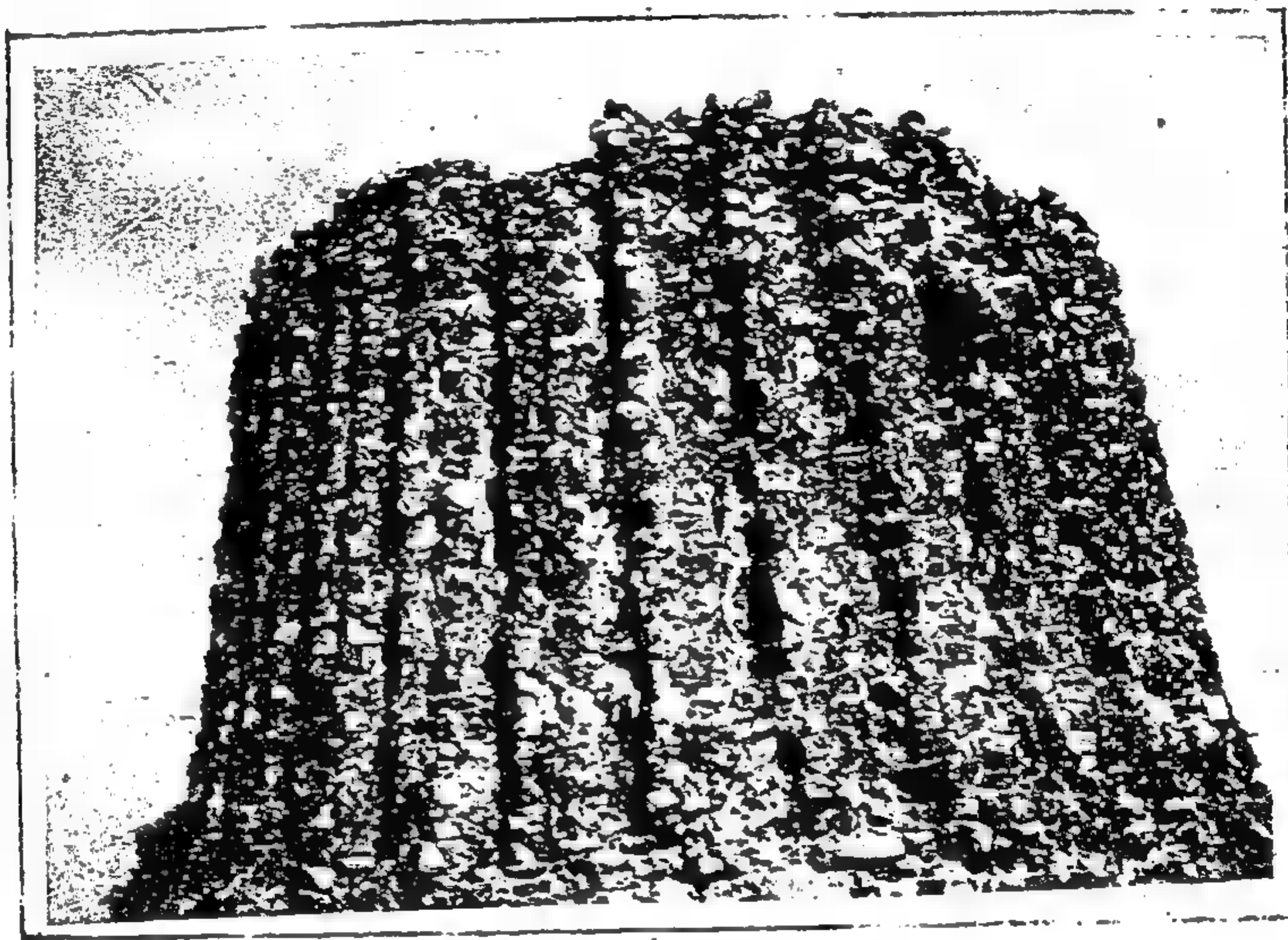
THIS UNFINISHED MINAR, WITH ITS EXTANT HEIGHT OF 24.5 METERS, WAS COMMENCED BY ALAUDDIN KHALJI (A. D. 1296-1316) IT HAD HARDLY REACHED ITS FIRST STOREY WHEN HE DIED. HE HAD CONCEIVED THIS MINAR TO BE DOUBLE THE HEIGHT OF THE QUTB-MINAR, IN ORDER TO BE PROPORTIONATE WITH THE QUWWATUL-ISLAM MOSQUE, AS EXTENDED BY HIM.

مسجد اولیاء
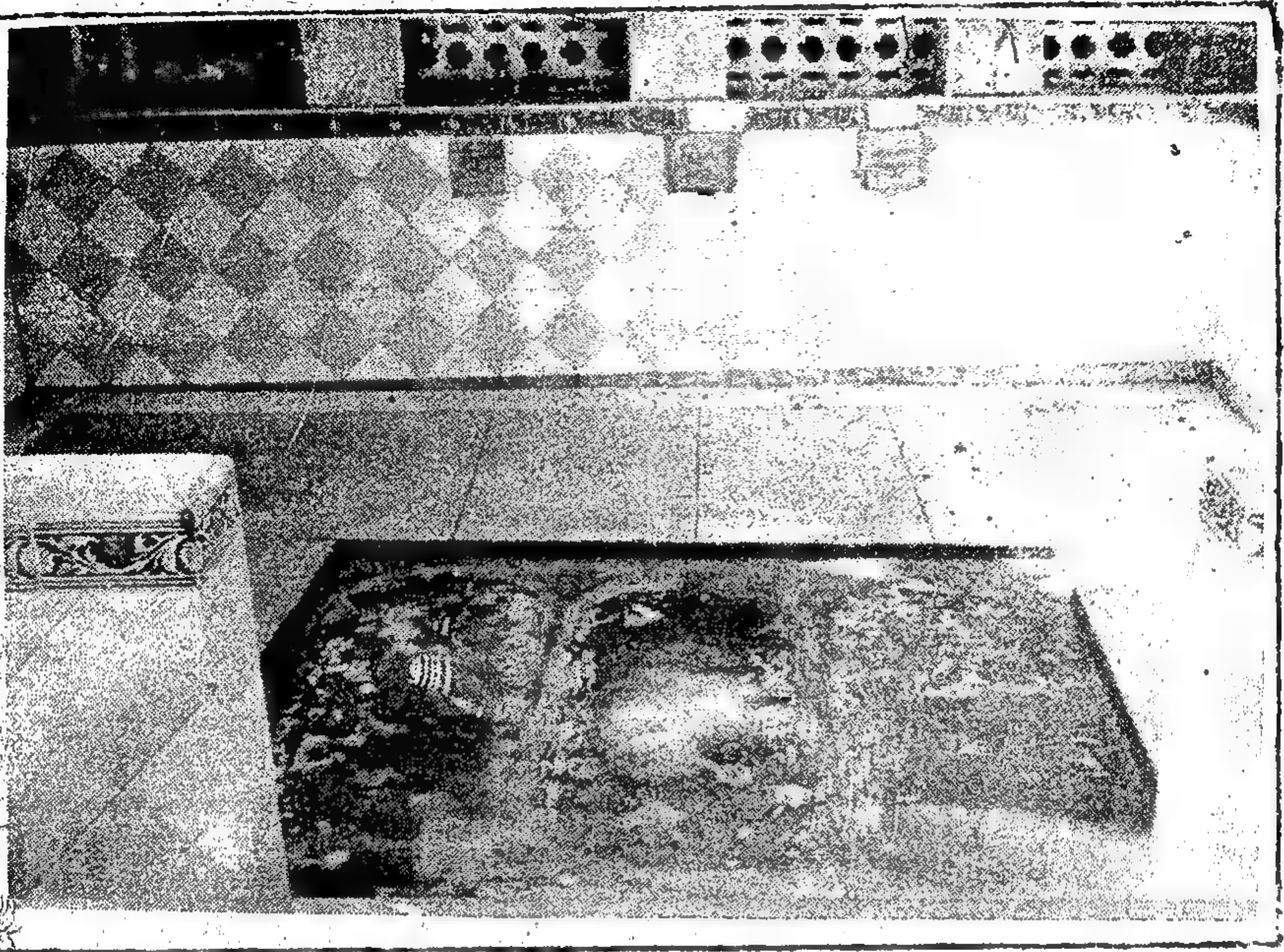
حوض شمسی کے مشرقی کنارے پر مشہور مسجد جو مسجد اولیاء کے نام سے مشہور ہے پہلے یہ مسجد چھوٹی سی تھی اب شمال کی جانب اس میں اضافہ کر دیا گیا ہے مسجد اولیاء میں پتھر کے چار جاء نماز بنے ہوئے ہیں سامنے دیوار پر ان اولیاء اکرام کے نام لکھے ہیں۔ جنہوں نے یہاں نمازیں ادا کیں اس مسجد میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ اور سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء جیسے اولیاء اکرام اور بزرگان دین نے نمازیں ادا کیں مسلمان برکت کے لئے اس مسجد میں نوافل ادا کرتے ہیں۔ راقم کو یہاں نوافل ادا کرنے کا شرف حاصل ہے حوض شمسی کے پانی کی لہریں مسجد اولیاء کی دیوار کے ساتھ ٹکراتی ہوئی واپس چلی جاتی ہیں۔ مسجد اولیاء کے شمال کی جانب ایک جدید مسجد تعمیر کی گئی ہے یہاں بچے درس حاصل کرتے ہیں۔ مسجد کے باہر ایک بورڈ پر مسجد اولیاء تحریر ہے مسجد کی تزائین "الکریم ہوٹل" والوں نے کی ہے۔

حوض شمسی
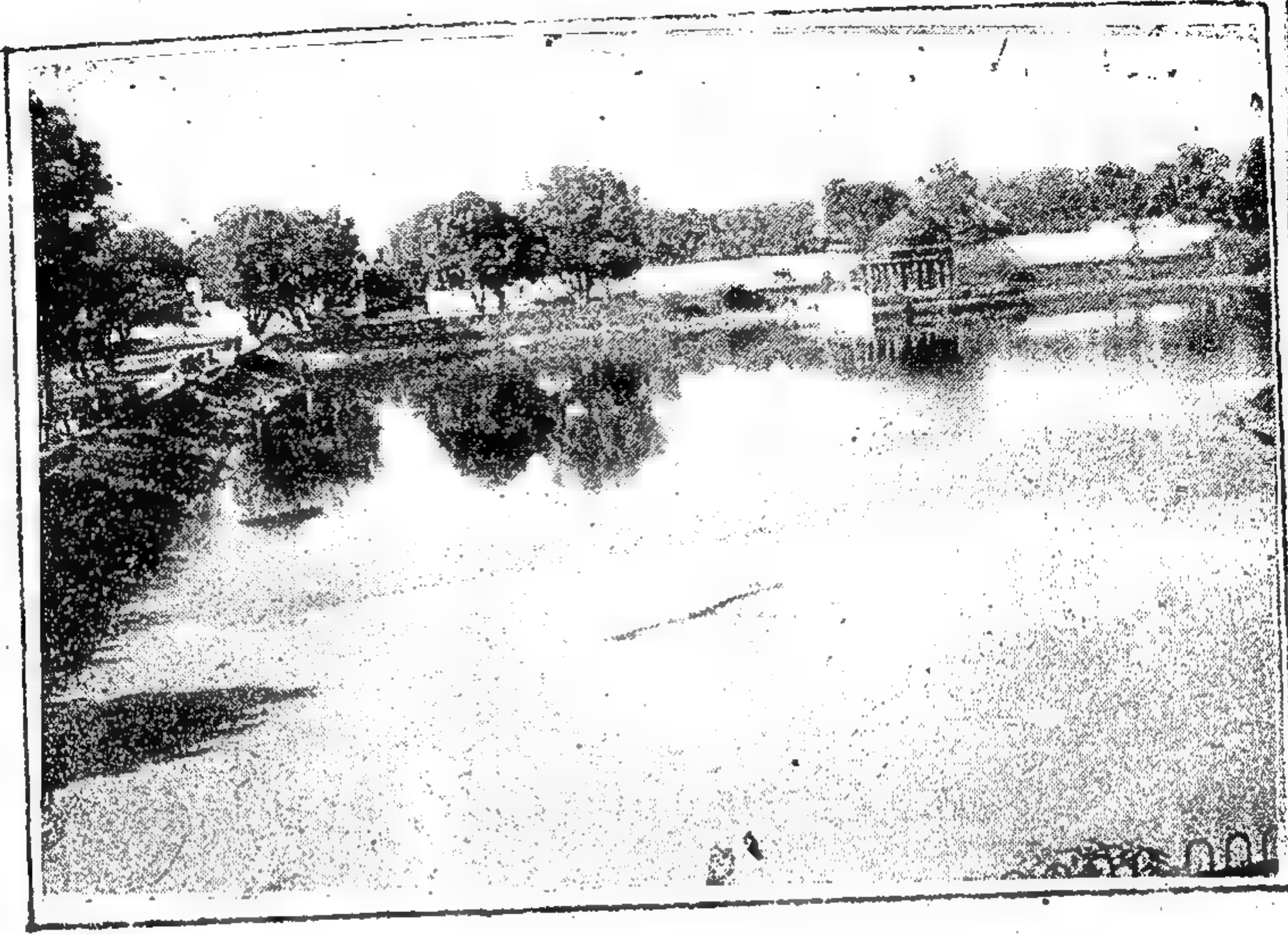
مہ رولی پرانی دہلی میں ایک بہت بڑا تالاب ہے جب یہ حوض تیار ہوا اس کا رقبہ تقریبا گیارہ سو کنال تھا
لی کا یہ تالاب ۱۲۲۹ء میں سلطان شمس الدین التمش نے تعمیر کروایا ایک روایت کے مطابق سلطان شمس الدین
تمش نے خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ یہاں پانی کی کمی ہے لہذا تم ایک حوض بنا دو
ضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی زمین پر نشان لگایا۔ سلطان نے حوض تیار کرایا تو اس کے کنارے اللہ والوں نے
ائش تیار کر لی یہ حوض سرخ پھتروں سے تعمیر کیا گیا تھا۔ سلطان علاوالدین نے ۱۳۱۱ء میں اس تالاب کی صفائی
رائی۔ اور تالاب کے عین درمیان میں ایک خوبصورت برجی یا بارہ دری نما عمارت تعمیر کی جو نیچے سے خالی ہے جو
ب بھی موجود ہے سلطان فیروز شاہ نے اپنے دور میں تالاب کی مرمت کروائی اور پانی کے راستے کی صفائی بھی کرائی۔
مبر ۱۹۹۸ء میں راقم حوض کے کنارے پہنچا تو تالاب میں اچھا خاصا پانی تھا ایک کنارے پر دھوبی کپڑے دھو رہے تھے
ض کے رقبے پر کھیل کا میدان بنا دیا گیا ہے گرد و نواح پرانی اور تاریخی عمارتیں ہیں جو پھتروں سے تعمیر کی گئی ہیں۔
ب بھی اس شان سے کھڑی ہے۔

چند لمحے مہرولی پرانی دہلی میں حوض شمسی کے کنارے

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار کے قریب سے اور ظفر محل کے نزدیک ایک سڑک حوض شمسی کی طرف جاتی ہے اکیس بائیس نومبر 1998 کو راقم دہلی میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ، حضرت امیر خسروؒ، حضرت خواجہ نصیر الدینؒ چراغ دہلی، حضرت خواجہ باقی باللہؒ درگاہ قدم شریف، حضرت شاہ کلیم اللہ شاہ جہان آبادیؒ، حضرت خواجہ شمس الدین محمد یحییٰؒ، حضرت خواجہ علاؤالدین نیلی چشتیؒ، حضرت مولانا محمد فخر الدین فخر جہاںؒ اور دوسرے اولیاء کرام کے مزارات پر حاضری دیتا ہوا قطب مینار، لال قلعہ، جامع مسجد، فیروز شاہ کوٹلہ قلعہ تغلق آباد، مقبرہ غیاث الدین تغلق مقبرہ ہمایوں ظفر محل، موتی مسجد، مقبرہ صفدر جنگ، قلعہ رائے پتھورا، مقبرہ آدھم خان، جنتر منتر، مقبرہ رضیہ سلطانہ کے علاوہ سلاطین دہلی اور مغل بادشاہوں کے مقبروں عالی شان عمارتوں کو دیکھتا ہوا مہرولی پرانی دہلی حوض شمسی کے کنارے پہنچا۔ حوض شمسی کے کنارے کئی اولیاء کرام کے آستانے اور مساجد بھی ہیں۔ کسی زمانہ میں حوض شمسی کی بڑی شان و شوکت تھی مسلمان حوض شمسی کے کنارے آباد ہونے کو بڑی سعادت سمجھتے تھے۔ سلاطین دہلی کے دور کی مساجد اور کئی اولیائے کرام کے آستانے ہیں۔ حوض شمسی جب تیار ہوا اس کا رقبہ تقریباً گیارہ سو کنال تھا پانی کا یہ تالاب ۱۲۲۹ء میں سلطان شمس الدین التمش نے تعمیر کروایا ایک روایت کے مطابق سلطان شمس الدین التمش نے خواب میں حضور نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ یہاں پانی کی قلت ہے۔ لہٰذا تم ایک حوض بنا دو حضور نبی کریم ﷺ نے خود ہی زمین پر نشان لگایا سلطان شمس الدین التمش نے حوض تیار کروایا تو اس کے کنارے اللہ والوں نے رہائش اختیار کر لی۔ یہ حوض پتھروں سے تعمیر کروایا گیا ہے۔ سلطان علاؤالدین نے 1311ء میں حوض شمس کی صفائی کروائی تالاب کے عین درمیان میں ایک خوبصورت بارہ دری تعمیر کروائی جو نیچے سے خالی ہے یہ عمارت اب بھی موجود ہے سلطان فیروز شاہ نے اپنے دور میں اس تالاب کی مرمت کروائی۔ اور پانی کے راستے کی صفائی کروائی۔ حوض شمسی کا رقبہ اب کم ہو کر رہ گیا ہے کافی رقبے پر مکانات تعمیر ہو چکے ہیں کچھ حصہ پر پارک تعمیر کر دیا گیا ہے۔ مشرق اور جنوب کی سمت پختہ سڑکیں تعمیر کر دی گئی ہیں۔ اس حوض کے مشرقی کنارے پر سرخ پتھر سے تعمیر شدہ ایک مسجد اب بھی آن شان سے کھڑی ہے لیکن غیر آباد ہے حضرت نجیب اللہ فردوسی کے آستانہ کے متولی نے بتایا مہرولی پرانی دہلی میں پانچ سو کے قریب مساجد تھیں۔ مہر کا مطلب ولیوں کو مہر بتایا۔ تقریباً چھ سو چھپن کنال رقبہ کے ارد گرد چار دیواری تعمیر کر کے پرانی عمارتوں اور درگاہوں کو محفوظ کر دیا گیا ہے اس کے اندر

تعداد کم نام تاریخی عمارتیں اور مقبرے ہیں جو پتھر تراش کر تعمیر کیے گئے ہیں۔ حوض شمسی کے مشرقی کنارے مسجد اولیاء ہے مسجد کی مغربی دیوار کے ساتھ پتھر کے مصلے بنے ہوئے ہیں جن پر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، حضرت بابا فرید گنج شکرؒ، حضرت خواجہ نظام الدینؒ اولیاءؒ درج ہیں۔ ان اولیاء کرام کے علاوہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے یہاں نمازیں ادا کیں راقم نے یہاں حصولِ برکت کے لیے نوافل ادا کیے۔ حوض شمسی کے پانی کی لہریں مسجد اولیاء کے ساتھ ٹکرا کر یعنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے واپس چلی جاتی ہیں۔ مسجد اولیاء کرام کے شمال کی جانب ایک جدید مسجد تعمیر کی گئی ہے یہاں مسلمان بچے درس حاصل کرتے ہیں مسجد کی تزائین الکریم ہوٹل والوں نے کی ہے۔ الکریم ہوٹل جامع مسجد دہلی کے قریب ہے مسلمانوں کا مشہور ہوٹل ہے۔ دیسی گھی کے کھانے تیار کیے جاتے ہیں راقم دہلی میں قیام کے دوران وہیں سے کھانا کھاتا رہا۔ حوض شمسی کے جنوب کی جانب لودھی عہد کے مشہور ولی اللہ حضرت شیخ سماء الدین سہروردیؒ وفات ۱۴۹۶ء کا مزار ہے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے بزرگوں کو ان کے ساتھ بڑی عقیدت تھی سیر العارفین کے مصنف شیخ جمالیؒ بھی آپ کے مریدین میں سے تھے۔ حضرت شیخ سماء الدینؒ کی نماز جنازہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوھیؒ نے پڑھائی۔ لطائف قدوسی میں یہ تفصیل موجود ہے حوض شمسی کے قریب حضرت شیخ سید برہان الدین بلخیؒ کا مزار ہے مزار پر آپ کی تاریخ وصال ۵۰۹ھ تحریر ہے گنبد اور چار دیواری نہیں قریب ایک چائے کا ہوٹل ہے چائے پینے والوں کیلئے ایک بنچ رکھا ہوا ہے۔ حوض شمسی کے مشرق کی سمت شمسان گھاٹ کے قریب حضرت نجیب الدین فردوسیؒ وفات ۱۲۹۲ء کا مزار مبارک ہے ساتھ ہی مسجد اور درس گاہ بھی ہے راقم نے مشاہدہ کیا کہ اب مساجد اور درس گاہیں آباد ہو رہی ہیں حضرت نجیب الدین فردوسیؒ کے خلیفہ حضرت شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ خیریؒ وفات ۱۳۷۱ء نے آپ کے سلسلہ کو بہار اور بنگال میں فروغ دیا اس سلسلہ کے اولیاء کرام کے آستانے بہار اور بنگال میں دور دراز تک پھیلے ہوئے ہیں حضرت شیخ شرف الدین احمدؒ کو صوبہ بہار کا سب سے بڑا ولی تسلیم کیا جاتا ہے حوض شمسی کے شمال کی جانب حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی وفات ۱۶۴۲ء کا پر وقار مزار ہے مزار پر سبز رنگ کا گنبد ہے صحن میں لاتعداد قبریں ہیں جنوب کی جانب عالی شان مسجد ہے آپ کے مزار کے باہر آپ کے مختصر حالات زندگی درج ہیں جس کے مطابق آپ سلیم شاہ کے عہد میں پیدا ہوئے۔ مغل شہنشاہ شاہ جہاں کے عہد میں آپ کا وصال ہوا اس مدت میں آٹھ بادشاہ دہلی کے تخت نشین ہوئے یعنی اسلام شاہ، لبریز شاہ، ابراہیم شاہ، احمد خان سکندر شاہ، ہمایوں، اکبر، جہانگیر، شاہ جہاں، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ حضرت خواجہ باقی اللہؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے آپ نے سنت شریعت کو مضبوط کیا

بر صغیر کے مسلمانوں کے بکھرے ہوئے شیرازے کو منظم کیا آپ نے مدارج النبوۃ کو فارسی میں ترتیب دے کر جو احسان بر صغیر کے مسلمانوں پر کیا ہے اسلامی تاریخ کا طالب علم اسے کبھی فراموش نہیں کر سکتا آپ کا مقبرہ شہنشاہ شاہ جہاں کے فوجی سپہ سالار مہابت خان نے تعمیر کروایا۔ مہابت خاں آپ کا بے حد عقیدت مند تھا۔ مقبرہ تیار ہو گیا تو مہابت خان نے خدمت میں آکر عرض کی حضرت مقبرہ تیار ہے آپ نے فرمایا ہم بھی تیار ہیں اسی رات آپ نے وصال فرمایا۔

آپ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔اپ کی تصنیف اخبار الاخیار کی شہنشاہ جہانگیر نے اپنی تزک میں بہت تعریف کی یہ کتاب اولیاء کرام کی سوانح پر مشتمل ہے۔ مغلوں کے آخری دور حکومت میں حوض شمسی کے کنارے موسم برسات میں پھول والوں کی سیر کے نام سے ایک میلہ لگا کرتا تھا انگریزوں کے عہد میں یہ میلہ بند ہو گیا۔ مرزا غالب بڑے افسوس کے ساتھ میر مہدی مجروح کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں بھائی کیا پوچھتے ہو کیا لکھوں دلی کی ہستی منحصر تھی کئی ہنگاموں پر قلعہ چاندنی چوک، ہر روز مجمع جامع مسجد کا ہر ہفتے سیر جمنا کے پل کی ہر سال میلہ پھول والوں کا یہ پانچوں باتیں اب نہیں پھر کہو دلی کہاں ہاں کوئی شہر قلمرو ہند میں اس نام کا تھا اب یہ میلہ دوبارہ شروع ہونے لگا ہے اس میلے میں پھولوں کے پنکھوں کا جلوس نکالا جاتا ہے مسلمان میلے کے اختتام پر اپنے پنکھے حضرت خواجہ قطب الدینؒ کے مزار پر چڑھاتے ہیں ہندو جوگ مایا کے مندر میں لے جا کر دیوی کے چرنوں میں ڈال دیتے ہیں۔ حوض شمسی آج بھی اسی آن شان سے قائم ہے پانچ سو مساجد میں اب صرف چند مساجد آباد تھیں حوض شمسی کے بعد راقم غیاث الدین بلبن کے مقبرہ اور مہرولی کے جنگل میں اولیاء کرام قدیمی تاریخی روحانی مقامات پر حاضری کے لیے روانہ ہوا۔

علائی حوض یا حوض خاص
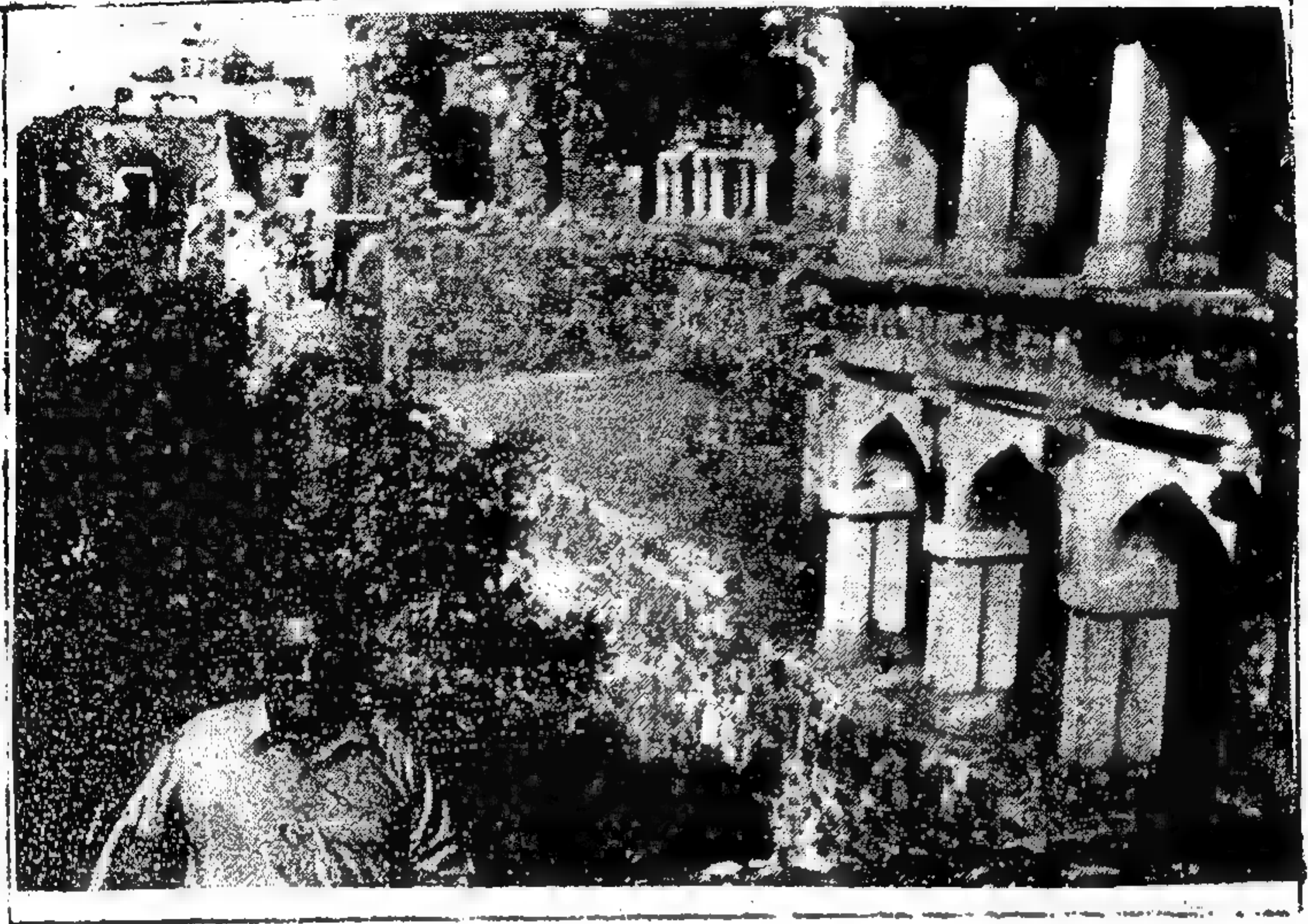
دہلی میں حوض خاص کے نام سے ایک بستی یہاں کسی زمانہ میں حوض خاص نام کا مشہور پر رونق شہر تھا۔ پانی کی قلت کے باعث یہ حوض سلطان علاؤالدین خلجی نے ۱۲۹۵ء میں بنایا تھا۔ یہ حوض تقریباً ۵۰۰ کنال رقبہ میں تھا اس سے چاروں طرف پختہ دیواریں بنی ہوئی تھیں۔ حوض خاص کے گردونواح بیگمات، امراء اور شہزادوں کی قبریں ہیں جن پر ذات نما گنبد اور برآمدے بھی ہیں۔ فیروز شاہ تغلق کے وقت یہ حوض مٹی سے بھر گیا تھا اور اس میں پانی نہیں ٹھہرتا تھا۔ فیروز شاہ تغلق نے ۱۳۵۴ء میں اس حوض کی صفائی اور مرمت کروائی اس کے اوپر ایک مدرسہ بنوایا حوض کے جنوبی کنارے پر مدرسے کی عمارت اب بھی قائم ہے۔ اس مدرسے میں سینکڑوں طالب علم زیر تعلیم رہے۔ طالب علموں کی تعلیم کے لیے کئی مدرس خدمات سرانجام دیتے اسی روز سے اس کا نام حوض خاص مشہور ہو گیا اور مدرسے کے پہلے منتظم اعلیٰ سید یوسف بن جمال حسینی تھے جس کا انتقال ۱۳۸۸ء میں ہوا اور وہ اسی مدرسہ میں دفن ہوئے۔ انکا مقبرہ بھی شاندار انداز میں تعمیر کیا گیا ہے۔ فیروز شاہ تغلق کا مقبرہ یہاں بڑی عمارت میں ہے شہنشاہ فیروز شاہ تغلق کے مقبرے کے علاوہ

چند اور قبریں بھی ہیں فیروز شاہ کا مقبرہ چونا اور پتھر سے تعمیر کیا گیا ہے۔ فیروز شاہ کا انتقال ۱۳۸۸ء میں ہوا حوض خاص کے کنارے مدرسہ دو منزل ہے حوض تک اترنے کیلئے سیڑھیاں ہیں تمام عمارتیں پتھر چونے سے تعمیر کی گئی ہیں۔ حوض خاص میں ناصر الدین محمد شاہ، علاؤالدین سکندر شاہ، شہاب الدین تاج خان، سلطان ابو سعید کے مقبرہ بھی ہیں۔ حوض خاص کے قریب ایک پتھر تراش کر بارہ دری بھی تعمیر کی گئی ہے۔ حوض خاص کی طرف آنے والی سڑک کے دونوں طرف تقریباً پانچ چھ کے قریب مقبرے ہیں حوض خاص کے مشرق کی طرف بھی آٹھ کے قریب مقبرے ہیں۔ امیر تیمور نے ان عمارتوں کی بڑی تعریف کی تھی۔

HAUZ - KHAS

ALAUDDIN KHALJI (1296-1316) EXCAVATED A LARGE TAN HERE FOR THE USE OF THE INNABITANTS OF SIRI, THE SECOND CITY OF MEDIEVAL DELHI, WHICH WAS FOUNDED BY HIM. IT WAS ORIGINALLY KNOWN AS HAUZ-I-ALAI AFTER HIS NAME. FIRUZ SHAH TUGHLAQ (1351-88) RE-EXCAVATED THE SILTED TANK AN RAISED SEVERAL BUILDINGS ON ITS SOUTHERN AND EASTERN BANKS WHICH ARE KNOWN AS HAUZ-KHAS OR ROYAL TANK. THE ENCLOSURE WALL IS PARTLY MODERN.

A BUILDING OF HISTORICAL IMPORTANCE WITH IN THE ENCLOSURE IS THE TOMB OF FIRUZ SHAH TUGHLAQ, WHICH WE REPAIRED DURING THE REIGN OF SIKANDAR LODI IN 1507, IS EVIDENCED FROM AN INSCRIPTION ON THE ENTRANCE, TO MULTI-STOREYED WINGS CONSISTING OF SERIES OF HALLS A CHAMBERS ON THE NORTH AND WEST OF FIRUZ SHAH" TOMB WE BUILT BY HIM IN ABOUT A. D. 1354 TO SERVE AS A MADRASA COLLEGE FOR THEOLOGICAL TRAINING SEVERAL STAIR-CAS LEAD DOWN TO THE TANK FROM THE UPPER STOREY OF THE MADRASA. AT THE NORTHERN EXTREMITY OF THE ENCLOSURE A SMALL MOSQUE. ONE OF THE OLD ENTRANCES TO THE ENCLORE IS FROM THE WEST, NOW CLOSED. THE OCTAGONAL AND SQU CHHATRIS STANDING HERE WERE BUILT AS TOMBS OVER GRAVES POSSIBLY OF TEACHERS OF TEACHERS ATTACHED TO THE MADRASA.

TAIMUR, WHO INVADED DELHI IN 1399, WAS HIC IMPRESSED BY THE TANK AND BUILDINGS AROUND IT BUT WRO ASCRIBED ITS CONSTRUCTION TO FIRUZ SHAH TUGHLAQ.

گندھک باولی

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے راستہ میں ایک چھوٹا سا قبرستان ہے اس قبرستان کے ملحقہ ایک قدیمی باولی ہے جس کا ذکر اکثر تاریخی کتابوں میں آتا ہے۔ جس کا ذکر اکثر تاریخی کتابوں میں آتا ہے یہ باولی بھی تین منزلہ ہے جو پتھر تراش کر تعمیر کی گئی ہے پانی تک پہنچنے کے لیے سیڑھیاں ہیں قطب صاحب کے ارشاد پر یہ باولی تعمیر کی گئی۔ آج کل محلہ کا کوڑا اس میں پھینکا جاتا ہے۔ چند خاندان گندھک [illegible] میں خیمہ زن ہیں یہ باولی مہرولی پرانی دہلی میں ہے۔

قلعہ قدم شریف ☆ مقبرہ فتح خان تغلق ☆ مقبرہ فیروز جہاں بیگم مزار حاجی شمس الدین مصری کی تفصیل
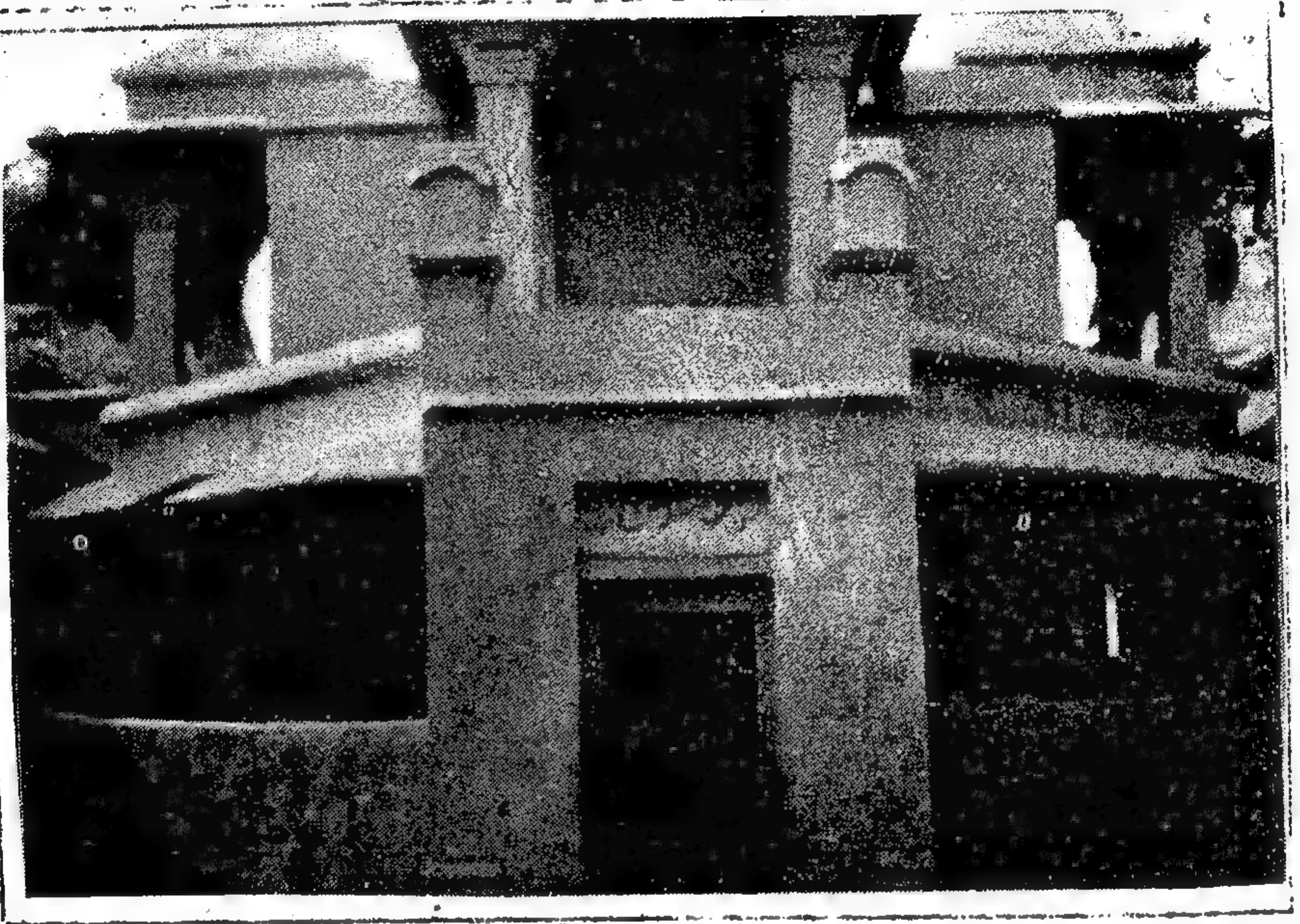
نئی دہلی ریلوے اسٹیشن سے ایک سڑک قطب روڈ کے نام سے منسوب ہے۔ اسی سڑک کے نزدیک درگاہ حضرت باقی باللہ سے قریب سے ایک گلی قلعہ قدم شریف کی طرف جاتی ہے قلعہ میں داخل ہونے کے لئے ایک قلعہ نما دروازے سے گزرنا پڑتا ہے۔ قلعہ قدم شریف میں ایک قدیمی مسجد بھی ہے شہزادہ فتح خان تغلق بن فیروز شاہ تغلق کا مقبرہ بھی یہیں ہے فیروز شاہ تغلق کی ہمشیرہ فیروز جہاں بیگم ان کے خاوند حاجی سید شمس الدین مصری کا مزار بھی قلعہ قدم شریف میں ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک معجزہ ہوا تھا آپ کے پاؤں کا نقش پتھر میں بن گیا وہ پتھر فیروز شاہ تغلق کے عہد میں ہندوستان لایا گیا مقبرہ پر نصب کر دیا گیا اس وجہ سے یہ مقبرہ قدم شریف کے نام سے مشہور ہوا شہزادہ فتح خان کا مقبرہ پر ایک حوض بنا دیا گیا اس کے گرد سنگ [illegible] گیا اس میں سے لوگ پانی بھرتے تھے اور نقش قدم کو دھو کر پانی بطور تبرک لے جاتے اور یہ شعر پڑھتے اے خضر دل اسی کے پینے سے نجات ہے۔ پانی قدم شریف کا آب حیات ہے بارہ ربیع الاول کو ہر سال یہاں میلہ لگتا تھا۔ مخلوق خدا دور دور سے اس میلہ میں شرکت کرتی [illegible]

کے آگے دھمال ڈالتے قلعہ قدم شریف کے موجودہ سجادہ نشین پیر معراج الدین نے راقم کو قدم مبارک کی زیارت کرائی قدم شریف ایک بریف کیس میں احترام کے ساتھ رکھا ہوا تھا راقم کو پیر معراج الدین نے بتایا سلطان فیروز شاہ کے دور حکومت میں اوچ شریف سے کئی بزرگ حج پر گئے سلطان فیروز شاہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کے خادموں کے لیے نذرانے روانے کیے خادموں نے کہا جب آپ واپس ہندوستان جائیں تو ملاقات کر کے جائیں واپسی پر خادموں نے قدم مبارک ہندوستان کے بادشاہ کے لیے تحفہ کے طور پر دے دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہے یہودیوں نے آپ کی دعوت کی ۔ گھڑا کھود کر اوپر مٹی بچھادی۔ آپ نے جب مٹی پر قدم رکھا مٹی پختہ ہو کر پتھر بن گئی آپ گذر گئے مٹی پر آپ کے پاؤں کا نقش ثبت ہو گیا۔ یہودی یہ دیکھ کر آپ پر ایمان لے آیا۔ سلطان فیروز شاہ تغلق کے بیٹے شہزادہ فتح خان تغلق نے سلطان سے یہ قدم مبارک مانگا۔ بادشاہ کا خیال تھا کہ شہزادہ بادشاہی مانگے گا لیکن شاہزادہ فتح خان نے دوبارہ یہ قدم مبارک بادشاہ سے مانگا بادشاہ نے فیصلہ کیا جو پہلے فوت ہو گیا اسے قدم مبارک کے ساتھ دفن کیا جائے گا۔ شہزادہ فتح خان نے لنگر کا اہتمام کیا فقیروں کے داخل ہوتے باہر نکلتے ان سے کہتا دعا مانگو میں مر جاؤں۔ قدم مبارک سے عقیدت پر ان کی یہ دعا قبول ہوئی اور شہزادہ فتح خان اکیس (۲۱) سال کی عمر میں وفات پاگئے۔ وعدہ کے مطابق فیروز شاہ تغلق یہ قدم مبارک مقبرہ فتح خان تغلق پر نصب کر دیا۔ عید میلاد النبی کے موقع پر ہر سال عرس منعقد ہوتا ہے شہنشاہ فیروز شاہ تغلق نے اپنی ہمشیرہ فیروز جہاں بیگم کی شادی سید حاجی شمس الدین مصری سے کر دی ان کو درگاہ قدم مبارک کا متولی مقرر کیا آج تک ان کی اولاد نسل در نسل درگاہ کی متولی چلی آ رہی ہے۔ قلعہ قدم مبارک کے چاروں طرف گنبد ہیں شمال مغرب کی جانب برآمدے میں مشرق کی طرف جامع مسجد ہے شہزادہ فتح خان تغلق کا مزار سنگ مرمر سے تعمیر کیا گیا ہے ۱۹۴۷ء کے انقلاب میں قلعہ قدم مبارک کو کافی نقصان پہنچا۔ پیر معراج الدین نے راقم کو قدم مبارک کی زیارت کرائی انہوں نے قدم مبارک بریف کیس میں سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔ سرخی مائل مٹی پر قدم مبارک کے نقش نظر آتے ہیں۔ یہ عمارت ایک قلعہ نما ہے، کبھی اس کی بڑی شان و شوکت تھی۔

درگاہ حضرت شاہ ترکمانؒ

پرانی دہلی میں ایک دروازہ کا نام دروازہ شاہ ترکمان ہے۔ جس کے اندر درگاہ حضرت شاہ ترکمانؒ ہے۔ درگاہ کے قریب ہی اب تھانہ ترکمان قائم کر دیا گیا ہے۔ آپ بڑے بزرگوں میں سے ہیں۔ شمس العارفین آپکا لقب تھا۔ ۱۲۴۰ء میں سلطان معزالدین بہرام شاہ کے وقت آپکا انتقال ہوا۔ یہیں پر آپکو دفن کیا گیا۔ آپکا مزار سنگ مرمر سے تعمیر کیا گیا ہے۔ مزار کے قریب ایک اور بھی قبر ہے ۲۴ رجب کو آپکا عرس ہوتا ہے۔ بہار کے موسم میں یہاں کسی زمانے میں بسنت منائی جاتی تھی۔ درگاہ شاہ ترکمانؒ کے تھوڑے فاصلہ پر رضیہ سلطانہ کا مقبرہ ہے۔ آپ شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ تھے ۔ آپ کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے بڑی عقیدت تھی۔ آپ کے ایک پیر بھائی نور الدین مبارک غزنوی کی سلطان التمش کے عہد میں شیخ الاسلام مقرر ہوئے تھے آپ صاحب کرامت ولی اللہ ہو گزرے ہیں۔

ترکمان گیٹ
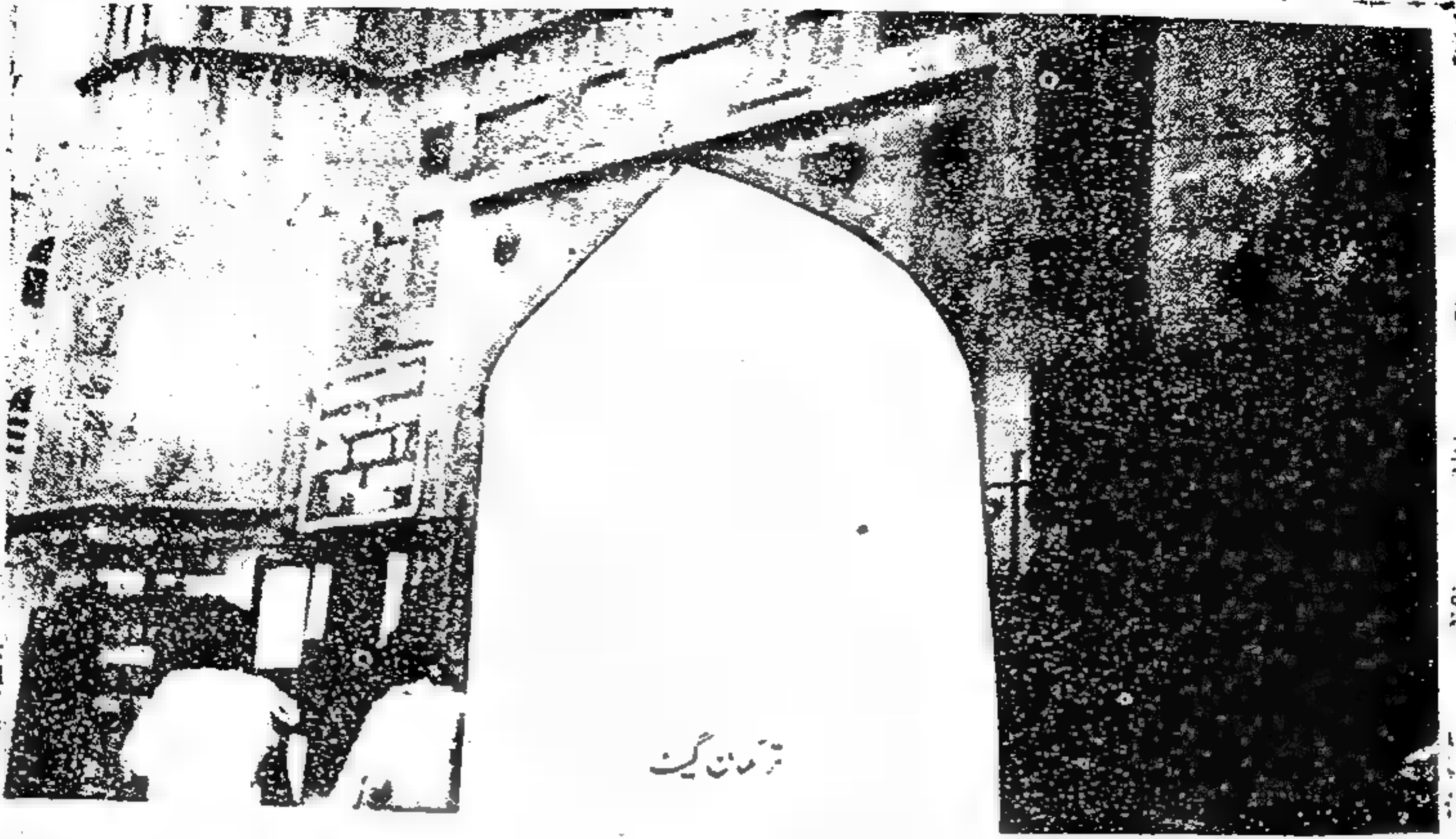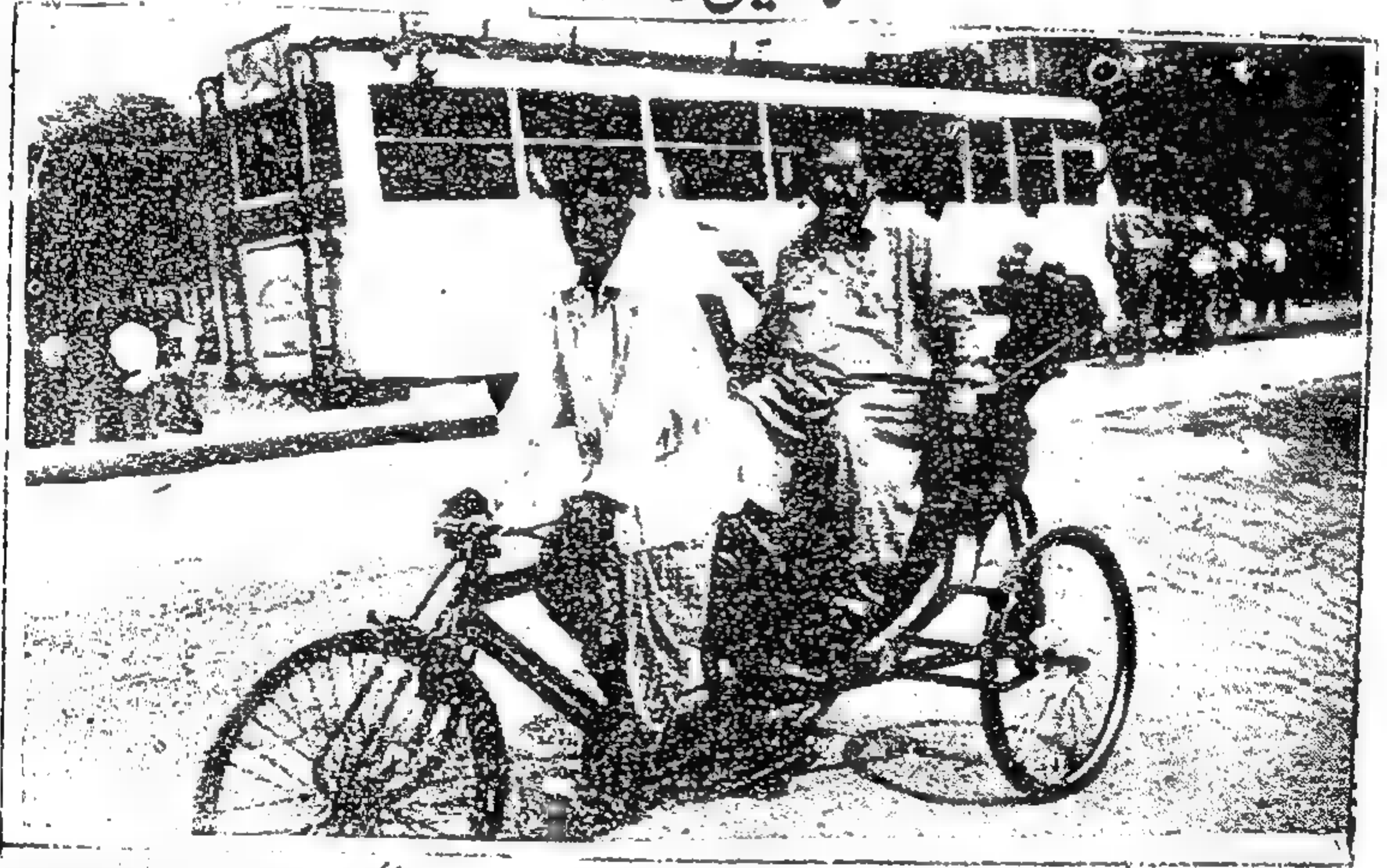
سائیکل رکشہ

تین پہیوں والی سائیکل جسے عرف عام میں سائیکل رکشا کہتے ہیں۔ سائیکل رکشا موجودہ دہلی ن پہچان ہے ہندوستان کے ہر گلی کوچہ میں سائیکل رکشے رواں دواں ہیں ایک اندازے کے مطابق دہلی اور گردونواح میں ۵ ۳ ہزار کے قریب سائیکل رکشے ہیں۔ یہ ایک سستی سواری ہے، معمول کا کرایہ دے کر مسافر آسانی سے سفر کر سکتا ہے۔ سائیکل رکشہ کا مالک تین چار مسافروں کو سائیکل میں سوار کر لیتا ہے۔ یہ لوگ بڑے محنتی اور جفاکش ہوتے ہیں۔ ان کی ٹانگیں سائیکل رکشہ چلا چلا کر پتھر کی مانند ہوتی ہے۔ رات گئے تک سو سے لے کر دو سو تک مزدوری کر لیتے ہیں۔

مقبرہ و مسجد عیسیٰ خان
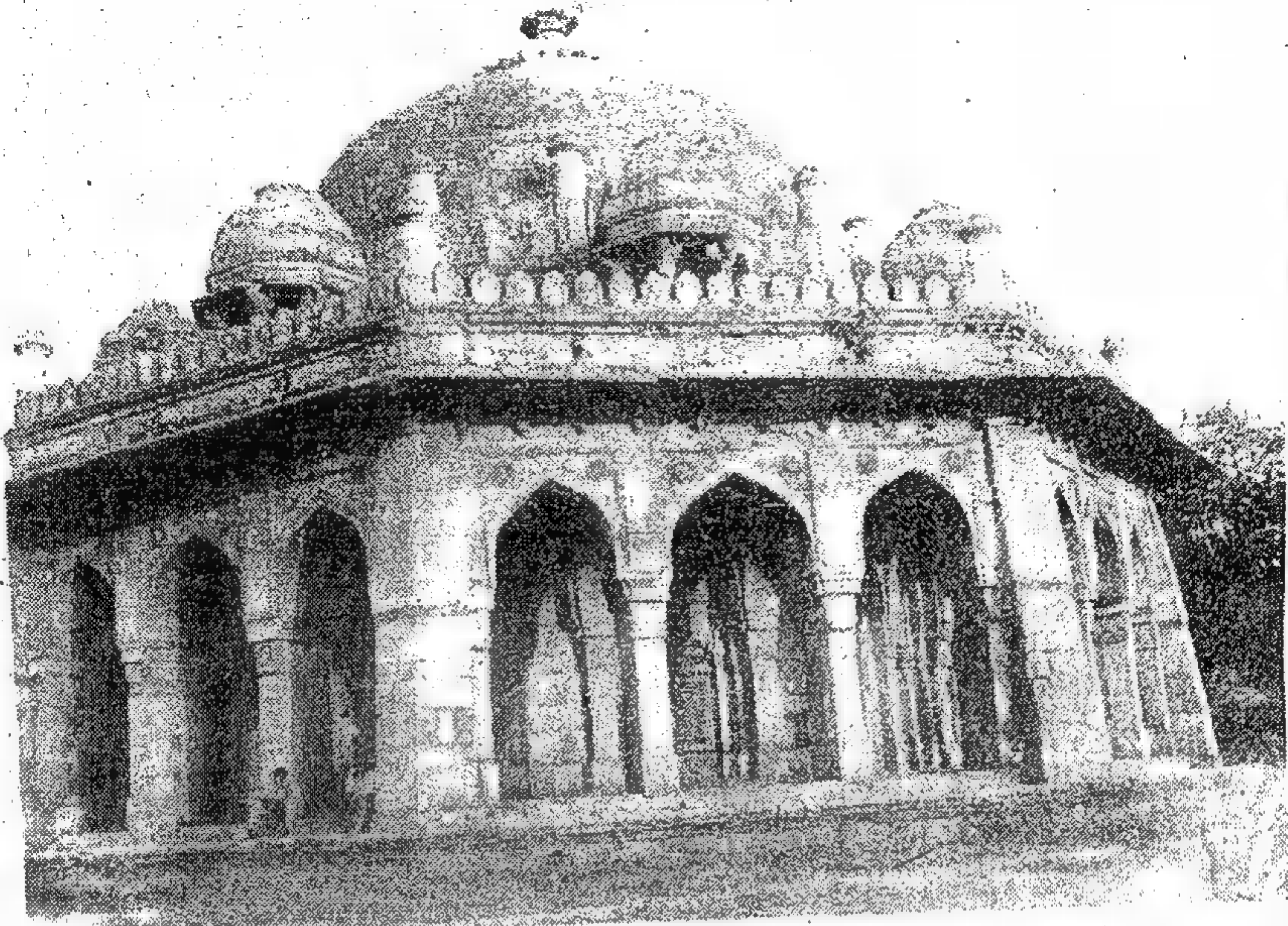
ہمایوں کے مقبرے میں داخل ہوں تو مشرق کی جانب ایک عالیشان بلند وبالا دروازہ نظر آتا ہے اس د...

ن چاردیواری میں عیسیٰ خان کا مقبرہ ہے اس کو عیسیٰ خان کا کوٹلہ بھی کہتے ہیں۔ مقبرہ کے اندر چار کے قریب قبریں ہیں

عیسیٰ خان کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ وہ بہت امیر تھے جس نے اپنی زندگی میں یہ مقبرہ ۱۵۴۷ء میں تعمیر کروایا

مقبرہ کے اندر کتبہ لگا ہوا ہے۔ پٹھانوں کے وقت کی عمارتوں میں یہ ایک خوبصورت عمارت ہے۔ مقبرہ کے اوپر ایک بہت

بڑا گنبد ہے چاروں طرف غلام گردش چونے اور پتھر سے تعمیر کیے گئے ہیں۔ مقبرہ کی کرسی بلند بنائی گئی ہے۔ مقبرے کے

اندر سنگ مرمر کے کتبوں پر قرآنی آیات تحریر ہیں۔ یہ کام بہت نفاست سے کیا گیا ہے مسجد عیسیٰ خان بھی مقبرے کے

قریب ہی ہے مسجد کو ۱۵۴۷ء میں اسلام شاہ کے دور میں مقبرے کے ساتھ ہی بنایا گیا تھا۔ مسجد میں سنگ مرمر اور سنگ

سرخ کا استعمال بھی کیا گیا ہے مسجد کا صحن کافی کشادہ ہے مسجد میں مسلمان نماز پڑھتے ہیں بالخصوص جمعہ کے دن رونق ہوتی

ہے مقبرہ اور مسجد چاردیواری کے اندر ہیں۔
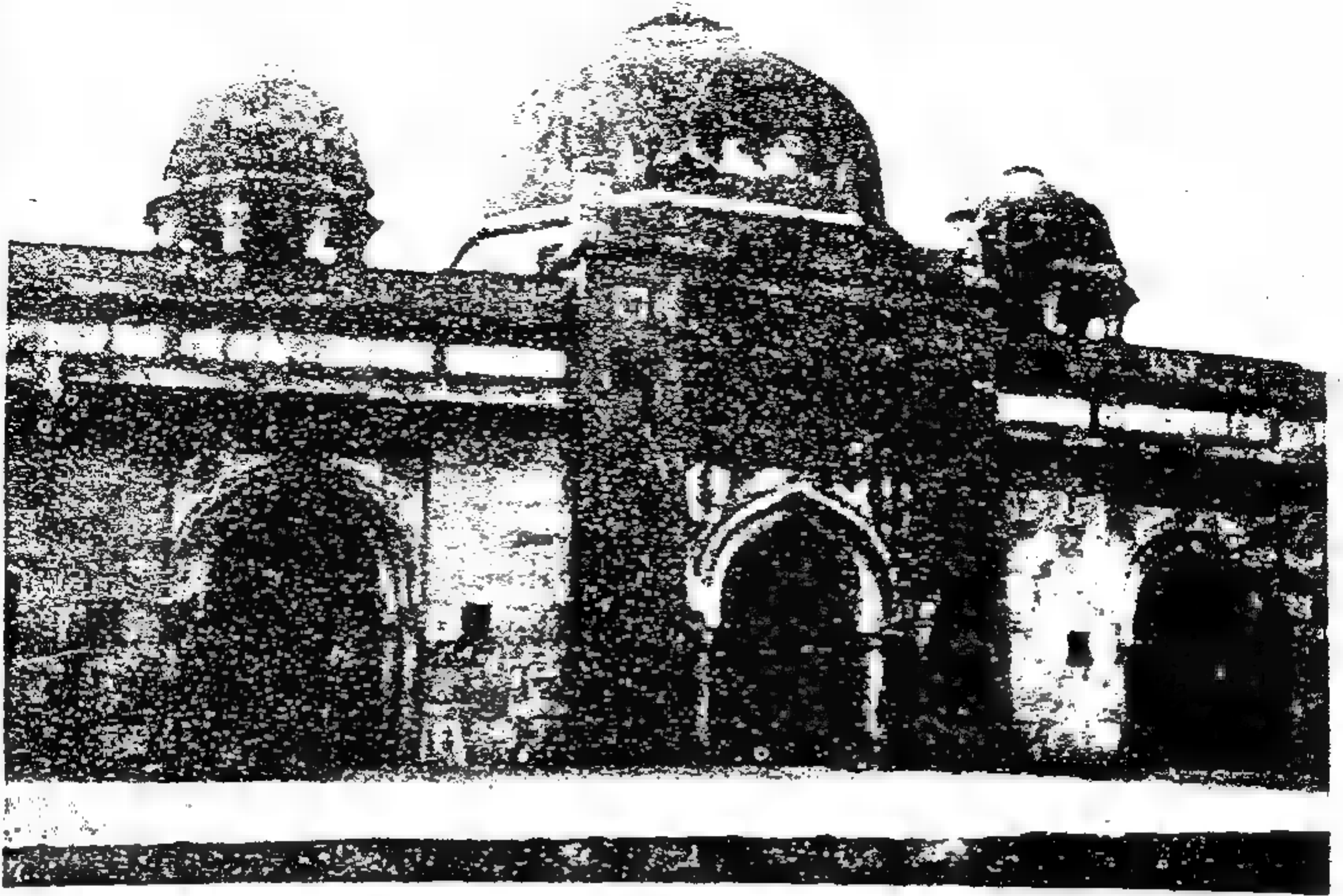
عیسیٰ خان کی تعمیر کردہ تاریخی مسجد

جیب تراش ناکام رہا

لال قلعہ کے لاہوری دروازہ سے ایک سڑک چاندنی بازار کی طرف جاتی ہے۔ چاندنی بازار پر رونق مقام ہے۔ بیک وقت پچاس ساٹھ گاہک ایک دوکان میں خریداری کرتے ہیں۔ لال قلعہ سے یہ سڑک بغیر کسی موڑ کے سیدھی جامع بڑی مسجد کی طرف آتی ہے۔ مسجد کے دروازے کے قریب کھڑے ہو کر دیکھا جائے تو لال قلعہ سامنے نظر آتا ہے۔ جامع بڑی مسجد دیکھنے کے بعد دوکان سے چیز خریدی۔ ناریل اور خشک میوہ کی دوکانیں بھی چاندنی بازار میں بکثرت نظر آتی ہیں۔ چلغوزہ ہندوستان کا مہنگا ترین خشک پھل ہے جو بہت لذیذ ہوتا ہے۔ ان اشیاء کی خریداری کے لیے راقم مصروف تھا کہ ایک جیب تراش نے راقم کی واسکٹ کی بائیں جیب پر بلیڈ پھیر دیا لیکن وہ ناکام رہا ہندوستان کے اولیائے کرام کے حضور حاضری دینے والوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا ہے۔ راقم ہر پریشانی سے محفوظ رہا۔ ہندوستان میں موٹے آدمی کو سیٹھ مانتے ہیں شاید جیب تراش نے مجھے بھی پاکستان کا سیٹھ سمجھ لیا تھا لیکن یہ اسکی غلط فہمی تھی۔

مقبرہ اودھم خان المعروف بھول بھلیاں
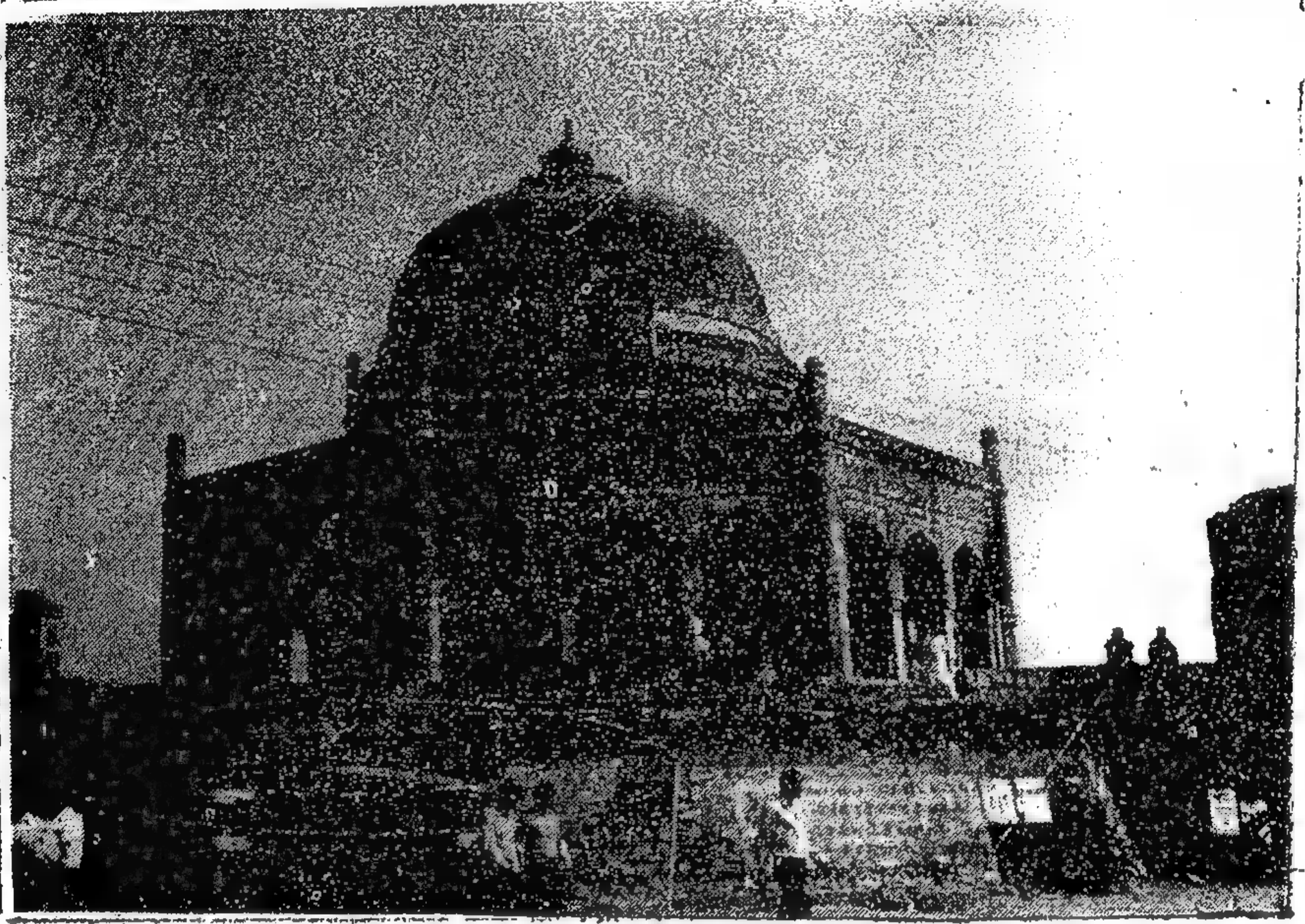
مزار حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کی طرف جاتے ہوئے مہرولی کے چوک میں ایک بلند و بالا شاندار عمارت شہنشاہ اکبر اعظم کے دور کی عظمت اپنے دامن میں لیے کھڑی ہے یہ عمارت بھول بھلیاں کے نام سے بھی مشہور ہے۔ یہ مقبرہ ۹۶۹ھ میں تعمیر ہوا تھا۔ ادہم خان کی ماں نے شہنشاہ اکبر کو دودھ پلایا تھا۔ ادہم خان باز بہادر حاکم مالوہ کے خلاف مہم کا سپہ سالار تھا۔ ادہم خان نے اعظم خان جو اکبر بادشاہ کی دوسری رضائی ماں کا شوہر تھا ناحق قتل کر دیا بادشاہ اکبر نے ادہم خان کی گرفتاری کا حکم دے دیا اور قلعہ آگرہ کی فصیل سے لڑھکا کر مروادیا۔ لاش دہلی بھیج دی اس مقبرہ میں ایک قبر ادھم خان کی دوسری اس کی والدہ ماہم انگہ کی ہے۔ اس مقبرہ کے پاس دوسرا مقبرہ ادھم خان کے بھائی کا ہے۔ اکبر بادشاہ کے حکم کے مطابق یہ مقبرہ تعمیر ہوا جو چونے اور پتھر سے تعمیر کیا گیا ہے ایک مقام پر ایسا دھوکہ رکھا گیا ہے کہ آدمی یہ خیال کرتا ہے کہ جس راستے سے میں جاؤنگا اسی راستہ سے نیچے اتروں گا لیکن وہ نیچے کی بجائے اوپر چڑھ جاتا ہے، نیچے اترنے کا راستہ ایک کونے میں نظر سے پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ یہاں کئی راستے آپس میں مل جاتے ہیں اس وجہ سے اس کا نام بھول بھلیاں مشہور ہو گیا ہے۔

مقبرہ تکہ خان
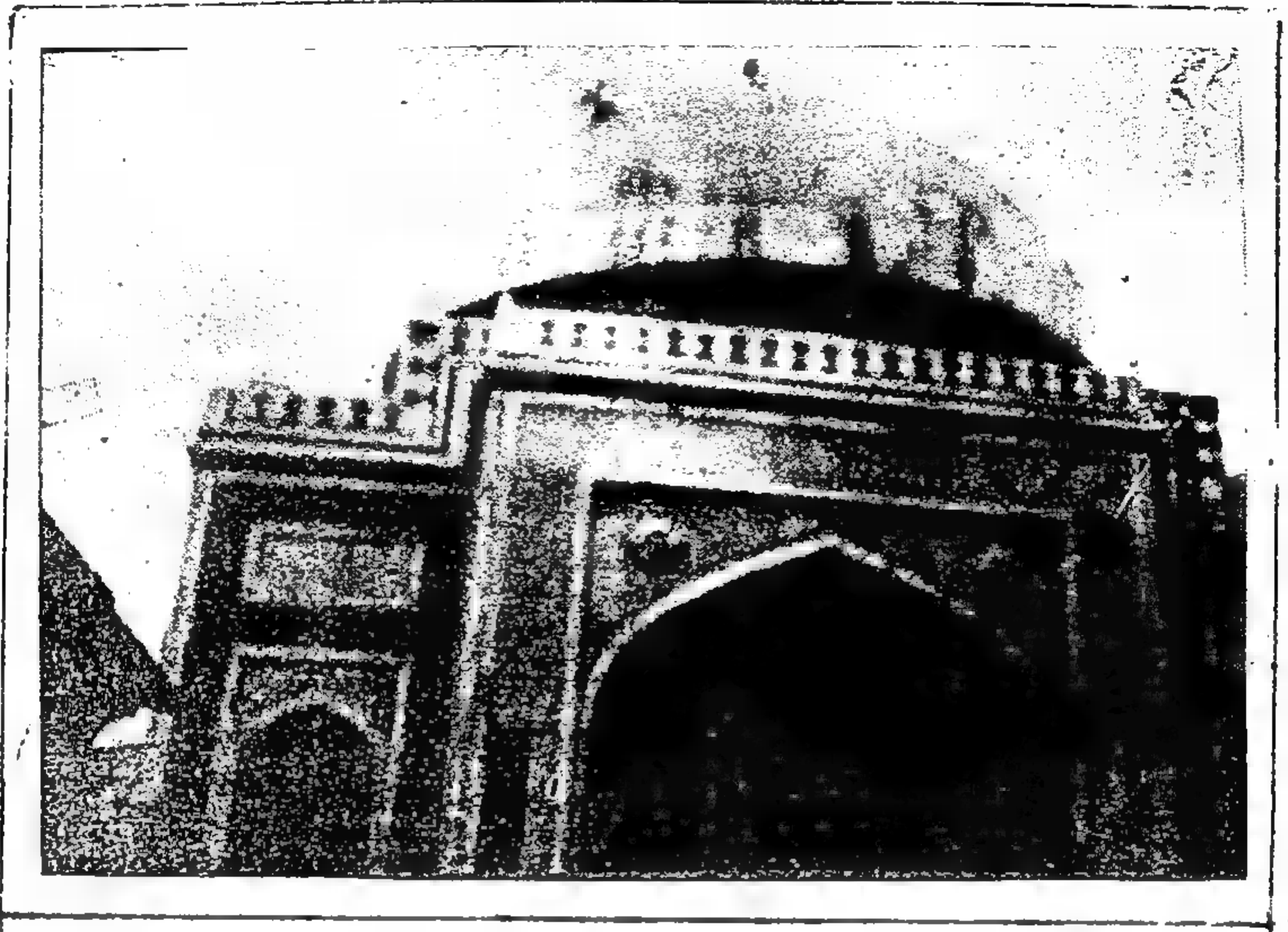
تکہ خان کا مقبرہ حضرت محبوب سبحانی نظام الدینؒ کے مزار کے قریب ہے۔ مقبرہ بہت شاندار انداز میں سنگ مرمر اور سرخ پتھروں سے تعمیر کیا گیا ہے سفید گنبد بھی ہے مقبرہ کے چار دروازے ہیں جس پر قرآنی آیات پتھروں پر کندہ ہیں چاروں طرف سنگ سرخ کی جالیاں ہیں گل بوٹے بہت خوشنما ہیں۔ کافی محنت سے کندہ کیے ہیں آثار جلد ناوید کے مطابق یہ مقبرہ شمس الدین محمد خان غزنوی کا جن کا اعظم خاں خطاب تھا جو کہ اکبر کی انا کے خاوند تھے سن ۱۵۶۱ء میں ادہم خان نے ان کو مروا ڈالا بادشاہ نے اس کے بدلے ادہم خان کو دو دفعہ قلعہ پر سے گروا کر مروا ڈالا۔ مقبرہ پر تاریخ قطعہ بھی درج ہے۔ تکہ خان کے مارے جانے کے بعد ان کی لاش دہلی میں لائی گئی حضرت خواجہ نظام الدینؒ کی درگاہ کے پاس دفن کیا گیا ۱۵۶۶ء کو کتلاس خاں اور اس کے بیٹے نے یہ مقبرہ بنوایا۔ مقبرہ کے کچھ حصہ کو ذاتی استعمال میں لایا گیا ہے

چونسٹھ کھنبہ
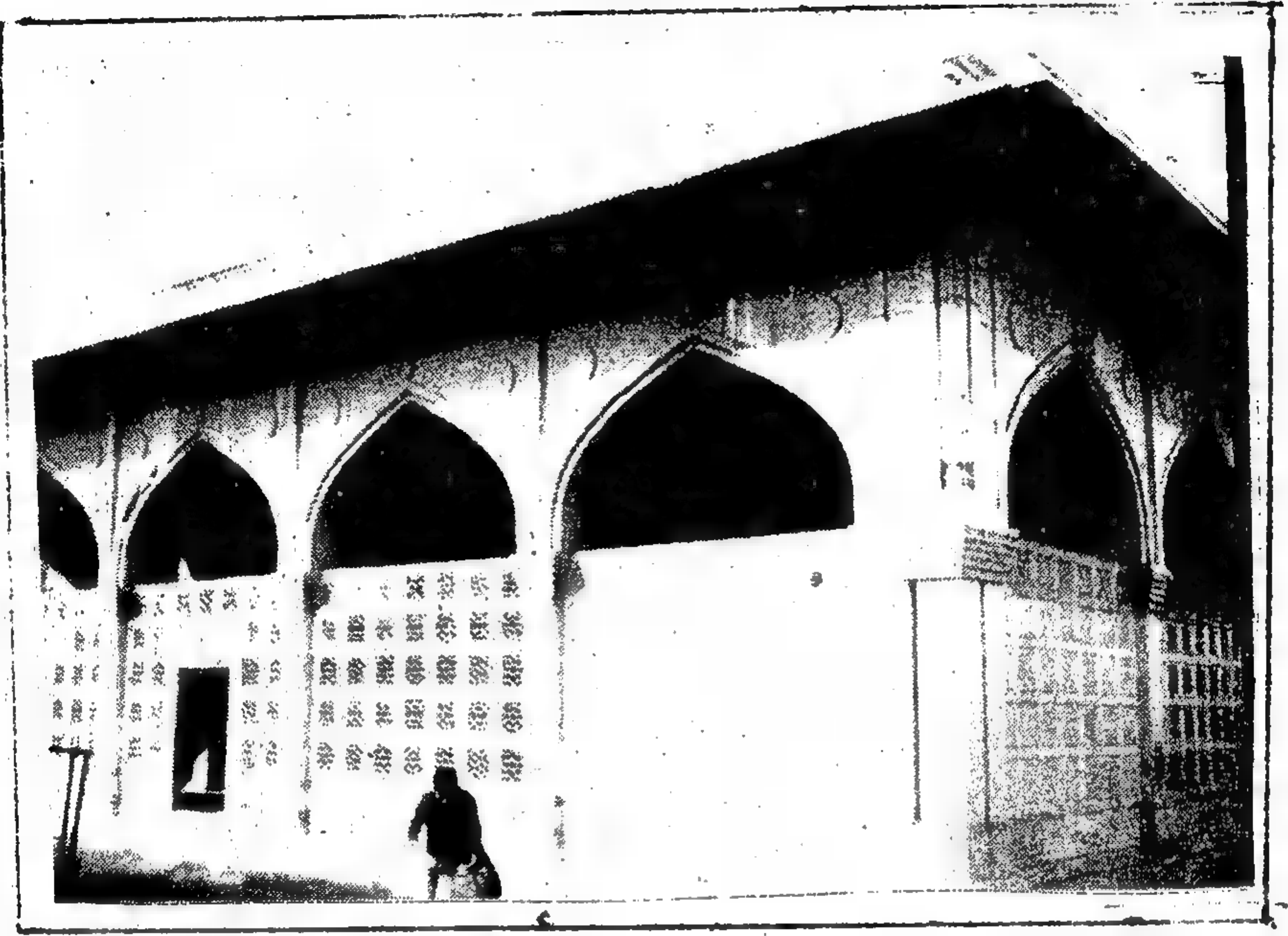
حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے درگاہ کی طرف جاتے ہوئے غالب اکیڈمی اور مزار غالب کے ملحقہ سفید سنگ مرمر سے تعمیر شدہ ایک عمارت جس کے چونسٹھ ستون ہیں اس وجہ سے اسے چونسٹھ کھنبہ کے نام سے پکارتے ہیں تمام عمارت سفید سنگ مرمر سے تعمیر کی گئی ہے چونسٹھ کھنبہ کے اندر مزار عزیز کوکلتاش خاں کا مقبرہ ہے جو خان اعظم اتکہ خان کے بیٹے تھے۔ ۱۰۳۴ھ مطابق ۱۶۲۴ء احمد آباد گجرات میں جہانگیر کے عہد میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کی لاش کو یہاں لا کر دفن کیا گیا۔ یہ مقبرہ ان کی قبر پر بنایا گیا ہے۔ زمین سے لے کر چھت تک سنگ مرمر ہی ہے اور یہ بہت خوشنما نظر آتا ہے چونسٹھ کھنبہ کے مغرب کی طرف بخشی غلام محمد مرحوم آف کشمیر نے عرس اور زائرین محفل سماع میں شرکت کے لئے برآمدے تعمیر کروائے ہیں بیرونی دروازہ مغلیہ طرز تعمیر کی عکاسی کرتا ہے۔

دہلی کالال قلعہ (ریڈ فورٹ) اور تاریخی عمارتیں
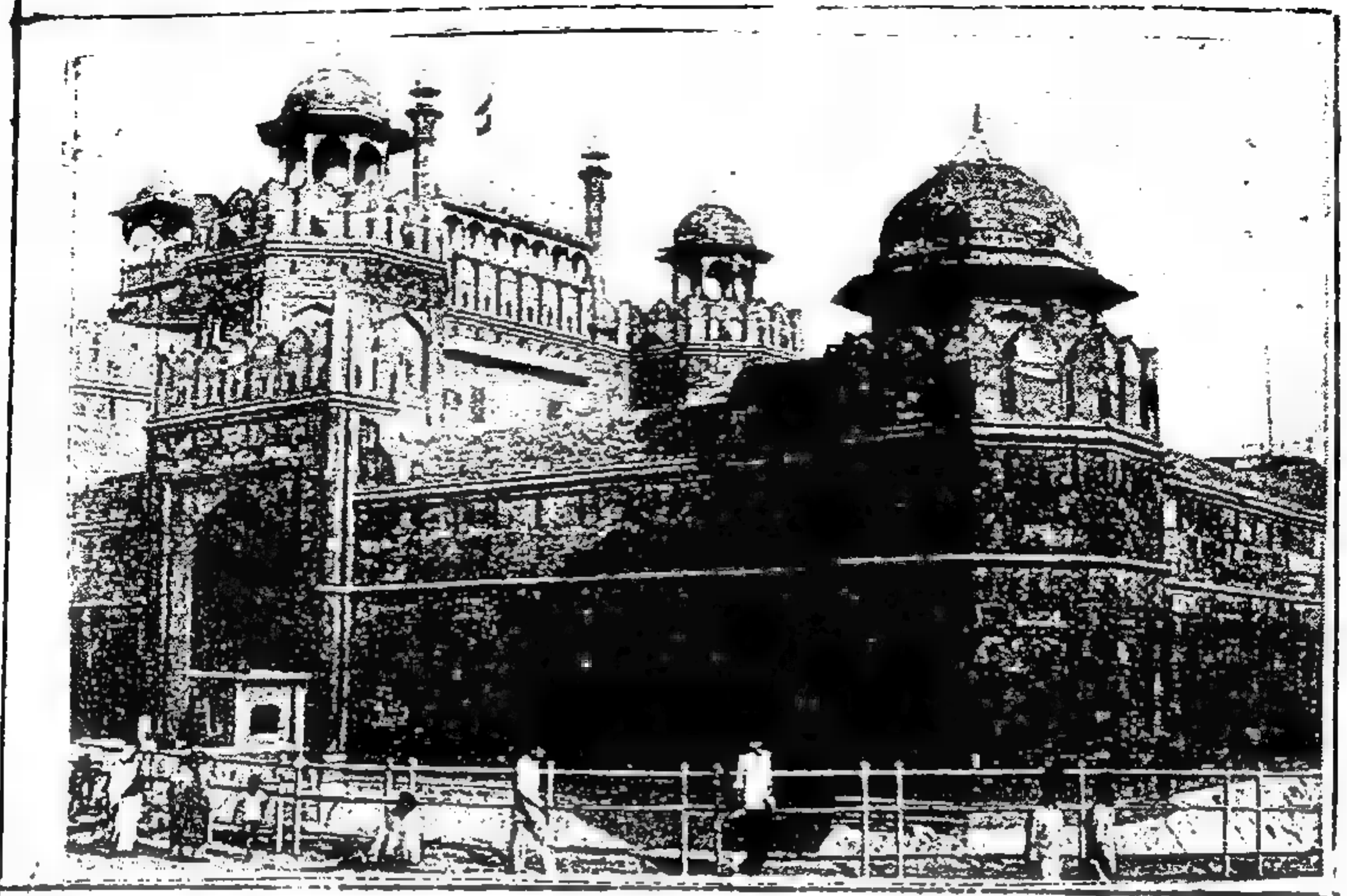
لال قلعہ دہلی کا نام سنتے ہی ہندوستان کے عظیم مسلمان حکمرانوں کی عظمت رفتہ کا نقشہ ذہن میں آجاتا ہے۔ جنہوں نے بڑے جاہ جلال سے ایک بہت بڑے خطہ پر حکومت کی ان کے مثالی کارنامے بڑی بڑی شاندار تاریخی عمارتیں ان کی عظمت کی یاد دلاتی رہیں گی۔ ہندوستان میں ان تاریخی عمارتوں میں لال دہلی کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ یہ عمارت مغل شہنشاہ شاہ جہاں کی پہچان بن چکی ہے۔ آج بھی صدیاں گذر جانے کے بعد مغل شہنشاہ شاہ جہاں کا تعمیر کردہ لال قلعہ اسی آن بان اور شان سے کھڑا ہے اسکی خوبصورتی میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ دہلی میں بڑی بڑی تقریبات آج بھی لال قلعہ میں منعقد کی جاتی ہیں۔ شاہ جہاں سے قبل مغل شہنشاہوں کا دارالحکومت آگرہ میں تھا۔ آگرہ کا قلعہ بھی دیکھنے کے قابل ہے دہلی کا لال قلعہ شاہ جہاں نے دریائے جمنا کے کنارے تعمیر کروایا دریائے جمنا دہلی کے قریب بہتا ہے شاہ جہاں کے عہد میں کچھ عرصہ دارالحکومت آگرہ میں رہا بعد میں دہلی کے قریب ایک نئے شہر کی بنیاد رکھی جس کا نام شاہ جہاں آباد رکھا۔ جن کے چودہ دروازے اور چودہ کھڑکیاں تھیں۔ مشہور دروازے: دہلی دروازہ، راج گھاٹ دروازہ، حضری دروازہ، کلکتہ دروازہ، نکمبود دروازہ، کیلہ گھاٹ دروازہ، لال دروازہ، کشمیری دروازہ، بدرود دروازہ، کابلی دروازہ، پتھر گھٹی دروازہ، لاہوری دروازہ، اجمیری دروازہ، ترکمان دروازہ۔ کھڑکیوں کے نام: زینت المساجد کی کھڑکی، نواب احمد بخش خان کی کھڑکی، نواب غازی الدین خان کی کھڑکی، نصیر گنج کی کھڑکی، نئی کھڑی، اجمیری دروازے کی کھڑکی، سید بھولے شاہ کی

کھڑکی، بلند باغ کی کھڑکی، فراش خانے کی کھڑکی، امیر خان کی کھڑکی، خلیل خان کی کھڑکی، بہادر خان کی کھڑکی، نکمبود کی کھڑکی، شاہ گنج کی کھڑکی۔

شاہ جہان نے لال قلعہ کی بنیاد ۱۶۳۸ء میں رکھی یہ قلعہ نو سال تین ماہ میں مکمل ہوا یہ قلعہ تقریباً ڈیڑھ میل کے رقبہ میں ہے۔ شمال جنوب قلعہ کی لمبائی 3200 فٹ ہے جبکہ مشرق سے مغرب کی طرف چوڑائی 1800 فٹ ہے۔ 1648ء میں شاہ جہان بادشاہ نے لال قلعہ میں پہلا اجلاس کیا۔ تمام قلعہ سرخ پتھر سے تعمیر کیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ لال قلعہ کے نام سے مشہور ہے فصیل کی اونچائی 75 فٹ ہے جبکہ دریا کی جانب فصیل کی اونچائی 90 فٹ ہے 33 فٹ بنیادیں ہیں قلعہ کے ارد گرد خندق تھی جنگ کے زمانہ میں یہ خندق پانی سے بھر دی جاتی تھی۔ خندق کا محیط 10800 فٹ تھا۔ جبکہ اسکی چوڑائی 75 فٹ گہرائی 30 فٹ تھی۔ لال قلعہ پر خرچ کا اندازہ ایک کروڑ روپے بیان کیا گیا ہے۔ پچاس لاکھ روپے قلعہ بننے پر اور پچاس لاکھ روپے قلعہ کی اندرونی عمارتوں پر خرچ ہوئے۔ لال قلعہ کے دو دروازے دہلی دروازہ اور لاہوری دروازہ بہت مشہور ہیں۔ یہ دونوں دروازے بہت خوبصورت ہیں دونوں دروازوں میں داخل ہونے کے لیے خندق پر تختے رکھے ہوئے تھے۔ ۱۸۱۱ء میں تختوں کی جگہ پل بنا دیئے گئے۔ شاہ جہاں جب پہلی دفعہ لال قلعہ میں داخل ہوا تو شہزادہ دارا شکوہ نے جواہرات سونے چاندی کے سکے بادشاہ کے سر پر نچھاور کیے مکرمت خان نقصان پہنچا۔ ۱۷۳۹ء نادر شاہ قلعہ سے تخت طاؤس خزانہ کو اپنے ہمراہ ایران لے گیا۔ ۱۷۵۹ء مرہٹوں اور ہندو جاٹوں نے قلعہ کو نقصان پہنچایا۔ ۱۷۹۳ء روہیلہ رہنما غلام قادر نے قلعہ کو آگ لگائی۔ ۱۸۵۷ء میں قلعہ کی عمارتوں اور باغات کو نقصان پہنچا۔

آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے خلاف مقدمہ کی سماعت بھی اسی قلعہ میں ہوئی۔ قلعہ میں داخل ہونے کیلئے سب سے بڑا لاہوری دروازہ ہے جو چاندنی چوک کے بالمقابل ہے۔ یہاں مغلیہ دور میں مینا بازار منعقد ہوتا تھا۔

دہلی دروازہ کا رخ دہلی کی طرف ہے یہ بھی لاہوری دروازے کی مانند تعمیر کیا گیا ہے قلعہ کا ہاتھی دروازہ بھی بہت مشہور ہے مغلیہ دور میں ہاتھیوں کے قد کے برابر پتھروں سے تراشے ہوئے ہاتھیوں کے مجسمے نصب تھے۔ لاہوری دروازہ کے بعد چھتہ چوک آتا ہے چھتہ چوک بھی قابل دید ہے شاندار انداز میں تعمیر کیا گیا ہے۔ قلعہ کے اندر مشہور عمارتیں نقار خانہ جہاں بادشاہی نوبت بجتی تھی اس وجہ سے یہ عمارت نقار خانہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس عمارت کے آگے 600 فٹ لمبا 400 فٹ چوڑا حوض تھا جو بہت خوبصورت تھا۔ پانی کی سپلائی نہر کے پانی سے ہوتی تھی۔ دیوان عام بھی بہت خوبصورت بنا ہوا ہے۔ یہاں بادشاہ دربار منعقد کرتا تھا اس کا صحن 500 فٹ لمبا 300 فٹ چوڑا ہے ہال میں تاریخی

تصویریں بنائی گئی ہیں۔بادشاہ سلامت کی جائے نشست یا کرسی بھی قیمتی پتھروں سے تعمیر کی گئی ہے جائے نشست بادشاہ کی کرسی کے نیچے وزراء امراء کے لیے 7 فٹ لمبا تین فٹ چوڑا اسٹیج ہے جہاں وزراء بادشاہ سے ہم کلام ہوتے اور مظلوم اپنی دادرسی بیان کرتے۔بادشاہ سلامت صبح کے وقت دربار منعقد کرتا تھا۔رنگ محل یہ بیگمات کی رہائش گاہ تھی رنگ محل میں سنگ مرمر سے تعمیر کردہ 9 فٹ چوڑا ایک حوض ہے رنگ محل کے صحن میں ایک باغیچہ بھی تھا اس میں پچیس فوارے تھے بڑا رنگ محل یہ بہت بڑا محل ہے اس کا صحن بہت وسیع ہے۔جس میں سنگ مرمر کے حوض اور فوارے تھے حوض کو سنگ مرمر سے اس طرح بنایا گیا کہ ایک کھلا ہوا پھول معلوم ہوتا تھا۔رنگ برنگ کے پتھروں سے پچکاری کی گئی گل بیل بوٹے پتیاں بنائی گئی تھیں حوض میں جب پانی بھر اجاتا پانی کی حرکت سے یہ بیل بوٹے حرکت کرتے نظر آتے جس سے بادشاہ، شہزادے بیگمات اپنے دل بہلاتے نہر بہشت اس محل کے بیچوں بیچ بہتی تھی۔درودیوار پر سونے کا پانی چڑھا ہوا تھا کہتے ہیں کہ اس محل کی چھت خالص چاندی کی بنی ہوئی تھی فرخ سیر کے عہد میں چھت سے چاندی اتاری گئی تانبہ کی چھت بھی اکھاڑ دی گئی اور لکڑی کی چھت ڈال دی گئی۔
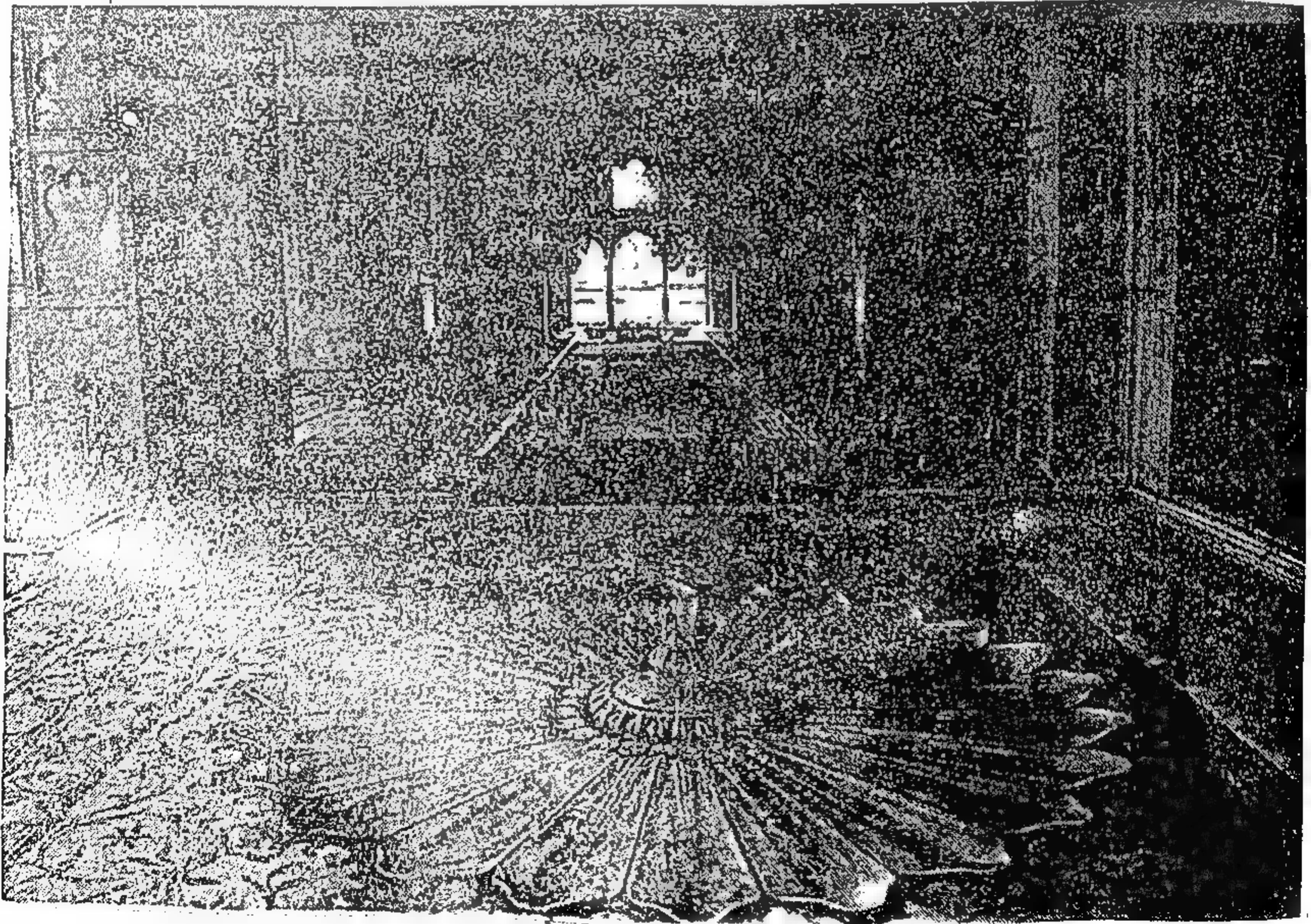
رنگ محل

دیوان خاص بھی خالص سنگ مرمر سے تعمیر کیا گیا ہے اس کا ہال ۹۰ فٹ لمبا ۶۷ فٹ چوڑا ہے یہ سطح زمین سے ساڑھے چار فٹ اونچا ہے اس کے نیچے نہر بہتی تھی۔ دیوان خاص کے وسط میں سنگ مرمر سے تعمیر کردہ چبوترہ پر تخت طاؤس رکھا جاتا تخت طاؤس نو سال میں مکمل ہوا اس پر لاکھوں روپے خرچ آیا تخت طاؤس پانچ فٹ لمبا چار فٹ چوڑا تھا تخت طاؤس ایک لاکھ تولہ سونا سے مکمل ہوا تخت طاؤس کا بالائی حصہ ہیرے جواہرات نیلم یاقوت سے مزین تھا۔ جو مور کی شکل کا تھا۔ تخت طاؤس پر شعر بھی درج ہے دنیا کا یہ قیمتی اور مہنگا تخت طاؤس ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ اپنے ہمراہ ایران لے گیا۔ لال قلعہ کے اندر دوسری عمارتوں میں تسبیح خانہ یا عبادت خانہ جو تین قسم کے پتھروں سے تعمیر کیا گیا ہے ترازو کی اندر تمام تاریخی عمارتوں اور باغیچوں حوض کے لیے نہر بہشت سے پانی مہیا کیا جاتا ہے نہر کا پانی کمروں کو اسقدر ٹھنڈا کر دیتا تھا کہ جیسے آج کل ٹھنڈک کے لیے AC استعمال کیا جاتا ہے لال قلعہ کے اندر شاہی حمام بھی تعمیر کیا گیا ہے جو آج کل مد ہے سنگ مرمر سے تعمیر کردہ شاہی حمام میں سرد گرد پانی کا اہتمام ہوتا تھا یہ حمام سوا سو من (۱۲۵) لکڑی سے گرم ہوتا تھا۔ حمام کے بیچوں بیچ درمیان میں ایک حوض گلاب کے پھولوں کے عرق سے بھرا رہتا تھا۔ شاہی حمام کی کھڑکیوں میں سبز اور گہرے رنگ کے شیشے نصب تھے۔ موتی محل بھی لال قلعہ کی خوبصورت اور تاریخی عمارت ہے۔ اس کے علاوہ
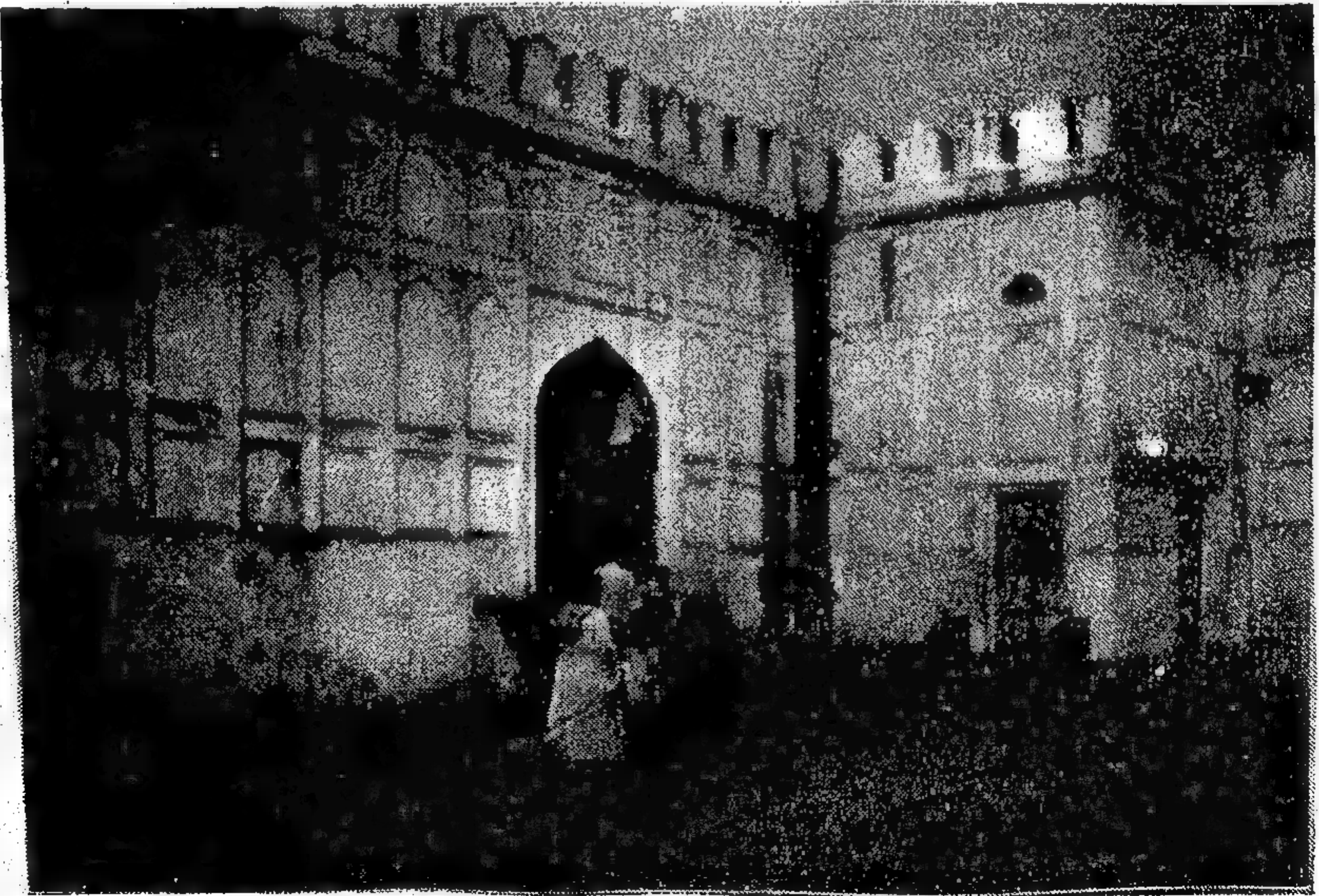
لال قلعہ کے اندر شاہی حمام

ثمن، برج کی خوبصورت بالکونی جس میں بادشاہ بیٹھ کر دریا اور سورج کے طلوع ہونے کا باقاعدگی سے نظارہ کرتا۔ موتی مسجد شاہی حمام کے شمال کی طرف ہے یہ مسجد بھی سفید پتھر سے تعمیر کی گئی ہے یہ مسجد اورنگزیب نے 1662ء میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار روپے کی لاگت سے تعمیر کروائی۔ راقم نے مشاہدہ کیا کہ مسجد عرصہ سے بند پڑی ہے دروازے پر تالہ لگا ہوا تھا موتی مسجد کے قریب ساون بھادوں نام سے ایک تفریح گاہ بنائی گئی ہے آمنے سامنے دو دیواریں ہیں درمیان میں ایک باغیچہ ہے دیواروں میں محرابی چھوٹے چھوٹے طاق خانے بنائے گئے ہیں ان میں شمع کافوری روشن ہوا کرتی تھی۔ اوپر سے پانی گرتا پھولوں کی خوشبو چراغوں کی روشنی عجب منظر پیش کرتی دیواروں سے جب پانی زور سے گرتا تو ساون بھادوں کی بارش کا سماں پیدا ہو جاتا۔ لال قلعہ کے اندر ایک نفیس عمارت شاہ برج کے نام سے مشہور ہے جو قیمتی پتھروں سے بنائی گئی ہے گنبد آٹھ ستونوں پر ہے کلس سنہری ہے۔

لال قلعہ کے اندر کئی باغیچے ہیں لیکن مہتاب باغ کی اپنی شان ہے لال قلعہ کا داخلہ ٹکٹ دو روپے ہے جمعہ کے روز داخلہ مفت ہوتا ہے بلکہ ہندوستان کی تمام تاریخی عمارتوں میں جمعہ کے روز داخلہ مفت ہوتا ہے قلعہ کے اندر ایک شاندار عجائب گھر بھی بنایا گیا ہے جہاں سے تاریخی کتب رہنمائی کے لیے پمفلٹ اور نقشے سستے داموں مل سکتے ہیں تاریخی عمارتوں کو دیکھ کر مسلمانوں کا سر فخر سے اونچا ہو جاتا ہے۔ سلاطین دہلی اور مغل بادشاہوں نے کس شان و شوکت سے

راقم لال قلعہ کے اندر رنگ محل میں

یہاں حکمرانی کی۔ برصغیر میں امن وامان انصاف اور دولت کی فراوانی تھی بلا تفریق ہر ایک سے یکساں سلوک کیا۔ جب سے برطانوی سامراج نے اس خطہ میں قدم رکھا اس خطہ کا امن وسکون تباہ وبرباد کر دیا ہے اس خطہ میں قدرتی وسائل اور دولت کی فراوانی ہے لیکن سامراج نے یہاں نفرت کے بیج بو کر اس خطہ کا امن تباہ اور برباد کر دیا ہے تاکہ اس خطہ کے عوام کو خوشحالی نصیب نہ ہو اور سامراج اپنے گھناؤنے ارادہ میں کامیاب رہا۔ سامراج کی غلامی کی زنجیریں کب ٹوٹیں گی اس وقت کا انتظار ہے۔

THE RED FORT:

BUILT BY THE MUGHAL EMPEROR SHAH JAHAN (A.D. 1628-58) AS ROYAL RESIDENCE WITHIN HIS NEW CAPITAL OF SHAH JAHANBAD, THE LAL-QILA (RED-FORT) HAS A PERIMETER OF 2.41KM. AN OBLONG OCTAGON ON PLAN, THE FORT HAS TWO PRINCIPAL GATES, LAHORE DARWAZA AND DELHI DARWAZA ALONG ITS WESTERN AND SOUTHERN SIDES RESPECTIVELY. OUTSIDE THE RAMPARTS RUNS A MOAT, ORIGINALLY CONNECTED WITH THE RIVER YAMUNA. THE PLACES LIE ALONG THE EASTERN (RIVER) SIDE OF THE FORT. THE IMPORTANT BUILDING INSIDE THE FORT. THE IMPORTANT BUILDINGS INSIDE THE FORT ARE: THE NAQQAR-KHANA, DIWAN-I-AM, RANG-MAHAL, KHAS-MAHAL, KHAS-MAHAL, MUMTAZ-MAHAL, DIWAN-I-KHAS, MOTI-MASJID AND HAMMAMS. THE TWO FAMOUS ARCHITECTS USTAD HAMID AND USTAD AHMED WERE ASSOCIATED WITH ITS CONSTRUCTION, WHICH TOOK NINE YEARS (A.D. 1639-48) FOR COMPLETION.
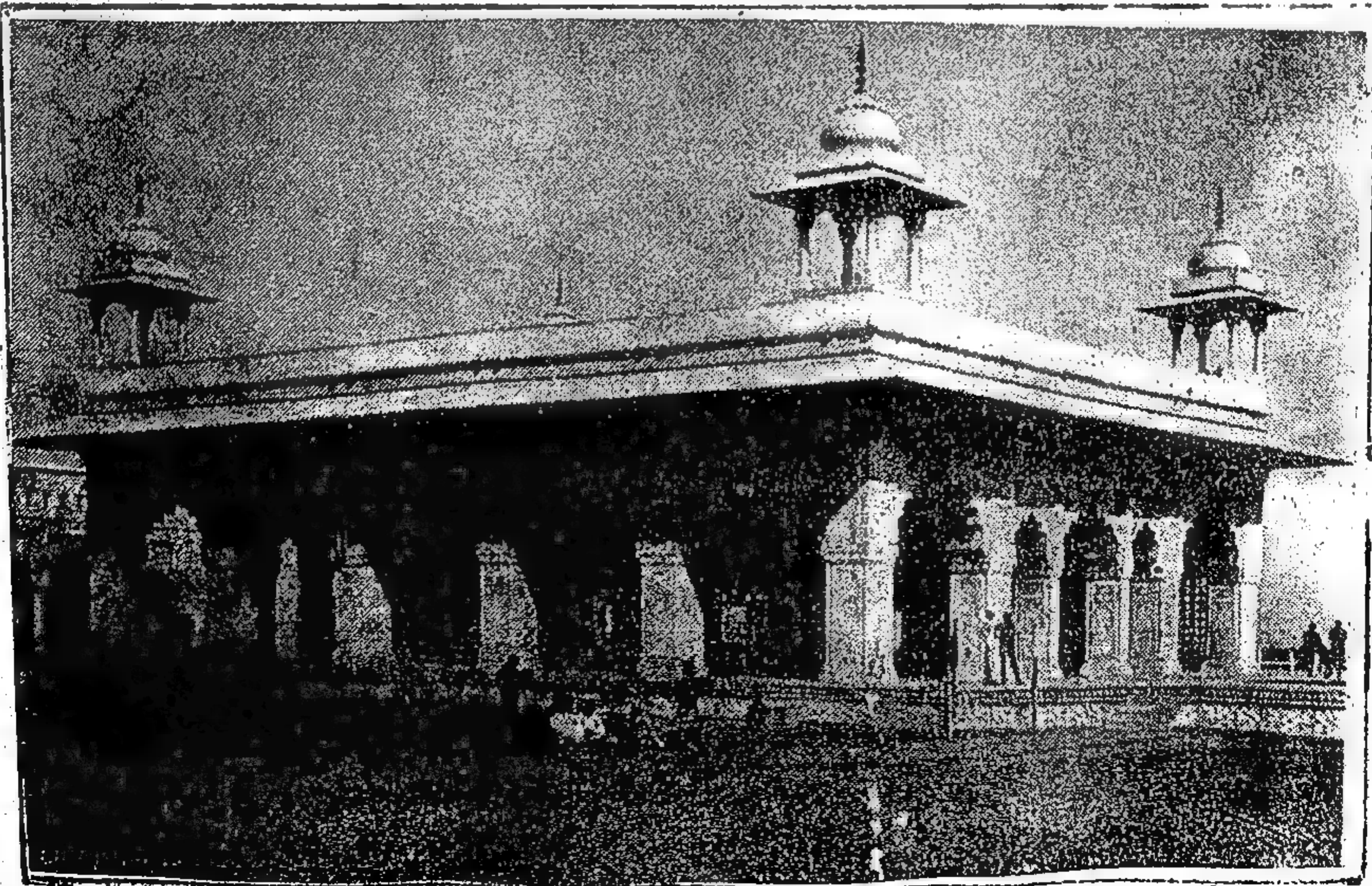
DIWAN-I-AM

DIWAN-I-AM OR THE HALL OF PUBLIC AUDIENCE WAS USED BY THE MUGHAL EMPERORS FOR HOLDING DARBARS AND OTHER STATE FUNCTIONS. ORIGINALLY THE HALL WAS ORNAMENTED WITH GILDED STUCCO-WORK AND HUNG WITH HEAVY CURTAINS. UNDER THE MARBLE CANOPY PROJECTING FROM THE BACK WALL STOOD THE THRONE OF THE EMPEROR, AND THE MARBLE DAIS BELOW THE THRONE WAS USED BY THE PRIME MINISTER FOR RECEIVING COMPLAINTS AND PETITIONS. THE PANELS BEARING PIETRADURA DECORATION BEHIND THE MARBLE CANOPY SEEM TO HAVE BEEN EXECUTED BY SOME EUROPEAN ARTIST
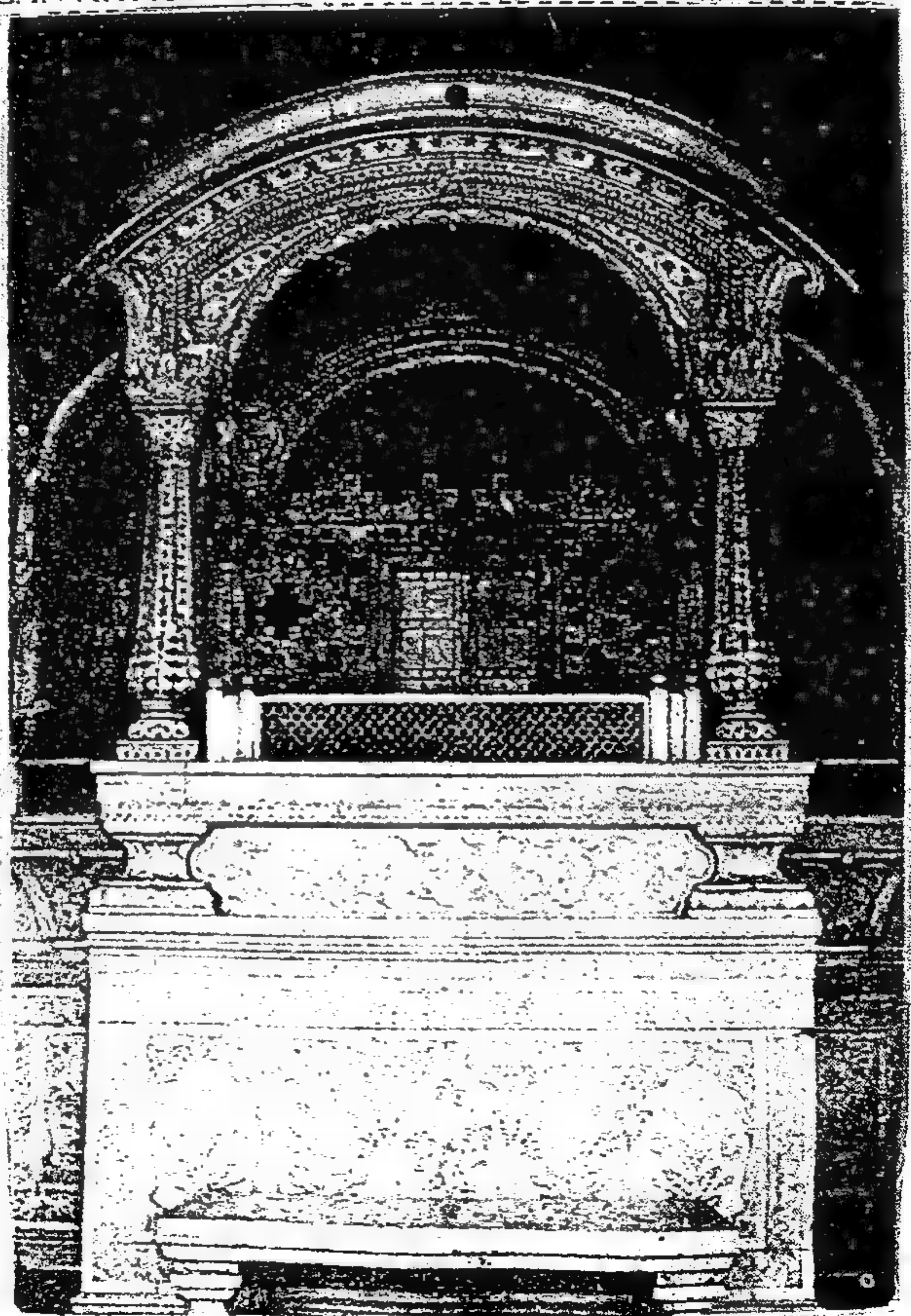
دیوان خاص اور تخت طاؤس

دیوان خاص لال قلعہ کے اندر واقعہ ہے سنگ مرمر اور قیمتی پتھروں سے تعمیر کیا گیا ہے دیوان خاص کا ذکر لال قلعہ کے مضمون میں تفصیل سے آچکا ہے۔ شاہ جہاں کے دور حکومت میں اس مقام پر تخت طاؤس رکھا ہوا تھا۔ تخت طاؤس شاہ جہاں کی جدت پسندی اور عظمت کا آئینہ دار ہے اس پر ایک کروڑ روپیہ خرچ ہوا۔ زمرد کے بارہ ستونوں پر مشتمل تھا اس کی سب سے نمایاں خوبی اور نام کی وجہ تسمیہ سونے کے مور تھے۔ ہر دو مروں کے درمیان ایک درخت بنایا گیا تھا جو ہیروں جواہرات موتیوں وغیرہ سے سجا ہوا تھا تخت تک پہنچنے کے لیے تین سیڑھیاں تھیں تخت کے چاروں طرف تختے تھے جس تختہ پر بادشاہ سلامت باز ور کھتا تھا اسکی قیمت دس لاکھ روپے تھی اس تخت پر طرح طرح کے انمول حسین قیمتی ہیرے جواہرات چسپاں تھے اس میں سے ایک ہیرا دس لاکھ روپے کا تھا تخت طاؤس کو نادر شاہ ہندوستان پر حملے کے وقت ایران لے گیا تھا یہ تخت طاؤس اب ایران میں نہیں ہے تصویر میں جہاں تخت طاؤس رکھا تھا عقب میں دریائے جمنا بہتا تھا۔

KHAS MAHAL:

CONSISTING OF THREE PARTS, VIZ.TASBIH-KHANA (CHAMBER OF THE TELLING BEAD) KHWABGAH SLEEPING CHAMBER AND TOSHA-KHANA (WARDROBE) OR BAITHAK (SITTING-ROOD). THE KHAS-MAHAL (PRIVATE PALACE) SERVED AS EMPERORS RESIDENCE OF THE RICH AND BEAUTIFUL DECORATION IN THE INTERIOR OF THE BUILDING THE ATTRACTIVE MARBLE SCREEN CARVED WITH A SCALE OF JUSTICE IS A CHARMING SPECIMEN OF THE MUGHAL ART. THE PROJECTION TOWER TO THE EAST OF KHAS-MAHAL IS CALLED MUKHAMMANBURJ (OCTAGONAL TOWER) WHERE THE EMPEROR APPEARED EVERY MORNING EMPEROR APPEARED EVERY MORNING BEFORE HIS SUBJECT.
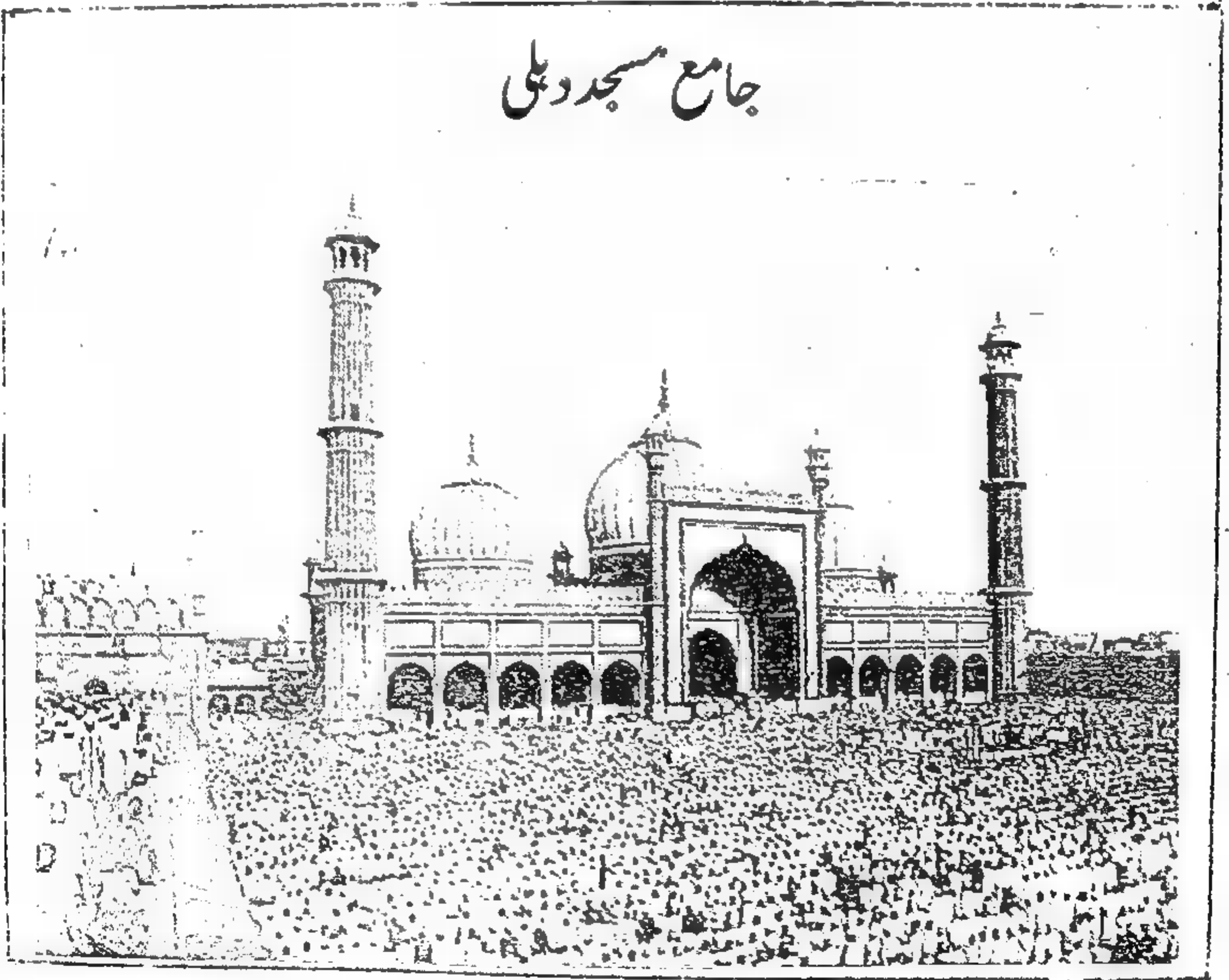
جامع مسجد دہلی

پرانی دہلی میں جامع مسجد کو مرکزی حیثیت حاصل ہے دہلی میں سب سے زیادہ بارونق مقام جامع مسجد کا ہے مسجد کے چاروں طرف گنجان آبادی اور بازار ہیں۔ زیادہ آبادی مسلمانوں کی ہے۔ کپڑے، آٹو سائیکل کے چھوٹے چھوٹے ورکشاپوں کے علاوہ ہوٹل ہیں۔ اردو بازار میں کتابوں کی دوکانیں ہیں۔ جامع مسجد کے چاروں اطراف بڑی اور چھوٹی سڑکیں ہیں جو مختلف محلوں کی طرف جاتی ہیں۔ شام کے وقت رونق دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔ راقم کا دہلی

میں دوسری مرتبہ قیام جامع مسجد کے قریب ہی تھا۔ پانچوں وقت مسجد میں بہت زیادہ نمازی ہوتے ہیں جمعہ کے دن مسجد کے اندر بہت رش ہوتا ہے مسجد کے ساتھ کافی رقبہ ہے جہاں پر پارک بنائے گئے ہیں لیکن داخلہ ممنوع ہے مولانا ابوالکلام آزاد کا مزار بھی اس پارک میں ہے لال قلعہ مسجد کے قریب ہے مسجد کے دروازے پر مسجد کی مختصر تاریخ درج ہے۔

یہ مسجد جس پہاڑ پر تعمیر ہوئی ہے اس کا نام "کوہ جبلہ" تھا اور یہاں پر بھوجلہ ڈاکو کی پناہ گاہ تھی۔ جامع مسجد کا سنگ بنیاد شاہجہاں نے اپنے دست مبارک سے رکھا ہے اس مسجد کی تعمیر ۱۰۶۰ھ، اکتوبر ۱۶۵۰ء میں شروع ہوئی۔ اس کی بنیادی کرسی زمین سے تیس فٹ اونچی رکھی گئی۔ اس کا رقبہ چودہ سو گز مربع ہے چھ ہزار معماروں، سنگ تراشوں اور بیلداروں نے مسلسل چھ سال تک کام لیا اور تعمیر میں دس لاکھ روپیہ صرف ہوا۔ واضح رہے کہ اس زمانے میں معمار اور سنگ تراش دو دو پیسے اور بیلدار یعنی مزدور ایک پیسہ یومیہ کے حساب سے مزدوری پاتے تھے۔ اس کے بڑے دالان کی لمبائی 126 فٹ اور چوڑائی 90 فٹ ہے۔ میناروں کی بلندی ۱۳۵ فٹ ہے۔ اور ہر ایک مینار میں ۱۳۰ سیڑھیاں ہیں گنبدوں کا قطر ۹۰ گز اور عرض ۴۰ گز ہے۔ بڑے دالان کی تمام محرابوں پر دس کتبے فارسی اور عربی زبان میں نصب ہیں جو جامع مسجد کی مختصر تاریخ بیان کرتے ہیں۔ حضرت شیخ کلیم اللہ شاہجہاں آبادیؒ کے والد محترم نے سنگ مرمر میں سنگ موسیٰ کی پچکاری کا عمدہ کام کیا ہے منبر اس مسجد کا سنگ مرمر کا ہے۔ مسجد کا فرش سنگ مرمر کا ہے صرف صحن کا فرش سنگ سرخ کا ہے صحن مسجد میں بیچوں بیچ ایک خوشنما حوض سنگ مرمر کا ہے جس کے درمیان میں فوارہ ہے اس کا طول پندرہ گز، عرض بارہ گز ہے حوض کے عربی و شمالی گوشہ پر محمد تحسین خاں نے ۱۱۸۰ھ میں یہ بات بیان کی کہ میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے کہ آپؐ اس جگہ تشریف فرما ہیں اور وضو فرما رہے ہیں۔ اس لیے اس جگہ پر احتراماً ایک خوبصورت سا کٹہرہ بنوا دیا گیا ہے۔

مسجد کے تین دروازے ہیں۔ جنوبی، مشرقی اور شمالی، جنوبی دروازے میں داخل ہونے کیلئے تینتیس سیڑھیاں طے کرنی ہوتی ہیں اور شمالی دروازے میں داخلے کے لیے انتالیس اور مشرقی دروازے کے لیے پینتیس سیڑھیاں ہیں۔ مسجد کے تین گنبد ہیں درمیانی گنبد بڑا ہے۔ مسجد کا نقشہ بادشاہی مسجد لاہور سے ملتا جلتا ہے۔

JAMI MASJID

THIS MOSQUE BUILT BY FIRUZ SHAH TUGHLAQ IN A.D 1534. IS AMONG THE FEW SURVIVING BUILDINGS INSIDE THE CITADEL. THIS WAS THE LARGEST OF THE SEVEN MOSQUES BUILT IN DELHI DURING TUGHLAQ'S REIGN. THE MAIN ENTRANCE TO THE MOSQUE IS TO THE NORTH ON ACCOUNT OF THE PROXIMITY OF THE RIVER TO ITS EASTERN WALL. IT RESTS ON A SERIES OF CELLS IN THE GROUND FLOOR. THE CLOISTERS ON THE SIDES TO ITS COURTYARD AND ITS PRAYER HALL HAVE DISAPPEARED WITH ONLY A REAR WALL STANDING ON THE WESTERN SIDE. ACCORDING TO THE CONTEMPORARY HISTORIANS THERE EXISTED IN THE CENTER OF THE OPEN QUADRANGLE THE SUNKEN OCTAGONAL STRUCTURE ROUND WHICH RECORD OF THE REIGN OF FIRUZ SHAH. PARTICULARLY OF THE PUBLIC WORKS EXECUTED BY HIM. WAS ENGRAVED. IN THE MOSQUE OR IN AN ADJOINING BUILDING WAS MURDERED THE EMPEROR ALAMGIR II IN 1781.

THIS MOSQUE WAS VISITED BY SULTAN TIMUR TOWARDS THE END OF 1398 TO SAY HIS PRAYERS AND HE WAS SO MUCH IMPRESSED BY THE DESIGN OF THIS BUILDING THAT HE TOOK SOME MASONS AND ARTISANS ALONG WITH HIM TO SAMARKAND WHERE HE BUILT A MOSQUE ON THE SAME PATTERN.

عیسیٰ خان کے دور کی تعمیر کردہ مسجد

ہمایوں کے مقبرہ کے اندر ایک علیحدہ بلاک میں عیسیٰ خان کا مقبرہ ہے جس کی چار دیواری پارک اور سر سبز درخت بھی ہیں یہ مسجد مقبرہ مزار عیسیٰ خان جنوب کی جانب ہے مسجد کے درمیان میں بڑا گنبد ہے اور برجیاں بھی ہیں مسجد سرخ پتھر سے تعمیر کی گئی ہے دیواروں پر سنگ مرمر بھی استعمال ہوا ہے مسجد کے تین دروازے ہیں صحن وسیع ہے مسجد اندرونی بیرونی دیواروں پر قرآنی آیات اور کلمہ مبارک پتھر تراش کر تحریر کیا گیا ہے مسجد آباد ہے مسلمان پانچ وقت نماز ادا کرتے ہیں۔

فوٹو صفحہ نمبر 302 پر ملاحظہ فرمائیں

شہزادی روشن آرا کا باغ اور مقبرہ

دہلی سے ایک سڑک سبزی منڈی کی طرف جاتی ہے۔ گھنٹہ گھر کے قریب سے شاہراہ روشن آرا کے نام سے ایک سڑک ہے۔ شاہراہ روشن آرا کے مغرب کی جانب روشن آرا کا باغ ہے باغ کے چاروں طرف مغلیہ طرز کے دروازے ہیں اور باغ کے عین وسط میں شہزادی روشن آرا کا مقبرہ ہے جو ایک بلند کرسی پر تعمیر کیا گیا ہے۔ مقبرہ سرخ پتھر سے تعمیر کیا گیا ہے۔ شہزادی روشن آراء کا مقبرہ لاہور میں نادرہ بیگم کے مقبرے کی طرز پر تعمیر کیا گیا ہے۔ قبر کے چاروں طرف پتھر تراش کر جالیاں نصب کی گئی ہیں۔ اس طرح شہزادی کی قبر کو پردہ دیا گیا ہے روشن آرا بیگم شاہجہان کی بیٹی تھی۔ یہ باغ ۱۶۵۳ء جب شاہجہان نے شاہجہان شہر آباد کیا تمام بیگمات اور امراء کو باغات اور مکان بنانے کا حکم دیا یہ باغ بھی اس زمانہ میں تعمیر ہوا مقبرہ کے بیچ میں نہریں تھیں جو پانی سے بھری رہتی تھیں اب خشک ہے۔ یہ باغ روشن آراء کے نام سے مشہور ہے۔ روشن آراء نے ۱۶۷۱ء میں وفات پائی روشن آراء بیگم حضرت مجدد الف ثانی کے فرزند حضرت خواجہ محمد معصوم کی مریدہ تھیں یہ بات مشہور ہے کہ سرہند میں حضرت خواجہ محمد معصوم کا روضہ مبارک شہزادی روشن آراء نے تعمیر کروایا تھا۔ راقم نے روشن آراء باغ کے فوٹو حاصل کیے چند لمحے درختوں کے سائے میں آرام کیا۔

مقبرہ صفدر جنگ
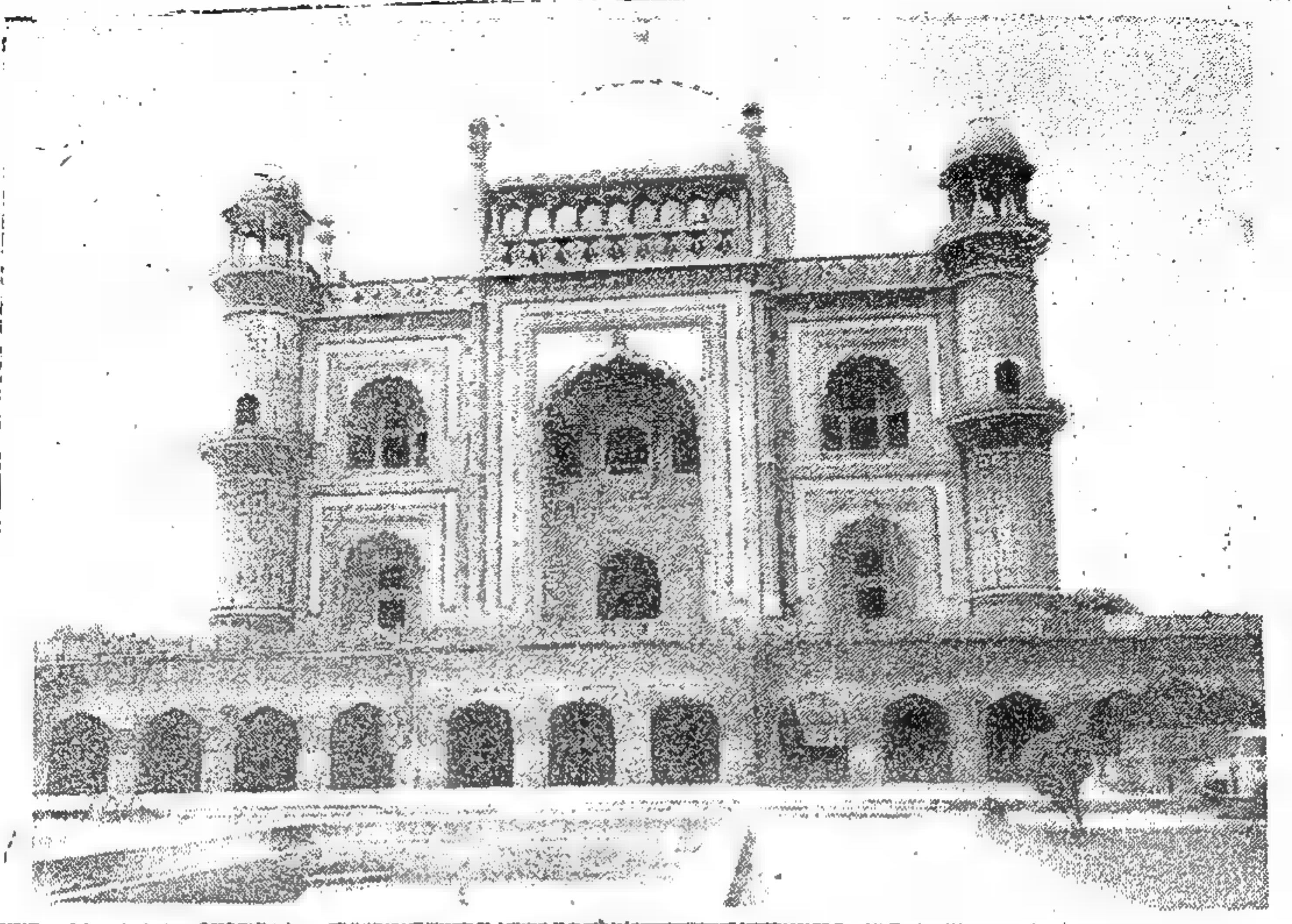
مقبرہ صفدر جنگ کو مقبرہ منصور بھی کہتے ہیں ۔ دہلی میں صفدر جنگ کے نام کی سڑک بھی ہے اور صفدر جنگ ایئرپورٹ بھی ہے۔ مقبرہ صفدر جنگ دہلی کی پرانی، پر وقار عالیشان عمارتوں میں سے ہے۔ یہ مقبرہ ابو المنصور خان بہادر صفدر جنگ کا ہے جو احمد شاہ بادشاہ کے وزیر تھے۔ ۱۷۵۳ء میں ان کا انتقال ہوا اور اس مقبرہ میں دفن ہوئے نواب شجاع الدولہ ان کے بیٹے بلال محمد خان نے اس وقت کے تین لاکھ روپے خرچ کر کے یہ مقبرہ تعمیر کروایا یہ مقبرہ بہت خوبصورت ہے تمام مقبرہ سرخ پتھر سے بنا ہوا ہے ۔ مقبرہ اور ستونوں پر سنگ مرمر کی دھاریاں لگی ہوئی ہیں۔ گنبد سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے مقبرہ کے اندر بھی جا بجا سنگ مرمر لگا ہوا ہے۔ قبر کا تعویز بھی سنگ مرمر کا ہے جو ایک تہہ خانہ میں ہے جو اصل قبر ہے یہ عمارت ایسی خوبصورت ہے۔ جس کی مثال نہیں ملتی مقبرہ کے چاروں طرف کمرے ہیں جو چونا اور پتھر سے تعمیر گئے ہیں۔ مقبرے کے گرد و نواح خوبصورت باغ اور سرسبز درخت ہیں۔ مقبرہ میں نہریں اور حوض بھی ہیں جو اب خشک ہو چکے ہیں۔ باغ کے اندر جنوب کی طرف موتی محل، مغرب میں جنگلی محل اور شمال میں مکان بادشاہ پسند کے نام سے مشہور ہیں۔ مشرقی دروازہ بہت بلند اور خوبصورت ہے اس کے قریب کئی مکانات اور شہ نشین بنے ہوئے ہیں دروازہ کے قریب شمال کی

جانب ایک مسجد ہے۔ جو سرخ پتھر سے تعمیر کی گئی ہے مسجد کی چاردیواری کے چاروں کونوں پر مینار اور گنبد ہیں مسجد کے
تین گنبد ایک بڑا اور دو چھوٹے ہیں گنبد دھاری دار سرخ اور سفید پتھر سے تعمیر کی گئی ہے۔ یہ مسجد اب آباد ہو چکی ہے
مسلمان نماز پڑھتے ہیں جمعہ کے روز بہت نمازی ہوتے ہیں مقبرہ صفدر جنگ کے چاروں طرف بلند دیوار ہے۔ جو چونا پتھر
سے تعمیر کی گئی ہے۔ نئے شادی شدہ جوڑے یہاں اکثر دیکھے جاتے ہیں۔

SAFDAR JANG'S TOMB

THIS TOMB WAS BUILT BY NAWAB SHUJAUDDAULA FOR HIS FATHER MIRZA MUQIM ABUL MANSUR KHAN. ENTITLED SAFDAR JANGS, WHO WAS GOVERNOR OF OUDH DURING THE REIGN OF THE MUGHAL EMPEROR MUHAMMAD SHAH (1719-48). AND PRIME MINSTER DURING THAT OF HIS SUCCESSOR AHMAD SHAH (1748-54). HE DIED IN 1754.

WITH ITS HIGH ENCLOSURE WALLS. THE CHARBAGH LAYOUT OF GARDEN. TANKS AND FOUNTAINS. AND ITS CENTRAL DOMED MAUSOLEUM. IT FOLLOWS THE TRADITION OF HUMAYUNS TOMB AND IS A GOOD SPECIMEN OF MUGHAL GARDEN – TOMBS. IT IS APTLY DESCRIBED AS THE LAST FLICKER IN THE LAMP OF MUGHAL ARCHITECTURE AT DELHI.
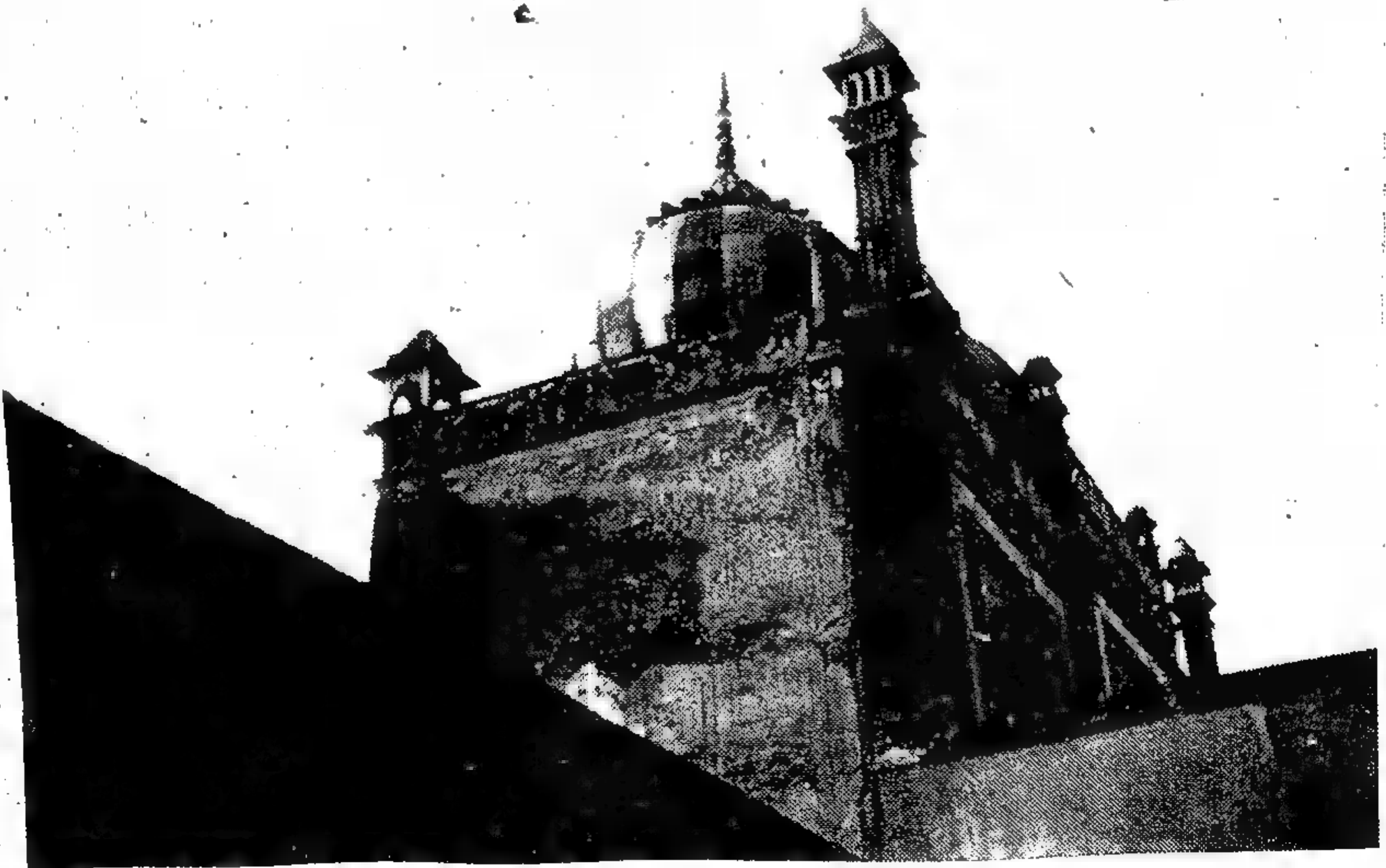
جامع مسجد صفدر جنگ روڈ دہلی

مقبرہ صفدر جنگ کے قریب تاریخی مسجد

مقبرہ صفدر جنگ کے اندر داخل ہوں بڑے گیٹ کے ساتھ شمال کی جانب سرخ پتھروں سے تعمیر شدہ ایک قدیمی مسجد ہے مسجد کے تین گنبد اور دو مینار ہیں گنبد پر دھاریاں ہیں جبکہ مسجد کے سامنے حصے پر سنگ مرمر بھی استعمال ہوا ہے ساری مسجد سرخ پتھروں سے تعمیر کی گئی ہے مسلمانوں کی تمام تاریخی عمارتوں کے اندر مساجد لازمی طور پر تعمیر کی گئی ہیں۔ 1998ء میں راقم نے جب دہلی کا دورہ کیا تو مسجد کی مرمت کی جا رہی تھی اور مسجد سیاحوں کے لیے کھول دی گئی تھی مسجد بہت خوبصورت ہے نقش نگار سے مذید نکھار پیدا ہوا ہے۔ صحن میں بھی سرخ پتھر نصب ہیں۔

جنتر منتر

دہلی کی یہ مشہور تاریخی عمارت ہے عمارت کے چاروں طرف ایک بہترین پارک جدید انداز میں تعمیر کی گئی ہے اور خوشنما درختوں نے جنتر منتر کی خوبصورتی میں اضافہ کیا ہے یہ عمارت عجیب قسم کی ہے اس عمارت کا اصل نام سمرلت ینتر تھا جو بگڑ کو جنتر منتر ہو گیا یہ عمارت بادشاہ کے حکم سے راجہ سوائی جی نے محمد شاہ بادشاہ کے حکم سے ۱۷۲۴ء میں تعمیر کروائی۔ حساب کی صحت کے لیے اس طرح کے رسد خانے جے پور، متھرا، بنارس، اور جین میں بھی بنائے گئے ہیں یہ عمارت چونے اور پتھر سے بنائی گئی ہے ماضی میں اس رسد گاہ سے سورج چاند ستاروں کا حساب لگایا جاتا تھا اس رصد گاہ کے بارے سر سید احمد خان نے اپنی کتاب آثار الصنادید میں جنتر منتر کی مختلف عمارتوں کے نام لولی جی پرکاش دوم رام جنتر سوم سمراٹھ جنتر کرہ متر ہیں جنتر قصیاس میں یہ تمام عمارتیں نظام شمسی کے بارے معلومات حاصل کرنے کے لیے تعمیر کی گئیں۔

JANTAR - MANTAR
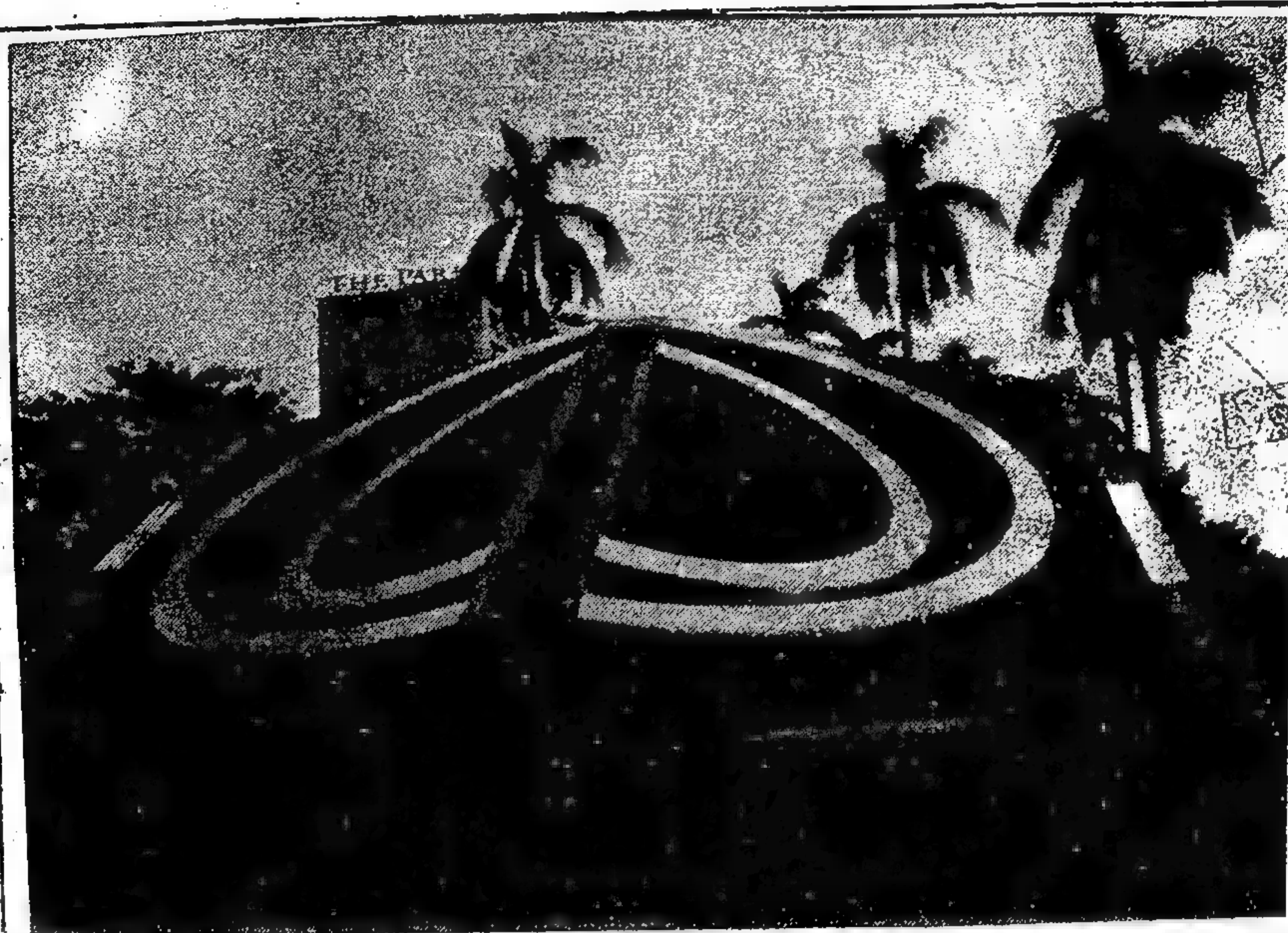
JANTAR MANTAR IS AN OBSERVATORY CONSISTING OF MASONRY – BUILT ASTRONOMICAL INSTRUMENTS, ERECTED BY MAHARAJA JAI SINGH II OF JAIPUR (A. D. 1639 – 1743). HE WAS KEENLY INTERESTED IN ASTRONOMICAL OBSERVATIONS AND STUDIED ALL KNOWN SYSTEMS, EASTERN AND WESTERN, BEFORE EMBARKING ON THIS CONSTRUCTION AT DELHI, WHICH WAS EXECUTED UNDER THE ORDERS OF EMPEROR MUHAMMAD SHAH SOME TIME ABOUT A. D. 1724. SUBSEQUENTLY, JAI SINGH BUILT SIMILAR OBSERVATORIES ALSO AT JAIPUR, UJJAIN, VARANASI AND MATHURA, OF WHICH THE LAST HAS NOT SURVIED. THE INSTRUMENTS ARE BUILT OF BRICK AND RUBBLE, PLASTERED WITH LIME AND BEAR GRADUATED MARKINGS TO TAKE READINGS. THEY HAVE BEEN REPAIRED AND RESTORED REPEATEDLY. THE BETTER – KNOWN INSTRUMENTS ARE SAMRAT YANTRA, JAI PRAKASH YANTRA, RAM YANTRA AND MISRA YANTRA.

مسجد فتح پوری: بھارت میں اسلامی عظمت کی نشانی

ہندوستان میں بہت سی عمارات کی طرح فتح پوری مسجد بھی اپنی نوعیت کی ایک علیحدہ عمارت ہے جسے ۱۶۵۰ء میں شاہ جہاں کی بیوی فتح پوری بیگم نے بنوایا تھا یہ ۱۶۳۹ء سے ۱۷۳۹ء کے دوران بنوائی جانے والی ان آٹھ مسجدوں میں سے ایک ہے جو شاہ جہاں آباد دہلی میں ہیں اونچی دیواروں کے احاطہ میں کھڑی یہ مسجد مشہور چاندنی چوک میں واقع ہے عمارات کا بیرونی منظر ہی اپنے مخصوص تقدس کی وجہ سے دل پر انمٹ نقوش چھوڑ جاتا ہے محرابی داخلے مورچہ نما دیواروں اونچے میناروں اور گنبد کی وجہ سے یہ نہ صرف شاندار بلکہ محفوظ بھی نظر آتی ہے مسجد کے تین مرکزی دروازے ہیں اندر داخل ہوتے ہی سامنے ایک حوض ہے جو مسجد کی خوبصورتی میں بے انتہا اضافہ کرتا ہے۔ محراب چار ستونوں سے گھری ہوئی ہے۔ چوکور ستونوں اور محرابوں کے درمیان مسجد کا فرش سنگ مرمر اور سرخ پتھروں کا بنا ہوا ہے فتح پوری مسجد کو جو چیز دوسری مسجدوں سے ممتاز کرتی ہے وہ اس کا واحد گنبد ہے جس کی حال ہی میں از سر نو تعمیر کی گئی ہے۔

مسجد کی اصل شان و شوکت وہ سر بفلک مینار ہیں جو ۸۰ فٹ اونچے ہیں اور مضبوط پتھروں سے ہشت پہلو بنے ہوئے ہیں مسجد کے تین مرکزی دروازوں کے متعلق جو کہ شمال اور جنوب کی طرف ہیں بتایا جاتا ہے کہ یہ ۱۸۳۶ء میں اس وقت کھولے گئے جب مسجد کے ایک حصہ کو بڑھایا گیا۔ مرکزی داخلی دروازہ اور گنبد کے نیچے ایک کمرہ ہے جہاں قبلہ کی محراب ہے جس پر عربی زبان میں قرآنی آیات لکھی ہوئی ہیں محراب کے دوسری جانب سنگ مرمر کا چند سیڑھیوں کا بنا ہوا منبر ہے۔ مسجد کے مرکزی دروازے کے نزدیک ایک احاطہ ہے جس میں پندرہ قبریں موجود ہیں ان میں سے کچھ شاہی اماموں کی ہیں جو فتح پوری مسجد میں امامت کے فرائض سرانجام دیتے رہے تھے اور کچھ ان شہدا کی ہیں جنہوں نے آزادی کی جدوجہد میں اپنی جانیں قربان کی تھیں۔ ایک وقت ایسا بھی آیا تھا جب یہ مذہبی عمارت مسجد کے طور پر کام کرنے کے لیے مکمل طور پر بند کر دی گئی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں نے اسے بند کر دیا۔ کیونکہ مشکل وقت میں مجاہدین کو یہاں پناہ دی جاتی تھی۔ تین سال بعد مسلمانوں کو یہاں عبادت کیلئے اجازت دے دی گئی۔ مسجد کے اندر میراں شاہ نانوں کا مزار ہے جو حضرت کلیم اللہ جہاں آبادیؒ کے ہمعصر تھے آپ کا سلسلہ نسب حضرت شاہ جلال "تھانیسری" سے ملتا ہے آپ علوم ظاہری و باطنی سے آراستہ تھے مسجد فتح پوری کے ایک حجرہ میں عمر گزار دی۔ مخلوق خدا آپ سے فیض یاب ہوتی تھی حضرت شاہ جلال آپ کے خلیفہ تھے آپ کا مزار اسی مسجد میں ہے۔

لال قلعہ کے قریب سنہری مسجد

شاہی قلعہ کے قریب ایک خوبصورت مسجد ہے جو تمام سرخ پتھر سے تعمیر کی گئی ہے دو مینار ہیں تین گنبد ہیں جن کے برج سنہرے ہیں۔ ۱۸۵۲ء میں بہادر شاہ ظفر نے اس مسجد کی مرمت کروائی۔ یہ مسجد ۱۷۵۱ء میں جاوید خان خواجہ سرائے جو نواب قدسیہ احمد شاہ کی ماں کا بہت فرمانبردار تھا اس وجہ سے اسکو نواب بہادر کا خطاب ملا تھا یہ مسجد اس نے تعمیر کروائی اس مسجد میں ایک حوض بھی تھا جو اب تقریباً ختم ہو چکا ہے مسجد کا صحن اندرون حصہ بہت کشادہ ہے یہاں پانچ وقت کی نماز ہوتی ہے۔

انڈیا گیٹ

نئی دہلی میں سب سے بارونق مقام انڈیا گیٹ ہے اس تاریخی مقام کے چاروں طرف فوارے نصب کیے گئے ہیں اس تاریخی مقام کے چاروں طرف فوارے نصب کیے گئے ہیں۔ پھل دار درختوں نے انڈیا گیٹ کو اپنی آغوش میں لے رکھا ہے۔ انڈیا گیٹ کے چاروں طرف سڑکیں ہیں جنگ عظیم اول میں برطانوی سرکار کی جانب سے دوسرے ممالک کے خلاف جاں بحق ہونے والے جوانوں افیسر کے نام اسی گیٹ پر درج ہیں دنیا بھر سے آنے والے سیاح انڈیا گیٹ دیکھنے آتے ہیں یہ ایک اچھا تفریحی مقام ہے۔

India Gate. New Delhi

India War Monument is in the memory of the Great War 1914-18. Its foundation stone was laid by H.R.H. The Duke of Connaught, in 1912 and opened by Lord Irwin. The inscription reads, "To the dead of the Indian armies who fell honoured in France and Flanders. Mesopotamia and Persia, East Africa, Gallipoli and elsewhere in the near and the far-east and in sacred memory also of those whose names are recorded and who fell in India or the north-west frontier and during the Third Afgan War."

عرب سرائے

ہمایوں کے مقبرے میں داخل ہوں مشرق کی جانب ایک خوبصورت بلند وبالا دروازہ سرخ پتھر اور سنگ مرمر سے تعمیر کیا گیا ہے کے اندر ایک قدیمی عمارت عرب سرائے کے نام سے مشہور ہے اس سرائے کو نواب حاجی بیگم ہمایوں بادشاہ کی بیوی نے ۹۶۸ھ مطابق ۱۵۶۰ء میں بنایا تھا۔ جب حمیدہ بانو اکبر کی پھوپھیاں، بہنیں، بیگمات حج کے لیے گئیں تو وہ اپنے ساتھ متعدد عرب خاندانوں کو دہلی لے آئیں انہیں عرب سرائے میں آباد کیا اس سرائے میں تین سو عرب آباد

ہوئے تھے اس وجہ سے یہ سرائے عرب کے نام سے مشہور ہوگئی۔ قدیمی عمارت کئی حصوں پر مشتمل ہے اور مسجد بھی تعمیر کی گئی ہے یہ عمارتیں پتھر اور چونا سے تعمیر کی گئی ہے۔ عمارت اور مسجد کی کرسی اونچی ہے۔

گیٹ عرب سرائے

مسجد خیر المنازل

مسجد خیر المنازل پرانا قلعہ دہلی کا چڑیا گھر، ہائی کورٹ کی عمارت قریب قریب ہیں۔ مدرسہ کے علاوہ مسجد بھی بنی ہے۔ راقم جب مسجد میں داخل ہوا تو مسلمان نماز ادا کر رہے تھے۔ وضو کے لیے پانی کنواں سے نکالا جاتا ہے۔ یہ کنواں مسجد کے صحن میں ہے۔ مسجد پر تین گنبد ہیں درمیانی گنبد بڑا ہے سینکڑوں کبوتر دن کے وقت مسجد کے گنبد پر بیٹھے نظر آتے ہیں۔ مسجد کا دروازہ بہت خوبصورت ہے، جو سرخ پتھر سے تعمیر کیا گیا ہے یہ مدرسہ ماہم انگہ جس نے اکبر کو دودھ پلایا تھا، ۹۶۹ھ مطابق ۱۵۶۱ء یہ مسجد اور مدرسہ تعمیر ہوا۔ یہ عمارت چونے اور پتھر سے تعمیر کی گئی ہے ہائی کورٹ روڈ کے

قریب شیر شاہ کا تعمیر کردہ بلند وبالا قلعے کے دروازے دور سے نظر آتے ہیں یہ قلعہ روہتاس ضلع جہلم کے قلعہ کی طرز پر تعمیر کیا گیا ہے۔

مسجد خیر المنازل
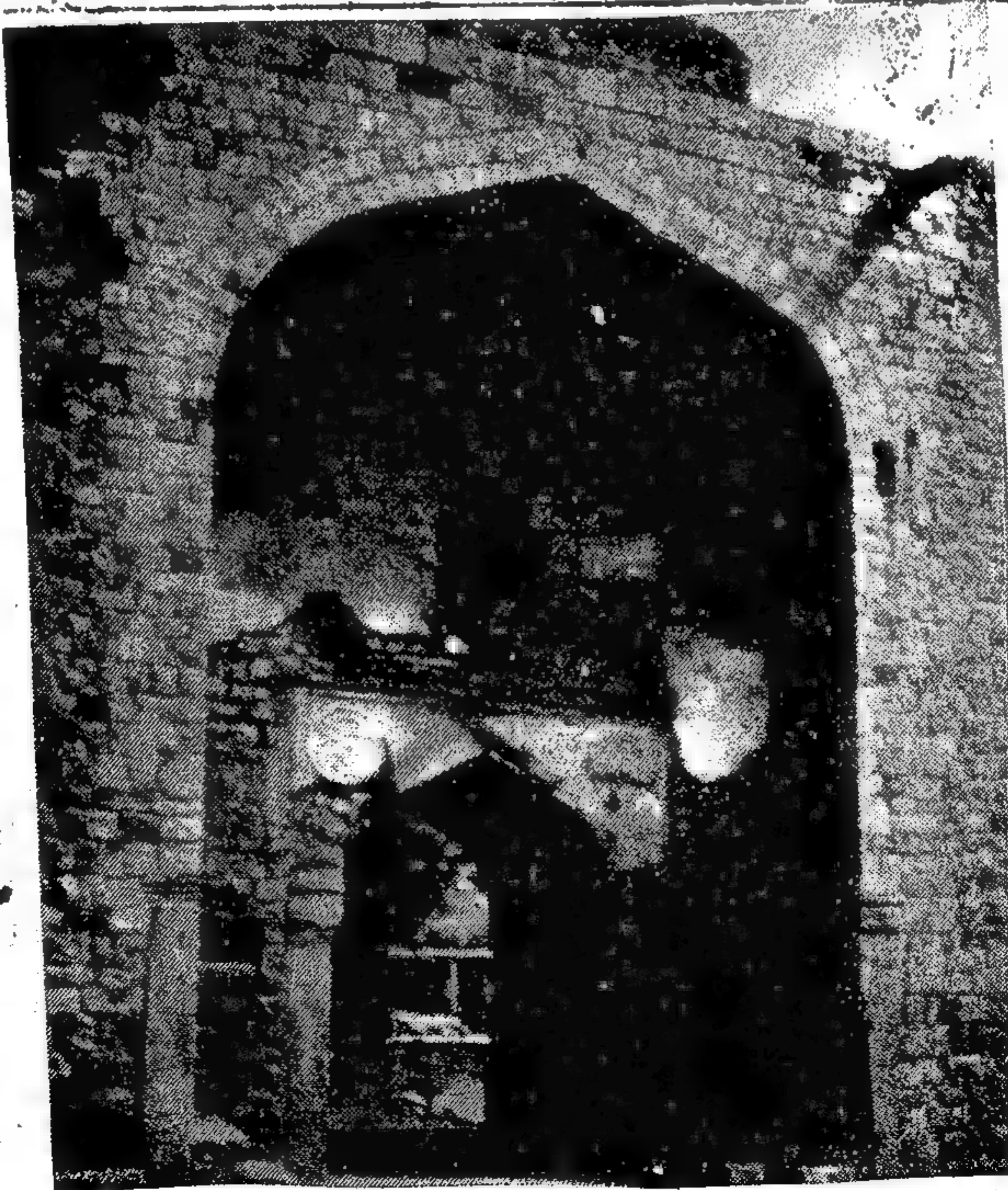
گیٹ مسجد خیر المنازل

پرانا قلعہ
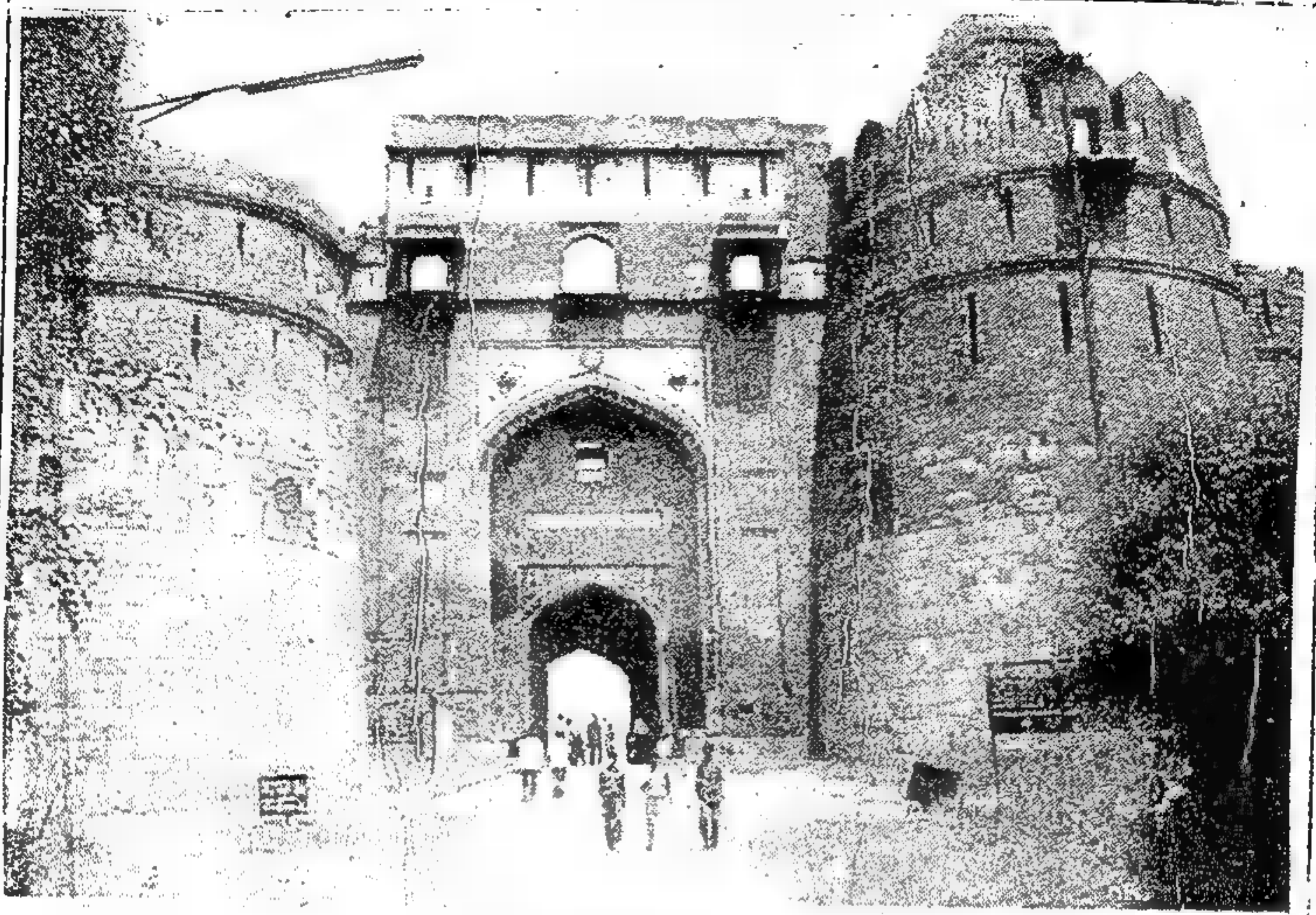
پرانا قلعہ کا جنوبی دروازہ

راقم اگست یعنی ساون بھادوں کی شدید گرمی اور حبس میں دہلی کے روحانی اور تاریخی مقامات کے بارے میں معلومات فوٹو حاصل کرتا ہوا پرانا قلعہ پہنچا۔ پرانا قلعہ کے بڑے دروازے میں داخل ہوتے ہی ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے آرام اور سکون بخشا۔ دہلی میں قدیمی قلعے اور عمارتیں اس انداز سے تعمیر کی گئی ہیں کہ سخت گرمی میں بھی ان عمارتوں کے کمروں میں ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے پر سکون اور آرام دیتے ہیں۔ پرانا قلعہ متھرا روڈ پر واقع ہے اس قلعہ میں شیر شاہ سوری کی (م1545ء) کی تعمیر کردہ مسجد اور شیر منڈل کی عمارتیں قابل دید ہیں۔ پرانا قلعہ پتھروں کو تراش کر تعمیر کیا گیا ہے۔ قلعہ کی دیواریں بہت اونچی ہیں اور بڑے بڑے دروازے ہیں۔ پرانا قلعہ روہتاس کی طرز پر تعمیر کیا گیا ہے۔ شیر شاہ سوری کی تعمیر کردہ عمارتوں کی منفرد حیثیت ہے۔ پرانا قلعہ میں شیر شاہ سوری کی تعمیر کردہ مسجد بہت خوبصورت عالیشان ہے۔ قرآنی آیات پتھر پر کندہ ہیں۔ مسجد کی تعمیر میں سنگ مرمر۔ سنگ سرخ استعمال ہوا ہے۔ مسجد کا صحن بھی کشادہ ہے۔
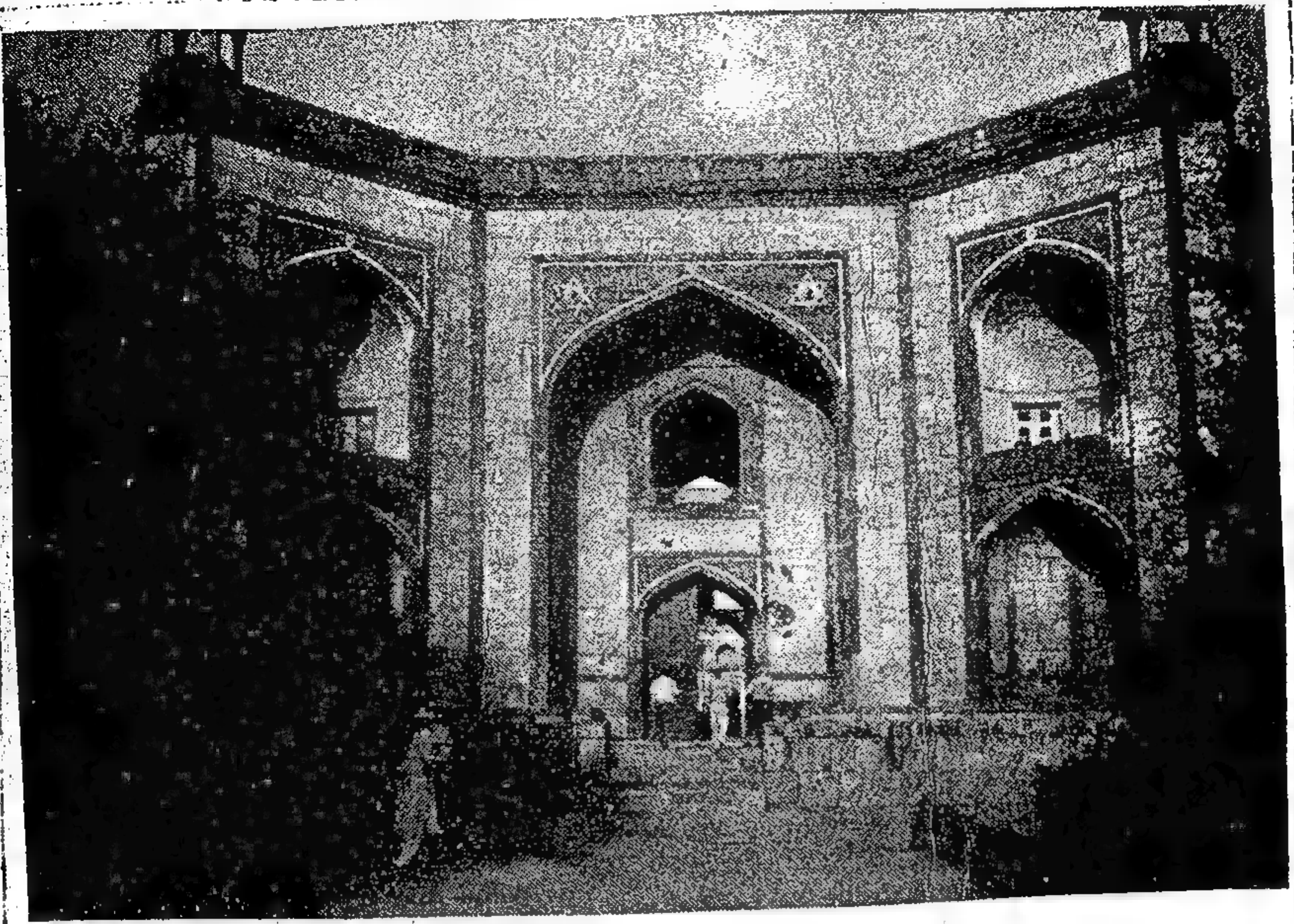
پرانا قلعہ کا دروازہ جو سنگ مرمر اور سرخ پتھروں سے تعمیر کیا گیا ہے

راقم پرانا قلعہ کے دروازہ کے قریب کھڑا ہے

پرانا قلعہ کا مشرقی دروازہ
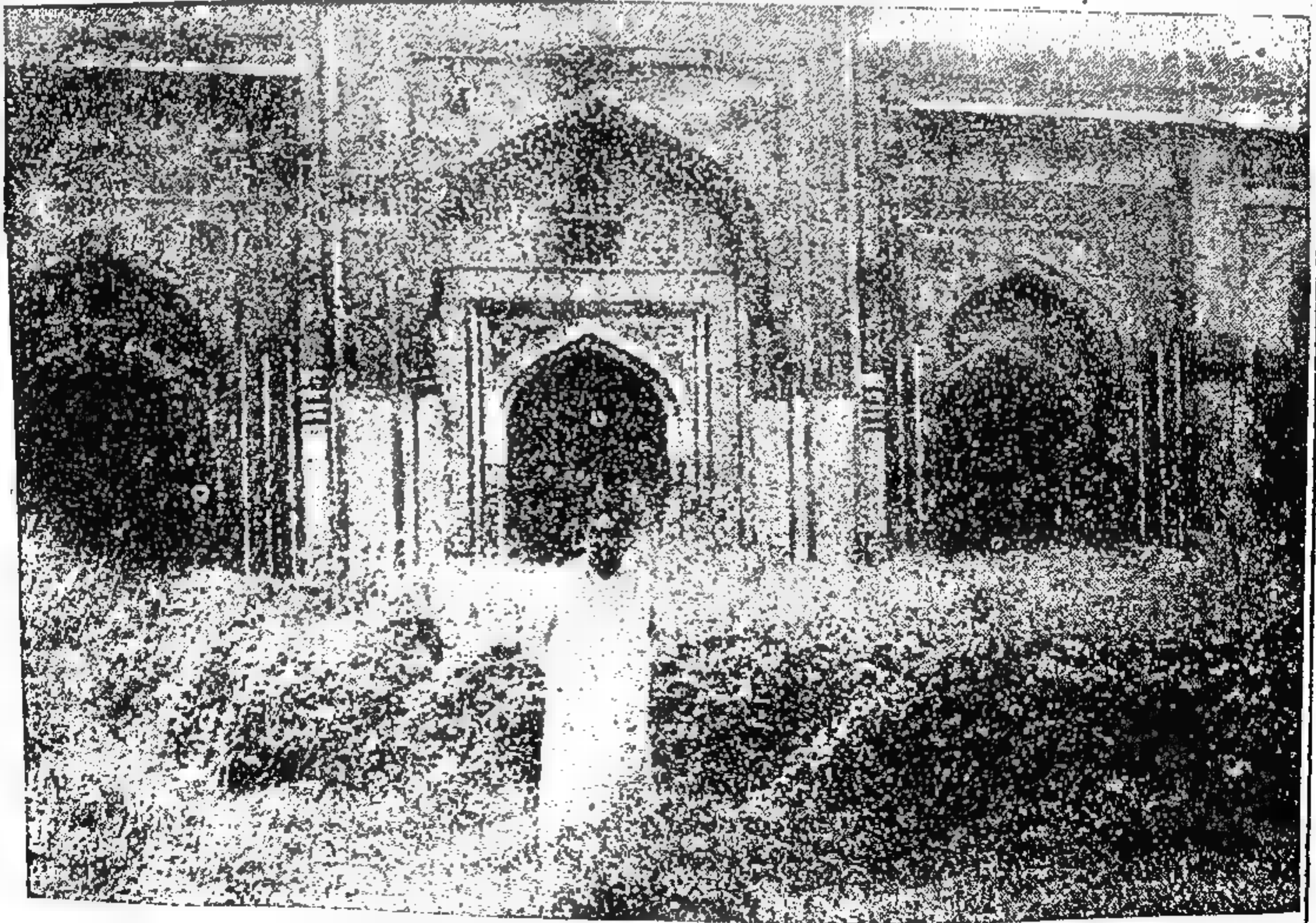
راقم شیر شاہ سوری کی تعمیر کردہ مسجد کے باہر کھڑا ہے

راقم قلعہ کہنہ مسجد کے اندر مطالعہ کر رہا ہے
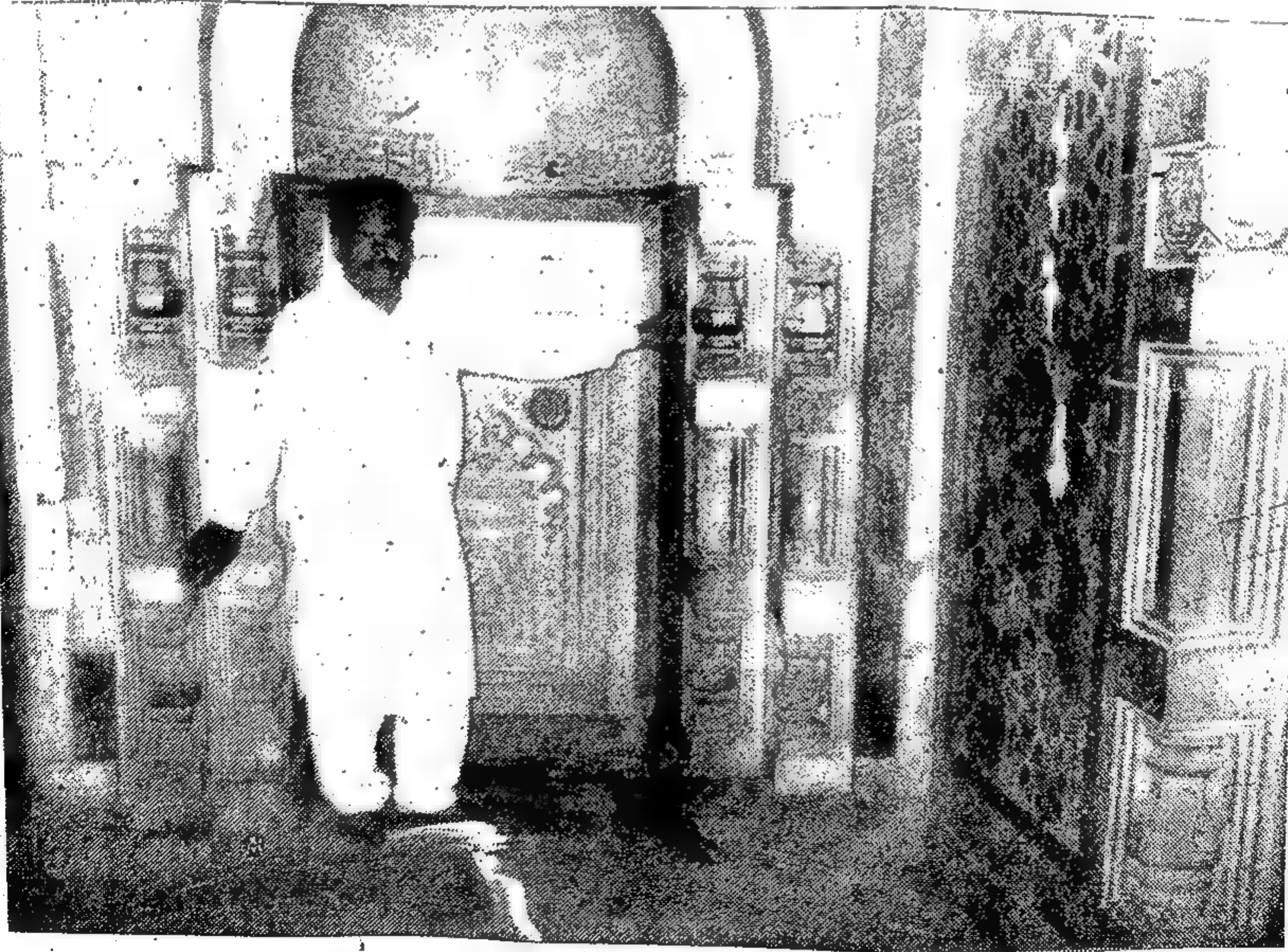
PURANA QALA

POPULARLY KNOWN AS PANDAVON-KA KILA. THE PURANA QALA STANDS ON A MOUND WHICH MAY POSSIBLE MARK THE SITE OF THE TOWN OF INDRAPRASTHA OF THE MAHABHARATA STORY. THE STANDING RAMPARTS AND OTHER BUILDINGS WERE, HOWEVER. BUILT BY SHER SHAH SURI (A.D.1538-45) AFTER DEMOLISHING AND REMODELING DINPANAH, A CITY FOUNDED HERE BY HUMAYUN IN ABOUT A.D.1533 AFTER HIS RETURN FROM PERSIA N A.D.1555 HUMAYUN RESIDED HERE TILL HIS DEATH IN A.D.1556 AND IS BELIEVED TO HAVE REPAIRED AND CONSTRUCTED SOME PORTIONS OF THE CITADEL.

PURANA QALA IS IRREGULARLY OBLONG ON PLAN WITH BASTIONS ON CORNERS AND ALONG THE WESTERN RAMPARTS. ITS PRINCIPAL GATE WAYS ON THE ORTH, WEST AND SOUTH ARE CROWNED WITH CHHATRIS AND ARE KNOWN RESPECTIVELY AS TARALI-BARA-AND HUMAYUN DARWAZAS. AMONG EXISTING BUILDINGS INSIDE ARE SHER SHAH'S MOSQUE AND A TOWER KNOWN AS SHER MANDAL. ORIGINALLY, A MOAT SURROUNDED THE RAMPARTS AND WAS CONNECTED ON THE EAST WITH THE RIVER YAMUNA.

QALA-I-KUHNA-MASJID

THE QALA-I-KUHNA-MASJID OR THE MOSQUE WITH IN THE OLD FORT' WAS CONSTRUCTED BY SHER SHAH SURI IN A.D.1541. ARCHITECTURALLY, IT EXEMPLIFIES THE TRANSITION FROM THE EARLIER MOSQUES OF THE LODI PERIOD TO THOSE OF THE MUGHAL PERIOD. CHARACTERIZED BY A WELL-DECORATED FAÇADE WITH FIVE ARCHED OPENINGS IT HAS ORIEL WINDOWS AT THE SIDES AND REAR AND CORNER TOWERS AT THE REAR INLAY ORNAMENTATION, EAVES SUPPORTED ON BRACKETS, FRAMED ARCHES. A CENTRAL DOME AND A SPACIOUS PRAYER-HALL WITH RICHLY DECKED CENTRAL MIHRAB ARE AMONG ITS OTHER FEATURES.

THE TANK IN THE COURTYARD WAS INTENDED FOR ABLUTION BEFORE THE PRAYERS.

شیر منڈل
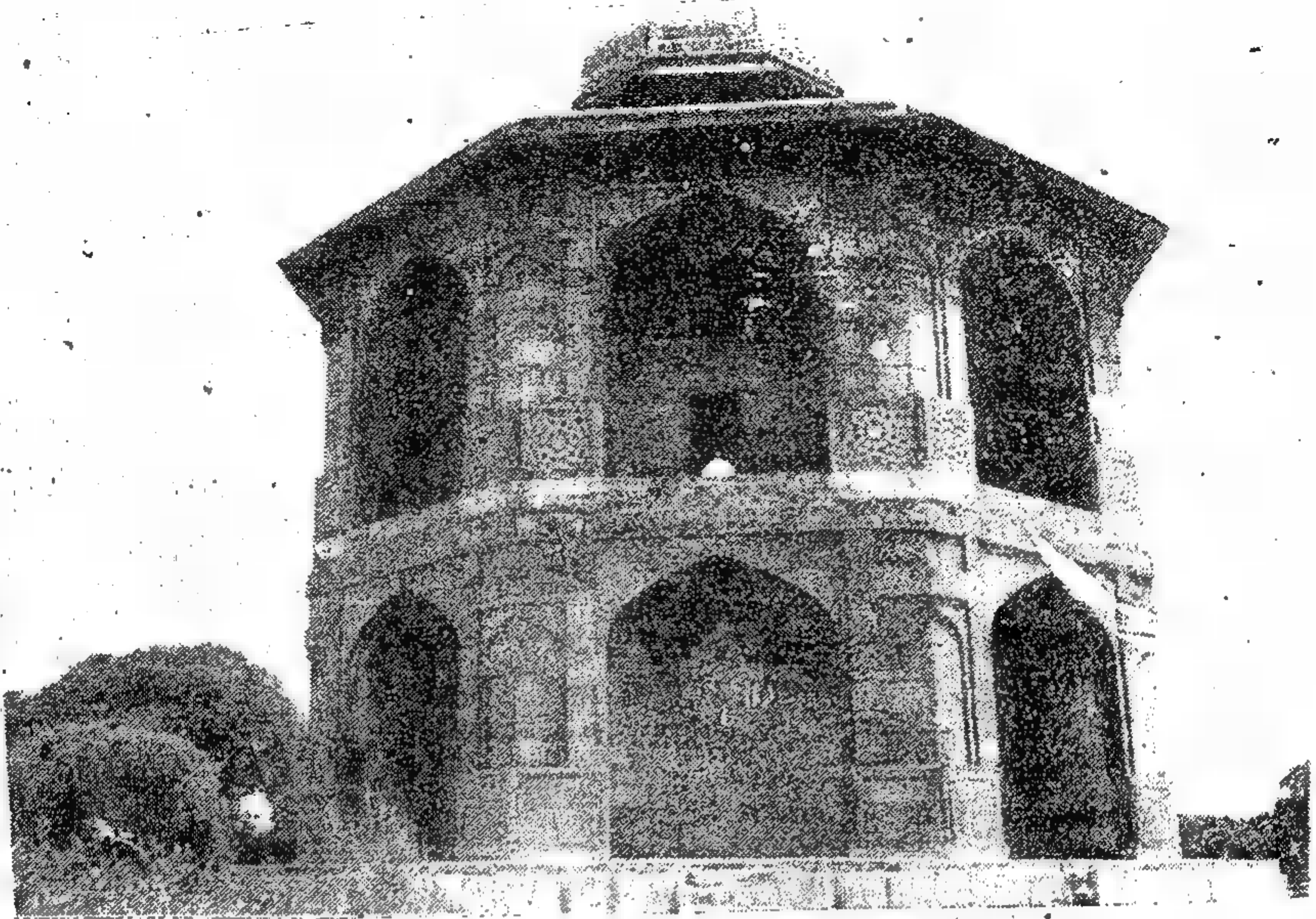
شیر منڈل جہاں ہمایوں بادشاہ 21 سیڑھیوں سے گر کے جا حق ہوا

دہلی کے پرانا قلعہ کے چاروں طرف بڑے بڑے دروازے ہیں۔ مسلمانوں کی تعمیر کردہ پرانی عمارتیں اس انداز سے تعمیر کی گئی ہیں کہ سخت گرمی میں ٹھنڈی ہوا کے جھونکے انسان کو سکون بخشتے ہیں یہی کیفیت پرانے قلعہ میں دیکھنے میں آئی پرانا قلعہ کے اندر شیر شاہ سوری کی تعمیر کردہ مسجد کے علاوہ شیر منڈل ایک دو منزلہ عمارت ہے جو شیر شاہ سوری نے تعمیر کروائی ساری عمارت سرخ پتھر سے تعمیر کی گئی ہے۔ ہمایوں نے دوبارہ تخت نشینی کے بعد شیر منڈل کو کتب خانہ میں تبدیل کر دیا تھا۔ اس شیر منڈل سے گر کر ہمایوں بادشاہ نے وفات پائی، ہوا یوں اس شام زہرہ ستارہ طلوع ہونے والا تھا اور ہمایوں اس کا مشاہدہ کرنے کی غرض سے شیر منڈل کی چھت پر موجود تھا جب نماز مغرب کا وقت قریب آیا تو بادشاہ نماز ادا کرنے کے لئے مسجد جانے لگا وہ اس کی سیڑھیوں میں تھا کہ آذان شروع ہو گئی ۔ اذان کے احترام میں سیڑھیوں میں بیٹھ گیا اتفاق سے اس کی قباہ کا دامن اس کے پاؤں تلے آگیا اس کی اسے خبر نہ ہوئی اذان ختم ہوتے ہی وہ اٹھا تو لڑکھڑا کر نیچے گرا اس کے سر پر شدید چوٹیں آئیں اس وجہ سے اس نے وفات پائی کسی نے کیا خوب کہا ہمایوں ساری زندگی ٹھوکریں کھاتا رہا اس کی موت بھی ٹھوکر سے ہوئی۔

فیروز شاہ کوٹلہ
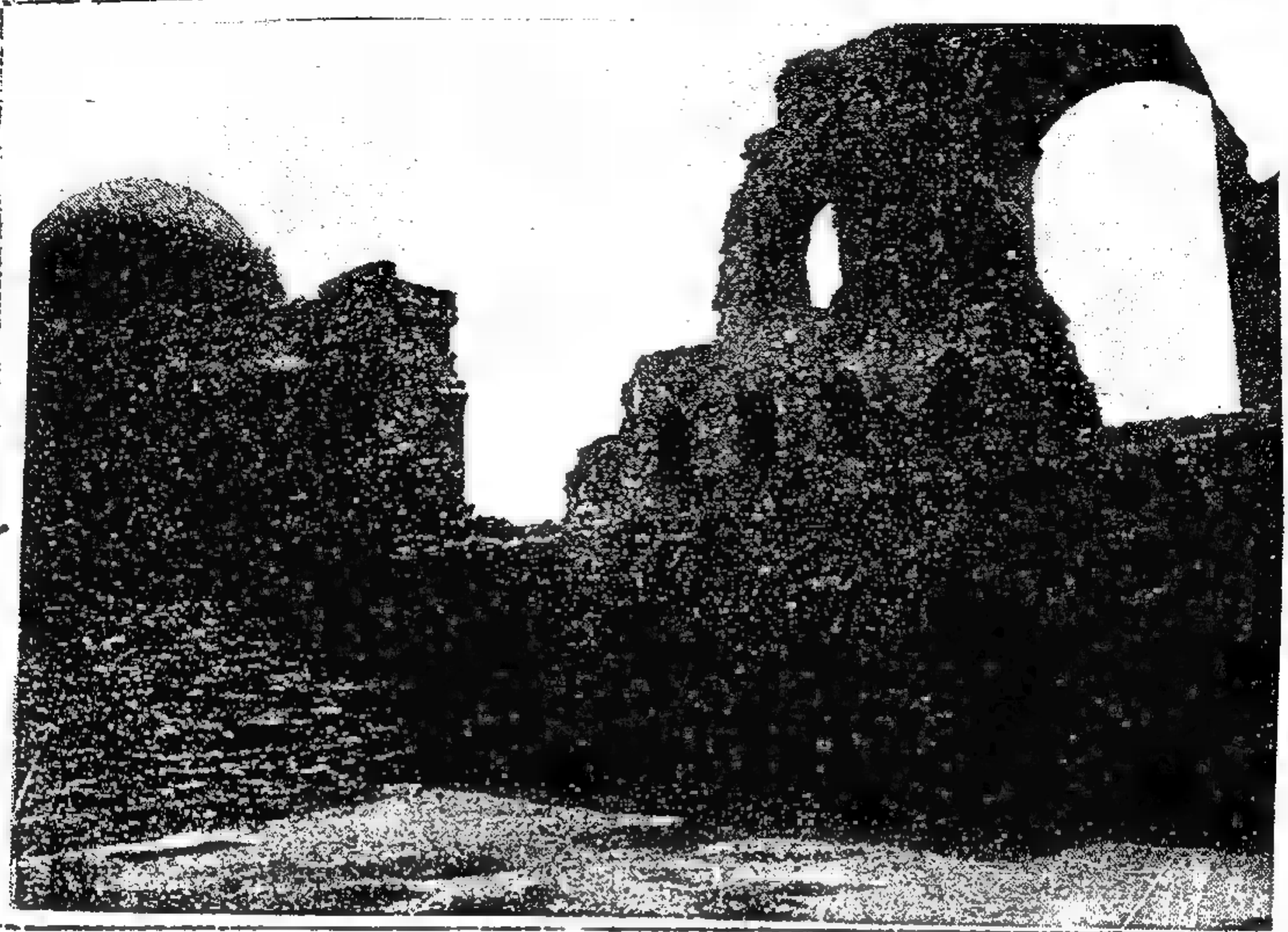
فیروز شاہ کوٹلہ یا کوشک فیروز۔ فیروز شاہ تغلق کے عہد 1354ء میں یہ شہر فیروز شاہ بادشاہ نے تعمیر کروایا۔ یہ شہر دریائے جمنا کے کنارے آباد تھا۔ یہ شہر کئی میلوں میں تھا۔ فیروز شاہ کوٹلہ دہلی دروازہ کے قریب ہے۔ اسکی عمارتیں پتھر اور جونے سے تعمیر کی گئی ہیں۔ فیروز شاہ کوٹلہ کے چاروں طرف پتھر کی دیوار ہے۔ جس کے اندر کئی عمارتیں ہیں بیشتر عمارتیں مخدوش ہو چکی ہیں لیکن اس کی دیواروں اور بنیادوں اب بھی موجود ہیں۔ دروازہ کے قریب چوکیدار اور گائیڈ کا کمرہ ہے۔ فیروز شاہ کوٹلہ کے عین وسط میں اونچی کرسی پر مسجد تعمیر کی گئی ہے۔ مسجد آباد ہے مسجد کے قریب کئی اولیاء اللہ کے مزار ہیں۔ ایک باولی بھی ہے دو منزلہ عمارت کے اوپر اشوکا کو لاٹھ نصب کی گئی ہے۔ فیروز شاہ بادشاہ نے یہ لاٹھ موضع نوہرو پرگنہ سالورہ ضلع خضر آباد سے لا کر یہاں نصب کر دی تھی۔ فیروز شاہ کوٹلہ کی عمارتیں شاندار انداز میں تعمیر کی گئی ہیں۔ خوبصورت پاک سرسبز درختوں نے اس کے حسن میں اضافہ کر دیا ہے۔ فیروز شاہ کوٹلہ کی تاریخ جو انگریزی میں پتھر پر نصب ہے کے مطابق یہ قلعہ جس کو کشک فیروز بھی کہتے ہیں فیروز شاہ تغلق (1351ء تا1388ء) کا قلعہ تھا اس نے یہ قلعہ فیروز آباد میں دریائے جمنا کے کنارے تعمیر کروایا۔ فیروز آباد دہلی کا پانچواں بڑا شہر جو کہ حوض خاص سے پیر غائب پھیلا ہوا تھا۔ یہ علاقہ ہندوراو ہسپتال کے نواح میں واقع ہے اس میں داخل ہونے کے لیے ایک مسقف صدر دروازہ تھا جس کی مغربی سمت میں دونوں طرف ایک برج تھا۔

اس قلعے میں محلات، ستونوں پر ایستادہ وسیع و عریض کمرے، مسجدیں، کبوتر مینار اور ایک باؤلی ہے ان کے درمیان معروف بلند وبالا اہرام نما عمارتین جو اشوک کے ستون یا لاٹ اور جامع مسجد کی عمارت ہے۔ جنوبی احاطے میں صدر دروازہ بعد میں بند کر دیا گیا شمالی احاطے میں بھی ایک گزرگاہ کی باقیات موجود ہیں مشرق میں کئی سیڑھیاں دریا کے قدیم کنارے کی طرف جاتی ہیں۔

فیروز شاہ کے اس شہر کا زیادہ تر تعمیری مواد شاہ جہان آباد کو تعمیر کرنے کے لیے چوری کر لیا گیا۔ فیروز شاہ تغلق ایک نامور ماہر تعمیرات بادشاہ تھا۔ جس کے عہد حکومت میں دہلی اور اسکے گردونواح میں کئی مسجدوں، شکار گاہوں، آبپاشی کے لیے حوضوں، بندوں اور درس گاہوں کی تعمیر کے لیے خراج تحسین پیش کیا جاسکتا ہے۔
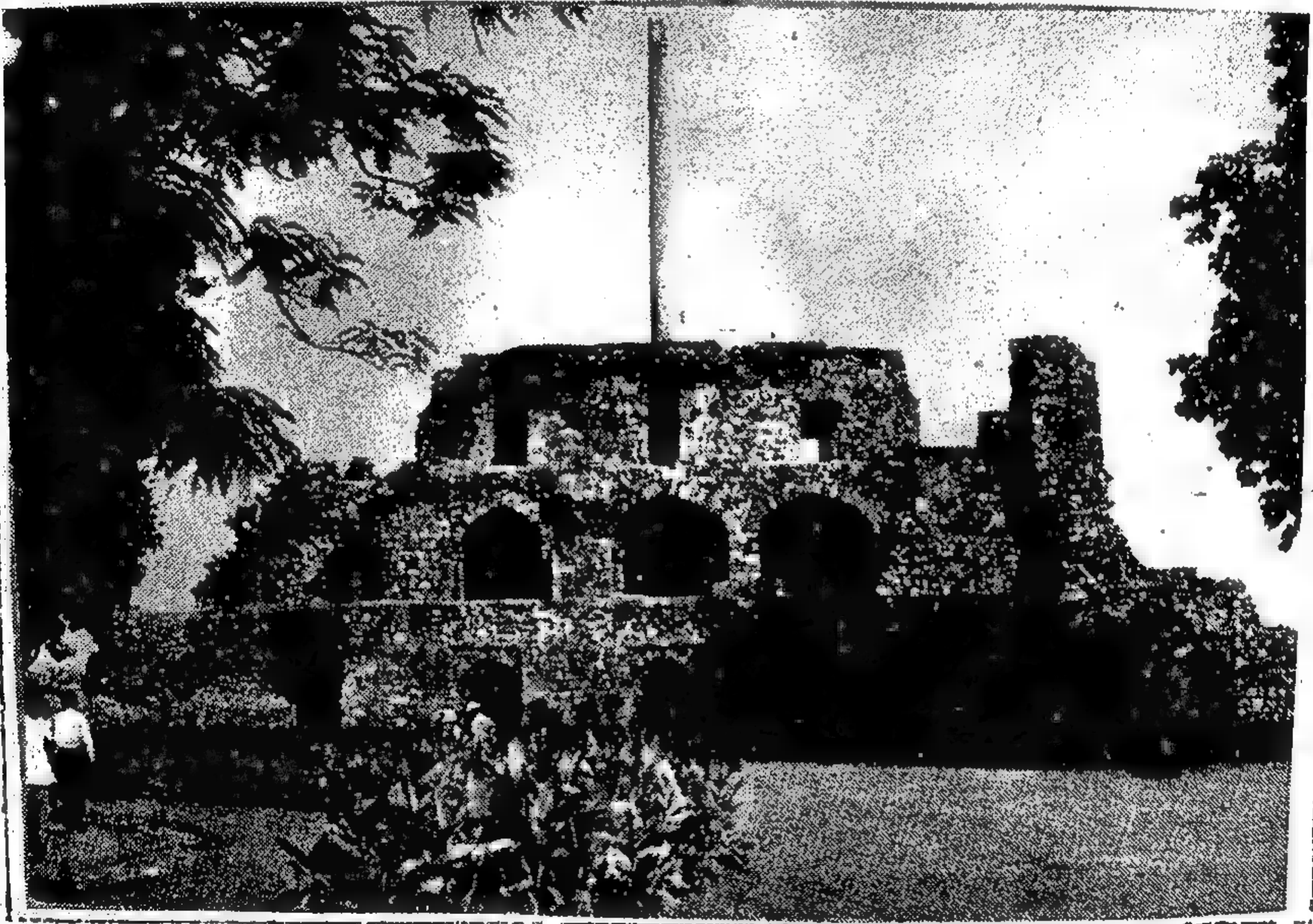
KOTLA FIROZ SHAH

THIS FORTRESS ALSO KNOWN AS KUSH-I-FIRUZ WAS THE CITADEL OF FIRUZ SHAH TUGHLAQ (A. D. 1351-88), HE BUILT IT ALONG THE BANS OF YAMUN IN FIRUZABAD, THE FIFTH CITY OF DELHI, WHICH EXTENDED FROM HAUZ-KHAS TO PIR-GHAIB NEAR HINDU RAD HOSPITAL, WITH AN ENTRANCE THROUGH THE BARBICANED MAIN GATE FLANKED BY A BASTION ON EITHER SIDE ON THE WEST, THE CITADEL CONTAINED PALACES, PILLARED HALLS, MOSQUES, A PIGEON – TOWER AND A BAOLI,

AMONG THESE WERE THE FAMED TALL PYRAMIDAL STRUCTURE SUPPORTING THE ASOKAN PILLAR OR THE LAT AND THE JAMI MASJID. WHILE THE GATEWAY FROM THE SOUTHERN ENCLOSURE HAS BEEN LATER CLOSED, THERE ARE ALSO THE REMAINS OF A GATEWAY FROM THE NORTHERN ENCLOSURE. SEVERAL FLIGHTS OF STEPS ON THE EAST LEAD DOWN TO THE OLD RIVER BANK.

MOST OF THE BUILDING MATERIAL FROM FIRUZ SHAH'S CITY WAS ROBBED TO BUILD SHAH JAHANABAD (1638-48) FIRUZ SHAH TUGHLAQ WAS A RENOWNED BUILDER WHOSE REIGN IS CREDITED WITH THE CONSTRUCTION OF SEVERAL MOSQUES, HUNTING LODGES RESERVOIRS FOR IRRIGATION, EMBANKMENTS AND COLLEGES IN AN AROUND DELHI.

شاہ جہاں بادشاہ کا چھیتا بیٹا شہزادہ دارا شکوہ قادری کا مقبرہ
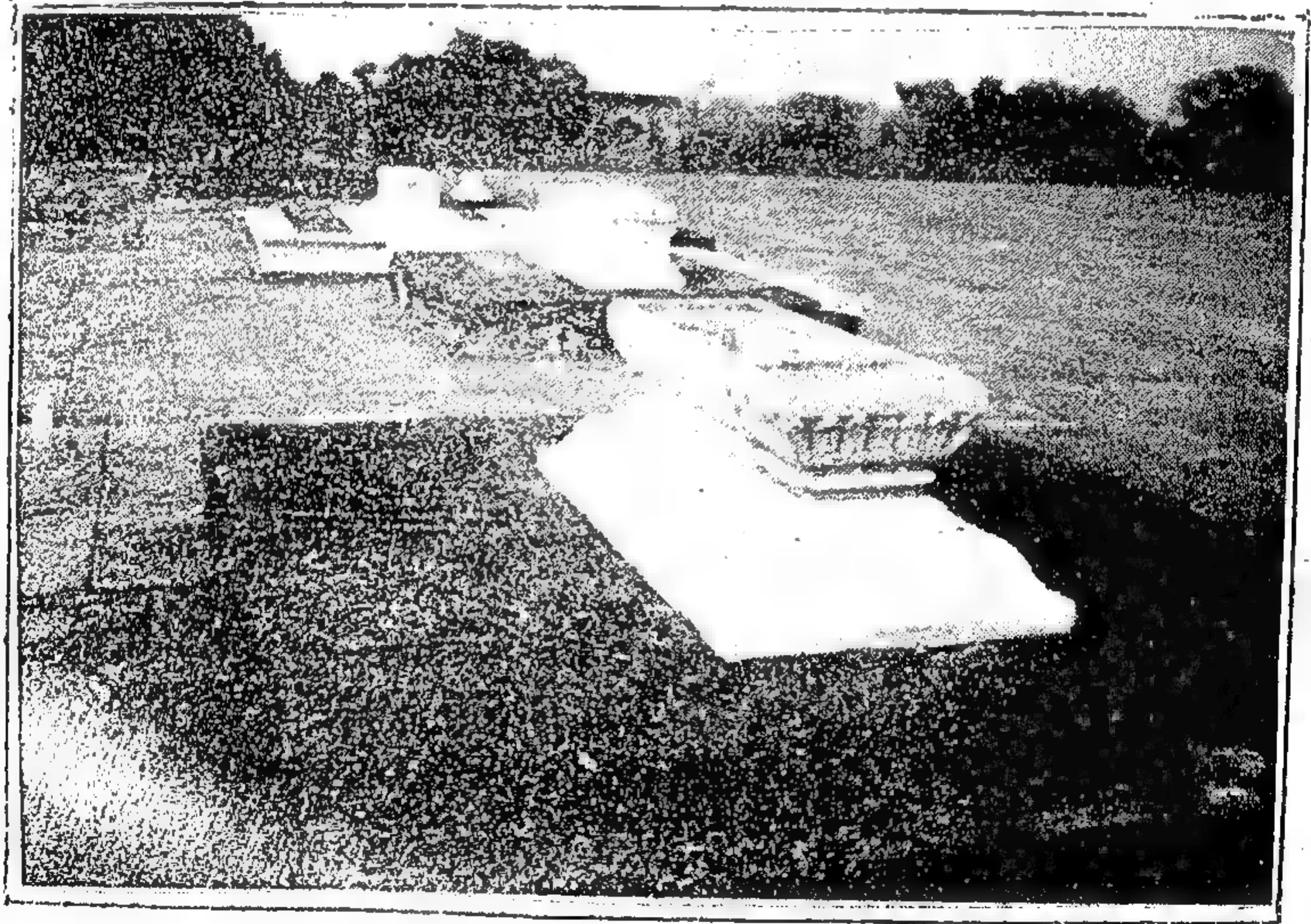
مقبرہ ھمایوں کے چار دروازے ہیں ان دروازوں کے ساتھ چار کمرے ہیں۔ یہ کمرے چاروں کونوں میں ہیں۔ تین کمروں میں قبریں ہیں چوتھا کمرہ خالی ہے یہ وہی کمرہ ہے جس میں بہادر شاہ ظفر 1857ء میں چھپا تھا۔ چونکہ ان کمروں میں مدفن شخصیات کے بارے کوئی تاریخ درج نہیں ہے۔ اس لیے کسی نہ کسی گائیڈ کی ضرورت ہوتی ہے جو راہنمائی کرسکے عورتیں اور مرد گائیڈ مقبرہ کے اندر ہی مل جاتے ہیں۔ جو مسلمان ہیں

واپسی پر اُن کی کچھ نہ کچھ خدمت کر دی جاتی ہے راقم نے مقبرہ کے اندر ایک عورت اور بزرگ مسلمان کی راہنمائی میں معلومات حاصل کیں۔ گائیڈ نے بتایا شمال مغرب والے کمرہ میں اورنگزیب کے تین لڑکے دفن ہیں۔ شمال مشرق والے کمرہ میں ھمایوں بادشاہ کی دو بیویاں، تین بیٹیاں اور اورنگزیب کے تین پوتے دفن ہیں تمام قبریں زیریں منزل میں ہیں ان قبروں کا تعویز چھت پر بنایا گیا ہے۔

گائیڈ نے یہ بھی بتایا جن قبروں پر طالب علموں کے لکھنے والی تختی کا نشان ہو وہ قبریں عورتوں کی ہوتی ہیں۔ گائیڈ نے بتایا جنوب مشرق کی سمت والے کمرہ میں بہادر شاہ ظفر 1857ء معہ اہل و عیال چھپا تھا۔ شاید ھمایوں کی روح کوئی مدد کر سکے جس پر اقبال نے کیا خوب کہا

؎ آ تجھ کو بتاؤں تقدیر امم کیا ہے شمشیر سناں اول طاؤس ارباب آخر

تمام کمروں میں روشنی کے لیے سنگ مرمر اور سرخ پتھر کی جالیاں نصب ہیں دیگر شہزادوں کی قبریں مقبرہ ھمایوں کے باہر صحن میں ہیں۔ شمال کی طرف ایک قبر ہے جس کے سرہانے لکھی بیگم بنت محمد عالم گیر بادشاہ غازی 1181ھ جنوب کی طرف چند شہزادوں کی قبریں ہیں ان میں ایک مقبرہ جو نمایاں طور پر بنایا گیا ہے وہ شہزادہ دارا شکوہ کا ہے تمام مقبرہ سنگ مرمر سے تعمیر کیے گئے ہیں دارا شکوہ جو شاہ جہاں کا لاڈلا پیارا بیٹا تھا جو شاہ جہاں کو شجاع مراد اور اورنگزیب سے زیادہ لاڈلا تھا۔ دارا شکوہ فطری قابلیت سے مالا مال تھا۔ وہ صوفیوں ولیوں کا پیروکار تھا۔ پنجاب کا گورنر ہونے کے باوجود وہ باپ کے ساتھ ہی رہتا تھا۔

چاروں بھائیوں میں تخت کے لئے جنگ ہوئی 1657ء کو شاہ بیمار ہو گیا اپنی وصیت میں دارا شکوہ کو جانشین مقرر کیا جسے شجاع مراد اور اورنگزیب نے قبول نہ کیا مغلوں میں جانشین پر جھگڑے ہوتے ہی تھے۔ جہانگیر اور شاہ جہاں کو دونوں کو اپنے اپنے تخت کے لئے اپنے وقت کے مخالفین سے جنگ کرنا پڑی اگرچہ شاہ جہاں کے چاروں بیٹے ایک ہی ماں ممتاز محل سے تھے مگر ان میں بھی تخت کے لئے جھگڑا موجود تھا 1657ء میں دارا 43 سال۔ شاہ شجاع 41 سال۔ اورنگزیب 39 سال اور مراد 33 سال کا تھا۔ چاروں شہزادے سول اور فوجی شعبوں کا تجربہ رکھتے تھے اور صوبوں کے گورنر تھے دارا پنجاب کا۔ مراد گجرات کا اور اورنگزیب دکن کا اور شاہ شجاع بنگال کا گورنر تھا۔ دارا شکوہ عالم فاضل اور کئی کتابوں کا مصنف تھا۔ بالخصوص سفینۃ الاولیاء دارا شکوہ کی لکھی ہوئی کتاب بہت مشہور ہوئی جو اہل طریقت کے لئے راہنمائی کا درجہ رکھتی ہے۔ سفینۃ الاولیاء میں حضور نبی اکرم ﷺ خلفاء راشدینؓ امام اعظمؒ ابو حنیفہؒ امام احمد بن حنبلؒ امام ابو یوسفؒ امام مالکؒ بن انسؒ امام شافعیؒ دائمہ اثنا عشری و ازواج مطہرات و اسلام کی مشہور خواتین اور اولیائے کرام کے جامع حالات از تاریخ ولادت تا تاریخ وفات کو مستند ماخذوں سے جمع کیا گیا ہے شہزادہ دارا شکوہ حضرت سرمد شہیدؒ حضرت میاں میرؒ ملا شاہ قادری کا مرید تھا۔ شہزادہ دارا شکوہ قصر سلطانی میں پیدا ہوا لیکن درویشی اختیار کی۔ اور اورنگزیب نے فتویٰ عالمگیر

کتاب لکھی تو دارا شکوہ سفینۃ الاولیاء جیسی مایہ ناز کتاب لکھ کر اہل تصوف پر احسان عظیم کیا دارا شکوہ کا مقبرہ شہنشاہ ہمایوں کے مقبرہ میں ہے جو سنگ مرمر سے تعمیر کیا گیا ہے ان پتھروں پر کلمات اور قرآنی آیات کندہ ہیں۔ راقم نے دو مرتبہ دہلی میں مقبرہ ہمایوں کے اندر دارا شکوہ کے مزار پر حاضری دی۔ معلومات اور فوٹو حاصل کیے۔ مقبرہ کی کرسی کافی بلند ہے تقریباً 35 سیڑھیاں ہیں ہر روز ہزاروں غیر ملکی سیاح اس تاریخی عمارت کو دیکھنے آتے ہیں۔
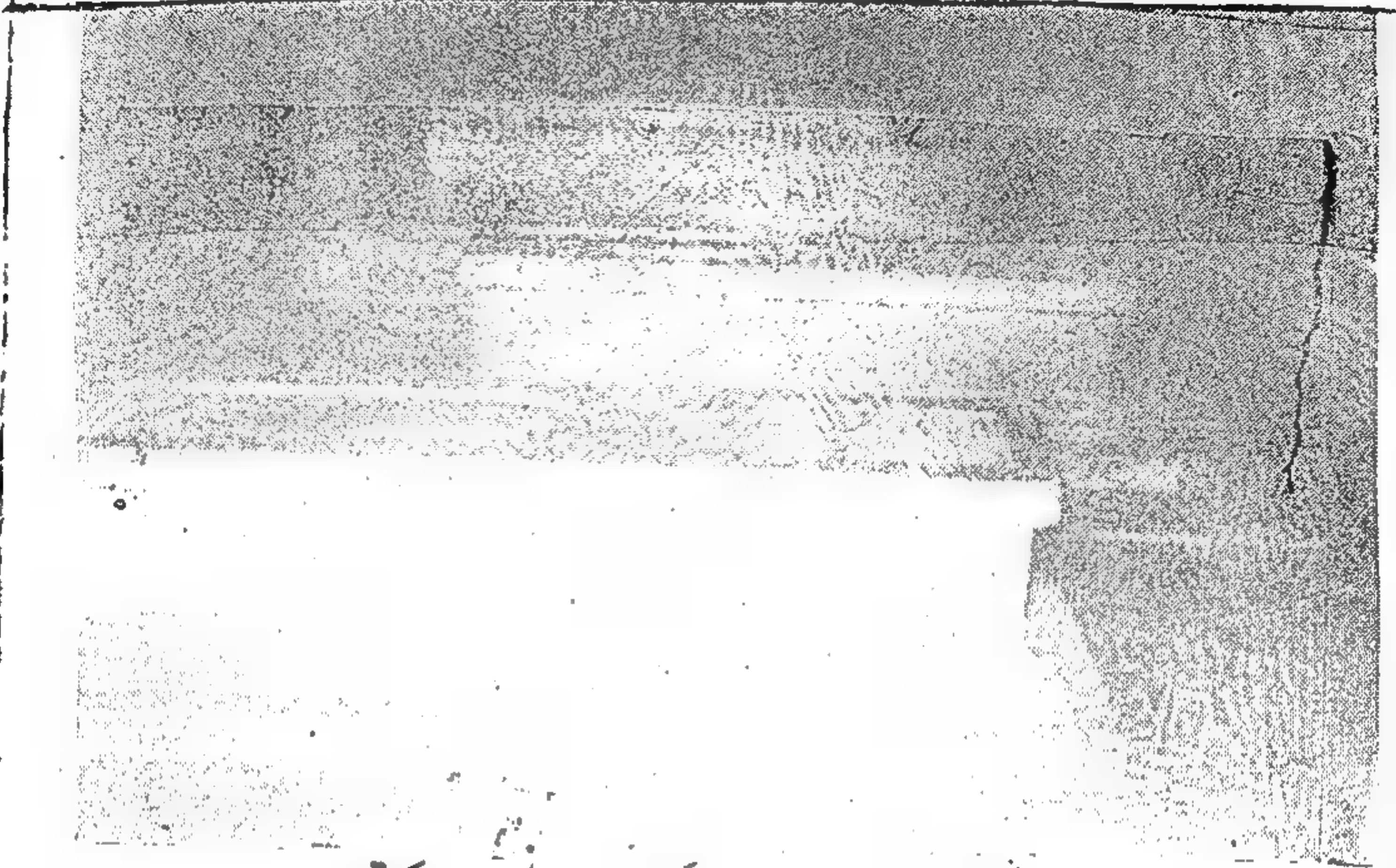
ہمایوں کے مقبرہ میں ہمایوں بادشاہ کی بیگمات اور بیٹیوں کی قبریں
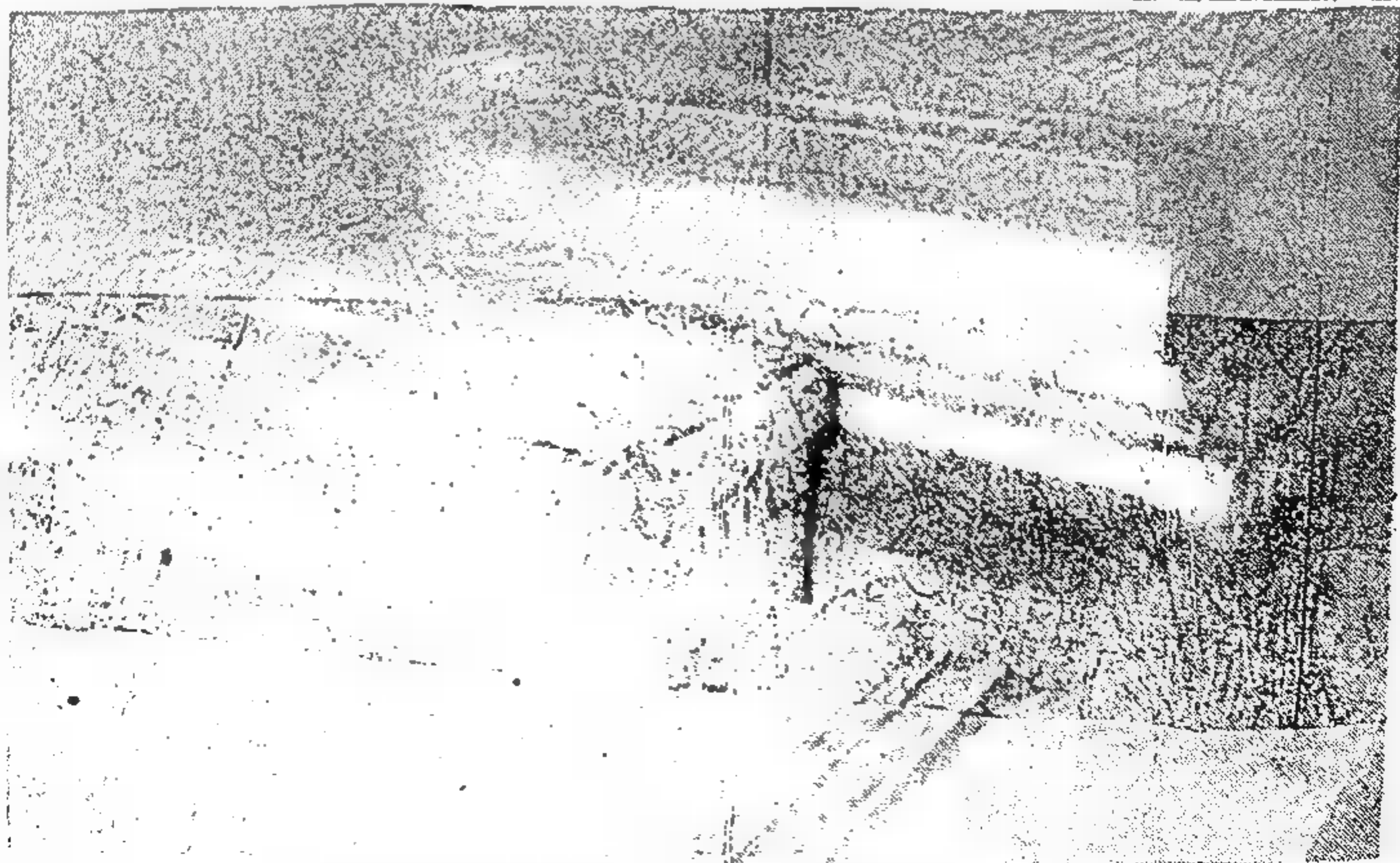
ہمایوں کے مقبرہ میں اورنگزیب کے تین لڑکوں کی قبریں

ہمایوں کے مقبرے میں مغل عہد کی عمارت
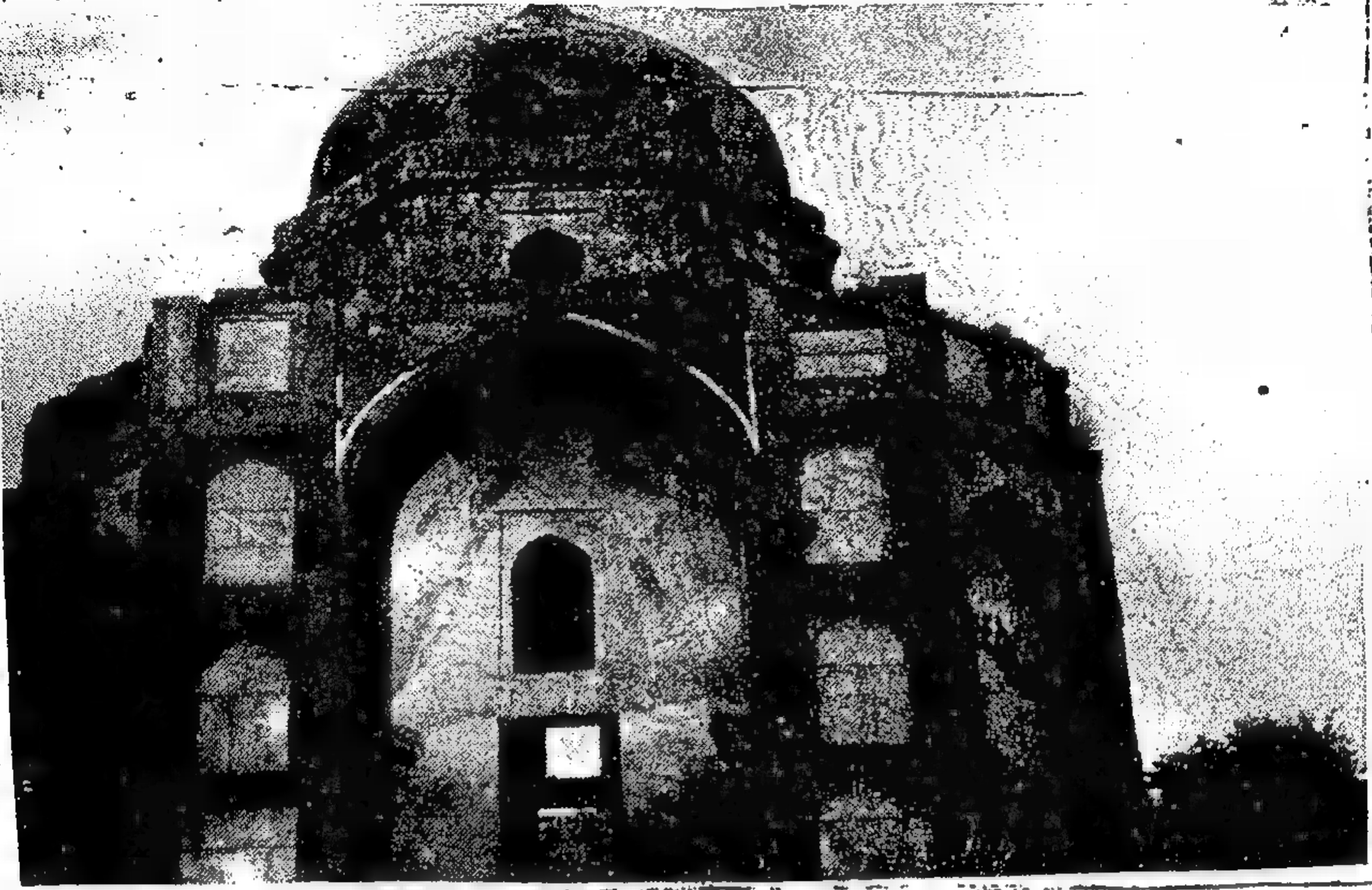
یہ عمارت ہمایوں کے مقبرہ کے شمال کی طرف ہے۔ مقبرہ کے اندر قبریں ہیں چار دروازے ہیں یہ مقبرہ سرخ اور سفید سنگ مرمر سے تعمیر کیا گیا۔ برجیاں وغیرہ گر چکی ہیں چھت۔ ہشت پہلو گنبد بھی ہے۔ مغلیہ دور کی یہ عمارت شاندار انداز میں تعمیر کی گئی ہے مقبرہ کے نزدیک کوئی کتبہ یا تحریر نہیں ہے جس سے معلوم ہو سکے کہ کسی کا مقبرہ ہے۔
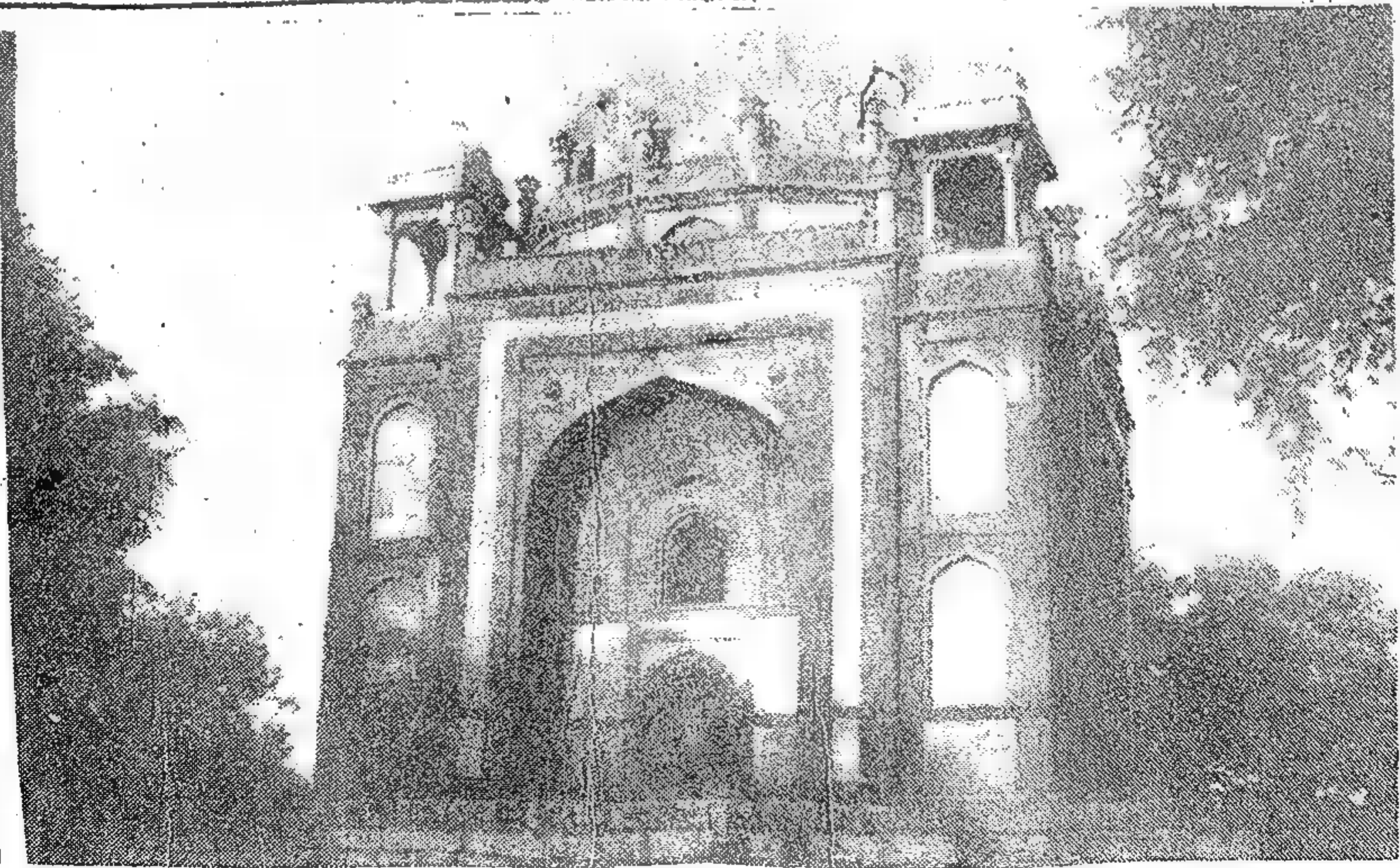
ہمایوں کے مقبرہ میں نامعلوم مغل دور کی عمارت

مسجد جنات
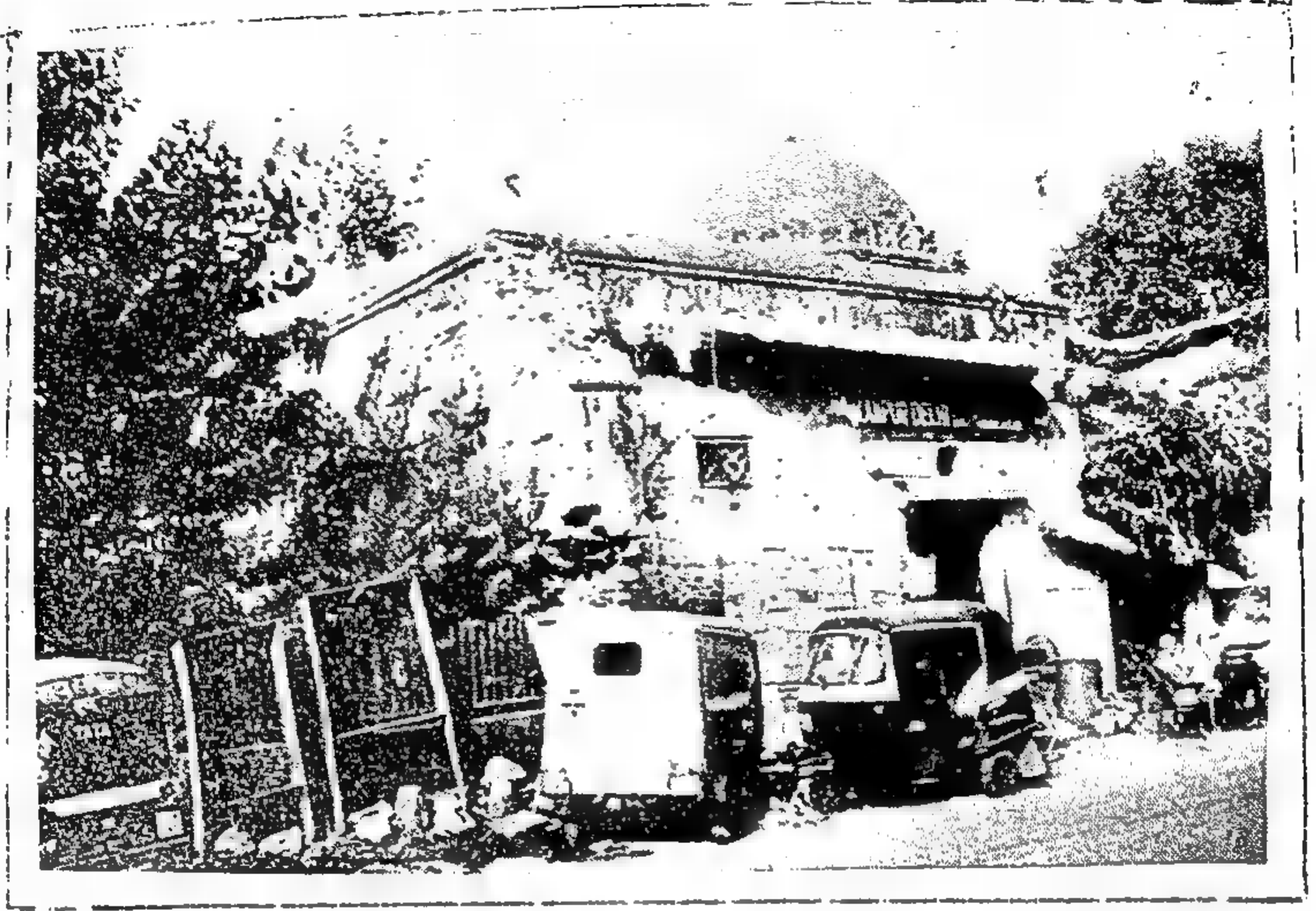
قطب روڈ پر پولیس چوکی کے قریب ایک ویران مسجد جو مسجد جنات کے نام سے مشہور ہے اس مسجد پر ایک ہندو نے قبضہ کر رکھا ہے اور آٹو رکشا ورکشاپ کھول رکھا ہے مسجد کے صحن میں سڑک گزار کر دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے مسجد کا گنبد اور مسجد کے کمرے صحیح حالت میں ہیں مسجد کے دروازے پر رکشے مرمت کے لیے کھڑے ہیں یہ مسجد چونا اور پتھر سے تعمیر کی گئی ہے۔

مہرولی پرانی دہلی میں سلاطین دور کی مسجد
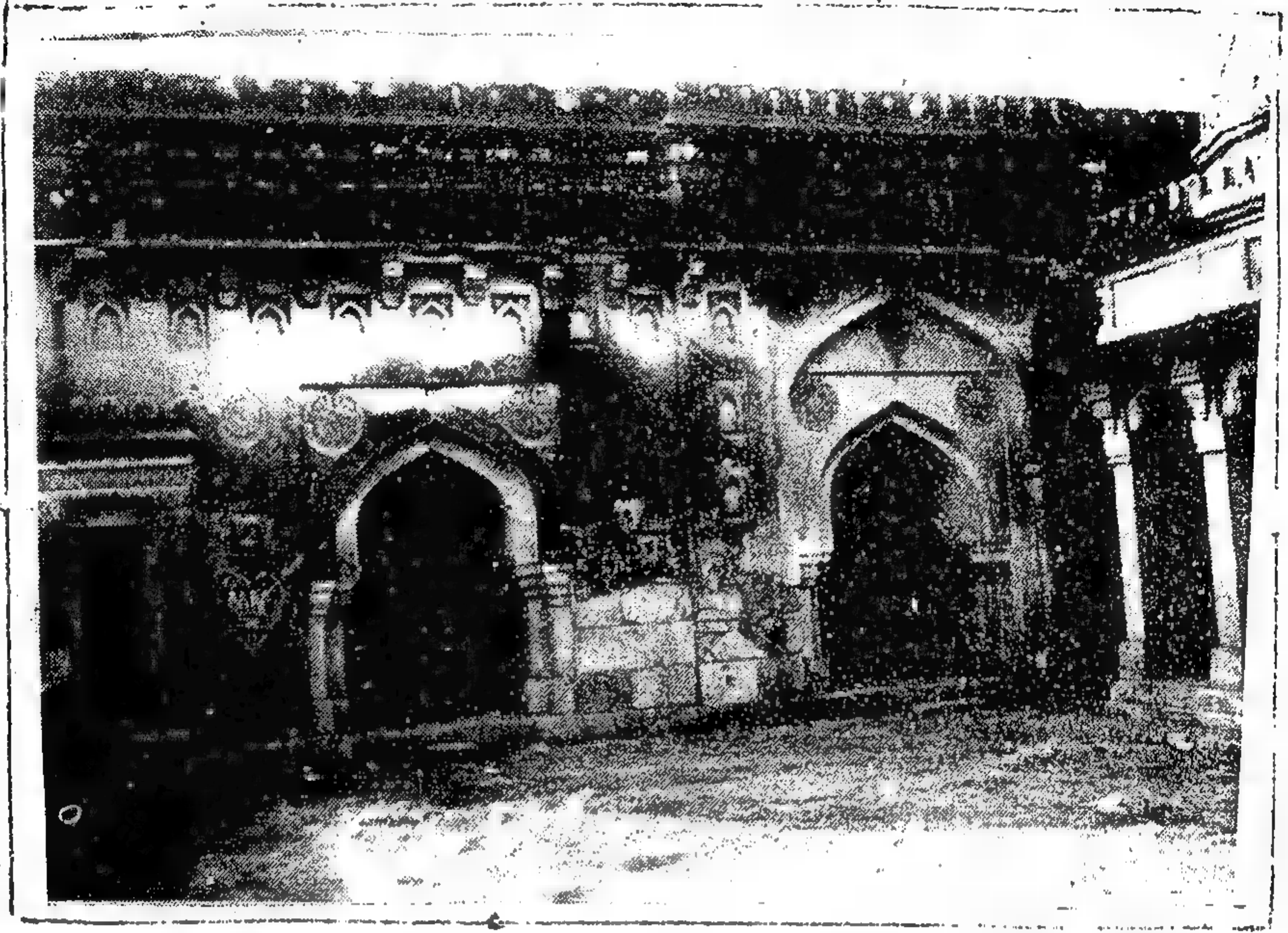
مہرولی کے کھنڈرات میں یہ مسجد راجہ کی باولی کے مغربی کنارے پر ہے مسجد سطح زمین سے کافی اونچی ہے مسجد تک پہنچنے کے لیے سیڑھیاں ہیں مسجد پتھر اور چونا سے تعمیر کی گئی ہے سنگ مرمر بھی استعمال ہوا ہے۔ مسجد کی دیواروں اور دروازوں پر قرآنی آیات اور کلمہ نمایاں طور تحریر کیا گیا ہے مسجد بہت وسیع ہے مسجد کا صحن اور دیواریں بھی ہیں صحن میں کسی نامعلوم شخص کا مقبرہ ہے جس پر عالی شان گنبد ہے یہ مسجد بالکل ویران ہے۔ چھت پر چڑھنے کے لئے سیڑھیاں بھی ہیں۔

مزار حضرت غازی محمد علاوالدین بغدادیؒ
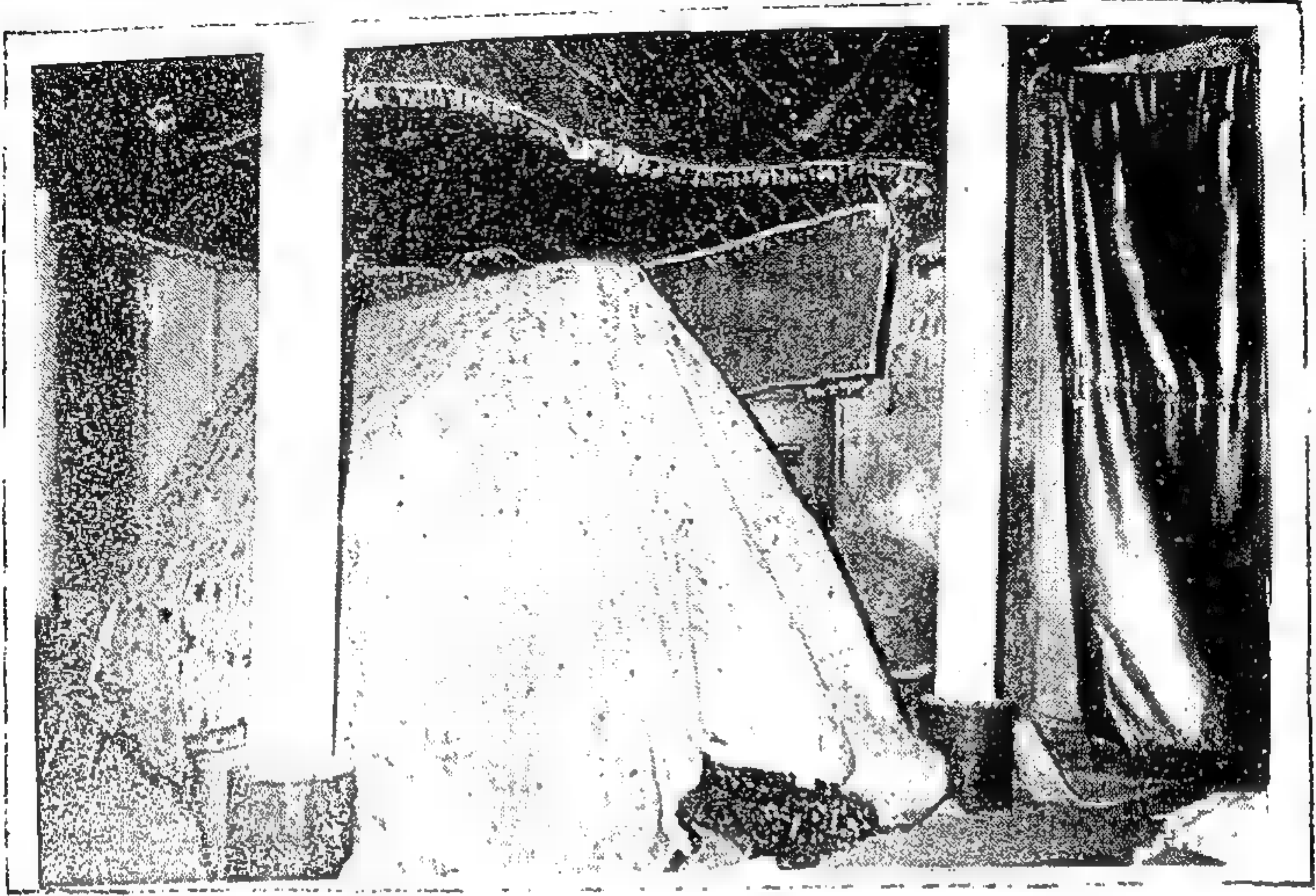
درگاہ خواجہ قطب الدین بخش مختار کاکیؒ کے احاطہ میں لاتعداد مزار ہیں جن کے بارے میں وہاں کے متولیوں سے معلومات مل گئی ہے درگاہ میں کئی متولیوں کے مکان ہیں جن کی گزراوقات زائرین کے نذرانوں سے ہوتی ہے۔ درگاہ کے قریب غازی محمد علاوالدین بغدادیؒ کا مزار ہے جس پر گنبد بھی ہے قریب چھوٹی سے مسجد ہے اس مسجد میں مسلمانوں کے بچے زیر تعلیم ہیں مزار کے متولی عبدل بابا بھی عقیدت مند ہیں۔ جب اسے معلوم ہوا کہ راقم پاکستان سے آیا ہے تو اس نے فوری طور پر چائے اور بسکٹ کا اہتمام کرایا۔ دوران گفتگو عبدل بابا نے بتایا کہ آپ قطب صاحبؒ کے خلیفہ ہو گزرے ہیں۔ متولی عبدل بابا کا قیام مزار کے اندر ہے۔ مزار حضرت غازی محمد علاوالدین بغدادی کے بیرونی دروازے کے قریب قلندر بابا المعروف پٹھان بابا کا مزار ہے۔

مقبرہ عبدالرحیم خانخاناں
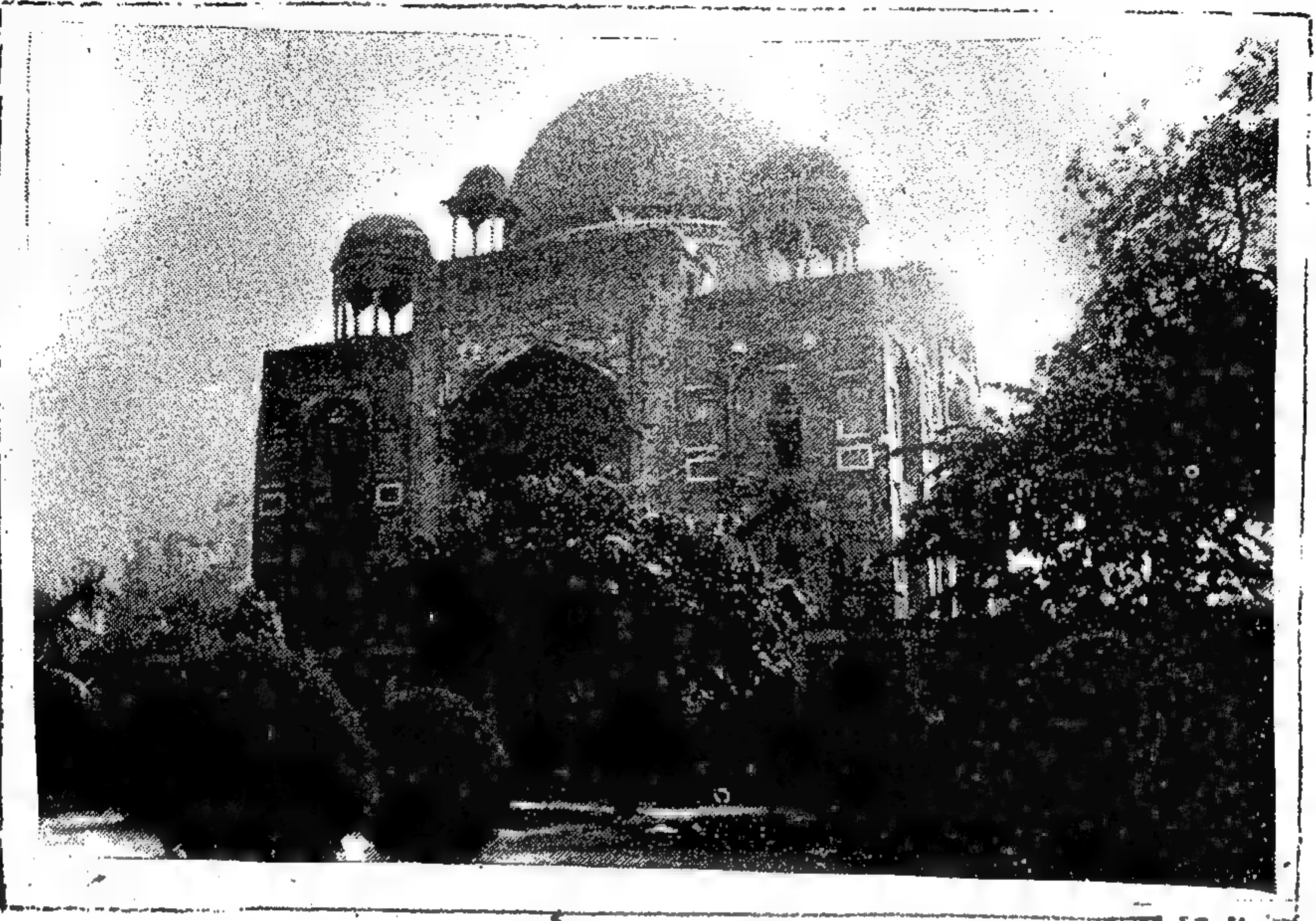
ہمایوں کے مقبرہ کے قریب سرخ پتھروں سنگ مرمر سے تعمیر ایک عالی شان عمارت دور سے دکھائی دیتی ہے یہ مقبرہ عبدالرحیم خانخاناں کا ہے جو 1626ء کو فوت ہوئے تھے یہ علاقہ نظام آباد ایسٹ کے نام سے مشہور ہے عبدالرحیم خانخاناں کا مقبرہ بلند کرسی پر ہے اس کا گنبد بڑا شاندار ہے مقبرہ کے گردونواح پارک تعمیر کیا گیا ہے اور لوہے کا جنگلہ نصب ہے عبدالرحیم خانخاناں اپنے دور کے نامور جرنیل اور عالم و فاضل شخص تھے بیرم خان کے بیٹے تھے بیرم خان کے قتل کے بعد اکبر نے اُسے بیٹوں کی طرح پالا تھا وہ ترکی زبان کا عالم تھا اس نے تزک بابری کا ترجمہ ترکی زبان سے فارسی میں کیا حضرت خواجہ باقی باللہؒ (م 1603ء) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (م 1642ء) حضرت مجدد الف ثانیؒ (م 1624ء) کے ساتھ خانخاناں کے بڑے اچھے تعلقات تھے عبدالرحیم خانخاناں نے علماء فضلا کی بہت خدمت اور شاعروں کی سرپرستی کی کئی شاعر اس کے توسط سے شاہی دربار سے فیض یاب ہوئے حضرت مجدد الف ثانی نے خانخاناں کے بیٹوں مرزا ایرج اور مرزا دراب کے ساتھ بھی تعلقات قائم رکھے ان کے نام مجدد صاحب کے کئی صفحات کے طویل مکتوبات موجود ہیں۔

پانی پت کی دوسری جنگ میں بیرم خان نے اہم رول ادا کیا۔

قدیمی مسجد کے صحن میں شاندار مقبرہ
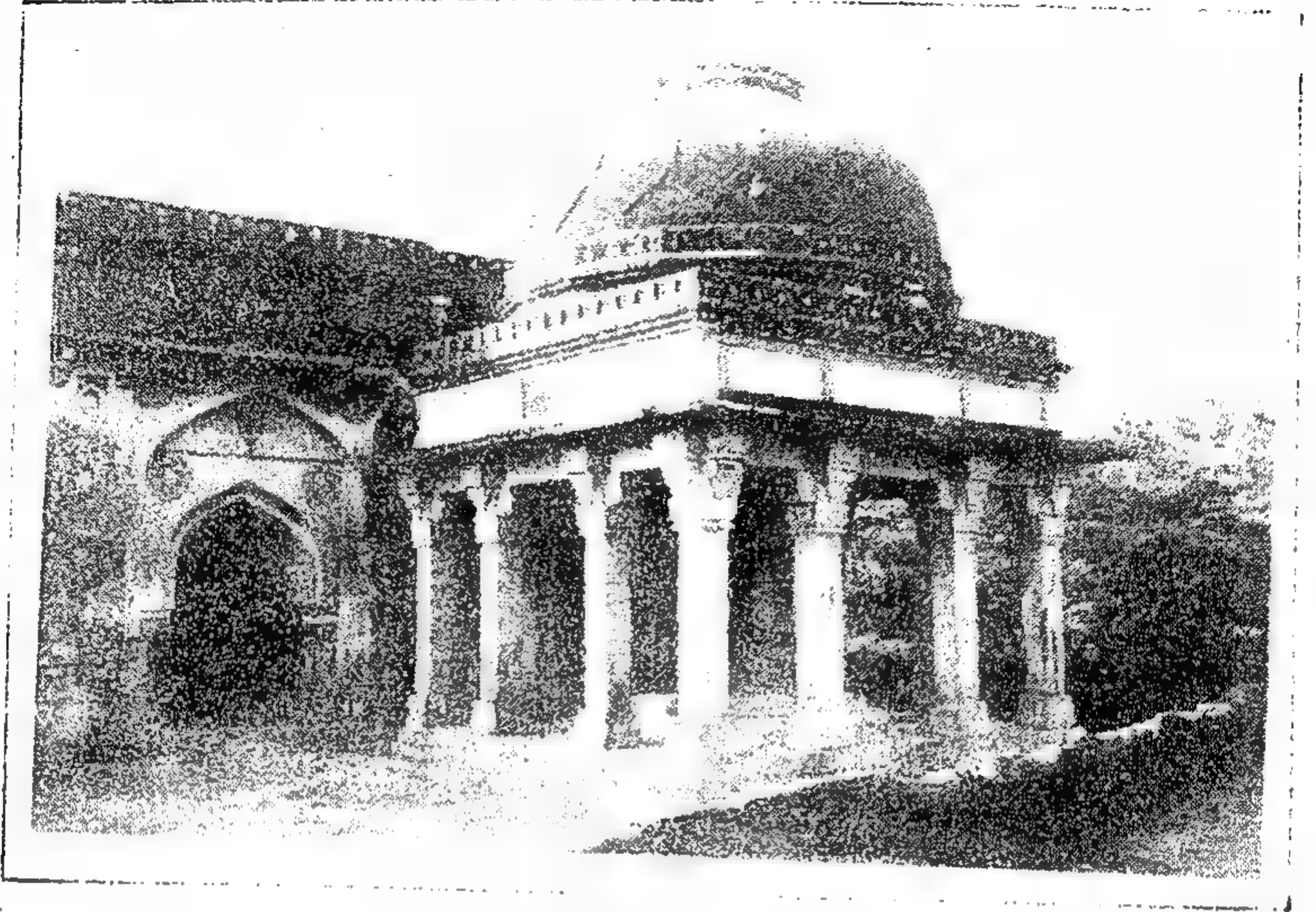
مہرولی کے جنگل میں یہ مقبرہ راجہ کی باولی کے قریب ہے یہ مقبرہ بارہ ستون پر کھڑا ہے ستون سنگ مرمر کے ہیں گنبد پر نقش نگار نمایاں ہیں دو قبریں ہیں مقبرہ کے جنوب کی طرف قدیمی مسجد ہے۔ تقریباً سات سو سال تک اس زمین نے اولیائے عظام مشائخ کرام بزرگان اسلام عائدین مشاہیر ادباء شعراء صوفیا دیگر اکابرین کو اپنے اندر سمویا۔ مسلمانوں کی تعمیر کردہ ان عمارتوں کو دیکھنے سے مسلمان کیا غیر مسلم کے دلوں پر اسلامی جاہ و جلال اور شان و شوکت کا سکہ بیٹھ جاتا ہے۔ مساجد کے مینار برج اہل اسلام کی عظمت کے پرچم ہیں جو پوری شان سے لہرا رہے ہیں۔ یہ شاندار مسجد اور مقبرہ بھی عظمت رفتہ کی ایک نشانی ہے۔

کمالی جمالی مسجد کے مزار کے قریب قدیمی عمارت

راقم نومبر 1998ء میں مہرولی کے جنگل میں قدیمی عمارتوں کو تلاش کرتے ہوئے اس قدیمی عمارت کے بارے معلومات حاصل کیں یہ قدیمی عمارت نصف کے قریب گر چکی ہے۔ دیواروں پر قرآنی آیات کلمہ مبارک تحریر ہے چار دروازے ہیں عمارت کے ارد گرد خار دار جنگلی پودے بہت زیادہ ہیں۔ اس عمارت کے قریب لاتعداد کمرے ہیں جو پتھر تراش کر تعمیر کیے ہیں۔ دہلی گورنمنٹ اور محکمہ ارکیالوجیکل سروے آف انڈیا اس قدیمی عمارت کی از سر نو تعمیر کر رہی ہے۔ کاریگر اور مزدور اس عمارت کے بارے معلومات نہ دے سکے۔ راقم کے پاس وقت کی قلت بھی رہی کچھ پیدل سفر کرنے سے کافی وقت ضائع ہو جاتا تھا۔ جنگل بیابان میں سواری کیا پیدل چلنا بھی مشکل تھا۔

مہرولی کے جنگل میں ایک شاندار مقبرہ

دہلی کی بڑی بڑی تاریخی عمارتوں میں گائیڈ مل جاتے ہیں لیکن جنگل بیابان میں راہنمائی کے لیے کوئی بھی نہ مل سکا۔ راقم کے پاس وقت کی بھی قلت رہی۔ ارکیالوجیکل سروے آف انڈیا کے دفتر سے کوئی اہل راہنمائی کے لیے نہ مل سکا۔ مہرولی کے جنگل میں یہ مقبرہ بہت خوبصورت ہے سنگ مرمر کے ساتھ ساتھ قیمتی سرخ پتھر سے مقبرہ خوبصورت اور شاندار انداز میں تعمیر کیا گیا ہے دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے گنبد کے چاروں طرف تراشے ہوئے پتھروں کے نقش و نگار اس مقبرہ کی خوبصورتی میں اضافہ کرتے ہیں۔ مقبرہ کے اندر چند قبریں ہیں جو پختہ تعمیر کی گئی ہیں۔ خاردار جنگلی پودوں نے مقبرے کو اپنی تحویل میں لے رکھا ہے اس طرح کے لاتعداد مقبرے تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر ہیں مقبرہ کی عظمت اس بات کی داعی ہے یہاں کوئی شہنشاہ یا امیر دفن ہیں۔

ذرہ ذرہ میں ہیں پوشیدہ یہاں گوہر خاص ---- دفن ہوگا نہ کہیں ایسا خزانہ ہرگز

مہرولی جنگل میں امرودوں کے باغ کے قریب مسلمان اکابرین کی آرام گاہیں
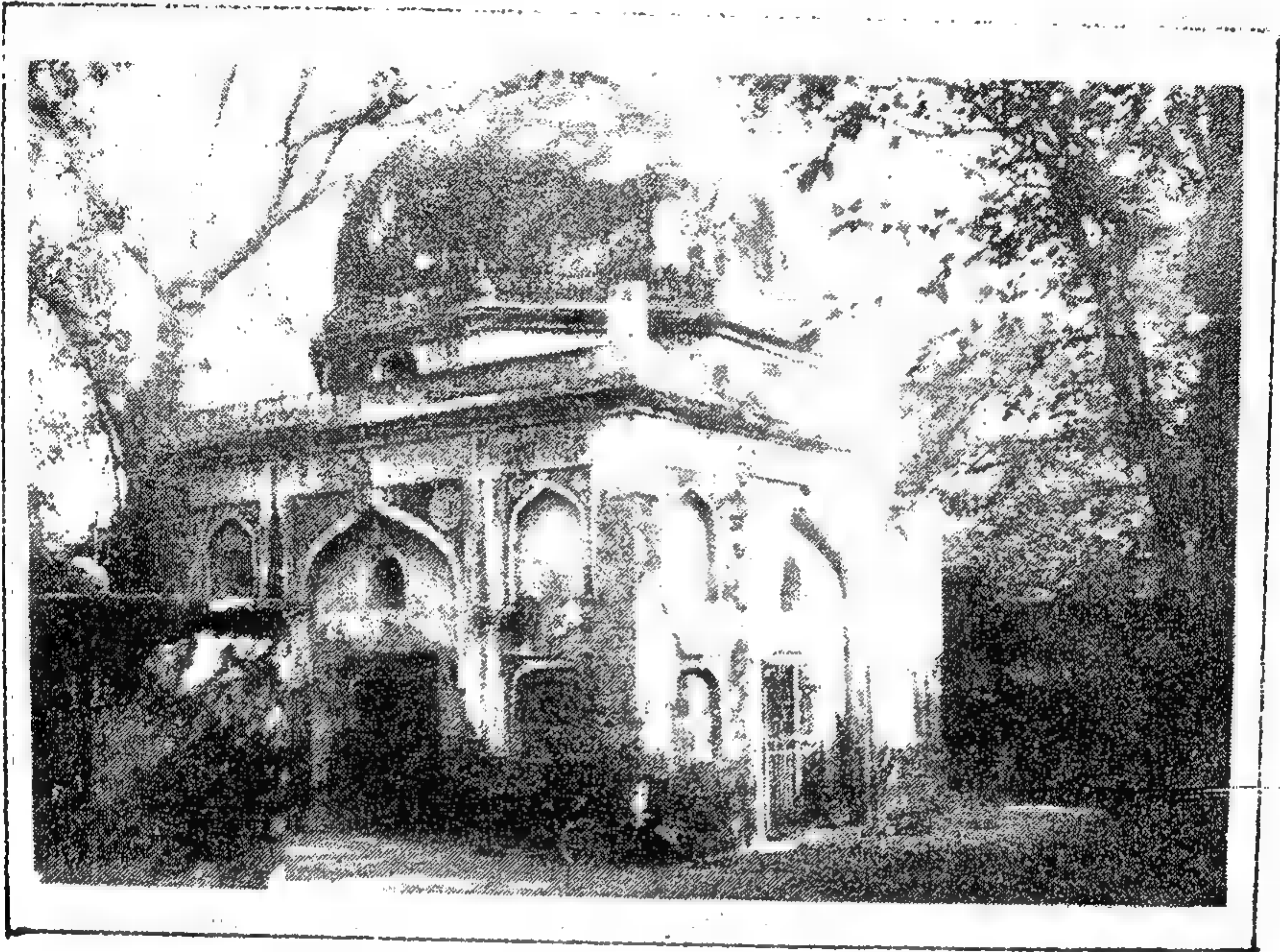
مہرولی کے جنگل میں گندہ نالہ کے نزد امرودوں کے باغ کے قریب کئی مسلمان اکابر کی آخری آرام گاہیں ہیں ان مقبروں کے چاروں طرف دروازے ہیں اور گنبد بھی ہیں یہ مقبرے چونے اور پتھر سے تعمیر کیے گئے ہے افسوس صد افسوس کہ مسلمانان دہلی سوئے ہوئے ہیں ان کے مشاہیر کی آرام گاہیں بے دردی سے مٹائی جارہی ہیں بیشتر قدیم مساجد و مقابر غیر مسلموں کی رہائش گاہیں بن چکی ہیں۔

برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر

پرانی دہلی مہرولی میں قدیمی مقبرہ
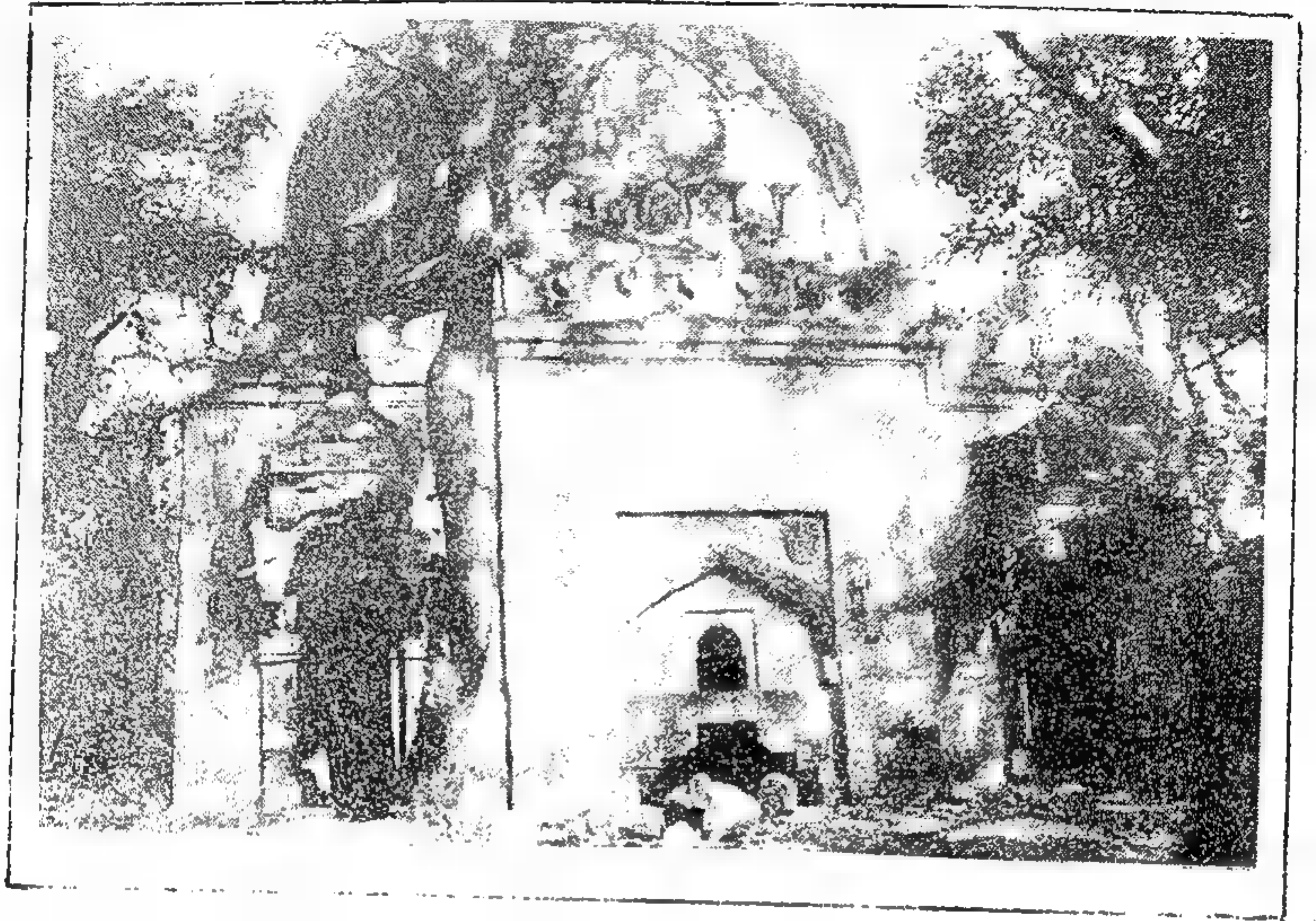
یہ مقبرہ بھی مہرولی کے جنگل میں ہے راقم خاردار جھاڑیوں تباہ شدہ عمارتوں کے سبب سے گزرتا ہوا اس مقبرہ پر پہنچا سنسان جنگل میں کوئی راہنمائی کرنے والا نہ ملا۔ بہر حال مہرولی کی قدیمی عمارتوں کو کیمرہ میں محفوظ کر لیا یہ مقبرہ بھی پتھر چونا سے تعمیر کیا گیا گنبد بھی ہے مہرولی کا جنگل دس بارہ کلو میٹر میں پھیلا ہوا ہے مہرولی کا تباہ شدہ علاقہ تاریخی معرکوں کا مخزن علم وادب کا گہوارہ ادوار گزشتہ کی سیاست کا معدن ہے اس سر زمین کے چپہ چپہ پر مقدس نامور ہستیوں اور بہادر مسلمانوں کی ہڈیاں گڑی ہوئی ہیں یہ مقبرہ بھی خستہ حالت میں ہے پتھر اور چونا سے تعمیر کیا گیا ہے۔

راجہ کی باولی کے قریب ایک مقبرہ
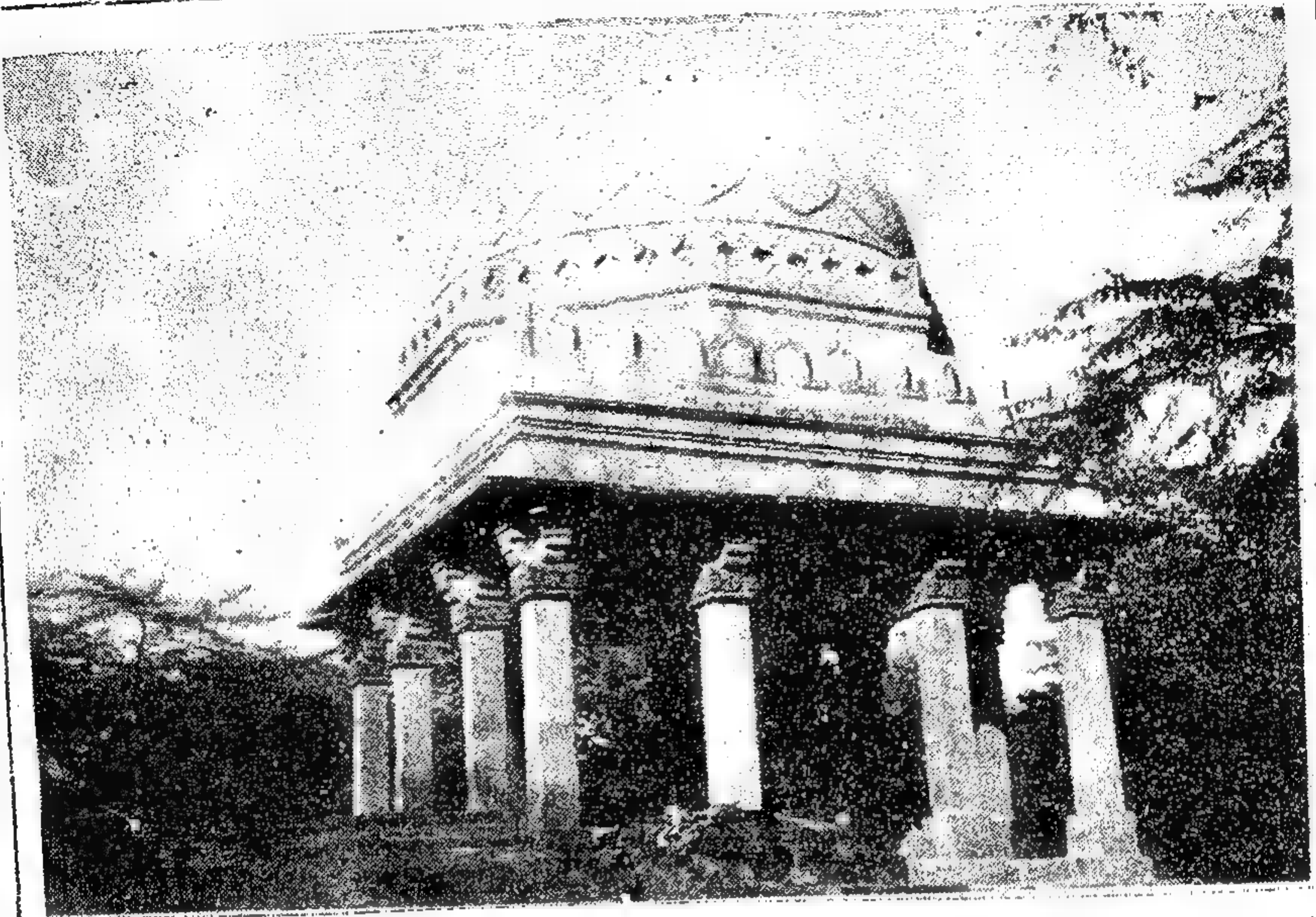
مہرولی کے جنگل میں راجہ کی باولی بہت مشہور ہے۔ اسی باولی کے شمال کی طرف ایک شاندار مقبرہ ہے قبر پر کوئی تختی نہیں جس سے معلوم ہو سکے کہ یہ کس شہزادہ یا جرنیل کی قبر ہے مقبرہ سرخ پتھر تراش کر تعمیر کیا گیا ہے۔ گنبد بھی ہے مقبرہ کی کرسی سطح زمین سے کافی اُونچی ہے اسی طرز کے چند مقبرے ایک قطار میں تعمیر شدہ ہیں مقبرہ کے گردنواح تباہ شدہ شہر کے آثار ملتے ہیں مسلمانوں کے عہد رفتہ کی یادگاروں کی حفاظت نہ کی گئی تو ان کا نام نشان مِٹ جائے گا۔

مقام دعا حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی
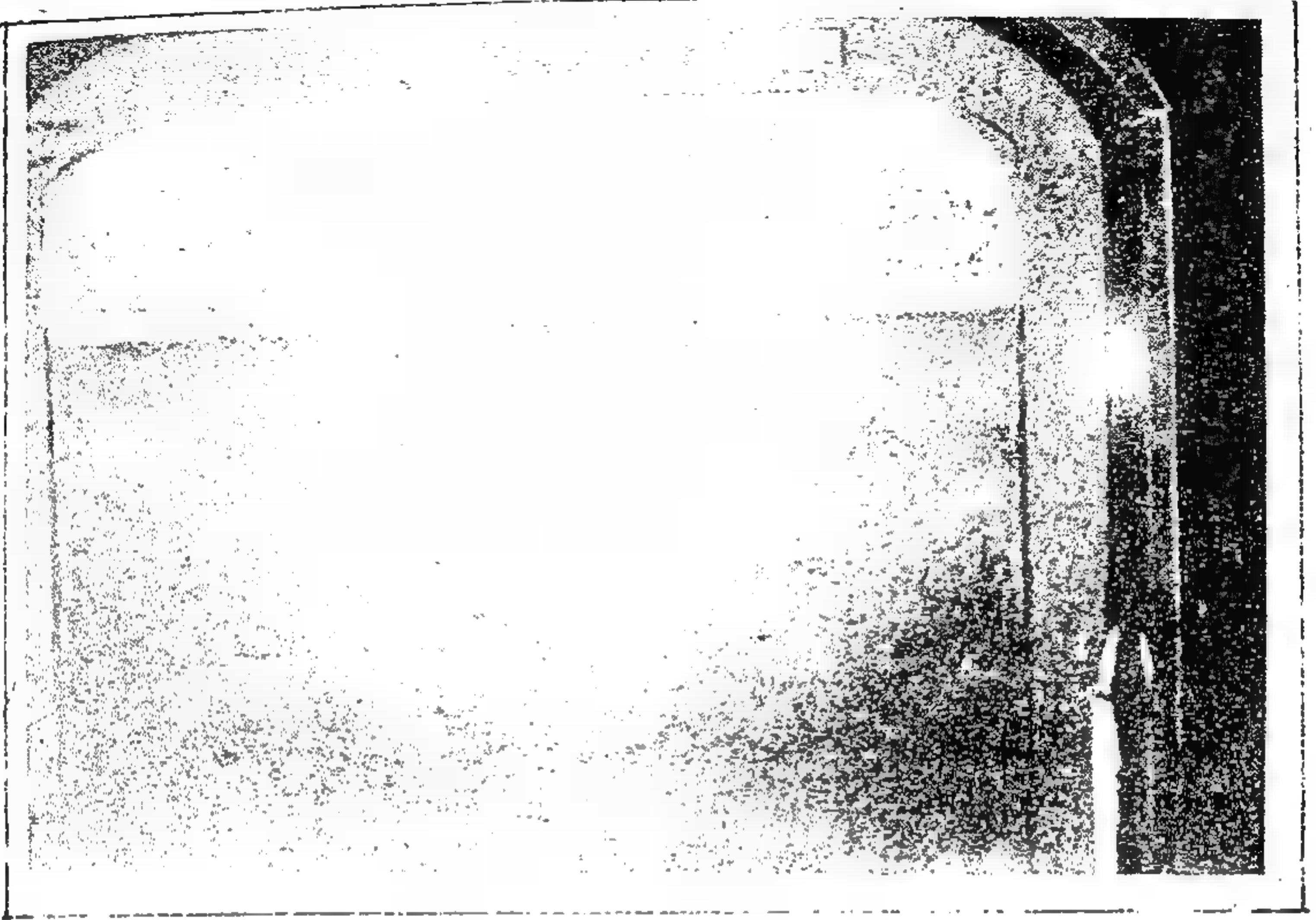
حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے آستانہ میں داخل ہوں تو بڑے دروازے کے بائیں ہاتھ دیوار میں ایک بہت بڑا پتھر نصب ہے۔ زاکرین اِس پتھر پر پھول چڑھاتے ہیں پتھر پر یہ عبارت تحریر ہے۔

مقام دعا حضرت محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء

یہ وہ تاریخی اور مبارک پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء درگاہ خواجہ قطب الاقطاب میں سلام عقیدت پیش کرتے اور فاتحہ خوانی کرتے۔

مزار حضرت خواجہ عبید اللہ المعروف خواجہ کلاں

درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ کے احاطہ میں لاتعداد مشہور شخصیات کے مزار ہیں۔ ان میں ایک مزار حضرت خواجہ باقی باللہ کے بڑے فرزند خواجہ عبید اللہ المعروف خواجہ کلاں کا مزار ہے۔ آپ کا مزار حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے مزار کے قریب جنوب کی جانب ہے مزار پر آپ کے نام کی تختی نصب ہے اسی احاطہ میں خواجہ سرکار کی والدہ محترمہ اور چھوٹے بیٹے خواجہ عبداللہ المعروف خواجہ خورد کا بھی مزار ہے۔ آپ کی عمر چھوٹی تھی کہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کا وصال ہوا۔ آپ کی تربیت آپ کے وفادار مرید خواجہ حسام الدین 1633ء نے کی۔ خواجہ حسام الدین ابو الفضل اور فیضی کے بہنوئی تھے وہ شاہی منصب ترک کر کے خواجہ سرکار کے قدموں میں آپڑے خواجہ خورد اپنے عہد کے بہت بڑے عالم تھے ان کی علمیت کی اس سے بڑی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ شاہ ولی اللہ دہولی کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم آپ کے شاگرد تھے۔ ان کے علاوہ اس قبرستان میں کئی اولیاء اللہ کے مزار ہیں مزار کے چاروں طرف چاردیوار تعمیر کر دی گئی ہے تاکہ قبرستان کی بے حرمتی نہ ہو۔ سفر ہند از پروفیسر محمد اسلم کے مطابق حضرت خواجہ عبید اللہؒ نے ایک بلند پایہ کتاب مبلغ الرجال کے عنوان سے ایک تحریر کی ہے مغل شہنشاہ اکبر اس کے ساتھی اسی گمراہ فرقے کے عقائد اپنا کر صراطِ مستقیم سے ہٹے تھے مبلغ الرجال کا نسخہ لندن اور دوسرا علی گڑھ میں محفوظ ہے حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی اولاد دہلی کے علاوہ کراچی میں مقیم ہے اپنے نام کے بعد بقائی لکھتے ہیں اسی قبرستان میں مشہور ادیب ناول نگار ڈپٹی نزیر احمد دفن ہیں جنہوں نے فروغ اردو اور تعلیم کے لیے سر سید احمد خان کا بھرپور ساتھ دیا تھا راقم نے نومبر 1999ء کو حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے حضور دوسری بار حاضری دی اور اس قبرستان میں دیگر اولیاء کرام کے مزارات کے بارے میں معلومات حاصل کیں اس احاطہ میں ایک عالیشان خوبصورت جامع مسجد بھی ہے۔ پانچ وقت نماز ہوتی ہے جمعہ کے روز بہت زیادہ نمازی ہوتے ہیں۔

درگاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے احاطہ میں تین قدیمی مساجد

درگاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے احاطہ میں ایک بڑی اور دو قدیمی مساجد ہیں۔بائیں طرف والی مسجد سنگ مرمر سے تعمیر کی گئی ہے چھوٹا سا صحن بھی ہے اس مسجد کے جنوب کی طرف ایک اور مسجد ہے یہ مسجد سرخ پتھر سے تعمیر شدہ ہے ہندوستان کے حکمران قطب صاحبؒ سے عقیدت رکھتے ہوئے درگاہوں کے اندر مساجد تعمیر کرتے رہے۔ بڑی مسجد حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے تعمیر کروائی۔اس احاطہ میں ۹۵۸ھ میں اسلام شاہ سور اور ۱۷۱۷ء میں مغل بادشاہ فرخ سیر نے اضافہ کیا۔دہلی کا کوئی کونہ ایسا نہیں جہاں مسجد نہ ہو بالخصوص قدیمی مقام اور درگاہوں کے اندر مساجد ہیں اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہوتی ہیں آپ دونوں مساجد کے شمال کی طرف بھی ایک مسجد جھنجر والی ہے۔ جو نواب جھنجر نے تعمیر کروائی تھی اس احاطے میں نواب جھنجر کے مقبرے کے علاوہ چند اور قبریں ہیں۔ مسجد سنگ مرمر سے تعمیر کی گئی ہے۔

قطب مینار کے احاطہ میں قدیمی مسجد

قطب مینار دہلی کے احاطہ میں داخل ہوں تو دائیں طرف ایک چھوٹی سی قدیمی مسجد ہے مسجد کے صحن میں ایک کنواں ہے چند عورتیں کنواں سے پانی نکال کر قطب مینار کی سیر کرنے والوں کو پیش کرتی ہیں۔ جس کے عوض حسبِ توفیق ان کو چھوٹی مالیت کا سکہ دیا جاتا ہے۔ یہ مسجد بھی عہدِ سلاطین کی تعمیر کردہ ہے۔ دو چھوٹے گنبد درمیان والا بڑا گنبد ہے۔ مسجد سرخ پتھروں سے تعمیر کی گئی ہے دہلی میں جتنی قدیمی مساجد ہیں ان کا ایک نقشہ اور ڈیزائن ہے یہ مسجد آباد ہے اور پانچوں وقت نماز ہوتی ہے۔ قطب مینار کے کچھ ملازمین مسلمان ہیں وہ اور زائرین بھی نماز کے وقت نماز ادا کرتے ہیں۔ مسجد صحیح حالت میں ہے۔ قطب مینار کے احاطہ میں چند اور مساجد اور کنویں بھی ہیں جو ٹوٹ پھوٹ چکے ہیں۔

حوض شمسی کے کنارے قدیمی عمارتیں اور مسجد
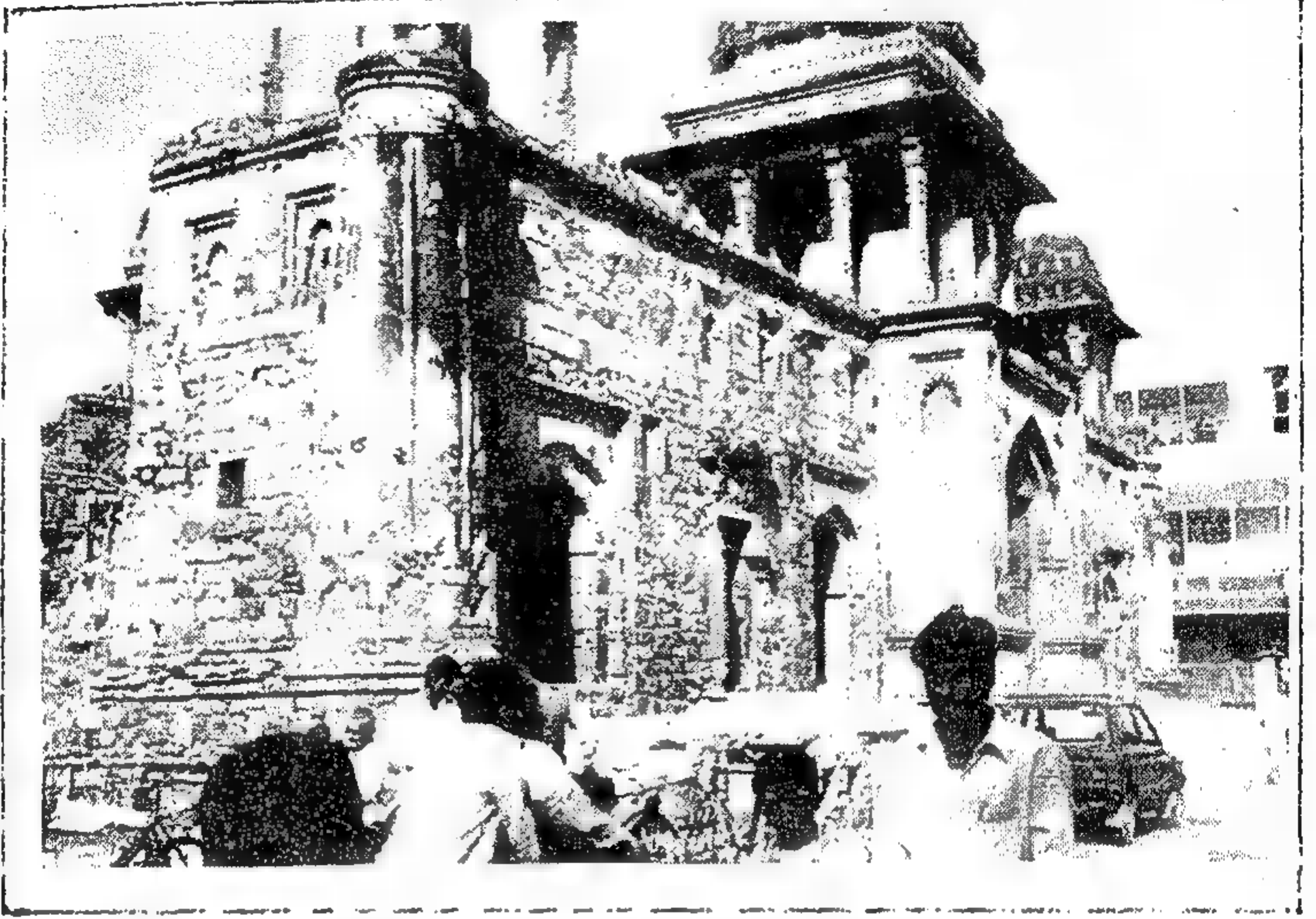
یہ عالیشان پروقار عمارت حوض شمسی کے مشرقی کنارے پر واق ہے حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ کے مزار کو جانے کے لیے راستہ یہاں سے ہی جاتا ہے۔ یہ قدیمی عمارت دو حصوں پر مشتمل ہے مغرب کی طرف مسجد ہے جبکہ مشرق کی جانب قلعہ کے رہائشی کمرے ہیں۔ تمام عمارت پتھروں کو تراش کر تعمیر کی گئی ہے چھت پر جانے کے لئے سیڑھیاں بھی ہیں۔ کسی زمانہ میں بادشاہ امراء اس کے چھت پر بیٹھ کر حوض شمسی کا نظارہ کیا کرتے تھے۔ چاروں طرف برجیاں ہیں جو سرخ پتھروں سے تعمیر کی گئی ہیں چاروں طرف مینار بھی ہیں جو پتھر سے تعمیر کیے گئے ہیں۔ مسجد کا محراب بھی صحیح حالت میں ہے زیر حصہ تجاوزات اور سڑک کی تعمیر کی وجہ سے نظر نہیں آتا۔

حوض شمسی کے کنارے ایک شاندار قدیمی مسجد
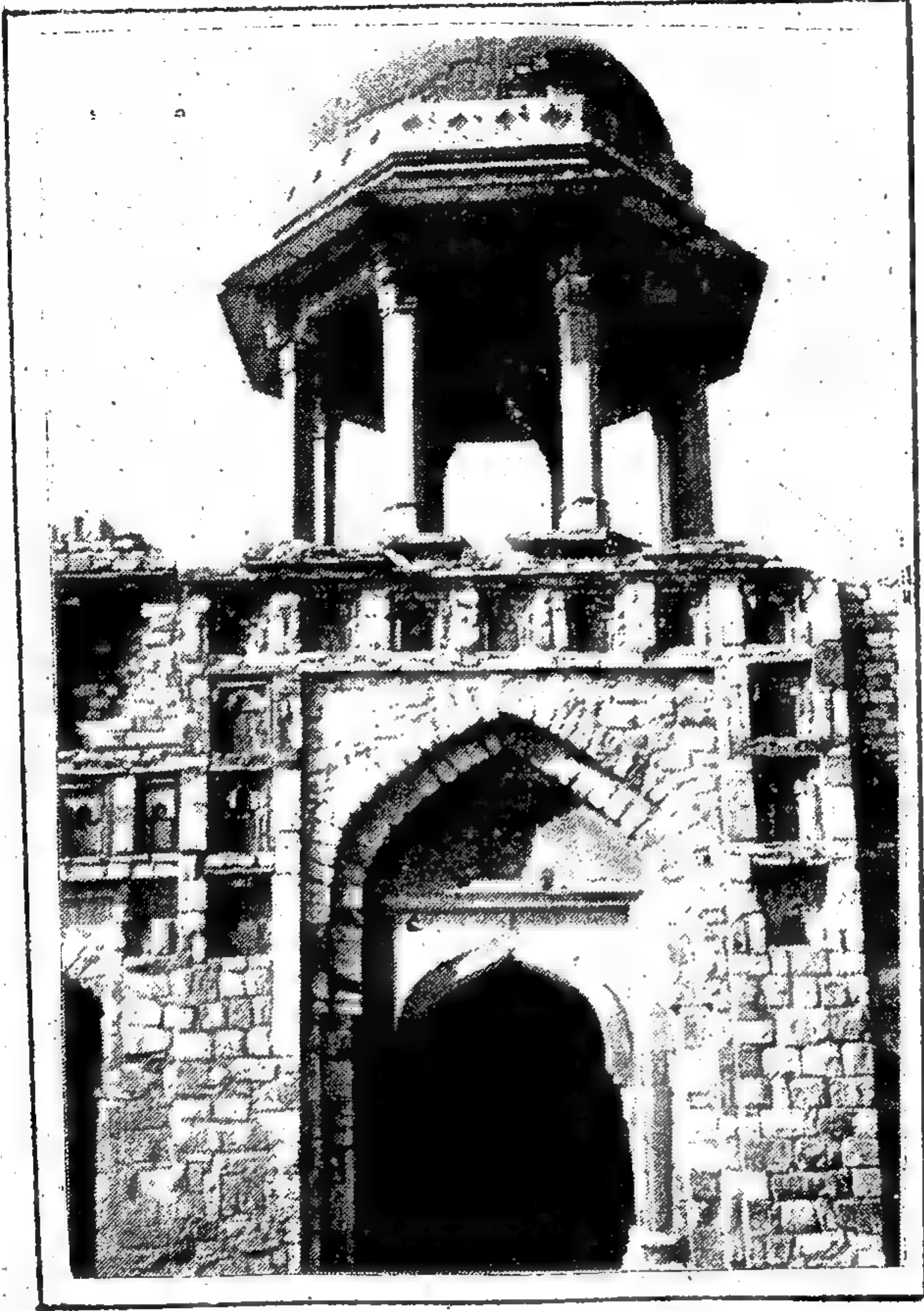
کسی زمانہ میں دہلی میں حوض شمسی ایک مقدس مقام تھا۔ یہاں چاروں طرف اولیائے کرام کے آستانے ہیں۔ اِن اولیائے کرام اور بادشاہوں نے حوض شمسی کے کنارے لاتعداد مساجد تعمیر کروائیں ہیں یہ خوبصورت مسجدیں پتھروں کو تراش کر تعمیر کی گئی ہیں۔ مسجد کا صحن کافی کشادہ ہے تین اطراف برآمدے ہیں مسجد ویران ہے اور ٹوٹ پھوٹ چکی ہے۔ لیکن بعض حصہ صحیح حالت میں ہیں۔ گردنواح زیادہ تر آبادی ہندوں کی ہے۔ جب حوض شمسی آباد تھا۔ یہ علاقہ بارونق تھا راقم دیر تک اس مسجد کی عظمت رفتہ شان شوکت کا مشاہدہ کرتا رہا۔

نیلے گنبد والی مسجد
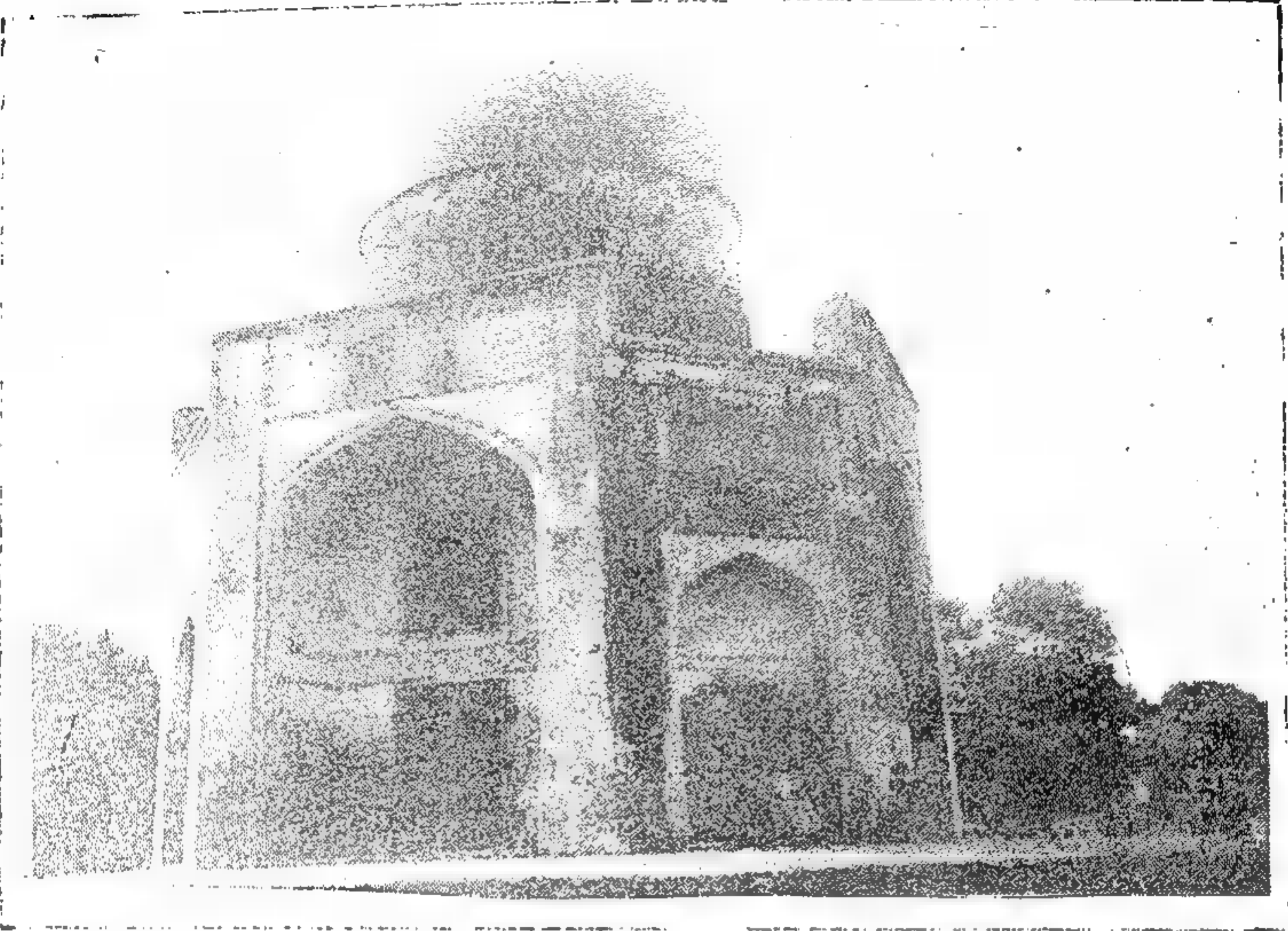
حضرت خواجہ نظام الدین اولیائےؒ کی درگاہ کے باہر نکلتے ہی ہمایوں باشاہ کے مقبرے کی طرف جائیں تو عین چوک کے وسط میں یہ نا معلوم مقبرہ ہے اپنے سامنے جس کے چار دروازے ہیں۔ یہ مقبرہ چونا پتھر سے تعمیر کیا گیا ہے۔ اس کا گنبد نیلے رنگ کا ہے گنبد کے نیچے کاشی کاری، نقش ونگار نمایاں ہیں۔ اسکی تعمیر وسط ایشاء کی ریاستوں میں تعمیر شدہ عمارتوں سے ملتی جلتی ہے اس طرح کا ایک اور مقبرہ ہمایوں کے مقبرہ کے قریب ہے تیرا پرانا قلعہ کے پاس ہے ان کے علاوہ راقم کو دہلی میں نیلے گنبد والے مقبرے دیکھنے کو نہیں ملے اس مقبرہ پر کوئی کتبہ تحریر نہیں۔ جسکی وجہ سے اسکی تاریخ معلوم نہیں ہو سکی۔

مسجد قوت اسلام کے ستون پر بتوں کے ٹوٹے ہوئے مجسمے
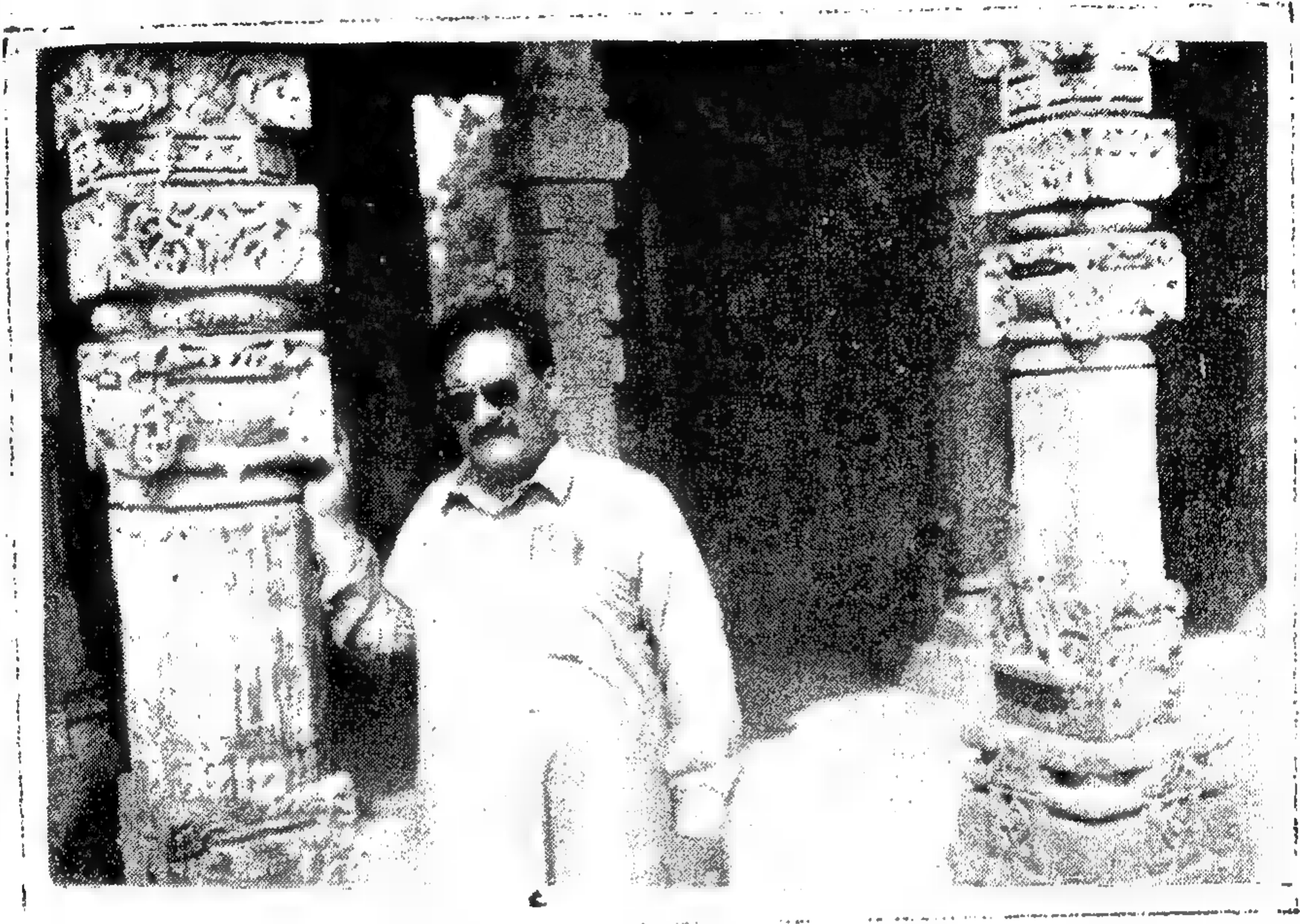
مسجد قوت اسلام کے مشرق اور شمال کی طرف تراشے ہوئے پتھروں سے بر آمد تعمیر شدہ ہیں ان بر آمدوں کی چھتیں اور ستون بھی پتھروں کے ہیں۔ جو سنگرش کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتے ہیں۔ دہلی میں اسلام کی آمد سے قبل اس کے ارد گرد ہندوؤں اور جینیوں کے مندر تھے۔ جو مسلمانوں کی فتح کے بعد ویران ہو گئے ان مندروں کے ملبہ سے ۱۱۹۹ء میں مسجد قوت اسلام تعمیر ہوئی اب بھی مسجد کے ستونوں پر ان بتوں کے ٹوٹے مجسمے صاف دکھائی دیتے ہیں۔ چھت دیواروں ستون پر پتھروں پر نقش نگار نمایاں نظر آتا ہے راقم دہلی میں ان ستونوں کے قریب سنگ تراش کے نمونے کا ملاحظہ کر رہا ہے۔

حوض خاص کے کنارے قدیمی مدرسہ
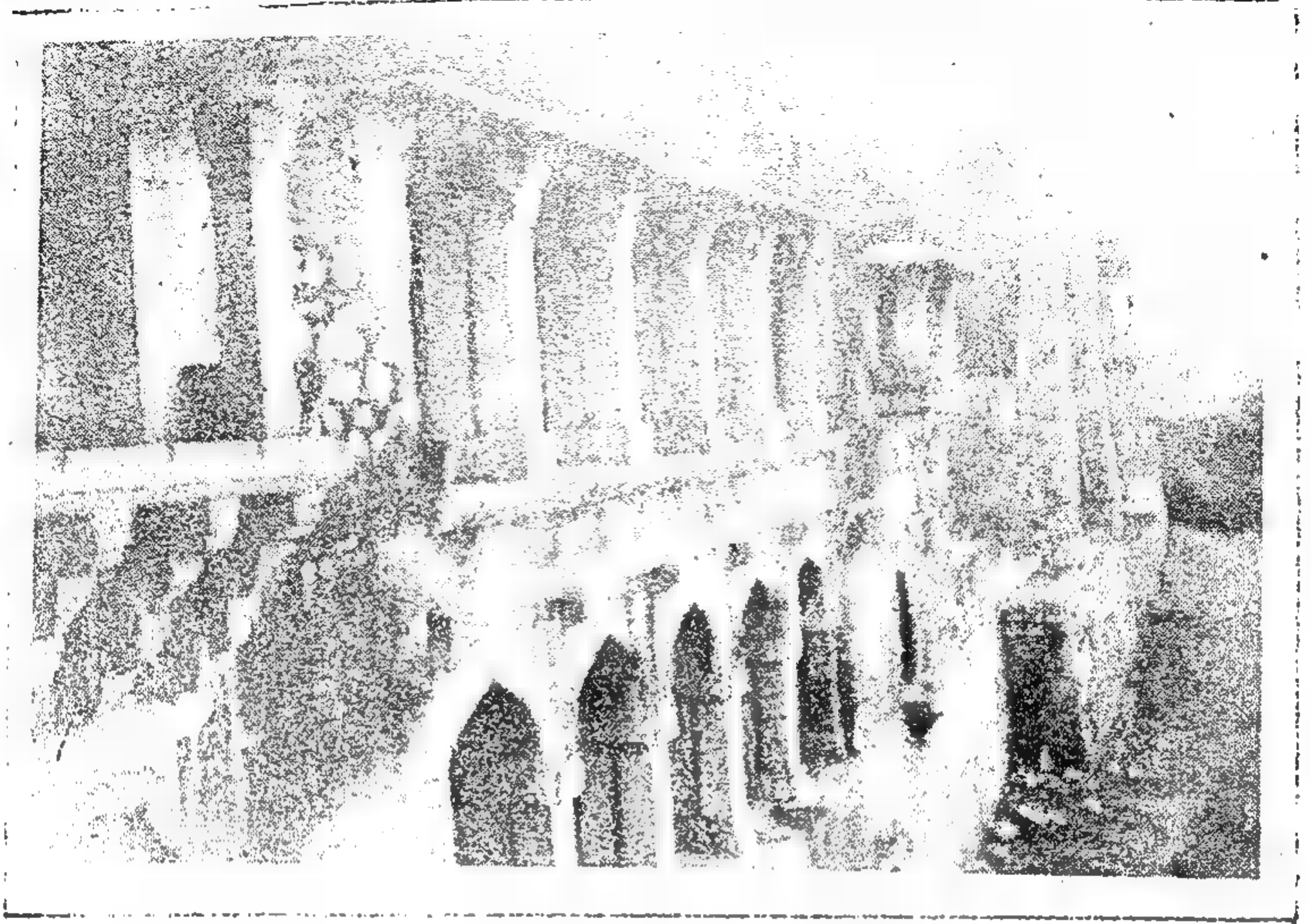
دہلی میں پانی کی کمی کے پیش نظر سلطان علاوالدین خلجی (م1316ء) نے ایک حوض بنوایا جو حوض خاص کے نام سے مشہور ہے حوض خاص کے کنارے دو منزلہ عالیشان مدرسہ ہے۔ جو کئی کمروں پر مشتمل ہے یہ مدرسہ حوض خاص کے جنوبی کنارے پر تعمیر کیا گیا ہے پوری عمارت پتھروں کو تراش کر بنائی گئی ہے۔ فیروز شاہ تغلق بادشاہ نے اپنے دور میں مدرسہ کی از سر نو مرمت کروائی تھی۔ گرمی کے موسم میں حوض کے پانی کی وجہ سے مدرسہ کے کمرے ٹھنڈے رہتے تھے۔ سلاطین دہلی کا یہ ایک عظیم شاہکار ہے۔

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ مقام عبادت
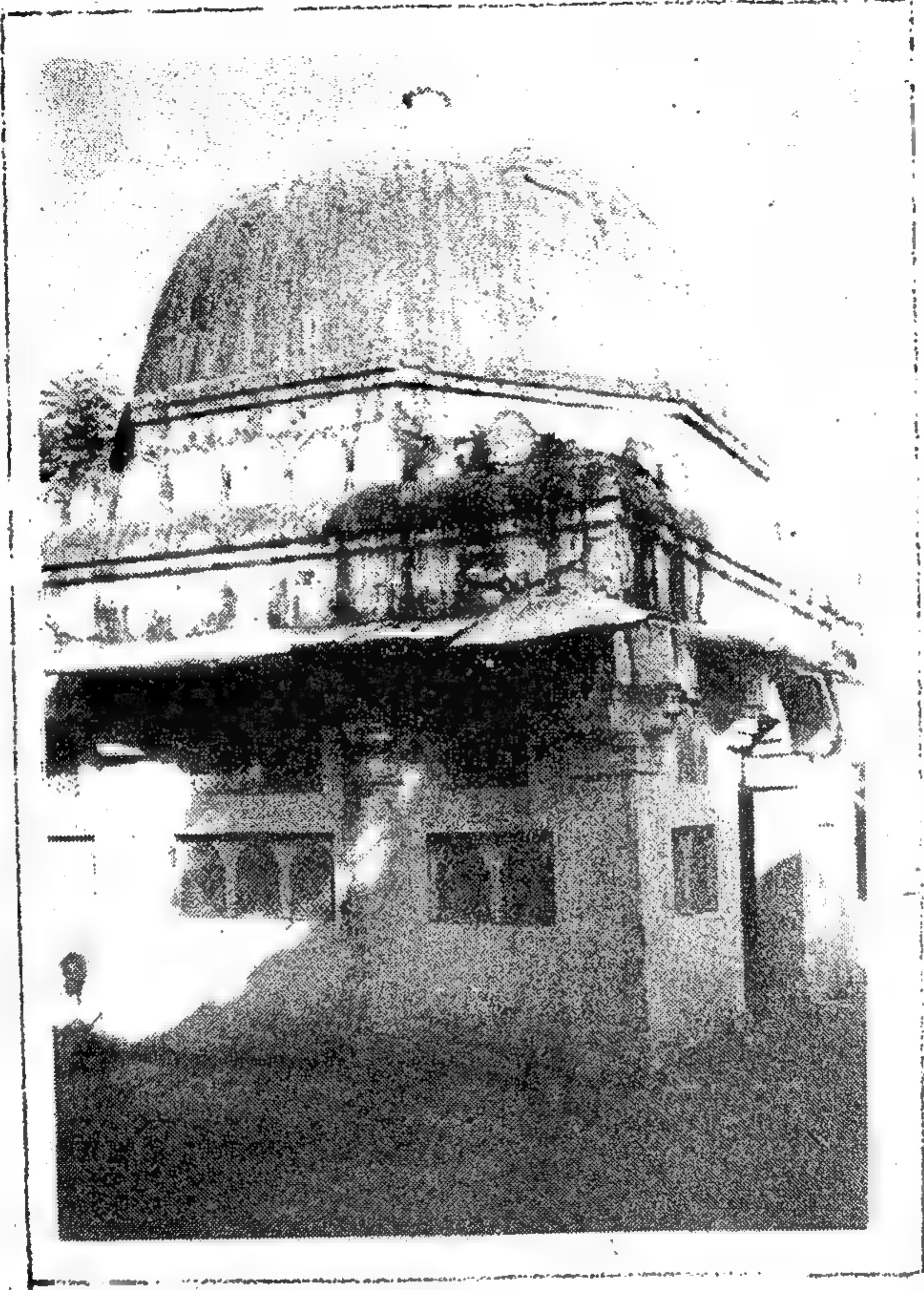
حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے مزار کے صحن میں ایک چھوٹا سے کمرہ ہے جس کے اندر قیمتی لکڑی کا ایک تخت پوش پڑا ہوا ہے۔ آپ اس تخت پوش پر نماز ادا کرتے اور عبادت کیا کرتے تھے۔ سینکڑوں سال گزرنے کے باوجود اسکی لکڑی خراب نہیں ہوئی تخت صحیح حالت میں ہے۔ اس مقدس نوادرات کے احترام کے پیش نظر ایک شاندار گنبد تعمیر کیا گیا ہے اور دروازوں پر لوہے کے جنگلے نصب کیے گئے ہیں تعمیرات پتھر اور چونے کی ہیں۔

مزار حضرت بی بی فاطمہ بنت حضرت خواجہ شیخ فرید الدین گنج شکرؒ

چوک حوض خاص کے قریب ایک مشہور علاقہ اوڑھ چنی کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں کئی اولیائے کرام کے مزار ہیں یہ احاطہ کافی وسیع ہے دو قدیمی مساجد بھی ہیں۔ یہاں حضرت بی بی فاطمہ بنت حضرت خواجہ شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کا مزار ہے۔ آپ کے مزار کے قریب ہی حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ جو بابا فرید گنج شکرؒ کے حقیقی بھائی تھے کا مزار ہے۔ حضرت بی بی فاطمہ کا مزار پختہ تعمیر ہے عرس مبارک حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے موقع پر ہندوستان بھر سے مسلمان خواتین پہلے دہلی کے اولیائے کرام کی درگاہوں پر حاضری دیتی ہیں ان دنوں آپ کے مزار پر خواتین کا کافی رش ہوتا ہے خواتین عقیدت سے حاضری دیتی ہیں۔

مزار مبارک حضرت بی بی زینب عرف بی بی جنت صاحبہؒ
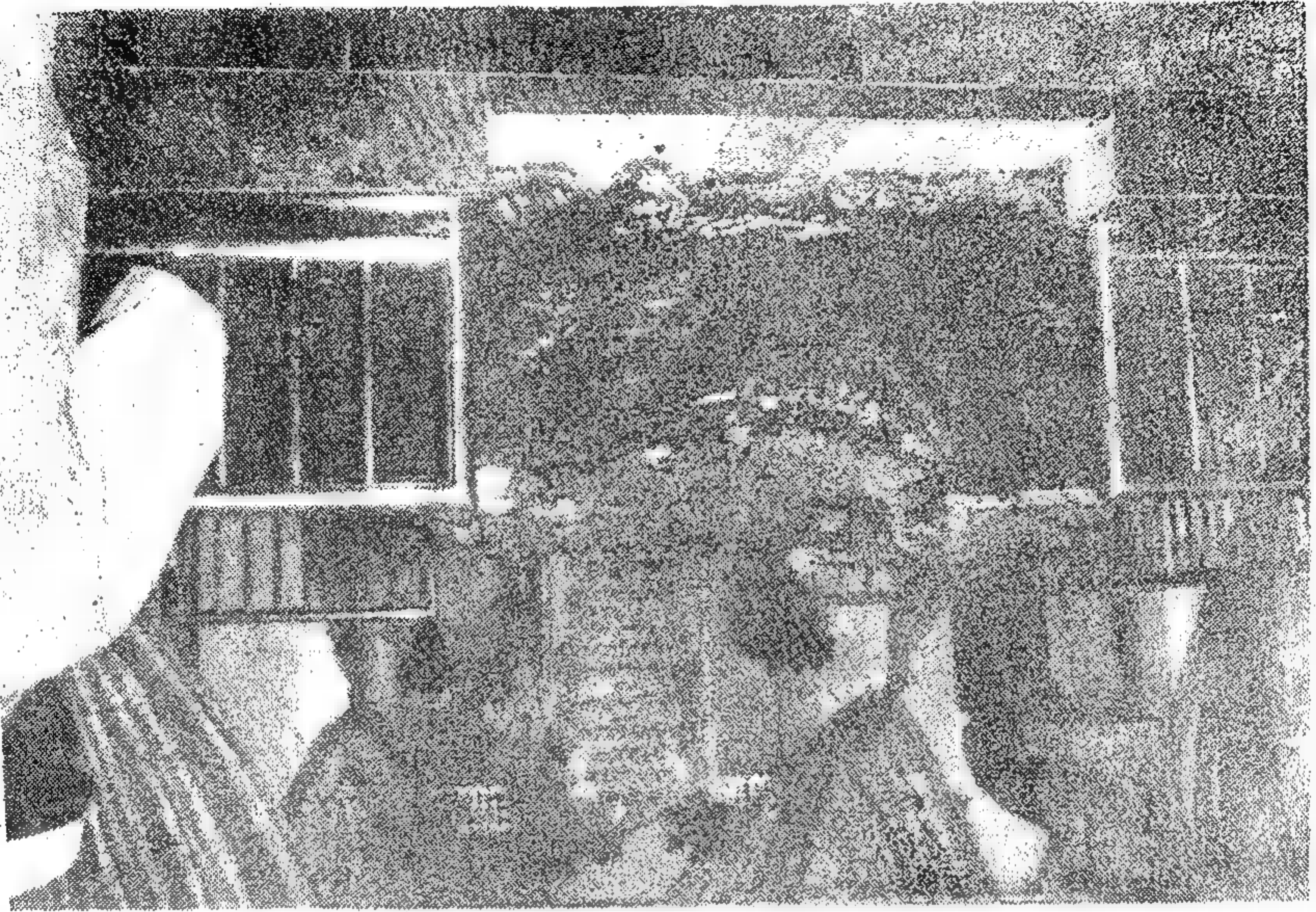
آپ کا مزار بھی مشہور بستی اوڑھ چنی میں ہے۔ ان مزارات کو درختوں نے ڈھانپ رکھا ہے اس احاطہ میں ایک عمارت تو چلہ گاہ کی ہے اس کے بالکل سامنے سلطان الشائخ حضرت خواجہ نظام الدینؒ محبوب سبحانی کی والدہ محترمہ حضرت بی بی زلیخا صاحبہ جن کی رحلت ماہ جمادی الاخر 648ھ میں ہوئی تھی کا مزار مبارک ہے آپ کے مزار کے قریب ہی محترمہ بی بی جنت صاحبہ کا مزار ہے جو حضرت خواجہ نظام الدینؒ کی ہمشیرہ تھیں۔ تیسرا مزار اُن کی بیٹی بی بی زینب صاحبہ کا ہے چلہ گاہ کے عقب میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی دو بیٹیوں جن کے نام بی بی حور صاحبہ اور بی بی نور صاحبہ کے مزار ہیں قریب عالی شان مسجد بھی ہے۔

پیر پٹھان کا مزار
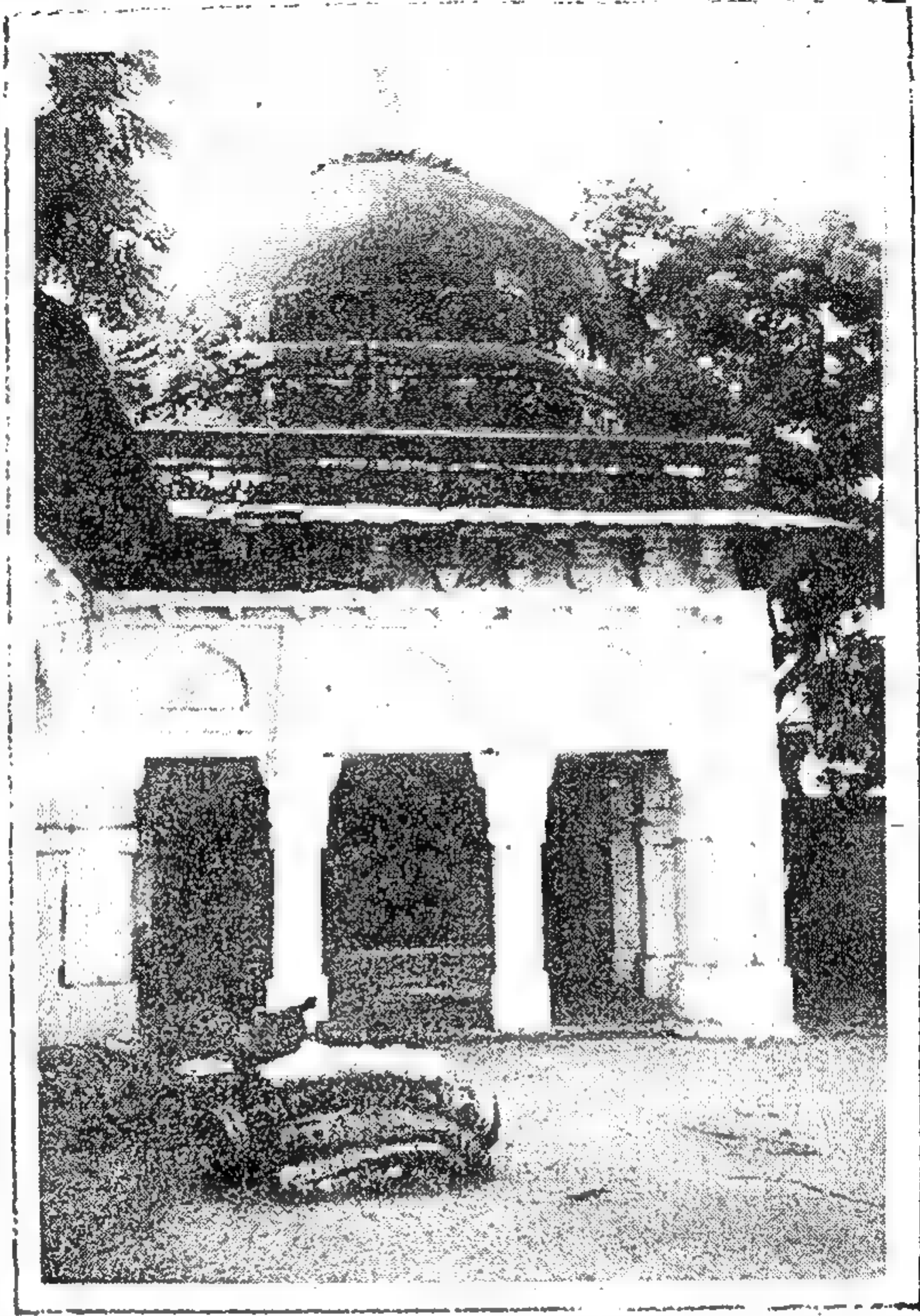
درگاہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے صحن میں لاتعداد اولیائے کرام اور بزرگان دین کے مزارات ہیں۔ ان میں ایک مزار جو پیر پٹھان کے نام سے مشہور ہے۔ مزار پر عالیشان گنبد ہے۔ مزار پتھروں سے تعمیر کیا گیا ہے۔ طرز تعمیر سلاطین دور کی ہے مزار کے ملحقہ ایک برآمدہ بھی ہے۔ اس درگاہ میں اسی طرز کے چند مزار اور بھی ہیں۔

موٹھ کی مسجد
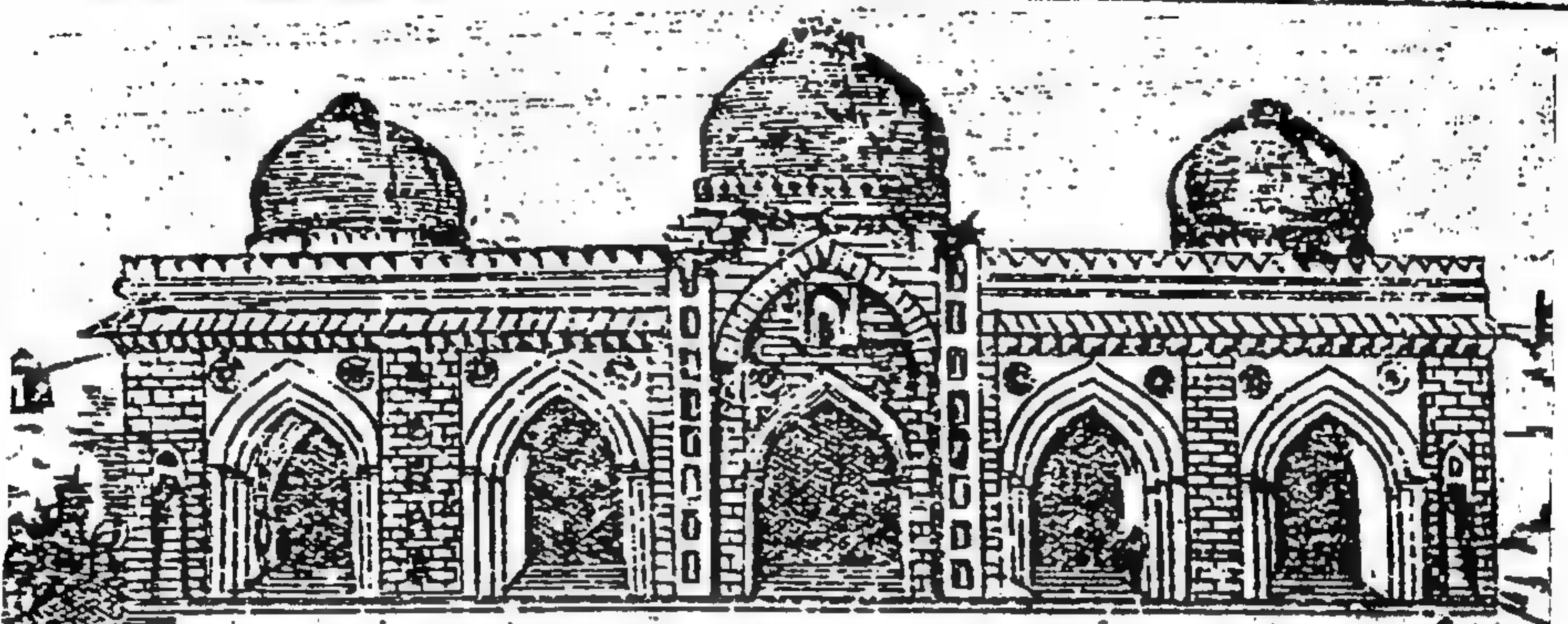
نقشۂ مسجد موٹھ

اسی علاقہ میں یہ مسجد مقبرہ مبارک شاہ کے قریب ہی واقع ہے۔ سلطان سکندر شاہ لودھی ثانی کے عہد میں ۸۹۴ھ میں یہ مسجد بنائی گئی تھی۔ روایت یہ ہے کہ کسی شخص کو راستہ چلتے ایک دانہ موٹھ ملا اس نے یہ دانہ بو دیا۔ پھر کرتے کرتے ایک دانہ سے فصل بنتی اور بڑھتی گئی۔ حتی کہ کافی رقم جمع ہو گئی اور اس سے مسجد کی تعمیر کی گئی اور نام موٹھ مسجد رکھا گیا، مسجد کی عمارت ٹوٹ پھوٹ چکی ہے۔ مسجد میں سنگ مرمر کے پتھروں پر قرآنی آیات کندہ ہیں یہ مسجد اور کنواں سلطان سکندر بن سلطان بہلول لودھی نے 896ھ مطابق 1488ء میں تعمیر کروائے۔

قبرستان مہندیاں
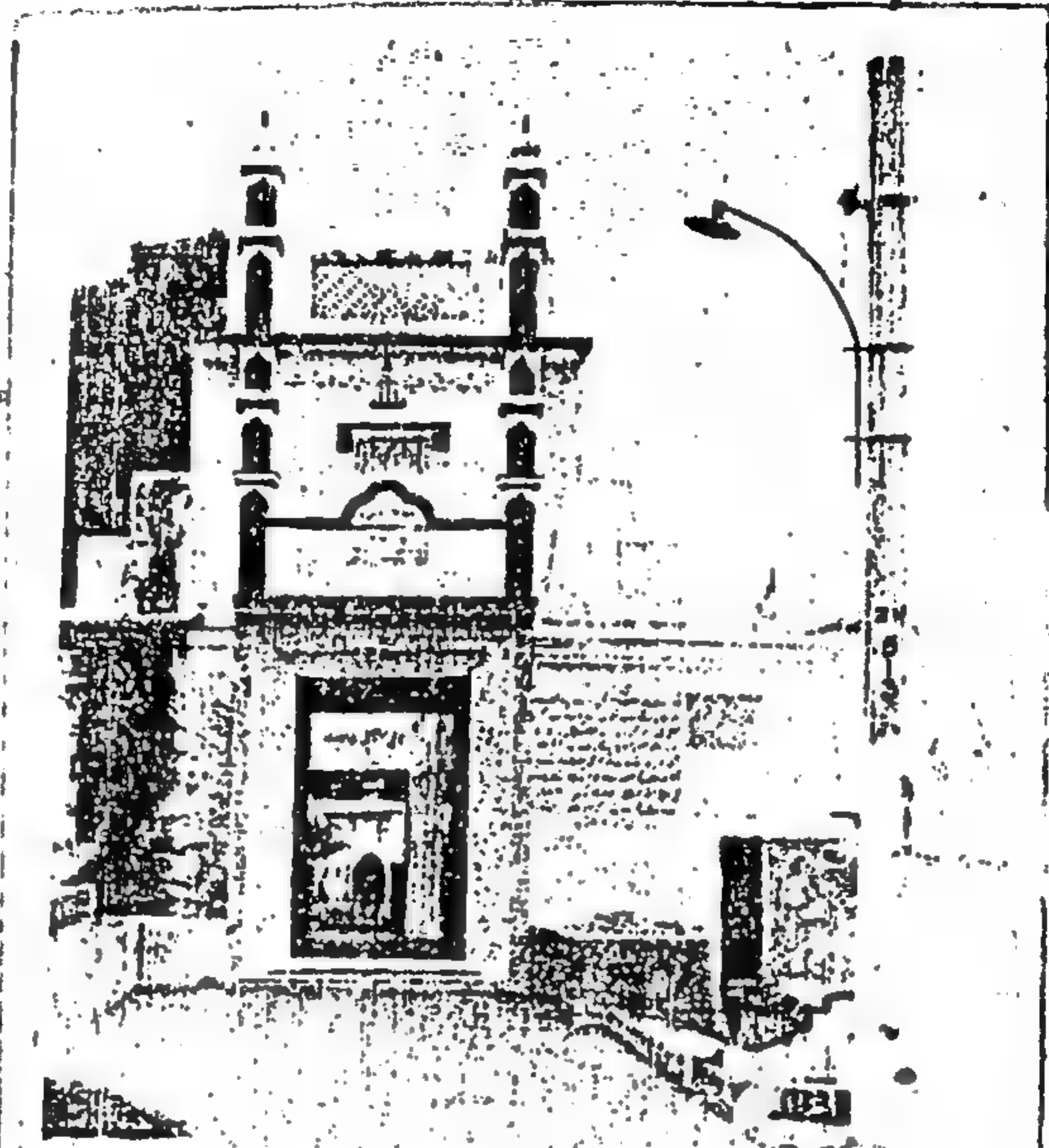
قبرستان مہندیاں کا صدر دروازہ ۔ سامنے شاہ ولی اللہ محدث کی لوح مزار نظر آرہی ہے۔

یہ خطہ پاک مولانا آزاد میڈیکل کالج کے قریب واقع ہے اس قبرستان میں شاہ ولی اللہ کے تمام اہل خاندان مدفون ہیں۔ شاہ عبدالغنی کے علاوہ شاہ رفیع الدین کے سب بیٹے اور شاہ اسماعیل کے بڑے بیٹے مولوی محمد عمر، شاہ ولی اللہ کی والدہ، والد خود شاہ ولی اللہ اور ان کے صاحبزادگان یہیں محو خواب ہیں حضرت عبدالعزیز شکربار" کا مرقد بھی اسی احاطہ میں ہے آپ شاہ عبدالرحیم کے ننہال اجداد میں سے تھے۔ شاہ رفیع الدین دہلوی کے چھ پسر تھے مولوی مخصوص اللہ، مولوی موسیٰ، مولوی مصطفےٰ وغیرہ ان میں کسی کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی شاہ رفیع الدین کی ایک بیٹی بی بی امتہ اللہ کے دو بیٹے تھے سید ناصر الدین اور سید نصیر الدین آخرالذکر مولانا محمد اسحاق کے داماد تھے جو مولانا نصیر الدین مجاہد کے نام سے مشہور ہوئے آگے ان کی اولاد نہیں چلی سید ناصر الدین کے بیٹے سید معزالدین تھے جن کے پسر سید ظہیر الدین احمد تھے۔ قبرستان مہندیاں میں حکیم مومن خان مومن بھی آسودہ خاک ہیں۔

ہوئی۔ آپ کے والد نے آپ کو ایک مکتب میں داخل کیا۔ سات سال کی عمر میں آپ نے قرآن مجید ختم کیا۔ پھر دیگر کتب کے مطالعہ میں مشغول ہوئے۔ آپ کے والد ماجد نے آپ کی تعلیم پر کافی دھیان دیا۔ پندرہ سال کی عمر میں آپ نے علومِ ظاہری کی تکمیل کی اس سے فراغت پاکر آپ علومِ باطنی کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ کے والد ماجد آپ کو پند و نصائح فرما کر علم مجلسی اور آدابِ محفل سکھایا کرتے تھے۔ آپ کے والد بزرگوار ہی نے آپ کو تصوف کی تعلیم بھی دی۔ پندرہ سال کی عمر میں آپ اپنے والد ماجد سے بیعت ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کو کئی سلسلوں سے اجازت حاصل تھی۔ آپ نے ۱۱۴۳ھ میں حج کا فریضہ ادا کیا۔ مدینہ منورہ حاضر ہو کر فیوض و برکات سے مستفیض ہوئے۔ آپ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں بہت سے علماء اور مشائخین کی صحبت سے مستفید ہوئے۔ ان متبرک شہروں میں کچھ عرصہ قیام کر کے آپ نے احادیث کی سندیں حاصل کیں۔ آپ ۱۱۴۵ھ میں دہلی تشریف لائے اور دہلی میں اقامت گزیں ہو کر آپ نے درس و تدریس، رشد و ہدایت اور تعلیم و تلقین میں اپنی زندگی صرف کر دی۔ آپ کا وصال ۱۹۔ محرم ۱۱۷۶ھ کو ہوا۔ آپ کا مزار قبرستان مہندیاں دہلی میں ہے۔ آپ ہندوستان کی مایہ ناز شخصیت ہیں۔ آپ کی بزرگی اور عظمت سے کسی کو انکار کی جرأت نہیں ہے۔ آپ افضل ترین علماء عصر تھے۔ آپ نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں

اقوالِ زرّیں: ۔

افراد انسان میں مختلف استعداد پیدا کی گئی ہیں اور ہر شخص اپنی استعداد کے موافق کمال پیدا کرتا ہے۔ حوادث کے اسباب میں سے ایک سبب بخت بھی ہے۔ ہر زمانے میں ایک قرن ہے۔ اور ہر قرن میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی تقسیموں کا ایک علم ہے جو اہلِ قرن کو پہنچتا ہے۔ بیعت سے مرید کو امر کرنا ہے مشروعات کا اور روکنا اس کو خلافِ شرع سے اور اس کی رہنمائی کی طرف تسکین باطنی کے اور دُور کرنا بُری عادتوں کا اور حاصل کرنا صفات حمیدہ کا۔

اَوراد و وظائف:

آپ کے اَوراد و وظائف کشودِ کار کی کنجی ہیں۔ خاص خاص حسب ذیل ہیں: غنائے باطنی و ظاہری کے واسطے: آپ فرماتے ہیں کہ ہر روز گیارہ سو مرتبہ "یامُغنی" اور چالیس بار "سُورۃ مزمل" پڑھنا چاہیے اور اگر چالیس بار نہ پڑھ سکے تو گیارہ بار پڑھے۔ فاقے سے بچنے کے واسطے: آپ فرماتے ہیں کہ جو شخص سورۃ واقعہ کو ہر رات پڑھے اس کو فاقہ نہیں ہوتا۔ حاجت پُوری ہونے کے لیے: آپ فرماتے ہیں کہ اس آیت کو بارہ سو بار بارہ دن تک پڑھنا چاہیے۔ یاَ بَدِیع العجائبِ بِالخیرِ یا بَدِیع. حاکم کو مہربان کرنے کے لئے: آپ فرماتے ہیں کہ حاکم کے سامنے جس سے ڈرتا ہو جب جائے تو کہے: کٓھٰیٰعٓصٓ کُفِیتُ

حٰمٓعٓسٓقٓ حُمیتُ۔ داہنے ہاتھ کی ہر اُنگلی کو بند کرے۔ لفظ اوّل کے ہر حرف کے تلفظ کے ساتھ اور بائیں ہاتھ کی ہر اُنگلی کو قبض کرے لفظ ثانی کے ہر حرف کے نزدیک۔ پھر دونوں ہاتھوں کی اُنگلیاں بند کئے جائے، پھر دونوں کو کھول دے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

آپ کی ولادت 1159ھ میں ہوئی۔ آپ کا نام عبدالعزیز ہے۔ آپ کا تاریخی نام غلام حلیم تھا۔ آپ کی تعلیم آپ کے والد ماجد کی آغوش میں ہوئی۔ آپ نے اپنے والد سے علوم ظاہری و باطنی پڑھے۔ آپ کو اپنے والد بزرگوار کا مرید اور خلیفہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ آپ کا طریقِ سلوک اپنے والد سے موسوم تھا۔ اس طریقے کو نزدیک ترین خداشناسی کا راستہ کہا جاتا ہے۔ آپ کے والد حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں ''البتہ حق سبحانہ تعالیٰ نے مجھ پر اور میرے زمانے کے لوگوں پر بہت بڑا احسان کیا۔ کیوں کہ مجھ کو وہ طریقہ سلوک عطا فرمایا جو دوسرے طریقوں سے بہت نزدیک ہے اور وہ پانچ فضیلتوں سے مرکب ہے۔ اوّل ایمانِ حقیقی۔ دوئم قربِ نوافل۔ سوم قرب وجوب۔ چہارم قربِ فرائض۔ پنجم قرب ملائک۔''

آپ کی عمر جب سولہ سال کی ہوئی آپ کے والد ماجد نے ۱۱۷۶ھ میں اس دارِ فانی سے کوچ فرمایا اور آپ اپنے والد کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گئے بظاہر آپ اپنے والد کی رہنمائی سے محروم ہو گئے لیکن باطنی طور پر آپ اپنے والد ماجد کے فیوضِ روحانی سے مستفید اور مستفیض ہوتے رہے۔ اپنے والد کی مسندِ ہدایت پر بیٹھ کر رشد و ہدایت اور تعلیم و تلقین فرمانے لگے۔ آپ ساری عمر روایت حدیث کی ہدایات میں مشغول رہے۔ درس و تدریس آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ حدیث نبویؐ کا پودا جو آپ کے والد ماجد نے ہندوستان میں لگایا تھا آپ نے اس کو پروان چڑھایا۔ آپ کے بہت سے شاگردوں کا شمار بڑے علماء و فضلاء و فقہہ و محدثین میں ہوتا ہے۔ مشہور علماء و فضلاء و محدثین کو آپ کے شاگرد ہونے کا فخر حاصل ہے۔ وہ آپ کے بھائی مولانا شاہ رفیع الدین ۔ آپ کے نواسے شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی۔ مفتی صدر الدین صاحب دہلوی۔ مولانا رشید الدین خاں دہلوی۔ حضرت شاہ غلام علی شاہ۔ آپ کے داماد مولوی عبدالحیٔ۔ آپ کے حقیقی بھتیجے مولوی محمد اسمٰعیل شہید۔ مولانا میر محبوب علی دہلوی اور مولانا حسن علی لکھنوی ہیں۔ آپ بیمار ہوئے اور کافی کمزور ہو گئے آپ ہفتہ میں دوبار وعظ فرماتے تھے۔ اس بیماری میں جب آپ کے وعظ کا دن آیا۔ آپ کی ہدایت کے مطابق دو آدمی آپ کو پکڑے رہے۔ اور جب وعظ آپ نے شروع کر دیا وہ دونوں آدمی الگ ہو گئے۔ آپ نے وصیت فرمائی کہ: ''میرا کفن مثل میری زندگی کے پوشش کے ہو۔'' نماز جنازہ کے متعلق آپ نے وصیت فرمائی کہ شہر سے باہر

ہو۔بادشاہ کو جنازہ کے ساتھ رہنے سے منع کیا جائے۔آپ نے شوال ۱۲۳۹ھ کو عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ فرمایا۔آپ کی وصیت پر عمل کیا گیا۔ خلق کا بے حد ہجوم تھا۔ پچپن بار آپ کے جنازے کی نماز پڑھی گئی۔ آپ کا مزار پُر انوار آپ کے والد ماجد کے مزار کے قریب دہلی (مہندیاں) میں ہے۔ آپ کے مزار سے فیوض وبرکات جاری ہیں۔ آپ علوم ظاہری وباطنی میں بے نظیر تھے۔ فضل وہنر میں بے عدیل تھے۔ لطف وکرم میں بے مثال تھے۔ علم وعمل میں بے مثل تھے۔ آپ کو خاتم المفسرین اور امام المحدثین کہا جاتا ہے۔ آپ صرف ایک صاحب دل بزرگ ہی نہ تھے بلکہ آپ ایک بلند پایہ عالم تھے۔ آپ کی تصانیف اور آپ کے فتوے مشہور ہیں۔ آپ کے مکتوبات مختلف مسائل کا حل پیش کرتے ہیں۔ آپ کی تعلیمات فیض رساں ہونے کے علاوہ معمولاتِ دینی وفیوض وبرکات گوناگوں سے خالی نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ''بزرگ چار قسم کے ہوتے ہیں: اوّل سالک مجذوب کہ ابتداء زمانہ میں تو خود کوشش کی اور آخر میں کشش ہوئی۔ یہ سب سے بہترین ہیں۔ دوسرے مجذوب سالک کہ اولاً جذب سے سرفراز ہوئے پھر سلوک اختیار فرمایا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ لینے تشریف لے گئے۔ تجلی باری نصیب ہوئی۔ تیسرے سالک محض مشرف جذب نہیں ہوتے ہیں۔ چوتھے مجذوب محض کہ تجلّی باری کی وجہ سے ان کی عقل سلب ہو گئی ہے۔''

آپ نے فرمایا کہ ''پختہ عالم وہ ہے کہ جس کو چار چیزوں میں ملکہ ہو (۱) درس وتدریس (۲) مطالعہ کتب (۳) تحریر وتقریر (۴) مناظرہ۔'' آپ نے فرمایا کہ ''تلاوتِ قرآن شریف میں تہذیب اور رُوبہ قبلہ ہونا اور حروف کو بخوبی ادا کرنا اور مد وشکر کو نہ چھوڑنا اور مقامِ وقف میں ٹھہر جانا۔ یہ آدابِ ظاہری ہیں اور آدابِ باطنی یہ کہ مبتدی کو چاہیے کہ یہ تصور کرے کہ گویا روبرو خداوند عالم کے پڑھ رہا ہے۔ آپ کی بہت زیادہ کرامات ہیں یہاں صرف دو تحریر کی جارہی ہیں۔

آپ جب جمعہ کے واسطے جامع مسجد جاتے، عمامہ آنکھون تک باندھتے تھے۔ ایک شخص مسمیٰ فصیح الدین نے اس کا سبب دریافت کیا'' آپ نے اپنی ٹوپی اس کے سر پر رکھ دی۔ وہ بے ہوش ہو گیا۔ اُس نے بتایا کہ جامع مسجد میں پانچ چھ ہزار آدمیوں مین صرف سو سوا سو آدمیوں کی شکل آدمی کی تھی باقی کوئی بندر، کوئی ریچھ کوئی کسی اور جانور کی شکل میں تھا۔ آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ یہی سبب ہے کس کی طرف دیکھیں۔''

کرنل اسکز آپ سے عقیدت رکھتا تھا۔ اس کے اولاد نہیں تھی۔ اُس نے آپ سے دُعا کی درخواست کی۔ آپ نے اُس کے واسطے دعا فرمائی اور یہ خوش خبری دی کہ لڑکا ہوگا۔ آپ نے اس کو ہدایت فرمائی کہ جب لڑکا ہو تو اس کا نام یوسف رکھنا۔ جب لڑکا پیدا ہوا کرنل نے اس کا نام جوزف اسکز رکھا۔ جوزف اور یوسف ایک ہی بات ہے صرف زبان کا فرق ہے۔

حضرت شاہ ابو سعید دہلویؒ

حضرت شاہ ابو سعید دہلویؒ کا نسب نامہ پدری حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ تک اس طرح پہنچتا ہے: ابو سعید بن شیخ القدر بن شیخ عزیز القدر بن شیخ محمد عیسیٰ بن شیخ سیف الدین بن شیخ محمد معصوم بن شیخ احمد سرہندی الملقب بہ مجدد الف ثانیؒ۔ آپ کے والد ماجد کا نام شیخ صفی القدر ہے۔ آپ ۲ ذی قعدہ ۱۱۹۶ھ کو مصطفیٰ آباد عرف رام پور میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام ابو سعید ہے۔ دس سال کی عمر میں آپ نے قرآن مجید حفظ کیا۔ قاری نسیم سے قرأت حاصل کی۔ حضرت شاہ عبدالعزیز سے حدیث کی سند حاصل کی۔

تعلیم سے فارغ ہو کر خدا طلبی کا راستہ اختیار کیا۔ اوّل اپنے والد ماجد کی صحبت میں رہ کر استفادہ حاصل کیا۔ پھر والدِ بزرگوار کی اجازت سے حضرت شاہ درگاہی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اُن کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ چند ہی روز میں حضرت شاہ درگاہی نے آپ کو اجازت و خلافت عطا کر کے رخصت فرمایا۔ پھر آپ رام پور سے دہلی تشریف لائے۔ ایک خط حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی خدمت میں ارسال فرمایا۔ حضرت قاضی صاحب نے آپ کے خط کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا کہ حضرت شاہ غلام علی سے بہتر کوئی اور درویش نظر نہیں آتا۔ اِس خط کے ملنے کے بعد آپ حضرت شاہ غلام علی کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔ بیعت کا اشتیاق ظاہر کیا۔ آپ کی درخواست قبول ہوئی۔ حضرت شاہ غلام علی نے اپنے حلقہ ارادت میں آپ کو داخل کر کے سرفراز کیا۔ آپ کے پہلے پیر حضرت شاہ درگاہی اس وقت زندہ تھے۔ آپ اُن کا ویسا ہی ادب و احترام کرتے تھے جیسا کہ پہلے کرتے تھے۔

آپ کو لکھنؤ سے طلب فرمایا۔ ایک مکتوب میں آپ کو تحریر فرمایا: "میں دیکھ رہا ہوں کہ اس عالیشان خاندان کے مقامات کا آخری منصب تمہارے متعلق کیا گیا ہے اور اس سے قبل اپنی سابق بیماری میں میں نے دیکھا تھا کہ تم میری چارپائی پر بیٹھے ہو اور منصب قومیت تم کو عطا کیا گیا ہے۔ بفرمان پیر و مرشد آپ دہلی آ کر پیر و مرشد کی جگہ بیٹھے اور رشد و ہدایت میں مشغول ہوئے۔ آپ کی پیر و مرشد نے آپ کو حسبِ ذیل نصیحتیں فرمائیں: اپنی باطنی نسبت کو ہمیشہ محفوظ رکھنا۔ حضور توجہ میں مشغول رہنا۔ جملہ اوقات و حالات میں یادداشت کو نہ چھوڑنا۔ تمام اعمال میں حضرت حبیب رب العالمین کے سُنن کی مطابعت کرنا۔ اپنے تمام اوقات کو نوافل و عبادات کے ساتھ گزارنا اور کمال تعدیل ارکان کے ساتھ ادائے نماز کرنا اور دوسرے اوراد و اذکار و تلاوت کلام مجید و درود و استغفار و تفویض امور بحضرتِ کردگار سبحانہ سے معمور رکھنا۔ طریقہ کے سلوک سے مقصود اخلاق کی آراستگی اور جناب الٰہی میں ہمیشہ متوجہ رہنا ہے تاکہ شکستگی و نیازمندی اور اخلاص ہر وقت موجود رہے۔ اس کا ظاہر حبیبِ خدا ﷺ کی سُنتوں کا پابند اور باطن ماسوائے حق سے روگرداں اور جنابِ کبریائی سبحانہ

کی طرف متوجہ رہے۔ غیب سے جو کچھ آمد ہو اپنی اور اپنے متعلقین کی ضرورتوں پر صرف کریں اور باقی ماندہ فقراء پر تقسیم فرمادیں۔

آپ ۱۲۴۹ھ میں حرمین شریف کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے۔ زیارت حرمین شریف سے مشرف ہو کر آپ دہلی روانہ ہوئے۔ ۲۲ رمضان کو ٹونک میں رونق افروز ہوئے۔ بیماری کی وجہ سے وہیں قیام فرمایا۔ عید الفطر کے روز ظہر و عصر کے درمیان ۱۲۵۰ھ میں آپ نے وصال فرمایا۔ ٹونک میں تجہیز و تکفین کی گئی۔ چالیس روز کے بعد آپ کا تابوت دہلی لایا گیا اور نعشِ مبارک کو نکال کر دفن کیا گیا۔ آپ کے فرزندِ اکبر حضرت شاہ احمد سعید آپ کے خلیفہ اکبر اور سجادہ نشین ہوئے۔ آپ سختی و تلخی سے دل برداشتہ نہ ہوتے تھے۔ فقر و فاقہ پر فخر کرتے تھے۔ اپنے پیر و مرشد کے احکام کی پابندی سختی سے کرتے تھے۔ ایک بلند پایہ عالم تھے اور صاحب کرامت درویش تھے۔ آپ کی کتاب ہدایت الطالبین آپ کی علمی یادگار ہے۔ آپ کے وصال کے چالیس روز کے بعد تابوت ٹونک سے دہلی لایا گیا۔ جب تابوت کھولا گیا تو معلوم ہوتا تھا کہ ابھی غسل دیا گیا ہے۔ کسی قسم کی کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی تھی۔ رُوئی جو نیچے رکھی ہوئی تھی اس میں سے نہایت اچھی خوشبو آرہی تھی۔ آپ کا مزار دہلی میں ہے۔

تاجداراں دے نہ امیراں دے۔۔۔ دیوے بلدے سدا فقیراں دے

حضرت شاہ کمال صاحبؒ کے عرس مبارک کی روداد

عرس کی یہ روداد جناب پیر مقبول محئی الدین سجادہ نشین آستانہ عالیہ ڈیرہ غازی خان نے روانہ کی تھی۔ جو اُنہیں کیتھل شریف سے ملک سومنات نے روانہ کی تھی۔

کیتھل شریف 17-4-1999

آداب وسلام خیریت مطلوب۔ پاکستانی زائرین کے ہاتھ درگاہ کے لیے جناب کا بھیجا ہوا سامان مل گیا تھا۔ ایک دستی رقعہ انہیں واپسی پر لکھ کر دیا تھا۔ وہ لوگ دہلی کسی شادی میں آئے ہوئے تھے۔ اُنہیں اُسی روز واپس دہلی جانا تھا۔ عرس مبارک 29-28 مارچ 1999ء کا احوال مختصر تحریر کر رہا ہوں۔ سب سے پہلے سجاوٹ جو کہ بجلی کے رنگین بلبوں سے ہوئی۔ دونوں درگاہوں اور پارک کے تمام درخت اور گراونڈ کے اندر وہ خوبصورتی تھی کہ رات کو شہر کی طرف سے بدھ کیار کے پُل کے اوپر کھڑے ہو کر لائیٹوں کا عکس تالاب کے پانی میں دیکھنا اتنا دل فریب نظارہ پیش کر رہا تھا کہ کھڑے دیکھتے ہی رہ جائیں۔ گنبد کے عکس پانی میں بہت ہی

خوشنما لگ رہے تھے۔ عرس کی لائٹ کا سامان گاڑیوں میں بھر کر جے رام آشرم ہردوار والوں کی طرف سے ہر سال آتا ہے انہی کے آدمی عرس سے دو دن پہلے آجاتے ہیں اور بڑے پریم سے سجاوٹ کرتے ہیں جن کا کوئی کرایہ وغیرہ نہیں ہوتا۔ محض عقیدت سے یہ سب کچھ کرتے ہیں دوران عرس درگاہ شریف کی بجلی دن رات سپیشل لائن سے چلتی رہتی ہے۔ لنگر کا کھانا کھلانے کے لیے پیتل کے برتن جو ہر سال خرید کئے جاتے ہیں۔ لنگر تین دن چلتا ہے۔ روزانہ دن کے بارہ بجے سے رات کے نو بجے تک چلتا رہتا ہے۔ پارک میں شامیانے لگ جاتے ہیں اور ہزاروں آدمی لنگر میں کھانا کھانے کے لیے آتے رہتے ہیں۔ لنگر کھلانے والے نہایت پریم سے لنگر تقسیم کرتے ہیں۔ اس دفعہ دس گیارہ ٹین دیسی گھی کے تھے۔ باقی آٹا دال چاول کی کئی بوریاں روز آتی تھیں اور پکتی تھیں۔ حلوہ پوری کا سامان الگ ہوتا ہے۔ یہ خرچہ لاکھوں روپیہ کا ہو جاتا ہے۔ تبرک کے لیے دیسی گھی کا حلوہ دن رات تقسیم ہوتا ہے اور لنگر میں صبح شام ایک دال اور ایک سبزی ضرور ہوتی ہے اگلے دن سبزی بدل جاتی ہے۔ قوالوں کی ایک پارٹی مالیر کوٹلہ کی آتی ہے۔ اور دوسری پارٹی سہارن پور سے آتی ہے۔ ان سب کو پانچ پانچ ہزار روپیہ فی رات کا ملتا ہے ان سب کو آنے جانے کا کرایہ اور انعام الگ ملتا ہے۔ یہ سب کچھ ہونے کے باوجود چندہ مانگنے کبھی کوئی نہیں جاتا یہ باباؒ کا کمال ہے۔ پتہ نہیں کہاں سے روپیہ آتا ہے دینے والے اتنے ہیں کہ ہم سنبھال نہیں سکتے چادر کی رسم پر سینکڑوں چادریں روز چڑھتی ہیں۔ مالیر کوٹلہ کے قوالوں نے اس دفعہ جو کلام سنایا اُس میں قوالی بہت پسند آئی اور اس شعر کو بہت پسند کیا گیا۔

تاجداراں دے نہ امیراں دے ۔۔۔ دیوے بلدے سدا فقیراں دے

کل ہی درگاہ شریف میں نیا ایئر کنڈیشنر لگا ہے جو کہ 29 ہزار کا آیا ہے۔ کوئی دان کر گیا ہے۔ 6 دسمبر 1997ء کے ایک خط میں ملک صاحب نے لکھا دو سال سے دونوں درگاہوں پر سنگ مرمر کا کام جاری ہے تمام کا تمام سنگ مرمر لگ رہا ہے۔ آپ لوگ یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ ہمارے پاکستان آنے کے بعد اتنا بڑا کام بھی ہو گا۔ یہ سب ان بزرگوں کا کرم اور فیض ہے جو کہ انجام پا رہا ہے۔ حضرت شاہ سکندر محبوبؒ الٰہی کی درگاہ کے صحن پر بہت بڑا برآمدہ تیار ہو چکا ہے۔ امید ہے آپ لوگ جب عرس پر یہاں آئیں گے تو خود اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھ سکیں گے۔ یہ سن کر آپکو خوشی ہو گی کہ کلونت شا کی کوشش سے ایک آشرم بمقام پھوا شاہ کمالؒ کے نام سے مکمل ہو چکا ہے اب کی بار عرس مبارک پر آپ ضرور آئیں اگر کوئی مجبوری ہے تو اپنے صاحبزادوں میں سے کسی کو یہاں بھیج دیں لوگ بہت یاد کرتے ہیں دیوان صاحب سے بھی عرض ہے کہ وہ ضرور تشریف لائیں۔ کلونت شا سیوک، رندھیر سنگھ اور سب دوست یاد کرتے ہیں۔

ملک سومناتھ خادم درگاہ حضرت باباشاہ کمالؒ کیتھل شریف

نوٹ درگاہ کے خادم ملک سومناتھ اور کلونت شا میں جو ہندو ہیں

حضرت شیخ چہلی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت شیخ چہلیؒ کے بارے یہ تحریر جناب سید مقبول گیلانی صاحب سجادہ نشین ڈیرہ غازی خان کی وساطت سے موصول ہوئی۔ ان کے مطابق آپ کا اصل نام عبدالرزاق تھا۔ نوجوانی کے عالم میں تھانسیر تشریف لائے قلعہ کے کھنڈرات میں عبادت کیا کرتے تھے۔ کثرت چلہ کشی کی وجہ سے شیخ چلی کے نام سے مشہور ہوئے۔ کہا جاتا ہے کسی شاہی خاندان سے تعلق تھا۔ پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے خصوصی عقیدت تھی۔ اویسی طریقہ پر براہ راست حضرت غوث اعظمؒ سے فیض یاب ہوئے اور درویشی اختیار کی۔ ایک دن حضرت غوث اعظمؒ کے حکم پر کیتھل پہنچ کر حضرت شاہ کمال کیتھلی کے حلقہ ارارت میں داخل ہوئے۔ آپ چہل کاف زبردست عامل تھے۔ لوگوں سے بہت کم ملتے تھے۔ اس لیے آپ کے حالات نہیں ملتے آپ کا مقبرہ تھانسیر میں ایک قابل دید عمارت ہے جو میلوں دور سے نظر آتا ہے۔ مقبرہ کی طرز تعمیر ہمایوں کے مقبرہ سے ملتی ہے اور ہندوستان کی حسین عمارتوں میں شمار ہوتا ہے۔ آثار قدیمہ کے تحت انڈیا گورنمنٹ اس کی تزئین و آرائش کرتی ہے۔ آپ کا سن وصال موجود نہیں۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت شیخ جلال الدین تھانسیریؒ نے پڑھائی تھی۔ ان کے مقبرہ کے قریب ہی حضرت شیخ جلال الدین تھانسیریؒ کا مزار مبارک زیارت گاہِ خلائق ہے۔ اس شہر کا اصل نام کوروکشیتر ہے۔ یہ مقام امبالہ اور شاہ آباد اور دہلی کے درمیان ریلوے جنکشن ہے جہاں سے کیتھل کو ریلوے لائن جاتی ہے۔ کوروپانڈوؤں کی مہابھارت جنگ اسی سرزمین پر ہوئی تھی۔

دہلی کالج : مسلمانان ہند کی عظیم درس گاہ

بھارت کے دارالحکومت دہلی میں واقع ذاکر حسین کالج ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے مختلف ادوار میں اس کالج کے مختلف نام رہے ہیں۔ ۱۶۹۲ء میں جب یہ ادارہ قائم ہوا تو اس کا نام مدرسہ

غازی الدین خان رکھا گیا تھا۔ بعد ازاں اس کا نام تبدیل کر کے اینگلو عربک کالج رکھ دیا گیا اور پھر اسے دہلی کالج کے نام سے پکارا جانے لگا اس تعلیمی ادارے کا نام کچھ بھی رہا ہو لیکن ہر دور میں اس ادارے کے ساتھ بڑی بڑی شخصیات وابستہ رہی ہیں۔ جنہوں نے بعد میں تاریخ میں بھی بہت نام پیدا کیا۔ اس مشہور تعلیمی ادارے کا ایک بہت بڑا کارنامہ ٹرانسلیشن سوسائٹی کا قیام تھا جس کا مقصد ایسی کتابوں کا اردو زبان میں ترجمہ کرنا تھا جو اردو میں دستیاب نہیں تھیں۔ بعد ازاں اس سوسائٹی کے زیر اہتمام مذکورہ مضامین کی ۱۴۰ کتابوں کا مختلف زبانوں سے اردو میں ترجمہ کیا گیا جس سے مسلمان طلبا کو بہت سہولت ہوئی اس سوسائٹی کے اہم ارکان میں ماسٹر پیارے لال، مسٹر ٹیلر، مولانا ذکاءاللہ، ماسٹر رام چندر، مسٹر بطروس، ڈاکٹر ضیاء الدین، امام بخش، مولوی سبحان بخش اور مسٹر تھامسن وغیرہ شامل تھے یہ سب لوگ اردو کے ساتھ ساتھ مختلف زبانوں کا بھی بھرپور علم رکھتے تھے۔ ان اصحاب نے اپنے دوسرے ساتھیوں کی مدد سے جن اہم کتابوں کا فرانسیسی، سنسکرت اور جرمن زبانوں سے اردو میں ترجمہ کیا اس میں عملی علم ہندسہ (پریکٹیکل جومیٹری) تاریخ روما، تاریخ یونان، انگریزی صرف و نحو، (انگلش گرامر) معیشت سیالست، (پولیٹیکل اکانومی) رسالہ جراحی اور دھرم شاستر جیسی کتابیں شامل ہیں اس کے علاوہ ان اصحاب نے اور بھی بہت سے کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا، پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان، مولانا محمد حسین آزاد، خواجہ الطاف حسین حالی، فلمسٹار شیخ مختار اور انڈین ہاکی ٹیک کے نائب کپتان ایم این مسعود، اینگلو عربک سکول اور دہلی کالج کے ہی طالبعلم تھے۔

ڈپٹی بشیر الدین احمد کی لکھی ہوئی کتاب "واقعات دارالحکومت دہلی" میں مدرسہ غازی الدین خان کے قیام کا سال ۱۶۹۲ء لکھا گیا ہے ڈپٹی بشیر الدین اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ غازی الدین خان فیروز جنگ کو مغل دربار میں جو اثر و رسوخ حاصل تھا اسے وہ اکثر تدریس و تعلیم کے فروغ کے لیے استعمال کرتے تھے غازی الدین خان بخارا کے رہنے والے خواجہ عابد کے صاجزادے تھے۔ اپنے قیام سے لیکر آج تک اس تعلیمی ادارے کو بہت برے حالات کا سامنا کرنا پڑا خصوصاً ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اس کو شدید نقصان پہنچا، اس وقت تک اپنی اچھی کارکردگی کی بناء پر یہ مدرسہ بہت شہرت حاصل کر چکا تھا۔ بعد ازاں اس ادارے میں مختلف موضوعات پر بحث و تمحیص کا مستقل سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب اس ادارے میں طالب علموں کی تعداد میں اضافہ ہو تا گیا تو اس کا ایک حصہ دہلی کے کشمیری گیٹ میں واقع دارا شکوہ لائبریری میں منتقل کر دیا گیا، ۱۸۵۷ء میں جب جنگ آزادی کا آغاز ہوا تو کالج کے انگلش ٹیچرز مسٹر ٹیلر، مسٹر فلیگ اور دوسرے اساتذہ کالج چھوڑ کر کسی محفوظ جگہ پر چلے گئے جنگ آزادی کے دوران اس کالج کے کئی حصوں کو آگ لگادی گئی جس میں بہت سی نایاب کتب بھی جل کر راکھ

ہو گئیں جلنے والی کتابوں میں شاعری کو بہت نقصان پہنچا۔ سب سے زیادہ نقصان لائبریری اور لیبارٹری کو پہنچا، یہ دونوں حصے بالکل راکھ کا ڈھیر بن گئے تھے، جب جنگ آزادی میں شدت آگئی تو کالج کے انگریز اساتذہ کو اپنی جانوں کے لالے پڑ گئے۔

ٹیلر نے مولانا محمد حسین آزاد کے گھر میں پناہ حاصل کی جس پر مولانا کو بھی دھمکیاں ملنے لگیں کہ اگر انہوں نے ٹیلر کو گھر سے نہ نکالا تو ان کے گھر کو آگ لگادی جائے گی ان دھمکیوں کے باوجود مولانا نے مسٹر ٹیلر کو سپاہیوں کے حوالے نہ کیا اور بہت بڑا خطرہ مول لیتے ہوئے انہیں اپنے گھر سے چوری چھپے مولوی باقر کے گھر پہنچا دیا جنہوں نے ٹیلر کو ایک امام بارگاہ میں چھپادیا لیکن سپاہیوں کو ٹیلر کی اس پناہ گاہ کا بھی پتہ چل گیا۔ لیکن مولوی باقر نے انہیں بتایا کہ یہاں کوئی مسٹر ٹیلر نہیں ہیں لیکن کچھ سپاہی زبردستی اندر گھس گئے اور مسٹر ٹیلر کو پہچان کر انہیں مار ڈالا۔ ان حالات میں یہ مدرسہ خاصے عرصے کیلئے بند رہا بعد ازاں ۱۸۷۲ء میں یہاں تعلیم و تدریس کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو گیا اسی دوران مولانا الطاف حسین حالی بھی اس کے ٹیچنگ سٹاف میں شامل ہو گئے اور ۱۸۹۴ء تک یہاں پڑھاتے رہے، ۱۹۲۴ء میں کالج کو ایک مرتبہ پھر نامساعد حالات کا سامنا کرنا پڑا اور اسے بند کرنا پڑا اس وقت لیاقت علی خان کالج کے منیجر تھے۔

دہلی کالج اور اینگلو عربیک سکول نصابی سرگرمیوں کے ساتھ غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی بہت شہرت رکھتا تھا خصوصاً اس کی فٹ بال ٹیم غیر متنازعہ چیمپئن تھی۔ ۱۹۲۴ء کے بعد سکول نے فٹ بال کے ۶۲ زونل اور دوسرے فٹ بال میچ جیتے اور ابھی کچھ ہی عرصہ قبل اسکول کی ٹیم نے نیو یافٹ بال کپ جیتا ہے۔ اینگلو عربیک سکول جو کسی زمانے میں نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں کے حوالے سے پورے ہندوستان میں مشہور تھا، اب ان حوالوں سے اپنی شہرت کسی حد تک کھو چکا ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ اب اس ادارے کے پاس ماضی کی تابناک یادیں ہی رہ گئی ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ اب طالب علموں کو اساتذہ سے یہ شکایت رہتی ہے کہ ان کا رویہ ان کے ساتھ اچھا نہیں ہوتا جبکہ اساتذہ طلباء کے رویے سے نالاں رہتے ہیں۔ اینگلو عربیک اور دہلی کالج اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کی بھرپور کوشش ہے کہ یہ ادارہ ایک مرتبہ پھر اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر لے اور ماضی کی طرح ایک مرتبہ پھر لوگ اس ادارہ پر اسی اعتماد کا اظہار کریں جس اعتماد کا اظہار وہ ماضی میں کرتے رہے ہیں۔

مزار مولانا شوکت علی

جامع مسجد دہلی حضرت القاسم اور سرور شہید کے مزار کے قریب ایک مسجد تھوڑا عرصہ تعمیر ہوئی ہے راقم نے مسجد کے امام سے کہا کہ وہ مرقد مولانا شوکت علی پر حاضری اور فوٹو حاصل کرنا چاہتا ہے امام مسجد نے دروازہ کھول دیا صحن کے شمال دیوار کے ساتھ آپ کا مزار ہے آپ تحریک خلافت کے عظیم راہنما تھا آپ کے مرقد مبارک پر یہ عبارت تحریر ہے۔

یا حیَ یا قیوم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ کل نفس ذائقۃ الموت

فاتحہ مرقد ویران پر بھی پڑھتے جائیں۔ ان سے کہہ دو جو ہیں اس راہ سے گزرنے والے (امیر مینائی)

تاریخ وصال 18 نومبر 1938ء بمقام دہلی۔ مولانا شوکت علی مرحوم کے مزار کے قریب ایک خوشنما چھتری کے نیچے مولانا ابو الکلام آزار کی آخری آرام گاہ ہے ان کا انتقال 21 فروری 1958ء کو ہوا تھا۔ پنڈت جواہر لال نہرو اور ہندوستان کے دوسرے سیاستدان مولانا ابو الکلام کی بہت عزت کرتے تھے اور مولانا کے مفید مشوروں سے مستفید ہوتے تھے۔

آگرہ، متھرا،
فتح پور سیکری
سکندرہ کی
تاریخی عمارتیں

GUIDE MAP OF AGRA

دہلی سے آگرہ براستہ متھرا
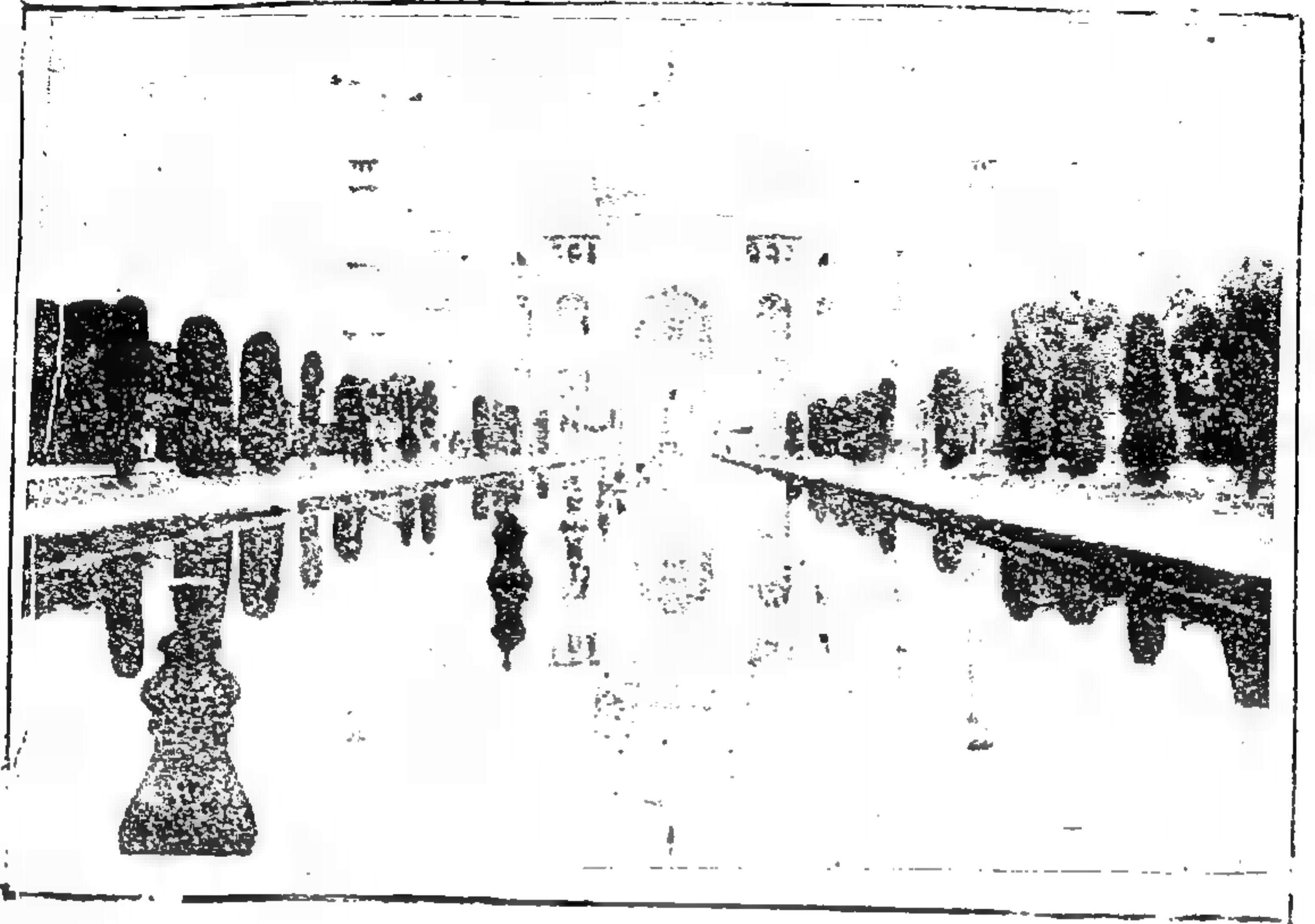
ہندوستان میں تاج محل ایک تاریخی اور حسین خوبصورت عمارت ہے جسے دیکھنے کے لیے دنیا بھر سے، سیاح آتے ہیں۔ ہر سیاح کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ وہ تاج محل دیکھے۔ ہندوستان کی حکومت نے سیاحوں کو بہت سہولتیں دے رکھی ہیں۔ راہنمائی کے لیے پمفلٹ گائیڈ بکس شائع کرر کھی ہیں۔ دارالحکومت دہلی سے ٹرین کے علاوہ آرام دہ لگژری بس چلتی ہے۔ جو تین چار گھنٹے کی مسافت کے بعد آگرہ پہنچ جاتی ہیں۔ تاج محل کے قریب اتار دیتی ہیں۔ آگرہ اسٹیشن تھوڑے سے فاصلہ پر ہے۔ آگرہ سے فتح پور سیکری کا فاصلہ 22 کلو میٹر ہے راقم لگژری کوچ کے ذریعے دہلی سے آگرہ پہنچا۔ جوں ہی بسیں قلعہ آگرہ تاج محل کے قریب پہنچتی ہیں گائیڈ راہنمائی کے لیے بسوں کے اندر آگھستے ہیں۔ اور مختلف ہوٹلوں میں کھانے کی ترغیب دیتے ہیں۔ مسلمانوں کو حلال گوشت کے ہوٹل تک لے جاتے ہیں۔ کھانے کے بعد سیاحوں کو قلعہ آگرہ میں لے جاتے ہیں یورپین سیاحوں کو اعلیٰ تعلیم یافتہ گائیڈ راہنمائی کرتے ہیں۔ روانی سے انگریزی میں قلعہ آگرہ کی تاریخ بیان کرتے ہیں۔ قلعہ کے مختلف حصے دکھائے جاتے ہیں۔ مقامی باشندوں کے لیے اردو میں قلعہ کی تاریخ بیان کی جاتی ہے دروازہ سے لے کر قلعہ کے تمام حصوں کی سیر کرائی جاتی ہے ان میں دیوان عام، دیوان خاص، موتی مسجد، ثمن

برج بادشاہوں کی رہائش گاہیں شامل ہوتی ہیں۔ قلعہ آگرہ کی سیر کے بعد بسیں سیاحوں کو تاج محل کی طرف لے جاتی ہیں۔
تاج محل کے صدر دروازے پر ہر داخل ہونے والے کی تلاشی لی جاتی ہے تاکہ اسلحہ یا تباہ کن مواد اپنے ہمراہ نہ لے جا سکے۔ قلعہ آگرہ کا ٹکٹ پندرہ روپے اور تاج محل کا ٹکٹ بھی پندرہ روپے ہے۔ اس سے حکومت ہند کو ہر سال کروڑوں کی آمدنی ہوتی ہے پورے ہندوستان میں جمعہ کے روز تاریخی مقامات کی کوئی ٹکٹ نہیں ہوتی یہ مسلمانوں کی بہت بڑی فتح ہے
تاج محل کے صدر دروازے سے داخل ہوتے ہی فوارے خوبصورت پارکوں سے گزرتے ہوئے سامنے تاج محل کی پر شکوہ عمارت جو سنگ مرمر سے تعمیر کی گئی ہے اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے۔ جس بس کے ذریعے راقم دہلی سے آگرہ پہنچا اس میں نصف کے قریب انگریز مرد اور خواتین تھیں جب انہوں نے تاج محل دیکھا ان پر سکتہ طاری ہو گیا وہ پہروں کھڑے ہو کر تاج محل کو دیکھتے رہے۔ تاج محل سنگ مرمر کی بلند کرسی پر ہے سیڑھیوں کے قریب تمام سیاح جوتے اتار کر تاج محل کی عمارت کے اندر داخل ہوتے ہیں۔ شاہ جہاں اور ممتاز محل کی قبریں تہ خانہ میں ہیں لیکن اوپر والی سطح پر بھی تعویز اوپر بنائے گئے ہیں قرآنی آیات اور کلمات اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام نمایاں طور پر کندہ ہیں۔ سفید پتھر میں سرخ سبز دوسرے رنگ کے پتھروں سے بیل بوٹے نقش نگار بنائے گئے ہیں تاج محل کے ایک طرف مہمان خانہ دوسری جانب مسجد ہے دونوں عمارتیں سرخ پتھر سے تعمیر کی گئی ہیں۔ تاج محل کی سیر کے بعد گاڑی متھرا کے لیے روانہ ہوتی ہے متھرا
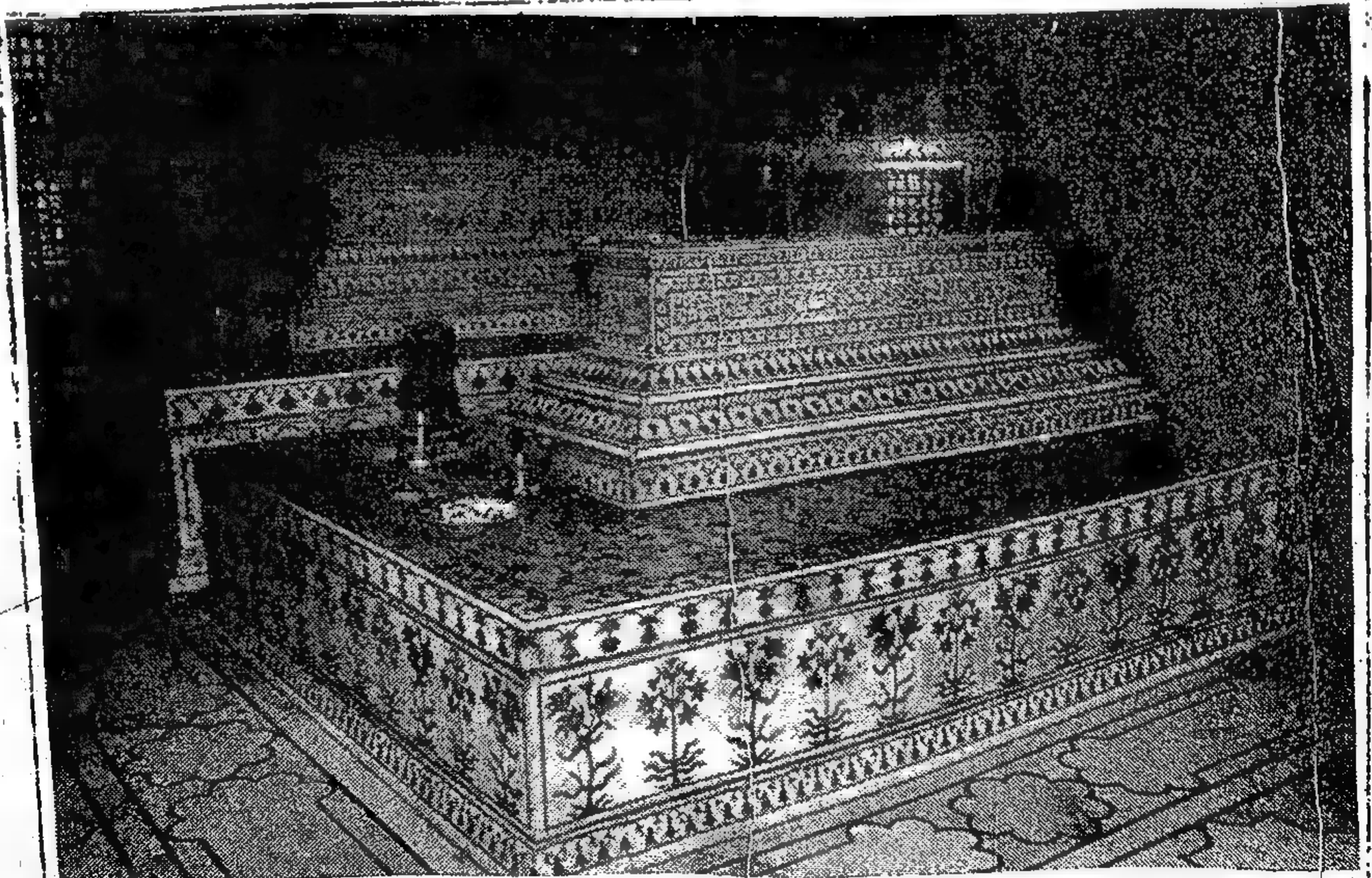
شہنشاہ شاہ جہان اور ملکہ ممتاز محل کے مقبرے جو سنگ مرمر سے تعمیر کیے گئے ہیں۔ نقش و نگار نمایاں ہیں

کرشن جی کی جنم بھومی ہے۔ دہلی سے آگرہ جاتے ہوئے متھرا کا شہر دور سے نظر آتا ہے۔ مغلیہ دور کی تاریخی مسجد کے گنبد مینار نظر آتے ہیں۔ متھرا شاہی مسجد عیدگاہ ۱۶۶۱ء میں اورنگزیب کے دور میں بنی ۱۸ اکتوبر ۱۹۶۸ء کو متھرا میں شاہی مسجد عیدگاہ ٹرسٹ اور شری کرشن جنم استھان سیوا سنگھ کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جس کے بعد مسلمانوں نے مسجد کے پاس شری کرشن کا شاندار مندر بنانے دیا۔ چونکہ مسجد اور مندر بہت قریب ہیں متھرا کے اس مقام کو حساس علاقہ قرار دیا گیا ہے ۔ سیاحوں کو کیمرہ اپنے ہمراہ لے جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ ہندو متھرا میں داخل ہوتے ہی جوتے اتار لیتے ہیں گائیڈ گاڑی میں بار بار ہندوازم کا پرچار کرتا ہے اور کرشن جی کی جے کے نعرے لگواتا ہے گائیڈ کرشن جی کی تعلیمات بیان کرتا ہے کہ اس علاقہ میں پانچ ہزار گائیں ہیں ان کے لیے 250 گاؤشالہ تعمیر کیے گئے ہیں۔ پانچ ہزار مندر ہیں۔ تین سو ایکڑ رقبہ گائیں کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ یہاں ہر طرف گائیں گھومتی پھرتی نظر آتی ہیں۔ دوکانوں پر کرشن جی کی فوٹو اور ان کی تعلیمات، ان کی تعریف کے کیسٹ کھلے عام فروخت ہوتے ہیں مندر کے دروازے پر ایک ماڈل رکھا ہوا ہے ، کرشن جی رتھ پر سوار ہیں اور بیل اس رتھ کو کھینچ رہے ہیں ٹیپ ریکارڈر ڈیک کا اتنا شور ہوتا ہے کہ سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ متھرا کے پرانے شہر کے کھنڈرات بھی موجود ہیں ہندوؤں کے نزدیک متھرا ایک مقدس شہر ہے گائیڈ نے بتایا اب بس رنگ مندر کرشنا مندر کی طرف جا رہی ہے یہاں جنگلی بابا کا نو منزلہ مندر ہے۔ بھارت کی سابق وزیر اعظم اندرا گاندھی جنگلی بابا کے پاس آیا کرتی تھی رنگ مندر کرشنا مندر اس علاقہ میں تقریباً ہر گھر میں ایک مندر ہے۔ بھجن ساز آواز گھنٹیوں کا شور اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ پانچ ہزار گائے کے دودھ کے حصول کیلئے ٹھیکیدار مقرر ہوئے یہاں دودھ
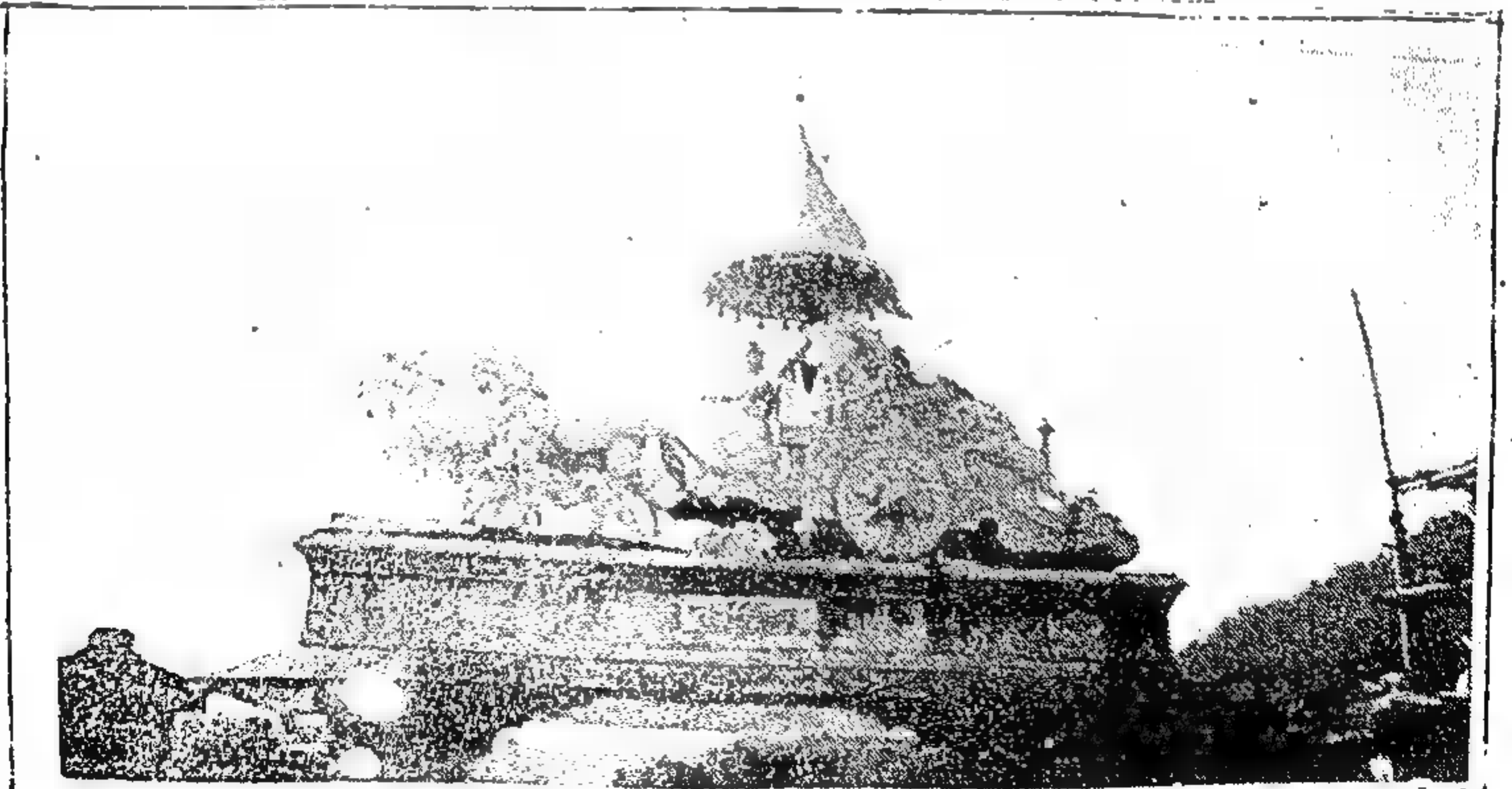
متھرا کرشن جی مہاراج کے مندر کے دروازے پر انہیں رتھ گاڑی میں سوار دکھایا گیا ہے

سے خوش ذائقہ چیزیں تیار کی جاتی ہیں ہندو مردوں کے علاوہ عورتیں بھی دوکانداری کرتی ہیں۔بازاروں میں سوروں کے غول کے غول گھومتے پھرتے نظر آتے ہیں یہ پالتو سور ہوتے ہیں۔ ہندو بھی اچھلتے کودتے نظر آتے ہیں۔

ہندوستان بھر میں رات کا سفر محفوظ ہوتا ہے۔ کہیں چوری ڈاکہ کا خطرہ نہیں ہوتا اور نہ ہی کہیں پولیس نظر آتی ہیں یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر کے سیاح ہندوستان کا رخ کرتے ہیں۔ ٹورسٹ گاڑیاں مسافروں کو ان کی رہائش گاہوں پر اتارتی ہیں یوں رات بارہ بجے گاڑی نے گمٹی گیسٹ ہاؤس کے دروازے پر راقم کو اتار دیا گمٹی گیسٹ ہاؤس پنڈت جواہر لعل نہرو یونیورسٹی میں زیر تعلیم طالب علموں کے مہمانوں کے لیے بنایا گیا ہے۔ راقم کو یہاں دہلی کے معروف قانون دان جے سی پترا ایڈووکیٹ کی وساطت سے ایک کمرہ مل گیا یہاں ناشتہ اور دوپہر رات کا کھانا کابل ایک وقت کے لیے صرف سات روپے ہوتا ہے ناشتہ میں دودھ دہی انڈا چپاتی ملتی ہے جتنی مقدار میں کھائیں کوئی پابندی نہیں ہوتی گمٹی گیسٹ ہاؤس بنگال مارکیٹ دہلی میں ہے۔
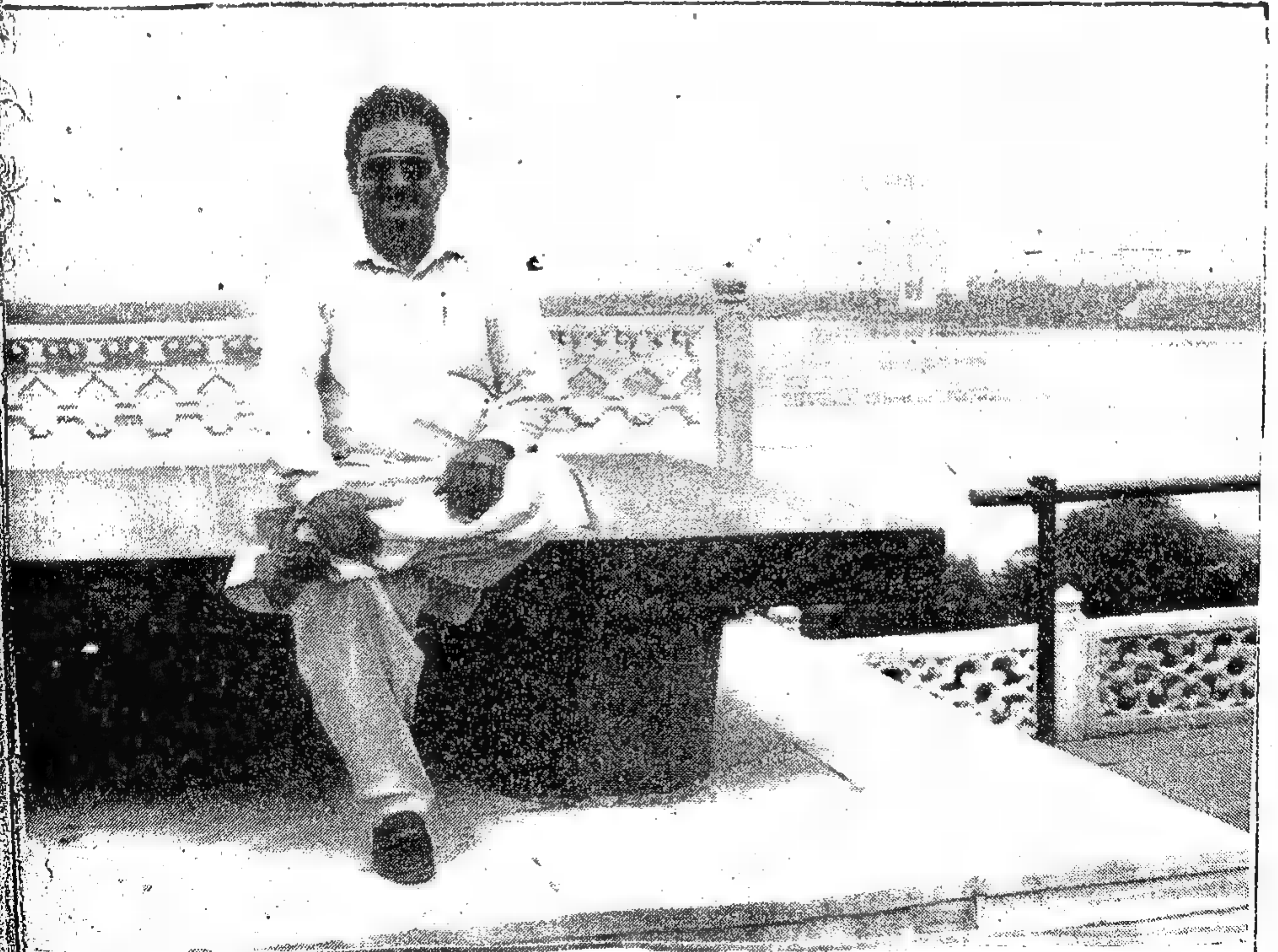
راقم قلعہ آگرہ تخت پر بیٹھا ہوا ہے کبھی یہاں بادشاہ سلامت بیٹھا کرتے تھے۔

شاہ جہان کی نظر بندی کے آٹھ سال

قلعہ آگرہ میں یہ وہ مقام ہے جہاں اورنگزیب عالمگیر نے اپنے باپ شاہ جہاں کو آٹھ سال نظر بند رکھا۔
ثمن برج سنگ مرمر سے تعمیر شدہ ہے اس مقام سے تاج محل نمایاں نظر آرہا ہے۔ جبکہ دریائے جمنا کی لہریں بھی
نمایاں نظر آرہی ہیں۔ راقم اس مقام پر کھڑا ہے جہاں شاہجہان بادشاہ ملکہ ممتاز محل کا مدفن یعنی تاج محل دیکھا کرتا تھا

قلعہ آگرہ اور فتح پور سیکری
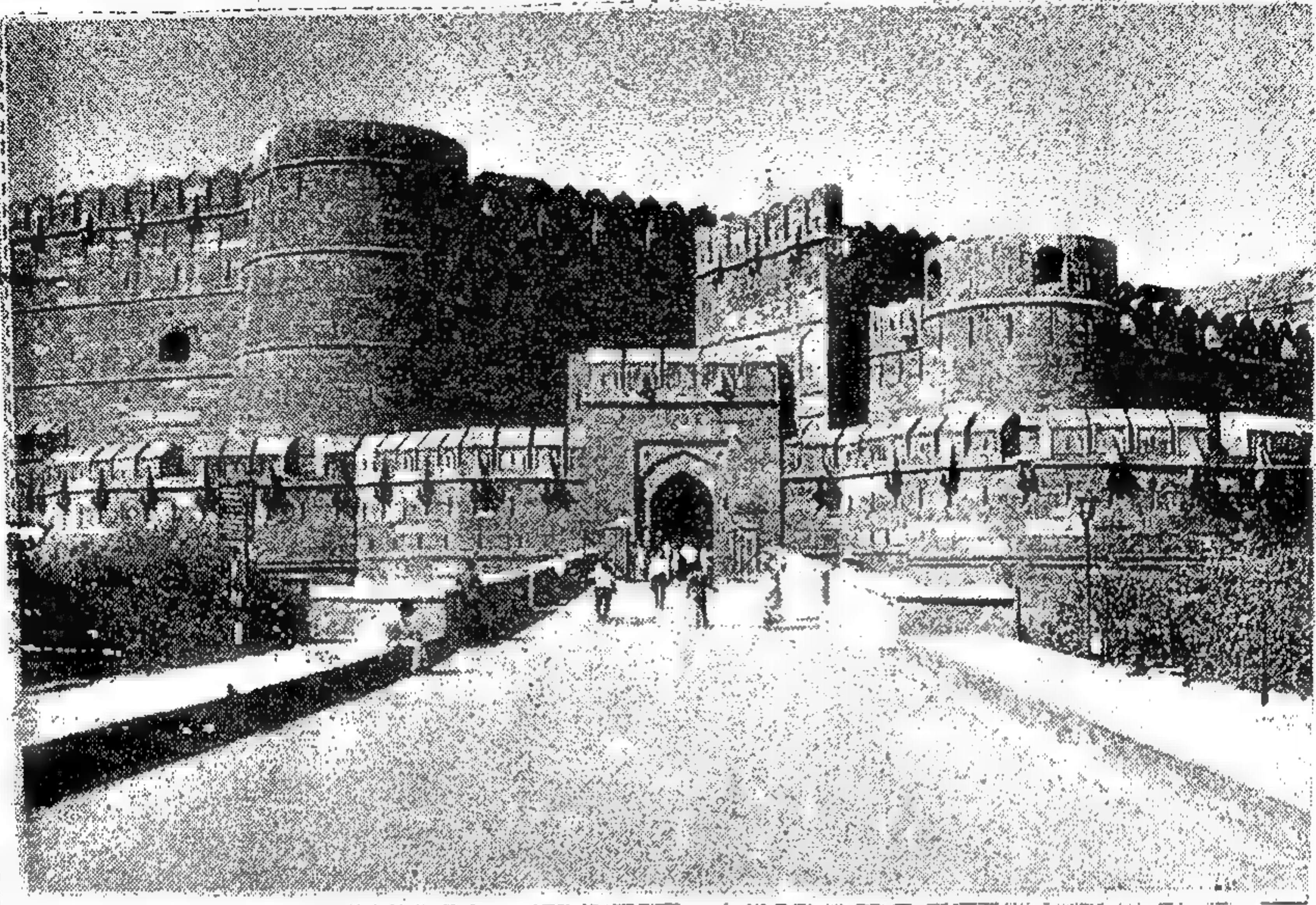
قلعہ آگرہ دریائے جمنا کے کنارے تعمیر کیا گیا ہے۔ جو سرخ پتھروں سے تعمیر کیا گیا ہے۔ قلعہ میں امر سنگھ گیٹ سے داخل ہونا پڑتا ہے۔ یہ قلعہ مغلیہ دور کی اہم عمارت ہے۔ اسکی دیواریں سرخ پتھر سے مضبوط تعمیر کی گئی ہیں یہ قلعہ مغل حکمران اکبر اعظم نے تعمیر کروایا تھا۔ یہ قلعہ آگرہ شہر سے مشرق کی طرف ہے۔ یہاں اکبر بادشاہ نے ایک شہر اکبر آباد کی بنیاد رکھی تھی۔ قلعہ آگرہ ۱۵۶۴ء میں ساڑھے آٹھ سال کی معیاد میں ۳۵ لاکھ روپے کے اخراجات سے تعمیر ہوا قلعہ کو تعمیر کرنے والے چیف انجینئر کا نام کاشم تھا۔ قلعہ نیم دائرہ کی صورت میں کافی رقبہ میں پھیلا ہوا ہے قلعہ کی دوہری دیواریں ہیں بیرونی دیوار چالیس فٹ اونچی ہے۔ جبکہ اندرونی دیوار ستر فٹ اونچی ہے۔ قلعہ کے ارد گرد دو خندقیں ہیں بیرونی خندق ۲۵ فٹ چوڑی ہے اور اندرونی خندق ۳۵ فٹ گہری اور ۳۰ فٹ چوڑی ہے مغلوں کی حکومت کے دوران، دوران جنگ یہ خندقیں پانی سے بھر دی جاتی تھیں۔ اکبر کے بعد قلعہ کی تعمیر میں جہانگیر اور شاہجہان نے بھی نمایاں کردار ادا کیا۔ ۱۷۳۹ء کو نادر شاہ کے حملہ کی وجہ سے قلعہ کو نقصان پہنچا، مابعد مرہٹوں اور جاٹوں نے بھی قلعہ کی عمارت کی توڑ پھوڑ کی قلعہ آگرہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بھی محفوظ نہ رہا۔ قلعہ کے چار دروازے ہیں ان کے نام دہلی گیٹ، امر سنگھ گیٹ، واٹر گیٹ، ورشنی دروازہ ہیں۔ امر سنگھ اور دہلی گیٹ استعمال کیا جاتا ہے۔ باقی دو دروازے بند کر

دیے گئے ہیں۔ یہ دروازے سرخ پتھر اور سنگ مرمر سے تعمیر کیے گئے ہیں۔ سیاحوں کی بسیں جوں ہی قلعہ آگرہ کے قریب کھڑی ہوتی ہیں تمام سیاح گائیڈ کے ہمراہ قلعہ میں داخل ہوتے ہیں سیاح گائیڈ کے ہمراہ قلعہ کی سیر اور معلومات حاصل کرتے ہیں۔ ہمارا گائیڈ ایک مسلمان تھا جو عمر رسیدہ تھا اور اردو، انگریزی میں سیاحوں کو معلومات فراہم کرتا، بیشتر سیاح یورپ کے باشندے ہوتے ہیں۔ قلعہ کی بالائی منزل پر نوبت خانہ جہاں سے مغلیہ دور میں سرکاری تقریبات شہنشاہوں کی آمد و رفت کی اطلاع دی جاتی تھی اور اس دروازہ کے دونوں طرف ہاتھیوں کے مجسمے جو راجپوت بہادر کی یاد میں رکھے گئے تھے۔ ۱۶۶۶ء میں اورنگزیب عالمگیر نے ان ہاتھیوں کے مجسموں کو ختم کرایا امر سنگھ گیٹ شاہ جہاں کے دور میں تعمیر ہوا یہ دروازہ عام آدمیوں کے لیے ہے، یہ دروازہ امر سنگھ راٹھور مہاراجہ جودھ پور کے نام سے منسوب ہے کہا جاتا ہے۔ امر سنگھ نے قلعہ سے گھوڑا سمیت چھلانگ لگادی تھی۔ اس گھوڑے کی یاد میں سرخ پتھر سے گھوڑے کا مجسمہ نصب کیا گیا ہے۔ واٹر گیٹ دریائے جمنا کی طرف سے جہاں بادشاہ دریا کا نظارہ اور غسل کرتا اس دروازہ سے حرم کی بیگمات کشتی میں دریا کی سیر کرتی تھیں درشنی دروازہ سے بادشاہ سورج کے طلوع ہونے اور ہاتھیوں کی جنگ کا نظارہ کرتا۔ قلعہ آگرہ میں شاہ جہاں بادشاہ کی اسیری کے دوران اورنگزیب نے یہ دروازہ بند کروادیا تھا۔ قلعہ آگرہ میں داخل ہوں تو دو منزلہ جہانگیری محل بھی قابل دید ہے اس محل کے در و دیوار پر راجپوت طرز کے نقش و نگار۔ بیل بوٹے اور سنہری پتیوں سے بنائے گئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اکبر بادشاہ کی بیوی رانی جودھا بائی نے اس محل کے قریب مندر تعمیر کروایا تھا۔ یہ محل اکبر نے جہانگیر کی بیوی کے لیے تعمیر کروایا تھا۔ یہ محل اپنی خوبصورت میں اپنی مثال آپ ہے، محل کے صحن میں جہانگیری حوض تعمیر کیا گیا تھا۔ ۱۶۱۱ء میں جہانگیر نے اس حوض کی مرمت کی اور ملکہ نور جہاں کو تحفہ میں دیا جس نے گلاب کا عطر ایجاد کیا۔
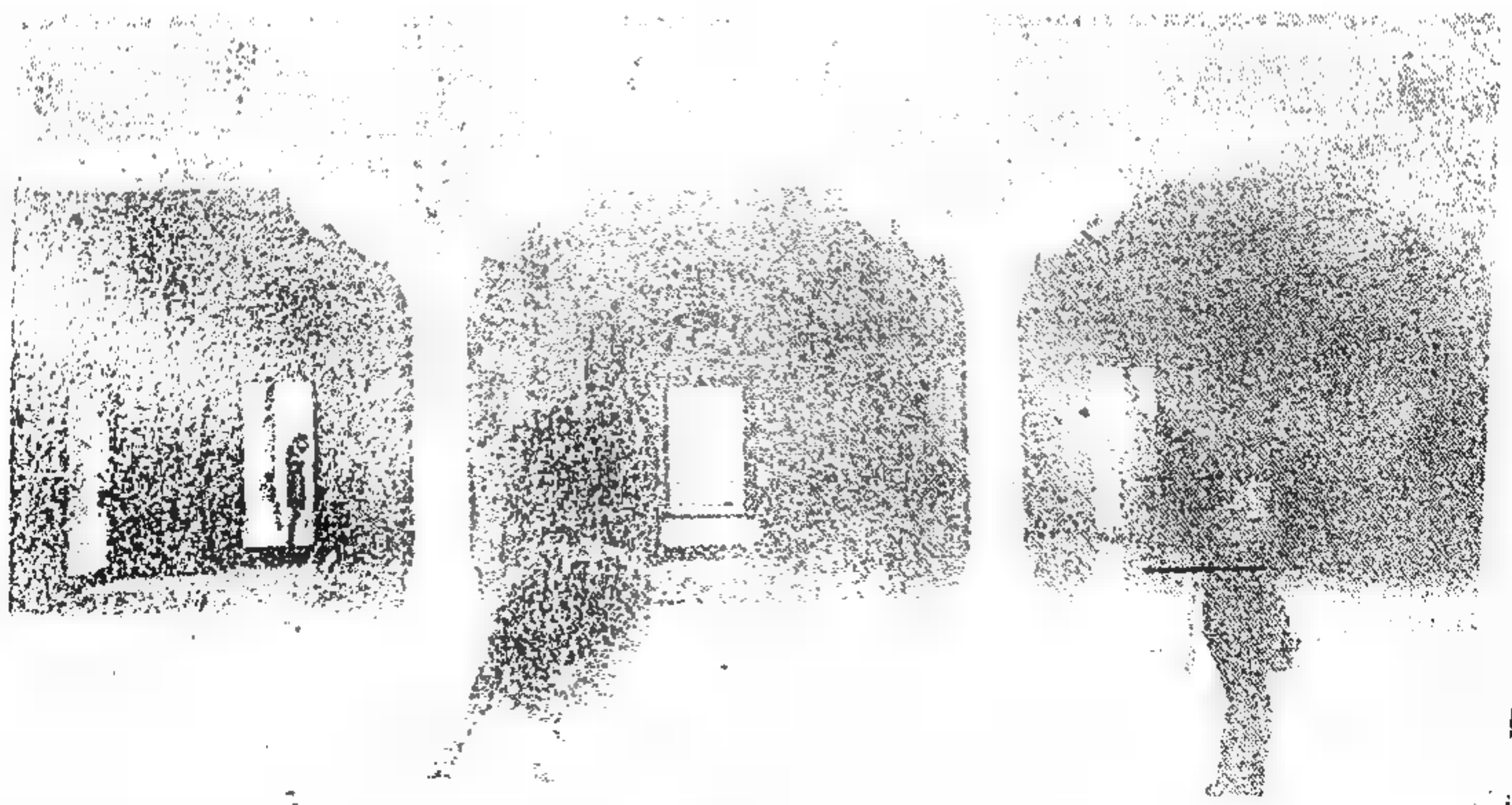
قلعہ آگرہ یہاں اسیری کے دوران شاہ جہان تاج محل کا نظارہ کرتا راقم اس عمارت میں کھڑا ہے۔

جہانگیری محل کے جنوب مشرق کی طرف اکبری محل ہے۔ جہاں اکبر بادشاہ کی بیگمات رہائش پذیر تھیں۔اس محل کے ملحقہ بنگالی محل بھی تھا۔اس محل کے قریب ایک باولی ہے جو بابر بادشاہ نے تعمیر کروائی تھی بعض تاریخ دانوں کی رائے کے مطابق یہ باولی اکبر نے تعمیر کروائی ہے یہ باولی ۱۰۵ فٹ گہری دس فٹ چوڑائی ہے قلعہ آگرہ میں شاہ جہانی محل جو رنگ محل کے نام سے مشہور ہے یہ شاہ جہاں کی خواب گاہ تھی جسکی دیواریں چھت بیل بوٹوں سے آراستہ ہیں۔ دریائے جمنا کی جانب یہ خوبصورت محل ہوا محل (ہاؤ محل) کے نام سے مشہور ہے۔دیوان خاص کے قریب شمال جنوب صوبہ کے لیفٹیننٹ گورنر جان رسل کولدین کی قبر بھی یہی پر ہیں جو نو ستمبر ۱۸۵۷ء کو فوت ہوا۔

غزنی دروازہ ایک کمرہ میں محفوظ پڑا ہے۔ جس کے بارے میں یہ بتایا جاتا ہے کہ ۱۸۹۲ء میں جنرل ٹونی نے یہ دروازہ غزنی سے لایا تھا یہ دروازہ محمود غزنوی کا تھا۔ صندل کی لکڑی کا بنا ہوا یہ دروازہ بارہ فٹ اونچا ہے اور دس فٹ چوڑا ہے آگرہ قلعہ میں گائیڈ نے خاص محل کے بارے بتایا۔ یہ خاص محل سنگ مرمر تعمیر کیا گیا۔ یہ آرام گاہ تین حصوں پر مشتمل ہے درمیانی کمرہ ۹۷ فٹ لمبا ۴۰ فٹ چوڑا ہے آگرہ قلعہ میں یہ عمارت بہت خوبصورت تعمیر کی گئی ہے رنگین بیل بوٹے نقش و نگار نمایاں نظر آتے ہیں۔ خاص محل کے ملحقہ حوض تعمیر کیا گیا ہے۔اس محل کے جنوب کی طرف شہزادی جہاں آرا بیگم کی رہائش گاہ تھی جو شاہ جہاں کی چہیتی بیٹی تھی۔ خاص محل کے شمال کی طرف شہزادی روشن آراء بیگم کی رہائش گاہ تھی۔ مغلیہ دور میں یہ عمارتیں بہت خوبصورت اور قابل دید تھیں۔ خاص محل کے قریب انگوری باغ قابل ذکر ہے
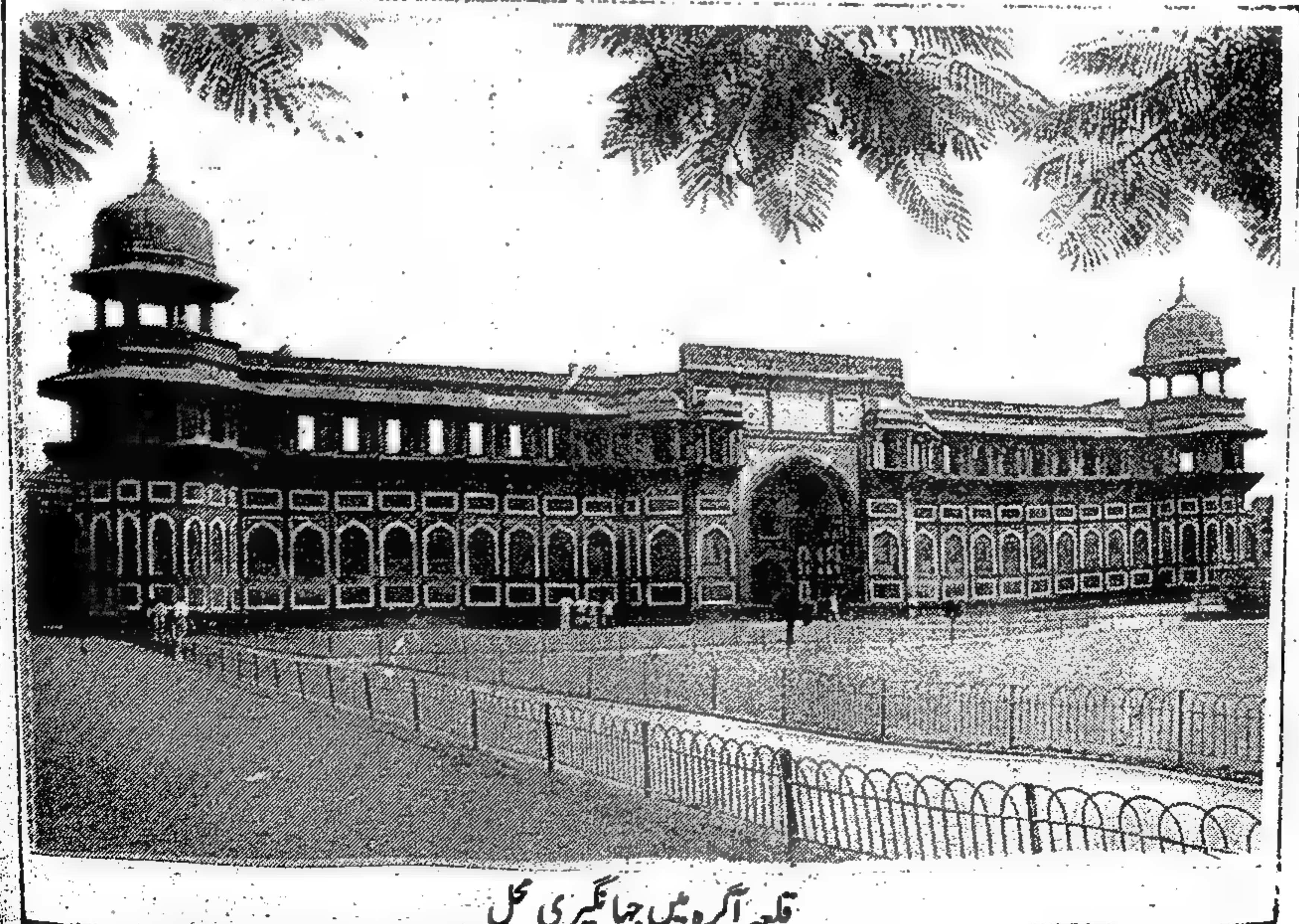
قلعہ آگرہ میں جہانگیری محل

انگوری باغ اکبر بادشاہ نے اپنی بیگمات کے لیے تعمیر کروایا تھا۔ باغ کے لیے پھول دار پودے کشمیر سے منگوائے گئے تھے۔ باغ کے درمیان خوبصورت حوض بھی تعمیر کیا گیا ہے۔ خاص محل کے زیر زمین ایک تہہ خانہ ہے جس میں باغیوں کو سزائے موت دی جاتی تھی اور ان کی لاش دریائے جمنا میں بہادی جاتی تھی۔ گائیڈ سیاحوں کو شیش محل کی طرف لے گیا۔ شیش محل خاص محل کے شمال کی طرف ہے۔ ۱۶۳۲ء میں شیش محل شاہ جہاں نے تعمیر کروایا۔ لیمپ کی روشنی جب شیشوں پر پڑتی تو عجب نظارہ پیش کرتی بادشاہ اور بیگمات اس نظارے سے لطف اندوز ہوتے ثمن برج جو جہانگیر بادشاہ نے ملکہ نور جہاں کے لیے تعمیر کیا ثمن برج بھی سنگ مرمر سے تعمیر کیا گیا ہے۔ شاہجہان کے دور میں ثمن برج ملکہ ممتاز محل نے بطور خواب گاہ استعمال کیا یہ وہی جگہ ہے جہاں اورنگزیب عالمگیر نے شاہ جہاں کو نظر بند رکھا۔ ۱۸۰۳ء توپوں کے گولوں سے قلعہ آگرہ کو نقصان پہنچا بعد میں متاثرہ حصوں کی مرمت کر دی گئی۔ سیاحوں کا قافلہ گائیڈ کی قیادت میں دیوان خاص میں داخل ہوا دیوان خاص ۱۶۳۷ء میں شاہ جہاں بادشاہ نے سنگ مرمر سے دریائے جمنا کی جانب تعمیر کروایا۔ دیوان خاص کے ستونوں پر رنگ برنگ کے بیل بوٹے اور نقش و نگار ہیں کہا جاتا ہے کہ یہ عمارت اس انجینئر نے تعمیر کی تھی جس نے تاج محل تعمیر کیا تھا۔ چھت اور دیواروں کے خوبصورت قیمتی پتھر سونے چاندی کا کام جاٹوں نے قلعہ پر قبضہ کے دوران نکال لیے تھے۔ بادشاہ صبح شام یہاں شاہی دربار منعقد کرتا۔ بادشاہ، امراء اور سفیروں سے ملاقات کرتا۔ قلعہ آگرہ کے اندر دو رنگ یعنی سفید اور سیاہ پتھروں کے تخت بنائے گئے ہیں۔ سیاہ رنگ کا تخت دس فٹ سات انچ لمبا اور نو فٹ دس انچ چوڑا اور چھ انچ اونچا ہے۔ یہ تخت سنگ مرمر کے ستونوں پر تعمیر کیا گیا ہے عام قیاس یہی ہے کہ یہ تخت ۱۶۰۲ء میں تعمیر ہوا جہانگیر نے الہ آباد میں اس تخت پر بیٹھ کر بادشاہت کا اعلان کیا اکبر کی وفات کے بعد یہ تخت الہ آباد سے آگرہ منتقل
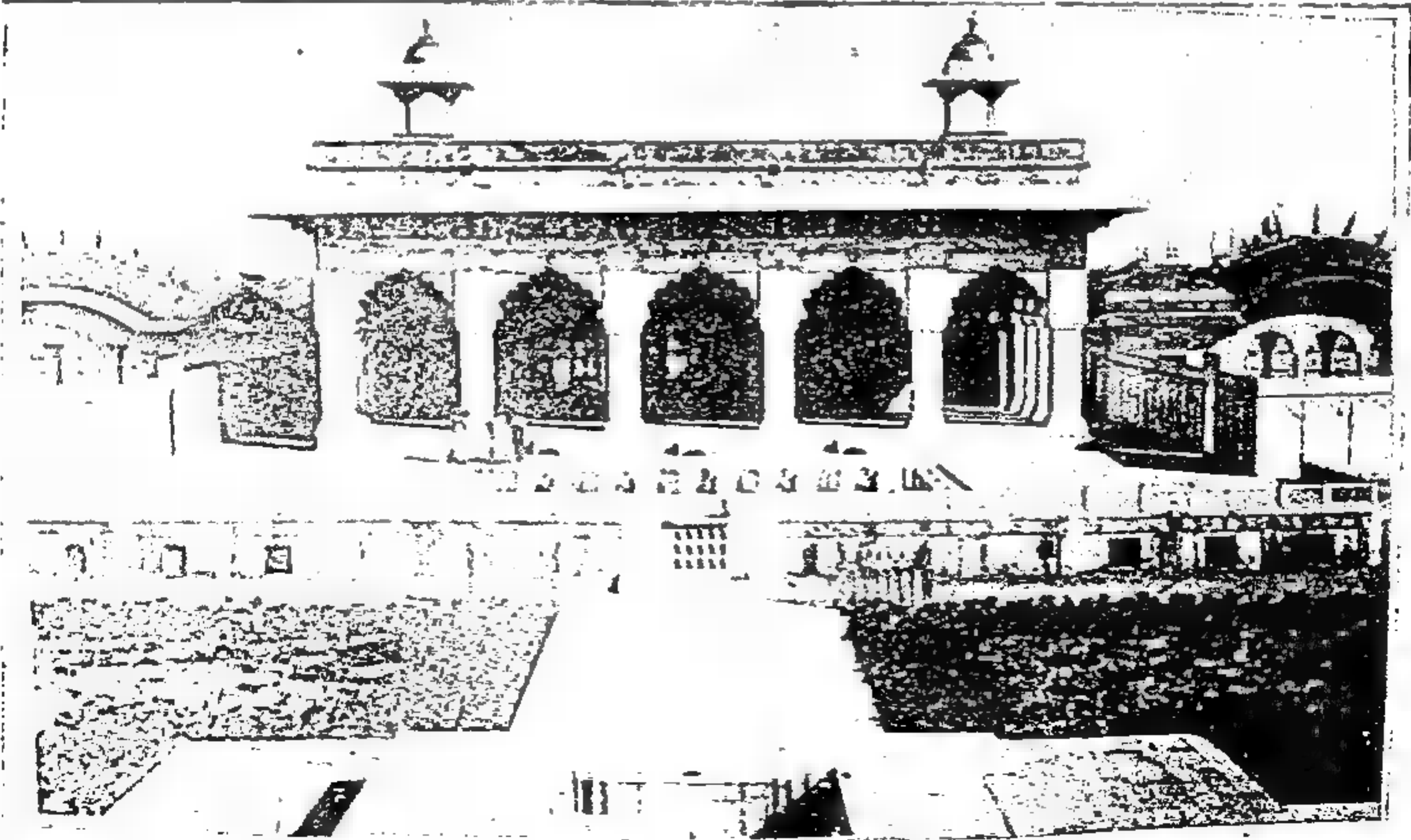
قلعہ آگرہ میں خاص محل

ہوا، شہنشاہ اس تخت پر عبادت کرتا اور جانوروں کی لڑائی سے دل بہلاتا۔ سیاہ پتھر کے تخت کے سامنے سفید پتھر کا تخت بنایا گیا ہے جہانگیر کے دور میں یہ تخت وزیر اعظم کے لیے تھا۔ لیکن شاہ جہاں اس تخت پر بیٹھ کر مچھلی کا شکار کرتا اس تخت کے نیچے مچھلی بھون ہے۔ دیوان خاص کے سامنے شاہی حمام ہے یہاں گرم اور ٹھنڈے پانی کے لیے پائپ نصب ہیں جو اکبر بادشاہ کے دور میں تعمیر ہوئے بعد میں شاہ جہاں نے مزید تعمیرات کیں دیوان عام اور دیوان خاص کے درمیان ایک مچھلی بھون ہے مغلوں کے دور میں اس میں سنہری اور سفید رنگ کی مچھلیاں رکھی جاتی تھیں۔ جاٹوں نے قبضہ کے دوران مچھلی بھون کی کھدائی کی شاید اس کے نیچے شاہی خزانہ ہے۔ مچھلی بھون کے جنوب کی طرف مینا مسجد ہے جو اورنگزیب کے دور میں شاہجہاں کے لیے سنگ مرمر سے تعمیر کی گئی۔ دوسری مسجد نگینہ مسجد کے نام سے مشہور ہے جو مچھلی بھون کے شمال مغرب کی طرف ہے یہ مسجد بھی سنگ مرمر سے تعمیر کی گئی ہے۔ یہ مسجد بھی اورنگزیب عالمگیر نے ۱۶۸۵ء میں تعمیر کروائی۔ یہ مسجد خواتین کیلئے مخصوص تھی اس کا ایک دروازہ مین بازار کی طرف کھلتا تھا اس مسجد کے ملحقہ مینا بازار ہے جو اکبر بادشاہ نے تعمیر کروایا یہ بازار بادشاہ اور امراء معززین کی بیگمات کے لیے بنایا گیا۔ سرخ پتھروں سے تاجروں کے لیے دوکانیں تعمیر کی گئیں جہاں قیمتی اشیاء فروخت ہوتی تھیں اس بازار میں سوائے بادشاہ کے مردوں کا داخلہ بند تھا۔ مینا بازار کا اجراء نوروز کے مہینے میں ہوتا یہ بازار ایک ماہ جاری رہتا دنیا جہاں کی مہنگی اور قیمتی اشیاء مینا بازار میں فروخت ہوتیں۔ مینا بازار کے قریب ہی چتوڑ گیٹ نصب ہے۔ جو اکبر نے چتوڑ سے ۱۵۶۸ء میں لایا تھا مچھلی بھون کے مغرب کی طرف عوام کے لیے دیوان عام سرخ پتھر سے تعمیر کیا گیا ہے ہال ۹۲ فٹ لمبا ۶۴ فٹ چوڑا ہے۔ ہال کا صحن ۵۰۰ فٹ لمبا اور ۰۰ ف
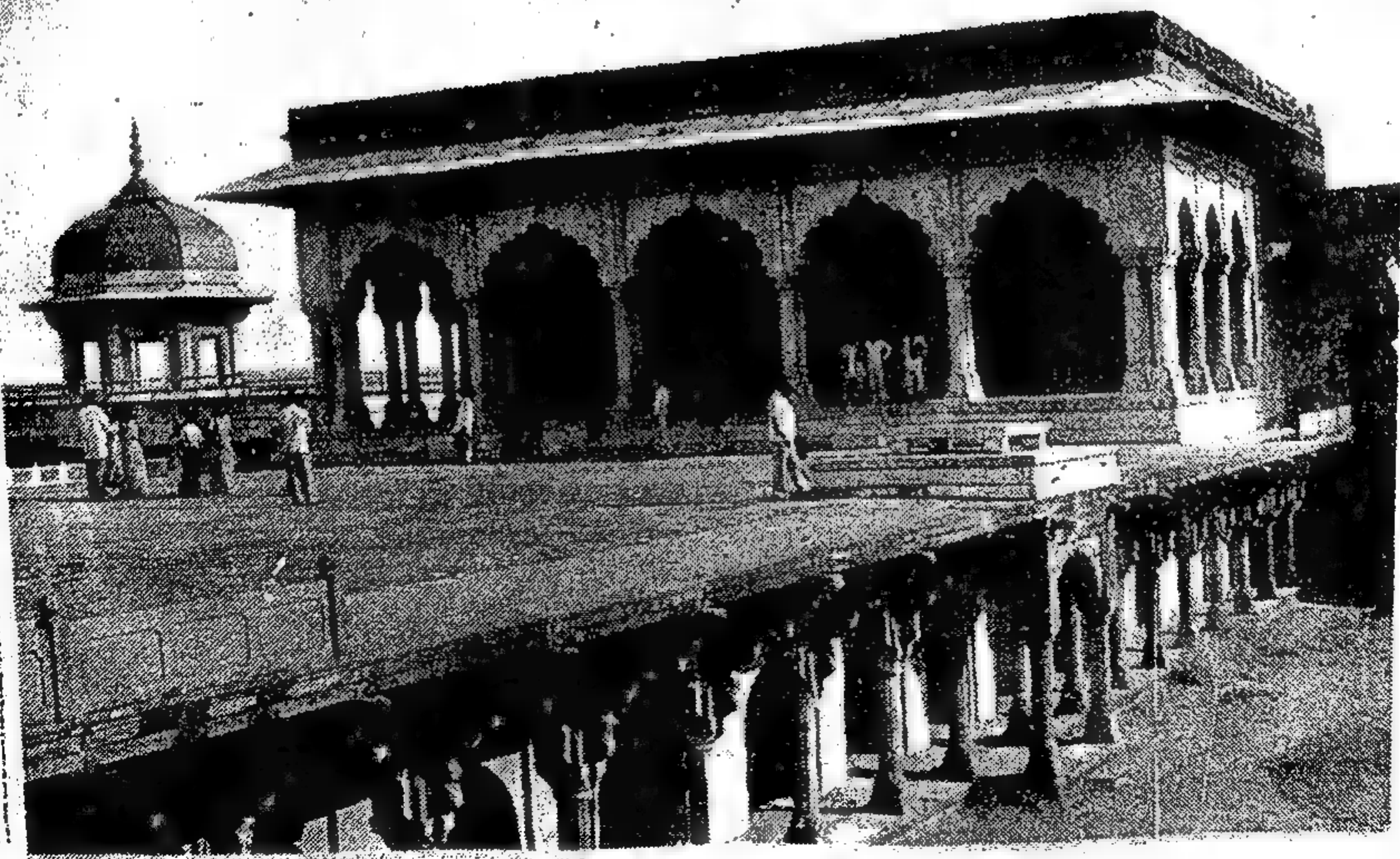
قلعہ آگرہ کا دیوان خاص

چوڑا ہے یہ عمارت اکبر نے تعمیر کی تھی۔ یہ عمارت بھی بہت خوبصورت اور نفیس ہے۔ مغلوں کے سنہری دور میں صبح و شام شاہی دربار منعقد ہوتا تھا۔ یہاں بادشاہ کے لیے کرسی تعمیر کی گئی جھروکہ کے نام سے مشہور تھی۔ یہ کرسی اور تاج ہیرے جواہرات، سونے چاندی اور قیمتی پتھروں سے مزین تھا۔

اس بالکونی کے نیچے امراء، راجوں مہاراجوں، سفیروں کی نشست گاہیں تھیں، جہاں سے بادشاہ عوام سے درخواستیں وصول کرتا فرمان اور حکم نامے جاری کرتا۔ یہ رواج تھا کہ دربار منعقد کرنے سے پہلے سنگھار کیے ہوئے ہاتھی گھوڑے بادشاہ کو سلامی دیتے دربار کے اختتام پر شہنشاہ عبادت کے لیے مسجد کی طرف روانہ ہو جاتا کرسی کے دونوں جانب سنگ مرمر سے تعمیر کی گئی دو جالی دار کھڑکیاں ہیں جو خواتین کے لیے بنائی گئی تھیں جو عدالتی کاروائی دیکھا کرتی تھیں۔ آگرہ قلعہ میں ان عمارتوں کے علاوہ میوزک ہال جو جہانگیر بادشاہ کے دور میں تعمیر ہوا ایک انتہائی خوبصورت مسجد جو (موتی Pearl) یعنی قیمتی موتی مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مسجد شاہ جہاں نے تین لاکھ روپے کی لاگت سے تعمیر کروائی۔ ساری مسجد ۱۶۴۷ء میں سنگ مرمر سے تعمیر کی گئی ہے۔ ۱۶۵۴ء میں مسجد کے صحن میں اضافہ کیا گیا مسجد کے صحن میں ایک خوبصورت حوض بھی ہے مسجد میں ۵۷۰ نمازیوں کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ مسجد کے دونوں طرف سنگ مرمر سے کمرے تعمیر کیے گئے ہیں۔ جن میں ۱۹۰ افراد کے بیٹھنے کی گنجائش ہے۔ یہ کمرے حرم کی خواتین کے لیے بنائے گئے تھے اس مسجد پر تین گنبد بھی ہیں دہلی اور ہندوستان میں تمام قدیمی تاریخی عمارتوں کے اندر مسلمان بادشاہوں نے مساجد تعمیر کی ہیں۔ دریائے جمنا قلعہ کے ساتھ بہتا ہے کئی سو سال گزر چکے ہیں۔ مسلمان بادشاہوں کی تعمیر کردہ یہ
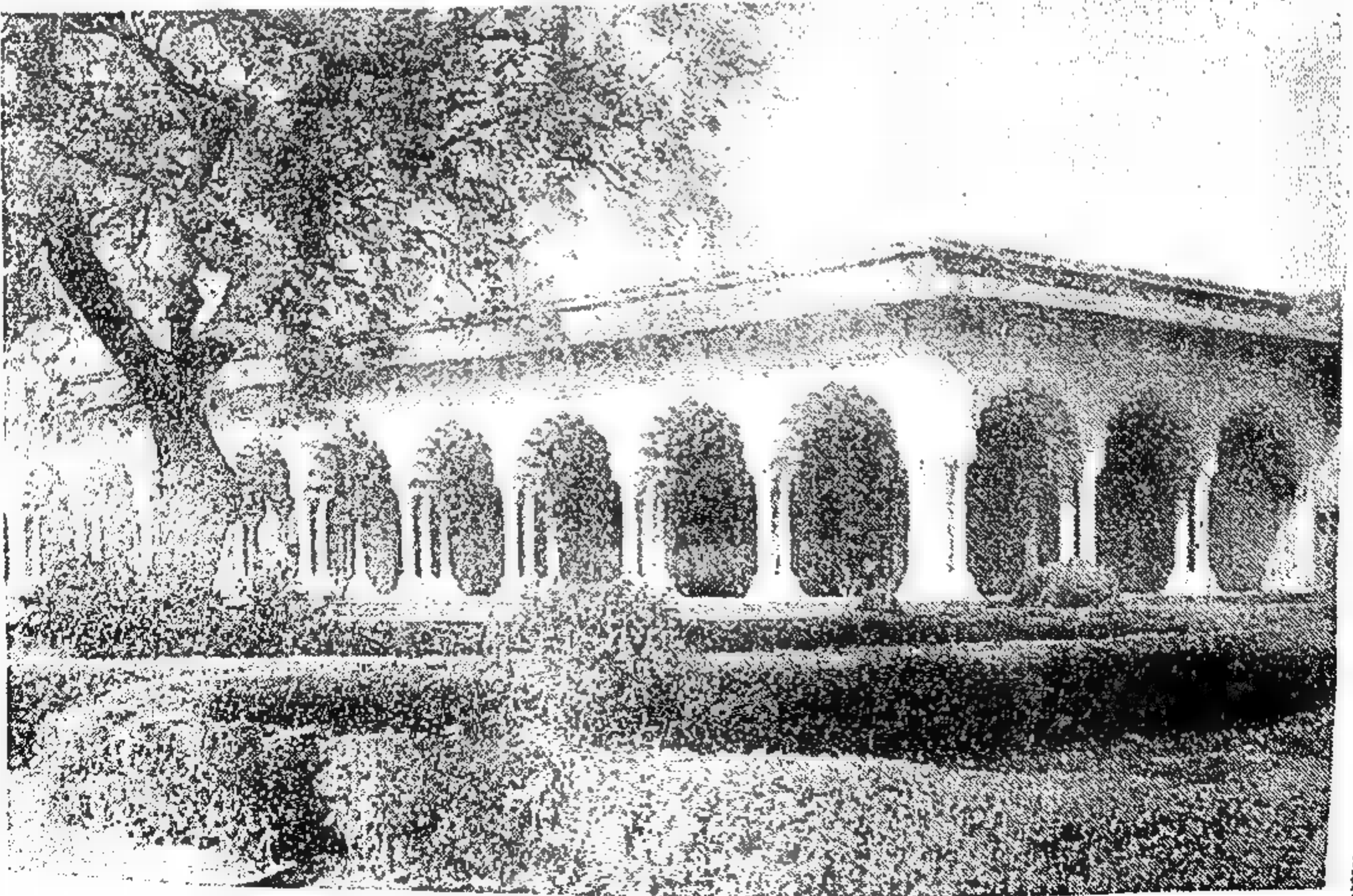
قلعہ آگرہ دیوان عام

عمارتیں آن شان سے کھڑی ہیں اور عظمت رفتہ کی عکاسی کرتی ہیں۔ آج تک کروڑوں سیاح ان عمارتوں کو دیکھنے آتے ہیں قلعہ میں داخلہ کا ٹکٹ پندرہ روپے ہے اس لحاظ سے حکومت ہند کو کروڑوں کی آمدنی ہوتی ہے جمعہ کے روز ان تاریخی عمارتوں میں داخلہ فری ہوتا ہے آگرہ کے قلعہ کی سیر کے بعد سیاحوں کو تاج محل کی طرف لے جایا جاتا ہے۔ بس سٹاپ کے گردونواح تاجروں کی دوکانیں ہیں جہاں کپڑے، جوتے، ملبوست، کتب اور سنگ مرمر سے تیار شدہ تاج محل کے ماڈل فروخت ہوتے ہیں غیر ملکی سیاحوں کے لیے ہنڈی کرافٹ بھی رکھے ہوئے ہیں۔ تاج محل اور قلعہ آگرہ دنیا کے ہشت عجائبات میں شامل ہیں۔
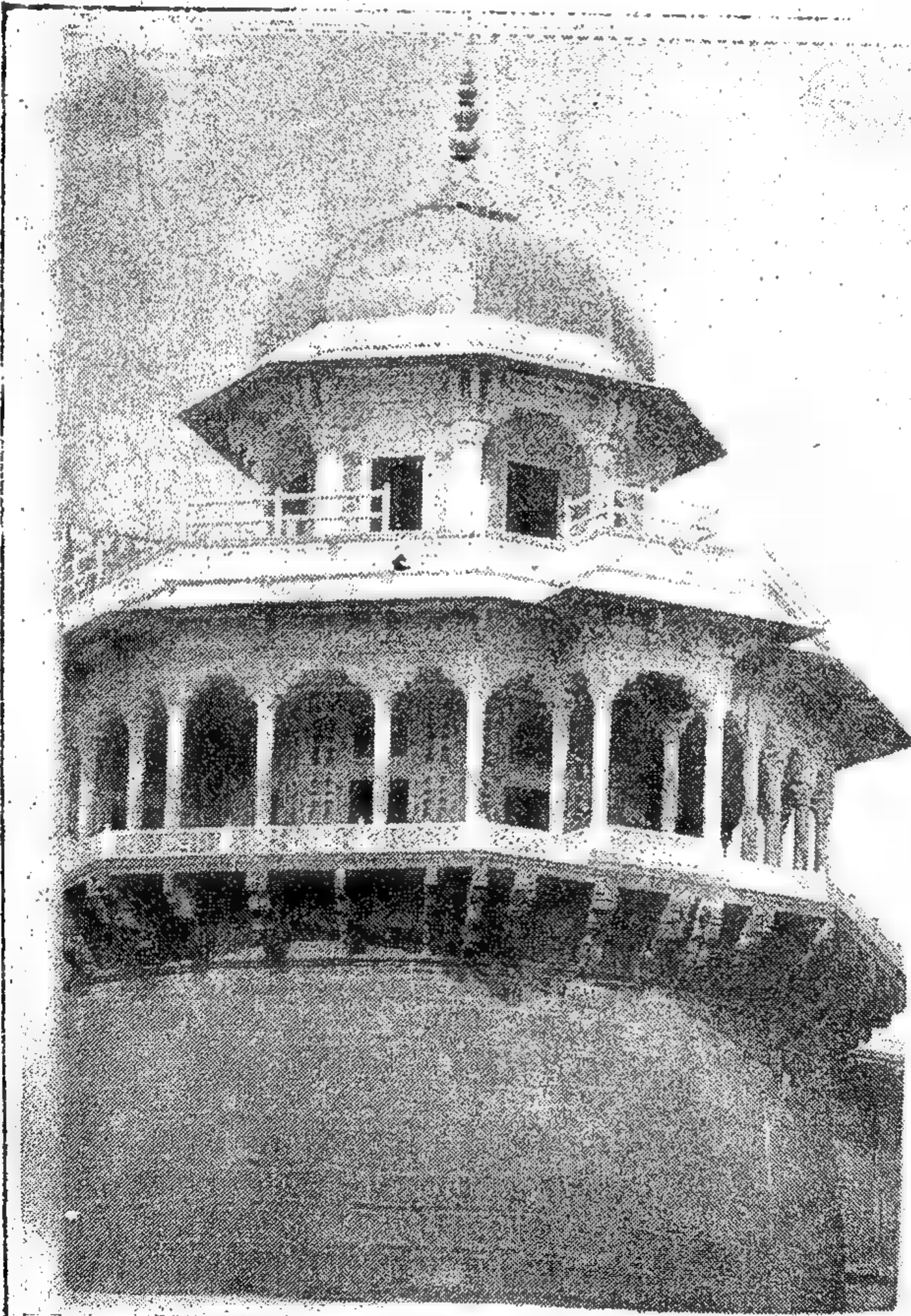
قلعہ آگرہ ثمن برج کی زریں منزل

آگرہ فتح پور سیکری، سکندرہ کی تاریخی عمارتیں
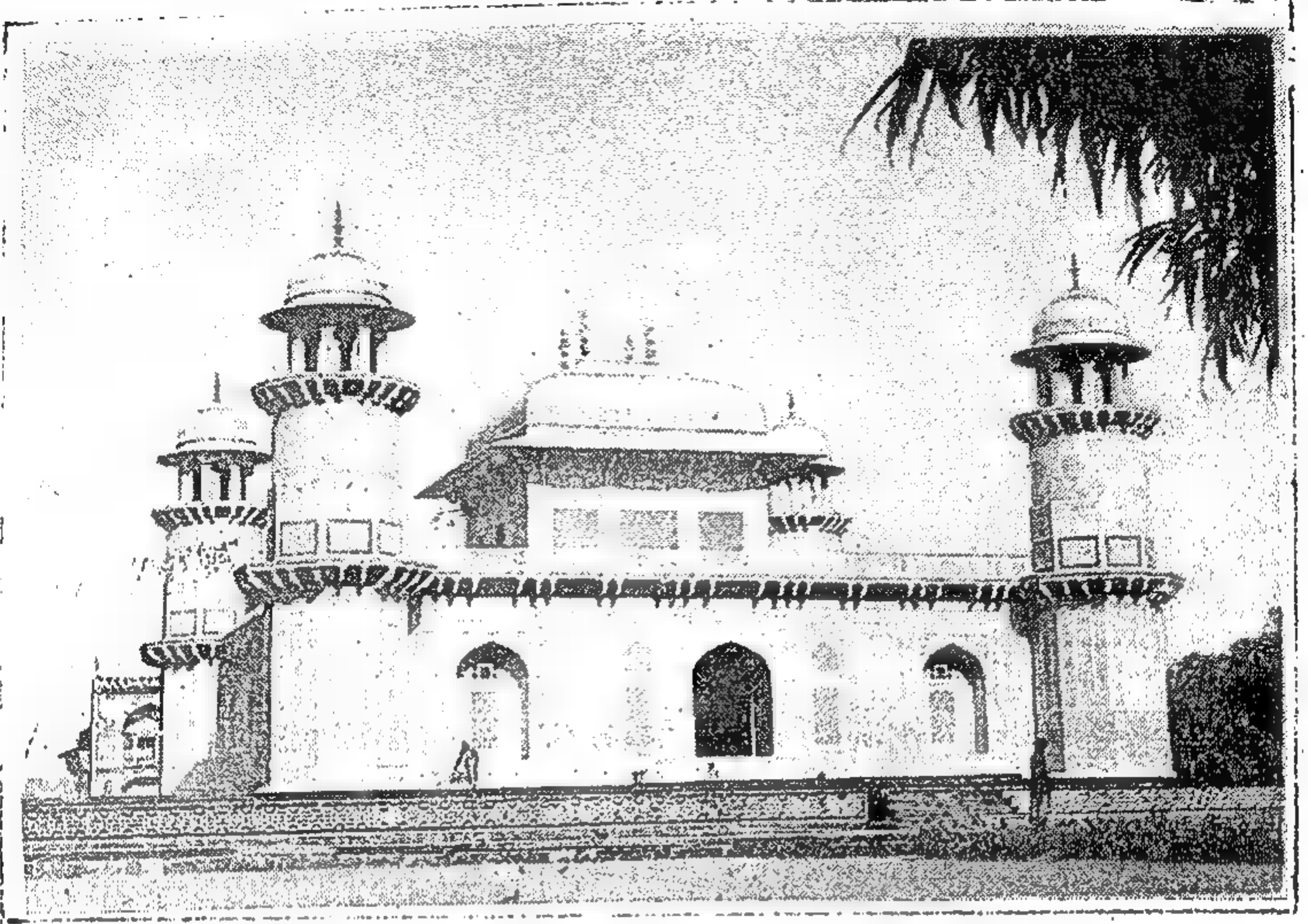
آگرہ میں دریائے جمنا عبور کرنے سے پہلے اعتمادالدولہ کا مقبرہ آتا ہے۔ اعتمادالدولہ غیاث بیگ نور جہاں کا والد تھا۔ اس مقبرے میں اعتمادالدولہ اور اس کی بیوی عصمت النساء جس کی وفات ۱۶۲۰ء میں ہوئی تھی۔ محو خواب لحد ہیں ۔ ایک روایت کے مطابق اس مقبرے کا ڈیزائن خود نور جہاں نے تیار کیا تھا۔ دریائے جمنا کا پانی مقبرے کو چھو کر گزرتا ہے ۔ یہ مقبرہ اتنا خوبصورت ہے کہ آگرے میں تاج محل نہ ہوتا تو لوگ اسے ہی دیکھنے کے لیے آگرے کا سفر کیا کرتے۔ تاج محل کی موجودگی میں مقبرہ اعتماد الدولہ کا حسن ماند پڑ جاتا ہے۔ اعتمادالدولہ کے مقبرے کی تعمیر ۱۶۲۲ء میں شروع ہوئی۔ ۱۶۳۱ء میں تعمیر مکمل ہوئی۔ ہندوستان میں یہ ایک ایرانی طرز کی پہلی عمارت سنگ مرمر سے تعمیر کی گئی ہے دیواروں پر قرآنی آیات کندہ ہیں سنگ مرمر کے بارہ ستون پر عمارت کھڑی ہے۔ ۱۹۰۵ء میں جب پرنس آف ویلز ہندوستان آیا تو وارڈ کرزن نے مقبرہ کی مرمت کروائی تھی۔ اعتمادالدولہ کے مقبرے کے قریب ہی دو پل ہیں۔ ان میں سے ایک پل کے ذریعے دریا عبور کرتے ہیں۔ دریا کا دوسرا کنارہ، جو شہر کی جانب ہے، ہاتھی گھاٹ کہلاتا ہے۔ شاید کسی زمانے میں یہاں شاہی فیل خانے کے ہاتھی دریا میں نہاتے ہوں۔ آگرہ فورٹ کے ریلوے اسٹیشن سے متصل شہزادی جہاں آراء بیگم (م ۱۶۸۱ء) کی تعمیر کردہ مسجد ہے۔ یہی آگرے کی جامع مسجد ہے۔ یہ ریلوے لائن سے اتنی قریب ہے کہ اس کی

پوری تصویر ریلوے لائنوں میں ہی کھڑے ہو کر اتار سکتے ہیں۔ مسجد کی چھت پر تین دھاری دار گنبد ہیں جو دیکھنے میں بڑے بھلے دکھائی دیتے ہیں۔ مسجد کے نیچے دکانیں ہیں اس لیے متعدد سیڑھیاں چڑھ کر مسجد میں داخل ہوتے ہیں۔ مسجد کی تعمیر ۱۶۴۴ء میں شروع ہوئی اور ۱۶۴۹ء میں مکمل ہو گئی۔ مسجد پر پندرہ لاکھ روپے خرچ آئے۔ مسجد سرخ پتھر سنگ مرمر سے تعمیر کی گئی ہے صحن میں حوض ہے۔ زیر زمین کمرہ میں درویش کا مقبرہ ہے۔ مسجد کے دونوں طرف شاہی بیگمات کے کمرے بنائے گئے ہیں۔

سکندرہ اور آگرے کے درمیان، سکندرہ کے قریب ایک شاندار گوردوارے کی عمارت نظر آتی ہے۔ سکھوں کا یہ کہنا ہے کہ اس جگہ سے اورنگزیب نے گورو تیغ بہادر کو گرفتار کیا تھا۔ اس گوردوارے سے قریب لاڈلی بیگم کے مقبرے کے نام سے ایک چوکھنڈی میں ابوالفضل، فیضی اور ان کے والد شیخ مبارک ناگوری کی قبریں ہیں۔ آگرہ سے فتح پور سیکری کا فاصلہ ۲۲ میل ہے۔ یہاں شیخ سلیم چشتیؒ کا مقبرہ ہے، اکبر کو ان کے ساتھ اتنی عقیدت تھی کہ اس نے اپنا دارالحکومت آگرہ سے فتح پور سیکری منتقل کر لیا اور وہاں عالیشان عمارات نوبت خانہ، دیوان عام، دیوان خاص، خاص محل چار چمن پنج محل یعنی پانچ منزلہ عمارت سنہری محل مریم پیلس، ہوا محل، بیربل ہاؤس بنوائیں۔ فتح پور اور سیکری دو الگ الگ قصبے ہیں لیکن انہیں ملا کر پڑھا جاتا ہے۔ اسی مقام پر بابر نے ۱۵۲۷ء میں رانا سانگا کو شکست دے کر اس کو ہندوستان کا فرمانبردار بننے کا منصوبہ خاک میں ملا دیا تھا۔

اکبر نے شہر کے گرد فصیل بنوائی جس کے بچے کچھے حصے تاحال موجود ہیں چند مشہور دروازے اجمیری دروازہ، متھرا گیٹ،
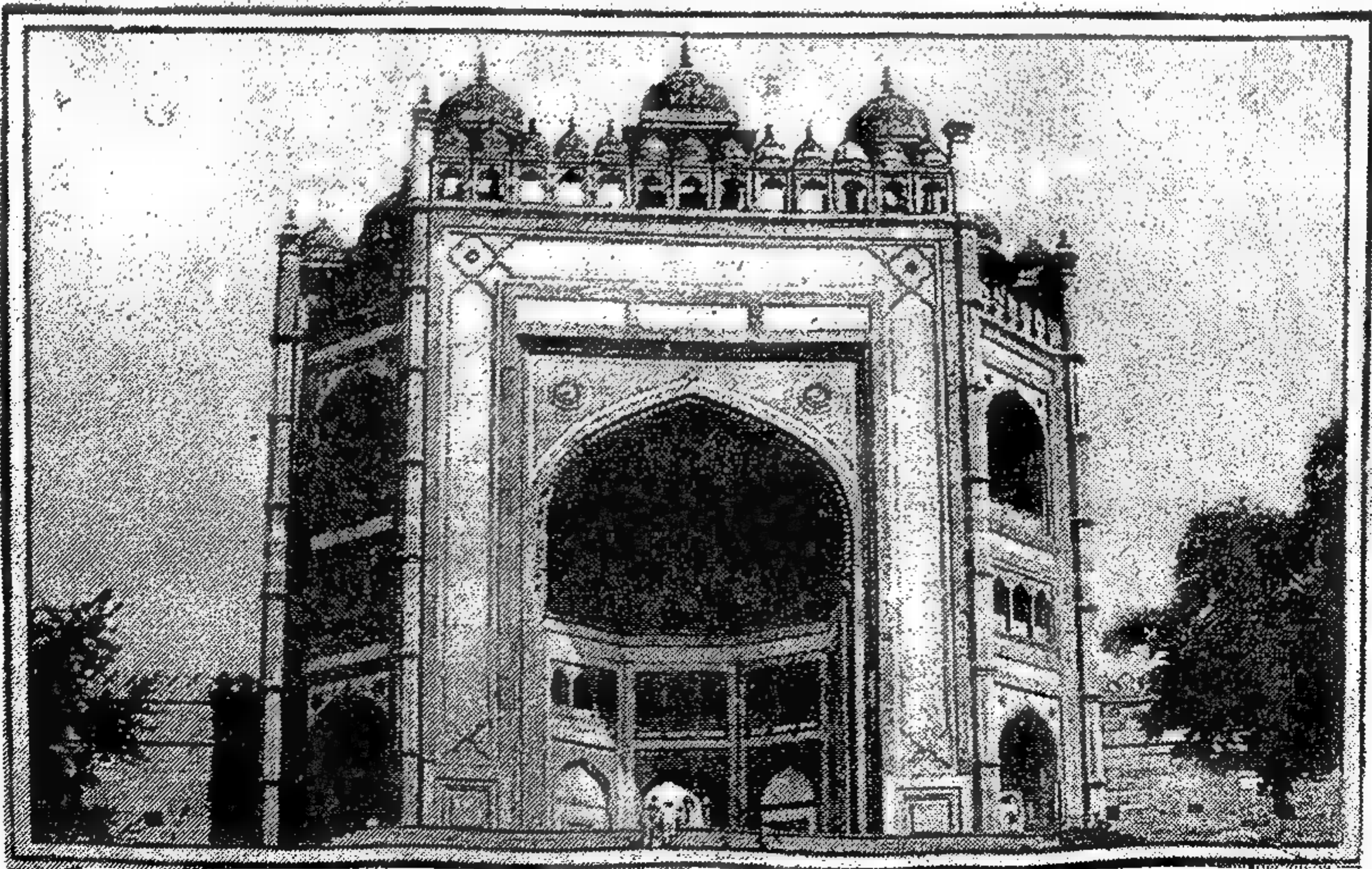
بلند دروازہ فتح پور سیکری

چندرپال گیٹ بیربل گیٹ ہیں۔ اکبر کی تعمیر کردہ عمارات ایک پہاڑی کے اوپر ہیں۔ اسی پہاڑی پر اس نے گجرات کی فتح کی خوشی میں ایک شاندار دروازہ بنوالیا تھا۔ جو بلند دروازہ کے نام سے موسوم ہے۔ اس دروازے سے باہر ایک باؤلی ہے۔ دروازے سے گزر کر ایک وسیع احاطے میں داخل ہوتے ہیں۔ سامنے ایک بڑے گنبد میں اسلام خان کی قبر ہے۔ وہ حضرت سلیم چشتیؒ کا پوتا اور بنگال کا گورنر تھا۔ اسے موسیقی کے ساتھ اتنی دلچسپی تھی کہ وہ ماہانہ ہزاروں روپے موسیقاروں پر خرچ کرتا تھا۔ اس مزار کے گرد و نواح کئی مقبرے اور قبریں ہیں۔

اسلام خان کے مقبرے کے قریب ہی اس کے جدامجد شیخ سلیم چشتیؒ کا مزار ہے اکبر کی نرینہ اولاد نہ تھی۔ اس نے آپ سے دعا کروائی اور وضع حمل سے قبل اپنی رانی جودھابائی کو شیخ سلیم کے گھر بھیج دیا۔ وہیں شہزاد سلیم پیدا ہوا۔ اکبر نے اپنے ولی عہد کا نام ان کے نام پر سلیم رکھا تھا۔ حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کا مزار سنگ مرمر سے بنایا گیا ہے۔ اس کی جالیاں اور بریکٹ دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ مزار کے اوپر ایک چھپر کھٹ ہے جس پر سیپ کے ساتھ بہت عمدہ کام کیا گیا ہے۔ مسجد کے مشرقی دروازے سے باہر نکلیں تو بائیں ہاتھ رانی جودھابائی کا محل ہے اس میں گھومتے پھرتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم کسی مندر میں گھوم رہے ہیں۔ رانی نے یہ محل اپنے ذوق کے مطابق ہندوانہ طرز پر تعمیر کروالیا تھا۔

رانی جودھابائی کے محل سے آگے ایک بہت بڑا کمپاؤنڈ آتا ہے۔ اس میں ایک عمارت "رومی سلطانہ کا محل" کے نام سے موسوم ہے۔ یہ غالباً اس کی بیوی رقیہ سلطان کا محل تھا جو ترکی کے علاوہ اور کوئی زبان نہیں جانتی تھی۔ بدیں وجہ اس کا نام رومی سلطانہ پڑ گیا۔ اس سے قریب ہی ایک پانچ منزلہ عمارت ہے جو پنج محل کے نام سے مشہور ہے اس کے بالائی منزل پر

پنج محل فتح پور سیکری
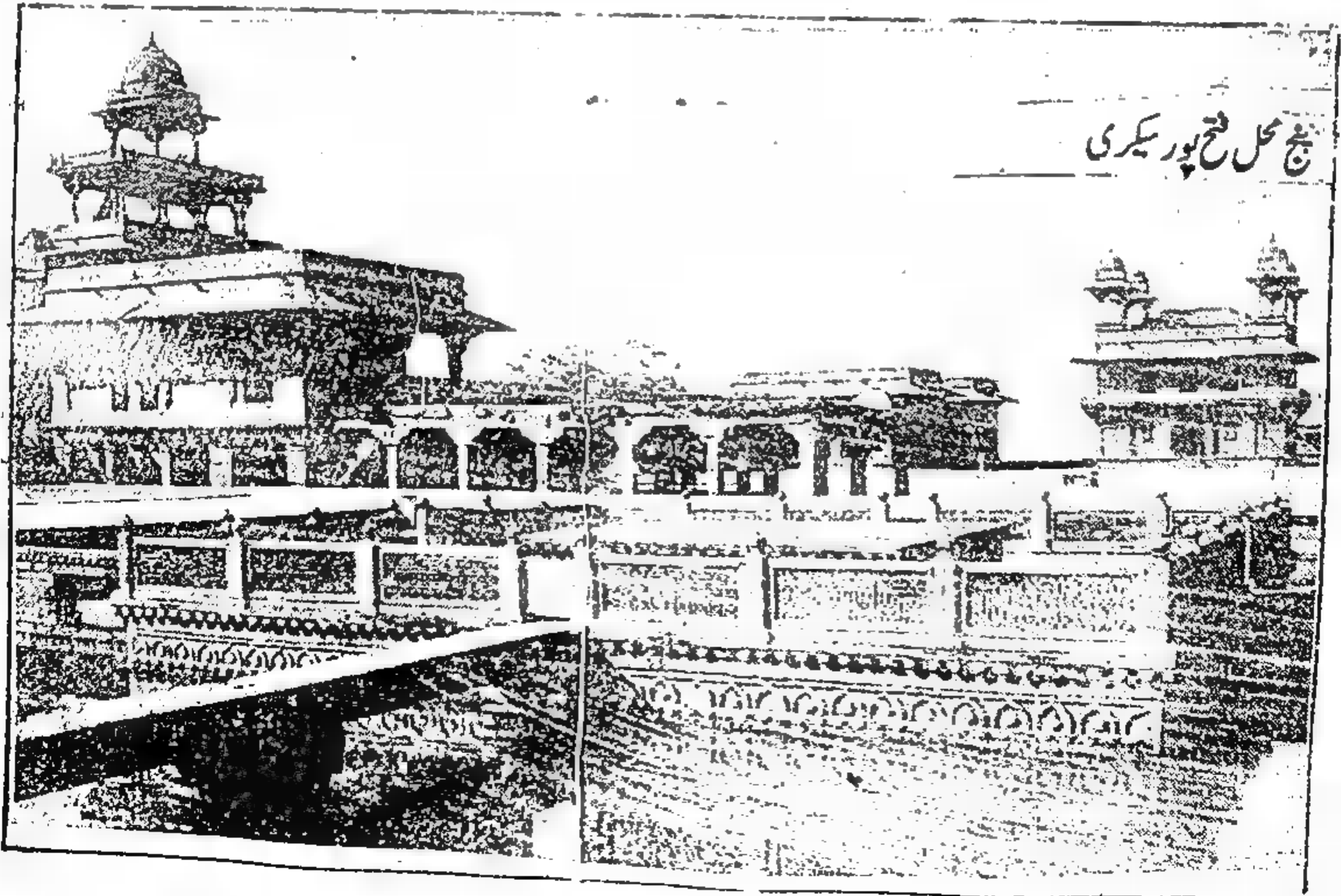
چڑھ کر میلوں تک کا علاقہ نظر آتا ہے۔ پنج محل کے بعد "عبادت خانہ" کی عمارت ہے اس عمارت کے درمیان میں ایک ستون بنا ہوا ہے جس پر منبت کاری کا کام اپنی مثال آپ ہے اسی عمارت میں اکبر مذہبی مباحثے کروایا کرتا تھا۔ عبادت خانہ کے بعد اسی جیسی ایک اور عمارت ہے جو "میریل محل" کہلاتی ہے۔ اس کے اندر ایک دیوار پر اکبر کا قد آدم پورٹریٹ بنا ہوا ہے۔ اس پہاڑی کے نیچے ایک ہاتھی مینار بنا ہوا ہے جس طرح جہانگیر نے شیخوپورہ میں ہرن مینار بنوا لیا تھا اسی طرح اکبر نے اپنے ایک محبوب ہاتھی کی قبر بنوا کر اس کے ساتھ تین فٹ اونچا مینار بنوا دیا ہے۔ اس مینار سے قریب ایک بڑا کنواں ہے جہاں سے شاہی محل کو پانی مہیا کیا جاتا ہے۔ چنی کا روضہ بھی ایرانی طرز پر تعمیر کیا گیا ہے۔ یہ مقبرہ مشہور شاعر شکور اللہ نے تعمیر کرایا۔ ۱۶۱۸ء میں جہانگیر کے دور میں شاہی منصب حاصل کیا اور شاہ جہاں کے دور میں وزیر خزانہ مقرر ہوا۔ ۱۶۳۱ء میں لاہور میں وفات پائی اسکی لاش لاہور سے لا کر یہاں دفن کی گئی ہے۔ دوسری قبر اسکی بیوی کی ہے مقبرہ پر شاندار نقش و نگار اور عمدہ کام کیا گیا ہے۔ قرآنی آیات دیواروں پر کندہ ہیں۔ یہ تاریخی عمارت خستہ حالت میں ہے رام باغ یہ باغ دریائے جمنا کے بائیں کنارے اعتماد الدولہ کے مقبرہ کے قریب ہے شہنشاہ بابر نے ہندوستان کی گرمی سے بچنے کے لیے یہ باغ تعمیر کروایا تھا۔ شروع میں اس باغ کا نام آرام باغ تھا۔ بابر کی وفات کے بعد اسکی میت کو عارضی طور پر اس باغ میں دفن کیا گیا اس مقام پر ایک چار برجی نما عمارت تعمیر کی گئی۔ ملکہ نور جہاں نے باغ کا نام باغ نور جہاں رکھا۔ مرہٹوں نے آگرہ پر عارضی قبضہ کے دوران اس باغ کا نام رام باغ رکھا۔ متھرا روڈ پر سکندرہ آگرہ شہر سے پانچ میل کے فاصلہ پر ہے۔ 1422ء سکندر لودھی کے دور میں اس کا پایہ تخت تھا۔ جس کی وجہ سے یہ اسکندرہ مشہور ہو گیا۔ یہاں کئی تاریخی عمارتیں ہیں اگرچہ سکندرہ کی شان و شوکت عظمت ختم ہو چکی ہے لیکن اکبر بادشاہ کے مقبرہ کی وجہ سے اسکی عظمت رفتہ برقرار ہے اکبر نے اپنے مقبرہ کے لیے یہ جگہ پسند کی تھی اپنی زندگی میں مقبرہ کی تعمیر شروع کر دی۔ دوران تعمیر تین سال بعد اس کا وصال ہوا اکبر کا مقبرہ بہشت آباد میں ہے کہا جاتا ہے کہ یہ مقبرہ ایک سو پچاس ایکڑ رقبہ میں تھا۔ مقبرہ کی دیواروں کی بلندی پچیس فٹ ہے اور چار دروازے ہیں جو سرخ پتھر اور سنگ مرمر سے تعمیر کیے گئے ہیں۔ مقبرہ سطح زمین سے کافی بلند ہے اور لاتعداد سیڑھیاں ہیں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں صندل کے دروازوں کو نقصان پہنچا۔ ۱۹۰۵ء میں لارڈ کرزن نے اسکی مرمت کروائی۔ شروع میں اکبر کے مقبرہ کے دروازوں کی چھت سونے چاندی سے مزین تھی۔ بعد میں سونا چاندی کھرچ لیا گیا۔ دروازہ کا ایک حصہ نوبت خانہ کے لیے استعمال ہوتا تھا یہ نوبت مرنے کے بعد بادشاہ کے اعزاز میں سورج طلوع ہوتے وقت بجائی جاتی تھی اکبر کے مقبرہ کے دروازوں پر بہت خوبصورت نقش و نگار اور عمدہ کام کیا گیا ہے۔ مقبرہ کے اندر چھوٹی سی نہر بھی تھی۔ اکبر کا مقبرہ پانچ منزلہ ہے چار منزلیں سرخ پتھروں سے جبکہ پانچویں منزل سنگ مرمر سے جہانگیر نے ۱۶۱۳ء میں تعمیر کی گئی ہے۔ مقبرہ پر پندرہ لاکھ روپے خرچ آیا۔ مقبرہ پر کھڑے ہو

کر دریائے جمنا اور فتح پور سیکری کا نظارہ کیا جاسکتا ہے۔ مقبرہ کے تعویز پر اللہ تعالیٰ کے ۹۹ نام درج ہیں۔ مقبرہ کے بڑے دروازہ کے قریب شمال مشرق کی جانب جہانگیری شیش محل ہے جو جہانگیر بادشاہ نے ملک نور جہاں کے لیے تعمیر کروایا تھا۔ یہ عمارتیں مغلوں کی عظمت رفتہ کی نشانیاں ہیں۔ شیش محل بہت ہی خوبصورت ہے۔ جس کی مثال نہیں ملتی۔ مقبرہ روڈ پر اکبر کے مقبرہ سے تقریباً دو فرلانگ کے فاصلہ پر مریم زمانی کا مقبرہ ہے، جو جہانگیر کی والدہ تھی۔ راجہ بھگوان داس آف اجمیر شریف بہن تھی۔ یہ مقبرہ جہانگیر نے اپنی والدہ کے لیے تعمیر کروایا تھا یہ عمارت سنگ مرمر سے تعمیر کی گئی ہے بیربل محل جودھابائی کے مقبرہ کے قریب ہے یہ عمارت ۱۵۷۱ء میں بیربل کی یاد میں تعمیر ہوئی۔ بیربل اکبر کے نورتن میں سے تھا۔ جس کا اصل نام مہیش داس تھا۔ جو اکبر کا وزیر اعظم تھا جو بجنور کی ایک مہم میں مارا گیا جس کے غم میں اکبر نے کئی روز کھانا پینا چھوڑ دیا تھا۔ حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کی ہدایت پر اکبر نے فتح پور سیکری میں ایک عالی شان جامع مسجد تعمیر کروائی یہ تمام عمارتیں مغلیہ دور کی شان و شوکت اچھے دور کی نشانیاں ہیں۔ ان عمارتوں کی وجہ سے مغلوں کی عظمت اب بھی برقرار ہے۔
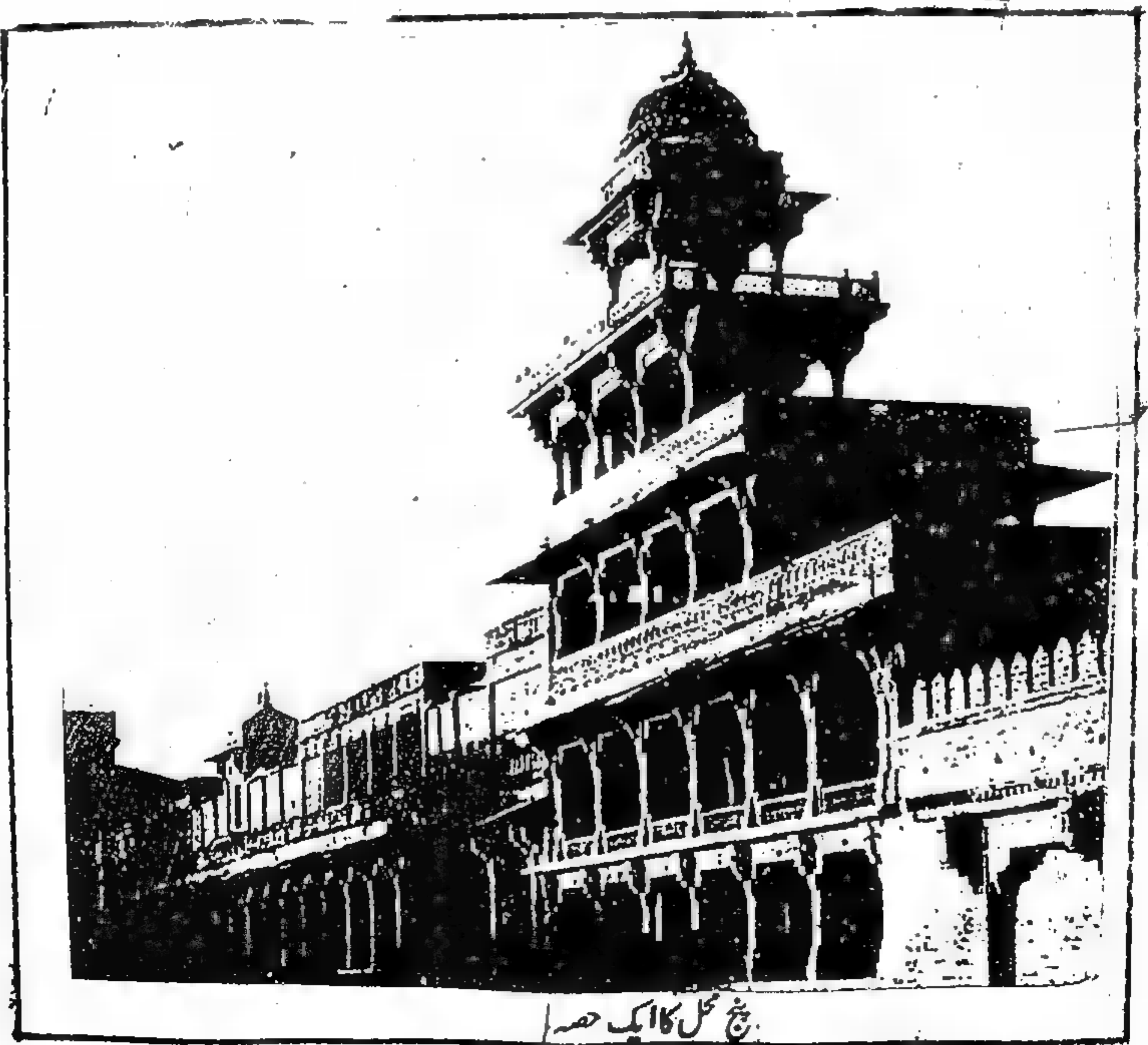
پنچ محل کا ایک حصہ

دیوان خاص فتح پور سیکری۔
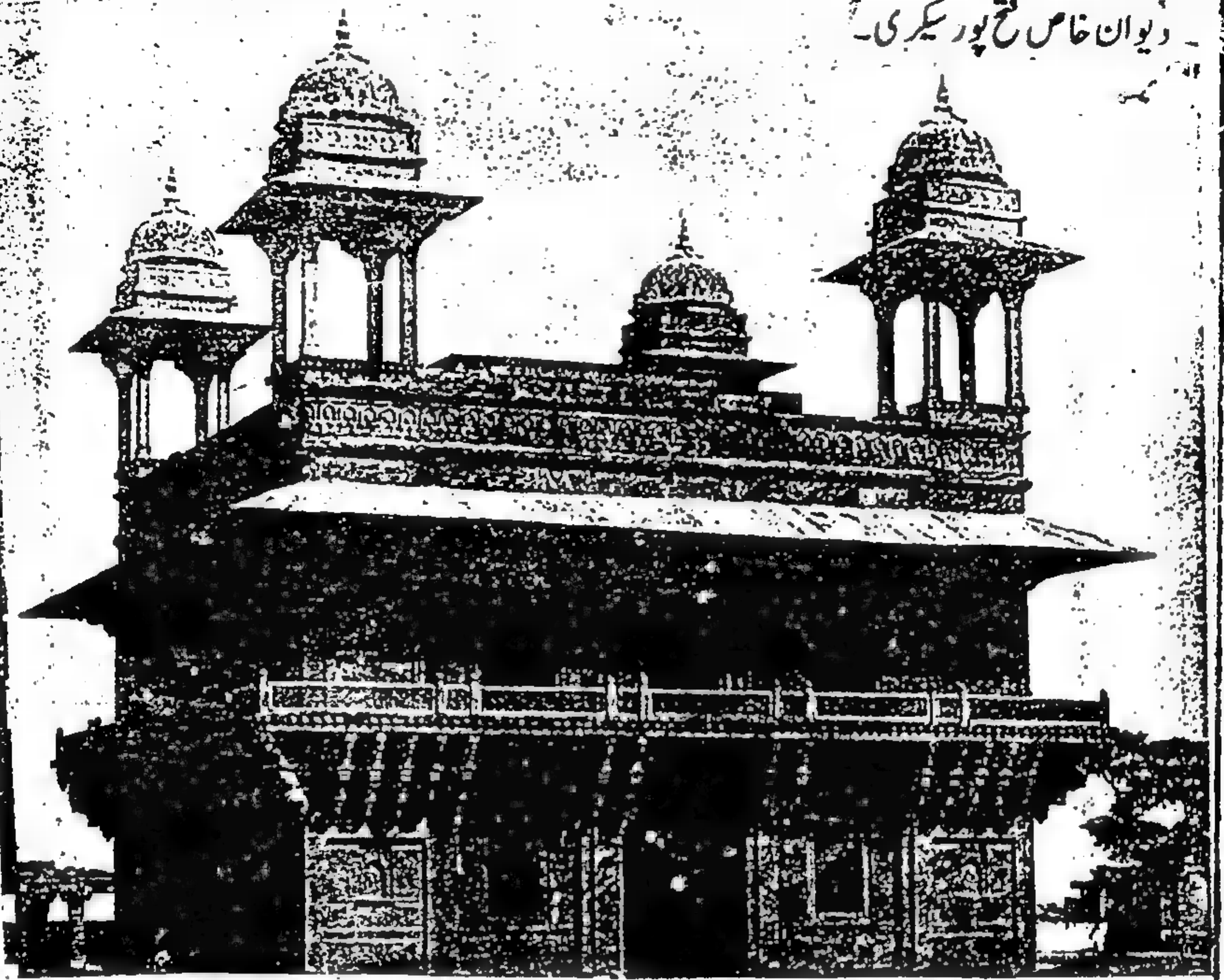
بیربل محل فتح پور سیکری
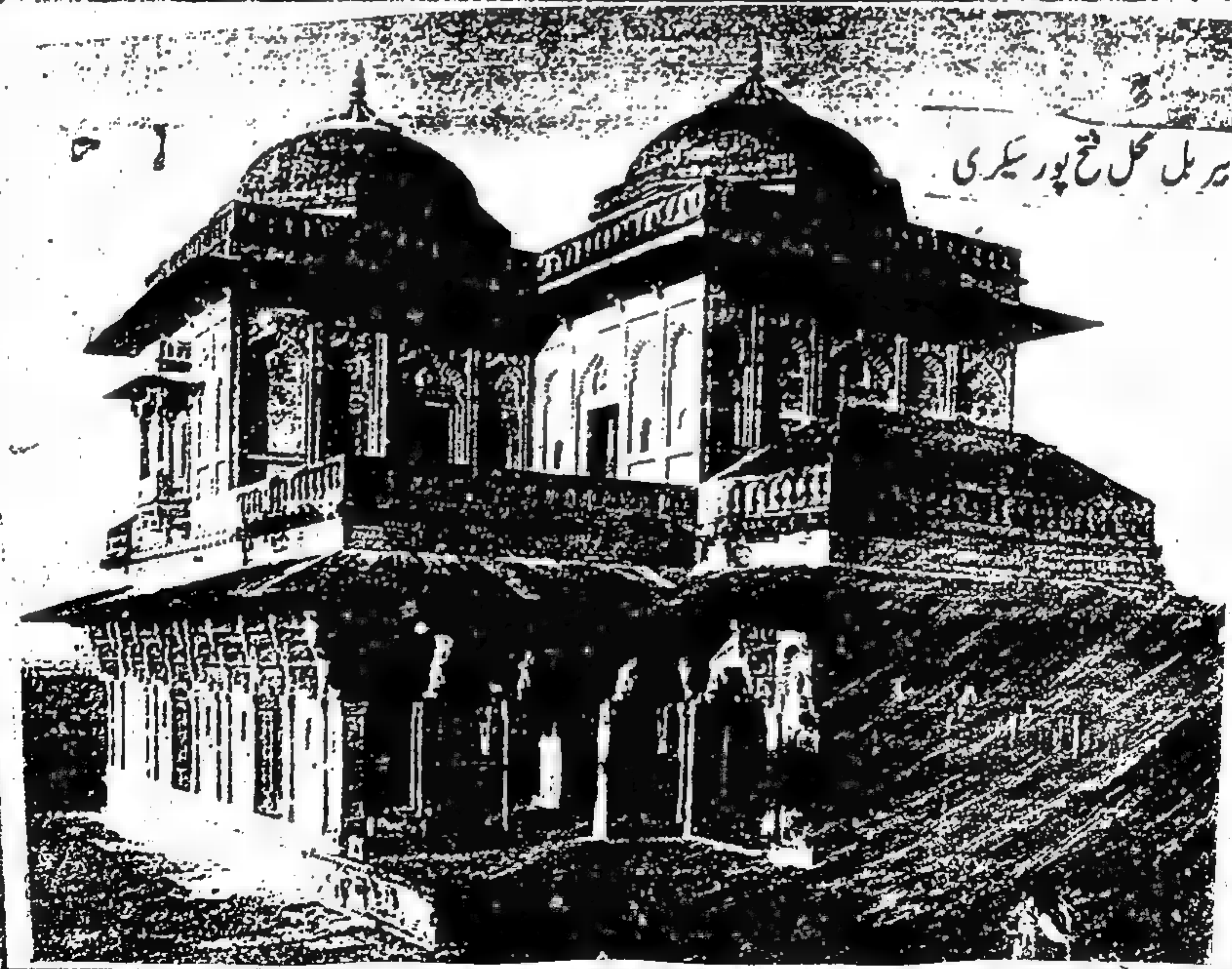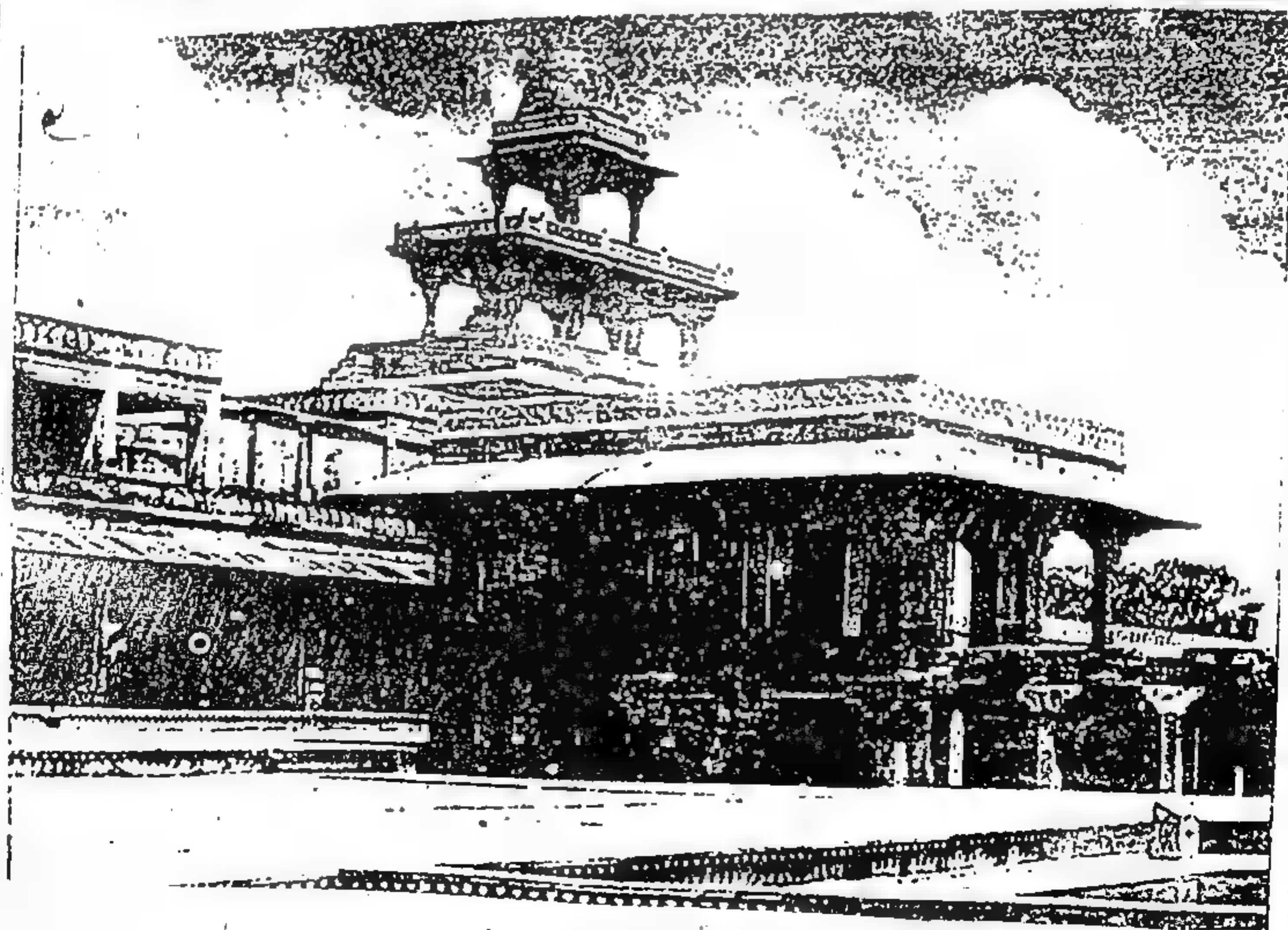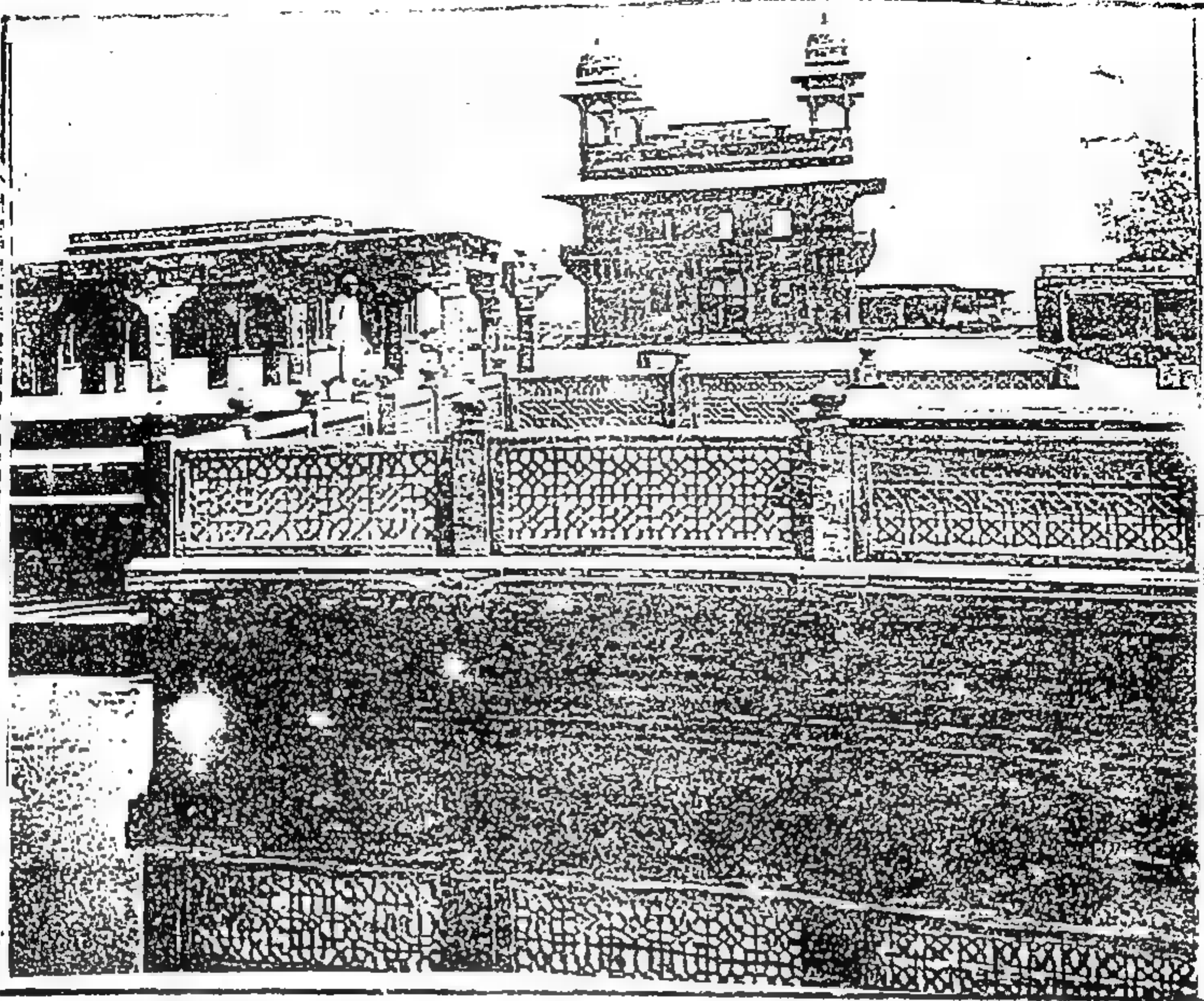
پنچ محل کے عقب میں دیوان خاص نظر آرہا ہے۔

روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ 9 دسمبر ۱۹۹۹ء

شاہ جہاں کی محبت کی یادگار تاج محل چودھویں کی رات سے پھر جگمگا اٹھے گا

حکومت نے چاند کی چودھویں سمیت ہر ماہ 5 دن تاج محل رات کو کھولنے کا فیصلہ کیا ہے

31 دسمبر کی رات کیلئے کوئی تجویز زیر غور نہیں' فیصلے سے سیاحت 20 فیصد بڑھے گی: صوبائی وزیر

نئی دہلی (اف پ) غیر ملکی سیاح 22 دسمبر کو 14 ویں رات سے بھارت میں 17 ویں صدی عیسوی کی سفید سنگ مرمر کی خوبصورت مغل یادگار تاج محل کا نظارہ کر سکیں گے۔ تفصیلات کے مطابق بھارتی صوبہ اتر پردیش کے وزیر سیاحت اشوک یادو نے اے ایف پی کو بتایا کہ صوبائی حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ تاج محل کو ہر ماہ چاند کی چودھویں' اس سے دو دو راتیں آگے پیچھے سیاحوں کے رات کے نظارے کے لئے کھول دیا جائے۔ واضح رہے

بقیہ نمبر 3 صفحہ 11 پر

بقیہ 3 تاج محل

کہ انٹرنیشنل ٹوور آپریٹرز کافی عرصے سے مطالبہ کر رہے تھے کہ تاج محل کو رات کے نظارے کے لئے کھول دیا جائے۔ صوبائی وزیر نے بتایا کہ اس فیصلے سے سیاحوں کی تعداد 20 فیصد بڑھ جائے گی۔ تاہم انہوں نے کہا کہ 31 دسمبر کو اس برس کی آخری رات اسے کھلا رکھنے کی کوئی تجویز زیر غور نہیں ہے۔ اشوک یادو نے بتایا کہ تاج محل کا رات کا نظارہ سیاحوں کو اڑھائی ہزار روپے میں پڑے گا۔ آگرہ میں دریائے جمنا کے کنارے واقع مغل بادشاہ شاہ جہاں کی محبت کی یادگار جو اس نے اپنی ملکہ ممتاز محل کی یاد میں تعمیر کرائی بھارت میں سیاحت کا سب سے اہم مقام ہے۔

عہد سلاطین مغلیہ دور کے سکے

ان سکوں کا عکس سید مسعود شاہ سے ملا ہے

سید کا رخ

الٹا رخ

نور الدین جہانگیر کا ضرب شیر آگرہ کا ۱۰۱۷ کا سکہ

جلال الدین محمد اکبر کا 1/2 روپیہ

بہادر شاہ ظفر کا نذرانہ روپیہ ۱۲۶۸ ہجری

ساخت نورانی کا سکہ ضرب لاہور ۱۰۱۸ھ تصویر کا عکس

جلال الدین اکبر بادشاہ کا برہان پور ضرب کا سکہ

محمود خلجی کا ۸۷۰ ہجری کا سکہ

شیر شاہ کا چاندی کا نایاب سکہ چونسہ کے مقام پر ۹ صفر ۹۴۶ ہجری کو ہمایوں کو شکست دی

نور الدین جہانگیر اس کی شبیہ والا سکہ

شہنشاہ اکبر اور جہانگیر کے درویش صفت جرنیل نواب مرتضٰی خان

نواب مرتضٰی خان کا اصل نام شیخ فرید الدین ابن سید احمد بخاری تھا اور لقب مرتضٰی خان کے نام سے مشہور تھے آپ کا مزار دہلی میں خستہ حالت میں ہے۔ نواب۔ مرتضٰی خان فرید بخاری کا شمار اکبر اور جہانگیر کے نامور امراء میں ہوتا ہے اکبر نے ان کی خدمات جلیلہ سے خوش ہو کر انہیں فرزند کا خطاب عطا کیا اور جہانگیر نے اپنی تخت نشینی کے بعد انہیں مرتضٰی خان کا خطاب دیا تھا۔

نواب مرتضٰی خان کا تعلق امراء کے اس گروہ کے ساتھ تھا جنہیں مجدد الف ثانی "جرگہ مدان دولت اسلام" کے نام سے یاد فرماتے تھے۔ مکتوبات امام ربانی میں نواب مرتضٰی خان کے نام دو در جن کے قریب گرامی نامے موجود ہیں۔ اسی طرح شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے مجموعہ "المکاتیب والرسائل" میں ان کے نام متعدد خط محفوظ ہیں۔ حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی رحمۃ اللہ کے مکتوبات میں بھی نواب موصوف کے نام ایک سے زائد خط موجود ہیں۔

نواب مرتضٰی خان اس گروہ امراء کے سرخیل تھے جو اسلامی نظام حکومت کا حامی تھا اور نفاذ شریعت کے لیے سر توڑ کوشش کر رہا تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی اپنے ایک مکتوب مرغوب میں نواب صاحب کو لکھتے ہیں کہ احیائے دین کی تحریک ان ہی کے دم قدم سے چل رہی ہے۔ حضرت امام ربانی فرماتے ہیں کہ ان کی اپنی مثال تو اس بڑھیا کی سی ہے جو سوت کی ایک انٹی لے کر حضرت یوسفؑ کے خریداروں میں شامل ہو گئی تھی۔ حضرت مجددؒ کی اس تحریر سے نواب موصوف کا مقام متعین کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ خواجہ باقی باللہ ، مجدد الف ثانیؒ اور شیخ عبدالحق محدثؒ کے ممدوح اور "جرگہ مدان دولت اسلام" کے سرخیل نواب خان کی قبر خستہ حالت میں ہے؟ یہ اس بزرگ کی قبر ہے جس کے دم قدم سے عہد مغلیہ کے کئی مدارس اور خوانق کی رونق قائم تھی۔ نواب مرتضٰی خان کی قبر کے سرہانے سنگ مرمر کی قد آدم لوح نصب ہے۔ سنگ تراش نے حروف کھودنے کی بجائے ابھار دیئے ہیں اس لیے وہ دور سے پڑھے نہیں جاتے تھے۔ کتبہ پر یہ عبارت تحریر ہے۔

سبحان الملک الحی الذی لایموت ولا یفوت، ور زمان دولت حضرت سرش آشیانی جلال الدین اکبر بادشاہ غازی شیخ فرید الدین ابن سید احمد بخاری بعنایات آں حضرت ممتاز بود ور عہد عدالت نور الدین جہانگیر بادشاہ ابن اکبر بادشاہ بخطاب مرتضٰی خانی سرفراز گردید، بتاریخ ۹ جلوس مطابق ۱۰۲۵ ہجری برحمت الٰہی پیوست

اگر سڑک پر ایک تختی لگا کر مزار کی نشاندہی کر دی جائے تو کوئی بھولا بھٹکا مسلمان راہی وہاں جا کر فاتحہ پڑھ لے۔ اسی بہانے مزارات کی صفائی کا انتظام ہو جائے گا۔

نواب مرتضٰی خان ایک تاریخ ساز شخصیت تھے۔ اکبر کے آخری عہد حکومت میں جب شیخ مبارک فیضی ابو الفضل، راجہ

بیربر، سلطان خواجہ راجہ ٹوڈرل اور بھگوان داس جیسے بااثر اور دین الٰہی کے حامی امراء اور فضلا فوت ہوئے تو اس خلا کو پر کرنے کے لیے مرتضٰی خان، لالہ بیگ، عبدالرحیم خان خاناں، خان جہاں لودھی، نواب قلیج خان، اور میراں صدر جہان جیسے اسلام اور مسلمانوں کا درد رکھنے والے امراء آگے بڑھے۔ اکبر کی وفات پر جب ہندو راجپوتوں نے جہانگیر کے بیٹے شہزادہ خسرو کو، جو ایک راجپوت شہزادی مان بائی کے بطن سے تھا، تخت پر بٹھانے کی سازش کی۔ تو اس موقع پر نواب مرتضٰی خان نے ان امراء سے مشورہ کرکے جہانگیر کو اس وعدے پر تخت پر بٹھایا کہ وہ الحدو بے دینی کا خاتمہ کرکے شریعت کے احکام نافذ کرے گا۔ چنانچہ جہانگیر نے تخت نشین ہوتے ہی بارہ احکام نافذ کئے جن سے مسلمانوں کو بڑی تقویت ملی۔ جہانگیر کی تخت نشینی کے بعد خسرو نے بغاوت کردی اور وہ اپنے حمائتیوں کے ساتھ لاہور کی جانب فرار ہوگیا۔ جہانگیر نے نواب مرتضٰی خان کو اس کے تعاقب میں بھیجا اور خود بھی لاہور کی طرف روانہ ہوا۔

نواب مرتضٰی خان جب آگرہ سے روانہ ہوئے تو اس وقت خسرو لاہور کا محاصرہ کئے پڑا تھا۔ جب خسرو کو یہ اطلاع ملی کہ نواب موصوف اپنے لشکر سمیت سلطان پور لودھی پہنچ گئے ہیں تو وہ لاہور کا محاصرہ اٹھا کر کابل جانے کے ارادے سے راوی پار کر گیا۔

نواب مرتضٰی خان نے اسے دریائے چناب کے کنارے بھیروں وال میں جالیا۔ وہاں فریقین میں بڑی خون ریز جنگ ہوئی جس میں نواب صاحب کے بہت سے عزیزو اقارب کام آئے۔ نواب صاحب نے بڑی جرأت اور دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے خسرو کو شکست دے کر گرفتار کرلیا۔ اسی اثنا میں جہانگیر بھی بھیروں وال پہنچ گیا۔ جہانگیر نے فتح کی خوشی میں وہ گاؤں نواب صاحب کو بخش دیا۔ نواب صاحب کی درخواست پر جہانگیر نے اس کا نام فتح آباد رکھا۔ جہانگیر نے نواب مرتضٰی کے منصب میں اضافہ کرکے انہیں گجرات و کاٹھیاواڑ کا گورنر مقرر کیا۔ انہوں نے احمد آباد میں ایک محلہ آباد کیا جو بخارا کے نام سے موسوم ہوا۔ ان کی ہمت اور کوشش سے احمد آباد میں حضرت قطب عالمؒ اور حضرت شاہ عالمؒ کی درگاہیں آباد ہوگئیں۔ نواب مرتضٰی نے احمد آباد میں قیام کے دوران بیس ہزار افراد فوج میں بھرتی کئے اور گجرات کے نظم و نسق کی طرف خصوصی توجہ دی۔ ان کے حسن انتظام سے اس علاقہ میں امن وامان قائم ہوگیا۔

پانچ سال بعد ۱۶۱۰ء میں نواب صاحب کا تبادلہ لاہور ہوگیا۔ یہاں آکر انہوں نے اپنے لیے ایک حویلی تیار کرائی اور حویلی کے صحن میں ایک مسجد بنوائی جس میں موصوف نماز باجماعت ادا کیا کرتے تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے ایک مکتوب گرامی میں مسجد کی تعمیر اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے پر ان کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کیا۔ نواب صاحب نے لاہور میں ایک باغ لگوایا جو بعد میں نواب وزیر خان کے تصرف میں آگیا اس باغ میں آج کل عجائب گھر اور پنجاب پبلک لائبریری کی شاندار عمارتیں کھڑی ہیں اس کے علاوہ انہوں نے عوام کی سہولت کے لیے ایک حمام بھی

بنو لیا تھا جا کا اب نشان بھی نہیں ملتا۔

نواب مرتضیٰ خان نے جہانگیر کے حکم سے ۱۶۱۶ء میں کانگڑہ پر چڑھائی کی اس مہم کے دوران موصوف پٹھانکوٹ میں مقیم تھے کہ انہیں پیغام اجل آپہنچا۔ ان کی وصیت کے مطابق ان کی میت دہلی کے جا کر ان کے خاندانی قبرستان میں دفن کیا گیا۔ نواب صاحب اولاد نرینہ سے محروم رہے۔ انہوں نے صدہا یتامیٰ کی اپنے بچوں کی طرح پرورش کی۔ ان کی سرکار سے یتامیٰ اور بیوگان کے وظیفے مقرر تھے۔ انہوں نے جو کچھ کمایا راہ خدا میں لٹا دیا۔ ان کی وفات پر ان کے خزانے سے صرف ایک ہزار اشرفیاں نکلیں۔ نواب مرتضیٰ خان نے ۱۶۱۵ء میں وفات پائی۔ تاریخ دانوں نے لکھا ہے کہ نواب مرتضیٰ کے بعد ایسا عظیم انسان پھر ہندوستان میں پیدا نہیں کیا۔

راجوں کی بائیں
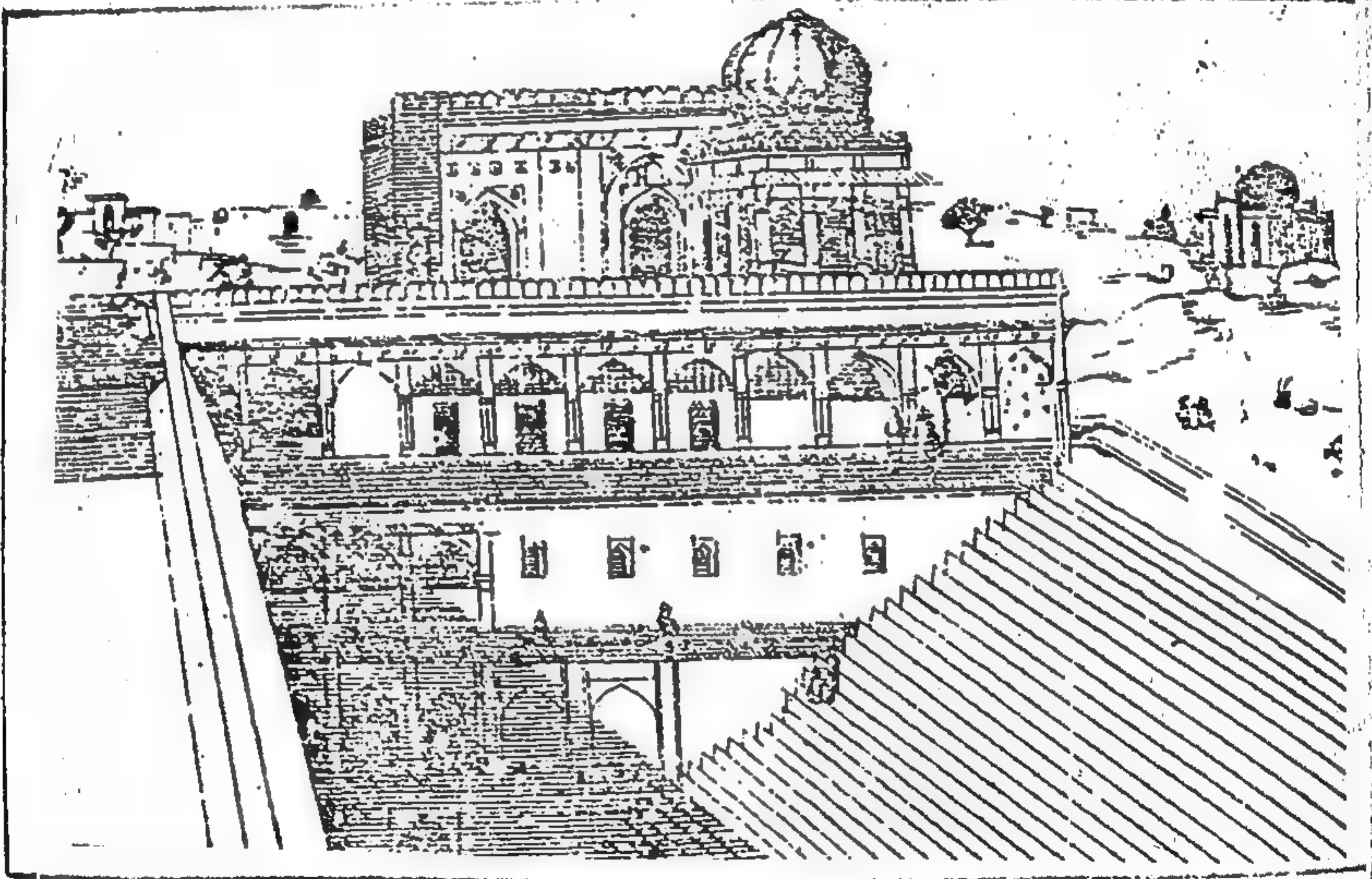
قطب صاحب کے قریب کوٹھی دلکشا سے تھوڑی دور یہ باولی ہے۔ ۱۵۰۶ء میں سکندر شاہ کے وقت میں دولت خان نے اس کو تعمیر کیا تھا۔ تمام تعمیرات چونے پتھر کی ہیں اسکے قریب مسجد بھی ہے صحن میں گنبد ہے۔ جو پتھر کے ستونوں پر کھڑا کر کے گنبد تعمیر کیا گیا ہے۔ کسی زمانہ میں اس باولی کے مکانات میں راج آ بسے تھے۔ اس وقت سے یہ راجوں کی بائیں مشہور ہو گئی ہے۔

موتی مسجد

Moti Masjid or Pearl Mosque

On the northern side of Hamman is the Moti Masjid, built in 1662 by Aurangzeb, for the Royal Family at a cost of 1 lakh and 60 thousand rupees. The mosque is built of white marble on a pinth of 3½ feet height measuring some 40 feet by 80 feet and 20 feet high. Its entrance is made of throughly brass small gate of handsome design. The original domes of the mosque were made of heavily gilted copper which were destroyed during the mutiny and later on these marble domes were added.
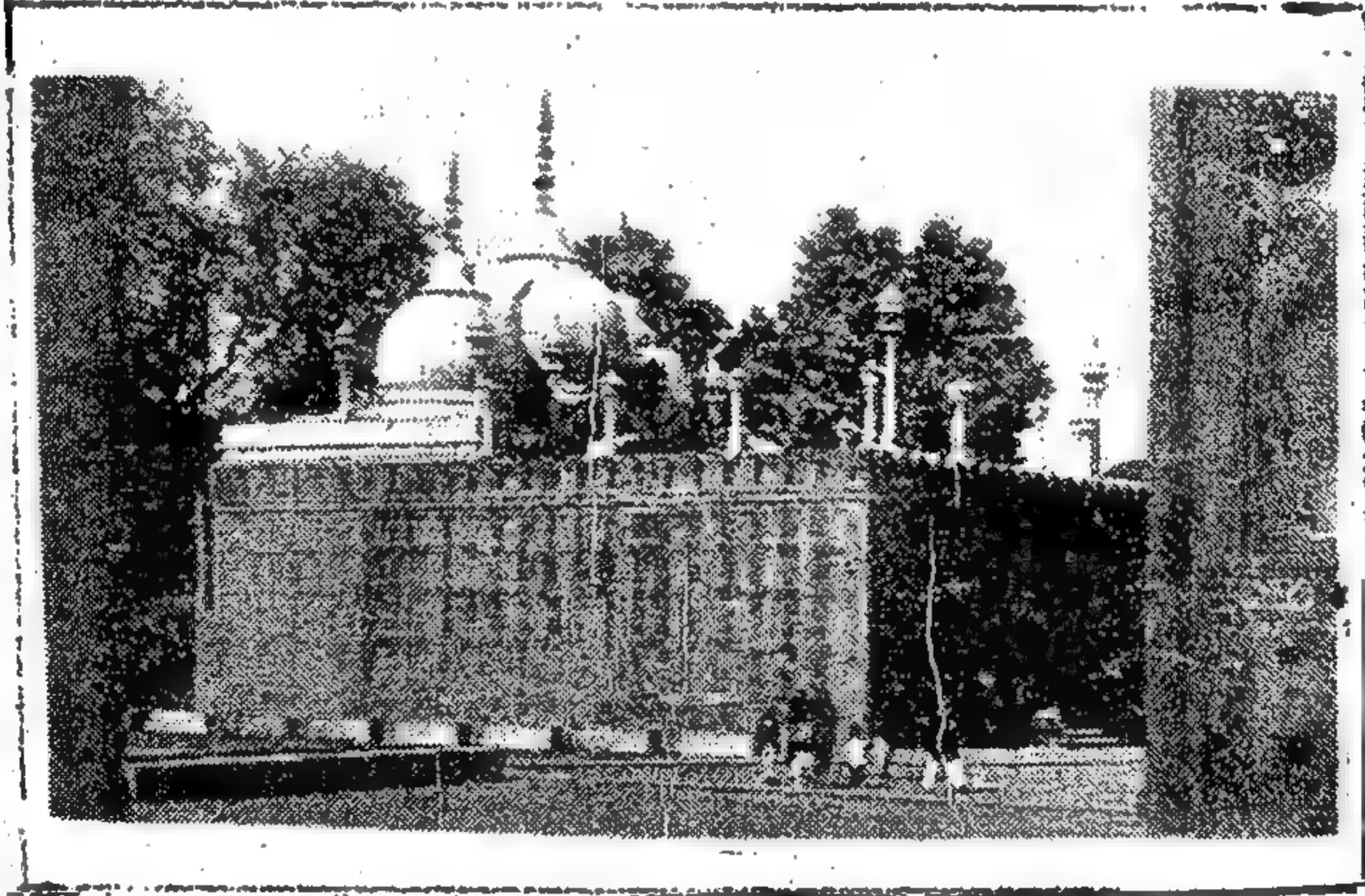
یہ مسجد لال قلعہ کے اندر ہے شاہی حمام کے ملحقہ ہے اورنگزیب عالمگیر نے یہ مسجد تعمیر کروائی تھی۔ تین گنبد ہیں درمیانی گنبد بڑا ہے گنبد سنگ مرمر کے ہیں مسجد کی بقیہ تعمیر سرخ پتھر سے کی گئی ہے موتی مسجد محکمہ ارکیالوجیکل سروے آف انڈیا کی تحویل میں ہے۔ لال قلعہ میں غیر مسلم سیاحوں کی آمدورفت بہت زیادہ رہتی ہے۔ مسجد کے تقدس کو بحال رکھنے کے لئے مسجد کا بیرونی دروازہ بند رہتا ہے۔ مسجد کا بیرونی حصہ دیکھا جا سکتا ہے مسجد کے اندر ایک ایسا حوض ہے جو ایک ہی پتھر سے تیار کیا گیا ہے اس میں کوئی جوڑ نہیں۔ اورنگزیب مذہبی قسم کا آدمی تھا جس نے لال قلعہ میں یہ مسجد تعمیر کروائی راقم کو موتی مسجد کے علاوہ قلعہ میں کوئی اور مسجد دیکھنے کو نہیں ملی۔

حوض خاص کے علاقہ میں تغلق دور کے لاتعداد مقبرے

Hauz Khas

The great tank extending 70 acres in area was built in 1295 A.D. by Ala-ud-din and repaired by King Fercz Shah in 1354 A.D. It is now ruined and crop is cultivated on it. Here is the tomb of Feroz Shah Tughlak. Inside the tomb are buried Nasir-ud-din Mohammed Shah, son of Feroz Shah and Sikandar Lodi, son of Nasir-ud-din. Outside the tomb rhere are many tombs of the Amirs of the time of Sikandar Lodi.
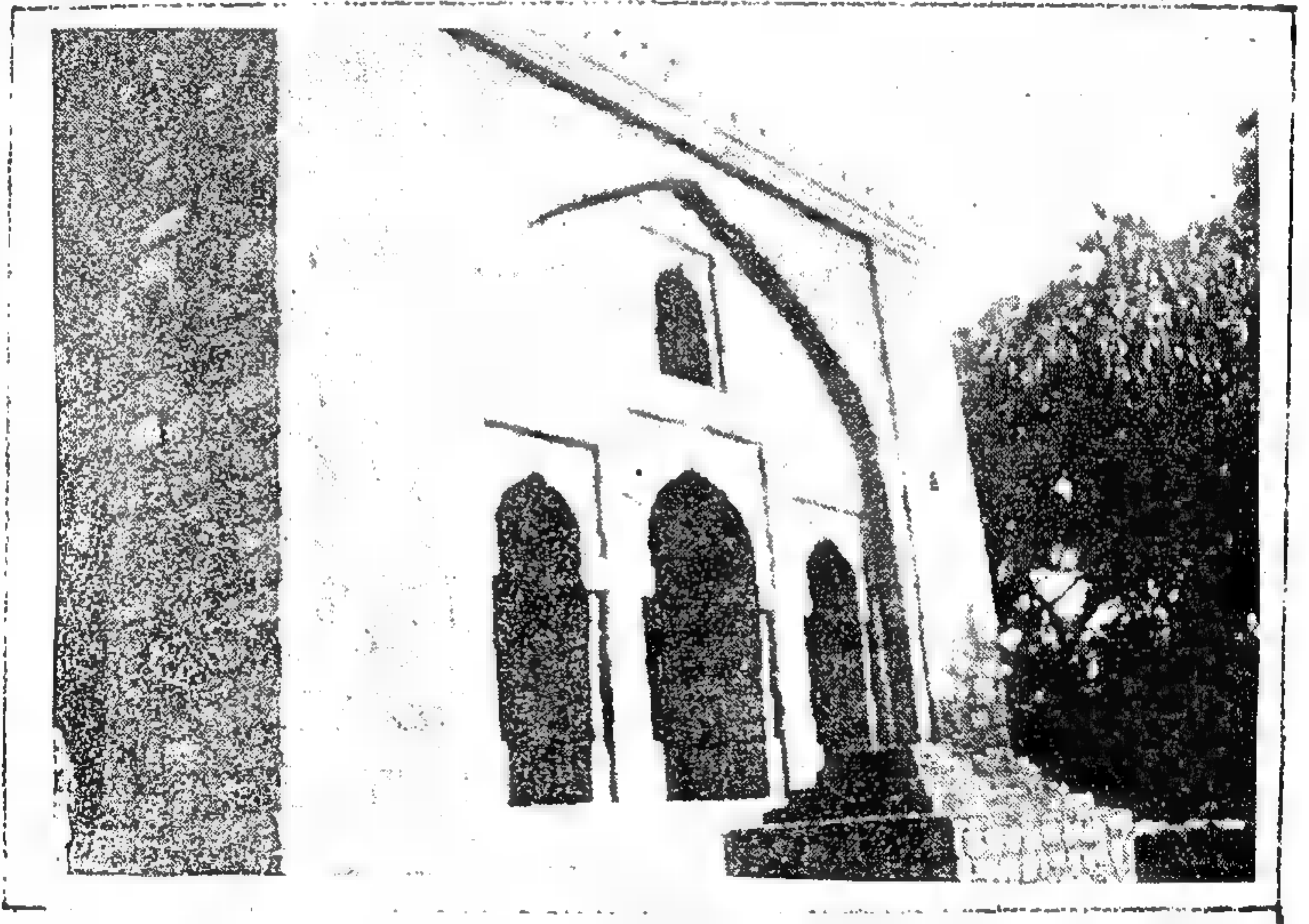
حوض خاص تغلق دور میں ایک بستی کا نام تھا۔ اسی بستی میں تغلق دور کے بادشاہوں، شہزادوں امراء اور عالم فاضل لوگوں کے گمنام مقبرے ہیں جن پر گنبد بھی ہیں تعمیرات پتھر اور چونے سے کی گئی ہے یہ مقبرے صحیح حالت میں ہیں۔

حوض خاص روڈ کے کنارے نامعلوم مقبرے

حوض خاص کی مین روڈ سے ایک سڑک حوض خاص کی طرف جاتی ہے سڑک کے دونوں طرف پارک ہیں۔ سڑک کے دائیں کنارے چند نامعلوم بڑے سائز کے مقبرے ہیں جو پتھر تراش کر بنائے گئے ہیں ان کے چاروں طرف دروازے ہیں ان کا طرز تعمیر ایک جیسا ہے کتبے نہ ہونے کی وجہ سے ان کی تاریخ نہ مل سکی۔
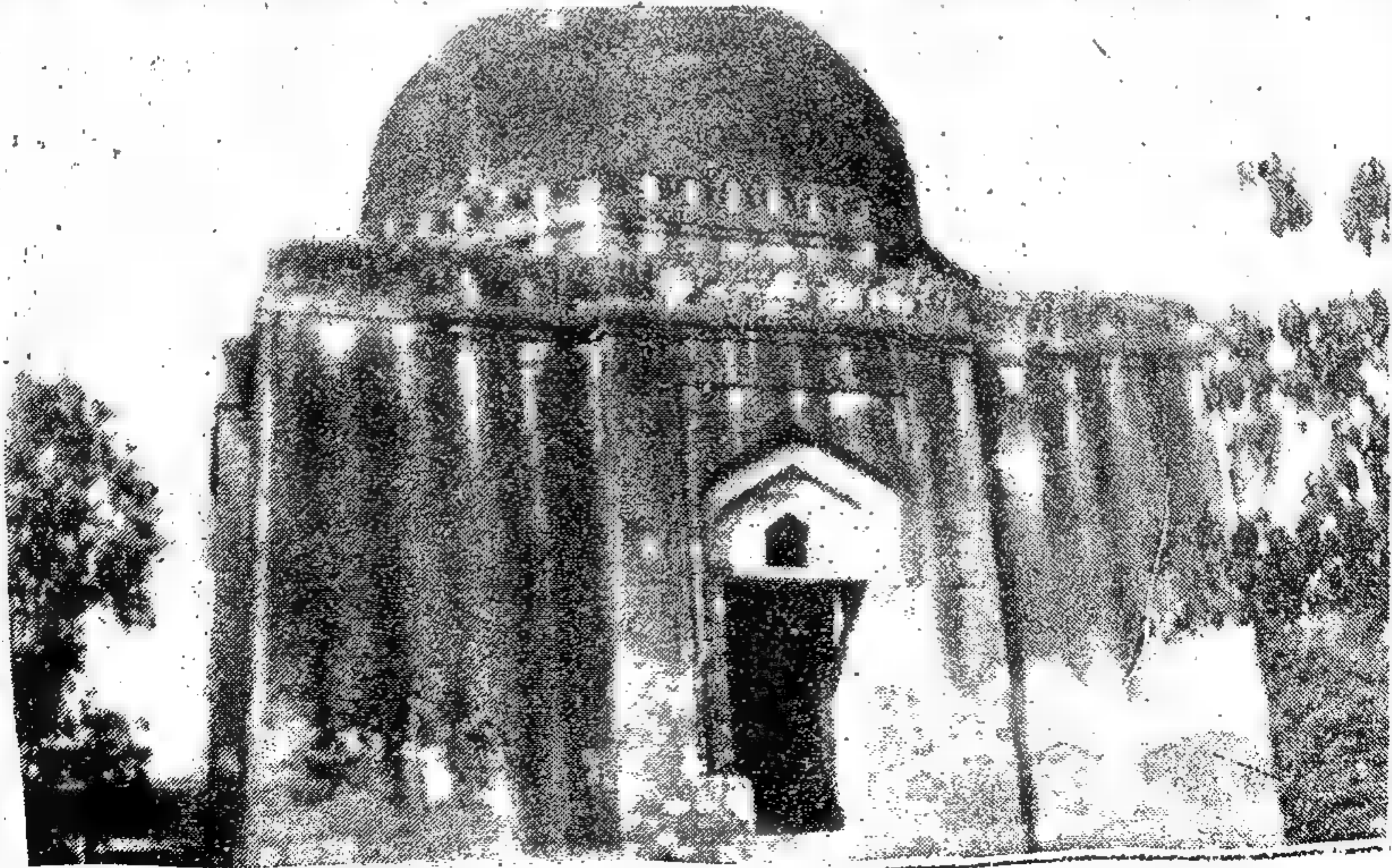
حوض خاص کے قریب تغلق دور کے نامعلوم مقبرے
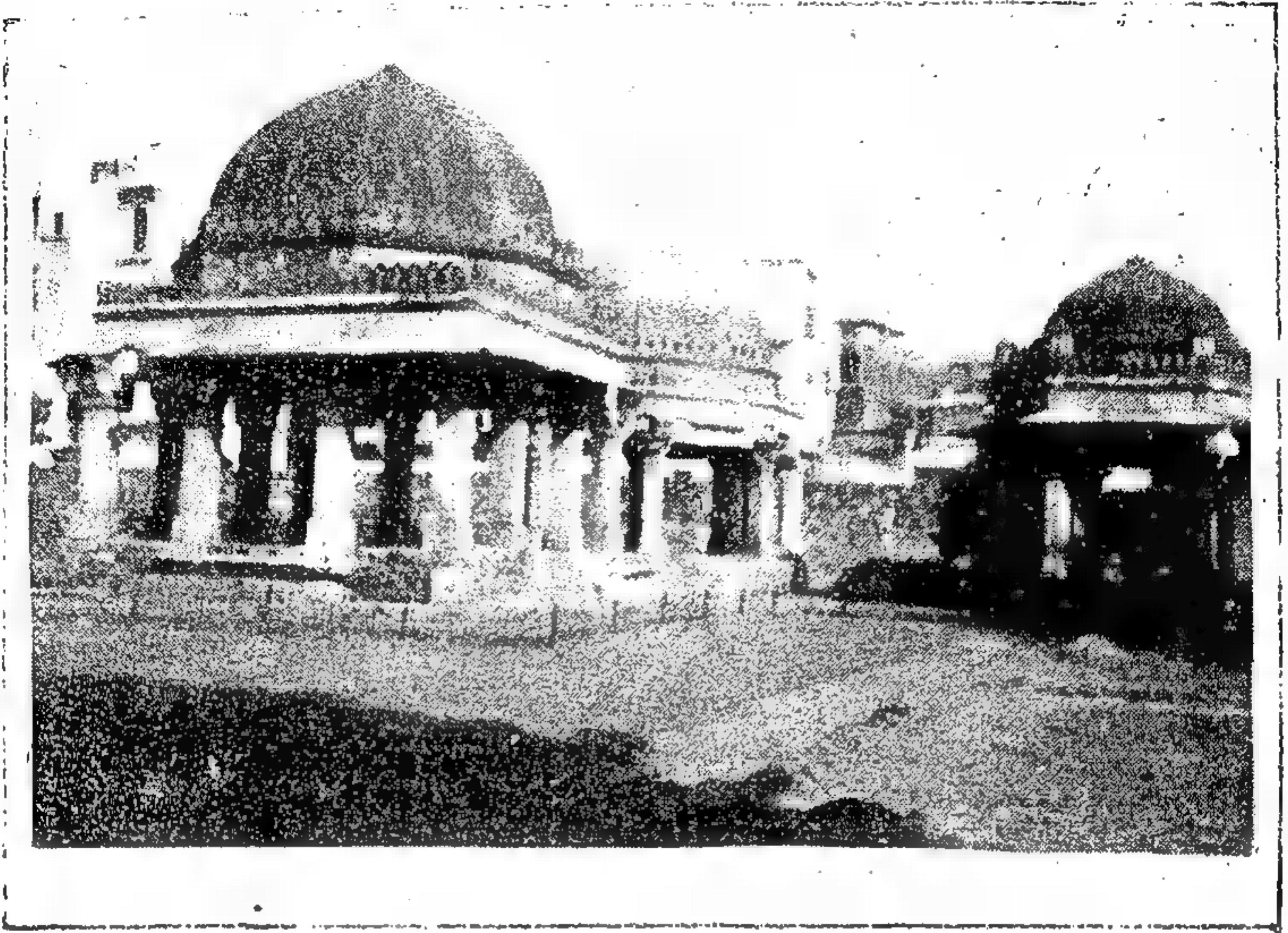
یہ مقبرے حوض خاص اور فیروز شاہ تغلق کے مقبرے کے مشرق کی طرف ہیں ان مقبروں کی تعداد تین سے زیادہ ہے گول دائرہ کی صورت میں یہ مقبرے ستونوں پر تعمیر کیے گئے ہیں گنبد بھی ہیں۔ پتھر تراش کر نقش نگار بنائے گئے ہیں چار دیواری بھی ہے داخلہ کے لئے بڑا دروازہ ہے جو پتھروں سے تعمیر کیا گیا ہے۔

فیروز شاہ تغلق کے مقبرہ کے قریب تغلق دور کے مقبرے
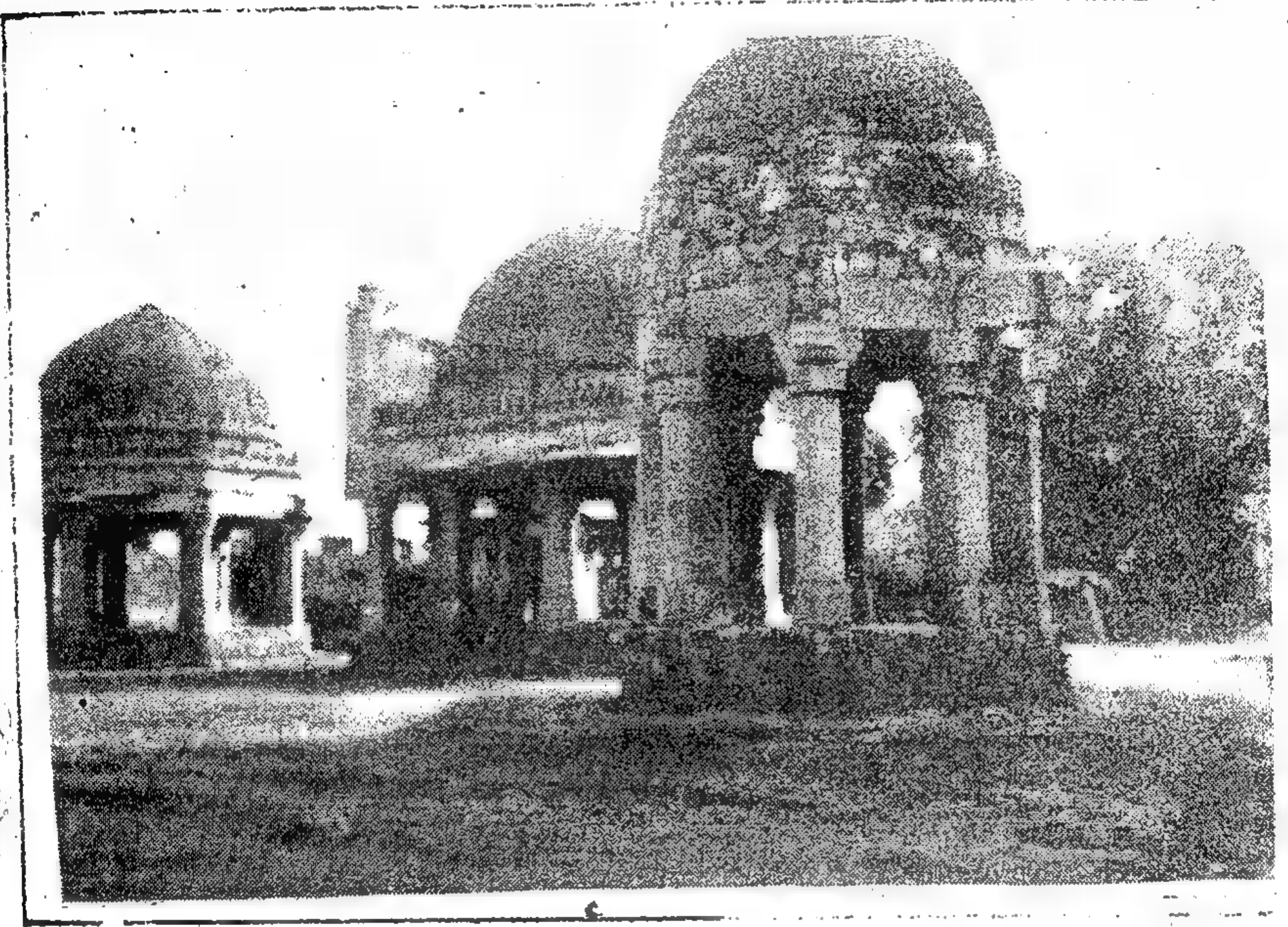
یہ مقبرے ایک علیحدہ چار دیواری کے اندر ہیں ان کی تعداد بھی تین سے زیادہ ہے یہ مقبرے گول دائرہ کی بجائے چوکور ہیں ان کے اوپر گنبد بھی ہیں۔ یہ مقبرے بھی ستونوں پر تعمیر کئے گئے ہیں یہ مقبرے حوض خاص کے مشرقی کنارے پر ہیں ان کی تاریخ نہیں مل سکی۔

سنہری مسجد نزد چاندنی چوک
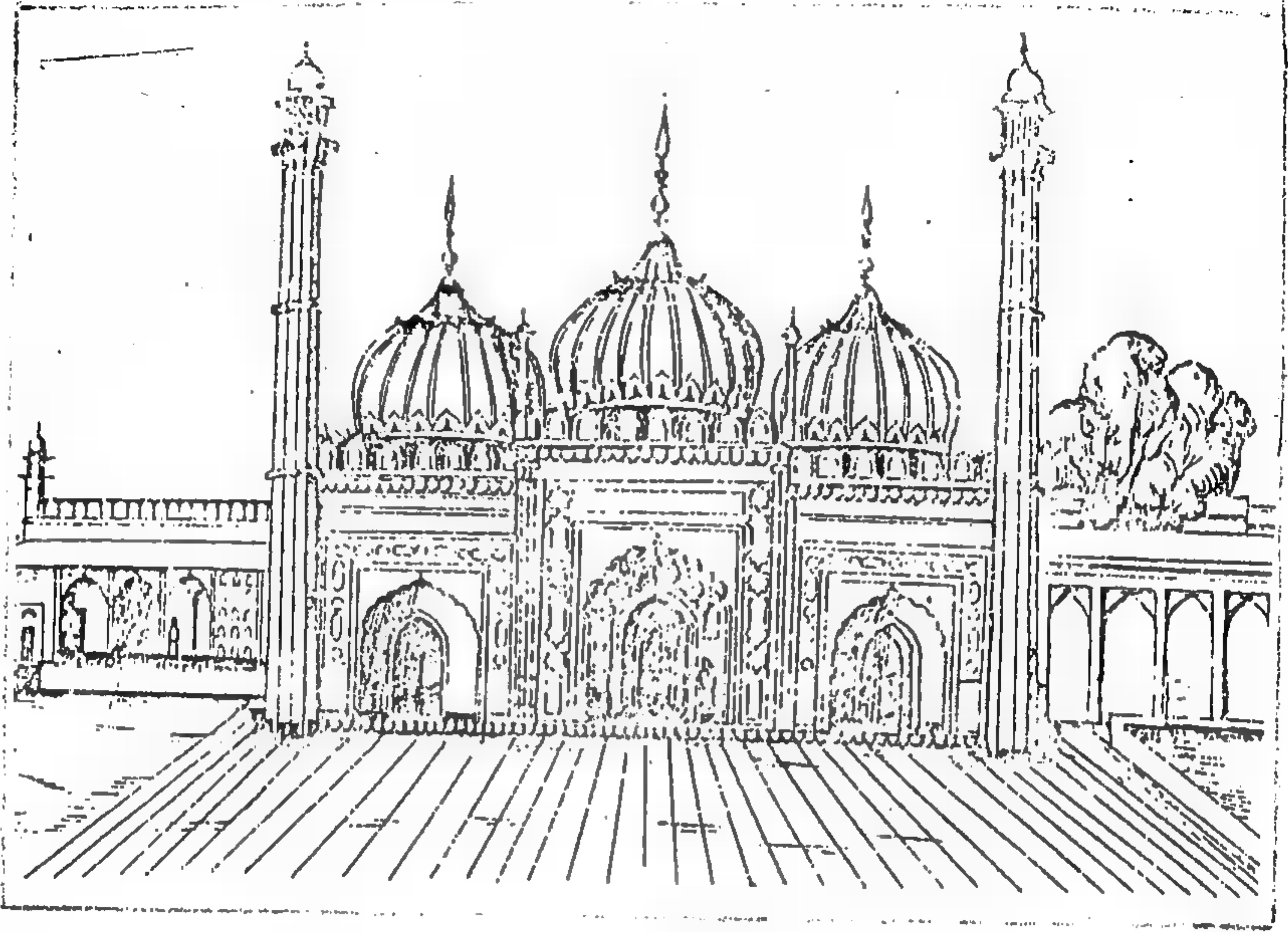
دہلی کے لال قلعہ کی طرف سے چاندنی چوک کی طرف آئیں سکھوں کے گرودوارہ کے ملحقہ یہ سنہری مسجد ہے کسی زمانہ میں یہاں کوتوالی ہوا کرتی تھی۔ سنہری مسجد کو نواب روشن الدولہ ظفر خان نے محمد شاہ کے عہد میں 1134ھ مطابق 1721ء میں تعمیر کروایا۔ مسجد بہت خوبصورت ہے تینوں سنہری گنبد دور سے ہی خوشنما نظر آتے ہیں۔ سنہری مسجد چونے اور اینٹ سے تعمیر کی گئی ہے جب مسجد کے برج شکستہ ہو گئے تو روشن الدولہ کی دوسری مسجد کی طرز کے گنبد بنا دیے گئے۔ یہ وہی سنہری مسجد ہے جس کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر نادر شاہ نے 1739ء میں دہلی میں قتل عام کا حکم دیا تھا۔ اس قتل غارت میں دہلی کے ہزاروں لوگ قتل ہوئے لاتعداد عزتیں برباد ہوئیں۔ شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔

خضر کی گنبٹی
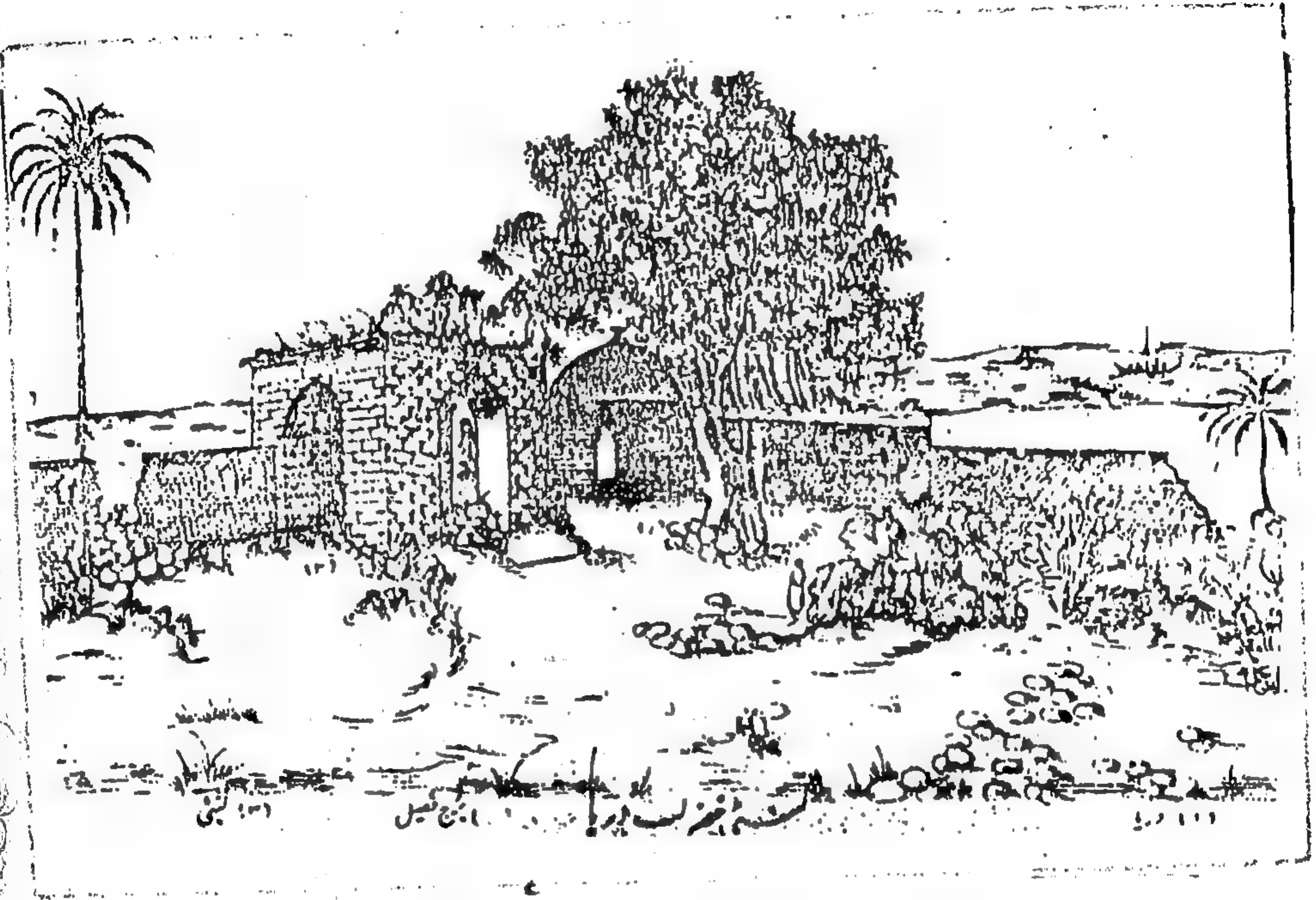
خضر خان کا یہ مقبرہ دریائے جمنا کے کنارے موضع اوکھلہ کے قریب ہے۔ یہ مقبرہ 824ھ مطابق 1421ء میں ابوالفتح مبارک شاہ اور اس کے بیٹے نے تعمیر کروایا تھا۔ مقبرہ پر ایک گنبد تھا جو گر پڑا ہے اب صرف ایک برج رہ گیا ہے۔

مسجد و مدرسہ شرف الدولہ
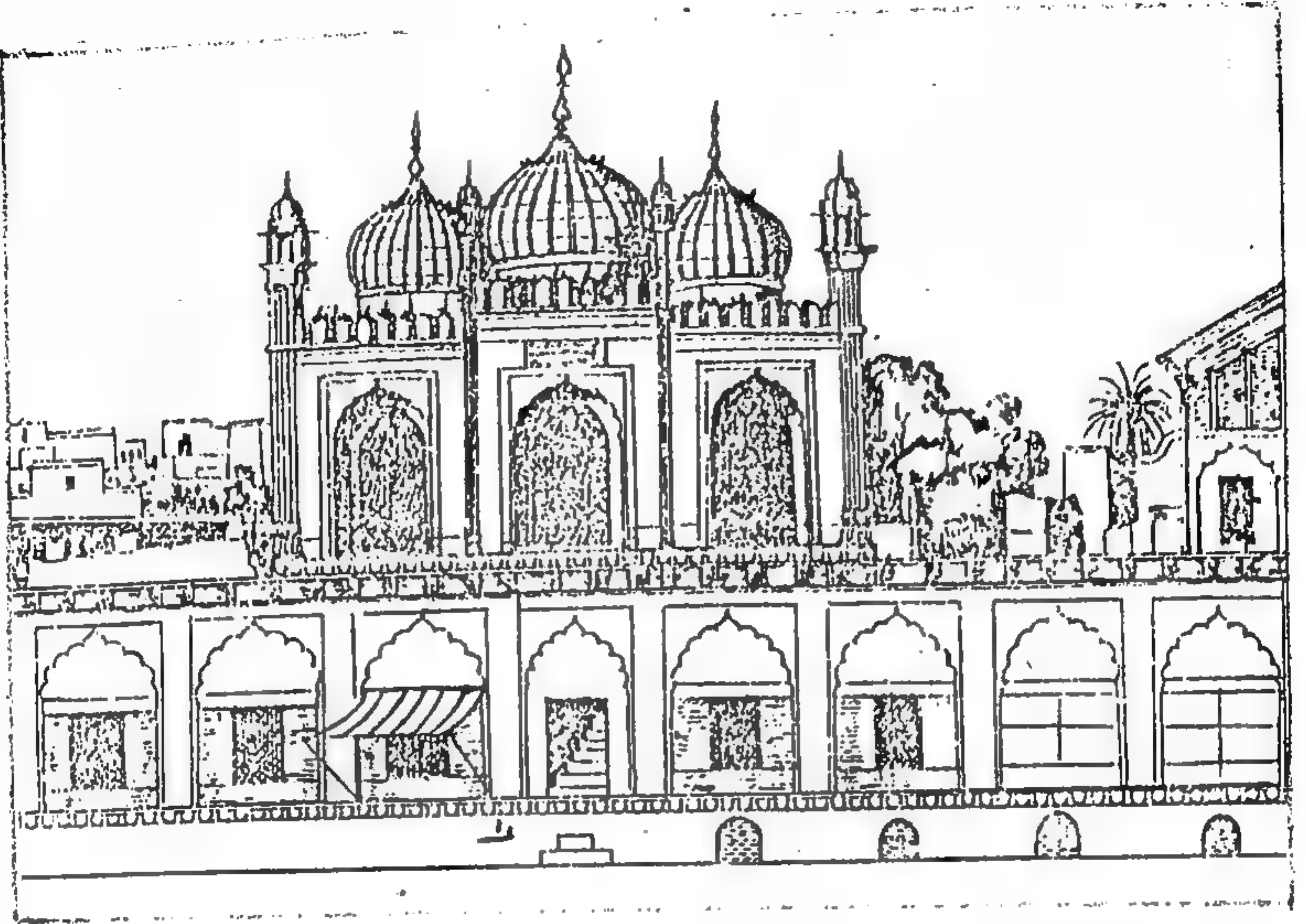
پرانی دہلی کے بازار میں مسجد و مدرسہ شرف الدولہ واقع ہے مسجد مدرسے کو نواب شرف الدولہ بہادر نے محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں 1135ھ مطابق 1722ء میں تعمیر کروایا۔ مسجد چونے اور اینٹ سے تعمیر کی گئی ہے۔ مسجد کے تینوں گنبد سنگ مرمر کے ہیں کچھ حصہ پر زرد پتھر استعمال کیا گیا ہے جو دور سے پیتل معلوم ہوتا ہے مسجد کی پیشانی پر کتبہ لگا ہوا ہے۔

مبارک پور کوٹلہ
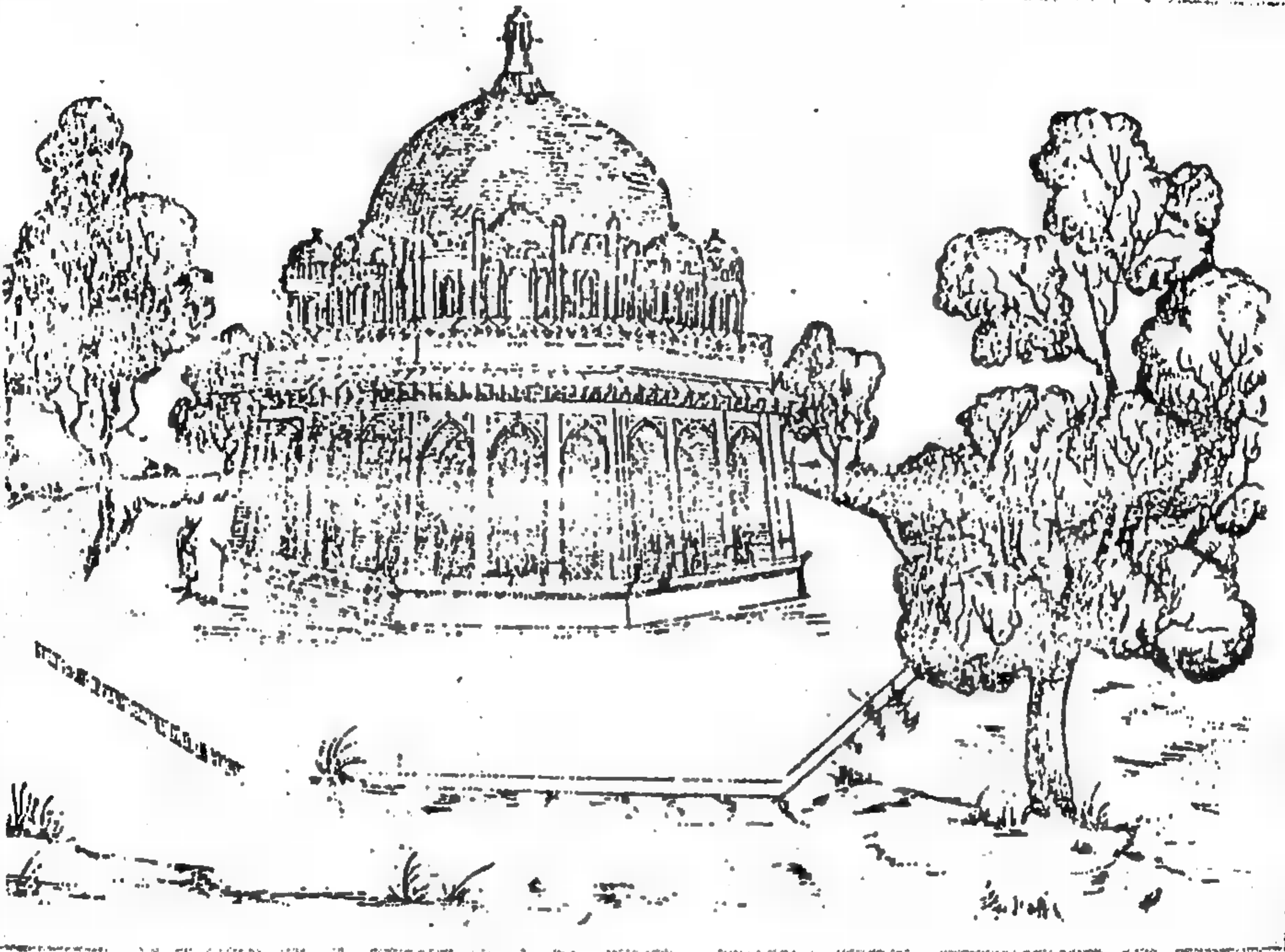
یہ مقبرہ پرانی دہلی سے سات آٹھ کلو میٹر کے فاصلہ پر موضع مبارک پور میں ہے یہ مقبرہ معز الدین ابو الفتح مبارک شاہ کے دور میں 837ھ مطابق 1433ء میں تعمیر ہوا تھا۔ مقبرہ بہت خوبصورت جو سنگ خارا سے تعمیر ہوا تھا۔ یہ پتھر بہت خوبصورتی سے لگا ہے بعض لوگوں کا خیال ہے اس بادشاہ نے شہر مبارک آباد بھی اسی مقام پر آباد کرنا چاہا بعض کا خیال ہے کہ بادشاہ نے موضع مبارک پور ریتی میں شہر مبارک آباد آباد کرنا چاہا تھا۔

درگاہ حضرت سید حسن رسول نما
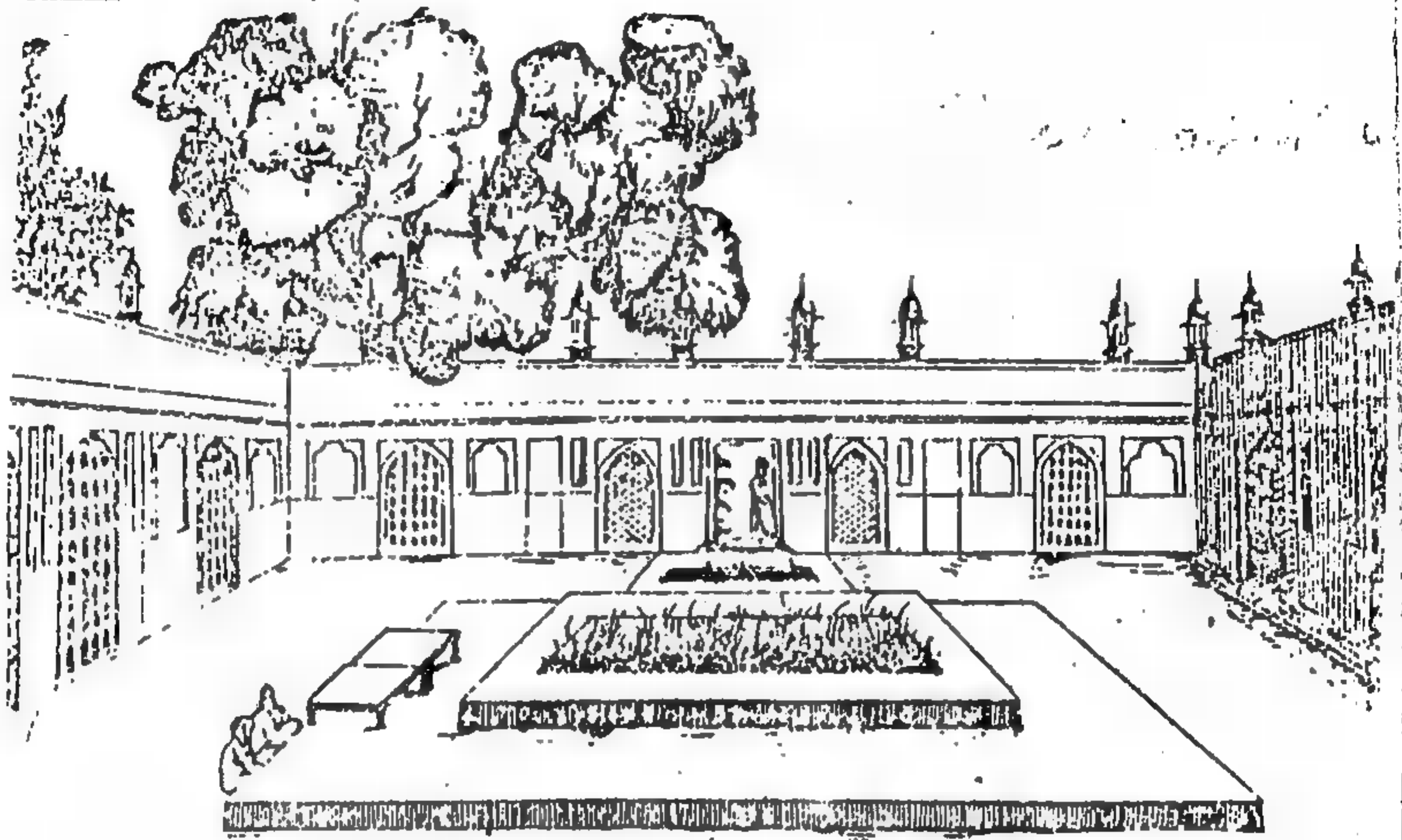
حضرت سید حسن رسول نما سید عثمان نارنولی کی اولاد میں سے ہیں جہاں آپ کا مزار ہے پہلے گلابی باغ مشہور تھے۔ 1103ھ مطابق 1691ء آپ کا انتقال ہوا اسی مقام پر دفن ہوئے۔ آپ کے مزار پر مختصر تاریخ درج ہے تاریخ حسن رسول نما بار سول باقی شد۔ 1162ھ مطابق 1748ء میں حاجی محمد طاہر نے اِس درگاہ کے پاس ایک مسجد بنائی محمد سعید کا بنایا ہوا ایک حوض یہاں موجود ہے۔ 1234ھ مطابق 1818ء میں محمد شفیع نے جو آپ کی اولاد میں سے تھے نواب امیر خان والی ٹونک سے پیسے لے کر اس مقام پر ایک چاردیواری پختہ فصیل تعمیر کی دو دروازے شاندار بنائے۔
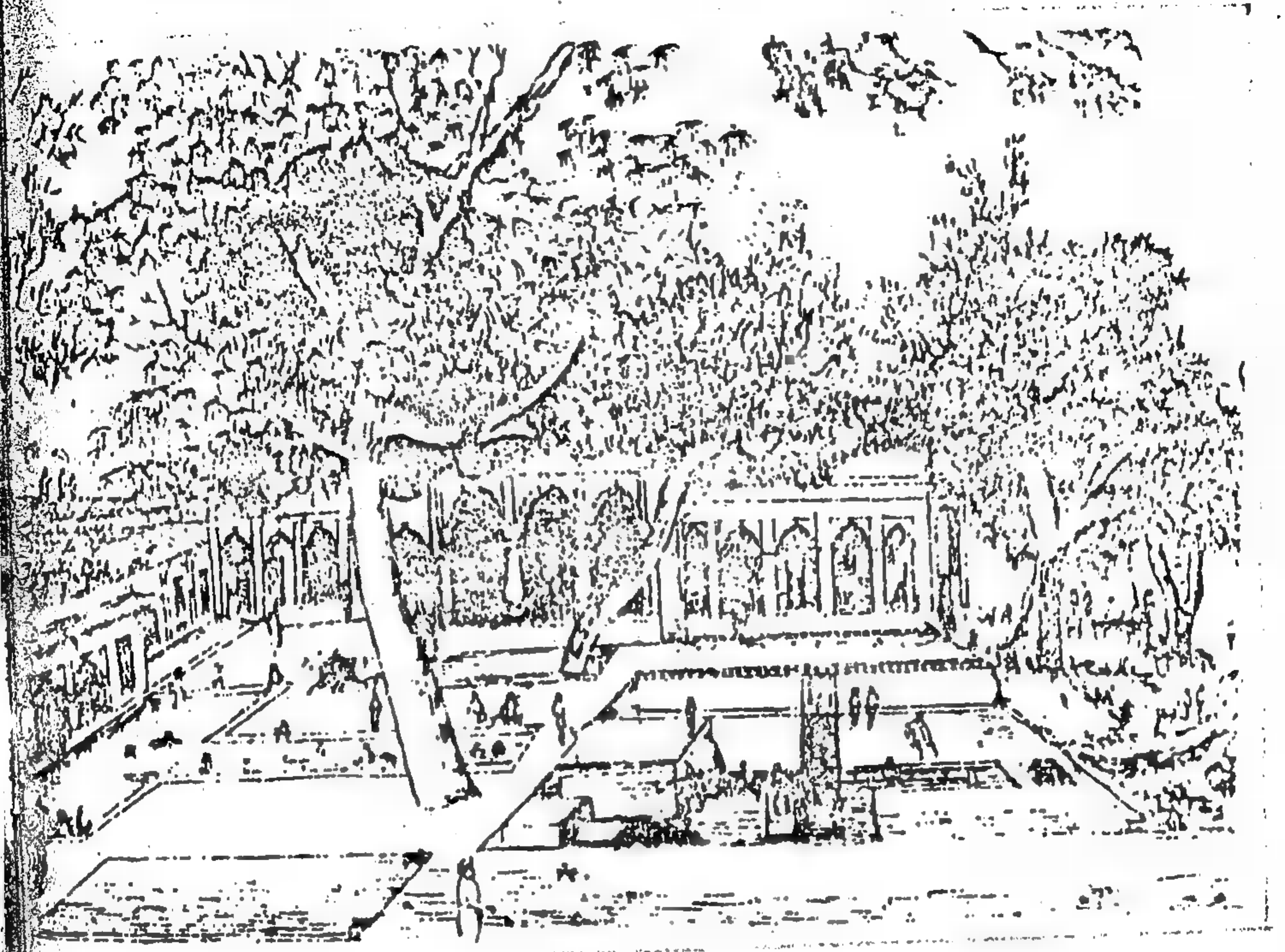
جھرنہ

حوض شمسی کے قریب ایک بند نما دیوار جو جھرنہ کے نام سے مشہور ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب حوض شمسی تعمیر ہوا تو اس کے پانی کے زور کو روکنے کے لئے یہ دیوار بنی اس دیوار میں پانی نکلنے کا راستہ بھی تھا۔ جب پانی کا زور ہوتا تو پانی اس دیوار میں سے نکل کر نولکھے نالے میں گزرتا ہوا تغلق آباد عادل آباد کی طرف بہہ جاتا قریب 1112ھ مطابق 1700ء کے نواب غازی الدین فیروز جنگ نے اس دیوار کے آگے دلان بنایا اکبر شاہ ثانی نے اس کے جنوب اور شمال کی پتھروں کو تراش کر مکان بنائے۔ اور بہادر شاہ ظفر نے بارہ دری بنائی ساون بھادوں کے مہینے میں یہاں ہر سال بڑی دھوم دھام سے میلہ لگتا تھا۔ یہ میلہ آٹھ روز تک رہتا۔ بدھ اور جمعہ کے روز زیادہ رش ہوتا جمعرات کے روز لاکھوں آدمی میلہ میں آتے پھول والے پنکھے بناتے بعد میں یہ پنکھے حضرت خواجہ قطب الدین بختاور کاکیؒ پر چڑھاتے۔ اسی وجہ سے اس میلہ کا نام پھول والوں کا میلہ مشہور ہے۔ لوگ حوض میں نہاتے درختوں پر رسی ڈال کر جھولتے اب یہ رونقیں ختم ہو چکی ہیں البتہ پھول والوں کا میلہ اسی دھوم سے منایا جاتا ہے۔

مقبرہ لنگر خان
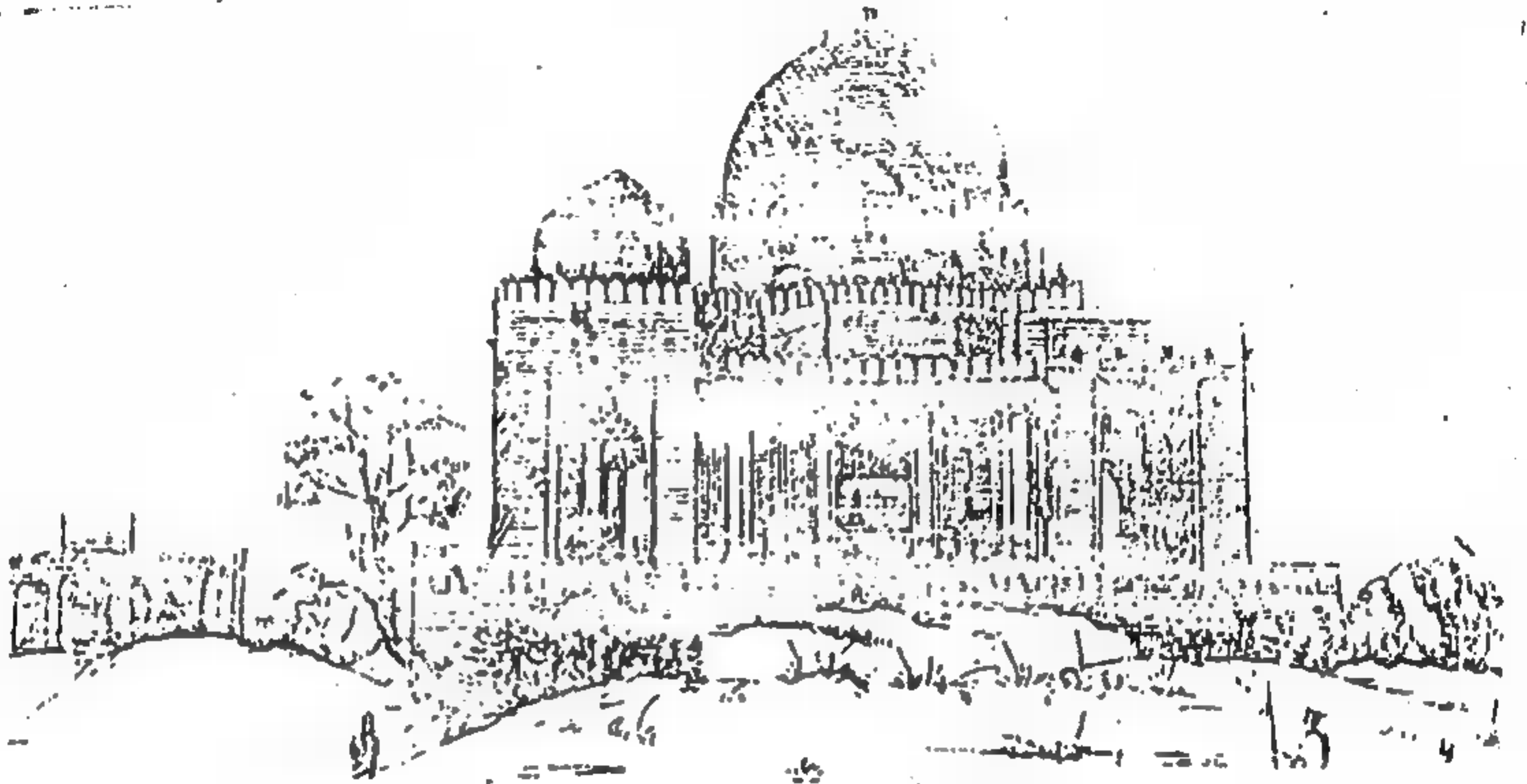
دہلی کے گردونواح موضع زمرد کے قریب ایک گاؤں رائے پور ہے مقبرہ لنگر خان ان کے درمیان واقع ہے لنگر خان سلطان بہلول لودھی کے عہد میں امراء میں سے تھے۔ یہ مقبرہ ۹۰۰ مطابق ۱۴۹۴ء میں تعمیر ہوا مقبرے چونے اور پتھر سے تعمیر ہوا ہے۔ مقبرہ کے اندر قبر بہت اونچی ہے ہاتھ بلند کرنے سے بھی نہیں پہنچتا۔ اس مقبرہ کے پاس ایک چاردیواری ہے جس کے اندر لنگر خان کے خاندان کے افراد کی قبریں ہیں۔

تبرجہ
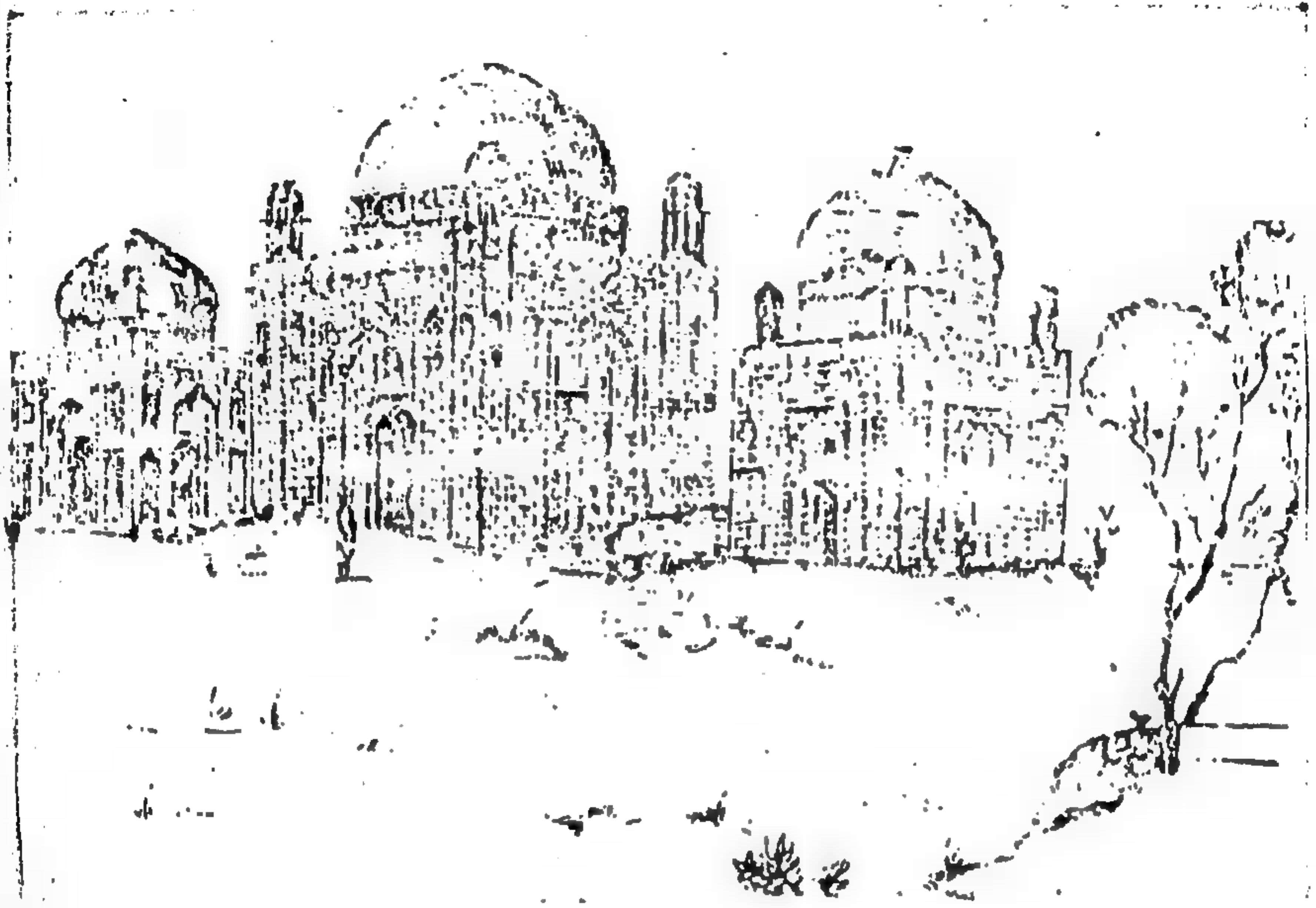
دہلی میں تبرجہ نامی تاریخی عمارت موٹھ کی مسجد کے قریب ہے مقبروں پر کتبے نہ ہونے کی وجہ سے تاریخ معلوم نہیں ہو سکی۔ عام قیاس یہی ہے کہ سلطان سکندر کے عہد میں ۹۰۰ ہجری مطابق ۱۴۹۴ء میں تعمیرات ہوئیں تینوں مقبرے چونے اور پتھر سے بنے ہوئے ہیں۔ پہلا مقبرہ دوسرے مقبروں سے اچھا بنا ہوا ہے۔ کہیں کہیں سرخ پتھر بھی استعمال ہوا ہے۔

زینت المساجد
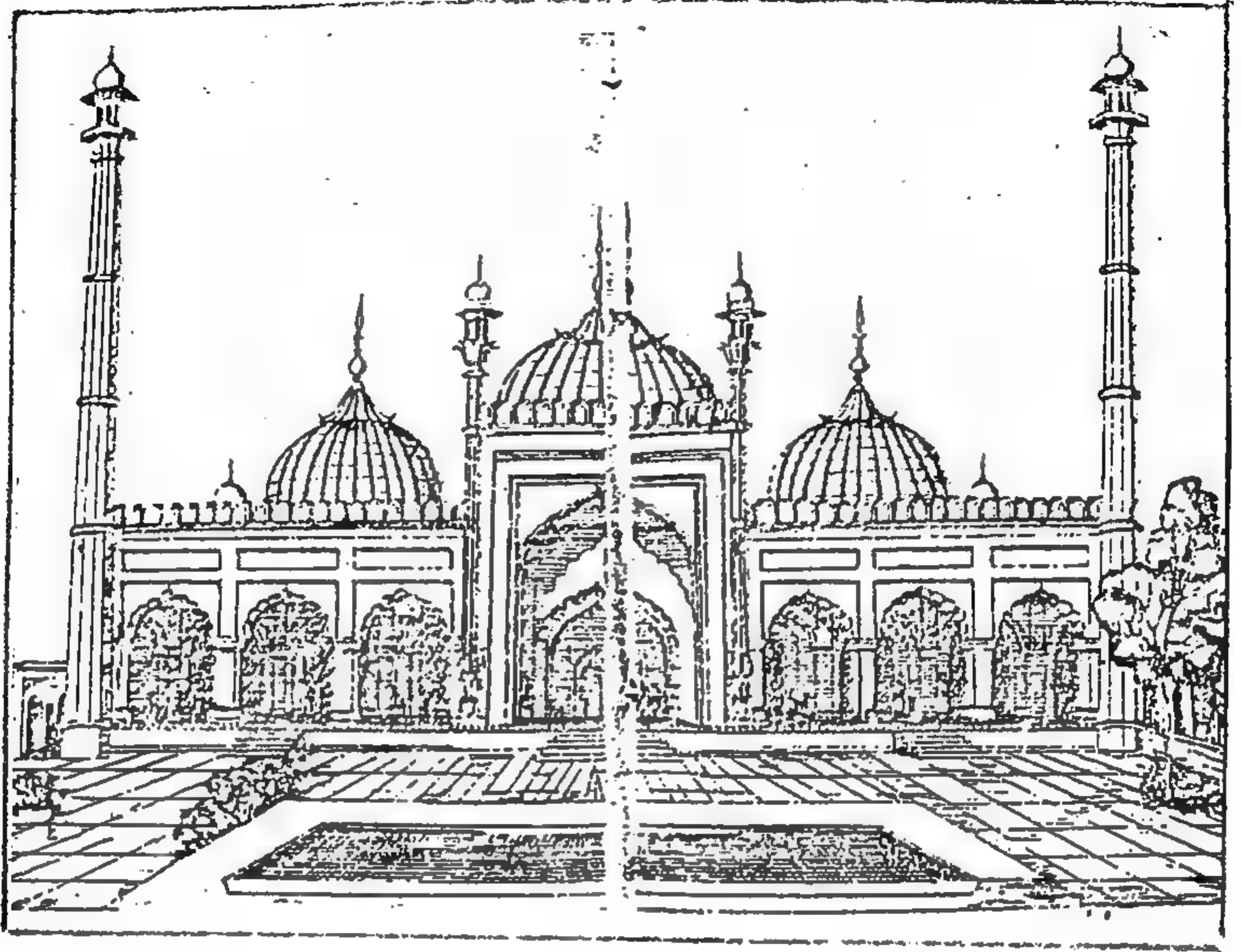
زینت المساجد بیگم بنت عالمگیر بادشاہ نے یہ مسجد 1122ھ مطابق 1710ء یہ مسجد اپنے دفن ہونے کے لیے تعمیر کی تمام مسجد سرخ پتھر سے تعمیر کی گئی ہے۔ تینوں گنبد بھی سنگ مرمر کے ہیں اس میں سنگ موس کی دھاریاں بنی ہوئی ہیں مسجد کے دو مینار ہیں جو کافی بلند ہیں جو دور سے دکھائی دیتے ہیں مسجد کے سات در ہیں ایک بڑا باقی چھوٹے ہیں اس کے صحن میں ایک حوض ہے جس میں کنواں سے پانی آتا ہے اب وہ کنواں بند ہو گیا ہے مسجد کے شمال کی جانب ایک کمرہ سنگ مرمر کا دو کمرہ سنگ باسی کے ہیں اس کمرہ کے اندر زینت النساء بیگم کی قبر ہے سرہانے کی طرف قطبہ لگا ہوا ہے۔

مقبرہ غازی الدین خان
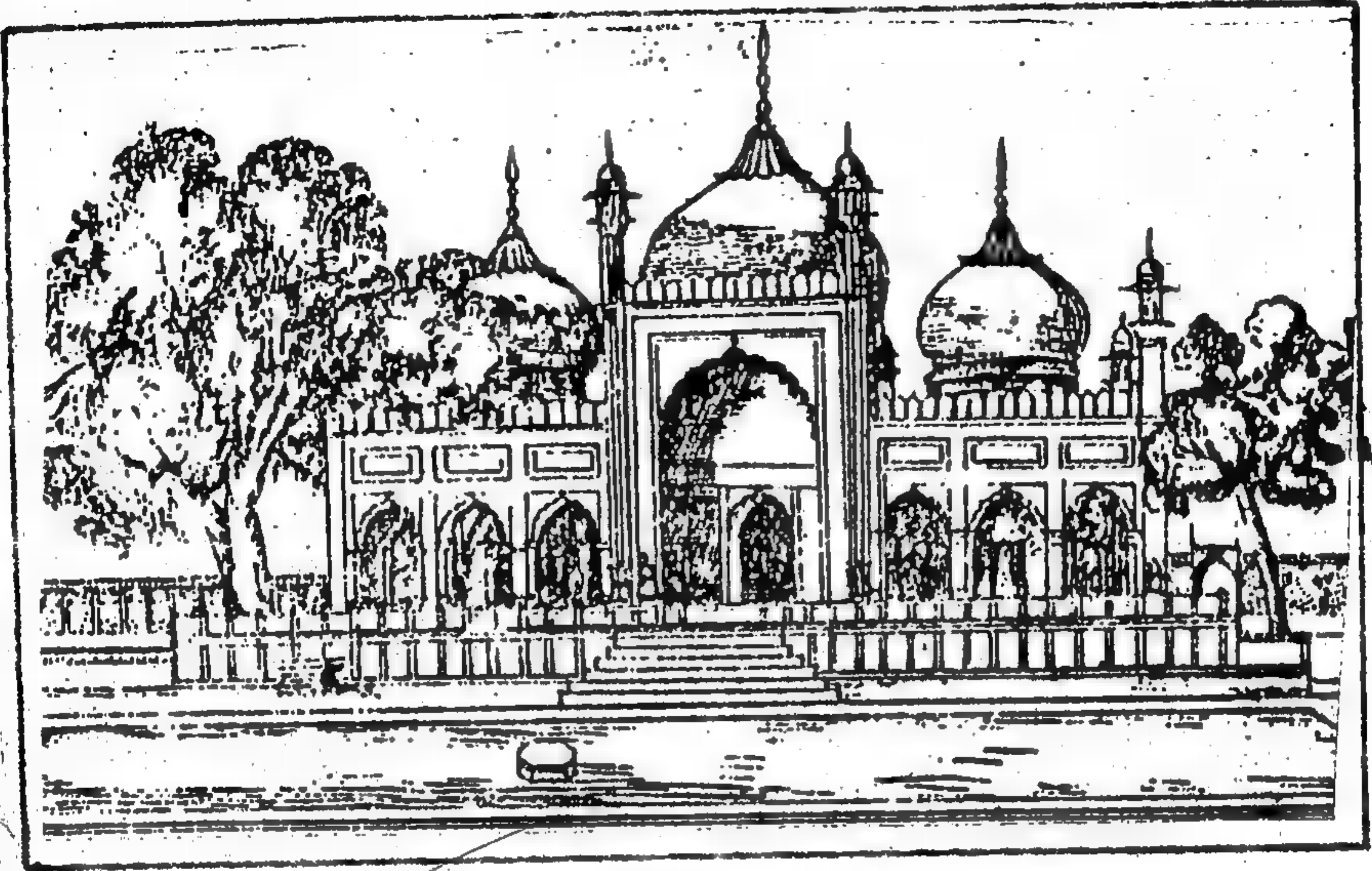
یہ مقبرہ اجمیری دروازہ کے باہر شہاب الدین المعروف غازی الدین خان بہادر فیروز جنگ ولد نظام الملک آصف جاہ کا ہے جو اورنگزیب عالمگیر کے عہد میں بڑے نامی گرامی امراء میں سے تھے۔ یہ مقبرہ غازی الدین خان بہادر نے اپنی زندگی میں آپ ہوایا تھا جبکہ 1122ھ مطابق 1710ء میں شاہ عالم بہادر شاہ ظفر کے عہد میں ان کا انتقال ہوا ان کی میت کو یہاں لاکر ان کے بنائے ہوئے مقبرہ میں دفن کیا گیا۔ یہ مقبرہ سرخ پتھر سے تعمیر کیا گیا ہے اِس کا بیرونی دروازہ بہت خوبصورت ہے مقبرہ کے اندر وسیع صحن ہے اس کے شمال جنوب دو کمرے ہیں دلان بنائے گئے ہیں۔ دروازہ مشرق کی طرف ہے جنوب کی طرف سرخ پتھر سے مسجد تعمیر کی گئی ہے۔ جنوبی کمرہ کے پاس سنگ مرمر کی نفیس جالیاں بنی ہوئی ہیں اس کمرہ میں نواب غازی الدین خان اور انکی اولاد کی قبریں ہیں۔ انگریزوں کے زمانہ میں یہاں ایک مدرسہ قائم ہوا تھا اس وجہ سے یہ مقبرہ مدرسہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اعتماد الدولہ نواب فضل علی خان لکھنو والے اسے مدرسہ کے اخراجات کے لیے ایک لاکھ ستر ہزار روپے دیے تھے ایک دیوار پر ان کے نام کا قطبہ نصب ہے۔

درگاہ حضرت یوسف قتالؒ
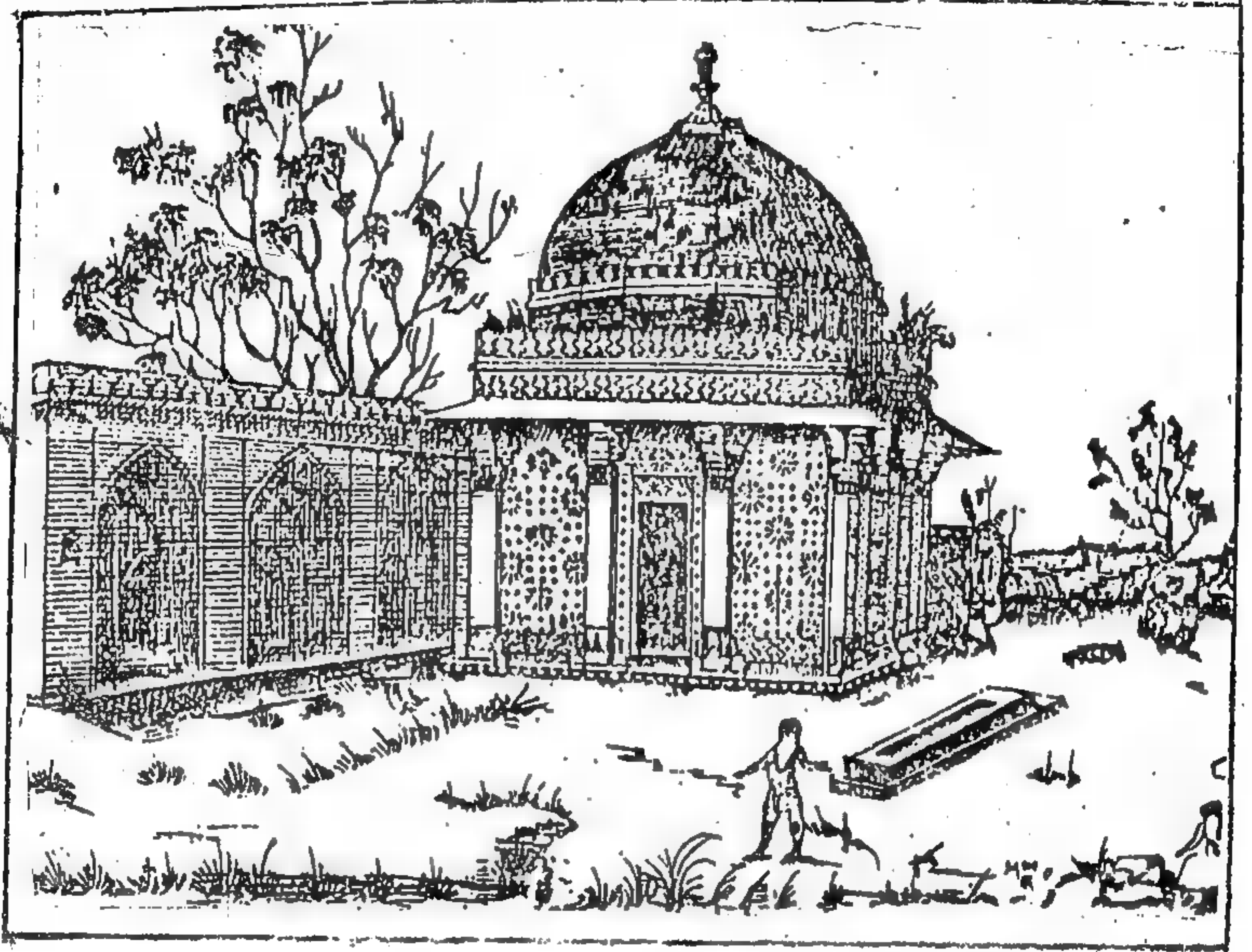
حضرت یوسف قتالؒ کی درگاہ کھڑکی کی مسجد کے پاس ہے۔ آپ کے مرید حضرت قاضی جلال الدین لاہوری
جن کا وصال ۱۵۲۶ء میں ہوا تھا۔ کے علاوہ حضرت شیخ علاؤالدین جو حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے نواسے تھے یہ
تعمیرات کروائیں مزار کی تعمیرات سرخ پتھر سے کی گئی ہیں چاروں طرف جالیاں نصب ہیں۔ جو پتھر تراش کر بنائی گئی
ہیں۔ برج چونے سے تعمیر کئے گئے ہیں۔ جن پر حاشیے اور چینی کا کام بنا ہوا ہے۔ قریب ہی مسجد ہے جو چونے اور پتھر سے
بنی ہوئی ہے خستہ حال میں ہے۔

بستی باوڑی
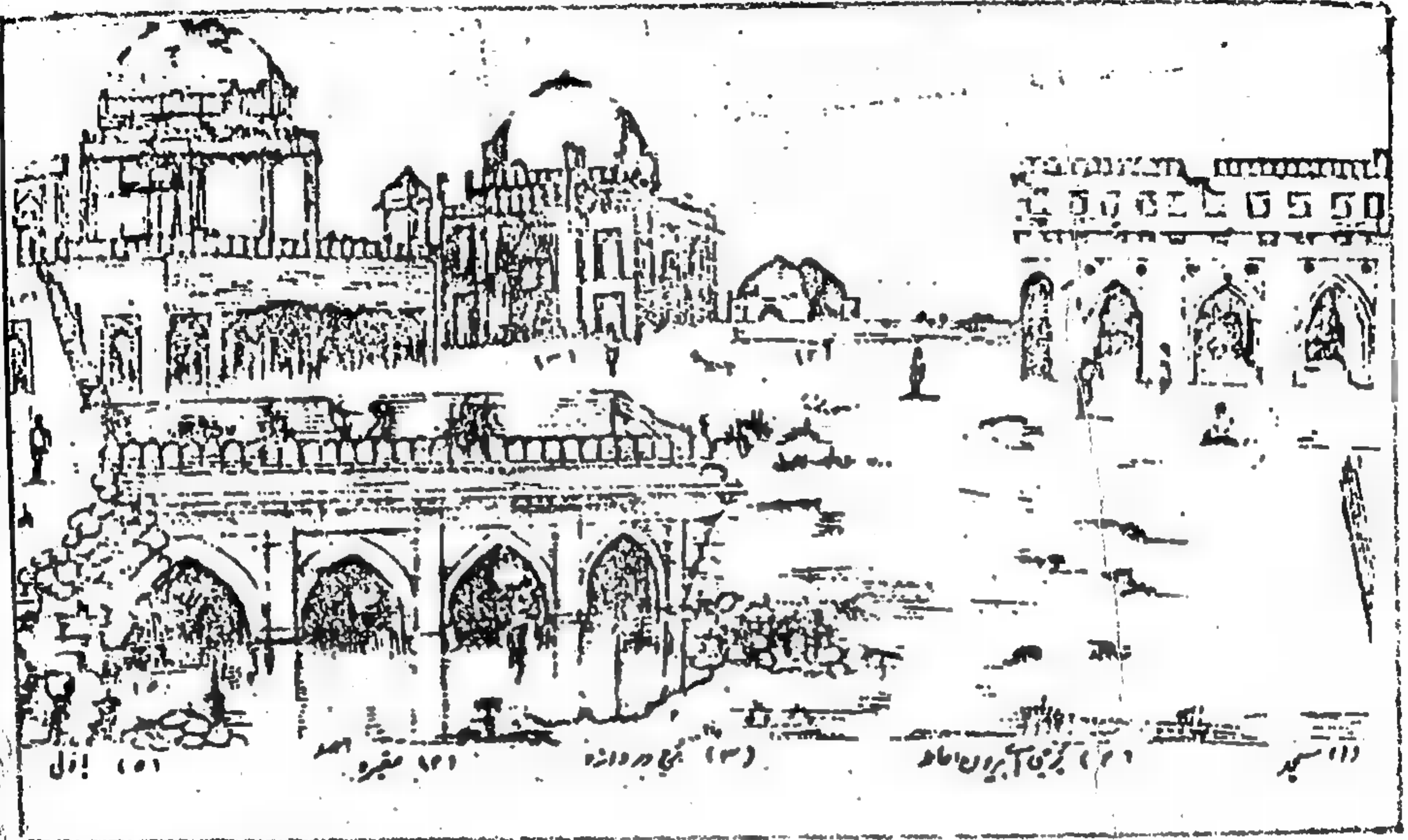
درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء سبحانیؒ کے قریب سلطان سکندر کے وقت میں یہاں بستی خواجہ سرا کی تھی اس نے تعمیرات ۸۹۴ھ مطابق ۱۴۸۸ء میں کیں یہاں ایک شاندار باولی بھی تھی اس میں اوپر نیچے دالان بنے ہوئے تھے۔ باولی کے مغرب کی طرف ایک مسجد ہے مسجد پر چونے کی جنت کاری کی گئی ہے آیات قرآنی کندہ ہیں مسجد کے بائیں طرف دروازہ ہے اس پر گنبد بنا ہوا ہے۔ دروازے کے سامنے قبر کا گنبد ہے چبوترہ اونچا بنا کر کمرے بنائے گئے ہیں اوپر قبر بنائی گئی ہے چبوترہ بہت خوبصورت ہے اس کے چاروں کونوں پر برج بنائے گئے ہیں جو اسکی خوبصورتی میں اضافہ کرتے ہیں۔

پنج برجہ زمرد پور
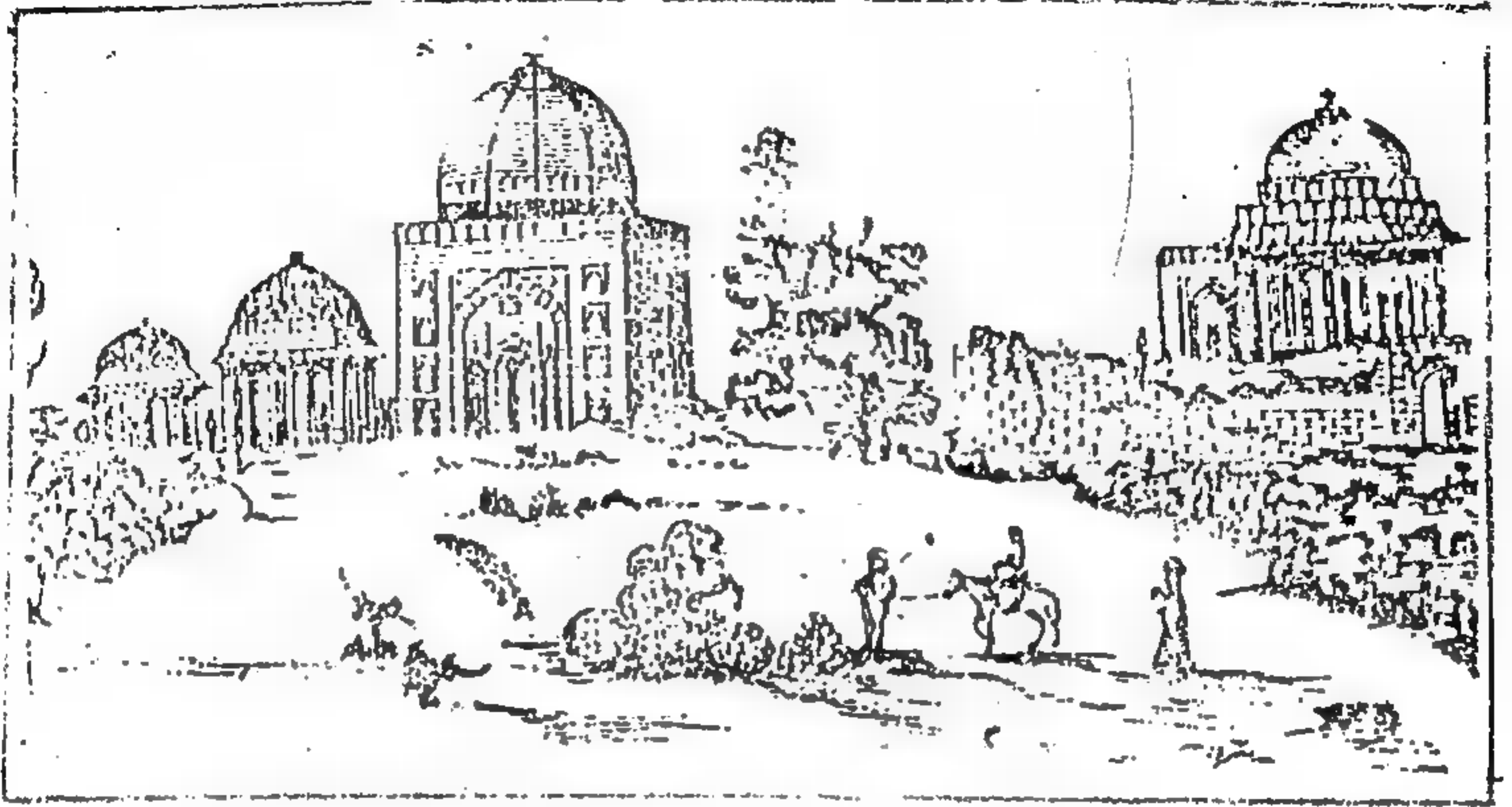
شاہ جہاں آباد سے چھ میل کے فاصلہ پر زمرد پور گاؤں تھا جو اب شہری آبادی میں آچکا ہے۔ اس گاؤں کا نام کنجن سرائے تھا۔ سلطان سکندر بہلول کے وقت یہ علاقہ زمرد خان کو جاگیر میں عطا ہوا تھا۔ اس وقت سے اس علاقہ کو زمرد پور کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہاں زمرد خان کا قبرستان ہے مقبروں پر چھوٹے چھوٹے اور بڑے بڑے برج ستون بنے ہوئے ہیں۔ قیاس یہی ہے کہ یہ تاریخی عمارتیں قبرستان سلطان سکندر کے وقت میں ۸۹۴ھ ۱۴۸۸ء میں تعمیر ہوئیں تھیں یہ مقام پانچ برجوں کی وجہ سے پانچ برجہ مشہور ہے۔

مسجد اورنگزیب آبادی

پرانی دہلی میں پنجابی کڑے کے اندر اس مسجد کو اورنگزیب عالمگیر کی بیوی نواب اورنگزیب آبادی بیگم نے 1144ھ مطابق 1703ء میں تعمیر کروایا۔ ساری مسجد سرخ پتھر سے تعمیر کی گئی ہے مسجد کے صحن میں ایک حوض ہے کسی زمانہ میں حوض سے نہر کا پانی آتا تھا اِس مسجد کا صحن بہت وسیع تھا لیکن تجاوزات کی وجہ سے صحن چھوٹا ہو گیا ہے۔ ماضی میں اس مقام پر پنجاب کے سوداگر رہتے تھے اسی وجہ سے یہ جگہ پنجابی کڑہ مشہور ہو گیا ہے۔

مقبرہ مخدومہ جہاں سلطان محمد عادل تغلق

قلعہ تغلق آباد کے قریب مخدمہ جہاں وسلطان محمد عادل تغلق کا مقبرہ 225ھ مطابق 1324ء میں تعمیر ہوا۔ مخدومہ جہاں غیاث الدین تغلق کی بیوی تھی محمد تغلق شاہ جو سلطان محمد عادل کے نام سے مشہور ہوا غیاث الدین تغلق کا بیٹا تھا۔ 752ھ مطابق 1315ء کو فوت ہوا۔ اس مقبرہ میں دفن ہوا مقبرہ سرخ پتھروں سے تعمیر کیا گیا ہے سرخ پتھروں میں جا بجا سنگ مرمر کی دھاریاں لگی ہوئی ہیں بہت خوبصورت مبنت کاری کی گئی ہے۔ مقبرہ کی فصیل بہت اونچی تکونی ہے فصیل کے اندر کی طرف پتھر کے حجرے بنے ہوئے ہیں فصیل کا دروازہ بھی سرخ پتھر سے تعمیر کیا گیا ہے۔ اس میں بتیس سیڑھیاں ہیں اس دروازے اور قلعہ تغلق آباد تک ایک پل بنایا تھا جو اب ختم کر دیا گیا ہے اس کا کچھ حصہ ہے باقی غیاث الدین تغلق بھی اسی مقبرہ میں دفن ہے۔ فیروز شاہ تغلق کے دور میں یہ مقبرہ دارالامان کہلاتا تھا۔ فیروز شاہ نے قبروں پر صندل کا چھپر کھٹ اور خانہ کعبہ کے پردے چڑھائے جن جن لوگوں کو محمد عادل شاہ نے مار ڈالا تھا یا انکے ہاتھ پاؤں ناک کان کاٹ ڈالے تھے یا اندھا کر دیا تھا ان کے وارثوں کو روپیہ دے کر راضی کیا معافی نامہ لیکر ایک صندوق میں بند کر کے بادشاہ عادل شاہ کی قبر کے سرہانے رکھوا دیا تھا۔

مقبرہ مبارک شاہ بادشاہ

مقبرہ صفدر جنگ سے تھوڑی دور کے فاصلہ پر سنگ خارا سے بنی ہوئی خوبصورت عمارت سلطان مبارک شاہ ثانی کا مقبرہ ہے۔ اس بادشاہ نے شہر مبارک آباد (دہلی) بسایا تھا۔ اس کا ہندو وزیر سردار الملک تھا جس نے ایک ہندو قاتل کو مبارک شاہ کے قتل کے لئے مقرر کیا۔ چنانچہ ۸۳۷ھ کے ماہ رمضان میں مبارک شاہ قتل کر دیا گیا اور یہاں دفن ہوا۔ اس مقبرہ کے تھوڑے فاصلہ پر جنوب مغرب کی جانب تین گنبدوں اور پانچ دروں کی ایک مسجد دوہرے دالانوں والی ہے جس کی عمارت تمام تر تعمیر سنگ خارا سے کی گئی ہے مسجد کی عمارت ابھی تک کھڑی ہے مسجد ویران ہے۔ یہ مقبرہ محکمہ ارکیالوجیکل سروے آف انڈیا کی تحویل میں ہے۔

باغ سرہندی

یہ باغ سبزی منڈی۔ کے پاس ہے اس باغ کو سرہندی بیگم زوجہ شاہ جہاں بادشاہ نے 1046ھ مطابق 1653ء میں تعمیر کروایا یہ باغ کسی زمانہ میں بہت آراستہ تھا اب تقریباً ختم ہو چکا ہے لوگوں نے مکانات بنالئے ہیں باغ اور مقبرہ کے آثار ہیں سرہندی بیگم کا مزار بھی اسی باغ میں ہے۔

گوردوارہ سیس گنج

(3) **Gurdwara Sisganj.** It is a sacred place of the Sikhs, erected to mark the traditional site of the martyrdom of their Guru Tegh Bahadur.

چاندنی چوک کے قریب سنہری مسجد کے نزدیک سکھوں کا مشہور گوردوارہ سیس گنج ہے یہ اس مقام پر تعمیر کیا گیا ہے جہاں 1675ء میں اورنگزیب عالمگیر کے حکم پر سکھوں کے نویں گرو تیغ بہادر کو قتل کیا گیا۔ سنہری مسجد اور گرودوارے کے درمیان کوتوالی کی عمارت تھی جو سکھوں نے حکومت سے مطالبہ کر کے حاصل کر لی۔ یہاں سکھوں کے قیام اور طعام کا انتظام ہوتا ہے۔ ہندوستان اور دنیا بھر سے آنے والے سکھ یہاں قیام کرتے ہیں ہر وقت سکھوں کی آمدورفت جاری رہتی ہے گوردوارہ کے دروازہ پر سکھ حفاظتی جتھے کھڑے رہتے ہیں گوردوارہ سیس گنج دو منزلہ ہیں سکھوں کے قیام کے لئے کئی کمرے ہیں۔ ہمایوں کے مقبرہ کے قریب سکھوں کا گوردوارہ حال ہی میں مکمل ہوا ہے۔ بنگالی گوردوارہ نئی دہلی میں ہے۔ سکھوں کے دس گروؤں کی تفصیل راقم کی لکھی ہوئی کتاب جنوبی پنجاب سندھ بلوچستان میں قدیمی تاریخی روحانی مقامات میں درج ہے۔

بھگوان مہاویر کا شاندار مجسمہ

پرانی دہلی ہرولی کے قریب ہی پھولوں کی دوکانوں کے سامنے ایک بلند ٹیلے پر بھگوان مہاویر کا تراشہ ہوا شاندار مجسمہ ہے جو جین مت کے چوبیسویں عظیم راہب تھے بیرونی دروازہ کے پاس نصب بورڈ پر مہاویر کی تعلیمات اور مجسمہ کے بارے معلومات درج ہیں مجسمہ کا وزن سات ٹن ہے اونچائی 13 فٹ 6 انچ ہے جبکہ چوڑائی 11 فٹ 6 انچ ہے ملحقہ کمرے میں کتب خانہ ہے بہترین پارک بھی تعمیر کیا گیا ہے۔ کتاب ہندوستان ڈل ڈیورائٹ کے مطابق تقریباً چھٹی صدی قبل مسیح میں ویشالی شہر جو کہ اس وقت صوبہ بہار میں ہے وہاں کے جناتیرہ قبیلہ کے ایک خوشحال گھرانے میں ایک لڑکے نے جنم لیا۔ اس کے والدین خوشحال ہونے کے باوجود دوبارہ جنم لینے کو لعنت تسلیم کرتے تھے۔ خودکشی ان کے نزدیک ایک مقدس عمل تھا۔ ابھی ان کے بیٹے نے اپنی زندگی کا اکتیسواں برس بھی مکمل نہیں کیا تھا کہ انہوں نے رضاکارانہ فاقہ کشی کے ذریعے موت کو گلے لگا لیا۔

اس واقعے کے بعد ان کا بیٹا آتما کی کھوج میں نکل کھڑا ہوا۔ اس نے دنیا تیاگ دی۔ دنیاوی امور سے مکمل قطع تعلق کر لیا۔ کپڑوں کی قید سے آزاد ایک زاہد، ایک جوگی کی طرح اپنی ذات کے ادراک اور پاکیزگی کی خاطر وہ مغربی بنگال کے جنگلوں میں گھومتا رہا۔ تیرہ سالہ تیاگ کے بعد اسے "جین" یعنی فاتح نامی ایک جماعت ملی جس کا ایمان تھا کہ یہ ان کی مقدس تقدیر میں لکھا جا چکا ہے کہ انہیں خاص وقفے کے بعد ہند کے لوگوں کی رہنمائی کرنی ہے۔ اس جماعت کا سربراہ "مہاویر" یعنی عظیم راہب تھا، جس نے اپنی مجرد راہبیت کو منظم کرتے ہوئے سینکڑوں راہب، راہباؤں کو اپنا پیروکار بنایا۔ 72 برس کی عمر میں جب اس نے وفات پائی تو اس کے پیروکاروں کی تعداد چودہ ہزار سے تجاوز کر چکی تھی۔

رفتہ رفتہ اس فرقے نے اپنے وقت کے سب سے بڑے مذہب کی شکل اختیار کر لی۔ اس نے حقیقت پسندانہ منطق سے آغاز کرتے ہوئے علم کو محدود اور وقت کی حد بندیوں میں قید کر لیا۔ ان کے مطابق کسی چیز کے ایک تناظر کے علاوہ کسی چیز کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی باقی سب جھوٹ ہوتا ہے۔ وہ اکثر اس کہانی کا حوالہ دیتے تھے کہ جب چھ اندھے ہاتھی کے جسم کے مختلف حصوں پر ہاتھ رکھتے ہیں تو جس کا ہاتھ کان پر پڑتا ہے وہ ہاتھی کو ایک بہت بڑا پنکھا قرار دیتا ہے، ٹانگ کو چھونے والا اسے ستون قرار دیتا ہے۔ لہذا تمام فیصلے وقتی اور مشروط ہوتے ہیں۔ حقیقت مطلق صرف "جین مت" میں منکشف ہے۔ جین جیسی رہنمائی اور منطق تو ویدوں میں بھی نہیں۔ خدا کے تصور کو منظر سے نکالنے کے بعد جین مت نے جلد ہی اپنے رشیوں، سنتوں اور صوفیوں کو خدا کا رتبہ دینا شروع کر دیا۔ وہ صحیح معنوں میں ان کے بھگت بن کر رہتے۔ بہت شوق وذوق اور عزت سے ان کی پوجا کرتے لیکن اس کے باوجود انہیں زمان و مکان کی شکست و ریخت، حالات وواقعات سے محفوظ نہ سمجھتے۔ نہ ہی خالق کائنات کی حیثیت سے انہیں مطلق العنان کا درجہ دیتے۔ جین مت کے پیروکار مادیت پرست بھی نہ تھے۔ وہ "ثنویت" کے قائل تھا اور پتھروں سے دھاتوں اور روحوں تک میں اسی نظریے کا مانتے۔ ان کے مطابق بے داغ کردار کی مالک، کامل نیک روح "پرماتما" روح برتر کا رتبہ حاصل کر لیتی ہے۔ پرماتما پارسائی کا اثر زائل ہونے تک دوبارہ جنم لینے کی اذیت سے محفوظ رہتی ہے۔ البتہ اثر زائل ہوتے ہی یہ پھر سے نئے بدن میں مقید ہو جاتی ہے۔ صرف وہ روحیں کبھی دوبارہ جسم کی قید میں نہیں آتیں جو "اریات" کے درجہ پر فائز ہو جاتی ہیں۔

جین مت کے مطابق نجات کا راستہ کسی جاندار کو کسی بھی قسم کی تکلیف نہ دینا کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ جین مت کا ہر معتقد پانچ وعدے کرتا ہے: وہ کسی جاندار کو ہلاک نہیں کرے گا۔ جھوٹ نہیں بولے گا۔ جو نہ ملے وہ طلب نہیں کرے گا۔ اپنی پاک دامنی کو برقرار رکھے گا۔ تمام خارجی عناصر کی تسکین کو ٹھکرا دے گا۔ ان کے مطابق حیاتی تسکین ایک جرم ہے۔ مثالی فرد تو وہ ہے جو دکھ، تکلیف، خوشی، غم سے ماورا ہو۔

خارجی معروضات پر انحصار نہ کرے۔ جین مت میں زراعت پر پابندی ہے کیونکہ یہ دھرتی کا سینہ چیر کر حشرات الارض کو مار ڈالتی ہے۔ ایک پارسا اور متقی شہد اس لیے نہیں کھاتا کیونکہ یہ شہد مکھیوں کی زندگی ہے۔
پانی اس لیے کم پیتا ہے۔ بہت سے جانداروں کی زندگی کا انحصار اس پر ہے۔ اپنے منہ پر خوف سے نقاب اس لیے چڑھائے رکھتا ہے۔ کہیں ہوا میں موجود جاندار جراثیم اس کے سانس لینے سے تلف نہ ہو جائیں۔ اپنے چراغ کے گرد تہہ بندی اس لیے کرتا ہے کہ اس کی پرکشش روشنی و حرارت کے سراب میں کوئی کیڑا مکوڑا نہ جل جائے۔ ہر قدم رکھنے سے پہلے زمین کو اس لیے جھاڑتا ہے کہ کہیں کوئی جاندار اس کے پاؤں تلے آکر ہلاک نہ ہو جائے۔ کسی جین کو کسی بھی حالت میں کسی جانور کو ذبح کرنے یا اس کی قربانی دینے کی قطعاً اجازت نہ تھی۔ بلکہ اس کے بجائے وہ احمد آباد میں موجود جانوروں کے شفاخانوں کی طرح جگہیں ہوا تا۔ جین مت خودکشی کی حوصلہ افزائی کرتا ہے خصوصاً رفتہ رفتہ فاقہ کشی کے ذریعے مرنے کو ترجیح دیتا ہے کیونکہ یہ زندہ رہنے کے جنون کے مقابلے میں روح کی عظیم ترفتح ہے۔ بہت سے جین اسی طرح زندگی کی قید سے آزاد ہوئے حتیٰ کہ آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔

لیکن اپنے اعتقادات کے لئے شدید ریاضت کی مانگ کے باعث یہ مذہب مقبول عام نہ ہو سکا۔ شروع میں جین مت ایک منتخب اقلیت کی شکل میں تھا مگر یوان چوانگ کی کوششوں کے باعث ساتویں صدی میں اس کے پیروکاروں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ اس وقت سے جین سفید جبوں میں ملبوس سویتامبرا مکمل برہنہ، دائی گمبرا فرقوں میں منقسم نظر آنے لگے، لیکن آج کل دونوں فرقے کپڑوں میں ملبوس ہوتے ہیں۔ صرف ان کے کچھ پیر گلیوں میں ننگے پھرتے رہتے ہیں۔ داگمیوں کے آگے چار اور ساد تمیوں کے چوراسی فرقے ہیں، مہاتما گاندھی جین مت سے خاصا متاثر تھا۔ اس نے آہنسا کو اپنی زندگی کا شعار بناتے ہوئے ہاتھ کے بنے ایک کپڑے اور فاقہ کشی میں قناعت پسند زندگی گزار دی۔ جین مت کے پیروکار اسے ''جناس'' یعنی اپنی روح عظیم کا گوشت پوست سے بنا ایک اور جنم قرار دے سکتے ہیں اور جس نے نجات کی خاطر ایک اور روپ دھارن کیا۔

چھتر پور مندروں کا شہر مندروں کے اندر سونے کی مورتیاں رکھی ہوئی ہیں
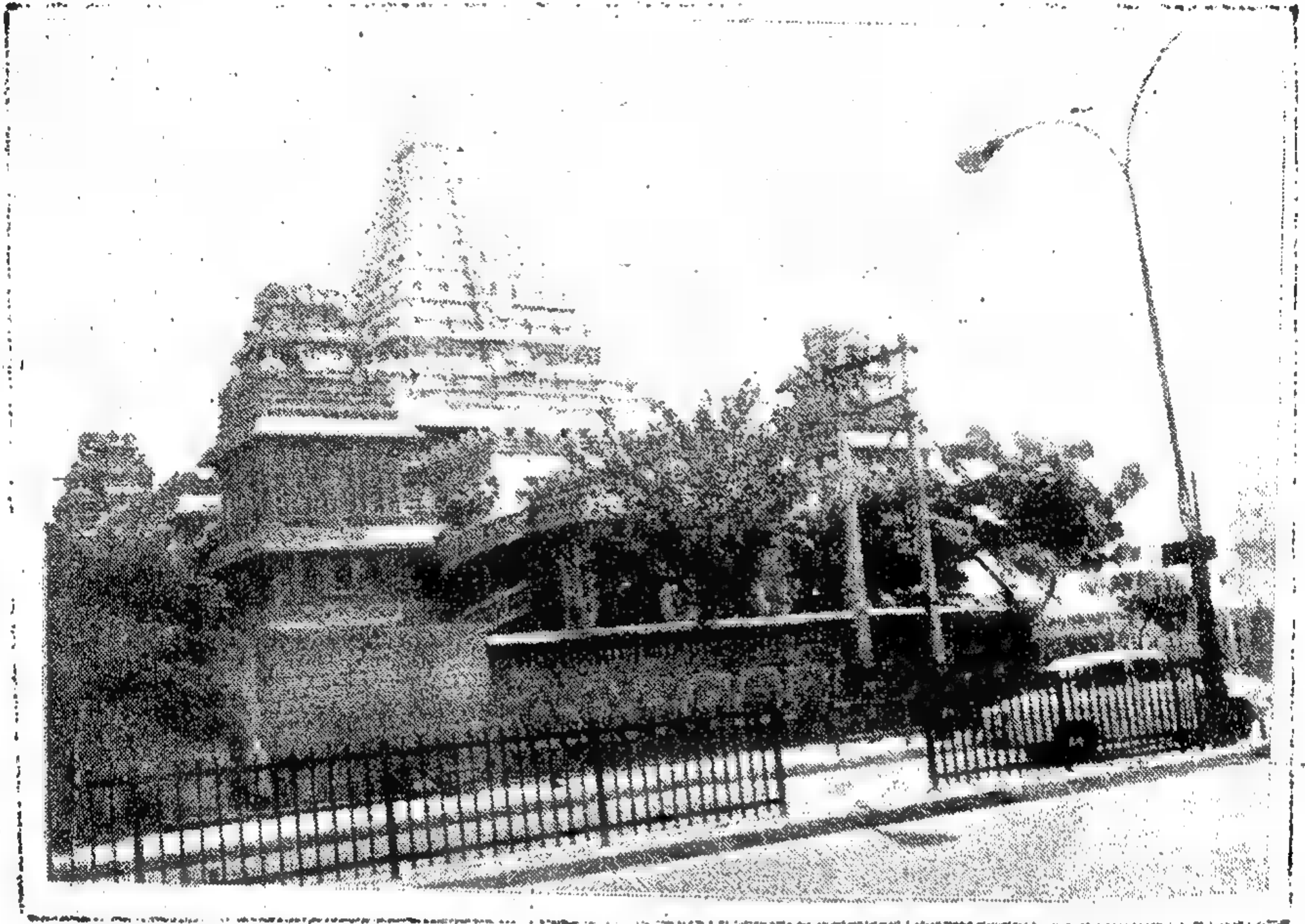
نئی دہلی میں چھتر پور نام کی ایک جدید بستی ہے۔ یہاں لاتعداد مندر تعمیر کیے گئے ہیں جو آٹھ نو منزلہ ہیں کافی رقبہ میں ہیں تمام تعمیرات جدید ہیں۔ مندروں کو دیوتاؤں کے نام سے منسوب کیا گیا۔ اس مندر میں ایک بے اولاد کروڑ پتی ہندو نے سونے کی مورتیاں مندر کی نذر کی ہیں۔ سونے کی قیمت لاکھوں ہیں۔ ہندوستان بھر سے ہندو مرد عورتیں ان سونے کی مورتیوں کا درشن کرتے ہیں بہت زیادہ رونق رہتی ہے۔ تعطیل کے روز یہاں ہر طرف کاریں ہی کاریں نظر آتی ہیں۔ مندر کے باہر جوتے رکھنے کے لئے لوہے کے ریک بنائے گئے ہیں۔ پھولوں اور ناریل کی دوکانیں ہیں پوجا کے وقت ہندو مورتی کے سامنے پھول اور ناریل پیش کرتے ہیں۔

چھترپور ٹمپل
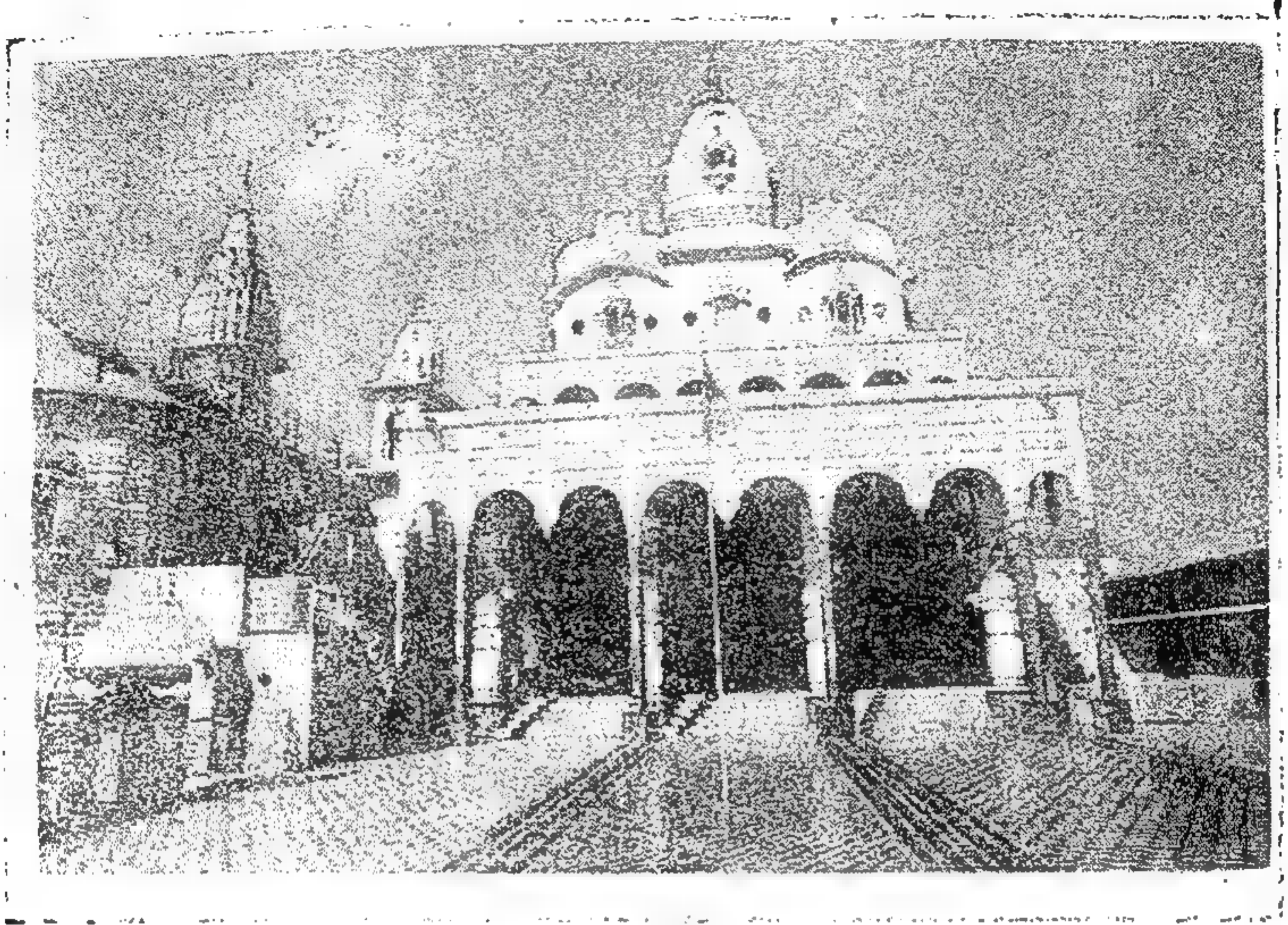
چھترپور کی بستی مندروں کے لئے مشہور ہے۔ یہاں مختلف ڈیزائنوں میں کئی منزلہ مندر تعمیر کیے گئے ہیں ان میں یہ مندر نمایاں نظر آتا ہے ان مندروں کے اندر لا تعداد مورتیاں رکھی ہوئی ہیں۔ یہ مورتیاں مختلف سائز کی ہوتی ہیں سنگ مرمر، سرخ سیاہ پتھروں مٹی کے علاوہ پلاسٹک کے بت جن پر نقش نگار بنائے گئے ہیں ان مندروں میں رکھے ہوتے ہیں چھوٹے چھوٹے بت مورتیاں وال کلاک میں نصب ہوتی ہیں۔ اسی طرح بسوں ٹرکوں کاروں میں یہ بت رکھے جاتے ہیں ان کے گلے میں زرد رنگ کے پھولوں کے ہار ڈالے جاتے ہیں راقم نے ایک ڈرائیور سے پوچھا تمام بسوں میں یہ مورتیاں رکھی ہوئی ہیں ڈرائیور نے جواب دیا اس لئے کہ ہمارا دھیان ان کی طرف رہے۔

لوٹس مندر المعروف کالکاجی
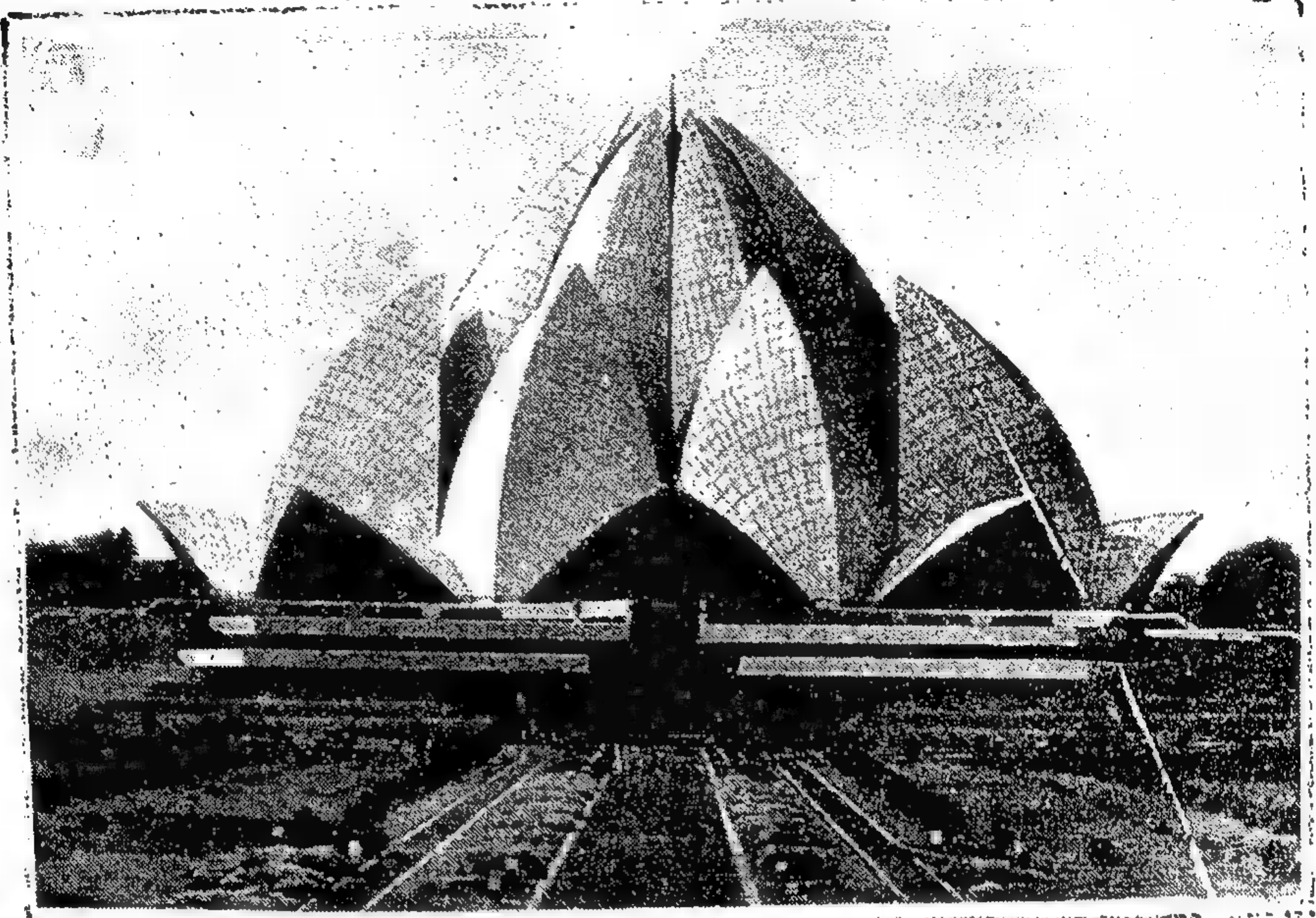
پرانی اور نئی دہلی میں کوئی گلی محلہ ایسا نہیں جہاں مندر نہ ہو ان میں بڑے سے بڑے اور چھوٹے چھوٹے مندر بھی ہیں۔ آزادی کے بعد ہندو اب ہندوازم کا بہت زیادہ پرچار کر رہے ہیں اس مقصد کے لئے کروڑوں روپے خرچ کیے جا رہے ہیں بلکہ دہلی میں سیاحوں کو مسلمانوں کے تاریخی مقامات کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کے مندر بھی دکھائے جاتے ہیں۔ ان میں کالکاجی مندر کا بھی درشن کرایا جاتا ہے۔ دہلی میں یہ مندر زر کثیر خرچ کر کے جدید انداز میں تعمیر کیا گیا ہے۔ راقم نے اس بات کا بھی مشاہدہ کیا ہے کہ لاتعداد درختوں کے نیچے یا سڑک کے کنارے فٹ پاتھ پر مورتیاں رکھ دی جاتی ہیں ان کے گلے میں زرد رنگ کے پھولوں کے ہار ڈال دیئے جاتے ہیں راہ گیر اٹھنی روپیہ یا دو روپے کا سکہ ان کی نذر کرتے ہیں ہاتھ جوڑ کر جھک کر گزر جاتے ہیں یوں شام تک اچھی خاصی رقم جمع ہو جاتی ہے۔

ٹورسٹ دہلی گائیڈ نے انگریزی میں مختصر تاریخ لکھی ہے جس کے مطابق

Kalkaji

It is situated about 8 miles from Delhi near Okhla Railway Station. Tradition say that it stands on the same grounds of a temple built as early as 3000 B.C. The oldest part of the present temple was built in

1764 A.D. Kali Devi's idol placed in the centre of the temple is completely covered with brocade and red cloth. It is enclosed on three sides by a red sand-stone and white marble railing This place is very sacred to the Hindus. On every Tuesday, a fair is held but two times in a year—on 8th day of *Chait* and *Asauj* month of Hindu year there are held big festivals.

برلا مندر نئی دہلی

ہندوستان میں دو بڑے کارخانے ٹاٹا اور برلا کے نام سے مشہور ہیں بلکہ یہ کارخانے بین الاقوامی سطح پر جانے پہچانے جاتے ہیں۔ ہندوستان میں جتنی چھوٹی اور بڑی گاڑیاں ہیں وہ ٹاٹا کے کارخانے میں تیار ہوتی ہے یہی مقام صنعت میں برلا کارخانہ کو حاصل ہے ہری دوار جو دریائے گنگا کے کنارے ہندوؤں کی مقدس سرزمین ہے کنبھ کے میلہ کے موقع پر خورد نوش کا اہتمام ٹاٹا کے زمہ ہوتا ہے۔ ہندوستان بھر میں جتنے بھی برلا مندر تعمیر ہوئے ہیں وہ برلا والوں نے تعمیر کروائے ہیں تمام مندروں کا ڈیزائن ایک جیسا ہے۔ برلا نام کے مندر بہت خوبصورت انداز میں تعمیر کیے گئے ہیں۔

ٹورسٹ دہلی گائیڈ نے انگریزی میں مختصر تاریخ لکھی ہے جس کے مطابق

Birla Temple

The Hindu Temple of modern time built in New

Delhi would do honour to any city. This is a great specimen of the best of the old Aryan religions as conceived and adjusted to modernism It has been built at a cost of several lakhs of rupees for Shri Sanatan Dharama Sabha, New Delhi by the philanthiopic Raja Baldev Das Birla in 1938. The foundation stone was laid by Maharana Udai Bhan Singh of Dholpur on 26th March 1933. The opening ceremony was performed by the famous Pandit Vishco Nath Acharya from Hindu University assisted by many other Pandits.

The temple contains separate places for Lakshmi Narain in the middle, God Shiva to the right and Goddes Durga to the left Adjajent to the same on one side is Gita Bhawan containing a grand and attractive statue of Shri Bhagwan Krishna and the beautiful paintings from that immortal epic of Mahabharta. On the other side of the central structure is an excellent temple of the Bhagwan Buddha. Here too, are wall paintings from his life and teachings. There is also a guest house, a library, a reading room etc.

On the walls and upper gallery, there are numerous wonderful paintings and epitomes of all the great teachings of Hinduism. The fresco paintings are done by the artists of Jaipur and the sculptured panels are by stone-masons from Jaipur who are weebit better the fresco paintings.

Here all Hindus, *i.e.*, the followers of the different branches of Hindu (Arya) Dharma, including Sanatanists, Buddhists, Sikhs, Jains may participate in the daily worship. *Satsang* and *Kirtan* in consonance with the conventions of the temple in mutual harmony and goodwill. The temple is open to all Hindus including Harijans subject to the condition of cleanliness, full faith and sincere devotion. The foreign tourists who are interested in Arya Dharam can visit the temple subject to the condition of purity.

canopies, *yagyashala*, etc. all which present a grand spectacle.

سبھاش چندر بوس پارک

جامع مسجد اور لال قلعہ کے سامنے ایک پارک جس کا نام سبھاش چندر بوس پارک ہے انگریزوں نے 1858ء میں بازار خانم اور مسجد اکبر آبادی صاف کر کے یہاں ایک پارک بنا دیا تھا ایڈورڈ ہفتم کے دورِ حکومت میں اس پارک کا نام ایڈورڈ پارک رکھا گیا۔ آزادی کے بعد ہندوؤں نے اس پارک کا نام سبھاش چندر بوس پارک رکھ کر وہاں اس کا مجسمہ نصب کر دیا یہ مجسمہ آزادی کی جدوجہد کی ایک جھلک پیش کر رہا ہے۔ کالے رنگ کے مجسمے کے نیچے سرخ پتھر پر سبھاش چندر بوس کی مختصر جدوجہد آزادی کے لئے ان کی خدمات درج ہیں۔ دہلی کے بڑے بڑے چوکوں پارکوں میں بھارت کو انگریزوں کی غلامی سے نجات دلانے والے ہیروز کے مجسمہ اور ان کے کارنامے درج ہیں۔ سبھاش چندر بوس تحریک آزادی کے ایک مخلص اور جانباز سپاہی تھے۔ انہوں نے انگریزوں سے ہندوستان کو نجات دلانے کے لئے آزاد ہند فوج بنائی 1949ء میں ایک ہوائی حادثہ کا شکار ہوئے۔

راج گھاٹ
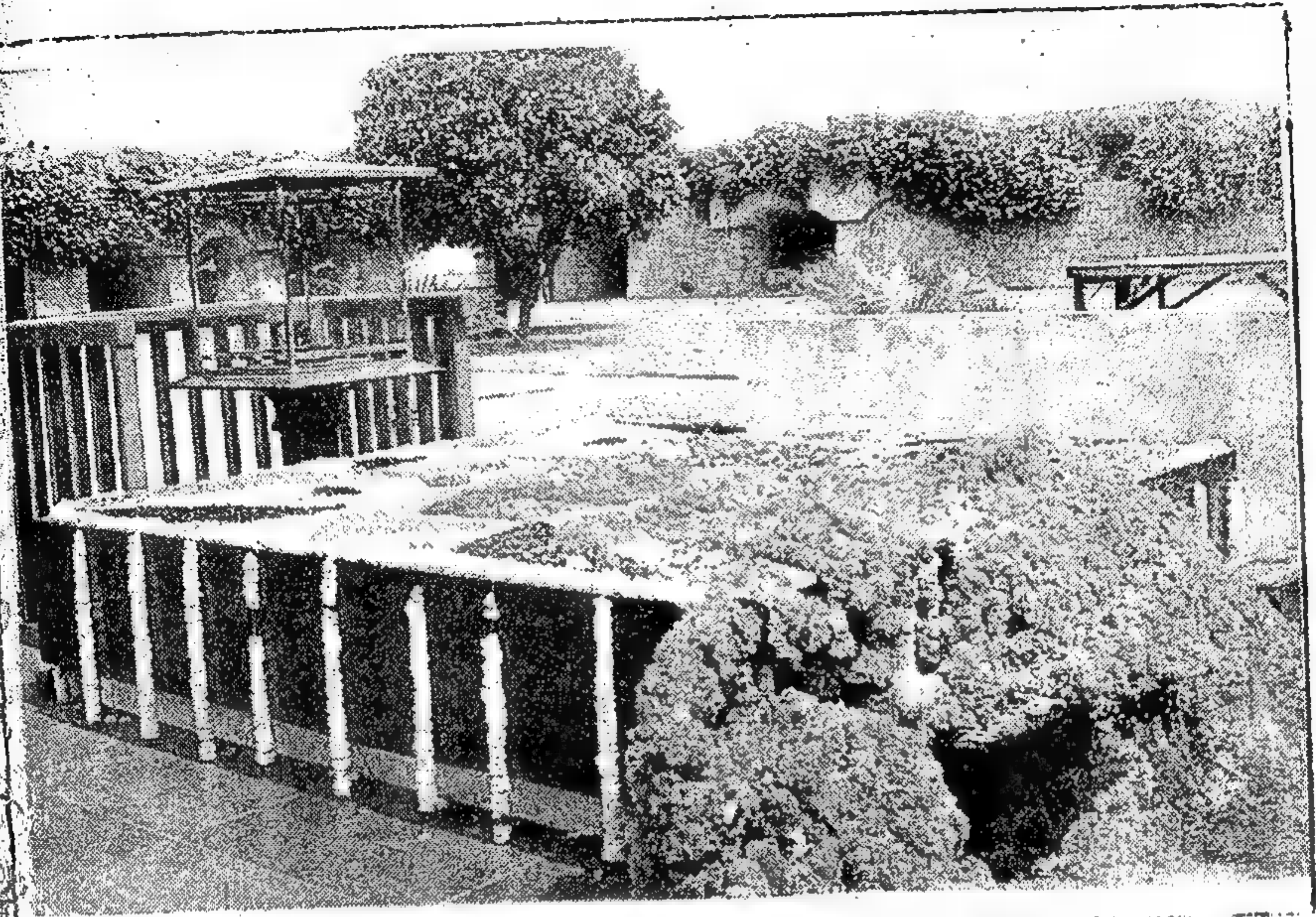
راج گھاٹ دریائے جمنا کے کنارے پر ہے جہاں مہاتما گاندھی کی سمادی ہے۔ راج گھاٹ کے قریب پنڈت جواہر لال نہرو، لال بہادر شاستری، اندرا گاندھی، چوہدری چرن سنگھ، سنجے گاندھی اور راجیو گاندھی کی سمادھیں ہیں یہاں خوشنما پارک بنائے گئے ہیں برسی کے موقع پر ان سمادھیوں کو زرد پھولوں سے لاد دیا جاتا ہے۔ سیاحوں کو راج گھاٹ کی سیر کرائی جاتی ہے۔

ٹورسٹ دہلی گائیڈ نے انگریزی میں مختصر تاریخ لکھی ہے جس کے مطابق

Mahatma Gandhi's Samadhi

On the ground of Raj Ghat, at a distance of 4 furlong outside the Delhi Gate lies the Samadhi. On 31st Jan. 1948. the next day

his funeral cremation was done. Since then the deserted ground turned up into a national monument. The Samadhi lies within a charming and beautiful garden, on every Friday evening a prayer is held.

There is a beautiful garden, around the Samadhi. Special prayers are held on the 2nd Oct. and 30 Jan. which are respectively the birth and death dates

Shanti Van

This is the place situated at a distance of about one furlong from Raj Ghat. On 28th May, 1964, the first Prime Minister Shri Jawahar Lal Nehru's death his funeral cremation was done. Since then the deserted place has turned into a national monument and prayer's are held on special occasions.

راشٹراپتی بھون (ایوانِ صدر)
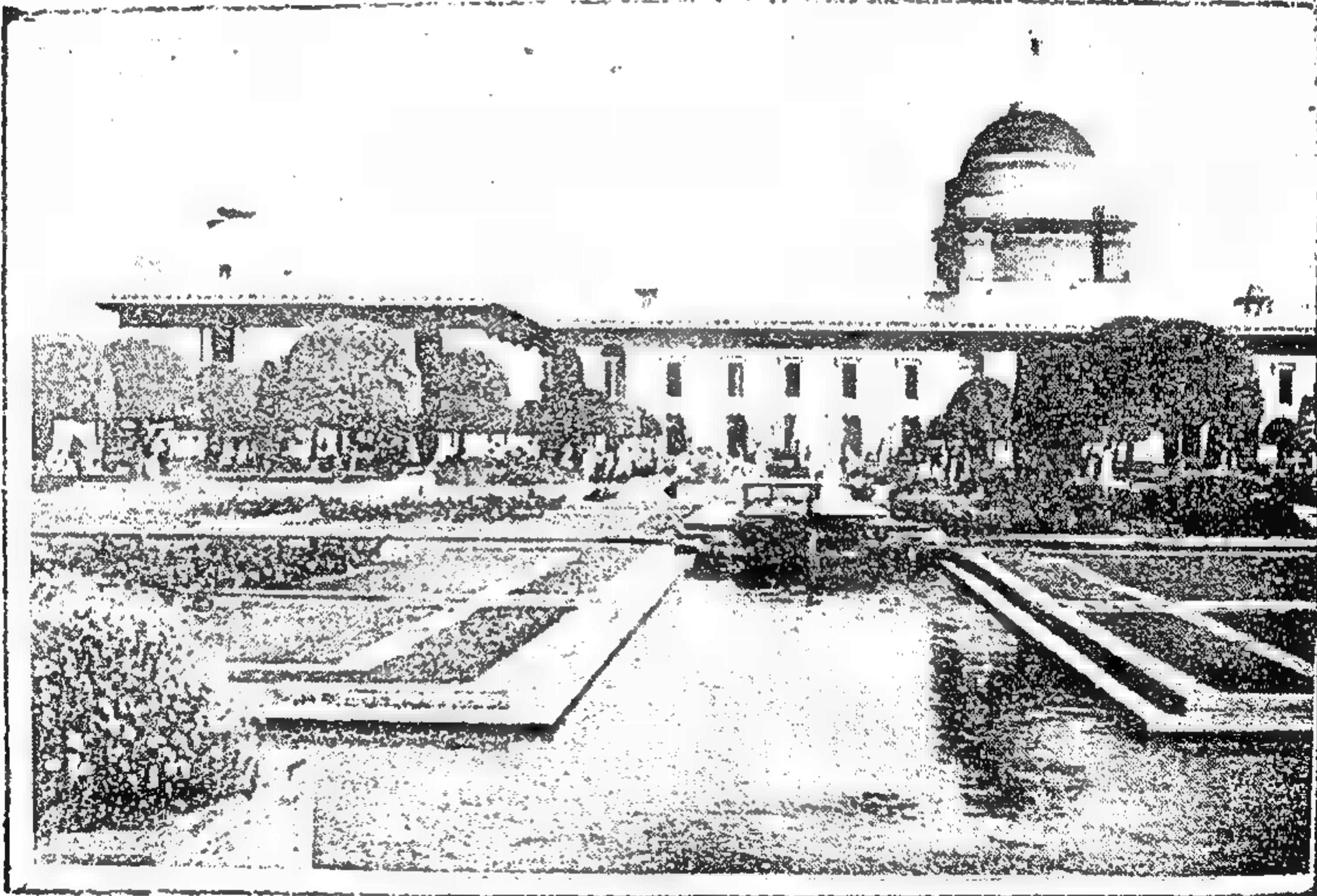
1947ء میں آزادی کے بعد اس عمارت کو راشٹراپتی بھون یعنی ایوان صدر کا درجہ دے دیا گیا۔ اس
گنبد دور سے ہی دکھائی دیتا ہے۔ اگرچہ یہ عمارت جدید انداز میں تعمیر کی گئی ہے لیکن گنبد کا نمونہ عہد سلاطین کا
ور کا ہے۔ راشٹراپتی بھون میں داخلہ کی ممانعت نہیں ہے۔ عام آدمی بھی اسے دیکھ سکتا ہے۔ صحن میں
خوبصورت پارک اور فوارہ حوض کی وجہ سے ایوان صدر خوشنما نظر آتا ہے ڈاکٹر فخرالدین علی احمد اور ڈاکٹر
ذاکر حسین ہندوستان کے پانچ پانچ سال کے لئے صدور رہے ہیں۔ ڈاکٹر ذاکر حسین جنکی وفات 1969ء میں

ہوئی تھی کا مقبرہ جامعہ ملیہ میں تعمیر کیا گیا ہے مقبرے کی عمارت قابل دید ہے مقبرہ کے ملحقہ ایک عجائب گھر بھی بنایا گیا ہے جہاں ڈاکٹر ذاکر حسین کی اسناد ان کا گاؤن ان کی اعزازی ڈگریاں کتابیں فرنیچر اور لباس نمائش کے لئے رکھے گئے ہیں۔ غیر ملکی دوروں کے موقع پر انہیں جو تحائف ملے تھے وہ بھی عجائب گھر کی زینت بن گئے ہیں۔

ٹورسٹ دہلی گائیڈ نے انگریزی میں مختصر تاریخ لکھی ہے جس کے مطابق

Rashtrapati Bhawan

Rashtrapati Bhawan known till independence the Viceroy's House, has a rare touch of dignity and looks grand as seen from the stately facade. It is one of the most beautiful palaces of the world, and covers the same areas as the Trafalgar Square of London. Built of red and white sand stone it stands on an estate of total area of 330 acres, including 12 acres of gardens. It contains 12½ miles of corridor, 340 rooms 227 columns, 35 loggies, 37 fountains. Its inside furnishings are all of Indian material and its interior decorations leave an indelible impression.

Rashtrapati Bhawan consists of a central block surmounted by a copper dome (177 feet above the roadway) and four wings. Thirty-two broad steps, lead to the portico and the main entrance to the Darbar Hall. The Hall is in the form of a circular marble court, 75 ft. in diameter. Groups of yellow marble pillars support the dome. The Rashtrapati's Seat faces the main entrance and commands a view of the approach along Rajpath and the massive War Memorial Arch in the distance. On the right is the State Library. A drawing room (38 ft. square) leads to the Ball rooms, opposite the main entrance to which is a large drawing room 105 ft. long 29 ft. wide). Next to this is the State Dining Room, panelled in dark wood and hung with portraits of former Governor-General and Viceroys. At one end of heading for the east, the Coats of arms of the Dominions are carved on the base. In the centre of the Court is the Jaipur Commemorative Column, a gift of the late Maharaj of

Jaipur.

At the back of the palace is an Indian garden, a combination of Hindu and Mughal styles, which when illuminated at night looks heavenly.

پارلیمنٹ ہاؤس نئی دہلی
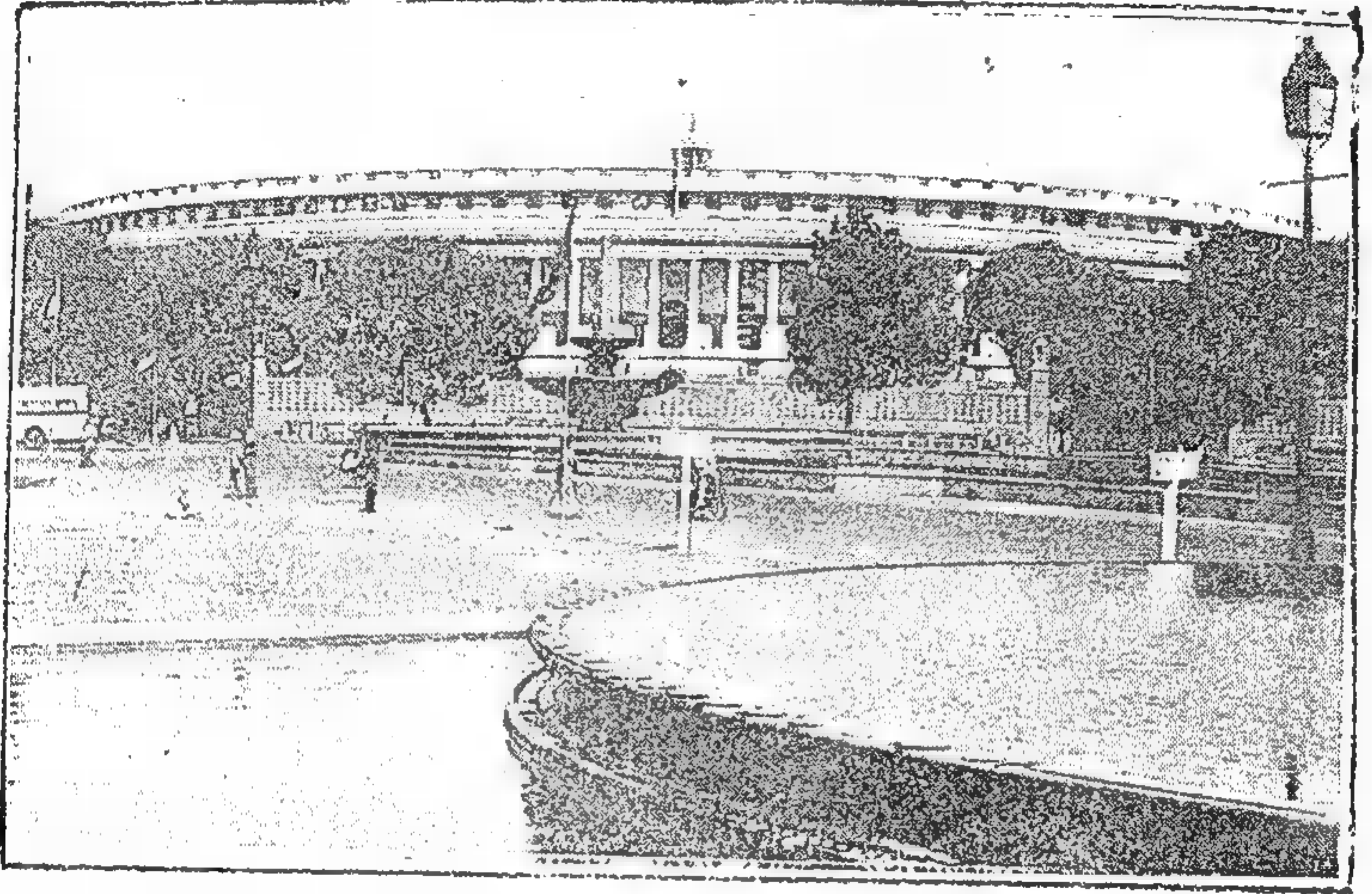
پارلیمنٹ ہاؤس کی تمام عمارتیں سرخ پتھروں سے تعمیر کی گئی ہیں انگریزوں نے جب ہندوستان پر مکمل قدم جما لیے تو ہندوستان جیسے ملک پر حکومت کے لیے 1858ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی جو ہندوستان پر حکومت کرتی تھی توڑ دی گئی ہندوستان کے اقتدار اعلیٰ کو انگلینڈ کے بادشاہ کے زیر نگیں کر دیا گیا۔ 1876ء میں پرنس آف ویلز ایڈورڈ ہفتم دہلی آیا ملکہ وکٹوریہ کا اعلان شاہی 1877ء میں بھی یہیں سے ہوا۔ 1903ء میں وائسرائے ہند کے ذریعے تاجپوشی دہلی میں ہوئی۔ جس میں بادشاہ کو قیصر ہند ہونے کا اعلان کیا گیا۔ جارج پنجم کی باقاعدہ تاج پوشی 12 دسمبر 1911ء میں دہلی ادا کی گئی۔ نئی دہلی کا سنگ بنیاد 15 دسمبر 1911ء میں جارج پنجم نے رکھا اور دہلی کو دارالحکومت قرار دیا۔ نیا شہر بسایا گیا جس پر 12 کروڑ روپے خرچ ہوا۔ پارلیمنٹ ہاؤس کی عمارتیں خوبصورت ایک انداز میں تعمیر کی گئی ہیں جن کی تعداد دس کے قریب ہے۔

ٹورسٹ دہلی گائیڈ نے انگریزی میں مختصر تاریخ لکھی ہے جس کے مطابق

Parliament House

Its circulated face nearly half ■ mile in circumference with a conditionous open colonade and columns of the purest creamy sand-stone, 27 fit. high all round in the verandah is really most picturesque. This is the home of the Lok Sabha and is also the meeting place of Rajya Sabha. The foundation stone was laid by His Royal Highness the Duke of Connaught in 1921 and was opened by Lord Irwin on 18th Jan. 1927. There are three main separate chambers which rediate from the central hall of the building. Ist is Legislative Assembly with an accommodation capacity of 400 members. 2nd State Council with ■ capacity of 300 members and the third with an accommodating capacity of 120 members. Each chamber has its own "Padha" gallery and committee room. Fountains, waterway and gardens separate chambers from one another. Special permission is necessary for the visitors. A shining view can be obtained seeing the reflection in the tank.

Secretariats

The Secretariats, adjoining the President's House, the foundation stones laid by their Majesties in 1911 at the darbar site can be seen in the red sand-stone vaulted chambers at the bare of the two turrets.

This was designed by Herbert Baker and was completed at a cost of one and three quarters crores of rupees in 1929. It is next in excellence to the political building to the President House and possibly the greatest state office building in the world. This consists of two great blocks, the north and the south. Each block is surmounted by a dome, 217 feet high from the lowest level of the ground that is only 21 feet lower than Kutub Minar.

The building consists of about one thousand rooms and approximately eight miles of corridors with an air conditioning plant, which cools the summer air

and warms the winter air, is ■ noteworthy feature of great usefulness. Over the main entrance to Secretariats, both north and south, some aptaphorism are inscribed.

The interior decoration of the Secretariates is no less imposing than its splendid exterior. North Block contains some beautifui and interesting paintings depicting knowledge, justice, war and peace, spirits of the age dancing music and the South Block of the forecast of India, holy and sacred cities are shown of every ism and the emblems of the old kings.

قطب مینار دہلی میں راقم لوہے کی لاٹھ کا ملاحظہ کر رہا ہے۔

کناٹ پیلس
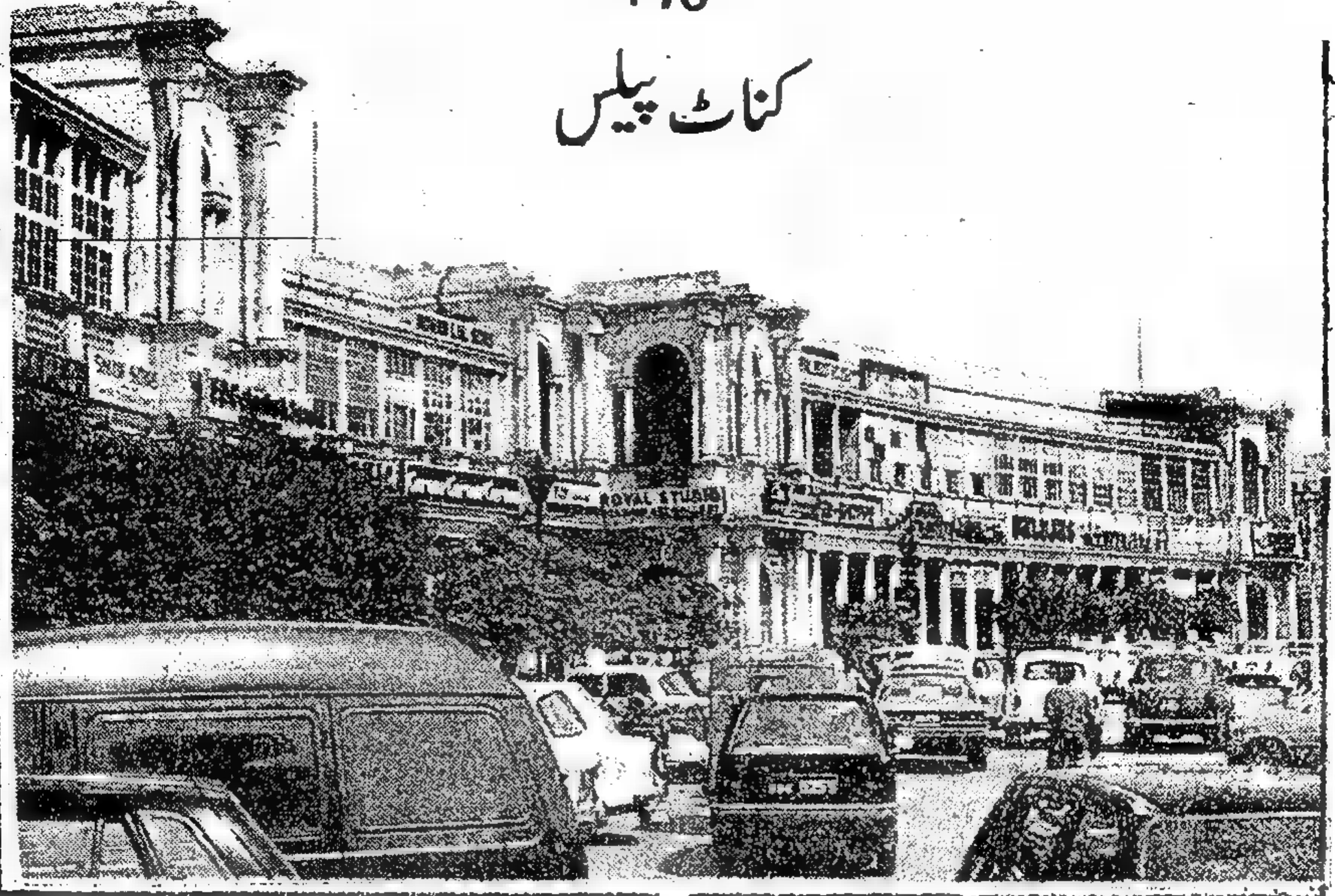
نئی دہلی میں سب سے زیادہ خوبصورت اور جدید انداز میں تعمیر کی گئی عمارت کناٹ پیلس ہے یہاں دوکانیں اور دفاتر ایک گول دائرہ کی شکل میں ہیں اس طرح کے تین دائرے ہیں۔ درمیانی دائرہ جو کناٹ سرکس کے نام سے موسوم ہے یہاں روزانہ لاکھوں کروڑوں کا لین دین ہوتا ہے۔ نئی دہلی میں کناٹ پیلس پر رونق جگہ ہے۔ دوکانوں کی ڈیکوریشن قابل دید ہے۔

ٹورسٹ دہلی گائیڈ نے انگریزی میں مختصر تاریخ لکھی ہے جس کے مطابق

Connaught Place

Connaught Place which could with better reason be more appropriately called as "Connaught Circus". It is situated in New Delhi not very far from Modern Delhi. This is to commemorate the memory of His Royal Highness the Duke of Connaught who visited India in 1920. It is indeed the most fashionable shopping centre of the Capital and is undoubtedly one of the most beautiful spots in the world so beautifully planned and so well built. Many institutions are here. It is circular in appearance, consisting of the inner circle and the outer circle. The radius of the inner circle in about 947 feet.

In the centre there is a big fountain surrounded by a fair ring of beautiful lawn. Though Connaught Circus appears circular, close observation shows that it is more like a horse shoe in design.

پرتھوی راج ٹمپل
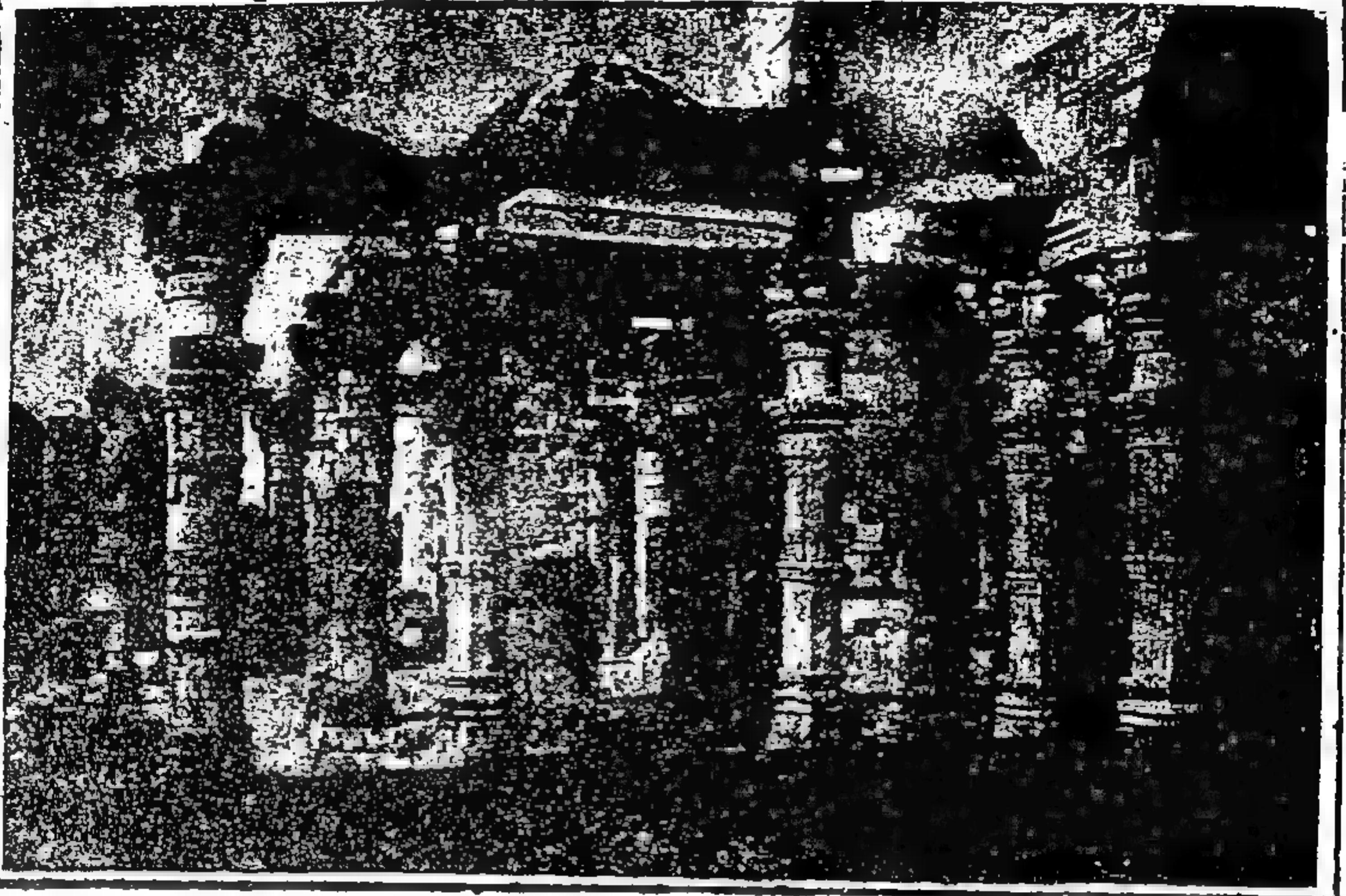
دہلی میں مسلمانوں کی آمد سے پہلے دہلی پر پرتھوی راج کی حکومت تھی جسے سلطان محمود غوری نے شکست دی۔ یہ مندر پرتھوی راج نے قطب مینار کے قریب تعمیر کروایا جہاں آجکل مسجد قوت اسلام کھڑی ہے۔ مندر کے آثار مسجد کے شمال اور مشرق کی طرف ہیں مندر کے ستون اور دیواریں چھت پتھر تراش کر تعمیر کی گئی ہیں۔ ستونوں پر ٹوٹی ہوئی مورتیوں کے نشان پائے جاتے ہیں ستون پر سنگ تراشی کا عمدہ کام ہوا ہے۔

کلیر شریف میں سوا من وزنی قرآن مجید کا سپارہ

کلیر شریف گنگا نہر کے قریب مسلمانوں کی ایک جدید بستی ہے اس بستی میں تمام آبادی مسلمانوں کی ہے یہاں حضرت صوفی برکت علیؒ قرآن محل فیصل آباد کے مرید خاص نے آستانہ سجا میں رکھا ہے یہاں روحانی تقریبات منعقد ہوتی ہیں اس آستانہ میں قرآن مجید کا ایک سپارہ جس کا وزن سوا من کے لگ بھگ ہے۔ راقم نے حضرت علاؤالدین علی احمد صابرؒ کے عرس مبارک کے موقع پر جولائی ۱۹۹۷ء میں حضرت قبلہ صوفی برکت علی کے خلیفہ کے ہاں روحانی تقریبات میں کئی بار حاضری دی حضرت صوفی برکت علیؒ کی ان پر خصوصی نظر کرم ہے وہ راقم کو قرآن مجید کا ایک سپارہ دکھا رہے ہیں حضرت صاحب کے دوسرے مرید بھی قریب بیٹھے ہوئے ہیں۔

رانی جھانسی روڈ پر بزرگان دین کے مزار
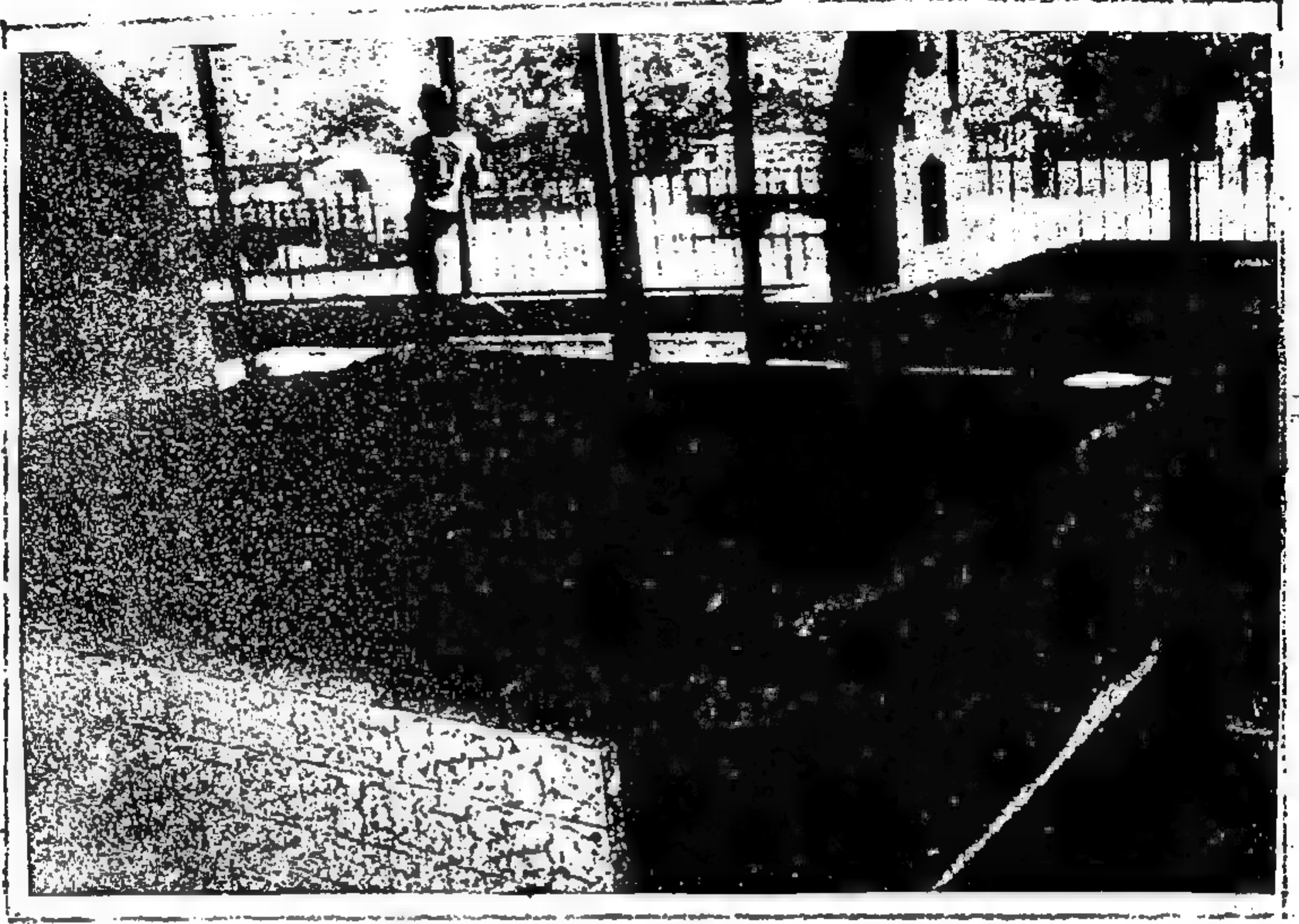
دہلی کی ایک مشہور شاہراہ رانی جھانسی کے نام سے مشہور ہے سڑک کے جنوب کی طرف قدرے بلندی پر دو مزار ہیں جو ماموں بھانجے جھنڈے والے کے نام سے مشہور ہیں مزار پختہ ہیں جنوبی سمت شاندار مسجد بھی ہے مزار کے متولی نگران سے ملاقات نہ ہو سکی اور صاحب مزار کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔

پیر ہرا کا مزار

یہ مزار حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب سبحانیؒ کی درگاہ کو جانے والی سڑک پر ہیں۔ مزار پختہ ہیں تعمیرات سنگ مرمر سے کی ہوئی ہیں مخلوق خدا دن رات یہاں حاضری دیتی ہے صاحب مزار کے بارے مزید تفصیلات نہیں مل سکیں۔ قریب مسجد بھی ہے ہندوستان میں اولیاء عظام کی جتنی درگاہیں ہیں ان کے قریب مساجد ضرور بنائی گئیں ہیں۔ یعنی مسجد اللہ والوں کا گھر ہوتا ہے۔

دہلی میں اولیاء کرام کی درگاہوں پر غریب لوگ

دہلی میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء سبحانی کی درگاہ کے اندر اور باہر سینکڑوں مرد خواتین بچے غریب لوگ دن رات جمع رہتے ہیں جب کوئی صاحب حیثیت آستانہ پر حاضری کے لیے آتا ہے وہ ہوٹل والوں کو یکمشت رقم ادا کر دیتا ہے ہوٹل والا فی کس پانچ روپے کے حساب سے کھانا دال روٹی تقسیم کر دیتا ہے۔ اس تصویر میں تین غریب لاوارث بچے لنگر کے منتظر ہیں۔ یہ غریب لوگ دہلی کے دوسری درگاہوں پر بھیک مانگتے نظر آتے ہیں۔

شاہ مردان

منصور علی خان صفدر جنگ کے مقبرہ کے قریب یہ ایک درگاہ ہے اس کی تفصیل یوں ہے کہ ادو ہم بائی زوجہ محمد شاہ بادشاہ جس کو احمد شاہ کی حکومت میں اول نواب بائی پھر نواب قدسیہ صاحب الزمانی کا خطاب ملا تھا اس کا تعلق فقہ جعفریہ سے تھا۔ 1137 ہجری مطابق 1724 عیسوی اس کے پاس ایک پتھر آیا جس پر قدم کا نقش تھا جس کے بارے یہ بات مشہور تھی کہ یہ حضرت علی علیہ السلام کے قدم مبارک کا نقش ہے۔ نواب قدسیہ نے اس نقش قدم کو سنگ مرمر کے حوض میں نصب کر کے اس کے اوپر ایک کمرہ تعمیر کروادیا۔ اس کے بعد اس درگاہ کی تعمیرات میں اضافہ ہوتا گیا۔ احمد شاہ کے عہد میں نواب قدسیہ نے 1162 ہجری مطابق 1748 عیسوی جاوید خواجہ سرا کے تعاون سے چاردیواری اور مجلس خانہ مسجد اور حوض ہوایا۔ 1123 ہجری عشرت علی خان نے ایک اور مجلس خانہ تعمیر کروایا۔ 1821ء میں صادق علی خان نے نقار خانہ تعمیر کروایا۔ یہ امام بارگاہ بہت خوبصورت ہے۔ محرم میں تعزیے یہاں آتے ہیں مجلس ہوتی ہے جس مقام پر تعزیے اختتام پزیر ہوتے ہیں اس کا نام کربلا رکھا ہے۔ چاردیواری مرزا اشرف بیگ نے تعمیر کروائی۔

جینیوں کا بڑا مندر

یہ مندر دھرم پورہ کے محلہ میں ہے۔ لالہ سکھیر اۓ اور لالہ موہن لال نے 1857 سے بکرماجیت مطابق 1800 عیسوی موافق 1215 ہجری میں اسکی تعمیر شروع کی آٹھ سال کے عرصہ میں مکمل ہوا۔ سراوگیوں کی پہلی پوجا اس مندر میں بیساکھ سمت 1864 مطابق 1807 عیسوی میں ہوئی یہ مندر چونے اور اینٹوں سے تعمیر ہوا۔ مندر کے اندر تعمیرات سنگ مرمر سے ہوئی تھیں۔ مندر کے کلس سنہری ہیں تعمیرات پر پانچ لاکھ روپے خرچ آیا۔ مندر کی ایک بات مشہور ہے مندر کی بیدی کی تیاری پر سوالاکھ روپے خرچ آیا۔

جینیوں کا چھوٹا مندر

یہ مندر پرانی دہلی کی ستھ کی گلی میں واقع ہے۔ اس مندر کو سارے سراوگیوں نے مل کر بنایا اور یہ پنچایتی مندر کہلاتا ہے اس مندر کی تیاری 1828ء میں شروع ہوئی سات سال کے عرصہ میں 1834 میں سراوگیوں کے مذہب کے مطابق اس مندر میں مہاراج براجوان ہوئے۔ یہ مندر بھی چونے اینٹوں سے تعمیر ہوا۔ بعض جگہ سنگ مرمر بھی استعمال ہوا ہے۔ مندر کے کلس سنہرے ہیں۔ مندر کی تیاری میں کئی لاکھ خرچ ہوئے۔

شالامار باغ

شالامار باغ لاہوری دروازہ کے باہر شہر پناہ سے چھ میل دور بنایا گیا یہ باغ شاہ جہاں بادشاہ نے لگ بھگ ۱۰۶۴ھ بمطابق ۱۶۵۳ء میں تعمیر شروع کی اس باغ میں بہت خوبصورت نہریں حوض اور مکانات بنے ہوئے ہے۔ مختلف قسم کے درخت باغ میں لگے ہوئے تھے۔ اس باغ کا نام خود شاہ جہاں نے رکھا ہوا تھا یعنی خانہ عیش عشرت ہندی زبان میں شالہ کے معنی کھڑکی اور مار کے معنی عیش اور خوشی کے ہیں۔

قدسیہ باغ

یہ باغ کشمیری دروازہ کے باہر دریائے جمنا کے کنارے تعمیر کیا گیا اود ہم بائی زوجہ محمد شاہ بادشاہ جو کہ احمد شاہ بادشاہ کا والد حقیقی جب احمد شاہ بادشاہ بنا تو اود ھم بائی کو نوا ۔بائی کا خطاب ملا اسکے بعد نواب قدسیہ صاحب الزمانی کا خطاب ملا چنانچہ اود ھم بائی نے اپنے نام پر قدسیہ باغ تعمیر کروایا۔ ۱۱۶۲ھ بمطابق ۱۷۴۸ء میں یہ باغ تعمیر ہوا۔ باغ کے گنبد خوبصورت ہیں۔ پتھروں سے بارہ دری تعمیر کی گئی، ساتھ ایک خوبصورت مسجد بھی بنائی گئی۔

باغ محل دار خان

یہ باغ سبزی منڈی سے تھوڑے سے فاصلہ پر ہے محمد شاہ بادشاہ کے وقت ناظر محل دار خان نے ۱۱۴۱ھ بمطابق ۱۷۲۸ء میں یہ باغ بنوایا۔ یہ باغ بھی بہت خوبصورت تھا اس کے اندر ایک بارہ دری تھی ایک بہت بڑا حوض بھی تھا۔ جو نہر کے پانی سے بھرا رہتا تھا۔ باغ میں بازار بھی بنوایا تھا بازار کے دروازہ پر خوشنما دروازے تھے جو ترپولیہ کے نام سے مشہور تھے ان ترپولیوں پر تاریخ درج تھی۔

بیگم کا باغ یا صاحب آباد

یہ باغ شہر شاہ جہاں کے اندر چاندنی چوک کے پاس واقع ہے اس باغ کو شہزادی جہان آرا بیگم دختر شاہ جہاں نے ۱۰۶۰ھ بمطابق ۱۶۵۰ء میں تعمیر کروایا۔ کسی زمانہ میں یہ باغ نفیس تھا بہترین کمرے تعمیر تھے۔ جا جا نہریں جاری تھیں جو اب ختم ہو چکی ہیں باغ ویران ہو چکا ہے باغ تو سو ستر گز لمبا اور دو سو چالیس گز چوڑا تھا۔

جیل خانہ یا سرائے فرید خان

یہ سرائے نواب فرید خان المعروف مرتضٰی خان نے غالباً ۱۰۱۷ھ مطابق ۱۶۰۸ء میں تعمیر کروائی تھی جب پرانی دہلی ویران ہو گئی تو یہ سرائے بھی ویران ہو گئی انگریز نے اس کی مرمت کر کے جیل خانہ تجویز کیا اس سرائے کا دروازہ بہت بلند اور عالی شان تعمیر کیا گیا ہے جس پر کمرے بغرض ہائش بنائے گئے ہیں اس سرائے کے گردونواح عملہ جیل کے رہائشی مکانات بن گئے ہیں کسی زمانہ میں یہاں پاگل خانہ بھی تھا۔

بولی بھٹیاری کا محل

پرانی دہلی سے تھوڑے فاصلہ پر حضرت سید حسن رسول نما کے پاس ایک بند جو فیروز شاہ کے دور کا بنا ہوا تھا جس زمانہ میں اس نے کوشک شکار بنایا تھا اس وقت قریب 755 ہجری مطابق 1354 عیسوی اس بند پر ایک چھوٹی سے عمارت تعمیر کی اس دور میں بو علی خان بھٹی اس مکان میں رہتے تھے۔ اس وقت سے یہ بولی بھٹیاری کا محل مشہور ہو گیا۔ یہ تاریخی عمارت خستہ حالت میں ہے کسی زمانہ میں اس بند پر ہاڑ کے مہینے میں پورن ماشی کو پون پر چھپا کا میلہ لگتا تھا۔ جو دس روز تک رہتا۔ اس میلہ میں برہمن ایک میدان میں جھنڈی کھڑی کر کے ہوا کا رُخ دیکھتے اور موسم کا حال بتاتے۔

خاص محل

پرانے قلعہ کے پاس ایک محل تھا شاہ جہاں کے وقت ۱۰۴۲ھ مطابق ۱۶۳۲ء زین خان کے بیٹے جس کا خاص محل خطاب تھا یہ محل تعمیر کروایا یہ محل آجکل ٹوٹ چکا ہے صرف دروازہ باقی رہ گیا ہے۔

فخر المساجد
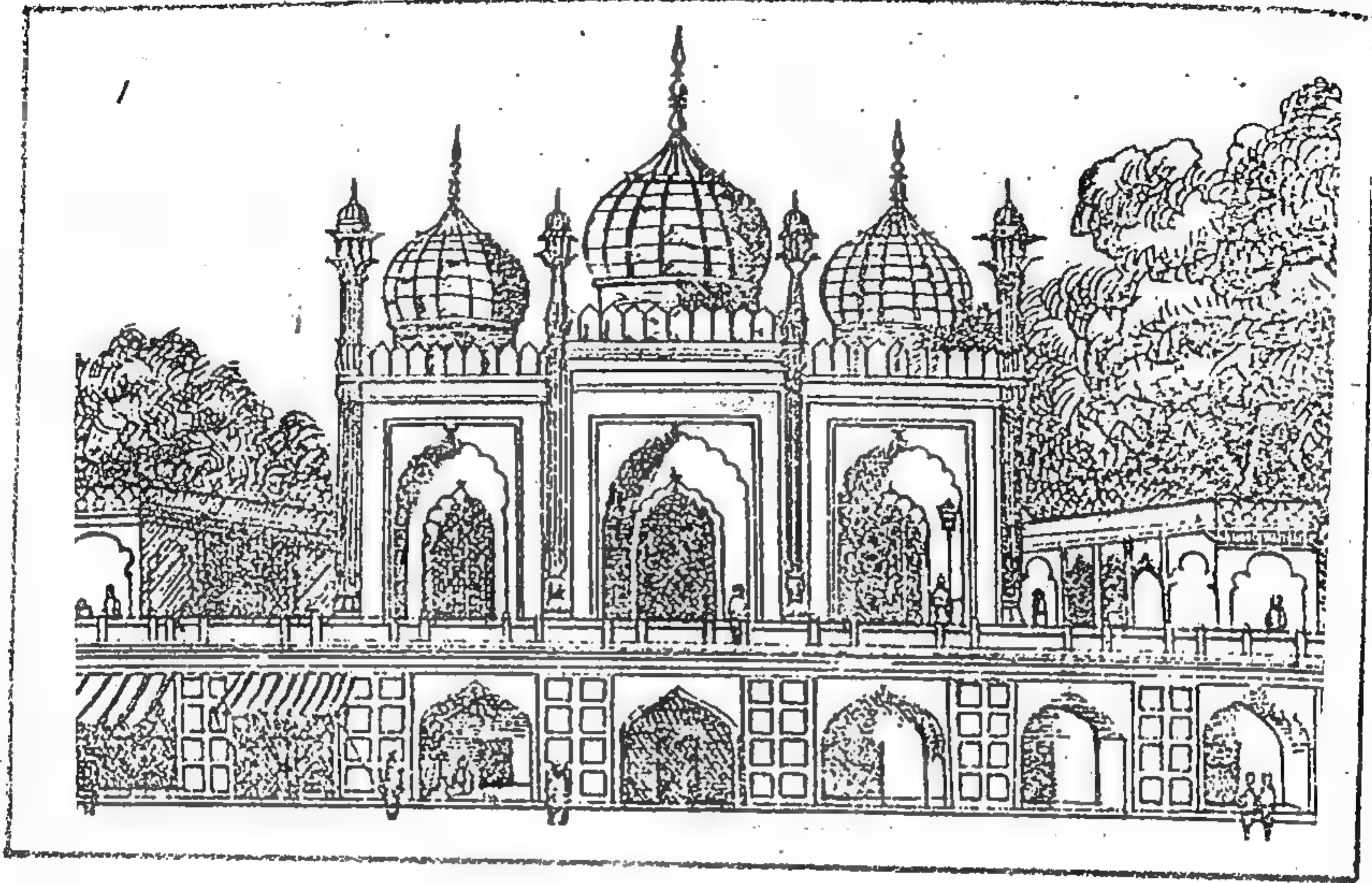
یہ مسجد کشمیری دروازہ کے پاس ہے اس مسجد کو فخر النساء خانم بیوی نواب شجاعت خان نے 1141 ہجری مطابق 1728 عیسوی میں تعمیر کروایا۔ اگرچہ یہ مسجد بہت بڑی نہیں لیکن بہت خوبصورت ہے مسجد میں سنگ مرمر استعمال کیا گیا ہے۔ جا بجا سرخ رنگ کے پتھر کے دھاریں لگی ہوئی ہیں نفیس کام ہوا ہے۔ مسجد کے گنبد سنگ مرمر کے ہیں اس میں سنگ موسی کی دھاریاں لگائی گئی ہیں۔ مسجد کے کلس سنہری ہیں مسجد کے اندر فرش سنگ مرمر کا ہے۔ صحن سرخ پتھر کا ہے۔ شمال کی جانب دو کمرے ہیں اس کے آگے بہت بڑا حوض تھا جو اب ٹوٹ پھوٹ چکا ہے فوارہ کا نام و نشان مٹ چکا ہے۔

مسجد بیگم پور

یہ مسجد ان مسجدوں میں ہے جن کو خان جہاں فیروز شاہی نے 789 ہجری مطابق 1387 عیسوی میں تعمیر کروایا تھا۔ یہ مسجد چونے اور پتھر سے تعمیر کی گئی ہے۔ جو پٹھانوں کے وقت کی ہے مسجد کی شکل صورت کھڑکی کی مسجد سے ملتی جلتی ہے۔

مسجد کالو سرائے

بیگم پور مسجد کے قریب ایک دوسری مسجد بھی خان جہان فیروز شاہی کی بنائی ہوئی ہے۔ یہ مسجد بھی چونے پتھر سے تعمیر ہوئی۔ مسجد کی چھت پر چھوٹے چھوٹے گنبد بنے ہوئے تھے۔ یہ مسجد بھی 789 ہجری مطابق 1387 عیسوی تعمیر ہوئی۔ مسجد کی حالت خراب ہو چکی ہے۔ مسجد میں مکانات بنالئے گئے ہیں۔

مسجد کھڑکی

یہ مسجد کھڑکی میں ست پلے کے قریب ہے۔ یہ مسجد 789 ہجری مطابق 1387 عیسوی میں فیروز شاہ کے وقت میں خان جہان نے تعمیر کروائی۔ اس مسجد میں رہائش گاہیں بنائی گئی ہیں یہ مسجد مربع نما ہے۔ مسجد کے تین طرف دروازے ہیں مسجد میں ستون بہت زیادہ ہیں۔ مسجد کے چاروں طرف گنبد ہیں جنکی تعداد نو کے لگ بھگ ہے ہر گنبد کے نیچے چار چار ستون ہیں۔ کسی زمانہ میں اس مسجد کا شمار دہلی کی عالیشان مسجدوں میں ہوتا تھا۔

مسجد چوراہیہ قدم شریف

یہ مسجد بھی فیروز شاہ کے وقت کی بنی ہوئی ہے اس کا نقشہ خان جہاں کی بنائی ہوئی مساجد جیسا ہے قیاس کیا جاتا ہے یہ فیروز شاہ نے یہ مقبرہ 776 ہجری مطابق 1374 عیسوی تعمیر کروایا تب اس نے یہ مسجد تعمیر کروائی یہ مسجد چونے اور پتھر سے بنائی گئی ہے گنبد بہت مضبوط اور شاندار ہیں چوراہیہ قدم شریف کے نام سے مشہور ہے۔ قدم شریف کے علاقہ کا نقشہ بدل چکا ہے۔

جامع مسجد فیروزیؒ

فیروز شاہ بادشاہ نے اپنے دور میں کوٹلہ کے قریب 755 ہجری مطابق 1354 عیسوی یہ مسجد تعمیر کروائی تھی لاٹھ کے قریب یہ مسجد خستہ حالت میں ہے تاریخ فرشتہ کے مطابق اس مسجد کا گنبد ہشت پہلو تھا۔ اس کے اٹھوں طرف بادشاہ نے تاریخ فتوحات فیروز شاہ کا خلاصہ پتھر میں کھودا کر ان پر نصب کیا ان دیواروں پر ان احکامات کا خلاصہ جو بادشاہ نے رعایا کی بہتری اور خراج لینے درباب اوقاف درباب بابت سیاست بدنی تحریر ہے مسجد کا گنبد نشان تک نہیں رہا آثار الصنادید از سر سید احمد خان کے مطابق یہ گنبد شہنشاہ جہانگیر کے دور تک ثابت رہا بعد میں یہ ٹوٹ پھوٹ گیا۔ 801 ہجری مطابق 1398 عیسوی میں جب تیمور نے دہلی کو فتح کیا تو اسی مسجد میں تیمور کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ یہ بات تزک تیمور میں درج ہے۔

مسجد روشن الدولہ

یہ مسجد پرانی دہلی کے محلہ قاضی وارہ نزد پھول کی منڈی کے پاس ہے۔ اس مسجد کو نواب روشن الدولہ ظفر خان نے محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں ۱۱۵۸ھ، بمطابق ۱۷۴۵ء میں تعمیر کروایا تھا مسجد کے تینوں گنبد سنہری تھے جو بعد میں سنہری مسجد نزد چاندنی چوک منتقل کر کے وہاں نصب کر دیئے ہیں۔ کسی زمانہ میں یہ مسجد بہت خوبصورت تھی اب شکستہ حالت میں ہے بعد میں قاضی محمد فیض اللہ خان نے اس مسجد کی از سر نو مرمت کر دی مسجد کی پیشانی پر تاریخ تعمیر کا اندراج پایا جاتا ہے۔

۱۵۔ نمبر کتبہ مسجد روشن الدولہ واقع قاضی دروازہ

شکر حق کز بہر عہد عزت اسلام	[illegible]	در زمان شاہ [illegible] نشان [illegible]	محمد شاہ [illegible] غازی بادشاہ
روشن الدولہ ظفر خان [illegible]	[illegible] تعمیر [illegible] مسجد [illegible]	مسجد [illegible]	کرد [illegible]
[illegible] نشان [illegible]	[illegible]	سال [illegible] از الہام	مسجد [illegible] ظاہر [illegible]
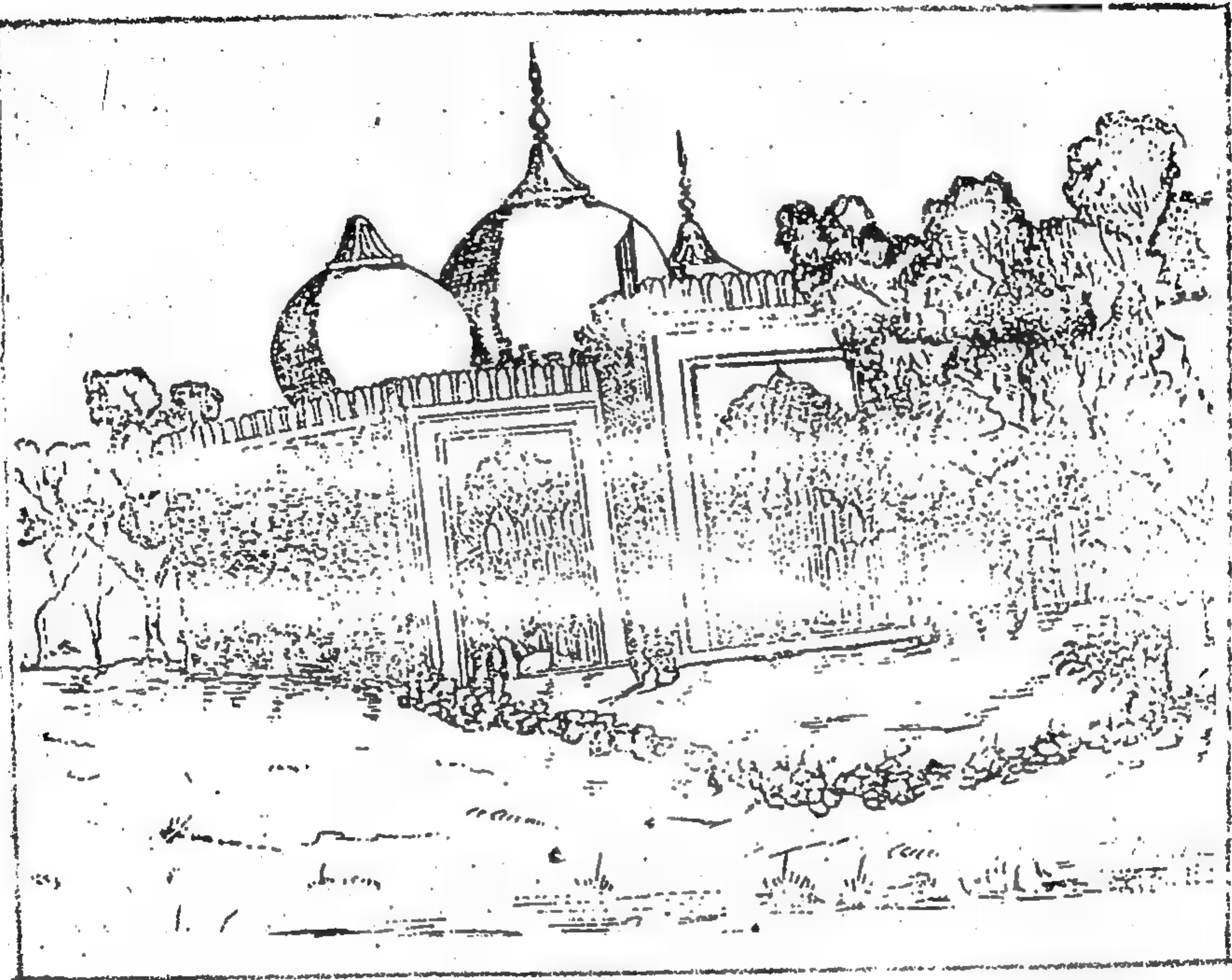
مسجد سرہندی

یہ مسجد لاہوری دروازہ کے باہر واقع ہے مسجد کے صحن کا کچھ حصہ لال قلعہ کی خندق میں آگیا ہے لیکن مسجد کے کمرے موجود ہیں اس مسجد ک سرہندی بیگم نے جو شاہ جہاں کی بیوی تھی نے ۱۰۶۰ء بمطابق عیسی میں تعمیر کیا تھا۔ تمام مسجد سرخ پتھر سے تعمیر کی گئی ہے مسجد شکستہ حالت میں ہے۔

کالی مسجد یا کلاں مسجد

فیروز شاہ کے وقت میں شہر فیروز آباد آباد تھا اس کے ایک محلہ میں خان جہاں نے 779 ہجری مطابق 1387 عیسوی یہ مسجد تعمیر کروائی تھی۔ جب وہ شہر ویران ہوا شاہ جہاں بادشاہ نے نیا شہر شاہ جہاں آباد کیا تو یہ مسجد شہر میں آگئی۔ اس مسجد کی کرسی بہت اونچی ہے مسجد میں داخل ہونے کے لے بتیس سیڑھیاں بنائی گئی ہیں مسجد کی چھت پر چھوٹے چھوٹے گنبد بنائے گئے تھے مسجد کے دروازے پر کتبہ نصب ہے۔

مسجد اکبر آبادی

مسجد اکبر آبادی پرانی دہلی کے فیض بازار میں واقع ہے یہ مسجد نواب اعزاز النساء بیگم عرف اکبر آبادی بیگم زوجہ شاہ جہاں بادشاہ نے ۱۰۶۰ھ بمطابق ۱۶۵۰ء میں تعمیر کروائی اس مسجد کے تین گنبد اور ساتھ دروازے ہیں اکبر آبادی مسجد ۱۸۹ فٹ لمبی اور ۵۱ فٹ چوڑی ہے جو سرخ پتھر سے تعمیر کی ہوئی ہے کئی جگہوں پر سنگ مرمر استعمال کیا گیا ہے مسجد میں ایک حوض بھی ہے مسجد کا صحن ۱۵۴ گز لمبا ایک سو چار گز چوڑا ہے اس کے گرد طالب علموں کے رہنے کے لیے کمرے بنے ہوئے تھے۔ مسجد کے دروازوں پر ایک کتبہ پتھر میں کھدا ہوا ہے۔

چوبی مسجد

یہ مسجد جو چوبی مسجد کے نام سے مشہور ہے احمد شاہ بادشاہ نے 1164 ہجری مطابق 1750 عیسوی قلعہ شاہ جہاں میں تعمیر ہوئی تھی۔ اس مسجد کے محراب اور ستون سب لکڑی کے تھے۔ اس سبب سے یہ چوبی مسجد کے نام سے پکاری جاتی تھی۔ بعد میں یہ مسجد بالکل ٹوٹ گئی۔ 1850ء میں حکومت نے اس مسجد کی از سر نو تعمیر کروائی۔

مسجد و مقبرہ خیر پور
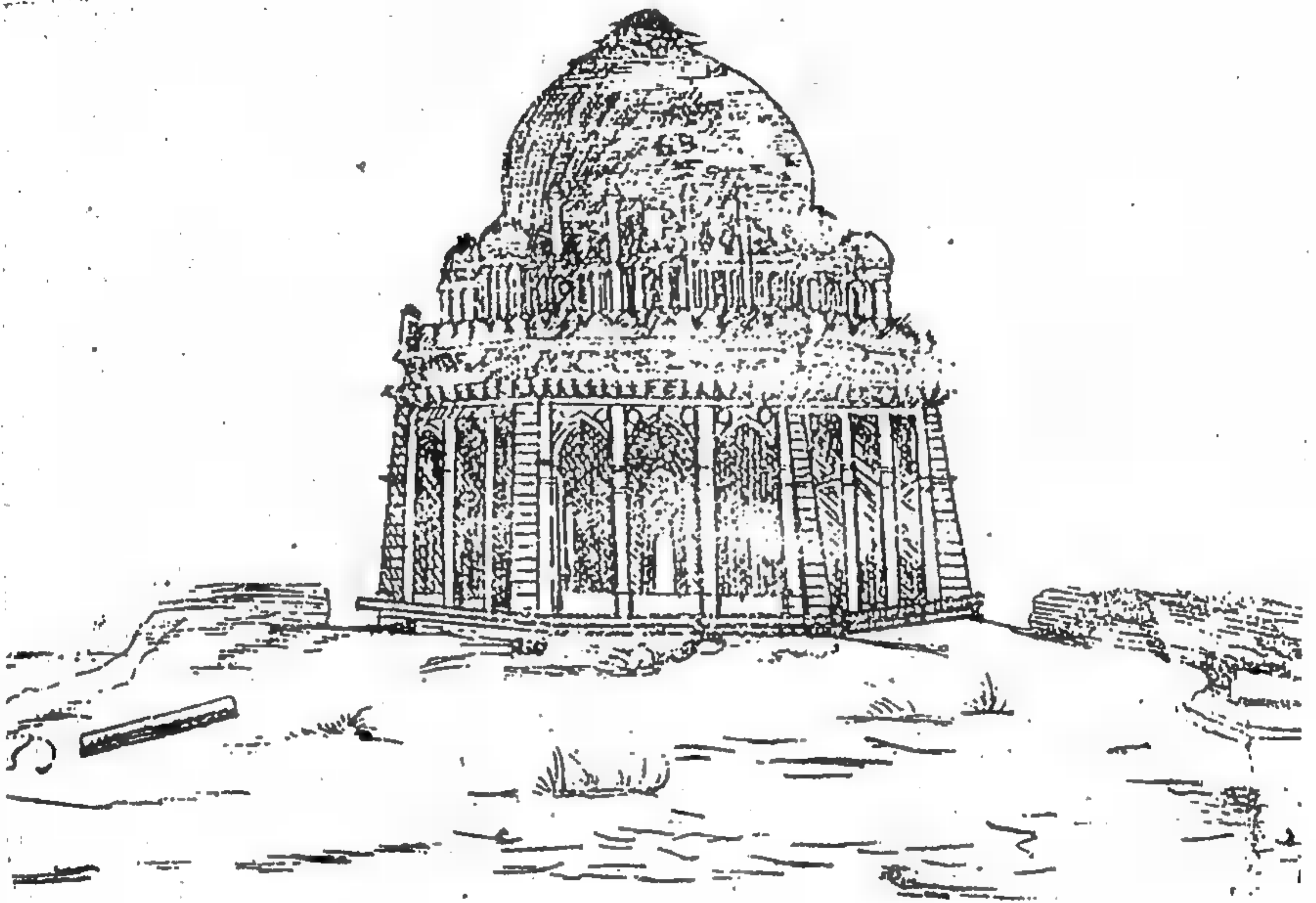
یہ مسجد و مقبرہ پٹھانوں کے وقت کا تعمیر شدہ ہے غالباً ۹۵۰ھ بمطابق ۱۵۴۳ء میں یہ تاریخی مسجد و مقبرہ شیر شاہ کے دور میں تعمیر ہوا پٹھانوں کے وقت کسی امیر نے جس کے نام پر یہ گاؤں آباد ہوا یہ مقبرہ اور مسجد اس نے تعمیر کروائی تھی مسجد چونے اور پتھر سے تعمیر کی گئی ہے لیکن تعمیرات بہت نفیس اور خوبصورت تھیں نقش و نگار کا کام بہت عمدہ ہوا تھا۔ مسجد کی پیشانی پر قرآنی آیات تحریر ہیں ایسی خوش قطع مسجد پٹھانوں کے دور میں بہت کم دیکھنے میں آئی ہے۔

درگاہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کے احاطہ میں چند روحانی شخصیات کے مزارات

درگاہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے گردونواح 1947ء سے قبل مسلمانوں کی آبادی تھی۔ یہ مسلمان 1947ء میں یہاں سے نقل مکانی کر گئے۔ اب یہاں زیادہ آبادی ہندوؤں کی ہے۔ درگاہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ کی عمارت فیروز شاہ بادشاہ نے 775 ہجری مطابق 1273 عیسوی میں تعمیر کروائی۔ درگاہ کے گنبد کے بارہ در ہیں۔ سنگ خار کے ستون لگے ہوئے ہیں۔ سب دروازوں میں سرخ پتھر کی جالیاں ہیں۔ جنوب
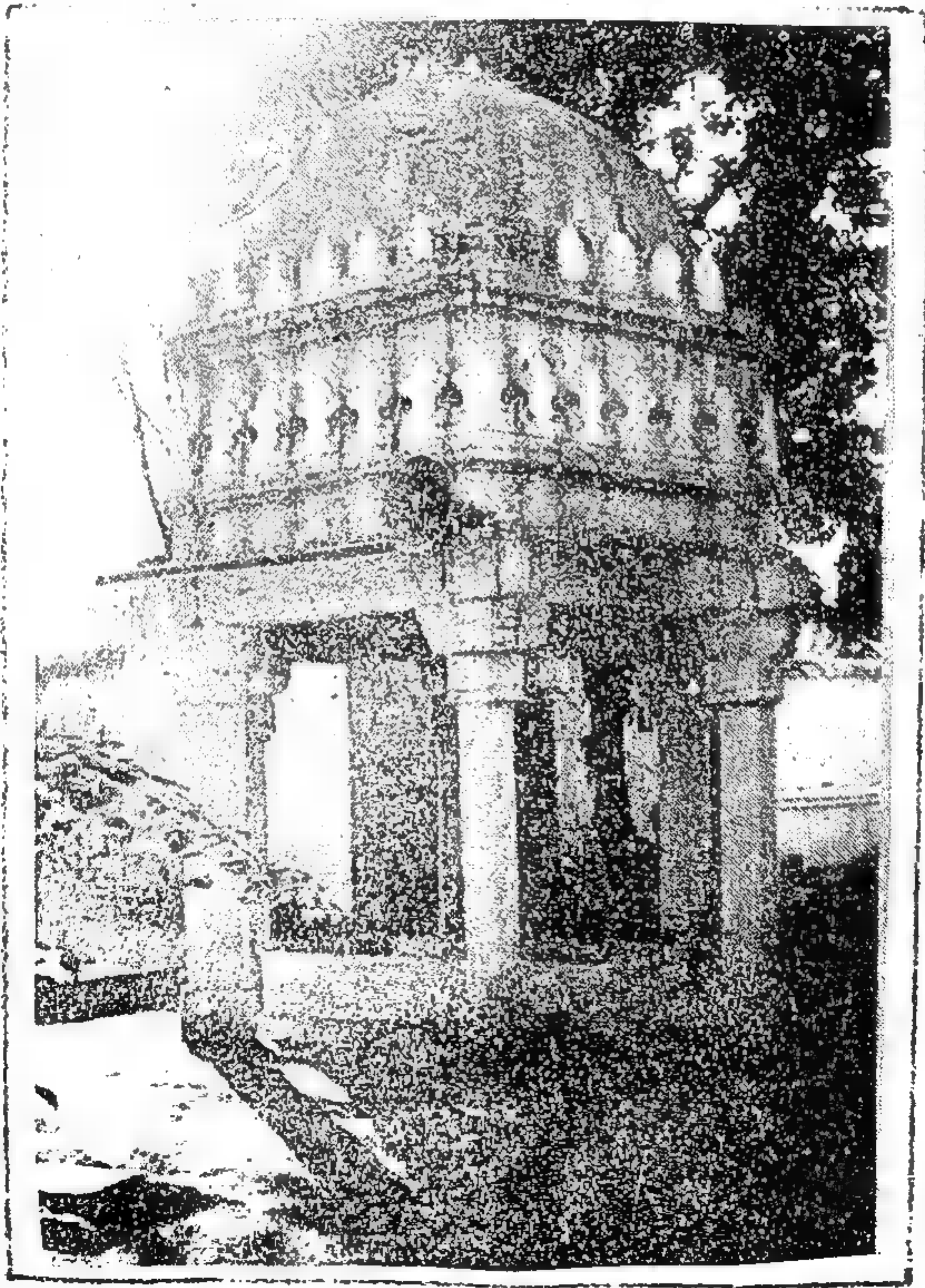
درگاہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کے احاطہ میں حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کی پوتی کا مزار

کی طرف بڑا دروازہ ہے۔ مرزا غلام حیدر نے گنبد کے گرد بارہ دری ہوائی تھی جو گر چکی ہے۔ درگاہ کے صحن میں حضرت بابا شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کی پوتی کا مزار ہے۔ مزار پر گنبد بھی ہے۔ اسی طرز کا دوسرا مزار حضرت مخدوم زین العابدینؒ کا ہے جو آپ کے بھانجے اور خلیفہ تھے۔ اسی مقام پر نواب فیض طلب بخش کا مقبرہ ہے جس کا ذکر گذشتہ صفحات میں آچکا ہے۔ درگاہ کے جنوب کی طرف مسجد ہے۔ فرخ شیر بادشاہ کے عہد میں دروازہ گنبد نما کی مرمت ہوئی اس گنبد پر فیروز شاہ تغلق کے نام کا کتبہ لگا ہوا ہے۔ 1142 ہجری مطابق 1729 عیسوی محمد شاہ بادشاہ نے درگاہ کے اردگرد فصیل تعمیر کی اس میں چار دروازے ایک کھڑکی بنائی۔ دروازوں کے نشان موجود ہیں اس کے اندر مکانات تعمیر ہو چکے ہیں۔

درگاہ حضرت نصیرالدین چراغ دہلی کے احاطہ میں مخدوم حضرت زین الدینؒ کا مزار

مغل شہزادوں کے مقبرے
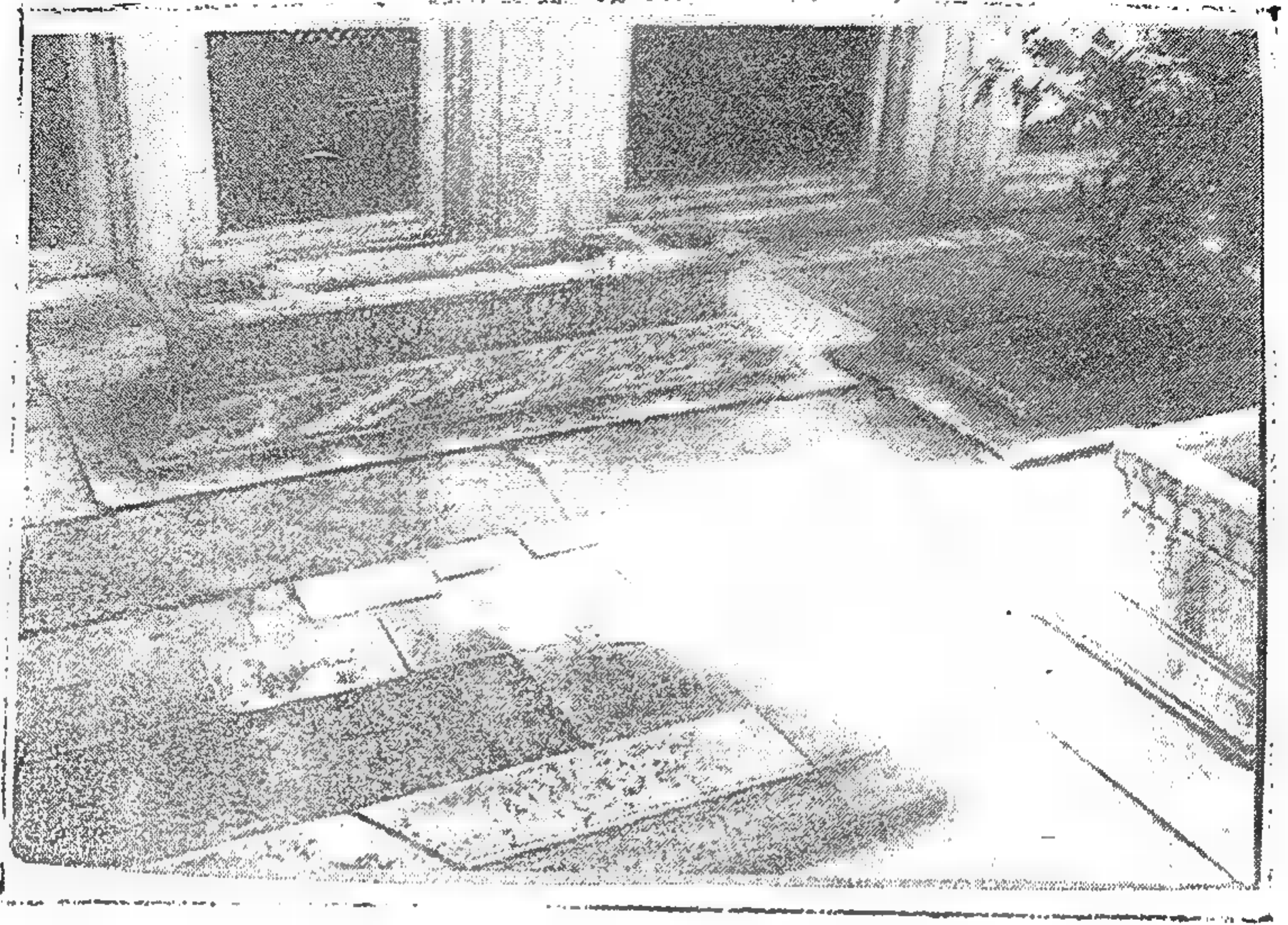
درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء محبوب سبحانی" کے صحن میں سنگ مرمر کی ایک خوشنما چار دیواری ہے جس میں سنگ مرمر کی جالیاں نصب ہیں بیل بوٹے پچی کاری نے بہت زیادہ نکھار پیدا کر رکھا ہے جس کی مثال نہیں ملتی اب یہاں وہ خوبصورتی نہیں رہی ان مقبروں کا دروازہ چوکھٹ سنگ مرمر کی ہے اس مقبرہ میں محمد شاہ جس نے ۱۱۶۱ھ مطابق ۱۷۴۸ء وفات پائی یہاں دفن ہوا اس بادشاہ کے علاوہ نواب صاحب محل ان کی بیوی مرزا جگر، محمد شاہ بادشاہ کے پوتے اور مرزا عاشوری اور تین شہزادوں کی قبریں ہیں۔

مقبرہ رکن الدین فیروز شاہ

رکن الدین فیروز شاہ کا مقبرہ بھی ملک پور میں ہے۔ مقبرہ پر گنبد ہے گنبد آٹھ شاندار ستونوں پر کھڑا ہے۔ 635 ہجری مطابق 1237 عیسوی رکن الدین فیروز شاہ کو بادشاہ بنایا جو رضیہ سلطانہ سے لڑ کر پکڑا گیا قید میں قتل ہوا فیروز شاہ نے اپنے دور میں یہ مقبرہ از سر نو مرمت کروایا۔ سلطان شمس الدین التمش کی اولاد کے نام۔ سلطان ناصر الدین، سلطان رضی الدین، سلطان معز الدین بہرام شاہ، سلطان قطب الدین محمد، سلطان ملک جمال الدین مسعود، ملک شہاب الدین محمد، سلطان علاء الدین مسعود شاہ، سلطان ناصر الدین محمود، سلطان غیاث الدین محمد شاہ، سلطان رکن الدین فیروز شاہ، سلطان ناصر الدین محمود شاہ، رضیہ سلطانہ۔

مقبرہ جہاں آرا بیگم

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب سبحانی ؒ کے صحن میں جہاں آرا بیگم کا مقبرہ جو تمام سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے مقبرہ کے چاروں طرف سنگ مرمر کی جالیاں لگی ہوئی ہیں جہاں آرا بیگم بنت شاہ جہاں بادشاہ نے اپنے جیتے جی ۱۰۹۲ھ بمطابق ۱۶۸۱ء میں تعمیر کروایا شہزادی مرنے کے بعد اسی مقبرہ میں دفن ہوئی اس نے وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد میرا تین کروڑ روپے کا مال جو ہے وہ سب درگاہ کے خادموں میں تقسیم کر دیا جائے۔ شہزادی کے مرنے کے بعد اورنگزیب عالمگیر نے ایک کروڑ روپے کا کمال دیا اور کہا کہ وصیت صرف تیسرے حصہ کی ہوتی ہے مقبرہ میں شہزادی جہاں آرا کا شعر درج ہے۔

مقبرہ سلطان معزالدین بہرام شاہ

موضع ملک پور دہلی کی آبادی میں آچکا ہے۔ مقبرہ سلطان غازی کے قریب سلطان معزالدین بہرام شاہ کا مقبرہ ہے۔ مقبرہ پر گنبد بنا ہے۔ یہ گنبد آٹھ ستونوں پر تعمیر کیا گیا ہے۔ سلطان معزالدین کو 639 ہجری مطابق 1241 عیسوی امراء نے قتل کر کے علاء الدین کو تخت پر بٹھایا بعد میں اس کی قبر پر مقبرہ تعمیر کروایا۔ سلطان فیروز شاہ کے وقت اس مقبرے کی مرمت ہوئی۔ مقبرہ چونے پتھر سے تعمیر کیا گیا۔ سلطان بہرام شاہ ۲۷ رمضان ۶۳۸ھ مطابق ۱۲۴۱ء کو تخت نشیں ہوئے۔ مگر امرائے سلطنت اس سے خوش نہ تھے۔ سازشیں کرنے لگے۔ اولاً اس کے وزیر سقار نے اس کو قتل کرنا چاہا۔ سلطان کو علم ہو گیا وہ سزا دینا چاہتا تھا کہ امرائے چہلگانی کی سفارش سے سقار کو بدایوں کا گورنر بنا دیا مگر پھر وہ بلا اجازت دہلی آیا اور قتل ہوا۔ بہرام شاہ نے ایوب درویش کے کہنے سے قاضی شمس الدین فقیہ کو قتل کرا دیا۔ ان وجوہ سے امراء چہلگان شمسی اس سے بیزار ہو گئے۔ وزیر خواجہ مہذب الدین بھی بہرام شاہ کا دشمن ہو گیا۔ اور سرداران فوج کو ملا کر قلعہ کا محاصرہ کرا دیا۔ بادشاہ نے قاضی منہاج الدین مصنف طبقات ناصری کو جو دہلی کے قاضی القضاۃ تھے باغیوں کو سمجھانے کے لئے بھیجا مگر وہ باز نہ آئے۔ بالآخر ساڑھے تین ماہ کے محاصرہ کے بعد بہرام شاہ گرفتار کر لیا گیا اور پانچ یوم بعد ۱۵ مئی ۱۲۴۲ء کو قتل کرا دیا گیا۔

مقبرہ محمد شاہ

منصور کے مقبرہ کے سامنے خیر پور میں یہ مقبرہ واقع ہے۔ سلطان محمد شاہ بن فرید خان بن خضر خان جو سلطان معزالدین ابو الفتح مبارک شاہ بن خضر خان کے بعد تخت نشین ہوا۔ 849 ہجری مطابق 1445 عیسوی کے اسی بادشاہ کا انتقال ہوا اور یہاں دفن ہوا۔ یہ مقبرہ اس کے بیٹے علا الدین عالم شاہ نے تعمیر کروایا۔ یہ مقبرہ چونے اور پتھر کا بنا ہوا ہے بہت نفاست سے کام ہوا ہے مقبرہ کے ارد گرد برآمدے اور خوبصورت گنبد ہیں۔

درگاہ حضرت شیخ صلاح الدینؒ

حضرت شیخ صلاح الدین سلطان محمد عادل تغلق کے دور میں ہو گزرے ہیں۔ آپ شیخ صدر الدینؒ کے مرید تھے۔ حضرت شیخ صدر الدین محمد تغلق بادشاہ کو ہمیشہ سخت جواب دیتے تھے۔ حضرت شیخ صلاح الدین کی وفات کے بعد آپ کو موضع کھڑکی کے قریب دفن کیا گیا۔ 754 ہجری مطابق 1353 عیسوی میں آپ کا مقبرہ تعمیر ہوا۔ آپ کے مزار کے چاروں طرف جالیاں ہیں۔ قریب ایک بہت بڑی مسجد تھی جو ٹوٹ پھوٹ چکی ہے۔ مقبرہ کے گردونواح کئی عمارتیں تھیں کمروں پر چھوٹے چھوٹے گنبد بنائے گئے تھے۔ کسی زمانہ میں ماہ صفر میں یہاں عرس ہوتا تھا۔

مقبرہ سرنالہ
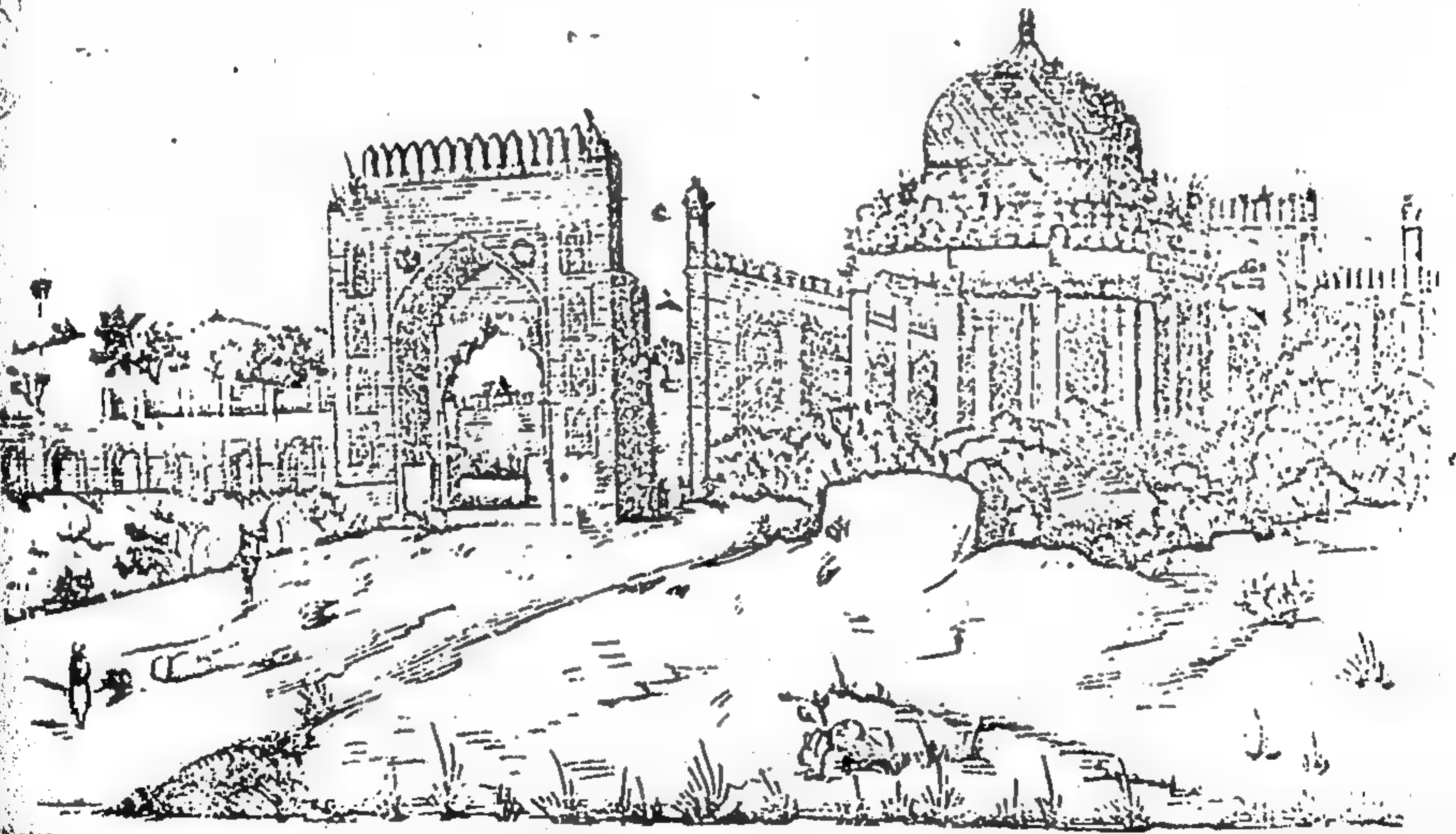
درگاہ حضرت روشن چراغ دہلی کے قرین نالے کے سرے پر ایک مقبرہ جس کے ستون اور فرش سرخ پتھر کے تھے دوسرے حصے میں سنگ سرخ سے تعمیر ہوئے تھے یہ مقبرہ ۱۱۰۰ھ بمطابق ۱۶۸۸ء میں تعمیر کیا گیا تھا۔

مقبرہ سید عابد
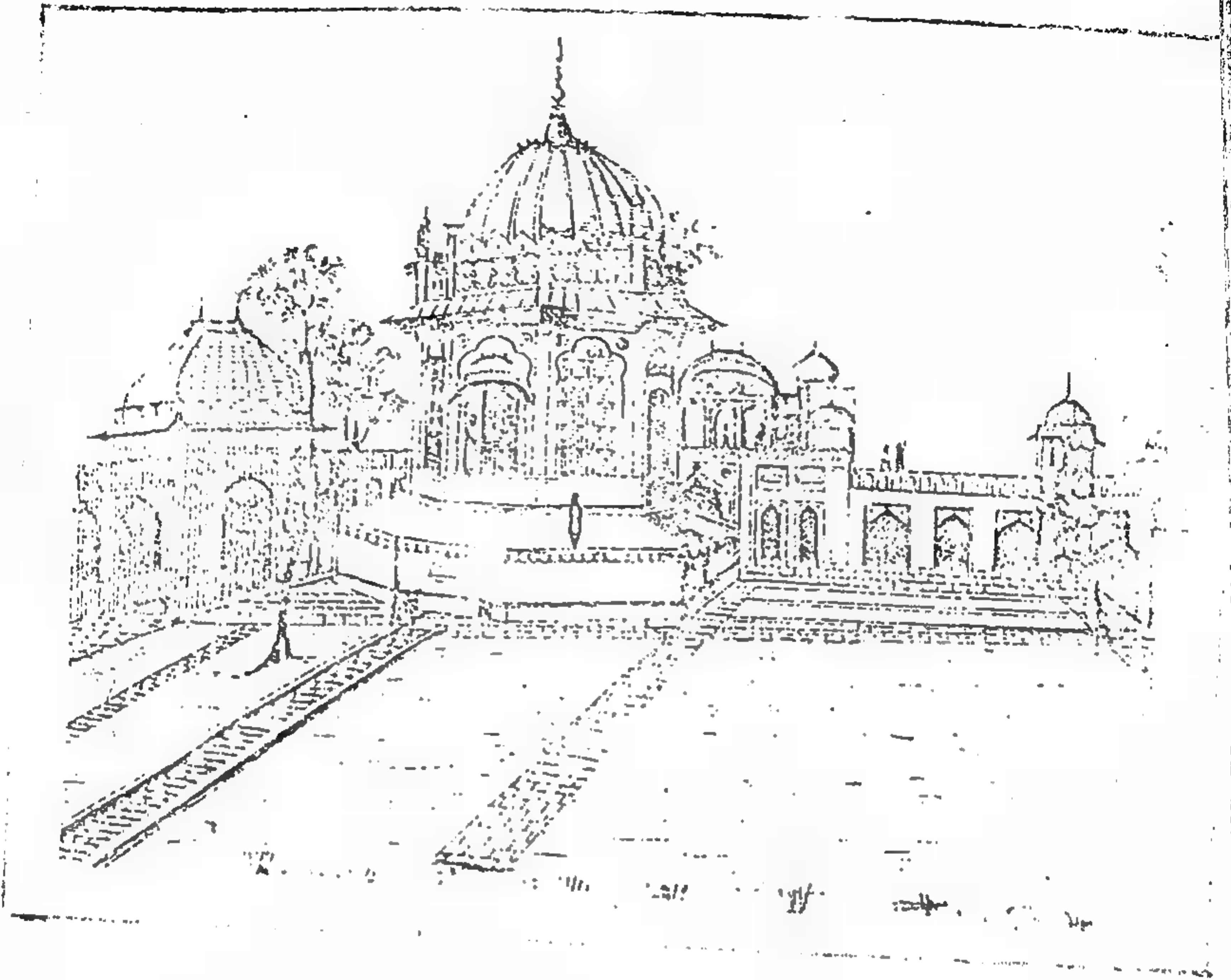
سید عابد نواب خان دوران خان کے رفیقوں میں سے تھے کسی لڑائی میں مارے گئے یہ مقبرہ ۱۰۳۶ھ بمطابق ۱۶۲۶ء کے تعمیر ہوا یہ مقبرہ لال بنگلہ کے قریب ہے جو چونے اور اینٹوں سے تعمیر کیا گیا ہے۔ بعض مقامات پر چینی کاری کا کام بھی ہوا ہے اس مقبرہ کے صحن میں حوض بھی تھا چاروں طرف نہریں تھیں جو ختم ہو چکی ہیں اس مقبرہ کا دروازہ بھی خوبصورت تعمیر ہوا تھا جس پر سہ دری تعمیر ہوئی تھی۔

مقبرہ نجف خان

شاہ مردان کے مقبرہ کے پاس نواب ذوالفقار الدولہ میر نجف خان بہادر کا مقبرہ ہے جو مرزا محسن صفدر جنگ کے بھائی کے سالے تھے۔ 1195 ہجری مطابق 1780 عیسوی میں ان کا انتقال ہوا اور اس مقبرہ میں دفن ہوئے۔ مقبرہ پتھر چونے سے تعمیر کیا گیا ہے۔ اس مقبرہ میں سردار نام کی بھی قبر ہے۔

بارہ پلہ
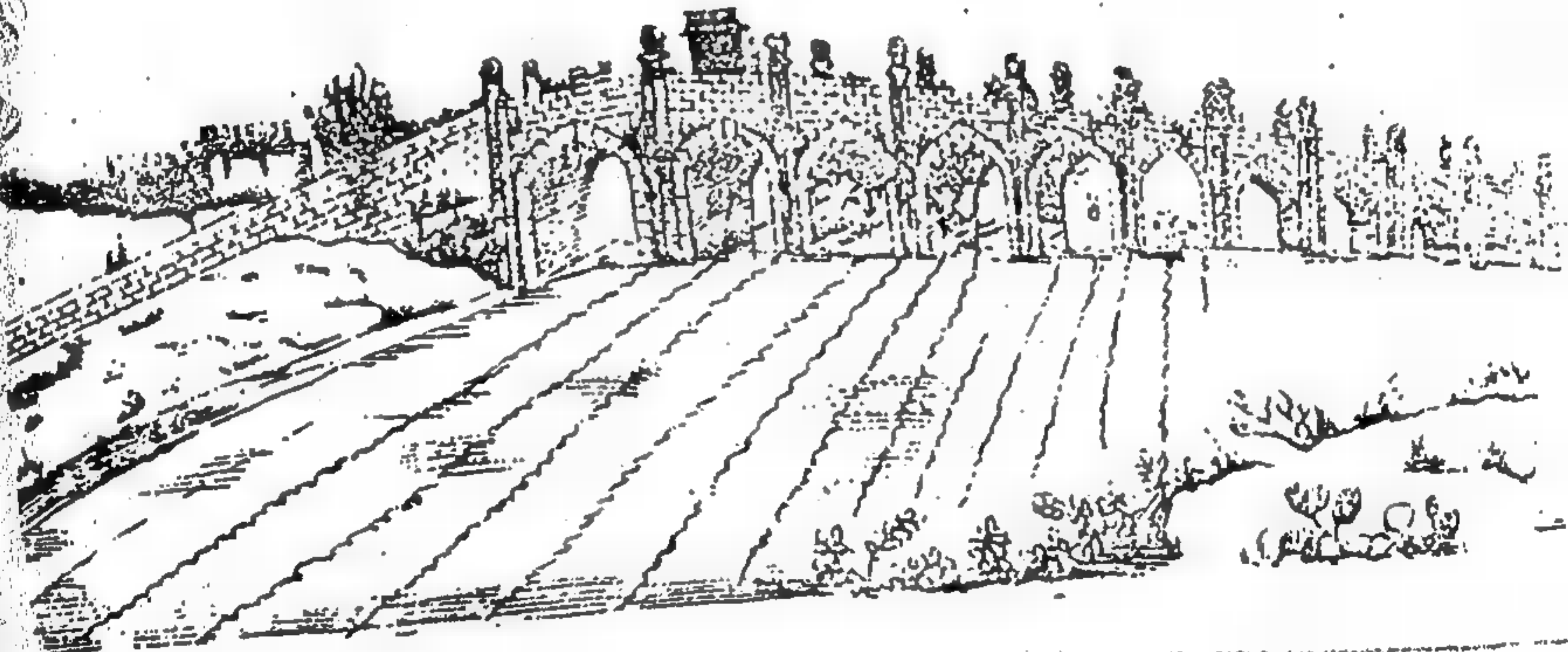
یہ پل شہر شاہ جہاں آباد سے چار میل جنوب کی طرف واقع ہے ایسا عمدہ نفیس پل اس علاقہ میں نہیں تھا۔ اس پل کو جہانگیر بادشاہ کے عہد میں ۱۰۲۱ھ مطابق ۱۶۱۲ء میں کے لگ بھگ مہربان آغا عرف انجان خان المعروف انمائے آغایان خواجہ سرا نے تعمیر کروایا۔ یہ اکبر اور جہانگیر کے عہد میں بڑے نامی گرامی خواجہ سراؤں میں سے تھا یہ پل بہت خوبصورت پتھر اور چونا سے تعمیر کیا گیا تھا پل پر بادشاہ جہانگیر کی تعریف میں شعر کندہ ہیں اور پل بننے کی تاریخ درج ہے۔

کوس مینار

شہنشاہ جہانگیر نے اپنے عہد حکومت میں بنگال سے لے کر براستہ آگرہ لاہور سے ہوتے ہوئے دریائے اٹک تک سڑک بنوا کر دو طرفہ درخت لگائے تھے ۱۰۲۸ھ بمطابق ۱۶۱۸ء میں یہ حکم نامہ جاری کیا تھا کہ آگرہ سے لے کر لاہور تک ہر کوس کے سرے پر ایک مینارہ تعمیر کیا جائے اور تین کوس پر ایک کنواں بنایا گیا۔ چنانچہ یہ مینار اور کنویں چونے اور پتھر سے تعمیر کیے گئے۔ ان میناروں کی تعمیر میں مضبوطی کا پہلو سامنے رکھا گیا اب لاہور دہلی آگرہ جاتے ہوئے، دوران سفر یہ مینار کہیں کہیں نظر آتے ہیں ان میناروں میں تحریر شدہ پتھر نصب کرنے کے لیے خانے بنے ہوئے تھے لیکن کسی ایک میں پتھر نصب نہیں ہے۔

گھاٹ نکمبود
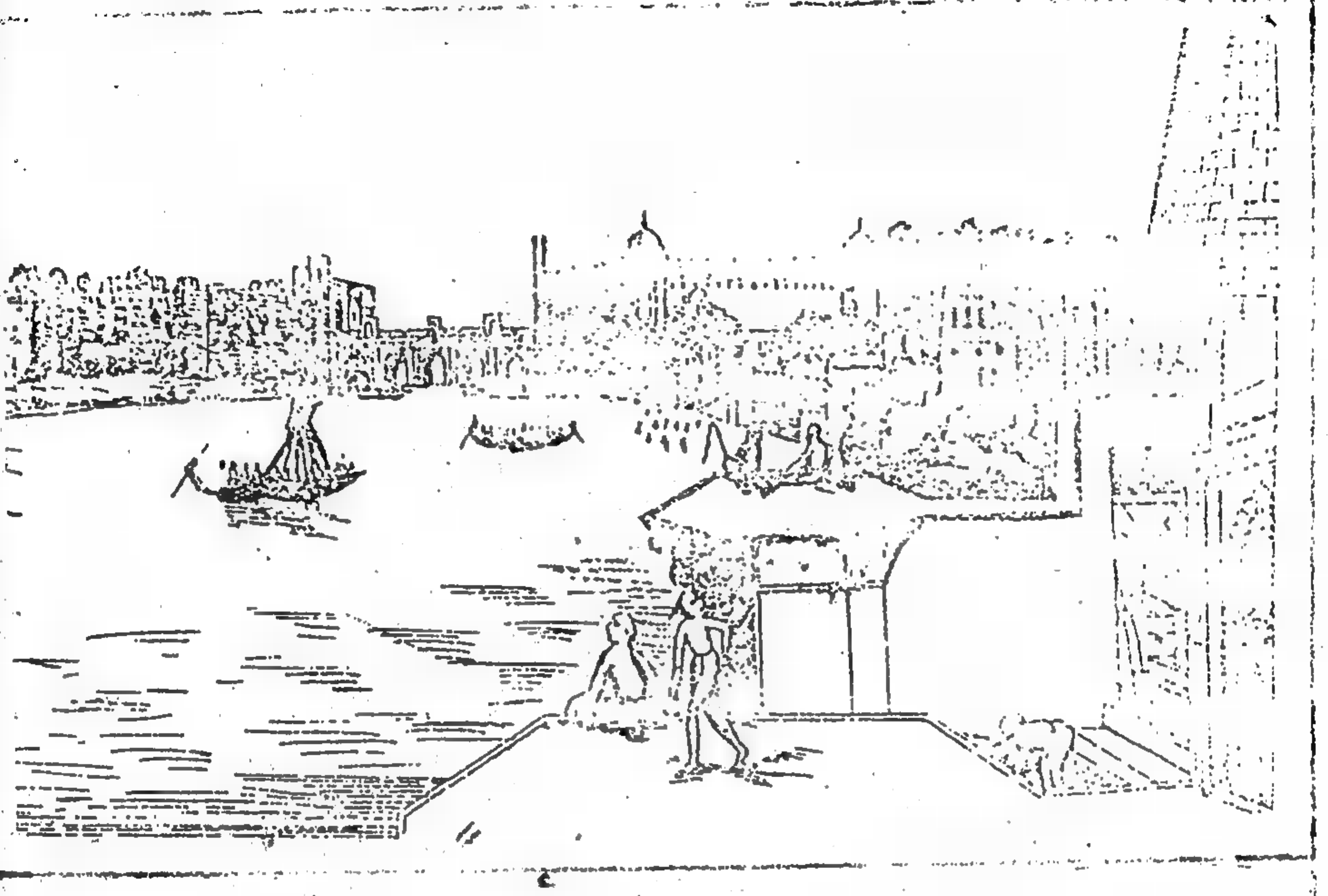
پرانی دہلی کے شمال مشرق دریائے جمنا کے کنارے یہ ایک گھاٹ تھا جو گھاٹ نکمبود کے نام سے مشہور تھا نکم کے معنی شاستر میں بیدوں کے ہیں بود کے معنی عقل اور سمجھ کے ہیں گیان کو ہندوؤں کے اعتقاد میں یہ بات مشہور ہے کہ دواپر جگ کے ابتداء میں جس کو آج تک ان کے حساب میں بموجب ۴۹۵۳ برس ہوئے برہماجی سب بیدوں کو بھول گئی تھی جب وہ یہاں آئی تو پرمیشر نے پھر وہ سب کچھ یاد دلائے اور سمجھا دیئے اس لیے نکمبود اس کا نام پڑا اور یہ بھی کہتے ہیں کہ راجہ جدھشتر نے اس مقام پر سموتی اماؤس کے ملنے کو بڑا جگ کیا تھا جگ کرنے کی جگہ پر ہندوؤں نے ایک چھتری تیار کی تھی ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ اس گھاٹ پر اگر مردہ جلایا جائے تو بہت تھوڑی لکڑیاں جلانی پڑتی ہیں یہ گھاٹ ۱۱۵۰ھ مطابق ۱۷۳۷ء میں ہندوؤں نے پختہ تعمیر کروایا اور سرخ پتھر استعمال کیا گیا کسی زمانہ میں صبح سویرے مرد عورتیں یہاں اشنان کرتی تھیں اور عورتوں کا بہت زیادہ ورش ہوتا تھا۔

ظفر محل میں گمنام مقبرہ

آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر نے درگاہ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے قریب ایک محل تعمیر کروایا۔ اس محل کے صحن میں ایک گمنام مقبرہ ہے مقبرہ کے گردنواح پتھر اور چونے سے تعمیر کردہ کمرے ہیں جن کی چھتیں گر چکی ہیں اس مقبرہ کے شمال مشرق کی طرف چند اور گمنام قبریں ہیں جو مغل شہزادوں کی معلوم ہوتی ہیں جو سنگ مرمر سے تعمیر کی گئی ہیں۔

لال ڈگی
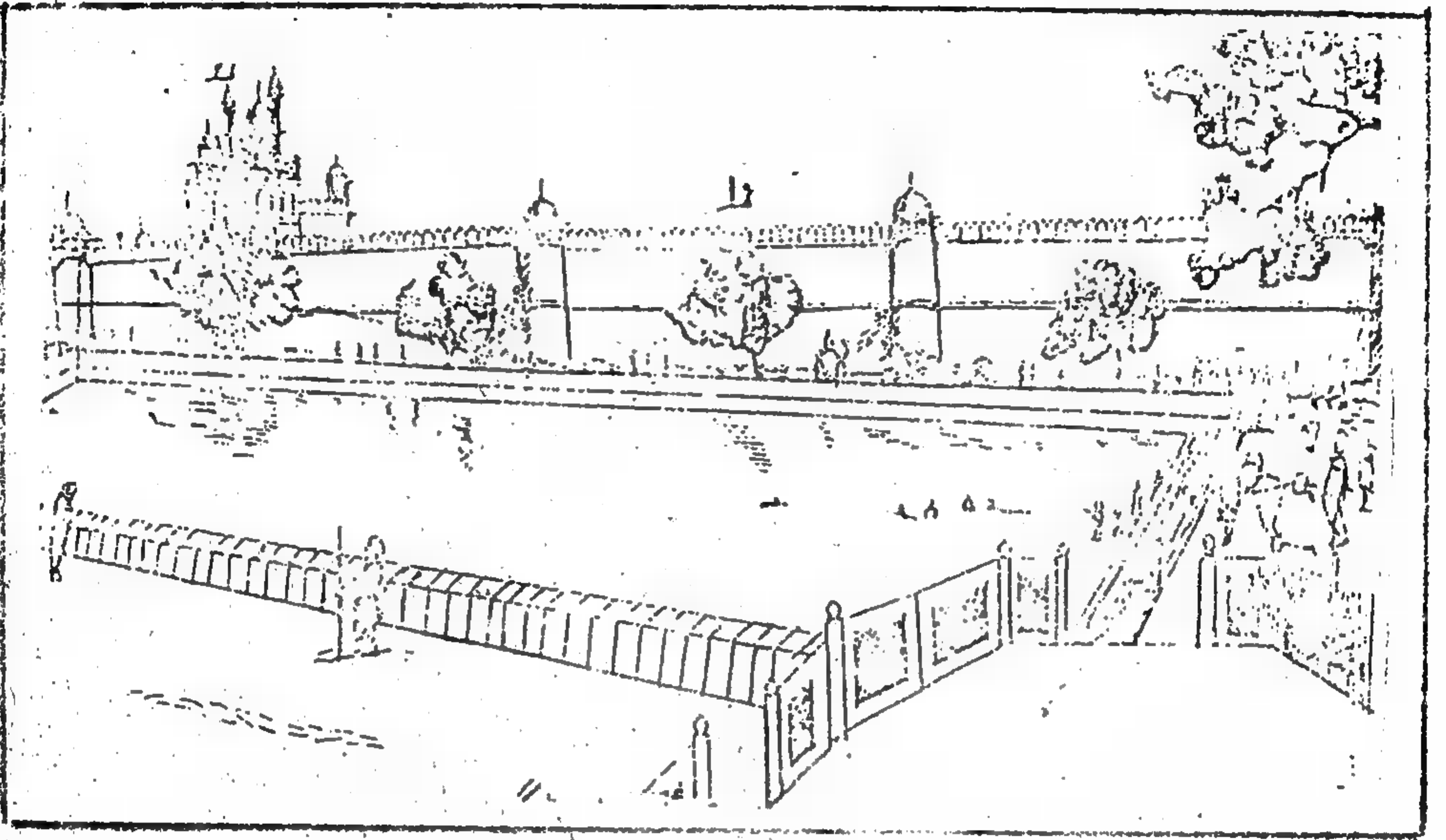
شہر شاہجہاں آباد میں قلعہ کے نیچے خاص بازار کے سامنے بحکم لارڈ ڈالن کے ۱۲۶۳ ہجری مطابق ۱۸۴۶ عیسوی کے یہ حوض تیار ہوا ہے تمام حوض سنگ سرخ کا بنایا ہے اور چاروں کونوں پر چار برج کٹہرے دار بہت خوشنمائی سے بنائے ہیں دونوں طرف سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں نہر کے پانی سے یہ حوض ہمیشہ بھرا رہتا ہے طول اس کا پانچ سو فٹ اور عرض ڈیڑھ سو فٹ ہے اس حوض کے بننے سے اکثر کنوئیں میٹھے ہو گئے ہیں۔

مغل سرائے مغل گارڈن
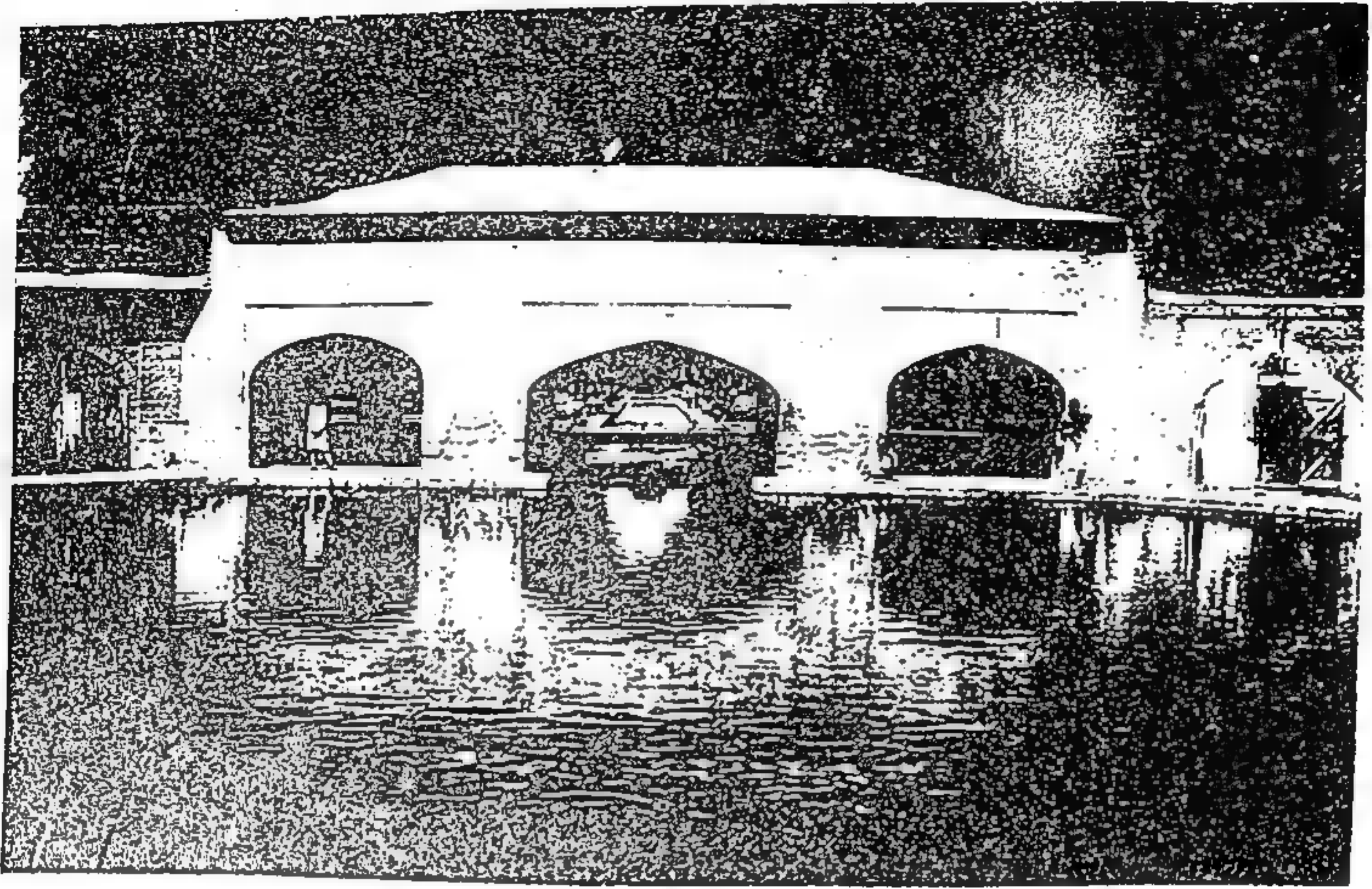
مغل سرائے اور مغل گارڈن مغل بادشاہوں نے دہلی میں تعمیر کروائے مغلوں کی حکومت کے
دوران ان باغوں میں کافی رونق رہتی ہے مغل سرائے میں مغل گارڈن کے آثار دیکھے جاسکتے ہیں۔

Mughal Sarai

It served the purpose of a rest house in the Mughal period. Now it is in a dilapidated condition. In those days of Mughal monarchy, there remained a heavy rush in the sarai. But now it is in a ruinous state. A big part of the southern half of this building has been dismantled to open a way to the Qutub Mosque as the part itself was about to collapse.

Moghal Garden

The Mughal King had a keen interest in gardens, To satisfy this instinct they founded many gardens. The remains of one of them can be seen to the Mughal Sarai. In the centre ruins of some graves are visible.

کالی مسجد کوٹلہ نظام الدینؒ
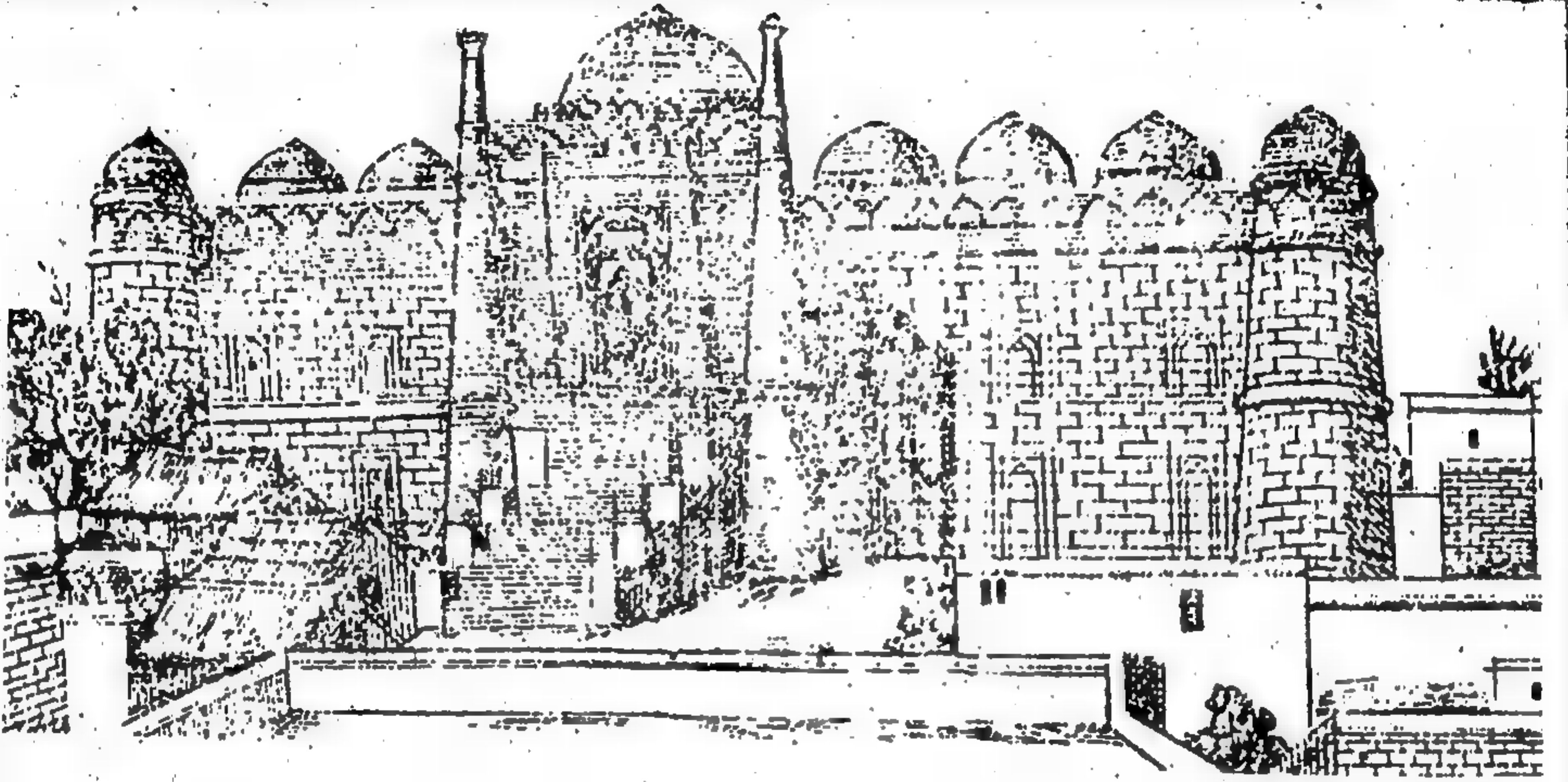
درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب سبحانیؒ کے قریب 1376 عیسوی میں یہ مسجد فیروز شاہی نے تعمیر کروائی یہ مسجد بھی کالی مسجد تنگم پور مسجد کی طرز پر تعمیر کی گئی ہے مسجد چونے اور پتھر سے تعمیر ہوئی ہے۔ دروازہ پر کتبہ بھی کندہ ہے۔

ہیرا محل
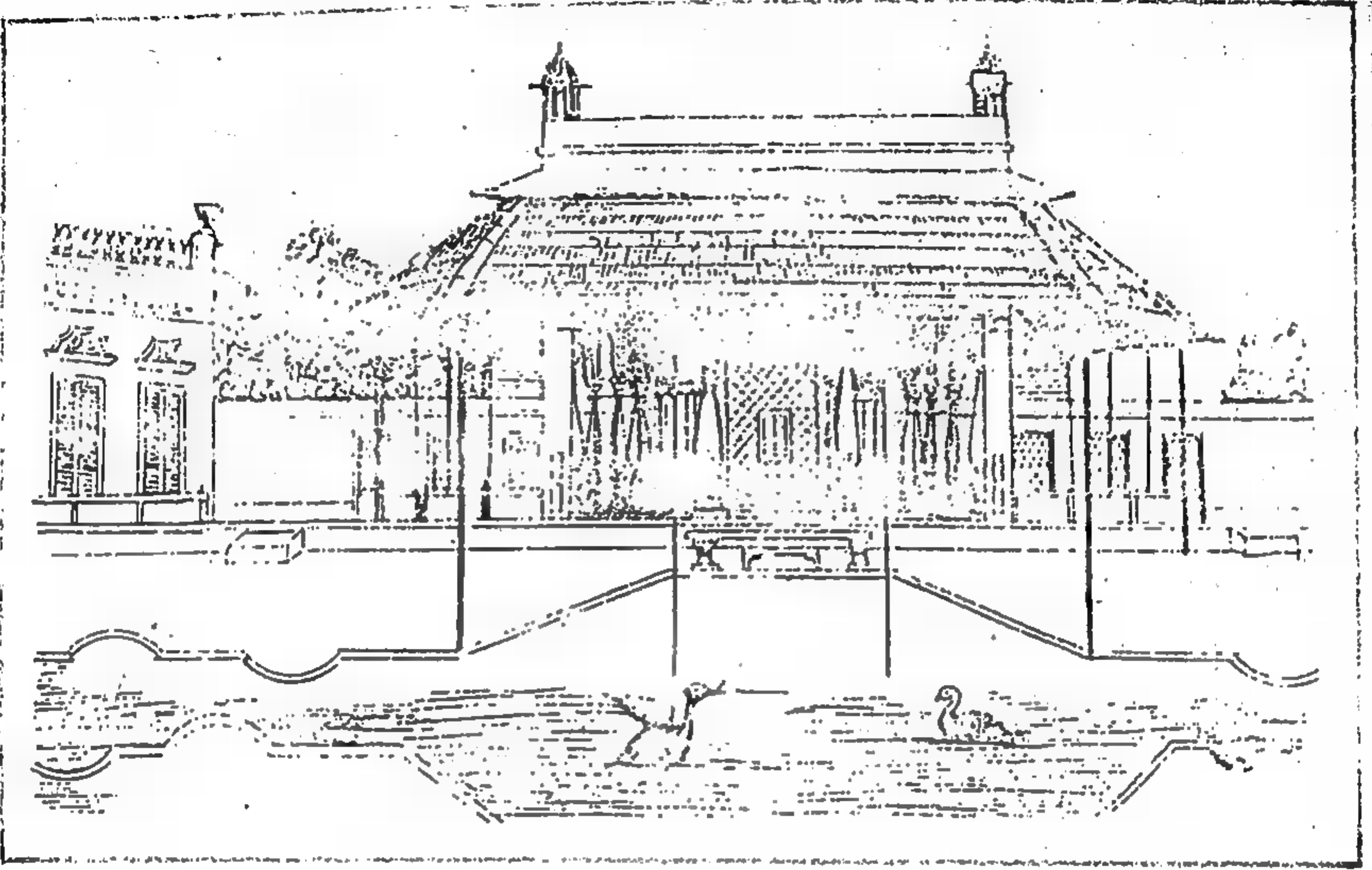
قلعہ شاہجہاں میں موتی محل کے آگے نہر بہشت کے کنارے پر ۱۲۵۸ ہجری مطابق ۱۸۴۲ عیسوی کے ابو الظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہ نے ایک بارہ دری نری سنگ مرمر کی بنائی ہے اور ہیرا محل اس کا نام رکھا ہے اس محل کے آگے جو قدیمی نہر میں چوبیس فوارے چاندی کے تھے وہ تو اب نہیں رہے یہ محل بھی اس زمانے میں بہت اچھا بنا تھا۔

جل محل
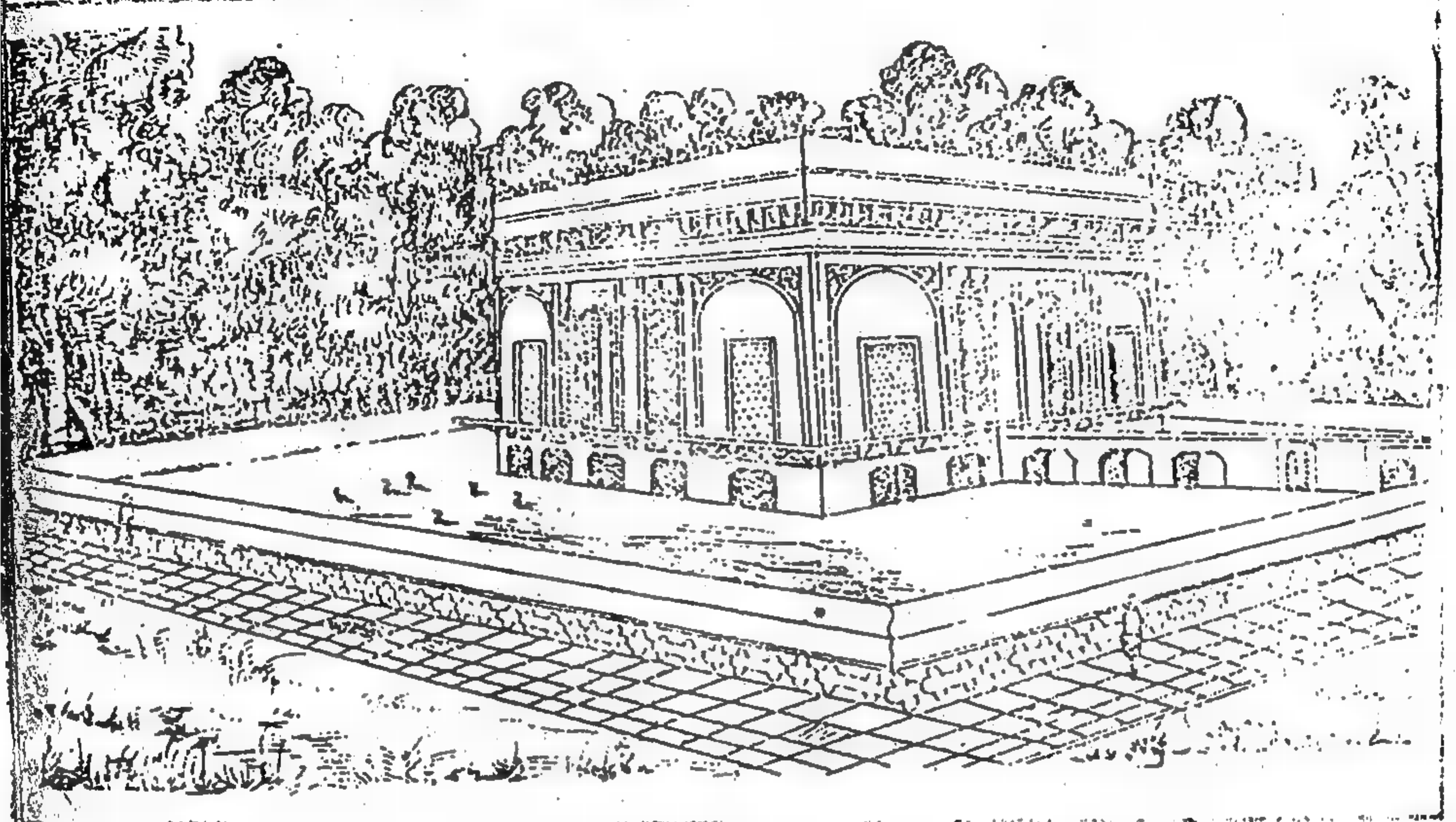
قلعہ شاہجہاں کے باغ حیات بخش کے بیچوں بیچ میں بوالظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہ حال نے ۱۲۵۸ مطابق ۱۲۵۸ ہجری موافق ۱۸۴۲ عیسوی ایک مکان بنایا ہے زا سنگ سرخ کا اور ظفر محل اس کے بنے کی تاریخ ہے اس کے بیچ میں ایک درجہ ہے بطور کمرے کے اور چاروں طرف غلام گردش ہے اور کونوں پر حجرہ اور چاروں ضلعوں میں شہ نشیں ہیں جانب مشرق مکان کے ایک پل بنایا ہے اگر چہ یہ مکان بھی بہت اچھا بنایا ہے لیکن اب وہ حالت نہیں رہی۔

لال بنگلہ

پرانا قلعہ کے قریب لال کنور شاہ عالم کی ماں کا یہ مقبرہ 1193 ہجری مطابق 1779 عیسوی میں شاہ عالم نے تعمیر کروایا چھوٹے گنبد میں لال کنور کی قبر ہے بڑے گنبد میں بیگم جان شاہ عالم کی بیٹی کی قبر ہے۔ دونوں گنبد معہ دلانوں کے سرخ پتھر سے تعمیر کیے گئے ہیں۔ سرخ پتھروں یا لال کنور کے دفن ہونے کی وجہ سے لال بنگلہ کے نام سے مشہور ہیں۔ لال بنگلہ کے ملحقہ مغل خاندان کے افراد کی قبریں ہیں۔ اس کے صحن میں ایک کمرہ میں مرزا بلاقی کا کمرہ بہادر شاہ بادشاہ ثانی نے تعمیر کروایا۔

کوٹھی جہاں نما

اس کوٹھی کو جو بیرون کشمیری دروازہ واقع ہے حاکم رئیس پرور معظم الدولہ امین الملک اختصاص یار خان فرزند ارجمند جان پیوند سلطانی سر طامس سیافلس متھف صاحب باورنٹ فیروز جنگ صاحب کلان دار الخلافت شاہجہان آباد نے ۱۸۲۸ عیسوی مطابق ۱۲۴۴ ہجری بنانا شروع کیا اور یہ کوٹھی نہایت خوبصورت اور خوش وضع بنی ہے۔

کوٹھی دلکشا

قطب صاحب کے نواح میں یہ ایک سیر گاہ اور مکان دلکشا ہے معظم الدولہ سر طامس سیافلس فیروز جنگ صاحب کلاں بہادر شاہجہاں آباد نے اس کوٹھی کو ۱۲۶۰ ہجری مطابق ۱۸۴۴ عیسوی کے بنانا شروع کیا یہ کوٹھی نہایت نفیس ولطیف ہے اور یہ شعر اسی پر صادق آتا ہے ؎

اگر فردوس بر روے زمین ست ہمیں ست و ہمیں ست و ہمیں ست

ست پلہ (سات پل)

درگاہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے قریب موضع کھڑکی کے نزدیک سلطان محمد عادل تغلق نے 1336 عیسوی میں ست پلہ تعمیر کروایا تھا۔ درحقیقت یہ ایک ایسی گزرگاہ ہے پانی کی نکاسی کے لئے سات پل تعمیر کئے گئے ہیں۔ اس وجہ سے یہ ست پلہ مشہور ہو گیا اس کے اوپر مکان بنے ہوئے ہیں دو دروازے بہت خوشنما بنائے گئے تھے۔ کسی زمانہ میں یہاں کنواں تھا وہ ختم ہو گیا ہے ایک تالاب میں پانی جمع ہوتا تھا۔ اس تالاب میں بیمار نہاتے بطور تبرک شفا کے لئے پانی اپنے ہمراہ دور دور تک لے جاتے۔ دیسی مہینے کاتک میں دیوالی کے موقع پر ہفتہ اتوار منگل کے روز کافی رش ہوتا بالخصوص یہاں بچوں کو نہلایا جاتا تاکہ وہ آسیب جادو سے محفوظ رہیں۔ یہ بات مشہور ہے کہ یہاں حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ نے یہاں وضو کیا تھا۔ اس وجہ سے اس پانی کو متبرک مانا جاتا تھا۔ دیوالی کے دنوں میں مٹی کے برتنوں میں یہ پانی فروخت ہوتا تھا۔ اس پانی کے پینے سے بیماروں کو شفا ملتی تھی۔

آہنی پل ہینڈن

غازی آباد کے پاس ہینڈن ایک ندی ہے اور انگریزوں نے ۱۲۶۳ ہجری مطابق ۱۸۴۶ عیسوی کے آہنی پل باندھا ہے یہ پل نہایت عجیب ہے لوہے کی کمانیوں پر عجب خوبصورتی سے لٹکے لٹکائے ہیں اور اوپر راستہ بنایا ہے ایسی ترکیب ان کمانیوں کی رکھی ہے کہ جب کوئی وزنی چیز آتی ہے تو بوجھ سہارنے کو کمانی جھک جاتی ہے ہر چیز کے چلنے سے یہ پل لچکتا ہے اور کمانیاں بوجھ سنبھالتی ہیں اس نواح میں اس قسم کا پل عجائب روزگار تھا۔

پل جدید بمبود

بمبود کے گھاٹ کلکتہ دروازے کے سامنے سلیم گڈھ کے نزدیک ۱۲۶۸ ہجری مطابق ۱۸۵۲ عیسوی کو انگریزوں نے دریا پر یہ پل بنایا ہے اگرچہ یہ پل چونے اور اینٹ کا ہے لیکن ایسی خوشنمائی اور مضبوطی سے بنایا ہے اور پل دیکھ کر آدمی حیران رہ جاتا ہے برسات کے دنوں میں سیر و تماشا دیکھنے کو جاتے تھے اور ہر روز میلہ رہتا تھا۔

پلی سلیم گڑھ

سلیم شاہ نے جب سلیم گڑھ تعمیر کروایا تو اس وقت دریا سلیم گڑھ کے نیچے بہتا تھا۔ جنوب کی طرف پانی نہ تھا اس طرف کے دروازے قلعہ کی آمدورفت کے لیے بنائے گئے تھے۔ ایک دروازہ شمال کی جانب دریا کے کنارے پر تھا دریا کے کٹاؤ کی وجہ سے جنوب کی طرف کا دروازہ دریابرد ہو گیا اور قلعہ کے چاروں طرف پانی بھر گیا۔ قلعہ میں جانے کا راستہ نور الدین جہانگیر بادشاہ نے تخت نشیں ہونے کے سات سال بعد ۱۰۳۱ھ بمطابق ۱۶۱۲ء میں اس قلعہ کے جنوب کی طرف بہت مظبوط اور شاندار پل تعمیر کروایا یہ پل پتھر اور چونے سے تعمیر کیا گیا ہے اس پل پر دو کتبے بھی نصب کیے جب شاہ جہاں نے قلعہ تعمیر کروایا تو یہ پل بھی قلعہ میں شامل ہو گیا گویا یہ پل قلعہ کا حصہ بن گیا۔

باؤلی درگاہ حضرت قطب صاحب

قطب صاحب کی درگاہ کے پاس مسجد کے آگے ندیم ادولہ خلیفۃ الملک حافظ محمد داؤد خان بہادر مستقیم جنگ نے ۱۲۶۰ ہجری مطابق ۱۸۴۴ عیسوی کے یہ باؤلی بنانی شروع کی اور ۱۲۶۳ ہجری مطابق ۱۸۴۶ عیسوی کے یہ باؤلی بن چکی باؤلی بھی بہت خوبصورت بنی ہے نرے چونے اور سنگ خارا سے بنی ہوئی ہے قریب چودہ ہزار روپے اس باؤلی کے بننے میں خرچ ہوئے ہیں۔

باولی حضرت نظام الدین اولیاء

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب سبحانی" نے یہ باولی اپنی زندگی میں قریب 721 ہجری مطابق 1321 عیسوی میں تعمیر کروائی تھی۔ اس باولی کا پانی بہت متبرک مانا جاتا تھا۔ جن بھوت کے سایہ کو دور کرنے کے لئے باولی کے پانی سے غسل کیا جاتا تھا۔ یہ باولی بہت خوبصورت تھی۔ خوشنما گول سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ 781 ہجری مطابق 1379 عیسوی محمد معروف دین وحید الدین نے اس باولی کے مغرب کی طرف فیروز شاہ کے عہد حکومت میں کچھ تعمیرات کی تھیں۔ جنوب کی طرف ایک پتھر پر چند اشعار تحریر کروائے۔ باولی کے اوپر مکانات اور قبرستان بن گئے ہیں میلے کے روز ہزاروں آدمی اس باولی کے قریب جمع ہوتے ہیں تیرنے والے اونچی جگہ سے باولی میں چھلانگ لگاتے ہیں تماشائی اوپر سے پیسے پھینکتے ہیں کودنے والے پیسہ کے ساتھ ہی چھلانگ لگا دیتے ہیں راستہ میں ہی پیسہ پکڑ لیتے ہیں۔ اسکی چاردیواری نواب احمد بخش خان بہادر والی فیروز پور نے تعمیر کروائی۔ دروازے پر یہ مصرعہ لکھوا یادیا۔

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

درگاہ حضرت سید محمود بحار
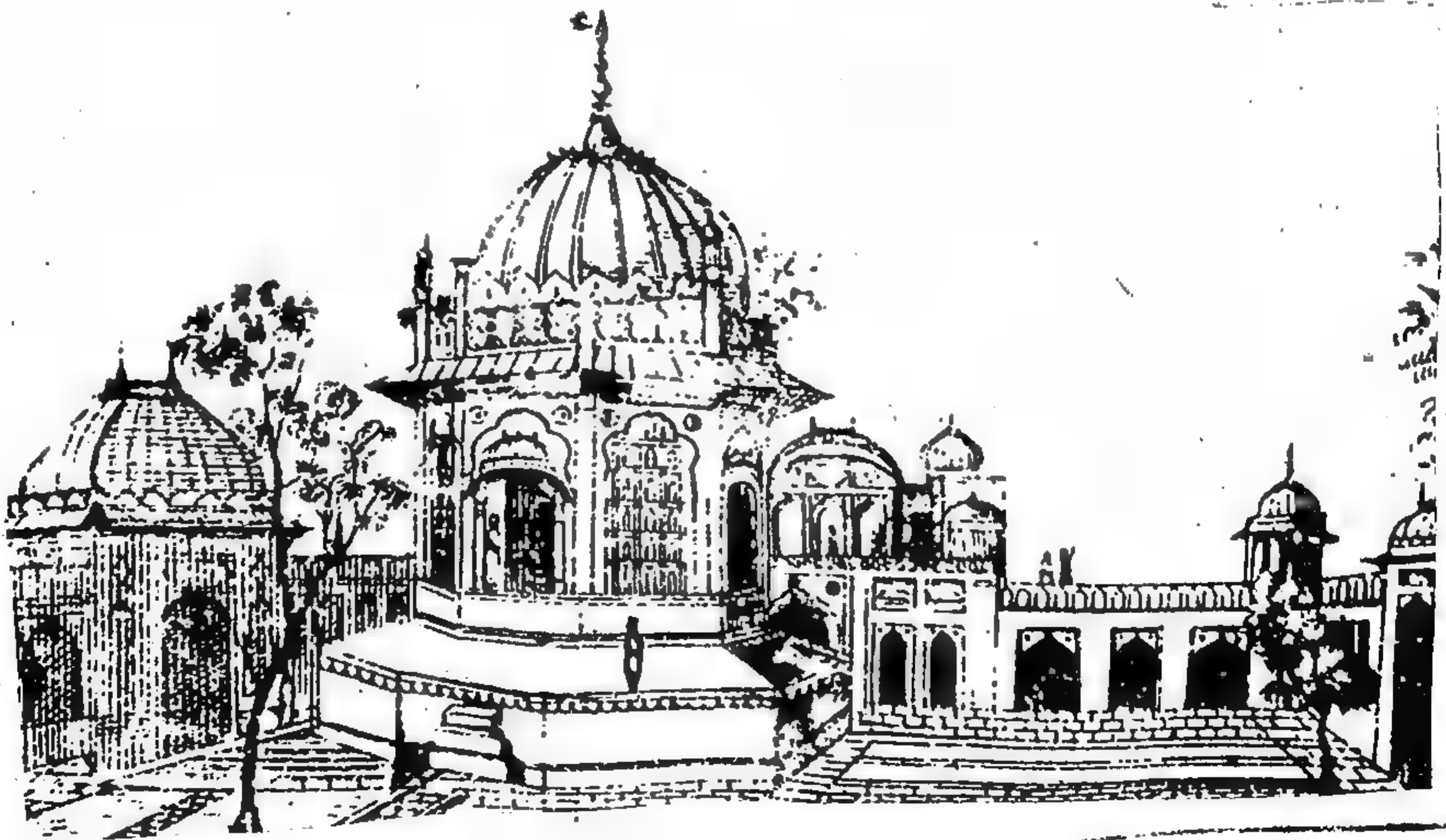
درگاہ حضرت سید محمود بحار موضع کیلو کھڑی میں واقع ہے اگرچہ اس دور میں گردو نواح کوئی قابل قدر

عمارت نہ تھی لیکن لوگ اسی درگاہ سے بہت عقیدت رکھتے تھے۔ حضرت سید محمود عار بڑے عالم فاضل اور بہت بڑے ولی اللہ درویش تھے۔ حضرت سید ناناصر الدین سونی پت کی اولاد میں سے ہیں۔ 778 ہجری مطابق 1376 عیسوی آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کی بہت زیادہ کرامات ہیں آپ کی دعا سے ایک مردہ شخص کو زندگی مل گئی ہر سال شائقین صفر کو آپ کا عرس عقیدت واحترام سے منایا جاتا ہے مخلوق خدا حاضر ہو کر دینا وی فیض حاصل کرتی ہے۔

کھاری باولی
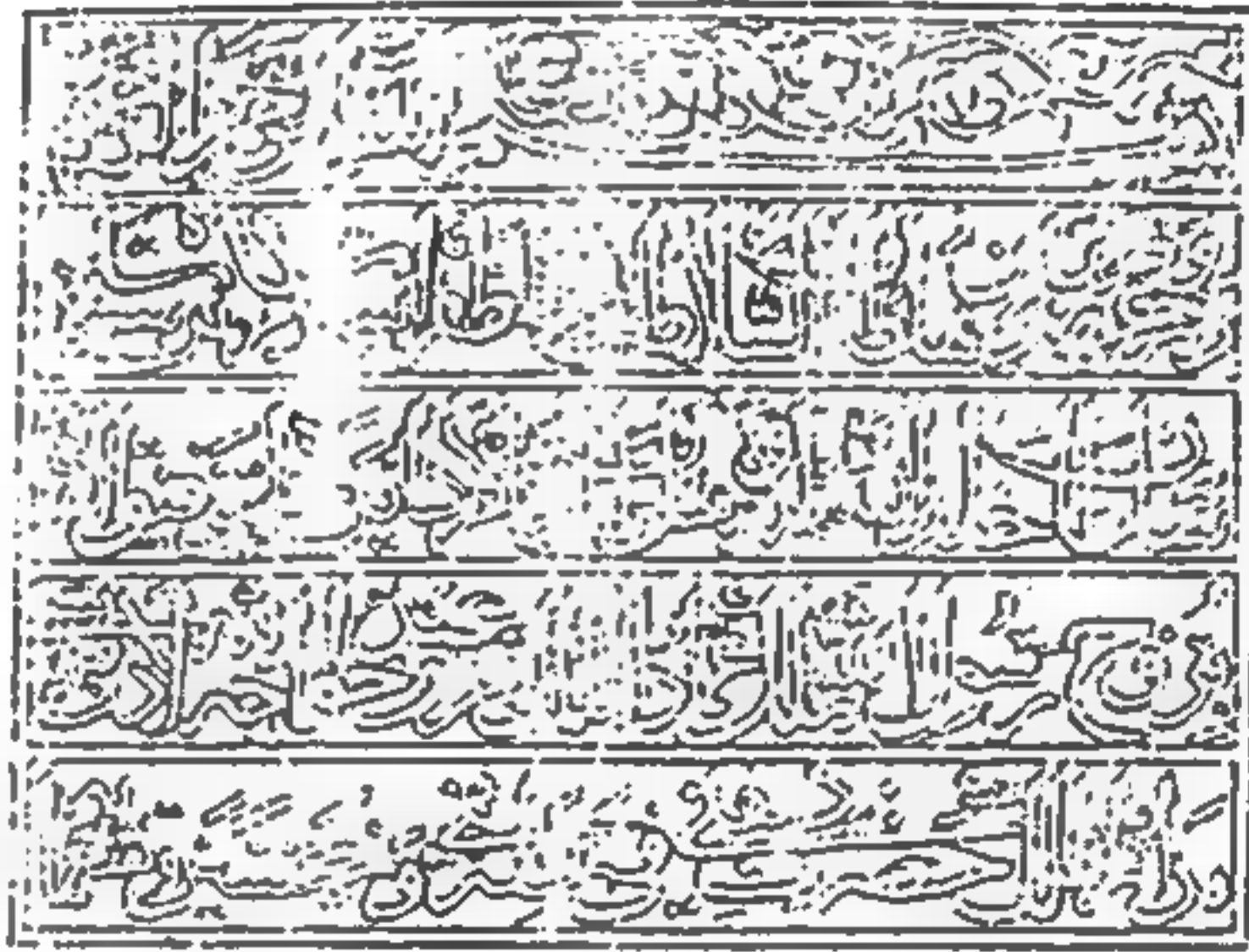
کتبہ ہای کھاری باولی
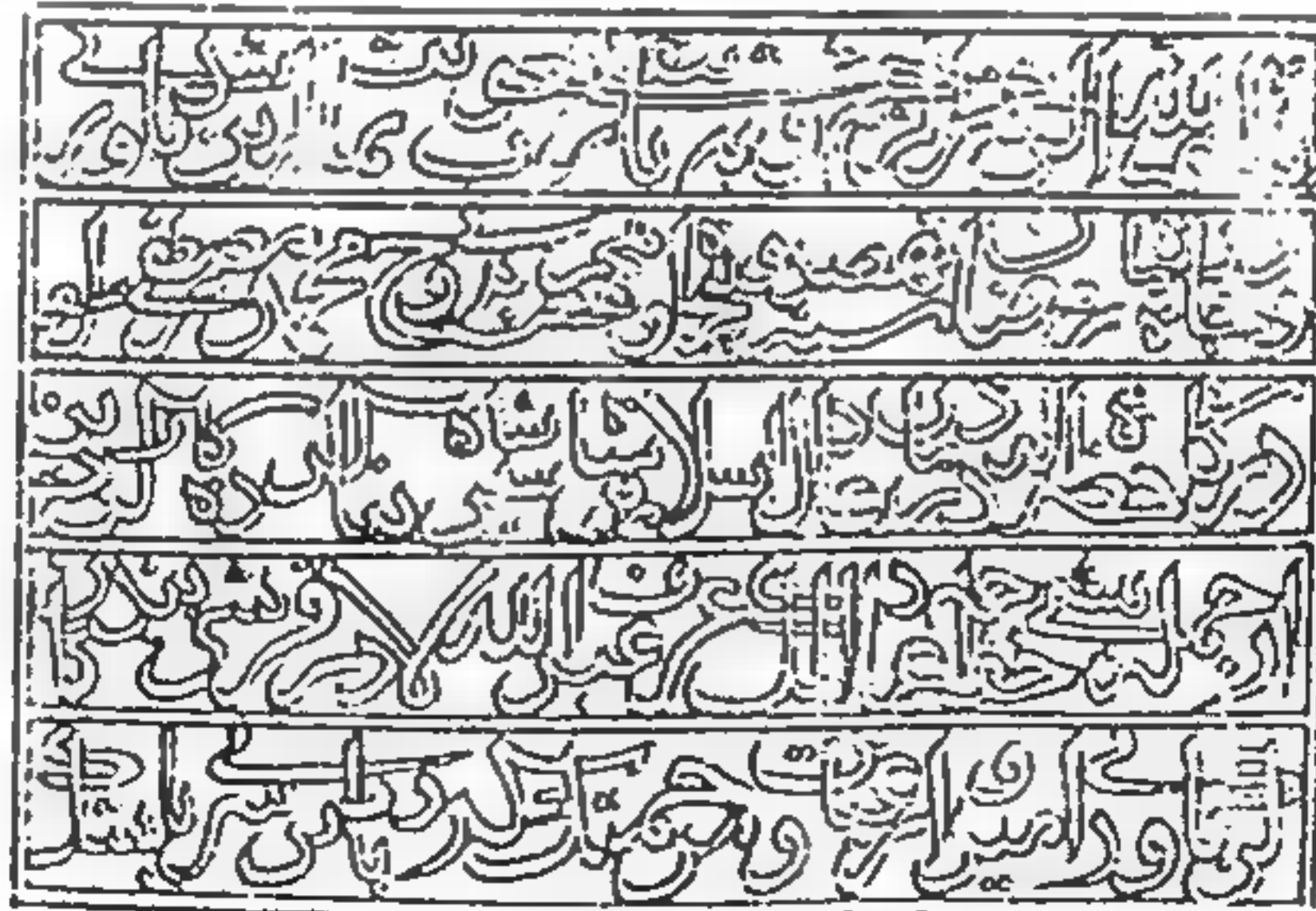
سنگ این کتبہ گم شد

اسلام شاہ کے دور میں عماد الملک عرف خواجہ عبداللہ نے ۹۵۲ھ مطابق ۱۵۴۵ء میں ایک کنواں تعمیر کروایا یعنی اس کے چھ سال بعد اس کنواں پر باولی بنادی گئی جب شاہ جہاں نے شاہ جہاں آباد شہر تعمیر کروایا تو یہ باولی شہر میں آگئی اور گردونواح لوگ آکر آباد ہو گئے اور ایک پورا محلہ بن گیا باولی پر ایک کتبہ بھی نصب تھا۔

مقبرہ سلطان غازی

حضرت خواجہ قطب الدین مختاور کاکیؒ کی درگاہ سے تقریباً تین میل مغرب کی طرف سلطان ناصر الدین محمود المعروف سلطان غازی جو سلطان شمس الدین التمش کا بڑا بیٹا تھا مغرب جو لکھنوتی کا حاکم تھا۔ 626 ہجری مطابق 1228 عیسوی سلطان شمس الدین التمش کی زندگی میں وفات پا گیا۔ اسی لاش کو لکھنوتی سے دہلی میں لا کر یہاں دفن کیا گیا۔ 629 ہجری مطابق 1231 عیسوی سلطان شمس الدین التمش نے یہ مقبرہ زر کثیر خرچ کر کے اعلیٰ نمونہ پر تعمیر کروایا۔ چاروں طرف کمرے مغرب کی طرف سنگ مرمر سے مسجد تعمیر کروائی۔ اصل قبر زیریں کمرہ میں ہے جس میں اترنے کے لئے پندرہ سیڑھیاں ہیں ستون کے ذریعے ثمن برج نما چبوترہ تعمیر کیا گیا ہے۔ جس پر قرآنی آیات خط کوفی کتبہ کھدا ہوا ہے۔ اس کی چار دیواری سنگ خارا سے بہت مضبوط تعمیر کی گئی ہے۔ چاروں کونوں پر چار مینار ہیں جن پر گنبد بنائے گئے ہیں۔ یہ مقبرہ سطح زمین سے بلند تعمیر کیا گیا ہے۔ مقبرہ تک جانے کے لئے بائیس سیڑھیاں ہیں۔

سلطان غوری کا مقبرہ

قطب مینار سے مغرب کی جانب چند کلو میٹر کے فاصلہ پر ملک پور نام کی ایک بستی ہے جہاں سلطان غوری کا مقبرہ ہے سلطان غوری شمس الدین التمش کا بیٹا تھا جس کا انتقال ۱۲۳۱ عیسوی میں ہوا اور اس مقبرہ میں دفن ہوا۔ مقبرہ سنگ مرمر سے خوبصورت انداز میں تعمیر کیا گیا سلطان غوری کی وفات شمس الدین التمش کی زندگی میں ہوئی تھی اس لئے التمش میں سلطان غوری کا مقبرہ خوبصورت انداز میں تعمیر کروایا اس دور میں یہ ایک خوبصورت عمارت تھی۔

Sultan Ghori'S Tomb

Sultan Ghori (who died in 1231 A.D.) was the son of King Altamash. The tomb bearing his name has been constructed to the west of Qutab Minar in the village named Malikpur. The mausoleum is built of white marble.

مقبرہ مرزا جہانگیر

محمد اکبر شاہ بادشاہ ثانی کے بیٹے مرزا جہانگیر جب آلہ آباد میں اُن کا انتقال ہوا تو اُنکی لاش یہاں لا کر متصل صحن درگاہ حضرت نظام الدین محبوب سبحانی کے احاطہ میں دفن کیا ۱۲۴۸ ہجری مطابق ۱۸۳۲ عیسوی کے نواب ممتاز محل ان کی ماں نے یہ مقبرہ بنایا مقبرہ نرا سنگ مرمر کا ہے اور اس میں بہت باریک کام کیا ہوا ہے جالیاں بھی بہت خوبصورت ہیں اس کے دروازے میں بھی دو پٹ ایک ڈال نرے سنگ مرمر کے چڑھے ہوئے ہیں۔

نیلہ برج یا مقبرہ فہیم

یہ مقبرہ ہمایوں کے مقبرہ کے قریب ہے کوئی اس مقبرہ کو ہمایوں کے حجام کا مقبرہ منسوب کرتے ہیں بعض لوگ فہیم کا مقبرہ بتاتے ہیں لیکن قیاس یہی ہے کہ یہ مقبرہ عبدالرحیم خان خاناں نے تعمیر کروایا تھا۔ آثار الصنادید از سر سید احمد خان کے مطابق ۱۰۳۲ھ بمطابق ۱۶۲۳ء میں جب مہابت خان نے خان خاناں کو نظر بند کیا تو فہیم جو خان خاناں کے وفادار ساتھیوں میں سے تھے سازش سے مطلع کیا اور اپنے بیٹے اور چالیس ساتھیوں کے ہمراہ لڑ کر مارا گیا۔ خان خاناں نے ۱۰۳۴ھ بمطابق ۱۶۲۴ء میں یہ مقبرہ بنایا۔ یہ مقبرہ بالکل چینی کاری کا تھا یہ چینی کاری خوش رنگ خوبصورت طریقہ سے نصب تھی اس مقبرے کا گنبد نیلے رنگ کا ہے اس وجہ سے یہ نیلے برج کے نام سے مشہور ہوا۔

نیلی چھتری یا مقبرہ نوبت خان

یہ مقبرہ پرانے قلعہ کے پاس ہے جسے نواب نوبت خاں نے ۹۷۳ھ بمطابق ۱۵۶۵ء میں اپنے جیتے جی تعمیر کروایا تھا۔ اس مقبرے کا گنبد نیلے رنگ کی چینی کی اینٹوں سے بنایا گیا تھا۔ جس کی وجہ سے یہ نیلی چھتری کے نام سے مشہور ہو گیا مقبرہ کا گنبد ٹوٹ پھوٹ چکا ہے بقیہ حصہ بھی گر چکا ہے بلکہ آثار تک مٹ چکے ہیں۔

نیلی چھتری

کتبہ ہائے نیلی چھتری

اللہ اکبر	یا فتاح
بدیہہ حضرت جہانگیر شاہ اکبر	وقتی کہ بادشاہ ہفت کشور نورالدین
عجب پر فیض جارے کامرانیست	جہانگیر بادشاہ غازی از دارالخلافہ
نشیمن گاہ جنت آشیانیست	آگرہ متوجہ سیر کشمیر جنت نظیر بودند
سنہ ۱۴ جلوس جہانگیری موافق سنہ ۱۰۲۸	این مطلع را بر زبان الہام بیان گذرانیدند

کتبہ ہائے نیلی چھتری

اللہ اکبر	یا ناصر
ہمایون شاہ ابن شاہ بابر	چون آن شہنشاہ گیتی پناہ از کشمیر دلپذیر
کہ اصل پاکش از صاحب قرانیست	مراجعت نمودند و باین مکان فیض رسان
سنہ ۱۶ جلوس مبارک	نزول اجلال فرمودند حکم کردند کہ
جہانگیری موافق سنہ ۱۰۳۰	این حسن مطلع را نیز نقش نمایند

دریائے جمنا کے کنارے نکمبود گھاٹ کے نزدیک ایک چھوٹی سے بارہ دری جو بنگلہ نما تعمیر کی گئی ہے اس کے گنبد پر نیلے رنگ کی چینی کاری کا کام ہوا ہے اس وجہ سے اس کو نیلی چھتری کہتے ہیں ۹۳۹ھ مطابق ۱۵۳۲ء میں ہمایوں بادشاہ نے دریا کی سیر کرنے کے لیے یہ چھتری تعمیر کروائی اگرچہ ہندو اس چھتری کو پانڈوں کے وقت کی بتاتے ہیں مگر یہ بات درست نہیں ہو سکتا ہے کہ کسی اور ہندو عمارت سے یہ چینی کاری کی اینٹیں اکھاڑ یہاں نصب کر دی گئی ہیں کیونکہ ان

اینٹوں میں ٹوٹی پھوٹی موریتوں کے آثار ملتے ہیں۔ بیل بوٹے بھی اپنی جگہ صحیح نصب نہیں ہیں۔ ہندوؤں کی تاریخ کے مطابق راجہ جدھشٹر نے اس گھاٹ پر جگ کیا تھا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہندوؤں نے کسی اور جگہ کی بجائے اس جگ کی جگہ کو تصور کر کے چھتری بنادی ہو اور ہمایوں کے عہد میں وہی چھتری توڑ کر اس جگہ بنادی گئی ہو ۱۰۲۸ھ بمطابق ۱۶۱۸ء جب جہانگیر بادشاہ کشمیر جانے کے لیے دہلی پہنچا تو اس نے ایک کتبہ اس میں نصب کیا جب ۱۰۳۰ھ بمطابق ۱۶۲۰ء میں یہاں دوسرا کتبہ لگادیا۔

گرجا گھر
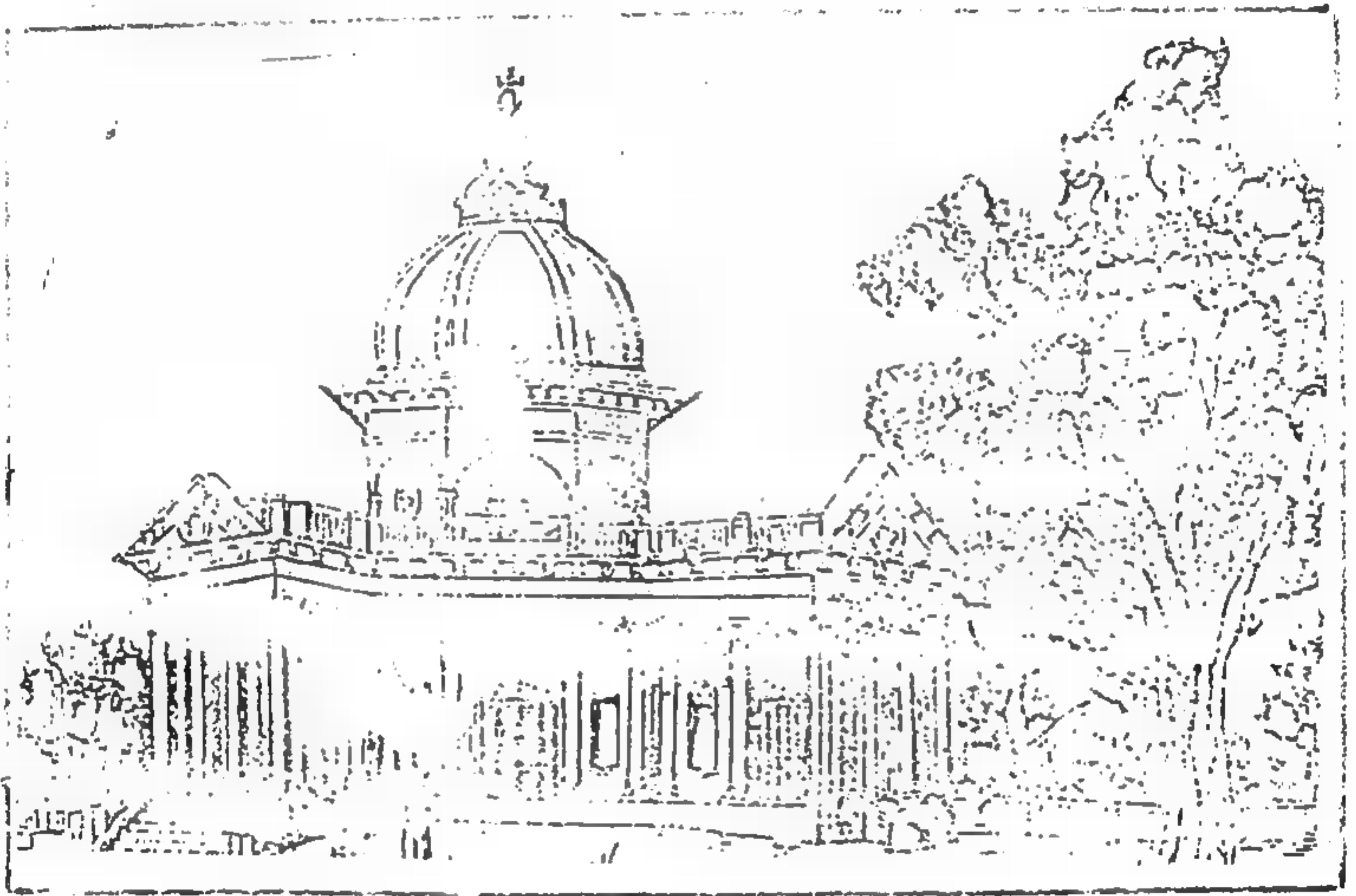
کشمیری دروازے کے باہر یہ گرجا گھر ہے۔ اس گرجا کو کرنل جمس اسکز نے 1826ء ءی میں تعمیر شروع کی جو دس سال جاری رہی گرجا گھر پر تقریباً نوے ہزار روپے خرچ ہوئے۔ سنگ مرمر جو فرش پر لگا ہے وہ اس خرچ سے علیحدہ ہے۔ یہ گرجا گھر بہت خوبصورت اور نفیس تعمیر کیا گیا ہے۔ اس کے کلس پر صلیب کا نشان خوبصورت اور سنہری ہے۔ اس کا گنبد اور اندر کے کمرے بہت شاندار ہیں اس گرجا گھر کے صحن میں ولیم فریزر کی قبر ہے۔ اس کے ار. گرد آہنی زنجیر لگی ہوئی تھی۔

جوگ مایا
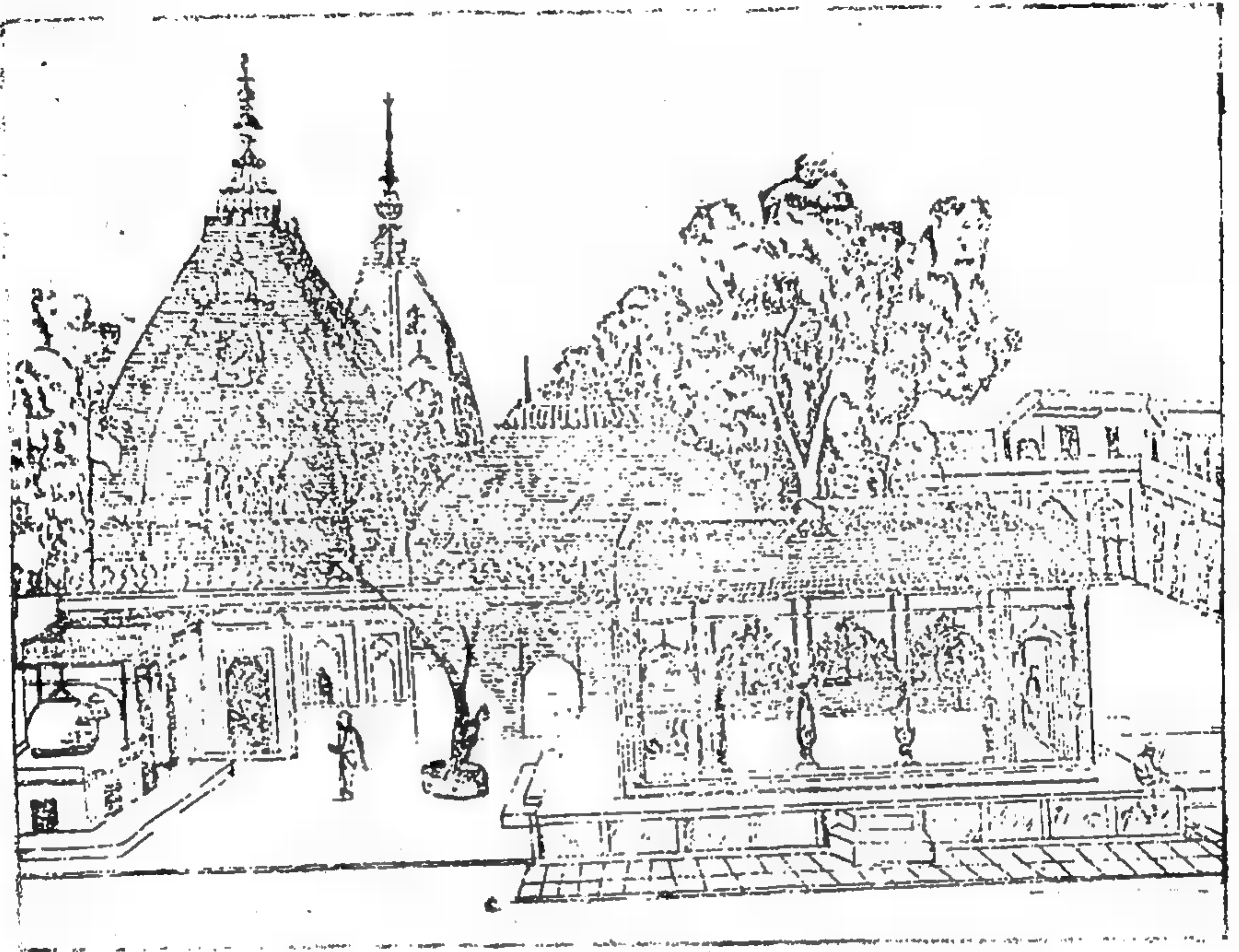
قطب صاحب کی لاٹھ کے پاس یہ مندر ہے ہندوؤں کے اعتقاد کے مطابق راکھس نے بہت سر اٹھایا تو برہمانے کرشن اوتار ہونے کی خبر دی اخیر دواپر جگ میں جس کو ہندی حساب سے چار ہزار نو سو ترپن برس ہوئے بسدیو کے یہاں دیو کی رانی کے پیٹ سے کرشن اوتار نے جنم لیا کنس کے ڈر کے مارے کرشن کو گوکل میں نند جا عرف جسودھا کے پاس ہال آئے اور جسودھا کی بیٹی کو متھرا میں اٹھالائے کنس نے اس بیٹی کو اٹھا کر زمین پر دے مارنا چاہا کہ وہ بجلی بن کر اُڑ گئی اور یہ اس کا استھان ہے یہ مندر ۱۲۴۳ ہجری مطابق ۱۸۲۷ عیسوی میں راجہ سیڈھمل نے جو اکبر شاہ ثانی کے نوکر تھے نے بنایا یہ مندر چونے اینٹ پتھر سے بنا ہوا ہے زمین سے چوٹی تک اکتالیس فٹ اونچا ہے اور کلس پر آئینہ لگایا ہے اس مندر میں بھی مورت نہیں ہے بن گڑھا پتھر ہے اور اُس کے گرد سنگ مرمر کا تھانولہ بنا ہوا ہے اُسی پتھر کو پوجتے ہیں ہر ہفتے یہاں میلہ ہوتا ہے ہندو اس مندر کو بہت مانتے ہیں۔

منڈی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اللہ

معمر بانو قدیمی جہانگیر شاہ
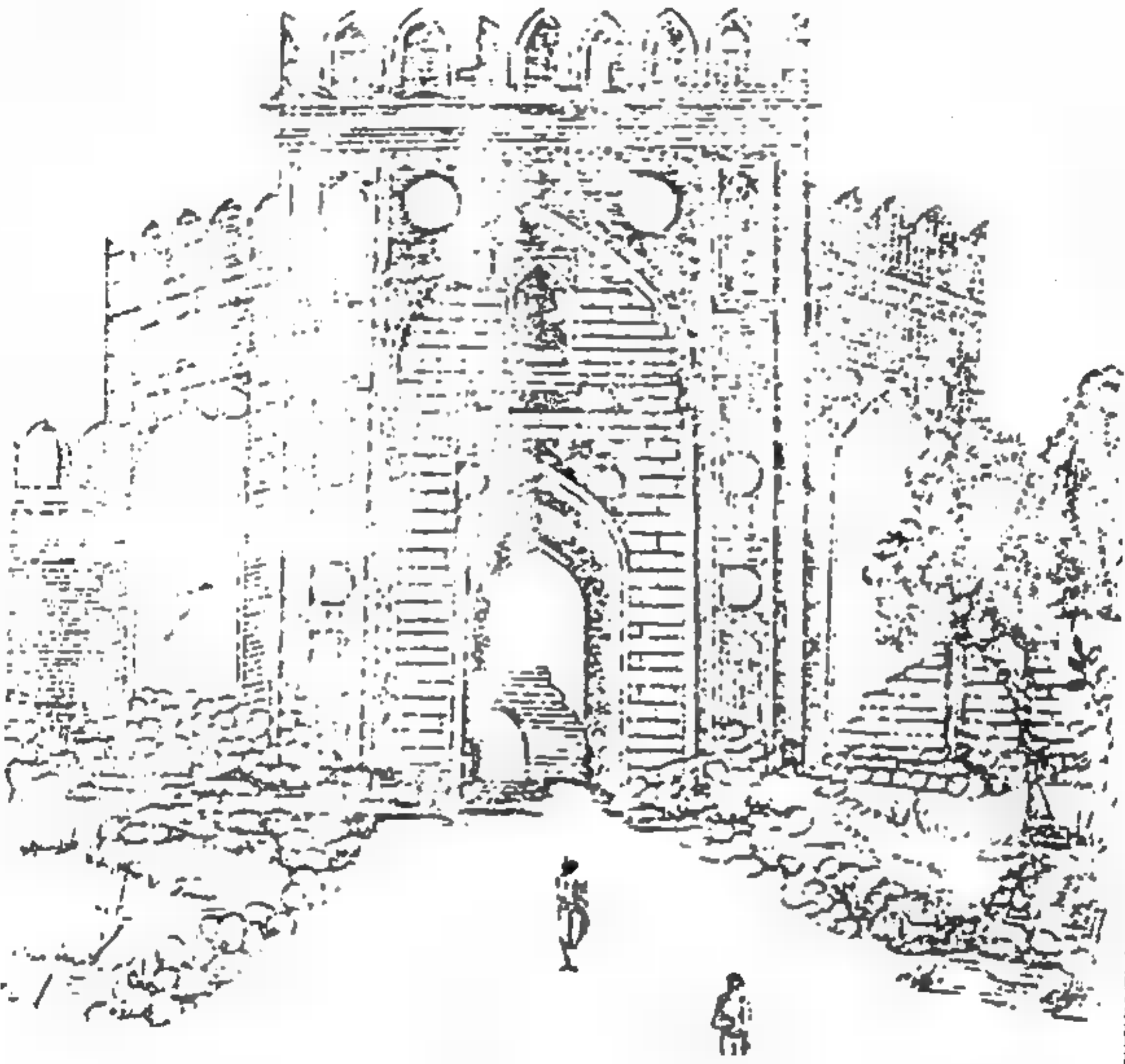
یہ منڈی مہربان آغا خان سرا کی بنائی ہوئی ہے۔ یہ منڈی پارہ پلہ کی تعمیر کے وقت ۱۰۲۱ھ بمطابق ۱۶۱۲ء میں تعمیر ہوئی منڈی کا دروازہ بہت خوبصورت تھا اس پر تعمیر کرنے والے کا نام تحریر تھا اس منڈی کے اندر ایک مسجد بھی تھی جو ٹوٹ پھوٹ چکی ہے سیڑھیاں والا کنواں بھی تھا جو بائیں کے نام سے مشہور تھا اس طرز کے کنوئیں مالوہ کی طرف تھے۔ دہلی کے علاقہ میں ایسا کنواں عجائبات میں سے تھا۔

Tughlak Fort and Tomb

It is at a distance of 12 miles south of Delhi. It was a massive stronghold built by Ghias-ud-din Tughlak on a rocky eminence in 1324 A.D. It was strange that ranges of towers and bastions rendered the stronghold practically impregnable to attack by any military method practised in the forteenth century. The fort has 13 gateways, 7 tanks and a remarkable well 80 ft. deep in the solid rocks. The defences consisted of walls rising above the rocks to a height of 40 ft. a 7 ft. Parapet and then another 11 ft. of wall. The walls were thin and solid in structure. Jama Masjid and Burj Mandir were the two most important buildings of Tughlakabad of which remains are now only traceable. It is to be noted here, that the coustruction of such colossal building being completed in two years and the name itself Burj Mandir indicates that probobly Tughlakabad was another modification of some pre-existing Hindu building.

تفصیل صفحہ 199 اور 422 پر ملاحظہ فرمائیں

مسجد قلعہ

یہ مسجد شیر شاہ سوری کے تعمیر کردہ قلعہ میں ہے شیر شاہ سوری نے **1541**ء میں اس مسجد کو شمالی دیوار کے متصل تعمیر کروایا اس زمانے میں یہ بہت خوبصورت مسجد تھی مسجد کی تعمیر سنگ مرمر اور سنگ سرخ سے کی گئی ہے مسجد کے اندر اور باہر قرآنی آیات کوفی خط میں کندہ ہیں محرابوں پر پچکاری کی ہوئی ہے۔ لفظوں کا ابھار باہر کی طرف ہے چھوٹے چھوٹے سرخ پتھروں کو تراش کر بڑی محنت سے شوق لگن سے نصب کیا گیا ہے۔ مسجد کے صحن میں حوض کے آثار بھی ملتے ہیں مسجد کی دیواریں چوڑی ہیں چھت پر چڑھنے کے لیے سیڑھیاں ہیں چھت پر گنبد بھی ہے مسجد بہت ہی خوبصورت ہے۔ اس مسجد کو اکبر نامہ میں جامع مسجد لکھا گیا ہے۔ شاہد ہمایوں کے وقت یہی جامع مسجد تھی۔ مسجد پر کہیں بھی تاریخ کا کتبہ نہیں ہے مسجد پر فارسی زبان میں چند شعر درج ہیں راقم نے کئی گھنٹے مسجد میں گزارے اور شیر شاہ سوری کی عظمت کو خراج تحسین پیش کیا جن کا وصال **1545**ء میں ہوا۔ دہلی کی قدیمی مسجدوں میں یہ مسجد قابل دید ہے۔

مرزا اسد اللہ خاں غالب
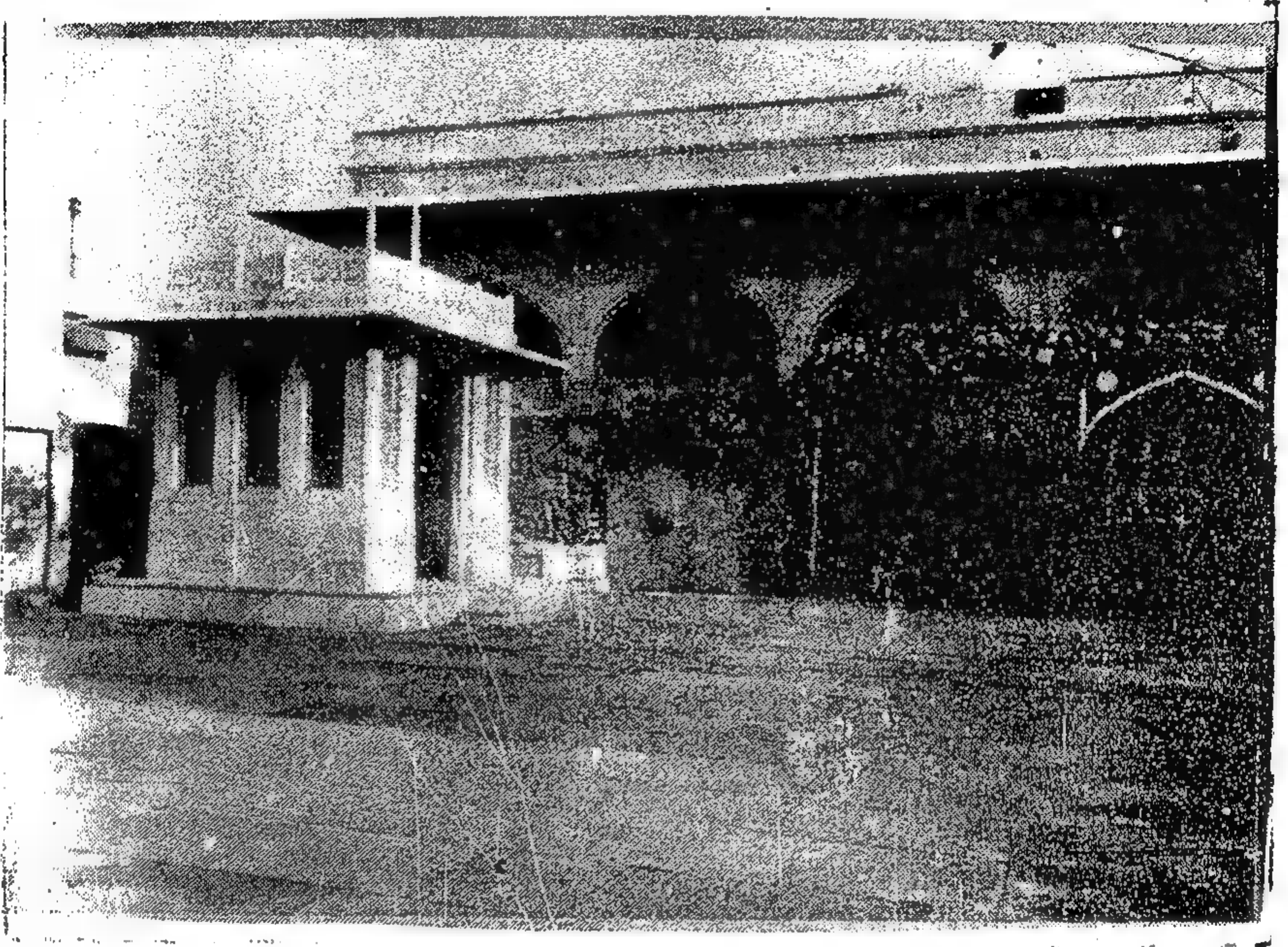
تاج محل اگرہ اور مرزا غالب کے متعلق ایک لوک کہاوت مشہور ہے کہ مغلوں نے دو یادگاریں چھوڑی ہیں ایک تاج محل آگرہ اور دوسری مرزا غالب تاج محل آگرہ کا شمار دنیا کے موجودہ سات عجوبوں میں ہوتا ہے اس طرح مرزا اسد اللہ خاں غالب کا شمار اردو زبان کے چوٹی کے شاعروں میں ہوتا ہے۔

مرزا غالب ۲۷ دسمبر ۱۷۹۷ء کو آگرہ میں پیدا ہوئے ان کے باپ کا نام مرزا عبد اللہ بیگ تھا مرزا کا نام اسد اللہ خاں مرزا نوشہ لقب نجم الدولہ دبیر الملک نظام جنگ خطاب تھا پہلے اسد تخلص کرتے تھے پھر غالب ہو گئے پانچ سال کی عمر میں والد کا انتقال ہو گیا ان کے چچا مرزا نصر اللہ بیگ نے پرورش کی ان کے چچا لارڈ لیک کے زمانہ لشکر کے رسالدار تھے اور سرکار نے دو پرگنے زمین ان کے چچا کو استعمال کے واسطے الاٹ کی تھی چچا کے مرنے کے بعد غالب کے نانا نے غالب کی پرورش کی غالب کے نانا آگرہ کے متمول خاندان میں سے تھے مرزا کی پرورش بہت ناز و نعم سے ہوئی نانا نے غالب کی تربیت مرے اچھے طریقے سے کی ان کے استاد نظیر اکبر آبادی تھے جو اردو شاعری میں ایک خاص رنگ کے استاد مانے جاتے تھے ایک اور فارسی کے عالم محمد معظم آگرہ کے

سب سے مشہور عالم مانے جاتے تھے غالب کے استاد تھے غالب فارسی زبان اور اردو ادب کا شوق انہی نے پیدا کیا غالب کے کئی شاعری کے مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

بہادر شاہ ظفر نے ان کو تیمور خاندان کی تاریخ لکھنے کا حکم دیا تھا اس سلسلہ میں انہیں پچاس روپیہ اور بھی ملتے تھے غدر کے بعد یہ تنخواہ بند ہو گئی اور بہادر شاہ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے پنشن بھی جاتی رہی۔

دو برس انہوں نے بڑی تکلیفوں سے کاٹے اس کے بعد ریاست رام پور گئے اور نواب یوسف علی خاں ناظم نواب رام پور نے ان کی دو سو روپے تنخواہ مقرر کر دی۔

نواب الٰہی بخش خاں معروف کی بیٹی سے شادی ہو گئی تھی اس وجہ سے آگرہ چھوڑ کر دہلی میں آکر رہنے لگے لیکن دہلی میں گھر کبھی نہیں بنایا ہمیشہ کرائے کے مکان میں رہتے رہے۔ کچھ عرصہ یہاں کالے صاحب کے مکان میں بغیر کرائے کے رہے تھے۔ جب ایک مکان سے جی اکتایا اُسے چھوڑ کر دوسرا مکان لے لیتے۔ مگر قاسم جان کی گلی یا اُسکے قرب وجوار کے سوا کسی اور کوچہ جا کر نہیں رہے۔ سب سے اخیر مکان میں ہی انکا انتقال ہوا حکیم محمود خاں مرحوم کے دیوان خانے کے متصل مسجد کے عقب میں تھا جسکی نسبت وہ کہتے ہیں۔

مسجد کے زیر سایہ اک گھر بنایا ہے ---- یہ بندہ کمینہ ہمسایہ خدا ہے

آخر عمر میں بڑھاپے کی وجہ سے بہت پریشان ہو گئے تھے۔ آخر تہتر برس کی عمر میں ۱۵ فروری ۱۸۶۹ء کو وفات پائی اور بستی نظام الدین اولیاء چونسٹھ کھمبے کے پاس قبرستان میں مدفون ہوئے۔ غالب کا مقبرہ سنگ مرمر سے تعمیر کیا گیا اور چار دیواری بھی ہے۔

غالب اکیڈمی اور ایوان غالب
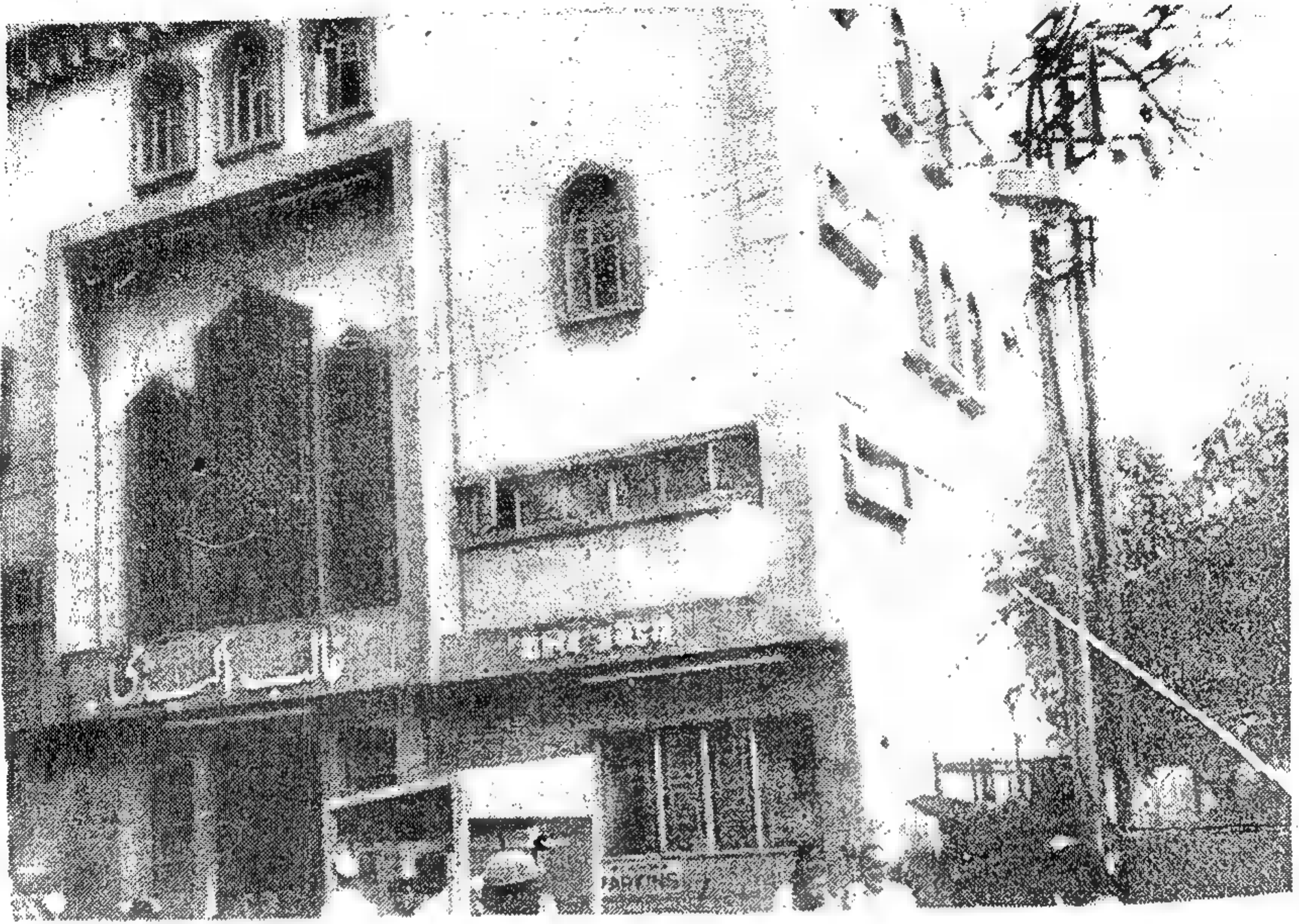
بستی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب سبحانی" کی درگاہ کی طرف جائیں تو راستہ میں مرزا اسد اللہ خان غالب کا مزار آتا ہے مزار کے قریب چونٹھ کھمبا کے نزدیک غالب اکیڈمی کی شاندار عمارت ہے غالب اکیڈمی کے مغرب کی جانب لکڑی کا بہت بڑا دروازہ ہے یہ دروازہ کسی راجے یا نواب کے محل کا معلوم ہوتا ہے غالب اکیڈمی کی عمارت ہمدرد دواخانہ کے مالک حکیم عبدالحمید نے جو حکیم سعید کراچی والے کے بھائی ہیں نے غالب پر تحقیق کے لیے ہوائی ہے۔ راقم غالب اکیڈمی کے کتاب خانہ کے لئے اپنی تحریر کردہ کتب تین دفعہ پیش کر چکا ہے۔ غالب اکیڈمی میں غالب پر شائع ہونے والی کتب کے علاوہ کتابوں اور رسائل پر مشتمل ایک نادر کتب خانہ اور عجائب گھر موجود ہے۔ غالب اکیڈمی کے سیکرٹری عقیل صاحب بھی جو علمی ادبی شخصیت ہیں دہلی کے ادیبوں شاعروں طالبعلموں کے درمیان گھرے رہتے ہیں۔ اسے لحاظ سے عقیل صاحب کے ساتھ غالب اکیڈمی علم وادب کا گہوارہ ہے۔

غالب اکیڈمی کے مشرق کی جانب چار دیواری کے اندر غالب کا مقبرہ ہے جو سفید سنگ مرمر سے تعمیر کیا گیا ہے اس احاطہ میں کئی شاعروں ادیبوں نامور شخصیتوں کی قبریں تھیں۔ جن کے نشان مٹ چکے ہیں بڑھتی ہوئی آبادی اور قبضہ گروپوں نے پرانی دہلی کے کئی قبرستان صفحہ ہستی سے مٹا دیے ہیں۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ

؎ نہ ہے قبر دارانہ گور سکندر مٹے ناموں کے نشان کیسے کیسے

مقبرہ غالب کی پائنتی اس کے منہ بولے فرزند نواب زین العابدین عارف التوفی 1852ء کی ابدی آرام گاہ ہے۔ جن کے بارے غالب نے ایک مرثیہ لکھا تھا اس کا ایک شعر

؎ ہاں اے فلک پیر جواں تھا ابھی عارف کیا تیرا بگڑ تا نہ مرتا کوئی دن اور

دیوان غالب کے علاوہ ماتا سندری روڈ پر ایوان غالب ایک عظیم ادارہ ہے جو غالب کے بارے تحقیق کے لیے کام کر رہا ہے۔ سفر نامہ ہند از پروفیسر محمد اسلم کے مطابق بھارت کے سابق صدر فخر الدین علی احمد کی والدہ رقیہ سلطان (م 1956ء) غالب کے منہ بولے بیٹے زین العابدین عارف کی پوتی تھیں اس لیے فخر الدین علی احمد کے دل میں غالب کی بڑی عزت تھی۔ انہوں نے اپنے دور وزارت میں یہ ادارہ قائم کیا ان کے

دور صدارت میں پروان چڑھا ایوان غالب میں شاندار لائبریری اور عجائب گھر ہے۔

کسی فنکار نے بڑی محنت کے ساتھ دلی کا آخری یادگار مشاعرہ کی تمثیل بنائی ہے غالب، ذوق، مومن، شفیتہ اور ازردہ جیسے شعراء کے مجسمے بنائے گئے ہیں اور انہیں اسی عہد کے لباس میں مشاعرہ میں بیٹھے دکھایا گیا ہے۔ غالب ہندوستان کا قومی شاعر ہے۔ یوم غالب حکومتی سطح پر منایا جاتا ہے۔ اور یہ تقریبات کئی روز جاری رہتی ہیں۔ بھارت کے اخبارات غالب کے بارے خصوصی ضمیمے شائع کرتے ہیں۔

راقم ایم زمان کھوکھر غالب اکیڈمی کے سیکرٹری عقیل احمد کو اپنی تحریر کردہ کتب پیش کر رہے ہیں۔

دہلی کی وجہ تسمیہ اور دہلی کے مشہور قلعے اور اُن کا تاریخی پس منظر

دہلی راجاؤں کی دارالحکومت اور بادشاہوں کی دارالسلطنت رہی ہے صرف آٹھ زمانے ایسے گزرے ہیں کہ ان دنوں میں یہاں دارالسلطنت نہیں رہی ایک تو وہ زمانہ ہے کہ جب راجہ ہشتر نے راجہ جرجودھن پر فتح پائی اور یہاں سے اُٹھ کر ہستناپور میں دار لحکومت قائم کیا اور سات پشت تک وہیں دار لحکومت رہا جب راجہ ڈشت وان حکمران ہوا اس کے زمانے میں گنگا میں زوردار سیلاب آیا کہ سارا شہر ہستناپور بہہ گیا تب اس راجہ نے پہلے کوشکی ندی کے کنارے دکن میں شہر آباد کرنا شروع کیا اور آخر کو پھر یہاں چلا آیا اور اسی مقام کو دارالحکومت رکھا دوسرا وہ زمانہ ہے کہ جب راجہ بکرماجیت والی اوجین نے راجہ بھگونت پر فتح پائی اور اس شہر کو چھین لیا اور دارالحکومت اوجین ہی کو رکھا اور اس شہر میں اس کی طرف سے صوبے دار رہتا تھا اس کے بعد جو گیون کی حکومت میں یہ شہر پھر دارالحکومت ہو گیا تیسرا زمانہ وہ ہے کہ جب رائے پتھورا نے اجمیر کو دارالحکومت ٹھہرایا اور دہلی میں کھانڈے راؤ اپنے بھائی کو صوبہ دار چھوڑا چوتھا زمانہ وہ ہے کہ ۵۸۷ ہجری مطابق ۱۱۹۱ عیسوی کے سلطان شہاب الدین نے فتح کے بعد قطب الدین ایبک کو سپہ سالار کو دہلی کا مقرر کیا۔

پانچواں وہ زمانہ ہے کہ جب ۷۳۷ ہجری مطابق ۱۳۳۶ عیسوی سلطان محمد تغلق شاہ کو یہ خیال آیا کہ دار السلطنت ایسے مقام کو قرار دینا چاہیے جو تمام ملک کے بیچ میں ہو اس نے دہلی کو چھوڑ کر دیو کر میں دار السلطنت کیا اور دولت آباد اس کا نام رکھا اور دہلی کے رہنے والوں کو حکم دیا کہ سب کے سب دہلی سے اٹھ کر دولت آباد میں آباد ہو جائیں یہ ایسا سخت حکم تھا کہ کوئی شخص دہلی میں رہنے نہ پائے ناچار سب لوگ دہلی کو چھوڑ کر چلے گئے اور دہلی کا یہ حال ہو گیا کہ دہلی میں ایک آدمی نام کا بھی نہ رہا یکایک دہلی ویران ہو گئی جنگل کے جانور دن رات دہلی میں رہنے لگے دولت آباد مغلوں کی سرحد سے بہت دور جا پڑا تھا اس واسطے بادشاہ نے ۷۴۲ ہجری مطابق ۱۳۴۱ء کے پھر دہلی میں مراجعت کی اور سب کو حکم دیا کہ جس کا دل چاہے دہلی میں جا کر بسے اور جس کا دل چاہے یہاں رہے پھر دہلی آباد ہوئی یہ حادثہ جو دہلی پر ہوا بہت یادگار ہے کہ اور کوئی ایسا آباد شہر اس طرح نہ ویران ہوا ہوگا چھٹا وہ زمانہ ہے کہ جب سلطان سکندر شاہ لودھی نے گوالیار لینے کا ارادہ کیا تو دہلی کو چھوڑ کر آگرہ کو دار السلطنت بنایا اور اس زمانے میں اکبر آباد میں پہلے سے ایک قلعہ نہایت مضبوط تھا اس قلعہ کو توڑ کر جلال الدین اکبر بادشاہ نے قلعہ بنایا ہے اور سلطان ابراہیم اس کے بیٹے نے بھی وہیں پائے تخت رکھا یہاں تک کہ ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ نے جب سلطان ابراہیم لودھی پر فتح پائی تو اس زمانے میں اس کا دار الخلافت آگرہ تھا اس کے بعد ہمایوں بادشاہ نے اولاً آگرہ اور آخر کار اس مقام کو تخت گاہ ٹھہرایا ساتواں وہ زمانہ ہے کہ جب جلال الدین اکبر شاہ نے آگرہ میں قلعہ بنایا اور شہر آباد کیا اور اکبر آباد کو دار الخلافت ٹھہرایا اور یہاں صوبہ دار مقرر کیا جہانگیر کے وقت تک یہی رہا۔ شاہجہان بادشاہ نے پھر دہلی پر دار الخلافت ٹھہرایا۔ آٹھواں جب شاہ جمجاہ جارج سوم کے عہد میں ستمبر ۱۸۰۳ء میں جنرل لیک سپہ سالار نے دہلی پر فتح پائی یہاں کا دار الخلافت منقطع ہو گیا اور دار السلطنت لندن سے مل گیا ہندوؤں کے وقت میں بھی یہ شہر بہت پرانا تھا اور مسلمانوں کے وقت میں بھی ہمیشہ نہایت آباد رہا جس جگہ کہ اب دہلی شہر شاہجہاں کا بسایا ہوا آباد ہے اس کے جنوب چودہ میل تک پرانے قلعے اور پرانے شہر او پرانی عمارتیں موجود ہیں جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر راجاؤں اور بادشاہوں نے اپنے زمانہ حکومت میں نئے نئے قلعے بنائے اور علیحدہ علیحدہ شہر آباد کرنے شروع کیے کہ کچھ ان میں سے آباد ہوئے اور کچھ نامکمل رہ گئے اور اس کے سوا امیروں اور سرداروں نے بھی اپنے لئے سیر گاہ اور مقبرے بنائے اکثر ان میں سے اب تک موجود ہیں۔

اندرپت
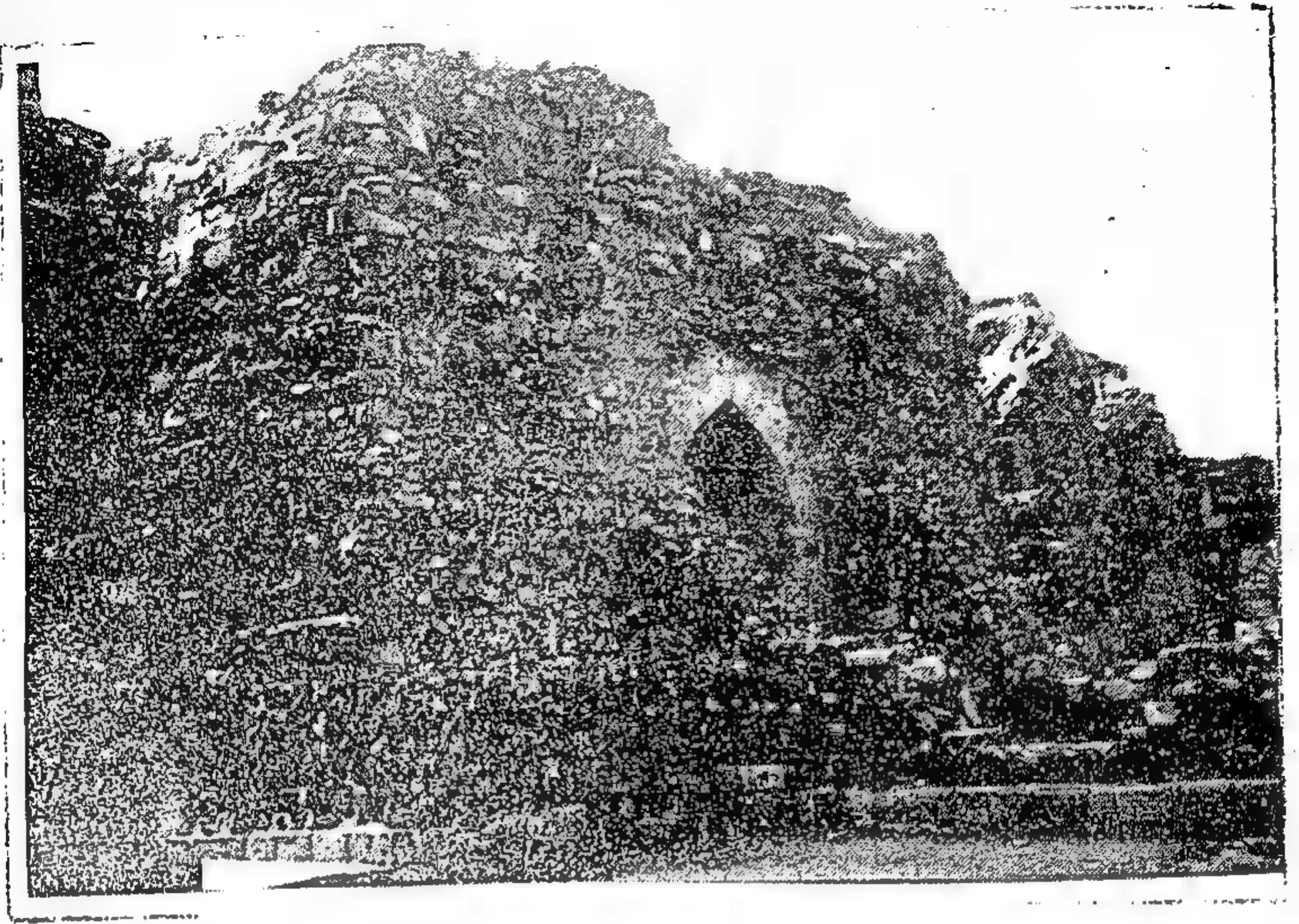
پہلے اندر پرست اس میدان کا نام تھا جو پرانے قلعہ اور خونی دروازے کے درمیان میں ہے ہندوؤں کے اعتقاد میں اندر نام ہے اکاس کے راجہ کا جو ہندوؤں کے مذہب میں ایک مقرری راجہ تھا اور پرست کہتے ہیں دونوں ہاتھوں کے لے ہوئے لبوں کو ہندوؤں کے اعتقاد میں یہ بات ہے کہ یہاں راجہ اندر نے کسی فرضی زمانے میں دونوں ہاتھ بھر کر موتیوں کا دان کیا تھا اس سبب سے اس جگہ کو اندر پرست کہتے ہیں کثرت استعمال سے اور سین حذف ہو گیا اور اندرپت مشہور ہو گیا۔ پت کے معنی صاحب، مالک اور حاکم کے ہیں جب یہ شہر آباد ہوا تو آباد کرنے والے نے نیک فال سمجھ کر اندرپت نام رکھا یعنی اس شہر کا مالک یا حاکم اندر ہے جو اکاس اور بہشت کا راجہ ہے پہلے زمانہ میں یہاں کے راجاؤں کی دارالحکومت ہستناپور تھا جو گنگا کے کنارے دہلی سے تخمیناً سو میل دور ہے جب راجہ جدہشتر اور راجہ جرجودھن میں جنگ ہوئی تو راجہ جدہشتر نے یہ شہر آباد کیا ہندی حساب بموجب یہ جھگڑا دواپر جگ کے اخیر اور کلجگ کی ابتدا یعنی تین ہزار ایک سو اکیس سال قبل از مسیح ہے مگر یہ زمانہ صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ یہ مدت طوفان سے بھی پہلے کی ہے۔ مہابھارت اور راجہ جدہشتر کی مسند نشینی ایک ہزار چار سو پچاس سال قبل از مسیح ہوئی پس اس شہر کے آباد ہونے کا یہی صحیح زمانہ ہے اگرچہ اب اس شہر کا نشان نہیں رہا لیکن شہر شاہجہاں آباد کے جنوب کی طرف دہلی دروازے کے باہر اندرپت کی زمین کہلاتی ہے۔

دہلی

راجہ دلیپ نے جو سورج بنسیوں میں اور چندر بنسیوں میں سے تھا اپنے نام پر دہلی آباد کی لیکن یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی اس واسطے کہ ہندوؤں کی تاریخ میں راجہ دلیپ کا ذکر ہے مگر کہیں دہلی کا نام نہیں بلکہ جہاں لکھا ہے اندرپت ہی لکھا ہے اور بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ ۳۰۷ ہجری مطابق ۹۱۹ء کے تنوروں کے خاندان میں سے ایک راجہ نے شہر اندرپت کے برابر دہلی شہر بسایا اور جو کہ وہاں کی زمین نرم تھی اور ہندی میں دہلی نرم زمین کو کہتے ہیں اس سبب سے وہ بستی دہلی مشہور گئی مگر اس سن میں نہ تنوروں کے خاندان میں حکومت تھی اور نہ اس سبب سے دہلی نام پڑ جانا قریب قیاس ہے۔ یہ بات بھی قابل اعتماد نہیں مشہور بات جو صحیح ہے یہ ہے کہ راجہ دہلو نے اندرپت میں اپنے نام پر شہر بسایا جب سے اس شہر کا نام دہلی مشہور ہوا بلکہ اصلی نام دہلی کا دہلو ہے چنانچہ امیر خسرو نے جلال الدین فیروز شاہ کو خطاب کر کر دہلو کا لفظ ایک شعر میں باندھا ہے۔

دین پناہ

نصیر الدین ہمایوں بادشاہ نے قلعہ کالنجر اور چنار گڈھ کی فتح کے بعد ۹۴۰ ہجری مطابق ۱۵۳۳ء کے اس قلعہ کو از سر نو درست کیا اور نئے سر سے شہر بسایا اور دینؐ پناہ اس کا نام رکھا چنانچہ اس زمانے کے تاریخ دانوں نے شہر بادشاہ دین پناہ اس کی تاریخ لکھی تھی فصیل اس قلعہ کی چونے اور پتھر سے نہایت مضبوط اور بہت چوڑی بنی ہوئی ہے لیکن اب بہت جگہ سے ٹوٹ گئی ہے اور اکثر برج بھی گر پڑے ہیں اس قلعہ کے اندر کے مکانات بھی بالکل منہدم ہو گئے ہیں پرانی عمارتوں میں سے ایک مسجد اور ایک شیر منڈل باقی رہ گیا ہے اس قلعہ کے تین دروازے بڑے اور چار کھڑکیاں ہیں ایک دروازہ اس قلعہ کا جو شمال غرب کی طرف ہے مدت سے بند ہے اور لوگ اس کو طلاقی دروازہ کہتے ہیں مشہور ہے کہ ایک دفعہ کوئی بادشاہ اس دروازے سے کسی مہم پر چڑھا تھا اور یہ دروازہ اس لئے بند کر دیا تھا کہ اگر بغیر فتح کے اس دروازے کو کھولیں تو ان پر طلاق ہے مگر یہ افواہ ہے کچھ قابل اعتماد کے نہیں اس قلعہ سے ملا ہوا جانب غرب دریا بہتا تھا اب بہت دور جا پڑا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چاروں طرف قلعہ کے دریا کا پانی پھیر دیا تھا اور دروازوں کے سامنے پل بنائے تھے چنانچہ اب تک غربی دروازے کے آگے ایک پل بنا ہوا موجود ہے شیر شاہ نے بھی اپنے زمانہ بادشاہت میں اس قلعہ کی ترمیم کی اور کچھ مکانات بنائے اور اسی سبب سے شیر شاہ کے وقت میں یہ قلعہ شیر گڈھ کے نام سے مشہور ہو گیا تھا یہ عمارت جو اب ٹوٹی پھوٹی دکھائی دیتی ہے۔

قلعہ رائے پتھورا
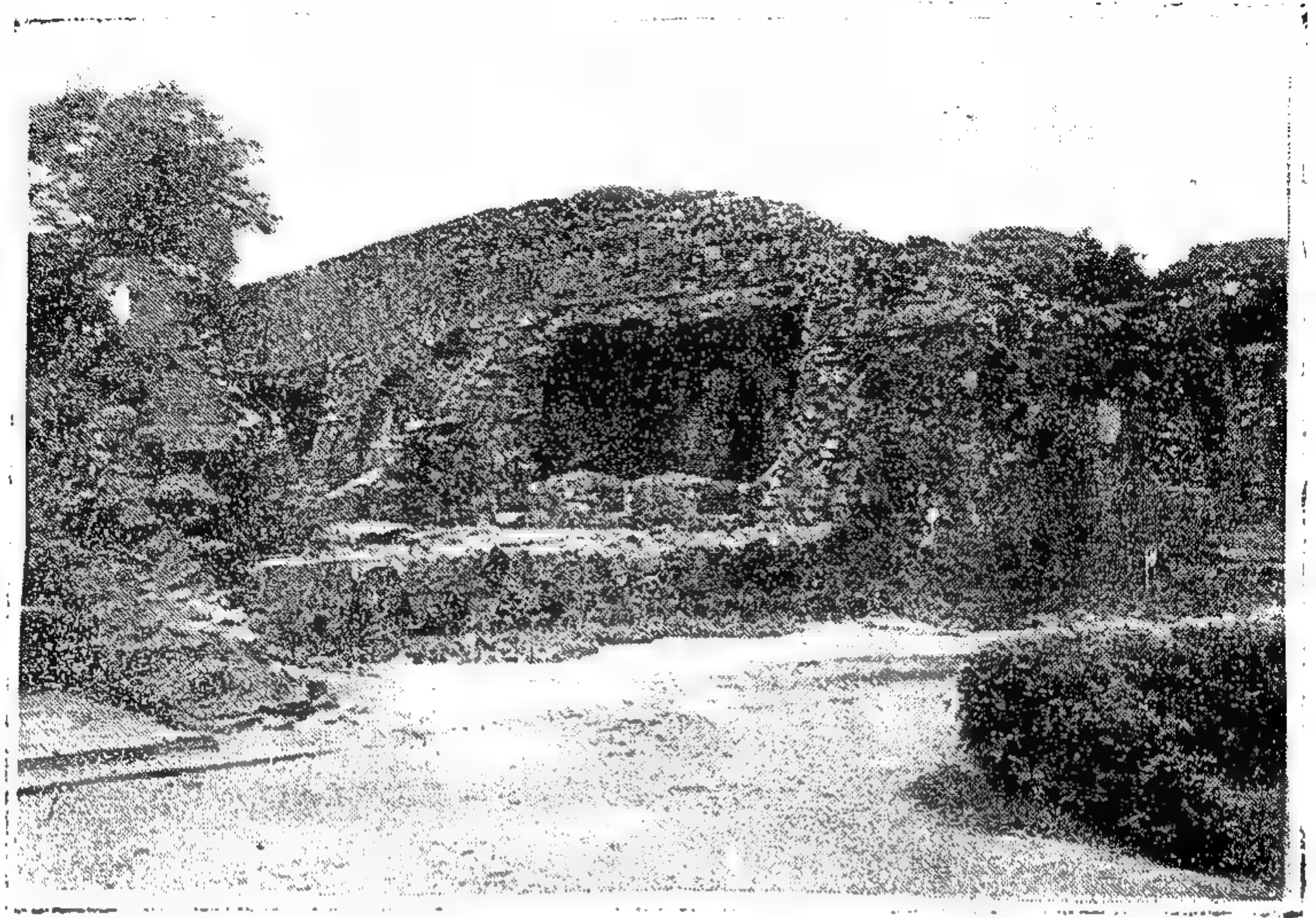
رائے پتھورا راجہ نے سمت ایک ہزار دو سو بکر ماجیت مطابق ۱۱۴۳ عیسوی موافق ۵۳۸ ہجری میں یہ قلعہ بنایا اگرچہ اس زمانے میں یہ قلعہ بالکل منہدم ہو گیا ہے لیکن کہیں کہیں ٹوٹی پھوٹی فصیل باقی رہ گئی ہے یہ قلعہ ایک چھوٹی سی پہاڑی پر بنا ہے اور اس کے گرد پہاڑوں میں خندق بنائی تھی اور اس خندق میں تمام جنگلوں کا پانی گھیر کر ڈالا تھا کہ بارہ مہینے اس میں پانی رہتا تھا اب بھی کہیں کہیں پانی کے روکنے کے لئے مد پائے جاتے ہیں دیوار غربی اس قلعہ کی کچھ کچھ قائم ہے اور اسی طرف کی خندق بھی باقی ہے اور غزنین دروازے بھی ڈھیر معلوم ہوتا قلعہ کی فصیل چوڑی ہے پہلے تو خندق کی طرف سے فصیل اور برج چنے ہیں اور جہاں اس کی اونچائی قلعہ کی زمین کے برابر ہو گئی ہے وہاں سے سترہ فٹ عرض چھوڑ کر آٹھ فٹ کے آثار سے دیوار جنی ہے اور یقین ہے کہ اسی دیوار پر کنگورے بھی ہوں گے یہ قلعہ ایک مدت تک مسلمان بادشاہوں کا دارالحکومت رہا چنانچہ سلطان قطب الدین ایبک اور سلطان شمس الدین التمش بھی اسی قلعہ میں رہتے تھے ۶۸۸ ہجری مطابق ۱۲۸۹ عیسوی میں جب سلطان جلال الدین فیروز خلجی نے کیلو کھڑی کے پاس نیا شہر آباد کیا تو یہ شہر پرانی دہلی کے نام سے مشہور ہوا۔ توزک تیموری میں جس قلعہ کو قلعہ دہلی کہنہ لکھا ہے وہ یہی قلعہ ہے۔

غزنی دروازہ

اس قلعہ کی جانب غرب میں ایک بہت بڑا دروازہ تھا معلوم نہیں کہ راجہ پتھورا کے وقت میں اس کا کیا نام تھا مگر مسلمانوں کے وقت میں اس کو غزنی دروازہ کہتے تھے اس واسطے کہ غزنی کی فوج اسی دروازے سے اس قلعہ میں داخل ہوئی تھی اس دروازے کے سوا اس قلعہ کے نو دروازے اور تھے۔

قصر سفید
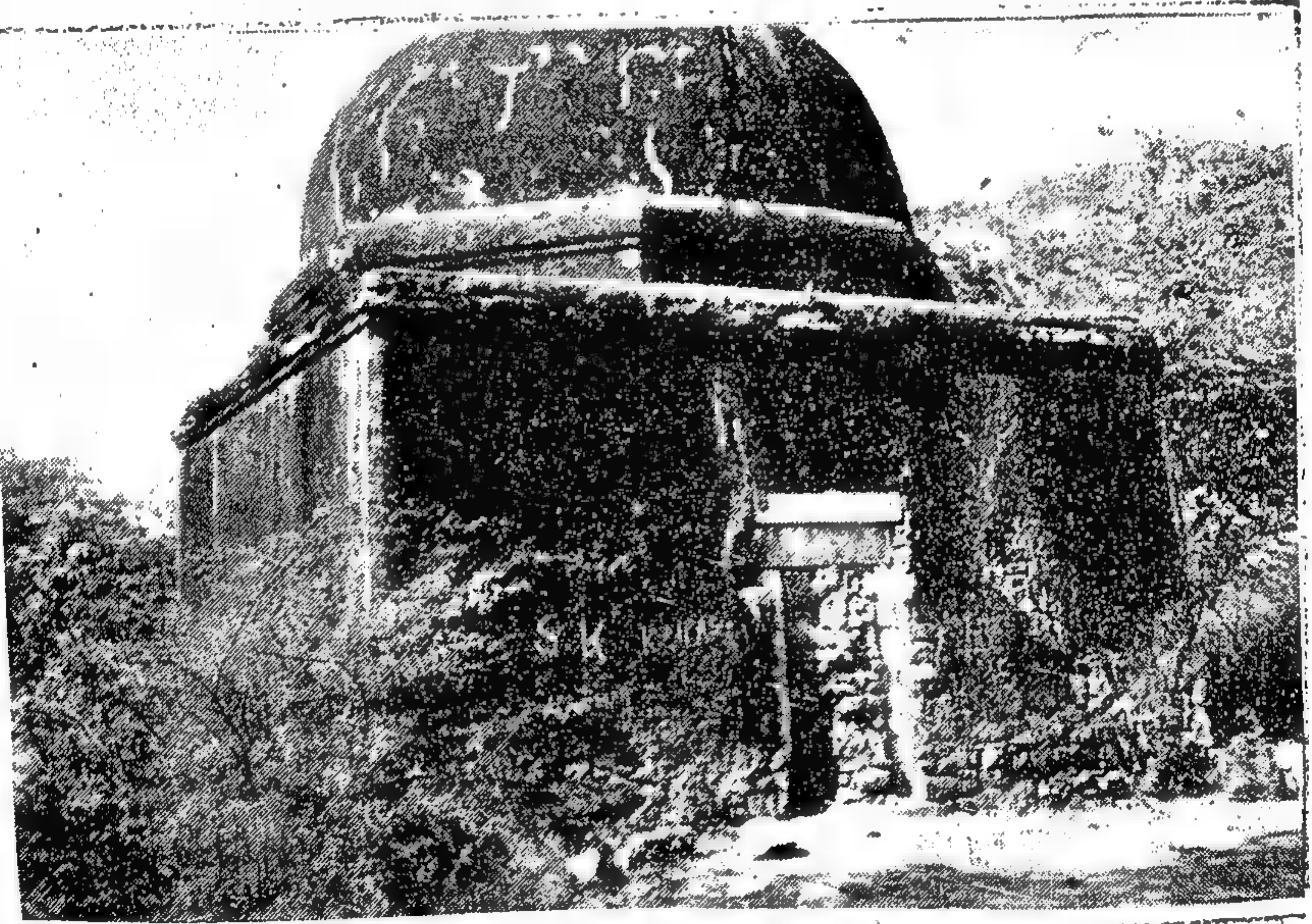
اسی قلعہ رائے پتھورا میں سلطان قطب الدین ایبک نے اپنے زمانہ بادشاہت میں جو ۶۰۲ ہجری مطابق ۱۲۰۵ عیسوی سے شروع ہوا تھا ایک محل بنایا اور اس کا قصر سفید نام رکھا اور یہ وہی قصر ہے جس میں ملک اختیار الدین الپتگین وزیر معز الدین بہرام شاہ کا عین دربار کے وقت ۶۳۹ ہجری مطابق ۱۲۴۱ عیسوی میں مارا گیا اور اسی قصر میں سلطان ناصر الدین محمود بن شمس الدین التمش تخت پر بیٹھا اور اسی قصر میں سلطان ناصر الدین کے وقت میں ۶۵۸ ہجری مطابق ۱۲۵۹ عیسوی میں ہلاکو خان کا ایلچی آیا اور اس کے اعزاز میں اتنا بڑا اور دربار ہوا کہ چشم فلک نے کبھی نہ دیکھا ہوگا اور اسی قصر میں سلطان غیاث الدین بلبن تخت پر بیٹھا مگر اب اس قصر کا نشان نہیں پایا جاتا۔

کوشک لال

اس کوشک کو سلطان غیاث الدین بلبن نے اپنے بادشاہ ہونے سے پہلے بنایا تھا اور جب وہ بادشاہ ہوا تو اسی کوشک کے پاس قلعہ مرزغن بنایا تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب سلطان جلال الدین فیروز خلجی کو پرانی دہلی کے تخت پر بٹھایا تو بادشاہ وہاں سے کوشک لال میں داخل ہوا اُمرا نے عرض کیا کہ آپ سواری پر سے کیوں اترتے ہیں سلطان نے کہا کہ یہ کوشک میرے آقا سلطان غیاث الدین بلبن کا بنوایا ہوا ہے کہ اس نے بادشاہ ہونے سے پہلے بنایا تھا مجھے لازم ہے کہ جو ادب اس کا اس زمانے میں کرتا تھا اب بھی کروں۔ یہ کوشک ۶۶۴ ہجری مطابق ۱۲۶۵ عیسوی سے دس پانچ برس پہلے کا بنا ہوا ہے مگر بادشاہ ہونے کے بعد بھی پھر بادشاہ اکثر اسی کوشک میں رہتا تھا اور سلطان علاؤالدین خلجی کو شک سیری بنانے سے پہلے اسی کوشک میں رہتا تھا اور سلطان غیاث الدین تغلق شاہ اسی کوشک میں تخت پر بیٹھا تھا اس کوشک کے عمارت کی تفصیل کسی کتاب میں نہیں ہے کس قطع کی عمارت تھی لیکن اب اس میں کچھ شک نہیں رہا کہ سلطان جی کی درگاہ کے پاس لال محل کے قریب جو عمارت مشہور ہے یہ اسی کوشک کا ایک ٹکڑا ہے یہ محل بہت خوشنما نرا سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے ستون لگا کر دو منزلہ عمارتیں بنائی ہیں۔

قلعہ مرزغن

جب سلطان غیاث الدین بلبن بادشاہ ہوا تو اس نے ۶۶۶ ہجری مطابق ۱۲۶۷ عیسوی میں اسی کوشک لال کے پاس ایک قلعہ بنایا اور اس کا مرزغن نام رکھا کہ جو غیاث پور کے نام سے مشہور ہے اور سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کا وہیں مزار ہے۔ سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں یہ دستور تھا کہ جو مجرم اس قلعہ میں جا چھپتا تھا تو وہاں سے نہ پکڑتے تھے۔

کیلوکھڑی یا قصر معزی

اس قلعہ کو سلطان معزالدین کیقباد نے ۶۸۵ ہجری مطابق ۱۲۸۶ عیسوی میں بنایا تھا اور کیلوکھڑی گاؤں کا نام تھا چنانچہ اب بھی ہمایوں کا مقبرہ اسی قلعہ کی زمین میں ہے۔ سلطان جلال الدین فیروز خلجی اسی قلعہ میں رہتا تھا اور تاریخ کی کتابوں میں اس قلعہ کا قصر معزی بھی نام لکھا ہے اور حضرت امیر خسرو نے اسی قلعہ کی تعریف قران السعدین میں لکھی۔

کوشک لال یا نیا شہر

جب سلطان جلال الدین فیروز خلجی بادشاہ ہوا اور ۶۸۸ ہجری مطابق ۱۲۸۹ عیسوی میں تخت پر بیٹھا شہر کے رئیسوں کی طرف سے مطمئن نہ تھا اس واسطے کیلوکھڑی میں رہنا اختیار کیا اور جو اس کے ناتمام عمارتیں تھیں ان کو پورا کیا اور خود دریا کے کنارے پر ایک باغ اور ایک حصار گچ اور پتھر سے اور ایک مسجد بنا کر شہر آباد کیا اور جب دہلی ویران ہونے لگی تو یہ شہر نئی دہلی کے نام سے مشہور ہو گیا اسی شہر میں یہ کوشک لال بھی تھا چنانچہ امیر خسرو نے اس کوشک کی بھی تعریف کی ہے۔

کوشک سبز

اسی کوشک کے پاس جلال الدین خلجی بادشاہ نے ایک اور محل بنایا تھا جسکو کوشک سبز کہتے تھے جب جلال الدین خلجی کو علاء الدین خلجی نے کڑہ مانک پور کی طرف دغا سے بلا کر گنگا کے کنارے کشتی سے اترتے وقت مار ڈالا تو اسکا بیٹا شہزادہ قدر خان عرف رکن الدین ابراہیم شاہ اسی کوشک میں تخت پر بیٹھا ان دونوں کوشکوں کے نشان اب نہیں بالکل ٹوٹ کر برابر ہو گئے ہیں۔

دہلی علائی یا قلعہ علائی یا کوشک سیری

یہ قلعہ علاء الدین خلجی کا بنایا ہوا ہے۔ ۷۰۳ ہجری مطابق ۱۳۰۳ عیسوی میں اس بادشاہ نے قلعہ چتور پر چڑھائی کی اور بہت سی فوج جانب تلنگا قلعہ ورنکل پر بھیجی مغلوں نے دہلی کو خالی سمجھ کر ایک لاکھ بیس ہزار سوار سے دہلی کو آن گھیرا تھا۔ زبردست لڑائی کے بعد بادشاہ کو فتح ہوئی۔ بادشاہ نے اس قلعہ کو بنایا اور پہلے اس مقام پر سیری ایک گاؤں تھا۔ اس سبب سے اسکو قلعہ سیری بھی کہتے تھے۔ اور شیر شاہ کے وقت میں یہ قلعہ کوشک سیری مشہور تھا۔ اسکی دیواریں چونے اور پتھر اور اینٹ سے نہایت مضبوطی سے بنائی تھیں اور اس قلعہ کے سات دروازے نکالے تھے۔ دوبارہ مغلوں سے لڑائی ہوئی اور آٹھ ہزار مغلوں کے سر کاٹ کر اس قلعہ کی دیوار میں پتھروں کی جگہ چن دیے تھا۔ اگرچہ یہ قلعہ بالکل منہدم ہو گیا ہے مگر قطب صاحب کو جاتے ہوئے بائیں ہاتھ کو کچھ نشان پایا جاتا ہے۔ ۹۴۸ ہجری مطابق ۱۵۴۱ عیسوی شیر شاہ نے اس شہر کو ویران کر کے نیا شہر قدیم شہر کے پاس یعنی اندرپت کے پاس دریا کے کنارے آباد کیا۔

تغلق آباد

تفصیل صفحہ نمبر 199 پر ملاحظہ فرمائیں۔

عادل آباد یا محمد آباد یا عمارت ہزار ستون

سلطان محمد تغلق شاہ عرف فخر الدین جُونا غیاث الدین تغلق شاہ کا بیٹا بادشاہ ہوا۔ اس نے ۷۲۸ ہجری مطابق ۱۳۲۷ عیسوی میں یہ قلعہ تغلق آباد کے پاس بنایا اور محمد آباد یا عادل آباد اسکا نام رکھا اور ہزار ستون سنگ مرمر کے اس میں لگائے تھے۔ اس سبب سے عمارت ہزار ستون بھی کہتے تھے۔ اور جو کہ اس بادشاہ نے اپنا لقب سلطان محمد عادل تغلق شاہ رکھا تھا اس سبب سے محمد آباد اور عادل آباد بھی کہتے تھے۔ یہ قلعہ بھی ایک چھوٹی سے بلند پہاڑی پر واقع ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکان صرف بطور سیر گاہ کے بنایا تھا کیونکہ قلعہ تغلق آباد کی جانب جنوب پہاڑوں کے بیچ میں ایک میدان ہے کہ اس میں ہمیشہ پانی رہتا تھا۔ اس بادشاہ نے پانی کی سیر کو جانب جنوب چھوٹی سی پہاڑی کہ عین اس پانی کے کنارے پر واقع تھی یہ قلعہ بنایا اور شہر تغلق آباد کے دروازے سے اس قلعہ کے دروازے تک ایک پل بنایا اور جانب غرب اس میدان کے مقبرہ تغلق شاہ بنایا ہے اور اُسکے دروازے اور قلعہ کے دروازے میں بھی پل بنا دیا ہے اور آگے قلعہ کے دیوار شمالی پر مشرف بہ

آب عمارت ہزار ستون بنائی تھی اور سنگ مرمر کے ستون لگائے تھے اگرچہ اس قلعہ کی سب عمارت بالکل ٹوٹ گئی ہے اور آس عمارت ہزار ستون کا بھی نام ونشان نہیں رہا۔ یہ عمارت ہزار ستون کی مشرف بآب اس قطع کی بنی ہوئی تھی۔ جس قطع پر کہ بارہ دری بنانے کا دستور ہے عمارت دو منزلی تھی بلکہ اگر سہ منزلی ہو تو بھی کچھ عجب نہیں اس زمانے کے مورخوں نے اس قلعہ کی تعمیر کی یہ وہی محل ہے جسکی چھت گرنے کے سبب سلطان غیاث الدین تغلق شاہ مرا تھا یہ بات بالکل غلط ہے وہ محل چھوٹا سا تین دن کے عرصے میں اس بادشاہ نے ۷۲۵ ہجری مطابق ۱۳۲۴ عیسوی میں موضع افغان پورہ کے قریب اپنے زمانہ ولیعہدی میں بنایا تھا۔

جہان پناہ
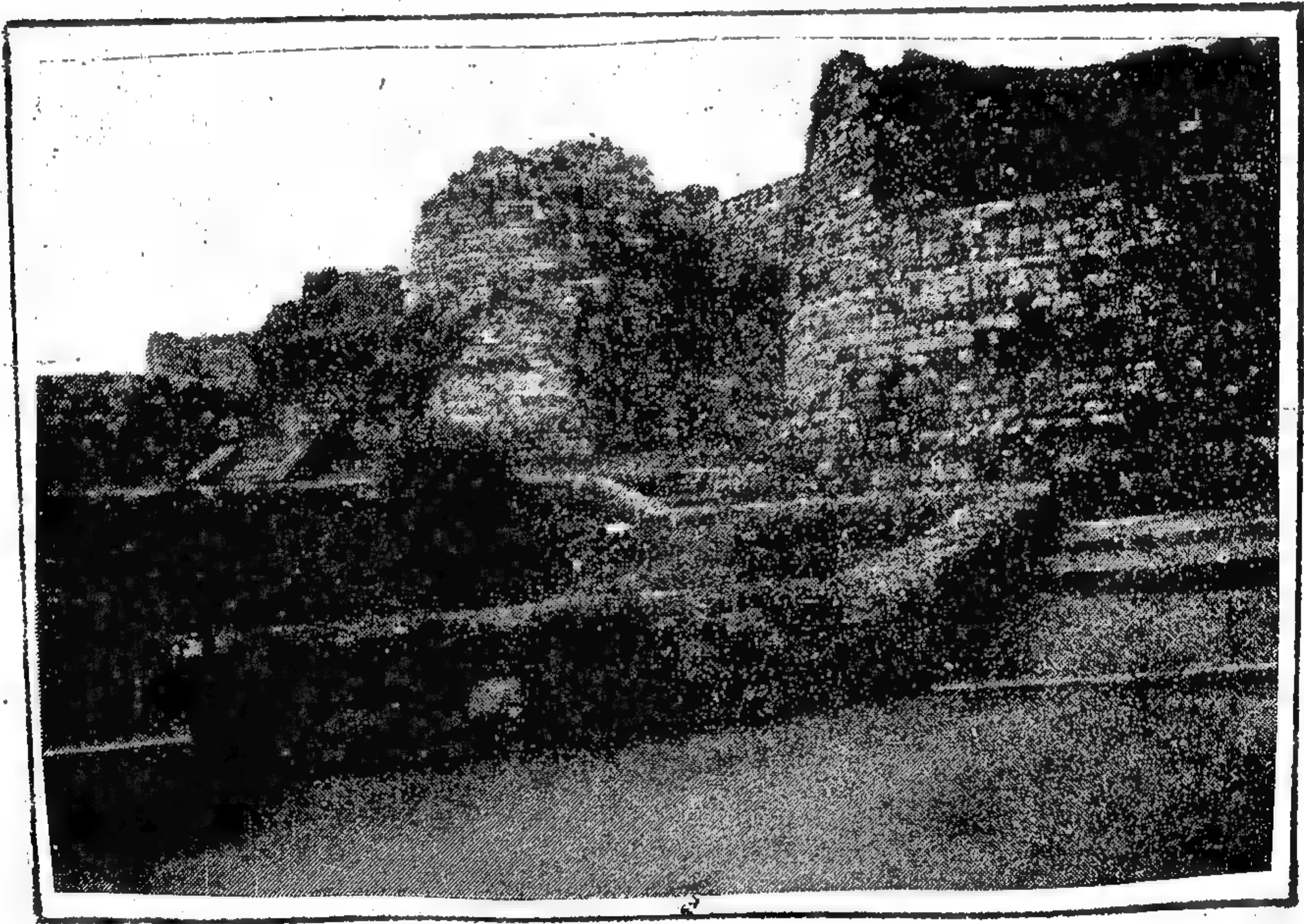
۷۲۸ ہجری مطابق ۱۳۲۷ عیسوی سلطان محمد تغلق شاہ عادل آباد کے بنانے سے فارغ ہوا تو اس نے قلعہ علائی سے قلعہ رائے پتھورا تک جو سلطان جلال الدین فیروز خلجی کے وقت سے پرانی دہلی کے نام سے مشہور تھا۔ دو دیواریں شہر پناہ کے گرد کھینچ دیں تھیں ایک سرا ان دیواروں کا اسی قلعہ علائی یا کوشک سیری سے ملا دیا تھا اور دوسرا قلعہ رائے پتھورا سے اور اسکا نام جہان پناہ رکھا تھا اور یہ تینوں قلعہ یعنی قلعہ رائے پتھورا یا

دہلی کہنہ اور قلعہ علائی یا کوشک سیری اور جہان نما مل کر ایک قلعہ ہو گیا تھا اور تینوں قلعوں کے تیس دروازے تھے۔ تیرہ جہان پناہ کے سات جنوب کی طرف مائل بشرق اور چھ جانب شمال بغرب اور قلعہ علائی یا کوشک سیری کے سات دروازے تھے چار تو باہر کی طرف کھلتے تھے تین جہان پناہ شہر کے اندر کھلتے تھے اور قلعہ رائے پتھورا یا دہلی کہنہ کے دس دروازے تھے کچھ تو باہر کی طرف کھلتے تھے اور کچھ جہان پناہ کے شہر کے اندر کھلتے تھے اور یہ بہت بڑا شہر آباد ہو گیا تھا۔ ۹۴۸ ہجری مطابق ۱۵۴۱ عیسوی کے شیر شاہ کے وقت میں ویران ہوا۔

کوشک بجی منڈل یا بدیع منزل

یہ عمارت در حقیقت ایک برج ہے قلعہ جہان پناہ کا مگر اس برج کو محمد عادل تغلق نے بہت نفیس و لطیف بنایا تھا برج کے اوپر چار دروازوں کا کمرہ اسکی دیواروں میں اوپر سے جانے کا راستہ ہے بہت خوشنما بارہ دری تھی مگر اب بالکل ٹوٹ گئی ہے۔ سلطان سکندر لودھی کے وقت میں شیخ حسن طاہر اسی برج میں رہا کرتے تھے۔ اس برج کے پاس جو قبرستان ہے وہ انکا اور انکی اولاد کا ہے۔ ۹۰۹ ہجری مطابق ۱۵۰۳ عیسوی کے انکا انتقال ہوا تھا اور شیخ ضیاء الدین خلیفہ۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کا بھی اس جگہ مزار ہے۔

کوشک فیروز شاہ

فیروز شاہ نے ۷۵۵ ہجری مطابق ۱۳۵۴ عیسوی کے دریا کے کنارے سرحد موضع کاویں میں اس کوشک کو بنایا اور اسکے متصل شہر بسایا اس کے کئی دروازے تھے۔

شہر فیروز آباد
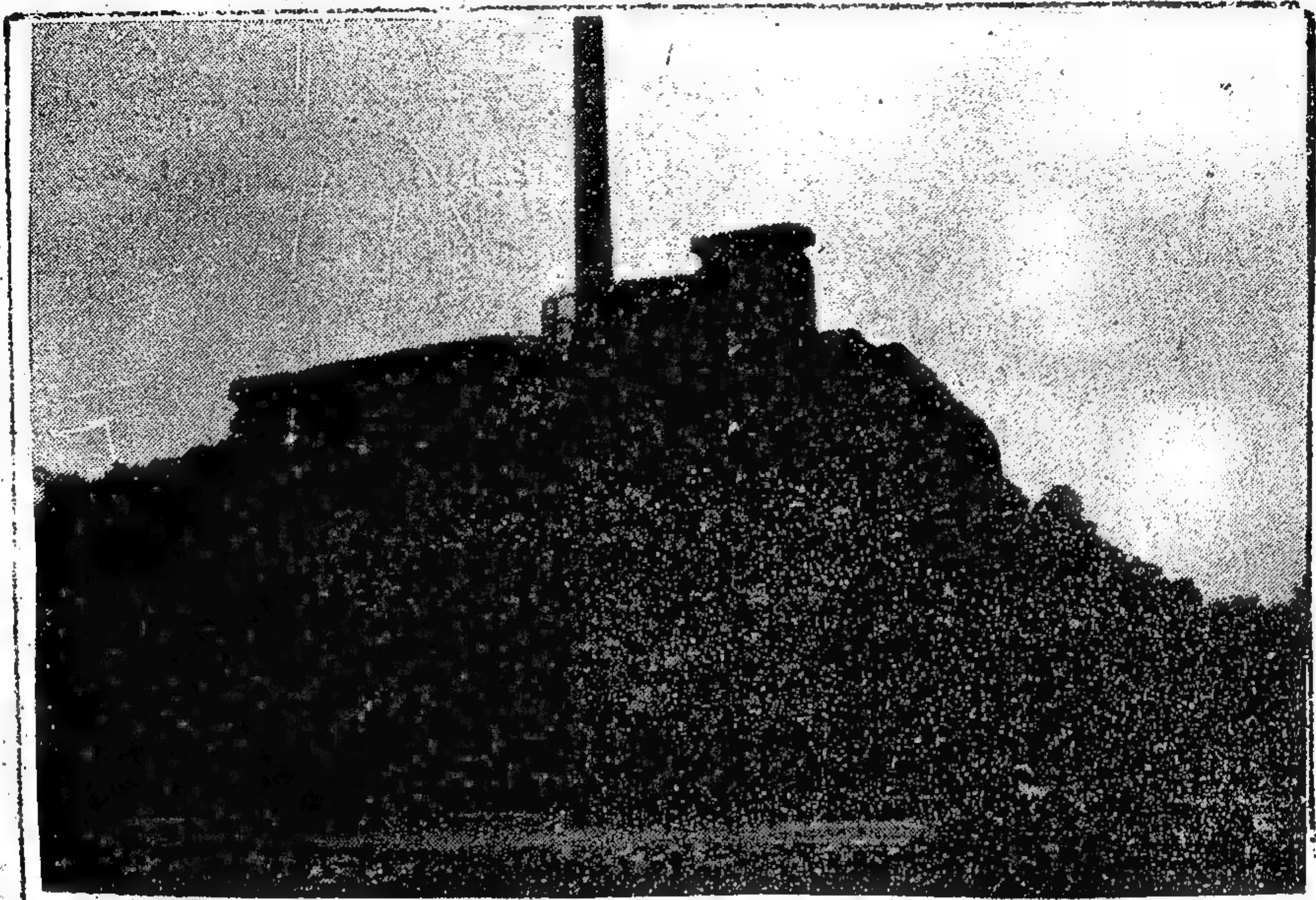
فیروز شاہ نے پُرانی دہلی کے پاس تھوڑے فاصلے پر اس قصر سے ملا ہوا ایک شہر آباد کرنا شروع کیا اور رفتہ رفتہ یہ شہر بہت بڑا اور نہایت آباد ہو گیا قطر اس شہر کا پانچ کوس طولانی تھا اب جو یہ شہر شاہجہاں آباد ہے اس میں سے بھی ترکمان دروازے کا سارا علاقہ اور بلبلی خانے کا سارا محلہ جہاں سلطانہ رضیہ کی قبر ہے اور بو جلا پہاڑی یہ سب فیروز آباد کے شہر میں داخل تھے اور کالی مسجد جو اب شہر شاہجہان آباد کی چار دیواری کے اندر واقع ہے اسی شہر میں ایک مسجد تھی۔ یہ شہر تھا کہ جب تیمور یہاں آیا تو اس نے شہر کے دروازے کے باہر پڑاؤ کیا۔

کوشک جہاں نمایا کوشک شکار

فیروز شاہ نے شہر فیروز آباد سے تین کوس کے فاصلے پر ایک اور محل بنایا تھا اور اس کا نام جہاں نمار کھا تھا اور اس کے پاس پہاڑوں کا پانی روکنے کو ایک بند پختہ بنایا تھا کہ اس کی دیواریں کہیں کہیں اب بھی موجود ہیں یہ عمارت در حقیقت شکار گاہ ہے اور کوشک فیروز شاہ سے اس عمارت تک ایک راستہ بنایا رفتہ رفتہ اس کوشک کے پاس بھی اکثر امرا نے مکانات بنائے تھے اور یہاں بھی ایک بہت بڑی آبادی ہو گئی تھی جب تیمور اول دہلی میں آیا یعنی ۸۰۱ ہجری مطابق ۱۳۹۸ عیسوی تو اسی کوشک کے مقابل لشکر اترا تھا۔

خضر آباد

دہلی سے امیر تیمور کے جانے کے بعد جب خضر خان نے ۸۲۱ ہجری مطابق ۱۴۱۸ عیسوی دریا کے کنارے ایک شہر بسایا اور مکانات بنائے مگر اب اس قلعہ کا نشان نہیں رہا موضع خضر آباد جو اس زمانے میں مشہور ہے وہی شہر خضر آباد آباد ہوا۔

مبارک آباد
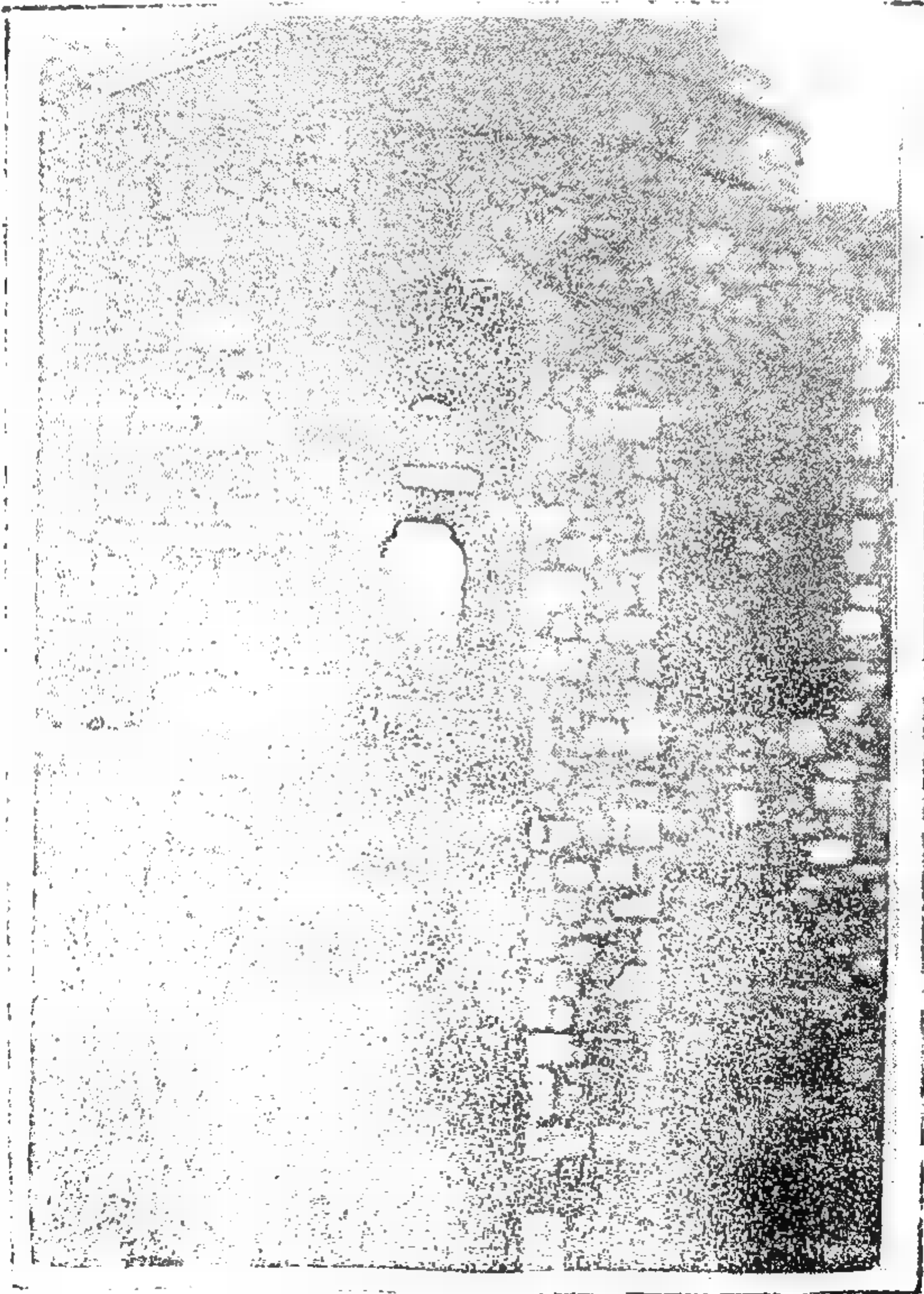
سلطان مبارک شاہ بادشاہ نے اس نے ۸۳۷ ہجری مطابق ۱۴۳۳ عیسوی کے ایک قلعہ اور شہر بنانا

شروع کیا اور مبارک آباد اس کا نام رکھا اور اس قلعہ کی عمارت دیکھنے کو خود بادشاہ جایا کرتا تھا ہنوز عمارت تمام ہونے نہیں پائی تھی کہ امرا نے مخالفت کر کے اسی قلعہ میں بادشاہ کو مار ڈالا اور محمد شاہ کو تخت پر بٹھایا اس بادشاہ کا مقبرہ صفدر جنگ کے مقبرے کے سامنے ہے۔

دہلی شیر شاہ

شیر شاہ دہلی کا بادشاہ ہوا اس نے نیا شہر آباد کیا اور اس نے دہلی علائی اور کوشک سیری کو ویران اندرپت کے پاس دریا کے کنارے پر ۹۴۸ ہجری مطابق ۱۵۴۱ عیسوی میں ایک شہر آباد کیا کہ وہ شیر شاہ کی دہلی مشہور تھی یہ شہر متصل کوٹلہ فیروز شاہ آباد ہوا تھا بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمایوں بادشاہ نے جو شہر آباد کرنا شروع کیا تھا اسی شہر کو شیر شاہ نے از سر نو آباد کیا۔

کابلی دروازہ دہلی شیر شاہ
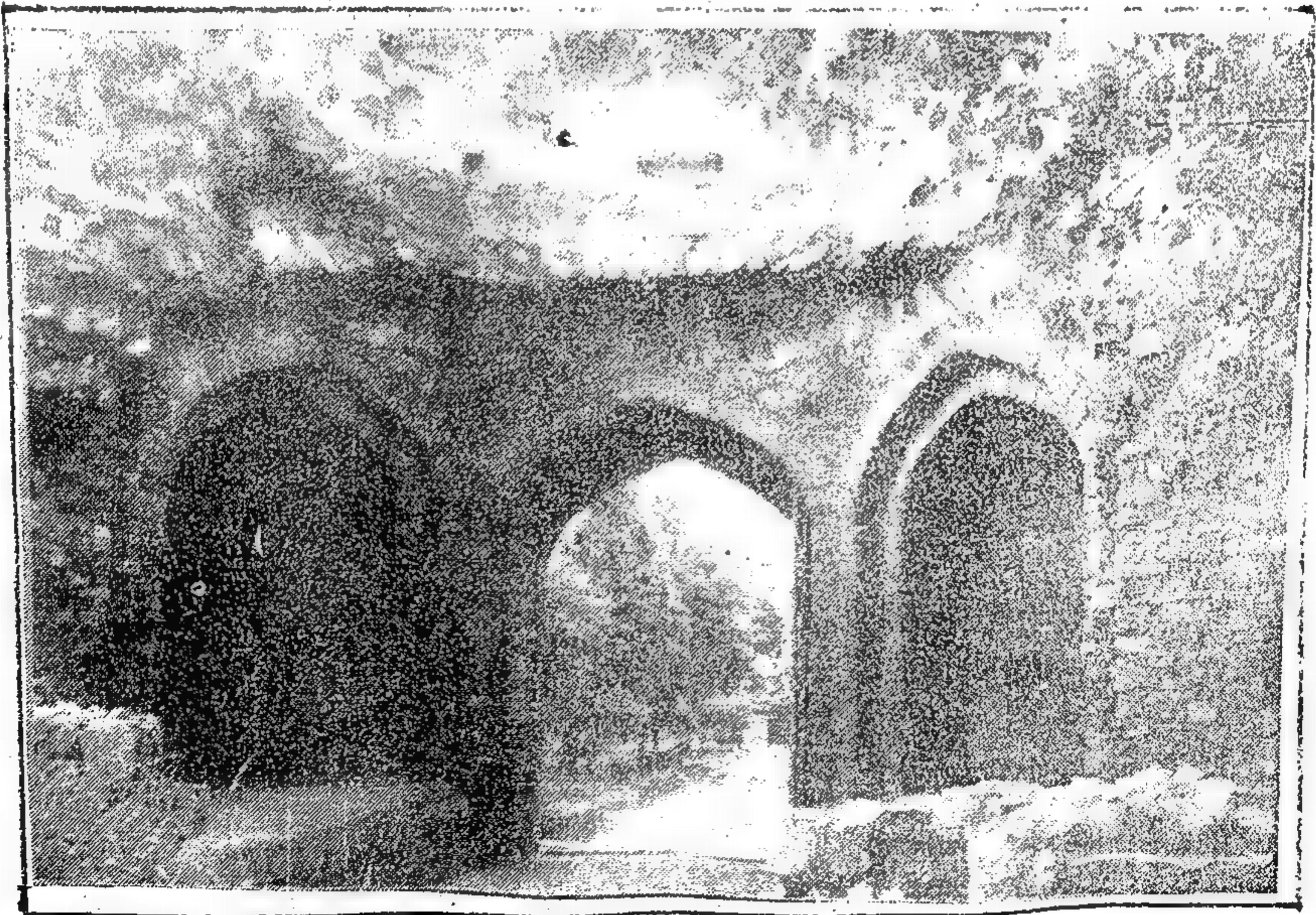
اگرچہ اس شہر کا اب کچھ نشان نہیں رہا مگر شہر شاہجہاں آباد کے دہلی دروازے کے باہر جیل خانہ سر کے متصل ایک بہت خوبصورت دروازہ قائم ہے یہ دروازہ شیر شاہ کی دہلی کا ہے اور اس دروازے سے کابل کو راہ

جاتی تھی اس واسطے کابلی دروازہ مشہور ہے یہ دروازہ چونے اور پتھر سے بہت خوبصورت بنا ہوا ہے اور دروازے پر جھرہ اور نشیمن بہت خوبصورتی سے بنائے ہیں اس دروازے پر سنگ سرخ بھی استعمال ہوا ہے جس کی وجہ سے عوام میں لال دروازے کے نام سے مشہور ہے۔

سلیم گڑھ یا نور گڑھ
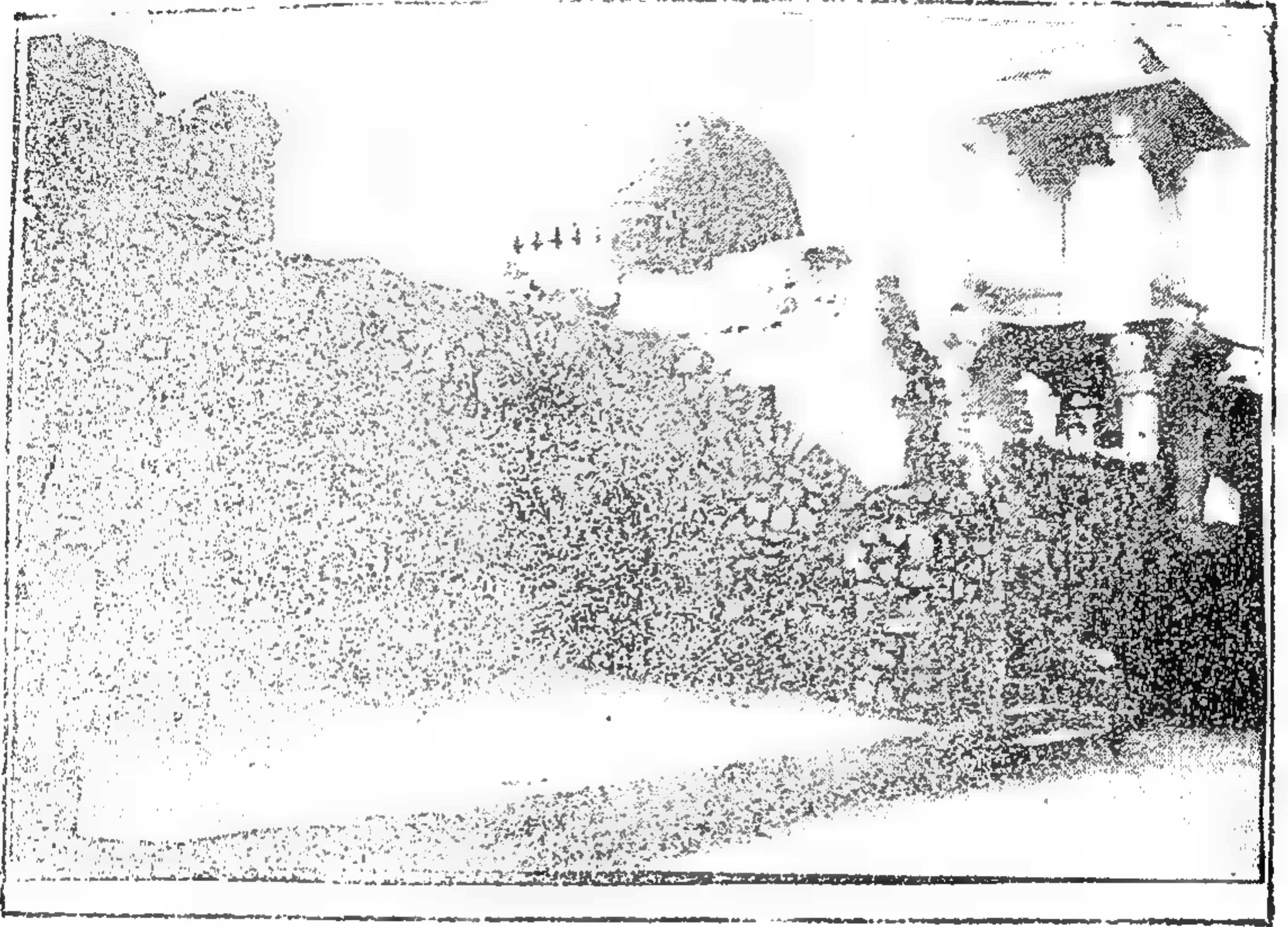
اس قلعہ کو اسلام شاہ بن شیر شاہ نے سنہ ۹۵۲ ہجری مطابق ۱۵۴۶ عیسوی سے پانچ برس کی مدت میں چار لاکھ روپیہ خرچ کر کر بنایا لیکن صرف چار دیواری بننے پائی تھی کہ اسلام شاہ مر گیا اور قلعہ یوں ہی رہ گیا جلال الدین اکبر بادشاہ کے عہد میں مرتضیٰ خان نے اس میں کچھ مکانات بنائے تھے۔ یہ قلعہ اب تک قلعہ شاہ جہاں کے شمال مشرق کو دریا کے کنارے پر موجود ہے اور جبکہ نور الدین جہانگیر بادشاہ نے اس قلعہ کے دروازے کے آگے پل بنایا اس وقت سے نور گڑھ کے نام سے مشہور ہوا۔

حضرت امام احمد رضا بریلویؒ
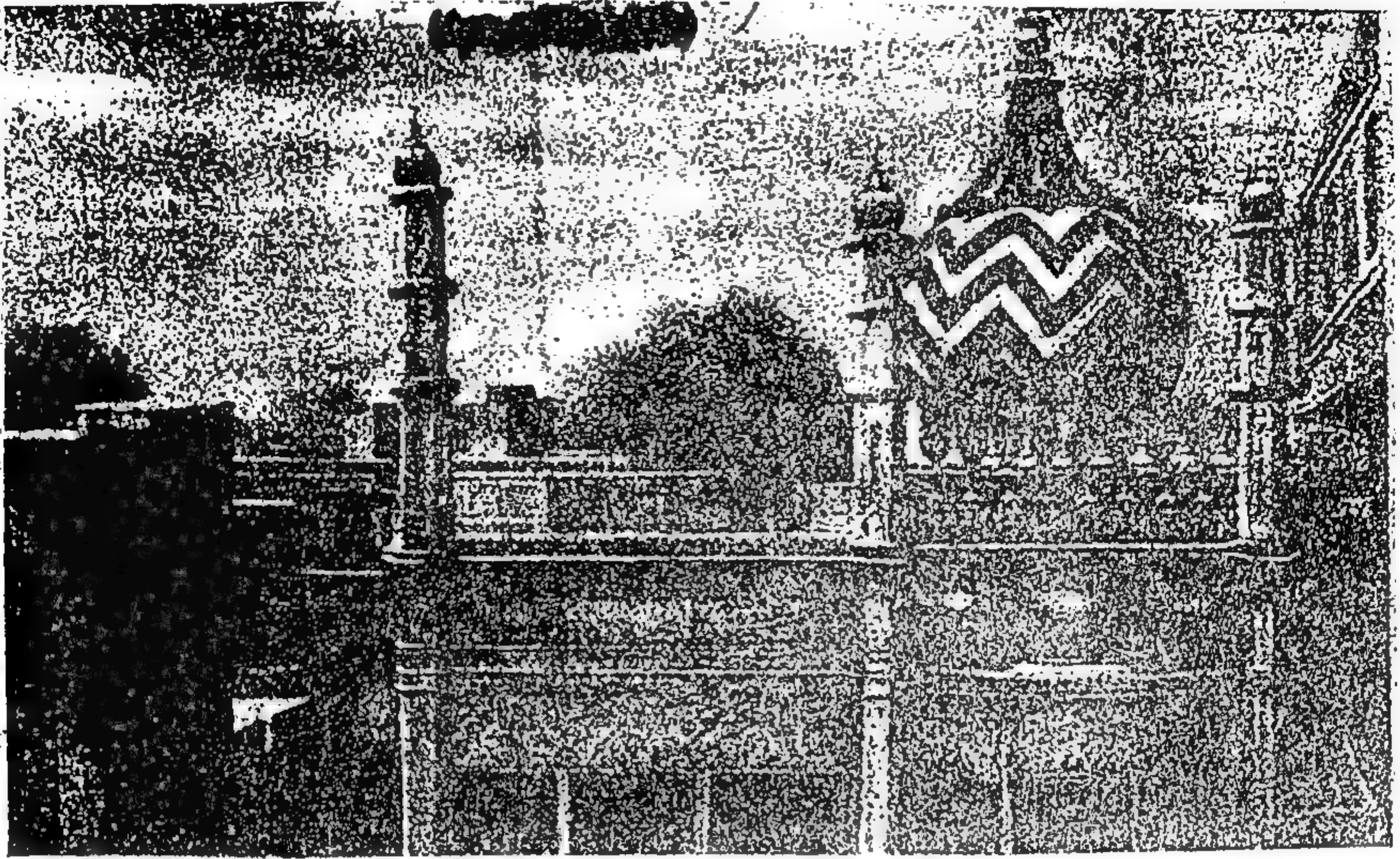
حضرت احمد رضا کی شخصیت عالم اسلام میں کسی تعارف کی محتاج نہیں ان کی علمی خدمات آسمان علم و فضل کی فضاؤں میں بادل بن کر چھارہی ہیں عصر حاضر اور ماضی قریب میں ان جیسا صاحب علم و فن اور عارف حق گوئی دوسرا نظر نہیں آتا۔وہ انقلاب ۱۸۵۷ء سے ایک سول سال قبل ۱۴ جون ۱۸۵۶ء کو ہندوستان کے شہری بریلی میں پیدا ہوئے اور بریلی کی نسبت سے فاضل بریلوی کے نام سے مشہور ہوئے چار سال کی عمر میں قرآن مجید ناظرہ اور صرف تیرہ برس دس ماہ پانچ دن کی عمر میں جمیع علوم دینیہ کی تکمیل سے فارغ ہوئے ۱۸۶۹ء میں سند فراغت حاصل کی۔

حضرت احمد رضاؒ نے اپنے والد ماجد اور اس وقت کے جید علماء سے علم حاصل کیا۔ حضرت احمد رضاؒ علوم دینیہ کی طرح علوم جدید و قدیمہ پر بھی مہارت رکھتے تھے مورخین نے تقریباً ۱۰۰ علوم و فنون میں ان کی مہارت کا ذکر کیا ہے۔ آج سے ڈیڑھ سو سال قبل جب انگریز ہندوؤں کے ساتھ سازباز کر کے ہند کی معیشت پر قابض ہوئے تو مسلمانوں کے تشخص اور تعلیمی نظام کو زبردست دھچکا لگا استعماری طاقتوں کے مذموم عزائم کی بدولت مذہبی قدریں زوال پذیر ہونے لگی تھیں اس پر آشوب دور میں اللہ رب العزت نے برصغیر کے مسلمانوں کو امام احمد رضا جیسی باصلاحیت اور مدبرانہ قیادت سے نوازا کہ جس کی تصانیف ، تالیفات اور تبلیغی کاوشوں نے شکست خوردہ قوم میں ایک فکری انقلاب برپا کر دیا امام صاحب کی شخصیت جذبہ عشق رسول ﷺ سے لبریز تھی۔

آج جبکہ ہمارا معاشرہ فروعی، لسانی اور نام نہاد فرقوں کے گروہوں میں منقسم نظر آتا ہے جبکہ دوسری طرف ہمارا دشمن

ہمیں تباہ و برباد کرنے کی گھات میں بیٹھا ہے امام صاحب کی تعلیمات سے بہرہ ور ہو کر مسلمان آج بھی ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن سکتے ہیں۔ وہ ہر کلمہ گو مسلمان قرار دیتے مگر روح اسلام کو بھی اس کے قوم و فعل میں جیتا جاگتا دیکھنا چاہتے تھے اس کے ساتھ ساتھ تاریخ و تہذیب اور تمدنی عمل کے پیش نظر وہ اس حد تک چھوٹ دیتے تھے کہ جس حد تک قول و عمل شریعت سے متصادم نہ ہوں۔ وہ پیری مریدی کے قائل اور اصلاح باطن کے لیے اسے مفید قرار دیتے ہیں مگر اس روحانی نظام کے فروغ کی آڑ میں خرافات کے ابلاغ اور غیر شرعی حرکات کے سخت خلاف تھے وہ اولیاء اللہ کے مزارات پر حصول برکت کے لیے جانا جائز قرار دیتے ہیں۔

علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد حضرت احمد رضا علوم باطنی سے فیض یاب ہونے کے لیے ہندوستان کے عظیم روحانی مرکز "خانقاہ عالیہ برکاتیہ" مارہرہ حاضر ہوئے اور حضرت سید شاہ آلِ رسول مارہروی سے ارادت مندی حاصل تھی۔ وہ میت کے ایصال ثواب کے لیے غرباء کو فوقیت دیتے ہیں اور اس کے سخت خلاف ہیں کہ برادری کے لوگوں کو بلا کر انہیں کھانا کھلانے کا اہتمام کیا جائے۔ مزار کے نام کی خیرات کرنا اور فقراء کو کھانا کھلانا افضل قرار دیتے ہیں۔ ان کا نعتیہ سلام اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ حضور اکرم نور مجسم کی بارگاہ میں شعراکرام نے اپنی اپنی حسن نیت اور توفیق الٰہی کے باعث سلامیہ قصائد لکھ کر نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے مگر حضرت احمد رضا کے سلام "مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام...... شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام کو ایسا قبول عام نصیب ہوا کہ ایک صدی گزر جانے کے باوجود آج بھی پورے برصغیر اور بلاد اسلام میں فضائیں اس کی والہانہ آواز سے گونج رہی ہیں ان کا عشق رسول لاثانی تھا انہوں نے ساری زندگی عشق رسول میں گزاری نہ صرف ان کا نعتیہ کلام بلکہ ان کی ہر تحریر عشق رسول سے لبریز ہے وہ ساری ملت اسلامیہ کو درس محبت دیتے رہے۔

حضرت احمد رضا نے قرآن مجید کا نہایت سلیس اردو زبان میں "کنزالایمان" کے نام سے ترجمہ بھی فرمایا ہے۔ حضرت احمد رضا نے عالم اسلام کی رہبری و رہنمائی کے لیے اپنی عمر کا زیادہ تر وقت فتاویٰ نویسی میں گزارہ۔ حضرت احمد رضا نے دینی اور معاشرتی اصلاح کے علاوہ میدان سیاست میں تجدیدی کارنامے انجام دیئے آپ کے افکار سے میدان سیاست کے نامور شہسواروں نے رہنمائی حاصل کی۔ امام احمد رضا نے ببانگ دہل ان انگریز نواز علماء کے خلاف علم حق بلند کیا جن کی وطن دشمنی مسلمانانِ برصغیر کی جنگ آزادی کی ناکامی کا سبب بنی تھی انہیں بجا طور پر تحریک پاکستان کے اولین فکری معمار کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔

حضرت احمد رضا نے ترجمہ قرآن "کنزالایمان" اور فتاویٰ رضویہ کے علاوہ تقریباً ایک ہزار کے قریب کتب و رسائل تحریر فرمائے ہیں جو کہ ہر علم و فن اور عنوان کا احاطہ کرتے ہیں۔ علم و عرفان کا یہ سورج اگرچہ ۱۹۲۱ء میں غروب ہو گیا مگر اس کی کرنیں آج بھی عالم اسلام کو منور و تاباں کئے ہوئے ہیں۔

حضرت خواجہ حسن نظامیؒ

خواجہ حسن نظامی ۲۵ دسمبر ۱۸۷۸ء کو درگاہ حضرت نظام الدین اولیاؒ دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ماجد سید عاشق علی اگرچہ درگاہ شریف کے مقتدر پیر زادے تھے، لیکن درگاہ کے چڑھاوں سے گزر اوقات پسند نہ کرتے تھے۔ اپنی روزی قرآن مجید کی جلدیں باندھ کر حاصل کرتے۔ اس مقصد کے لیے پیدل دہلی جا کر مطبع مجتبائی سے قرآن مجید لاتے اور ان کی جلد بندی کرتے۔ مرنے سے قبل انہوں نے اپنے بیٹے خواجہ حسن نظامی کو بھی یہی وصیت کی کہ بیٹا! ہمیشہ محنت کر کے رزق حلال سے اپنا پیٹ بھرنا۔ اگر لوگ تمہیں محنت مزدوری کرنے والے کا بیٹا کہیں تو برا نہ ماننا، البتہ درگاہ شریف کی آمدنی سے مفت میں پیٹ بھرنے والا پیرزادہ کہیں تو اسے بری بات سمجھنا کیونکہ ہمارے بزرگوں کا یہ طریق نہیں تھا خواجہ صاحب کے والد ماجد کا انتقال ہوا تو اس وقت ان کی عمر بارہ سال کی تھی۔ ایک سال قبل یعنی گیارہ سال کی عمر میں وہ اپنے والد ماجد کے ساتھ تونسہ شریف گئے تھے اور انہوں نے والد کے کہنے پر حضرت شاہ اللہ بخش تونسویؒ کی بیعت کی تھی۔ پھر چودہ سال کی عمر میں وہ بڑے بھائی کے ساتھ چاچڑاں بہاولپور میں گئے تو انہوں نے بھائی کے کہنے پر حضرت خواجہ غلام فریدؒ کی بیعت کی۔ اس سے قبل وہ دہلی میں حضرت مولانا محمد اسماعیل کاندھلوی تبلیغی جماعت کے بانی حضرت مولانا محمد الیاس کے والد، سے ابتدائی دینی کتابیں جلالین اور مشکوٰۃ تک اور مولانا عبدالعلی محدث، مولانا وصیت علی، حکمی رضی الحسن، مولانا حکیم الہ دین اور مولانا محمد یحییٰ سے سنن ابو داؤد اور ترمذی وغیرہ کتابیں پڑھ چکے تھے۔ اس کے بعد وہ مزید تعلیم کے لیے گنگوہ سہارنپور میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دو سال مدرسہ رشیدیہ رہ کر حدیث تفسیر اور فقہ کی تعلیم کی تکمیل کی یہیں انہوں نے مولانا سید انور شاہ کاشمیریؒ سے دورہ حدیث بھی کیا

علم ظاہری سے فراغت کے بعد انہوں نے حضرت پیر سید مہر علی شاہؒ کی بیعت کی۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد خواجہ صاحب نے درگاہوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ شروع شروع میں اس اصلاحی تحریک کی سخت مخالفت ہوئی۔ لیکن خواجہ صاحب پامردی و استقامت کے ساتھ اس پر ڈٹے رہے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے حلقہ نظام المشائخ کے نام سے ایک تنظیم قائم کی اور ملا واحدی کی رفاقت میں ایک ماہوار رسالہ نظام المشائخ بھی جاری کیا۔ حضرت علامہ اقبالؒ بھی حلقہ نظام المشائخ کے ممبر تھے اور ان کے خواجہ صاحب کے ساتھ بہت زیادہ مراسم تھے۔ ۱۹۱۱ء میں ایک ملاقات پر علامہ اقبالؒ نے خواجہ صاحب سے کہا کہ مسلمانوں کی یہ باہمی نااتفاقی مجھے اکثر بے چین رکھتی ہے۔ اگر آپ خاص طور پر مصر، شام، فلسطین اور حجاز وغیرہ اسلامی ممالک میں جا کر وہاں مسلم اکابر سے ملیں اور ان سے مسلمانوں کے اتحاد کے سلسلے میں

گفتگو کریں تو یہ بات بہت مفید ثابت ہو سکتی ہے کیونکہ اتحاد کے بغیر مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ ممکن نہیں ۔علامہ سے اس ملاقات کے بعد خواجہ صاحب نے اسلامی ملکوں کے دورے کا پروگرام بنایا اور مصر، عراق، شام، فلسطین اور حجاز وغیرہ ممالک میں جا کر تمام مسلم اکابر سے ملاقاتیں کیں اور ان سے تفصیلی تبادلہ خیالات کیا۔

خواجہ حسن نظامی کو قدرت کی طرف سے جو بھی ادبی صلاحیت عطا ہوئی تھی، انہوں نے وہ تمام تر دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے صرف کی۔ یوں تو خواجہ صاحب کی تمام عمر خدمت اسلام میں گزری لیکن ان کا ایک بڑا کارنامہ تحریک شدھی کو ناکام بنانا تھا۔ خواجہ صاحب انسداد ارتداد کے لیے پوری قوت کے ساتھ میدان میں اترے اور مسلمانوں میں اسلام کی سمجھ بوجھ پیدا کرنے کے لیے ہر گاؤں اور قصبہ میں گئے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے کروڑوں کی تعداد میں ہینڈ بل، پوسٹر اور پمفلٹ شائع کر کے متاثرہ علاقوں میں مفت تقسیم کیے۔ خواجہ صاحبؒ سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے وہ جلیل القدر بزرگ تھے جنہوں نے اپنے تعلیم یافتہ اور روشن خیال خلفاء کو متحدہ ہندوستان کے اکثر مقامات کے علاوہ ایران، ترکستان، افغانستان، سوئٹزر لینڈ، سان فرانسسکو، روم، فرانس اور امریکہ میں بھی بھیجا، ان ممالک میں جا کر ان کے خلفاء نے اسلام کی گرانقدر خدمات انجام دیں۔

بشکریہ روزنامہ نوائے وقت، ۴ جون ۱۹۹۹ء مضمون نگار: ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی

آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے دربار کی آخری جھلک

ہندوستان میں مغل حکمرانوں نے بڑی شان و شوکت سے حکومت کی۔ ان کے دربار میں جاہ جلال عظمت ٹپکتی تھی دوسرے مغل بادشاہ کے ساتھ ساتھ بہادر شاہ ظفر نے تاریخ میں اہم مقام پایا۔ انگریزوں نے ان پر مقدمہ بھی قائم کیا۔ ایک زمانہ تھا کہ ہندوستان میں مغل، بادشاہ کی حیثیت میں داخل ہوئے تھے۔ بابر ہمایوں نے لودھی سلطنت کا چراغ گل کیا تھا یہاں وہ وقت بھی آیا کہ مغلوں کی حکومت کا چراغ بھی جھلملا جھلملا کر خاموش ہو گیا۔ بہادر شاہ تیموری خاندان کے آخری شہنشاہ تھے اور انکا نام سراج الدین تھا۔ سراج عربی زبان میں چراغ کو کہتے ہیں۔ مغل سلطنت کا چراغ بجھ گیا۔ اور بہادر شاہ ظفر دوامی طور پر تخت دہلی سے محروم کر دیئے گئے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں دہلی شہر تمام قوم پرست قوتوں کا مرکز بن گیا تھا۔ اگرچہ جنگ آزادی کی ابتداء امیر ٹھ سے ہوئی لیکن وہاں کی باغی افواج نے سب سے پہلے دہلی کا رخ کیا یہی حال اور شہروں کا تھا کہ جہاں جہاں

فوجیں باغی ہوتی تھیں سیدھا دہلی کا رخ کرتی تھیں۔ کیونکہ دہلی میں مغلیہ سلطنت کے چار بادشاہ موجود تھے۔ جن کو ہندو مسلمان صدیوں کی روایات کی بناء پر دلوں میں اپنا بادشاہ سمجھتے تھے اور انکی مجبوری و محصوری سے دل ہی دل میں کڑھتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ جنگ آزادی اور بغاوت کے بعد ہر شخص دہلی کا رخ کرتا تھا۔ کیونکہ بادشاہ دہلی کو اس موقع کے لیے سب سے بڑا مرکز سمجھتا تھا اس دہلی شہر میں سب سے بڑی شخصیت بہادر شاہ ظفر بادشاہ کی تھی اور ان کے بعد ان کے بیٹے مرزا مغل اور صوبہ دار بخت خان تھے۔ مرزا خضر سلطان یا خیر سلطان اور مرزا ابو بکر اور مرزا عبداللہ شاہی نسل میں ہونے کے سبب باغی افواج کے عہدے دار بنا دیئے گئے تھے مگر جو شخصیت مرزا مغل اور بخت خان اور بہادر شاہ کی تھی وہ کسی اور کی نہ تھی۔

بھلا سکتا نہیں دہلی تجھے مسلم قیامت تک
کہ تیرے ذرے ذرے میں ہے خوابیدہ لہو اس کا

دہلی کی عظمت رفتہ کی ایک جھلک

کتاب دہلی زیارت و آثار از سردار علی احمد خان نے دہلی کی عظمت رفتہ کی ایک جھلک پیش کی ہے۔ حکیم سید عبدالحیٔ نے اپنے سفر نامہ میں دہلی کا مرثیہ یوں بیان کیا ہے:- اے دہلی تیرے وہ لوگ کہاں ہیں جو تیری زیب و زینت کا باعث تھے، جو تیرے آسمان کے ستارے تھے، تیرے وہ دلاور کہاں ہیں جو راجپوت اور راٹھور بہادروں کی صفیں درہم برہم کر دیتے تھے، تیرے وہ بزرگان دین کہاں ہیں جن سے ملائکہ مصافحہ کرتے تھے وہ اہل کمال کہاں ہیں جن سے استفادہ کرنے کو سارے جہان کے لوگ آتے تھے۔۔۔۔ دہلی تو وہی ہے جس میں قطب الدین ایبک کا تہور، شمس الدین التمش کی اولعزمی، غیاث الدین بلبن کی تدبیر، مسلمانوں کے اقبال و ظفر مندی کا نمونہ تھی۔۔۔۔ تو وہی دلی ہے جس کے لعل و گوہر دربار اکبری کے زیب و زینت تھے۔۔۔ اے خاک پاک دلی تجھ میں سینکڑوں خانقاہیں اور مدرسے تھے ان بزرگوں کو تو نے ہی اپنے آغوش تربیت میں پالا تھا جن کی جوتیوں کی خاک ہماری آنکھوں کا سرمہ ہے۔ دہلی یہ مرثیہ تیرا نہیں برصغیر میں بسنے والی پوری مسلم قوم کا ہے۔
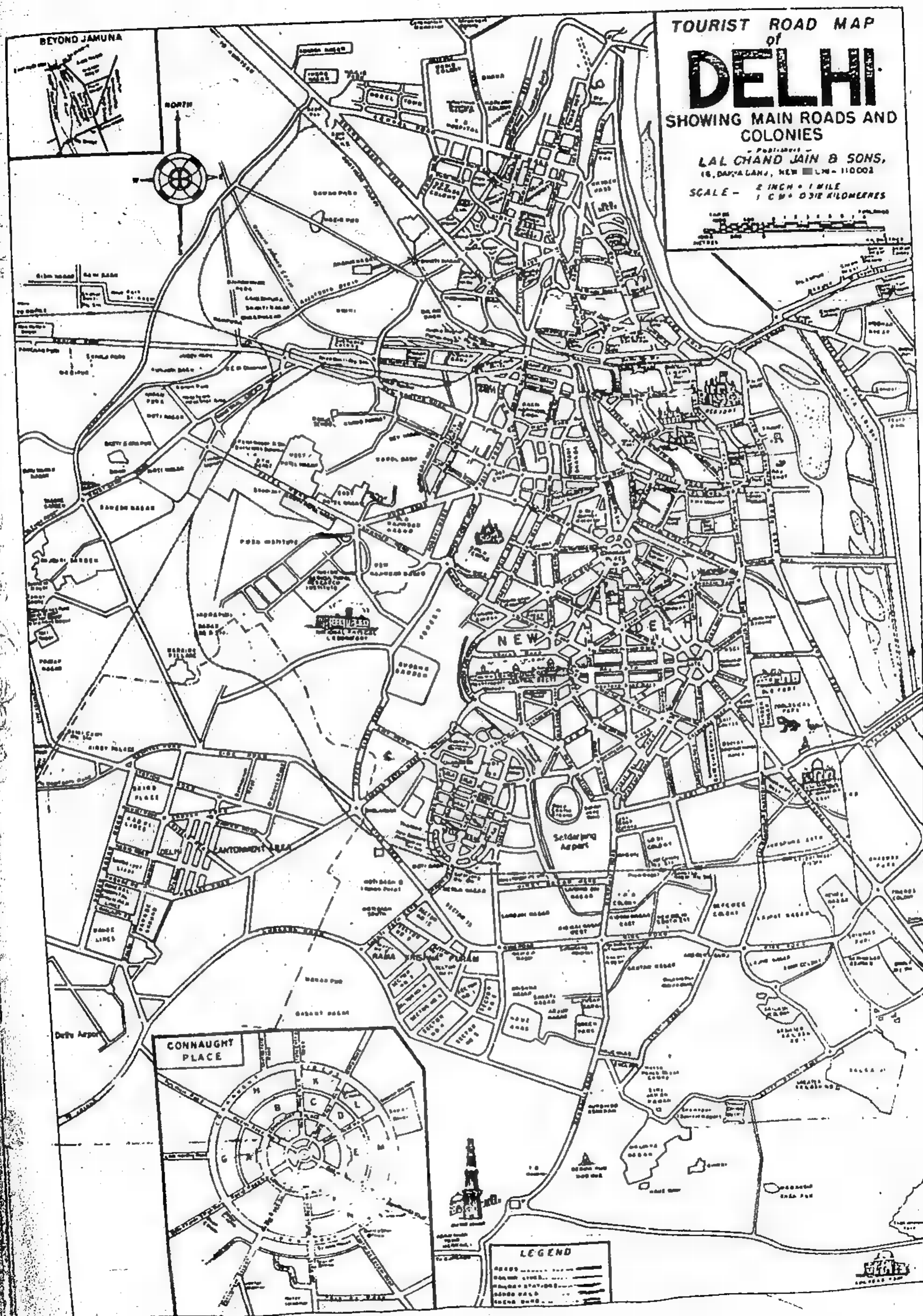
سلطان محمود غزنوی جس نے ہندوستان پر سترہ حملے کیے

سلطان محمود غزنوی دنیا کا عظیم فاتح ہے۔ ہندوستان کی تاریخ میں اسے اہم مقام حاصل ہے۔ مختار احمد گیلانی نے "غزنی سے سومنات" کتاب میں سلطان محمد غزنوی کو یوں خراج تحسین پیش کیا ہے۔ سلطان محمود غزنوی دنیا کا ایک عظیم فاتح مانا جاتا ہے۔ بتیس سال کے دوران حکومت میں اس نے کم وبیش چالیس بڑی لڑائیاں لڑیں۔ ان لڑائیوں کے دوران لاتعداد فتوحات فوجی نقطہ نگاہ سے دنیا میں کسی کی بھی شاندار فتوحات سے کم نہیں۔ تاریخ کے گہرے مطالعے سے صاف عیاں ہے کہ اس کا مقصد حیات نہ علاقہ فتح کرنا تھا، نہ دولت سمیٹنا اور نہ ہی قتل وغارت کی بھیانک داستانوں سے تاریخ کے اوراق سیاہ کرنا تھا۔ غیر مسلم متعصب مورخین کی کتابوں میں گو محمود غزنوی کو عظیم فاتح بتایا گیا ہے مگر ساتھ ہی اسے دبے الفاظ میں لٹیرا، لالچی اور بے گناہ ہندوؤں کا قاتل بتایا گیا ہے۔ غیر مسلم مورخین (سرکار، مہاجن و تاموجمدار سیتھی یا انگیروں) نے محمود کی فتوحات کو مختصر بیان کیا ہے۔ البتہ لوٹ مار قتل وغارت وغیرہ کو زیادہ اجاگر کر کے اسے لٹیرا لالچی اور ظالم فاتح کے طور پر پیش کرنے کی سعی کی ہے۔

محمود غزنوی ایک عظیم مجاہد اور غازی تھا اس کا مقصد حیات اسلام کی اشاعت اور کفر وبت پرستی کو برباد کرنا تھا۔ لڑائی سے پہلے اس نے دشمن کو ہمیشہ دعوت اسلام پیش کی اور اس دعوت کے ٹھکرانے کے بعد ہی مجبوراً تلوار اٹھائی۔ وہ کبھی چوری چھپے حملہ آور نہ ہوا تھا بلکہ وہ ڈنکے کی چوٹ سے اعلان کرتا ہوا آتا اور اپنے دشمن کو سوچنے اور سنبھلنے کی بھی مہلت دیتا۔ اگر اسے علاقہ فتح کرنا اور دولت سمیٹنا ہوتا تو وہ ہندوستان سے کبھی واپس نہ جاتا۔ بلکہ وہیں رہ کر تمام ہند پر قبضہ کر کے اس مشہور سونے کی چڑیا کو ہمیشہ کے لیے مقید کر لیتا۔ اس نے ہمیشہ جائز مال غنیمت اور تاوان حاصل کیا۔ امن پسند لوگوں کو نہ کبھی لوٹا اور نہ ہی کوئی نقصان پہنچایا۔ یہی وجہ تھی کہ شہر اور بستیاں آباد تھے۔

فوجی نقطہ نگاہ سے اس کی فتوحات حیرت انگیز ہیں۔ ہر حملہ کی خاطر اسے سینکڑوں میل اور اکثر ہزاروں میل دشوار گزار اور خطرناک سفر طے کرنا پڑتا تھا۔ ہر حملہ حیرت انگیز برق رفتاری حالات کے مطابق بہترین انتظام وانصرام اور مسلسل جارحانہ کاروائی سے متاثر تھا۔ اکثر حملے آئندہ اقدام کے لیے جارحانہ دیکھ بھال کا کام بھی دیتے تھے۔ اپنی مسلسل پہل کاری تدابیر سے اس نے ہندو راجاؤں کے دل ودماغ کو ماؤف کر دیا تھا اور باوجود یہ کہ اکثر دشمن کی تعدد زیادہ ہوتی تھی ان میں مذہبی جوش نمایاں تھا کیونکہ وہ اپنے بتوں اور ان مندروں کی حفاظت کے لیے سب کچھ قربان کرنے پر تلے رہتے تھے مگر پھر بھی یہ عظیم مجاہد دشمن کی عسکری قوت کو مفلوج کر کے اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا تھا۔ جب بھی کسی دشمن نے صلح کا ہاتھ بڑھا، جائز تاوان ادا کیا اور اسے بتوں کو برباد کرنے سے نہ روکا۔ محمود غزنوی نے اسے اپنی حفاظت میں لے لیا مقامی لوگوں کو اپنا مذہب بدلنے پر بھی مجبور نہ کیا اس نے مقامی سیاست میں بھی حصہ نہ لیا اگر وہ چاہتا تو اپنے اور اپنے

خاندان کے لیے ہندوستان میں ایک عظیم سلطنت قائم کر سکتا تھا حیرت کا مقام ہے کہ بیشتر حملوں کے لیے محمود کو سندھ، جہلم، چناب، راوی، بیاس، ستلج، گنگا اور جمنا جیسے بڑے دریا (موسم طغیانی میں بھی) پار کرنا پڑتے تھے۔ اس کے علاوہ پہاڑی درے، ریتلا علاقہ ہندوستان کا گرم موسم اس کے لیے کافی رکاوٹ بنتے تھے۔ مقامی راجہ مناسب جنگی تدابیر اختیار کر کے ان بڑی رکاوٹوں کی مدد سے محمود کے خلاف موثر جارحانہ کاروائی کر سکتے تھے کیوں کہ ان کے پاس فوج کی کمی نہ تھی علاقے سے انہیں خوب واقفیت تھی۔ ہم مذہب ہونے کے باعث مقامی باشندوں کا انہیں پورا تعاون حاصل تھا۔ مگر محمود کی جنگی چالیں اور اس کے بلند حوصلے نے اسے ہمیشہ اپنے مقصد میں کامیابی بخشی۔ اس کی حیرت انگیز برق رفتاری کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایک سال کے عرصے میں کئی مقامات کو لڑ کر فتح کرنے کے باوجود سینکڑوں میل اور کبھی ہزار میل سے زیادہ فاصلہ طے کا کرتا تھا۔ فوج اور ساز و سامان کے ساتھ وہ ہر روز کم از کم ۲۰ میل سفر کیا کرتا تھا۔ ۳۲ سال کے دور حکومت میں اس نے ۱۹ سال میں (۱۰۰۰ء اور ۱۰۳۲ء کے دوران اس سے قبل اور اس دوران اس نے وسطی ایشیا وغیرہ پر بھی حملے کئے تھے وہ مدت اس میں شامل نہیں) ہند پر لگاتار سترہ حملے۔ ہر حملے کا اوسط فاصلہ کوے کی اڑان دو طرف ۱۸سو میل سے زائد بنتا ہے۔ یعنی ان سترہ حملوں کے لیے ۱۹ سال کے عرصے میں اس نے تقریباً ۳۱ ہزار میل (۵۰ ہزار کلو میٹر) کا فاصلہ کیا تھا اور اگر محمود کی ایرانی، ترکستان، افغانی اور مشرق وسطیٰ کے علاوہ کی فتوحات کو شامل کر لیا جائے تو کل سفر تقریباً ۵۰ ہزار میل (۸۰ ہزار کلو میٹر) بن جاتا ہے راستہ جو چل کر طے کیا جاتا ہے۔ وہ سیدھا نہیں ہوتا۔ اصل چل کر طے کیے ہوئے فاصلے کا اندازہ اس طرح لگایا جا سکتا ہے۔ کہ ایک میل میں پانچ سو گز زیادہ فاصلہ شامل کر لیا جائے یعنی پہاڑوں، دروں، دریاؤں، ندی نالوں، صحرا، جنگلوں اور دشمن کے خلاف کاروائی کے پیش نظر کوے کی اڑان کے مطابق ایک میل فاصلہ اکثر ایک میل سے دگنا بن جاتا ہے۔ اس طرح محمود کے ہند پر حملوں کا فاصلہ تقریباً چالیس ہزار میل (تقریباً ہزار کلو میٹر) بنتا ہے دنیا کے کسی بھی عظیم فاتح نے فتوحات کے لیے اس قدر سفر طے نہیں کیا۔ اس مجاہد اعظم نے سفر ہی طے نہیں کیا بلکہ ہر حملہ کے دوران کئی چھوٹی بڑی لڑائیاں لڑیں۔ کئی شہر اور قلعے فتح کیے۔

سکندر اعظم نے یونان سے چل کر دریائے ستلج تک تقریباً ساڑھے تین ہزار میل سفر طے کیا تھا۔ اس نے دوسری فتوحات کے لیے بھی چند ہزار میل کا فاصلہ طے کیا تھا۔ نپولین نے اپنی تمام لڑائیوں (اٹلی، مصر، سپین، وسطی، یورپ اور روس وغیرہ) میں تقریباً پندرہ ہزار میل طے کیا تھا۔ چنگیز خان کو ہر لڑائی میں تعداد کی فوقیت حاصل تھی۔ اس نے بھی محمود کے مقابلے میں بہت۔ کم سفر کیا تھا مغربی مورخین نے تعصب کی بناء پر اس عظیم فاتح کی جنگی قابلیت کو کبھی اجاگر نہیں کیا۔ سلطان محمود غزنوی اپنی جنگی قابلیت اور عظیم فتوحات کی بناء پر خالد بن ولید، عمرو بن العاص، موسیٰ بن نصیر، طارق بن زیاد، قتیبہ بن مسلم، محمد بن قاسم، سکندر اعظم، صلاح الدین ایوبی، چنگیز خان، تیمور، نپولین، ایٹلا، ولیم

وغیرہ کی صف میں کھڑا کیا جاسکتا ہے۔ فاصلہ طے کرنے کے لحاظ سے وہ دنیا کا سب سے عظیم فاتح ہے۔

محمود غزنوی کے حملوں کا مطالعہ بہت ہی دلچسپ اور حیران کن ہے عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ آج سے تقریباً ایک ہزار سال قبل نہ نقشے تھے، نہ پل، نہ سڑکیں اور نہ ہی کوئی گنجان آباد علاقے تھے، پہاڑ، دریا، صحرا اور ایسی کئی رکاوٹیں کو عبور کرنا از حد مشکل تھا۔ مگر محمود غزنوی نے اپنے مصمم ارادے بہترین بندوبستی نظام، برق رفتار حیران کن جنگی چالوں اور تجاویز کے باعث ہر مشکل پر قابو پالیا۔ محمود دلیر ہونے کے علاوہ بے حد ذہین، خدا ترس، فقہ وحدیث کا عالم (وہ حافظ قرآن بھی تھا) اور علم دوست بھی تھا۔

سلطان محمود غزنوی کے سترہ حملوں کی روداد

سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر پہلا حملہ 1000ء میں کیا راجہ جے پال سے جنگ کر کے پشاور درہ خیبر اور کابل ٹل ہوں کا کچھ علاقہ فتح کر لیا اس نے دوسرا حملہ 1001ء میں کیا اس وقت راجہ جے پال شمالی ہندوستان کا طاقت ور حلمران تھا۔ اس حملہ میں محمود نے دریائے سندھ تک علاقہ فتح کر لیا اس حملہ میں محمود کی فوج نے بہادری کے جوہر دکھائے۔ تیر اندازوں بازوں کی طرف سے زبردست تیروں کی بارش کی دشمن کے کئی ہاتھی لنگڑے اور اندھے کر دیئے کئی کی سونڈیں تلواروں سے کاٹ دیں نہیں دشمن کے پیدل دستے رک گئے۔ سلطان کو اس جنگ میں بے شمار مال غنیمت ملا۔ راجہ جے پال کے بیٹے راجہ انند پال جو دریائے سندھ کے جنوبی علاقہ میں مقیم تھا۔ انند پال کا صدر مقام لاہور تھا۔ راجہ انند پال نے بھی سلطان کی اطاعت قبول کر لی۔

سلطان محمود غزنوی نے تیسرا حملہ بھیرہ پر کیا۔ اس وقت بھیرہ خوشاب پنڈی بھٹیاں پر راجہ بھاٹیہ کی حکومت تھی۔ محمود غزنوی، بوں خرم عیسٰی خیل ماڑی انڈس کے راستے مٹھاٹوانہ، شاہ پور، بھیرہ پنڈی بھٹیاں پر حملہ آور ہوا۔ بھیرہ ان دنوں دریائے جہلم کے کنارے بہت بڑا مرکز تھا۔ آج بھی وہاں کے کھنڈرات بھیرہ کی عظمت کی نشاندہی کرتے ہیں۔ شہر کے ارد گرد بلند فصیلیں تھیں فصیلوں کے باہر گہری اور چوڑی کھائی تھی جسے آسانی سے پار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس شہر میں کئی مشہور مندر تھے۔ راجہ بھاٹیہ کو اپنی فوج پر بڑا ناز تھا۔ محمود نے قلعہ کا محاصرہ کیا آخر راجہ بھاٹیہ کو شہر سے نکل کر مقابلہ کرنا پڑا کئی دن کی جنگ جاری رہی محمود کو فتح نصیب ہوئی راجہ بھاٹیہ محافظ دستوں کے ہمراہ جنگل کی طرف بھاگ گیا۔ اس جنگ میں محمود کو مال غنیمت گھوڑے جنگی ہاتھی سامان رسد وغیرہ ملا۔ محمود نے تبلیغ اسلام کے لئے چند عالم دین بھیرہ چھوڑے جنھوں نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔

سلطان محمود غزنوی کی فتوحات کی وسعت

ملتان اور قرامطیوں کے خلاف محمود نے 1007ء میں ہندوستان پر چوتھا حملہ کیا۔ ملتان پر عرصہ سے قرامطیوں کی حکومت تھی سلطان محمود غزنوی انند پال کے ایک علاقہ سے گزر کر ملتان پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا ادھر انند پال نے بہت بڑی فوج جمع کر رکھی تھی برسات کے موسم کا پورا فائدہ اُٹھا کر سلطان کی فوج کو برباد کرنا چاہتا تھا۔ سلطان نے معمول کی طرح برق رفتاری سے پیش قدمی کی اس حملہ میں غزنی سے سومنات تک از مختار احمد گیلانی کے مطابق اس حملہ میں سلطان محمود غزنوی نے پوشیدہ راستے اختیار کئے۔ اس نے دریائے جہلم کو منگلا کے مقام پر عبور کیا پھر بھمبر کے راستے گجرات سے ہوتا ہوا دریائے چناب پہنچا۔ محمود نے انند پال کا پیچھا سوہدرہ وزیر آباد تک کیا۔ محمود کی فوج کا ایک حصہ پھالیہ بھیرہ اور جھنگ کے راستے ملتان کی طرف روانہ ہوا۔ جبکہ وہ خود ایک حصہ کو لے کر سوہدرہ سے پنڈی بھٹیاں چنیوٹ اور ملتان کی طرف برق رفتاری سے روانہ ہوا چند مورخین کے مطابق محمود نے اس مہم میں دو سو قلعے فتح کئے۔ حاکم ملتان داؤد کو جب انند پال کی شکست اور محمود کی راستے کی فتوحات کا علم ہوا تو حاکم ملتان اپنی مال ودولت اکٹھی کر کے پنجند کی طرف بھاگ گیا۔ ملتان کے لوگوں نے محمود سے امان طلب کی اور آئندہ حقیقی اسلام قائم کرنے کا وعدہ کیا۔ محمود نے یہاں تبلیغ کے لئے عالم چھوڑے جنہوں نے تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔ محمود غزنوی نے پانچواں حملہ 1008ء میں بھیرہ پر کیا انند پال محمود کے جانے کے بعد اپنے علاقہ میں واپس آ گیا اور نواسہ خان کو محمود کے خلاف اکسا تا رہا سکھ پال نے بغاوت کر دی اور محمود کے مفتوح علاقوں میں لوٹ مچا دی۔ محمود نے نواسہ خان کو شکست دینے اور پکڑنے کی تجویز بنائی اور خاموشی سے غزنی سے روانہ ہوا نہایت دشوار گزار راستوں پہاڑیوں ندی نالوں دریاؤں کو عبور کرتا ہوا تقریباً تین سو میل کا فاصلہ طے کر کے نواسہ خان کو دبوچ لیا وہ کھیوڑہ کی جانب پہاڑوں میں بھاگ گیا مگر پکڑا گیا اس نے ایک بار پھر اطاعت قبول کر لی۔ وفادار رہنے کے وعدہ کیا انند پال باوجود پے در پے شکست کھانے کے بعد محمود سے بدلہ لینا چاہتا تھا یہ محمود کا چھٹا حملہ تھا۔

حملہ نمبر چھ 399ھ مطابق 9-1008ء کی تفصیل۔ انند پال نے چپکے چپکے ہند کے تمام راجاؤں سے مدد مانگی اور ان میں مذہبی جوش ابھارا۔ ایک بہت بڑی فوج کی تیاری شروع کر دی۔ اجمیر مذھیل کھنڈا جین، دہلی، قنوج، کالنجر اور گوالیار کے راجاؤں نے فوج اور روپے سے مدد بھیجی۔ ہندو عورتوں نے زیور بیچ کر اور چرخہ کات کر فوج کے لئے روپیہ اکٹھا کیا۔ انند پال لاتعداد فوج اور جنگی ہاتھیوں (اس کی فوج میں تیس ہزار وحشی گکھڑ بھی شامل تھے) کے ساتھ پشاور کی جانب روانہ ہوا۔ محمود پہلے ہی سے پشاور کے مشرق میں خیمہ زن تھا۔ چالیس روز تک دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے پڑی رہیں ہر روز دشمن کی فوج میں اضافہ ہو رہا تھا۔ دشمن کی فوج میں خوبصورت عورتیں بھی تھیں۔ یہ عورتیں فوج کو لڑائی کے لئے جوش دلاتی تھیں۔ انند

پال ہاتھی پر سوار فوج کو ابھار رہا تھا مگر اچانک زخمی ہو گیا۔ دشمن کے ہاتھی تیروں کی بوچھاڑ برداشت نہ کرتے ہوئے بھاگنے لگے۔ ادھر محمود نے حملے کا دباؤ جاری رکھا اور دشمن بھاگنے لگا۔ دو دن تک محمود کے سواروں نے دشمن کا تعاقب کیا اور محمود نے ہنڈ پر قبضہ کر لیا۔ دریائے سندھ پار کرنے کے بعد محمود برق رفتاری سے جنوب کی جانب بڑھنے لگا۔ جلد ہی اس کے دستوں نے دریائے چناب پر واقع شہر سوہدرہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے ہراول دستے عبداللہ طائی (چھ ہزار سوار) اور ارسلان جاذب (دس ہزار) کے زیر قیادت تھے۔ دونوں برق رفتاری سے دشمن کا تعاقب کرتے ہوئے نگر کوٹ یا بھیم نگر (موجودہ کانگڑہ) کے مشہور مندر اور قلعے کی جانب روانہ تھے۔ ہراول دستے سوہدرہ، سیالکوٹ، کٹھوا اور مادھوپور کے راستے کانگڑہ پہنچ گئے۔ فوراً قلعہ کا محاصرہ کر لیا گیا۔ قلعہ ایک پہاڑی پر واقع تھا۔ محمود بھی باقی ماندہ فوج کے ساتھ پہنچ گیا۔ مندر کے پنڈتوں نے اور وہاں کے حکمرانوں نے محمود کو لالچ دیا کہ مگر محمود نے محاصرہ تنگ کر دیا۔ ہندو تاریخ کے مطابق یہاں کا مندر مہابھارت کی جنگ کا مشہور ہندو کورو ہیرو بھیشم پتامہ کے زمانے سے قائم تھا۔ چند مورخین نے اسے مہامایا دیوی کا مت بتایا ہے۔ جو دیوتا مہادیو کی پتنی تھی۔ مہامایا بھی اسی دیوی کا ایک نام تھا۔

اس مندر اور شہر سے محمود کو بے شمار مالِ غنیمت اور تاوان وصول ہوا۔ سات کروڑ نقد دینار، ۷ سو من سونے اور چاندی کے ظروف، دو سو من خالص سونا، دو ہزار من چاندی اور بے شمار ہیرے اور جواہرات کے علاوہ ایک اطلس کا بیش بہا خیمہ بھی ملا۔ جس کی لمبائی چوڑائی ۴۰x۲۰ گز تھی اور جس کی چوبیں سونے اور چاندی کی تھیں۔ خالص چاندی کا ایک گھر بھی قبضہ میں آیا۔ جس کی لمبائی چوڑائی ۳۰x۱۵ گز تھی۔ اس گھر کے ٹکڑے کئے جا سکتے تھے جنہیں گھر بنانے کے لئے جوڑا جا سکتا تھا۔ پجاریوں اور پنڈتوں کے بقول یہ تمام دولت بھیشم کے زمانے ہی سے مندر میں جمع ہو رہی تھی۔

محمود نے ساتواں حملہ **400**ھ مطابق **1010**ء میں نارائن پر کیا اس نام کا مقام گجرات کاٹھیاوار کے علاقہ میں تھا جو غزنی سے بہت دور تھا۔ اس لڑائی میں کیونکہ سلطان کے قبضہ میں کافی مالِ غنیمت اور جنگی ہاتھی بھی آئے تھے۔ بعض مورخین نے اس حملہ کو گجرات دریائے چناب کے قریب بتایا ہے۔ جہاں انند پال مقیم تھا۔ انند پال نے تھوڑی سی لڑائی کے بعد صلح کر لی اور آئندہ ہر سال خراج دینے کا وعدہ کیا۔ اس کے علاوہ اس نے بھاری تاوان بھی ادا کیا۔

محمود نے حملہ نمبر ۸ حاکم ملتان داؤد کے خلاف (**1011**ء) میں کیا گیا۔ انند پال کی فوجی قوت کو کچلنے کے لیے اور اس کے صلح کے بعد محمود نے حاکم ملتان (جو پنج ند میں پناہ گزین تھا) پر اچانک شمال سے بڑھ کر حملہ کیا۔ داؤد پکڑا گیا اور محمود اسے غزنی لے گیا اس حملے کی رفتار بھی حیرت انگیز تھی۔ یہاں سے برق رفتاری سے

پیش قدمی کر کے اسے گھیرے میں لے لیا۔ داؤد کو سلطان کی آمد کی اس وقت اطلاع ہوئی جب وہ معہ اپنی فوج گھیرے میں آچکا تھا۔

محمود نے تھانسیر پر 3-402 ہجری مطابق 1012 عیسوی میں حملہ کیا ہندوستان پر یہ اسکا حملہ نمبر 9 تھا۔ کئی مؤرخین کے مطابق محمود نے تھانسیر پر حملہ نندونانہ قلعہ پر حملے کے بعد کیا تھا۔ مگر فرشتہ اور کئی مؤرخین نے تھانسیر پر حملے کا ذکر پہلے کیا ہے۔ کیونکہ تھانسیر جاتے ہوئے محمود کو راجہ انندپال کے علاقے سے گزرنا تھا۔ اور معاہدہ کے مطابق اس پر حملہ نہ کرنا تھا۔ اور نہ ہی انندپال نے اس کے خلاف لڑائی میں حصہ لینا تھا۔ اس لئے بہت ممکن ہے کہ یہ حملہ نندونا قلعہ پر حملہ سے پہلے کیا گیا تھا۔ اس وقت انندپال بھی مر چکا تھا۔ انندپال کا صدر مقام لاہور تھا۔ اور اسی راستے میں محمود بذریعہ فیروزپور، بھٹنڈا برق رفتاری سے تھانسیر گیا تھا۔

جب تھانسیر پر محمود نے حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو رائے انندپال نے محمود سے وہاں حملہ نہ کرنے کی درخواست کی کیونکہ تھانسیر مہابھارت کے زمانے سے ہندوؤں کا متبرک مقام تھا۔ وہاں ہندو دیوتا وشنو جی کا تانبے کا بُت تھا۔ بت کے ہاتھ میں جنگی ہتھیار تھا۔ ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق یہ بت کائنات کے وجود میں آنے کے وقت سے قائم تھا۔ انندپال نے محمود کو لالچ دیا کہ وہ اس مندر کو تباہ نہ کرے اور اس کے عوض دو ہزار سوار اور پچاس ہاتھی تحائف سے لدے ہوئے قبول کرے۔ محمود نے جواب دیا کہ "ہمیں تحائف کی ضرورت نہیں کیونکہ بتوں کو برباد کرنے کے عوض اللہ جنت میں تحائف دے گا" یہاں سے محمود نے برق رفتاری سے تھانسیر پر قبضہ کر لیا۔ وہاں کے تمام بت توڑ دیئے گئے۔ وہاں ایک نایاب روبی ۴۵۰ مثقال کا ملا۔ ہندو راجاؤں کی فوج دہلی سے روانہ ہوئی تو محمود نے بڑھ کر تراوڑی کے مقام (۷ میل کرنال سے شمال میں) پر فوج کو جمع ہونے سے پہلے ہی تتر بتر کر دیا۔ محمود کامیاب و کامران بھٹنڈا، اجودھن (پاک پتن) اور تلنبہ (نزد میاں چنوں ایک قدیم قصبہ ہے جس کی عظمت کے نشان کچھ مدفون ہیں اور کچھ کھنڈرات ہیں۔ افسوس ہے کہ ایسے بے شمار بھولے بسرے تاریخی مقامات کی داستانیں اب تک بہت کم لوگوں کو معلوم ہیں) کے راستے کامیاب و کامران غزنی چلا گیا۔

سلطان محمود کا حملہ نمبر ۱۰۔ مارگلا، نندونا قلعہ، میرپور دریائے جہلم سال (۵۔۴۰۴ ہجری مطابق ۱۴۔۱۰۱۳ عیسوی) میں ہوا۔ انندپال مر گیا اس کا بیٹا ترلوکنپال راجہ بنا مگر وہ کمزور تھا اس لئے اس کا بیٹا نادر بھیم پال حکومت چلاتا تھا۔ اس نے اپنے دادا انندپال کے صلح نامہ کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اور محمود کے خلاف بغاوت کر دی۔ محمود نے پھر حملہ کیا پہلی لڑائی میں مارگلا پہاڑ کے دامن میں لڑی گئی تھی۔ بھیم پال شکست کھا کر جہلم کی جانب بھاگ گیا۔ نندونا قلعہ نزد پنڈ دادنخان میں محصور ہو گیا۔ ٹلا سے کھیوڑہ تقریباً ۲۰ میل

جنوب مغرب میں واقع ہے اس مقام ٹلہ جوگیاں قلعہ نندنا شری راج کٹاس کلر کہار کا ذکر راقم کی لکھی ہوئی کتاب سیالکوٹ سے خیبر تک میں موجود ہے۔ سلطان کی فوج کے ہراول دستے کی قیادت عبداللہ طائی کر رہا تھا۔ بائیں بازو کی امیر نصر اور دائیں بازو کی قیادت ارسلان جاذب کر رہا تھا۔ ہندو فوج نے پہاڑوں کے تمام راستوں کو بند کر دیا تھا اور خود پہاڑوں کی اوٹ میں قلعہ بند ہو کر لڑائی شروع کر دی۔ کئی روز تک محمود کی فوج دشمن کو لڑائی کے لئے مجبور کرتی رہی۔ محمود کے لڑاکا دستے رات کی تاریکی میں پہاڑوں پر چڑھ جاتے اور دشمن کو نقصان پہنچا کر واپس آجاتے۔ آخر جب نادر بھیم پال کو دریائے جہلم کے ذریعے مزید کمک مل گئی تو وہ ہمہ فوج میدان میں نکل آیا۔ محمود کے تیر انداز دستوں نے ہاتھی پر تیروں کی بارش کر دی۔ تیر ہاتھیوں کی آنکھوں اور سونڈوں میں پیوست ہو گئے۔ وہ بلبلا کر اپنی فوج کے افراد کو روندتے ہوئے واپس بھاگے۔ محصور فوج بھاری نقصان اور اسلامی فوج کی جارحانہ کاروائی سے بد دل ہو گئی۔ اور ہتھیار ڈال دیئے۔ محمود کو مالِ غنیمت کے علاوہ کافی تعداد میں جنگی ہاتھی بھی ملے۔ قلعہ کے مندر میں ایک پرانا مت توڑ دیا گیا۔ اس پر کندہ تاریخ کے مطابق وہ بُت چالیس ہزار برس پرانا تھا۔ نادر بھیم پال کشمیر کی طرف بھاگ گیا تھا۔

محمود نے گیارواں حملہ کشمیر پر کیا کیونکہ نادر بھیم پال کو وہاں کے راجہ نے پناہ دی تھی۔ محمود نے غالباً لوہ کوٹ (موجودہ کوٹہ قلعہ۔ پیر پنجال کے دامن میں) پر حملہ کیا اور اسے فتح کر لیا۔ یہ حملہ 1015ء میں کیا گیا۔ کشمیر (لوہ کوٹ) کے راجہ رائے سنگرام نے اس کی اطاعت قبول کر لی تھی۔

غزنی سے سومنات تک از مختار احمد گیلانی کے مطابق بارہواں حملہ محمود نے انبالہ، میرٹھ، کرنال، دہلی، برن، مہابان، متھرا، بندرہن، قنوج، سرواہ پر (۹۔۴۰۸ ہجری مطابق ۱۹۔۱۰۱۸ عیسوی) میں کیا۔ محمود ایک لاکھ بیس ہزار فوج کے ہمراہ غزنی سے روانہ ہوا۔ غزنی سے جلال آباد، درہ خیبر، ہنڈ، منگلا، سوہدرہ، کٹھوا، مادھوپور س ہوتا ہوا محمود بوڑیا (ضلع انبالہ) کے مقام پر دریائے جمنا کے کنارے پہنچ گیا۔ محمود نے فوج کے دو بڑے حصے کئے اور دونوں کو پیش قدمی کے لئے دریائے جمنا کے مشرقی اور مغربی کنارے، میرٹھ، کرنال، دہلی اور جنوب مشرقی علاقہ کو فتح کرنے کے لئے روانہ کیا۔ اس کی فوج کے پیش قدمی دستے کی قیادت رائے سنگرام کر رہا تھا۔ اس نے دریائے جمنا ۴۰۹ھ (دسمبر ۱۰۱۸ء) ماہِ رجب کے شروع عبور کر لیا تھا۔ محمود برق رفتاری سے بڑھ رہا تھا۔ جلد ہی میرٹھ اور دہلی فتح ہو گئے۔ راجہ ہردت کو شکست دی۔ محمود کے حسن سلوک اور بہادری سے راجہ بہت متاثر ہوا۔ اور مسلمان ہو کر اس کی فوج میں شامل ہو گیا۔ اس کے ہمراہ دس ہزار افراد نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ محمود کی فوج کا ایک بڑا حصہ دہلی، ریواڑی اور الور کے راستے راجہ رائے کل چند والیے مہابان (مہوانزد بھرت پور) پر حملے کے لئے روانہ ہوا۔ راجہ کے پاس بہت بڑی فوج تھی وہ محمود کی فوج

کو جال میں پھنسا کر برباد کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنی فوج کو علاقہ کے جنگلوں میں چھپادیا تاکہ محمود کی فوج کو جنگل میں گھیر کر تباہ کرڈالے اور جگہ جگہ چھپاؤ لگا کر کسی کو بھاگنے کا موقع نہ دے۔ مگر محمود نے نہایت ہوشیاری سے جنگل کو چھاننا شروع کر دیا۔ اور دشمن کے دستوں کو یکجا ہونے کا موقع نہ دیا۔ اس طرح رائے کل چند کو شکست کھانا پڑی۔ محمود کے ہاتھ بے شمار مال غنیمت آیا۔ ۱۸۵ ہاتھی بھی پکڑے گئے۔ وہاں سے متھرا کے بتوں اور مندروں کو برباد کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ متھرا مشہور ہندو اوتار کرشن جی مہاراج کی جائے پیدائش تھی ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق متھرا دیوتاؤں نے تعمیر کیا تھا۔ شہر بہت مضبوط تھا۔ اس کے دو دروازے دریا کی جانب تھے اور شہر میں داخل ہونا آسان نہ تھا۔ وہاں ایک ہزار مندر تھے جو پختہ تھے اور لوہے کی سلاخوں سے بندھے ہوئے تھے۔ شہر کے درمیان ایک بڑا مندر تھا۔ ہزاروں پختہ اور شاندار مکانات تھے۔ موڑخین کے مطابق ایک مندر کی قیمت ایک لاکھ دینار تھی۔ محمود کی اطلاع پاتے ہی شہر کے حفاظتی دستے بھاگ گئے۔ پانچ سونے کے بڑے بُت اور دو سو سونے کے چھوٹے بُت مندروں سے دستیاب ہوئے۔ محمود نے تمام بتوں کو توڑ دیا ۔ ایک بت کی آنکھ میں یاقوت ازرق کے ٹکڑے جڑے ہوئے تھے۔ اس کا وزن ۴۵ مثقال تھا۔ مثقال کا وزن ۲/۱۔۴ ماشہ تھا۔ یہ سونے کا سکہ اسلامی ممالک میں رائج تھا۔ وہاں سے محمود کو مالِ غنیمت میں ۹۸۳۰۰ مثقال سونا ملا۔ متھرا سے محمود مدرہ مد گیا۔ لیکن وہاں کے قلعے بغیر لڑائی فتح ہو گئے۔ اس کے بعد محمود دریائے جمنا کے کنارے کنارے قنوج کی جانب بڑھا۔ یہ شہر دریائے گنگا کے کنارے آباد تھا۔ وہاں دس ہزار مندر تھے ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق اس شہر کو تعمیر ہوئے دو لاکھ سال ہوئے تھے وہاں دس بڑے بت خانے تھے۔ قنوج بہت ہی قدیم شہر تھا۔ یہ شہر مشہور اوتار راجہ رام چندر والئی اجودھیا کی حکومت کے بعد قائم ہوا تھا۔ قنوج کا شہر دریائے گنگا سے دو کوس کے فاصلے پر تھا مگر برسات کے موسم میں پانی شہر کے قریب پہنچ جاتا تھا۔ اس شہر کو ہندوؤں کے مطابق کوئی غیر ہندو فتح نہیں کر سکتا تھا۔ راجہ پال والئی قنوج محمود کی آمد کی خبر پاکر بھاگ گیا۔ وہاں سات قلعے تھے جو محمود نے ایک دن میں فتح کر لئے۔ محمود کی فوج کا ایک حصہ دریائے گنگا پار کر کے جون پور فتح کر لیا اور پھر واپسی پر بنارس کے مندروں اور بتوں کو برباد کرتا ہوا واپس قنوج کی جانب روانہ ہوا۔ اب تک کوئی فاتح ہند میں اس قدر دور نہیں گیا تھا۔ دراصل پنجاب کی حدود سے آگے کسی کو علاقے سے واقفیت نہ تھی۔ محمود پہلا فاتح تھا جس نے دوسروں کے لئے نئے راستے کھول دیے۔ ایک تخمینہ کے مطابق کئی سو من سونا، ہزاروں ہیرے اور جواہرات کے علاوہ سلطان کے قبضے میں دو کروڑ درہم اور تین سو پچاس جنگی ہاتھی آئے تھے۔ سفر قنوج کے دوران ایک عجیب و غریب مرغ حاصل ہوا تھا۔ اس کی شکل قمری سے مشابہ تھی۔ اس مرغ کی یہ خاصیت تھی کہ جس جگہ موجود ہوتا اگر وہاں زہر آلود کھانا لایا جاتا تو ۔۔۔ اضطراب کی حالت

طاری ہو جاتی اور اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگتے تھے۔ اس کے علاوہ ایک ایسا پتھر ملا اگر کسی شخص کے جسم پر کوئی زخم ہوتا تو اسے گھس کر زخم پر رکھا جاتا تو زخم مندمل ہو جاتا تھا۔ غزنی پہنچ کر محمود نے اس شاندار فتح کی یاد میں ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کروائی۔ عمارت میں سنگ مرمر استعمال کیا گیا۔ جگہ جگہ طلائی، نقرئی اور بیش قیمت پتھر نصب کئے گئے۔ بے شمار خوبصورت قندیلیں آویزاں کی گئیں۔ اس کو خوبصورت مسجد کا نام ''عروس فلک'' رکھا گیا۔ مسجد کے ساتھ اک عالیشان مدرسہ اور کتب خانہ بھی قائم کیا گیا۔

محمود نے تیرواں حملہ دریائے جمنا کے مغربی علاقہ پر سال (۴۱۰ ہجری مطابق ۲۰۔۱۰۱۹ عیسوی) میں کیا۔ اس حملے کے لیے سلطان نے غالباً غزنی سے لکی مروت، بھیرہ، اجودھن (پاک پتن) ابوہر، لدھیانہ بوڑیہ (دریائے جمنا کو عبور کیا) اور ہردوار کے جنوب والا راستہ اختیار کیا تھا۔ یہیں سے دریائے گنگا عبور کیا تھا۔ ہردوار سے ۱۵ میل جنوب میں سمبل گڑھ میں آج بھی ایک پرانا قلعہ ہے۔ ترل کپال اور بھیم پال اپنی فوج کے ساتھ راجہ قنوج اور راجہ کالنجر کی مدد کے لیے موجود تھے۔ یہ دونوں ہندو فوج کی پیش قدمی دستوں کے سالار تھے تاکہ محمود کو دریا عبور کرنے سے روکا جا سکے۔ مگر ترلوکپال اور بھیم پال اسلامی فوج کی اس انداز کی برق رفتار پیش قدمی سے گھبرا گئے۔ وہ دریائے گنگا کو عبور کر کے دریائے جمنا کی جانب بھاگنے کی کوشش میں تھے کہ اسلامی فوج کے ایک حصے نے انہیں شکست فاش دی۔ باری کے مندروں اور بتوں کو برباد کیا اور گوالیار کی طرف برق رفتاری سے پیش قدمی جاری رکھی۔ رائے نندا چھتیس ہزار سوار، ایک لاکھ پیادہ اور چھ سو چالیس جنگی ہاتھی کے ساتھ گوالیار کے شمال میں پہنچ گیا۔ رات کے وقت سلطان نے سجدہ میں گر کر اللہ تعالیٰ سے کامیابی کی دعا مانگی۔ اس رات ہی دشمن خوفزدہ ہو کر بھاگ گیا۔ اور اس طرح سلطان کے قبضہ میں بے شمار مالِ غنیمت اور دشمن کے پانچ سو اسی ہاتھی آئے۔

کافرستان پر سلطان نے ۱۴واں حملہ سال (۲۲۔۱۰۲۱ء) میں کیا۔ کافرستان کے لوگ بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ آج بھی دریائے کونار کے مغربی کنارے سے چند میل دُور پہاڑوں کے درمیان چند وادیوں میں کلاش قوم یعنی کالے کافر بستے ہیں۔ یہ لوگ اکثر علاقہ میں لوٹ مار کرتے اور محمود کے مواصلاتی نظام پر چھاپہ مارتے۔ محمود نے اس علاقہ کو بھی فتح کر لیا اور لوگوں نے اطاعت قبول کر لی۔

محمود نے کالنجر پر سال (۲۴۔۱۰۲۳ء) میں پندرواں حملہ کیا۔ کالنجر (باندا کے جنوب میں) دریائے کین سے تقریباً ۲۵ میل جنوب مشرق میں واقع ہے۔ راجہ ارجن والئی گوالیار اپنے مضبوط قلعے میں محصور ہو گیا۔ یہ راجہ کالنجر کے راجہ رائے نندا کا باجگذار تھا۔ حالانکہ بلندی اور مضبوطی کی وجہ سے قلعہ آسانی سے فتح نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر راجہ نے خائف ہو کر چار روز کے بعد محمود سے صلح کر لی۔ اور ۳۱۵ ہاتھی، بے شمار تحائف

اور تاوان سلطان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس میں چھ سو مت تھے۔ قلعہ میں حفاظتی فوج کی تعداد لاکھ کے قریب تھی۔ اور پانچ سو جنگی ہاتھی تھے۔ قلعہ کے اندر بے شمار سامانِ رسد موجود تھا۔ قلعہ کے ارد گرد گہری خندق تھی۔ سلطان نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ راجہ نے تین سو ہاتھی اور بے شمار دولت تاوان کی صورت میں ادا کی اور محمود کالنجر اور اس کے گرد و نواح کے مندروں اور بتوں کو برباد کر کے کامیاب و کامران واپس غزنی چلا آیا۔

سومنات کی عظیم فتح

سومنات (سومناتھ) ہندوؤں کا ایک نہایت ہی متبرک مقام تھا۔ سومنات کے لفظی معنی ''چاند کا حاکم'' ہیں۔ ہندو عقیدے کے مطابق یہ مندر تین ہزار سال پرانا تھا۔ وہاں ایک بہت بڑا مندر تھا۔ جس کے ۵۶ ستون تھے۔ یہ ستون ساگوان کی لکڑی کے تھے۔ جن میں سکہ بھرا ہوا تھا۔ مندر کی بلندی تیرہ منزلہ تھی۔ مندر کی شکل مخروطی مصری مینار جیسی تھی۔ سب سے اوپر خالص سونے کے چودہ لٹویا موٹھ لگے ہوئے تھے جو کئی میل دور سے سورج کی روشنی میں نظر آتے تھے۔ فرش ساگوان کے تختوں کا تھا۔ جنہیں سیسہ سے جوڑا گیا تھا۔ مندر کے اندر ایک بہت بڑا بُت تھا۔ جو تین گز زمین سے باہر اور دو گز زمین کے اندر تھا۔ بت سیاہ رنگ کے پتھر کا تراشا ہوا تھا۔ اس میں بے شمار ہیرے اور جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ سومنات کے مندر میں پانچ سو خوبصورت داسیاں (جو راجاؤں اور امیروں کی حسین لڑکیاں ہوا کرتی تھیں) گانے اور خاص خاص پنڈتوں کی خدمت پر مامور تھیں۔ ان کے علاوہ غریبوں کی خوبصورت لڑکیاں مندر کی صفائی، کھانا پکانے کے علاوہ مندر کے عملہ اور زائرین کے لیے تین سو حجام حجامت کے لیے ہر روز موجود ہوتے تھے۔ پجاریوں کی خوراک اور دیکھ بھال کے لئے تین سو نوکر ہر وقت موجود تھے۔ سب کو عہدہ کے مطابق تنخواہ ملتی تھی۔ شہر قلعہ کے اندر تھا۔ قلعہ بہت بڑا تھا۔ اور اس کے گرد گہری خندق کا حصار تھا۔ فصیل بلند اور مضبوط تھی۔ مندر کے ایک طرف سمندر کی لہریں دیواروں سے ٹکراتی تھیں۔ کیونکہ سومنات ہی اب تک محمود کے غضب سے بچا ہوا تھا۔ اس لئے ہندو راجاؤں نے اس کی حفاظت کے لئے بے شمار فوج جمع کی ہوئی تھی۔ راجہ پرم دیو نے مذہبی اور قومی جوش کو ابھارنے میں بہت حصہ لیا۔ ہر راجہ نے سومنات کی جانب خبر ملتے ہی فوج بھیجنے کی تیاری کر لی چند دستے محمود کو راستے ہی میں روکنے کے لیے روانہ کئے۔

اجمیر (نارائن یا الور) جودھپور، کوٹہ، اودھے پور، پٹن، اجین اور کھنڈوا کے راستوں پر جا بجا لڑاکا اور دیکھ بھال دستے روانہ کئے۔ غزنی سے سومنات کا راستہ طویل ہونے کے علاوہ نہایت دشوار گزار تھا۔ دریاؤں کو

عبور کرنے اور دشمن سے لڑائی کے علاوہ صحرا کو بھی پار کرنا تھا۔ جہاں آب و گیاہ ناپید تھا۔ محمود نے ان تمام مشکلات کے باوجود سومنات کے بتوں کو برباد کرنے کا فیصلہ کیا۔ ۱۷۔ ۴۱۶ ہجری مطابق ۲۶۔ ۱۰۲۵ عیسوی میں محمود تیس ہزار سواروں کے ہمراہ غزنی سے ملتان اور وہاں سے سیدھا صحرائے چولستان اور صحرائے راجپوتانہ کا کٹھن راستہ اختیار کر کے سومنات کے لئے روانہ ہوا۔ سلطان نے برق رفتاری سے پیش قدمی شروع کی۔ محمود کو ملتان سے پٹن پہنچنے میں ایک ماہ لگا تھا۔ پٹن میں چندروز قیام کیا۔ وہاں سے پانی اور خوراک حاصل کر کے محمود نے پیش قدمی جاری رکھی۔ پٹن ہی کے مقام پر اس کی فوج کا دوسرا حصہ شامل ہو گیا تھا۔ محمود پٹن یا نہر والہ کے باشندوں کے حُسن و جمال، زرخیز زمین خوشگوار آب و ہوا اولوگوں کی آسودگی سے بہت متاثر ہوا۔ اس کی دل میں امنگ پیدا ہوئی کہ پٹن کو اپنی سلطنت .کا دارالخلافہ بنا کر یہیں قیام پزیر ہو جائے اور غزنی کی سلطنت مسعود کو عطا کر دے۔ مگر اس کے ارکانِ سلطنت اور سالاروں نے اس کی تجویز سے اتفاق نہ کیا۔ نہر والہ میں ایک مندر تھا۔ جہاں ایک ایسا بت تھا جو بغیر سہارے ہوا میں معلق تھا۔ سلطان اس بت کو دیکھ کر بہت حیران ہوا۔ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ دیواریں مقناطیسی پتھر کی بنی ہوئی تھیں۔ بت لوہے کا تھا۔ ہر جانب سے مساوی کشش کے باعث بت کسی ایک طرف جھکنے نہ پاتا تھا۔ محمود نے ایک دیوار گرانے کا حکم دیا۔ جو نہی دیوار گری بت زمین پر گر پڑا اور یوں ضعیف الاعتقاد لوگوں کو مرعوب کرنے والا پنڈتوں کا طلسم چکنا چور ہو گیا۔ ایک محتاط تخمینہ کے مطابق سومنات پر حملہ کے لئے محمود کے پاس کم از کم ایک لاکھ اونٹ اور گھوڑے تھے اور سواروں کی تعداد (ہندو بستی کو شامل کرتے ہوئے) بھی ایک لاکھ تھی۔ یہ عظیم مجاہد ارادے کا پختہ تھا۔ اسلام کی سربلندی کی خاطر اور بتوں کو برباد کرنے کے جذبہ نے اس کے سامنے ہر رکاوٹ کو آسان کر دیا تھا۔ اس کی مقناطیسی قیادت نے فوج میں اتحاد تنظیم اور یقین محکم قائم کیا ہوا تھا۔ دیلواڑہ بھی بغیر لڑائی فتح ہو گیا۔ کیونکہ وہاں کے ہندوؤں کو یقین تھا کہ سومنات جی مسلمانوں کو فنا کر دیں گے۔ سلطان رکاوٹوں کو پار کرتا ہوا جمعرات کے دن سومنات پہنچ گیا۔ ہندوؤں میں یہ بات مشہور تھی کہ محمود ہندوستان کے بیشتر مندروں اور بتوں کو برباد کرنے میں اس لئے کامیاب ہوا تھا کہ سومنات جی ہندوؤں سے ناراض تھے۔ اس لئے محمود کے سومنات پہنچنے پر ہندو خوش ہو رہے تھے کہ سومنات جی جلد ہی سلطان اور اسکی فوج کو تباہ کر دیں گے۔ شہر کے مغرب کی جانب سمندر تھا۔ خندق گہری تھی۔ سومنات کی حفاظتی فوج قلعہ بند تھی۔ قلعہ سے باہر شہر سے کچھ دور راجاؤں کی فوج پڑاؤ ڈالے تھی۔ محمود نے قلعہ کو تین اطراف سے گھیر لیا اور قلعہ سے باہر فوج کو روکنے کے لیے ایک دستے نے دفاعی پوزیشن اختیار کر لی تاکہ سلطان کے قلعہ پر حملہ میں ادھر سے مداخلت نہ ہو سلطان کو یقین تھا کہ اگر قلعہ اور مندر فتح ہو گیا تو قلعہ سے باہر ہندو فوج بد دل ہو جائے گی۔ ہندو فوج اور شہری

قلعے سے باہر دیواروں اور چھتوں پر چڑھ کر مسلمانوں کا تمسخر اڑانے لگے اور خوش ہو رہے تھے کہ جلد سومنات جی انہیں تباہ کر دیں گے۔ سلطان جلد از جلد مندر فتح کرنا چاہتا تھا۔ سلطان خود شہر میں داخل ہو گیا۔ سلطان بُت کے سامنے پہنچا تو اپنا جنگی کلہاڑا اٹھایا۔ پجاریوں نے رو رو کر التجا کی کہ وہ بت کو نہ توڑے اس کے بدلے بے پناہ دولت قبول کرے۔ مگر محمود نے کہا ''وہ چاہتا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ یہ کہہ کر پکارے کہ کدھر ہے محمود جس نے دنیا کا سب سے بڑا بت توڑا۔ وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ یہ کہہ کر پکارے کہ کدھر ہے وہ محمود جس نے دولت کے بدلے بت فروخت کر دیا۔'' یہ کہہ کر محمود نے ایک ہی ضرب سے بت کو توڑ دیا۔ درجنوں سونے اور چاندی کے بت بھی ملے۔ سومنات کا بت جس کمرے میں تھا وہاں کوئی روشنی نہ کی جاتی تھی البتہ کمرے میں ہیروں اور جواہرات کی جگمگاہٹ سے اس قدر روشنی تھی کہ فرش پر تنکا تک نظر آتا تھا۔ شہر کے فتح ہوتے ہی قلعہ سے باہر ہندو فوج بددل ہو کر بھاگی۔ ہندوؤں کو یقین ہو گیا کہ سلطان ناقابل تسخیر قوت کا مالک ہے۔ محمود نے بھاگتی ہوئی فوج کا تعاقب کیا۔ سلطان نے بتوں کو برباد کر کے گجرات کا علاقہ دیو آسرم کے حوالے کیا کنڈلا سے محمود سیدھا شمال کی جانب ڈیلو، نگر کوٹ اور عمر کوٹ کے راستے منصورہ کی جانب روانہ ہوا۔ منصورہ (برانابر ہمن آباد تقریباً ۴۵ میل حیدر آباد کے شمال مشرق میں نزد نواب شاہ) کے حاکم کو سزا دینا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس نے داؤد حاکم ملتان کی مدد کی تھی۔ منصورہ کا حاکم بھی قرامطی تھی۔ سلطان محمود ہر کام کو انجام دینے کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور جھک جاتا تھا اور گڑگڑا کر کامیابی کے لئے دعا کیا کرتا تھا۔ محمود کی آمد کی اطلاع جب حاکم منصورہ کو ہوئی تو دریائے سندھ کو عبور کر کے کھجور کے جنگل میں چھپ گیا۔ مگر محمود کے برق رفتار دستوں نے جنگل کو گھیر لیا اور حاکم منصورہ اور اس کے بہت سارے عقیدت مند افراد کو قتل کر دیا۔ اور سیدھا غزنی ۱۰ صفر ۴۱۷ھ (۱۲ اپریل ۱۰۲۶ء) کو کامیاب و کامران پہنچا۔ سلطان کی یہ فتح بے شک اسلامی تاریخ کی ایک عظیم ترین فتح ہے۔ دنیا کی بہترین فتوحات میں یہ ایک شاندار فتح ہے۔ اس فتح پر فخر کرنا ہر مسلمان ہر حق ہے۔ محمود کے شاندار کارناموں کی خبر آگ کی طرح تمام عالم اسلام میں پھیل گئی۔ ہر گھر میں خوشی منائی گئی۔ سلطنت کے طول و عرض میں جشن منائے گئے۔

محمود نے حملہ نمبر **17** جاٹوں کے خلاف سال **1027**ء میں کیا۔ جاٹوں کو سزا دینے کے لئے سلطان کی یہ بڑی لڑائی تھی۔ جاٹ پنج ند کے علاقے میں دریا کے جزیروں میں پناہ گزین تھے۔ یہ ہندو جاٹ دیوتا لنگا کی پوجا کرتے تھے ان کے پاس چار ہزار کشتیاں تھیں۔ سلطان نے بھی چودہ سو کشتیاں تیار کروائیں۔ ہر کشتی میں بیس ہزار تیر انداز اور آگ پھینکنے والے ہتھیاروں سے لیس نفت انداز سوار تھے۔ ہر کشتی کے سامنے دائیں اور بائیں طرف تین تین نوکدار لوہے کی سلاخیں لگی تھیں۔ یہ سلاخیں باہر نکلی ہوئی تھیں تاکہ دشمن کی کشتی کو ٹکرا مار کر اس

میں چھید کر دیا جائے۔ بھاری کشتیوں میں ہلکی منجنیقیں نصب کی گئیں۔ کناروں پر جنگی ہاتھی اور گھوڑا سوار خشکی پر موجود دشمن سے نبٹنے کے لئے موجود تھے۔ دریا کا پاٹ بہت چوڑا تھا۔ محمود نے دریا کے بہاؤ کے ساتھ اپنا بیڑہ روانہ کیا۔ دونوں بیڑوں کا خوفناک تصادم ہوا۔ مگر چند گھنٹوں کی لڑائی کے بعد محمود کامیاب رہا۔ اور جاٹوں نے بھاری نقصان اٹھایا۔ ان سترہ حملوں میں محمود کامیاب و کامران رہا اُسے کسی ایک حملہ میں بھی شکست نہیں ہوئی۔ ہندوستان میں اسلام کا جھنڈا بلند کیا اسلام کی شمعیں روشن کیں۔

حضرت شیخ جلال الدین فاروقی تھانیسری رحمتہ اللہ علیہ

حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری کے جد امجد اور دیگر اعزا و اقرباء علماء نے حضرت کی پیدائش سے تین سال پہلے ہندوستان میں تشریف لا کر سب سے پہلے تھانیسر میں قیام کیا تھا۔ چونکہ حضرت کے بزرگ علمائے صالحین میں سے تھے۔ اس لئے مسلم سلاطین کے دورِ حکومت میں حکومت کی طرف سے کافی پذیرائی تھی۔ جس جگہ حضرت کے بزرگ تھانیسر میں آباد ہوئے تھے۔ وہ عظیم قلعہ راجہ ہریش چندر کا تھا۔ یہ قلعہ راجہ پرتھوی راج کے قبضہ میں تھا۔ ہندوستان کا آخری ہندو فرماں روا تھا۔ شہاب الدین غوری کے مقابلہ میں تھوی راج کو شکست ہو گئی تھی۔ شہاب الدین غوری نے اس قلعہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور شکستہ و منہدم شدہ قلعہ پر مسلمان آباد ہونے لگے۔ ۸۵۵ تک مسلسل حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری کے آباؤ اجداد اس قلعہ پر آباد رہے۔ قانون قدرت کے مطابق ۱۹۴۷ میں مسلمانوں کا تھانیسر شریف سے خاتمہ ہو گیا۔ حضرت شیخ رحمتہ اللہ علیہ کے والد حضرت قاضی محمود بلخ سے ہندوستان تشریف لا کر اپنے عزیزوں میں شامل ہو کر تھانیسر میں آباد ہو گئے۔ اُس وقت آپ کی عمر سات سال کی تھی۔ قرآن شریف حفظ کر چکے تھے۔ تھانیسر میں وارد ہو کر مدرسہ اسلامیہ میں داخل ہو گئے۔ اور سترہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے۔ اور دیگر علماء کی طرف سے دستار فضیلت عطا کی گئی۔

''حضرت شیخ کا تقرر مدرسہ اسلامیہ میں اسلامی علوم و فنون پڑھانے پر کر دیا گیا۔ حضرت کی شہرت پورے ملک میں پھیل گئی۔ بلخ، بخارا اور عرب ممالک سے بھی تشنگان علوم تھانیسر میں آنے لگے۔ حضرت نے دارالعلوم قائم کیا۔ جو حضرت کی وفات کے بعد ڈیڑھ سو سال تک قائم رہا۔ زمانہ درس و تدریس میں آپ ہندوستان کے مفتی اعظم بھی تھے۔ عرب ممالک سے بھی فتاوی آتے تھے۔ جلال الدین شہنشاہ اکبر کا دور تھا۔ بہت سے علماء سرکاری عہدوں پر فائز تھے۔ حضرت شیخ اکبر کے دربار میں کبھی بھی تشریف نہیں لے گئے۔ شہنشاہ اکبر آپ سے ناراض ہو گیا۔ اور آپ کی نظر بندی کے احکام دربار اکبری سے نافذ کر دیئے گئے۔ اور حضرت کو تھانیسری میں نظر بند کر دیا گیا۔ نظر بندی کا زمانہ سات سال ہے۔ سات سال کے بعد حضرت کی پاکبازی اور زہد و تقویٰ کا اثر اکبر بادشاہ پر ہوا۔ اور وہ آگرہ سے روانہ ہو کر حضرت کے دارالعلوم میں پہنچ کر قدم بوس ہوا۔ پورا لشکر ساتھ تھا۔ علامہ ابوالفضل، علامہ فیضی، راجہ بیربل ہمراہ تھے۔ تیر

روز تک مسلسل اکبر شاہی خیمہ سے حضرت کے دار العلوم میں آتا رہا۔ اور مختلف مسائل پر گفتگو ہوتی رہی۔ منجملہ دیگر واقعات کے اکبر نے یہ بھی دریافت کیا۔ کہ زمین کا بادشاہ مالک ہے یا زمیندار ؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ زمین کا مالک نہ بادشاہ ہے اور نہ زمیندار، صرف کاشتکار مالک ہے۔ جو خون پسینہ ایک کر کے غلہ اور سبزیاں پیدا کرتا ہے۔'' اس سلسلہ میں آپ نے ایک کتاب بھی لکھی تھی۔ جس کا نام '' تحقیقات اراضیات ہند '' ہے۔ حضرت کے قلمی مسودات لندن کے عجائب خانہ میں موجود ہیں۔ اسلام کا اقتصادی نظام مصنفہ حضرت مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ مطبوعہ دفتر ندوۃ المصنفین اُردو بازار دہلی آپ نے تقریباً ۷۵ سال تک دار العلوم میں قیام فرمایا۔ اور پوری زندگی اسلامی علوم طلبا کو پڑھانے میں مشغول رہے۔ ۲۵ برس تک حضرت قطب عالم شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ کا قیام شاہ آباد ضلع کرنال میں رہا تھا۔ روضہ رسول مقبول ﷺ کے قریب فاتحہ پڑھتے وقت ایک بشارت کے مطابق ہندوستان میں واپس تشریف لا کر حضرت گنگوہی کے دست حق پرست پر بیعت فرمائی۔ اور چند سال کے بعد خلافت بھی حاصل ہو گئی۔ چونکہ یہ شرف گنگوہ کو حاصل ہونا تھا۔ اس لئے شاہ آباد کی سکونت ترک کر کے حضرت شیخ عبد القدوسؒ گنگوہ تشریف لے گئے۔ اور حضرت کی وفات کے بعد گنگوہ۔ گنگوہ شریف ہو گیا۔ اور ملک بھر میں گنگوہ شریف کی شہرت ہو گئی۔ قطب عالم فقیہہ اُمت حضرت شیخ جلال الدین فاروقی تھانیسریؒ نے ۹۳ سال کی عمر میں ۱۴ یا ۲۴ ذی الحجہ ۹۸۹ ہجری میں بمقام تھانیسر ضلع کرنال انتقال فرمایا۔ حضرت مجدد الف ثانی احمد فاروقی سرہندی حضرت تھانیسری کے بھانجے تھے۔ اور حضرت مجدد الف ثانی کی تمام تعلیم وتربیت تھانیسر ہی میں انجام پائی ہے۔

ہندوستان کے بزرگان دین کے فوٹو
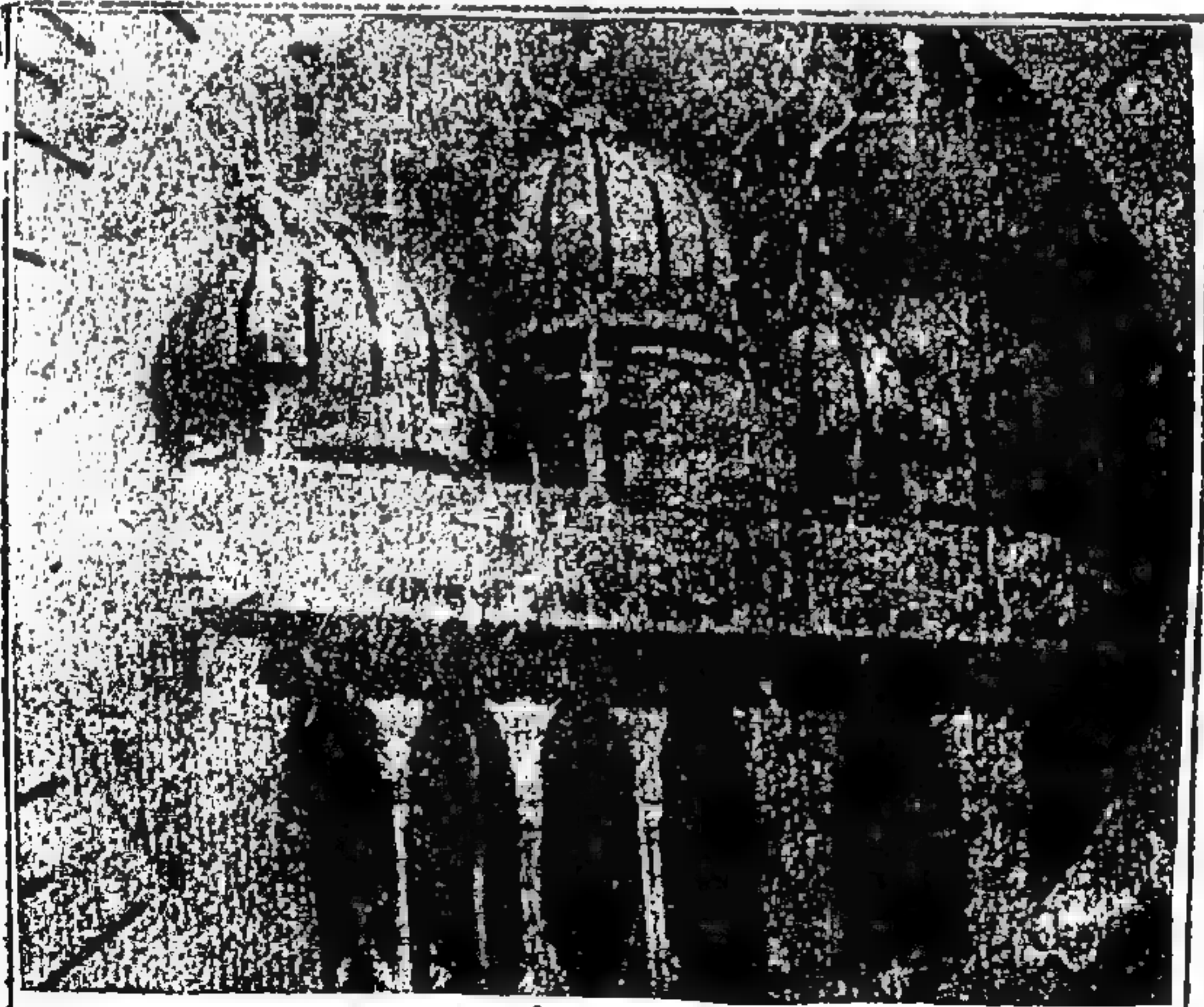
روضہ انور شاہ نیاز احمد چشتی نظامیؒ بریلی شریف
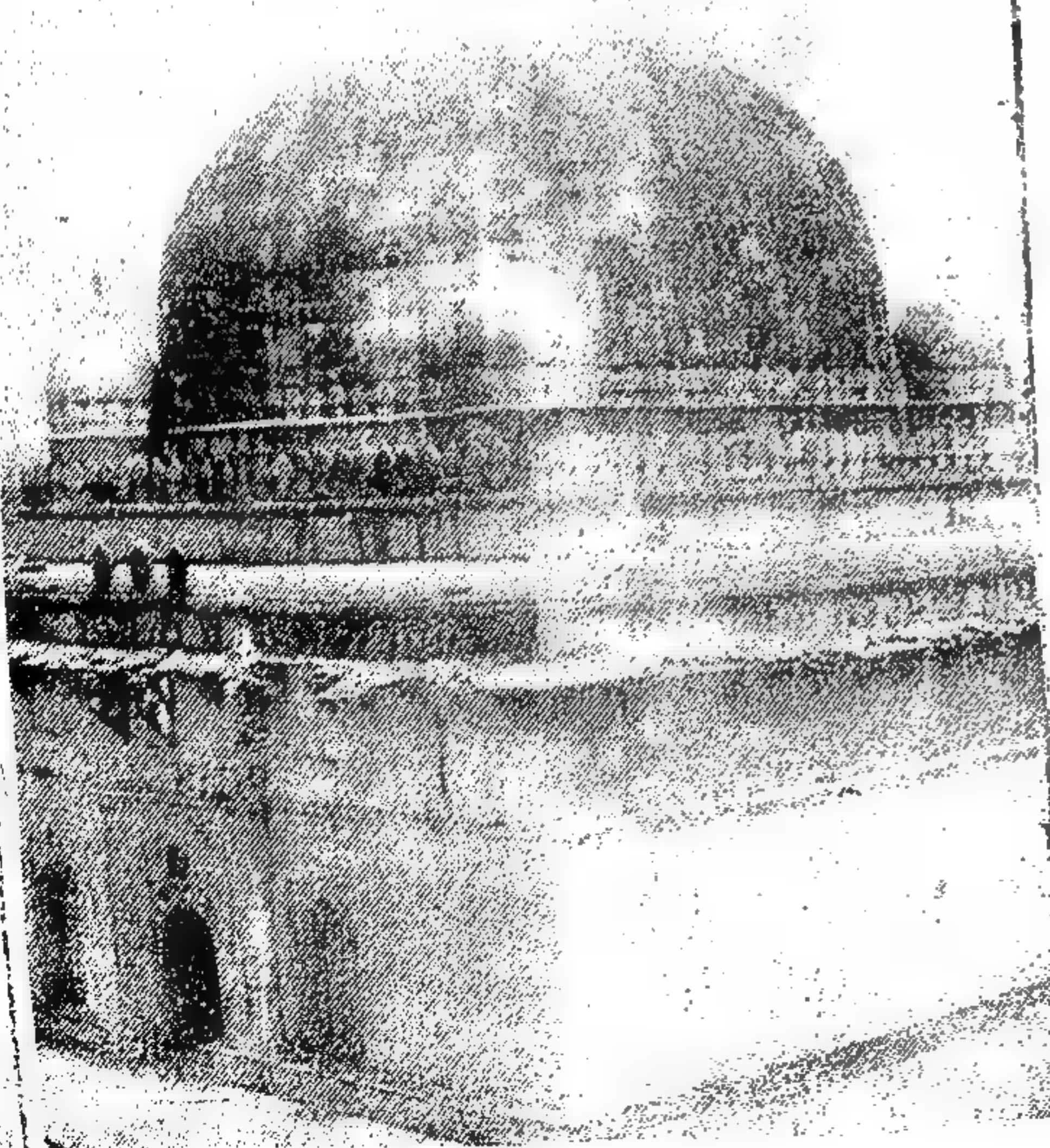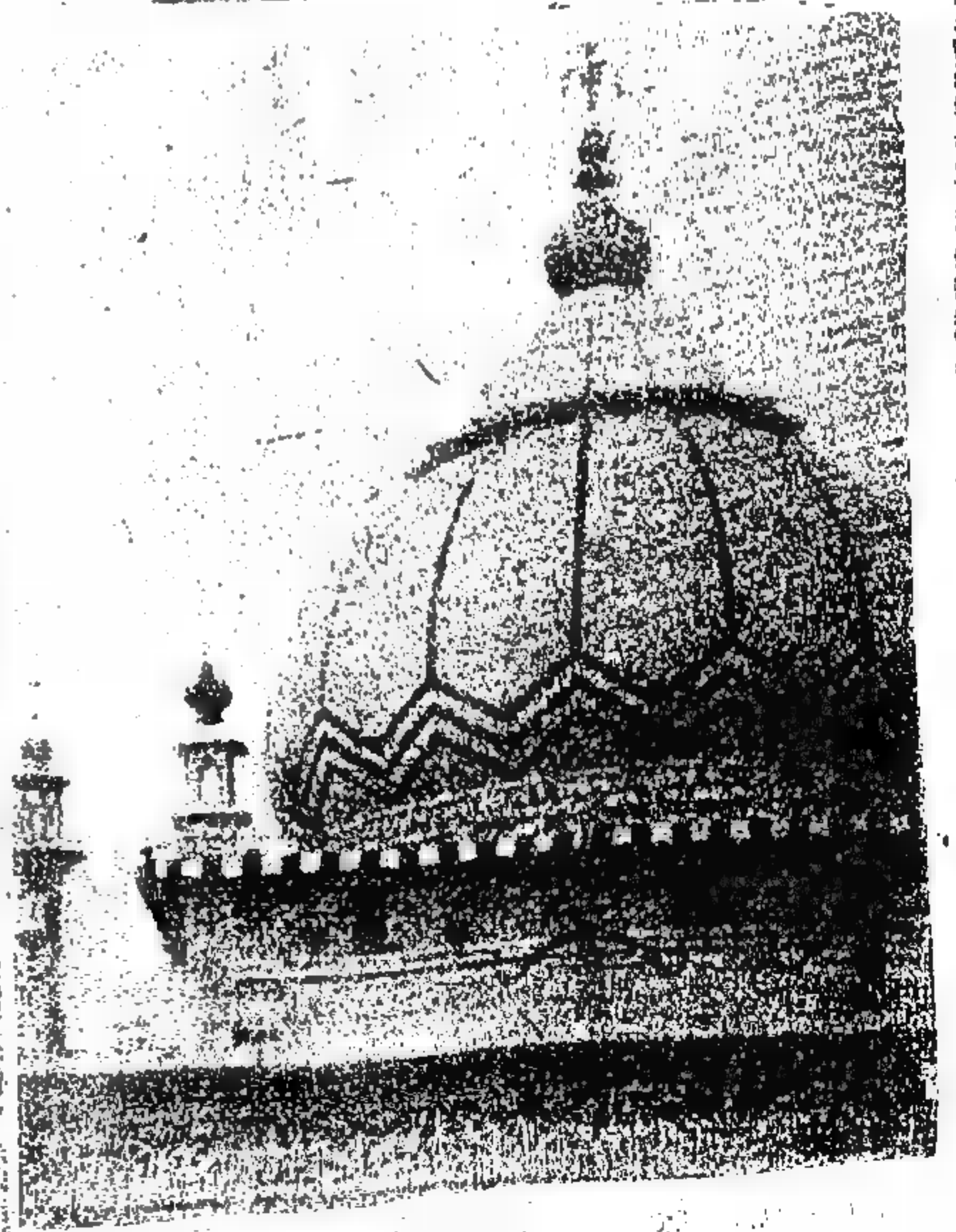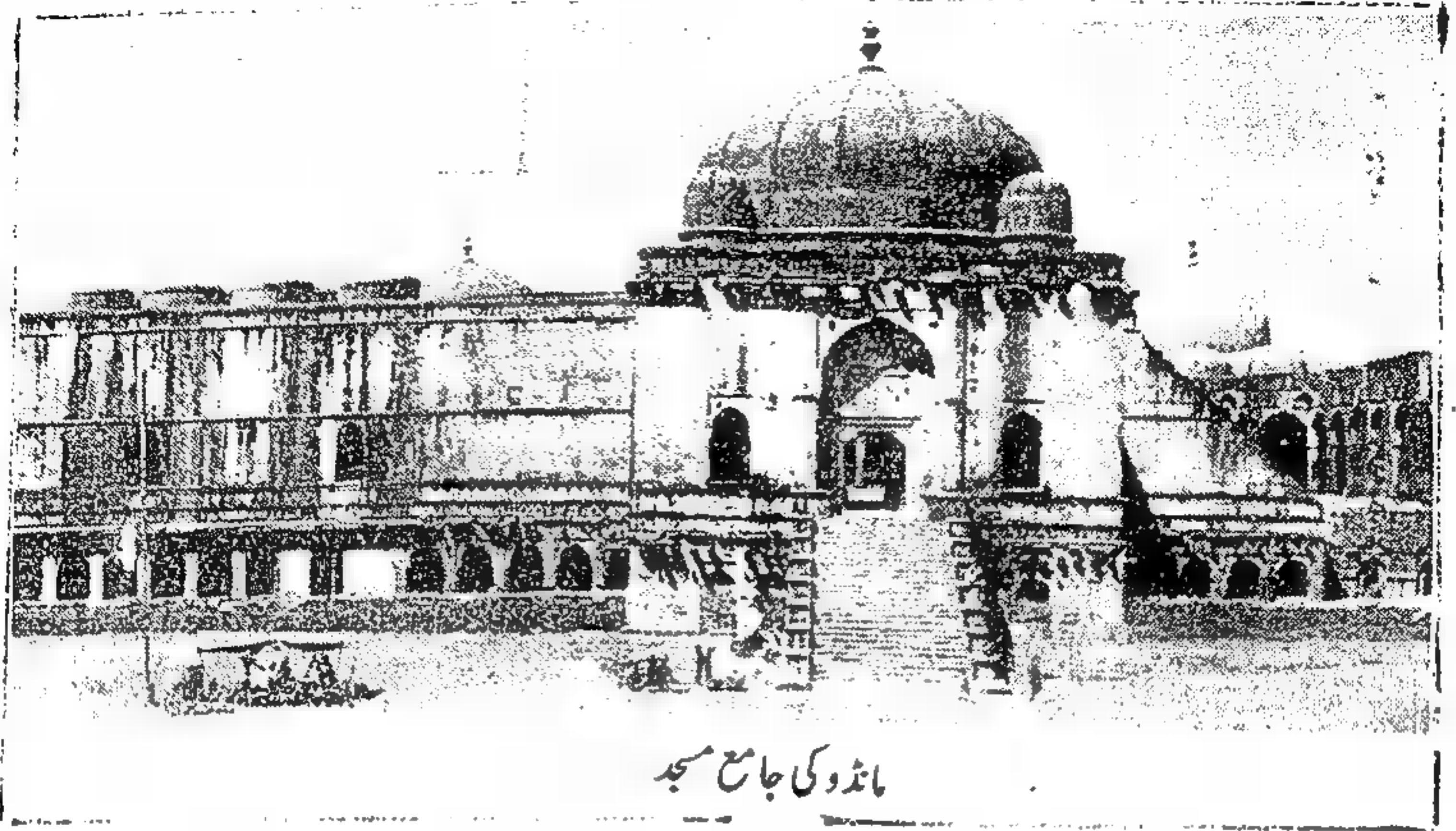
مانڈو کی جامع مسجد

ہندوستان کے بزرگان دین علماء و مشاہیر کے نام

موسیٰ بن یحییٰ برمکی۔ ابراہیم ابن مسعود غزنوی۔ احمد بن نیالتگین غزنوی۔ ارباق الحاجب غزنوی۔ ابوالمنصور بن علی غزنوی۔ سعد بن سلمان لاھوری۔ نوشتگین بن الحاجب الکوفی۔ احمد بن زین ملتانی۔ سالار حسین علوی۔ شیخ نور الدین الاری دہلوی۔ حسین بن احمد العلوی ہانسوی۔ خسروشاہ الغزنوی۔ طغالتگین الحاجب۔ سید کمال الد[illegible] باھلیم الحاجب۔ سید سالار مسعود غازی۔ شیخ احمد بن علی ترمذی۔ اسحاق بن علی بخاری دہلوی۔ ایوب ترکمانی مارہروی دہلوی۔ شیخ بدرالدین علوی دل متوی۔ شیخ بدرالدین بدایونی۔ شیخ بدرالدین سمرقندی۔ مولانا برہان الدین البزار دہلوی۔ مولانا برہان الدین نسفی۔ مولانا تقی الدین انہونوی۔ قاضی جلال الدین کاشانی۔ شیخ صلاح الدین حسن کیتھلی۔ حسین خنگ سوار اجمیری۔ حسام الدین ماری کلی دھلوی۔ داؤد بن محمود اودی۔ قاضی رفیع الدین گازرونی۔ شیخ رکن الدین دہلوی۔ زید بن اسامہ حلی۔ مولانا سدید الدین حنفی دہلوی۔ قاضی سعد الدین کرری۔ شیخ سلیمان ابن عبداللہ العباسی الھاشمی۔ مولانا شرف الدین ابو توامہ حنفی دہلوی۔ مولانا شرف الدین عراقی۔ مولانا شمس الدین خوارزمی۔ قاضی شمس الدین مرانی۔ شیخ شہاب الدین جگ جوت۔ مولانا صمصام الدین فرغانی۔ قاضی ظہیر الدین دہلوی۔ شیخ عبدالرشید کیتھلی۔ شیخ عبدالعزیز بن محمد دمشقی۔ خواجہ عزیز کرکی۔ علی بن احمد چشتی۔ علی بن اسحاق بخاری دہلوی۔ ضیاء الدین علی بن اسامہ الحلی۔ فخر الدین عمید النونکی۔ شیخ فخر الدین زاہدی میرٹھی۔ شیخ قدوۃ الدین اودی۔ نور الدین المبارک غزنوی۔ شیخ محمد بن حسن اجمیری۔ شیخ محمد بن احمد مارتکی دہلوی۔ شیخ محمد ابن احمد المدنی۔ عزالدین محمد بن [illegible] خلجی۔ شیخ محمد بن الحسن نیشاپوری دہلوی۔ قاضی محمد بن عطا ناگوری۔ محمد بن علی حسینی بلگرامی۔ خواجہ محمد بن عوض المستوفی [illegible]۔ عماد الدین محمد بن محمد دہلوی۔ شیخ الاسلام جمال الدین محمد بن بسطامی۔ عماد الدین محمود شقور قانی دہلوی۔ شیخ محمد [illegible] کمالی۔ محمود بن ابو الخیر اسعد بلخی دہلوی۔ نجم الدین الصغریٰ۔ شیخ نجیب الدین الفردوسی الدہلوی۔ قاضی نصیر الدین دہلوی۔ [illegible]

سنکانی۔ احمد بن خسرو دہلوی۔ شیخ احمد بن شہاب دہلوی۔ شیخ احمد بن یحییٰ منیری۔ احمد بن محمد تھاری۔ سید احمد غزنوی۔
شیخ اسحاق مغربی۔ مولانا اعزالدین بدایونی۔ شیخ امام الدین دہلویؒ۔ مولانا بہاء الدین ملتانی۔ مولانا تاج الدین کلاہی۔
مولانا تاج الدین المقدم۔ جلال الدین تبریزی۔ مولانا جلال الدین رومی۔ شیخ جمال الدین الکوئلی۔ نجم الدین حسن بن
علاء سنجری۔ حسین بن محمد الکرمانی۔ حسین بن عمر غیاث پوری۔ مولانا حماد الدین کاشانی۔ شیخ حمید الدین قلندر دہلوی۔
سید خضر رومی۔ شیخ دانیال بن حسن ستر کی۔ داؤد بن حسین شیرازی۔ شیخ رکن الدین کاشانی۔ شیخ زید الدین الاودھی۔
شیخ سعید الدین قندہاری۔ قاضی سماء الدین جبوری۔ شیخ شرف الدین الحسینی امروہوی۔ شیخ شمس الدین دہلوی۔ مولانا
شمس الدین ثم دہلوی۔ مولانا شمس الدین دہلوی۔ مولانا شمس الدین الدہاوا سیونی۔ مولانا شہاب الدین دہلوی۔
شیخ شہاب الدین الزاہدی۔ مولانا صدر الشریف سمرقندی۔ شیخ صلاح الدین ملتانی۔ شیخ ضیاء الدین رومی۔ شیخ ظہیر
الدین ظفر آبادی۔ شیخ عبدالعزیز اردبیلی۔ شیخ عبدالعزیز دہلوی۔ قاضی عبدالمقتدر کندی۔ شیخ عثمان ابن داؤد ملتانی۔
شیخ سراج الدین عثمان اودھی۔ شیخ عزیز الدین دہلوی۔ شیخ علاء الدین الہندی۔ شیخ علاء الدین الاودھی۔ شیخ علاء الدین
السدیلوی۔ شیخ علی بن الحمید ناگوری۔ شیخ علی بن احمد غوری۔ شیخ علی بن محمد جیوری۔ شیخ علی بن محمد جہونسوی۔ علی ابن علی
جہونسوی۔ شیخ عمر بن اسعد پنڈوی۔ شیخ عمر بن محمد سنامی۔ شیخ عین الدین بیجاپوری۔ فخر الدین زاہدی میرٹھی۔ مولانا فخر
الدین دہلوی۔ شیخ فرید الدین ناگوری۔ شیخ فرید الدین دولت آبادی۔ شیخ قطب الدین ہانسوی۔ مولانا کریم الدین
سمرقندی۔ شیخ کمال الدین غاری۔ مولانا کمال الدین الکوئلی۔ شیخ کمال الدین مالوی۔ شیخ محمد بن احمد دہلوی۔ حضرت شاہ
نظام المشائخ الاولیاء بدایونی۔ محمد بن مبارک کرمانی۔ شیخ محمد بن محمود پانی پتی۔ شیخ محمد ابن نظام الدین بہرائچی۔ شیخ محمد ابن
محمد الفرشوری۔ شیخ محمد بن محمود کرمانی۔ شیخ محمود بن یحییٰ الاودھی۔ شیخ محمود بن الحسین الحسینی البخاری۔ شیخ معزالدین
الدہلوی۔ شیخ منتخب الدین ہانسوی۔ شیخ نور الدین ہانسوی۔ شیخ یوسف چندیروی۔ شیخ ابوالفتح ابن العلاء کالپوری۔ شیخ احمد بن
برہان گجراتی آخر اولیاً۔ شیخ احمد بن الحسن بلخی۔ شیخ احمد بن الحسن بلخی۔ شیخ احمد بن عمر الردولوی۔ شیخ احمد بن محمد نہروانی۔
شیخ احمد ابن ابو احمد ماہپوری۔ قاضی احمد ابن عمر دولت آبادی۔ قاضی احمد بن محمد جونپوری۔ شیخ احمد بن عمر پنڈوی۔ شیخ احمد
بن محمد راچپوری۔ شیخ اسحاق ابن بہرام الاُچی۔ قاضی اسحاق مالوی۔ الشیخ اجمل بن امجد جون پوری۔ شیخ الکبیر المعمر بدیع
الدین مدار مکھن پوری۔ شیخ بڈھن بہرائچی۔ قاضی تاج الدین ظفر آبادی۔ شیخ جلال الدین گجراتی۔ شیخ جلال الدین ابن
ابوالفتح قنوجی۔ شیخ جمشید اسرائیلی راجگیری۔ شیخ حسام الدین مانک پوری۔ شیخ حسن بن حسین بلخی۔ شیخ حسن بن محمد
الگجراتی۔ شیخ حسین بن المعز بلخی۔ مولانا خواجگی دہلوی۔ شیخ خوند میر المفتنی۔ شیخ رکن الدین جون پوری۔ شیخ زہید بن
بدھا سارنی۔ شیخ زین الدین بغدادی گنج نشین۔ شیخ سارنگ لکھنوی۔ شیخ سراج الدین گجراتی۔ شیخ سراج الدین ملتانی۔
شیخ سعد اللہ کنتوری۔ شیخ شرف الدین المشہدی۔ شیخ شرف الدین گجراتی المشہور بہ کھوخاں۔ شیخ شمس الدین اودھی۔
شیخ شبلی ابن محمد گازرونی۔ قاضی شہاب الدین اودھی۔ شیخ شمس الدین ظفر آبادی۔ مولانا عادل الملک جونپوری۔
شیخ عبدالرزاق کچھوچھوی۔ شیخ عبداللہ شطاری۔ شیخ عبداللہ بن محمود الحسینی البخاری۔ شیخ عثمان الحسینی الگجراتی۔ شیخ عین

الدین بیجاپوری۔ شیخ غوث الدین گجراتی۔ شیخ کمال الدین کرمانی۔ قاضی کمال الدین ناگوری۔ شیخ مبارک بنارسی۔ محمد بن ابوالبقا الکرمانی۔ شیخ محمد بن جعفر الحسینی المکی الدہلوی۔ شیخ محمد بن الحسین فتنی۔ شیخ محمد بن حسین تتوی۔ شیخ محمد ابن ظہیر الدین العباسی۔ محمد بن عبداللہ الحسینی البخاری گجراتی۔ شیخ محمد بن العلاً منیری۔ شیخ محمد بن قاسم اودھی۔ شیخ محمد بن قطب لکھنوی۔ شیخ محمد بن علی الحسینی۔ شیخ محمد ابن یوسف حسینی دہلوی۔ شیخ محمد متوکل کنتوری۔ قاضی محمد ساوی۔ شیخ محمود بن عبداللہ البخاری۔ شیخ مسعود بن ظہیر فتح پوری۔ شیخ مظفر بن شمس بلخی۔ مودود بن محمد گجراتی۔ شیخ نصیر بن الجمال گجراتی۔ شیخ نجم الدین قلندر دہلوی۔ شیخ نظام الدین آسیری۔ شیخ نظام الدین مانکپوری۔ مولانا نورالدین انبھوی۔ شیخ یداللہ الحسینی گلبرگوی۔ شیخ یوسف بن اسمٰعیل ملتانی۔ شیخ ابراہیم احمد عکاری بہاری المشہور بہ سلطان۔ شیخ ابراہیم بروجی۔ شیخ ابوالغیث عکاری۔ ابوالفتح بن الجمال مکی (اکبر آبادی)۔ شیخ ابوالفتح بن محمد منیری المشہور بہ سرمست۔ شیخ ابو محمد تمیمی برہان پوری۔ شیخ ابویزید برہان پوری۔ شیخ احمد بن ابوبکر حضرمی۔ شیخ احمد بن جلال گجراتی۔ شیخ احمد بن عبدالقدوس گنگوئی۔ شیخ احمد بن مجدالدین شیبانی۔ شیخ احمد بن نعمت اللہ چندیروی۔ شیخ احمد بن نظام مانک پوری۔ شیخ اسحاق بن محمد بن ابراہیم ملتانی۔ شیخ اسماعیل بن حسن ناگوری۔ شیخ الہ بخش گیلانی۔ شیخ الہداد بن عبداللہ جون پوری۔ سید امین الدین گجراتی۔ شیخ خشو مندسوری۔ شیخ بدرالدین گجراتی۔

شیخ ابراہیم احمد عکاری بہاری المشہور بہ سلطان۔ سیّد ابراہیم بن احمد بغدادی۔ شیخ ابراہیم بن الجمال سندھی۔ مولانا ابراہیم ابن فتح اللہ ملتانی المشہور بہ جامع۔ شیخ ابراہیم بن محمد ملتانی۔ قاضی ابراہیم سرہندی۔ شیخ ابراہیم سندھی۔ شیخ ابراہیم بروجی۔ مولانا ابوالبقاء خراسانی۔ شیخ ابوبکر اکبر آبادی۔ شیخ ابوسعید کالپوری۔ شیخ ابوالغیث عکاری۔ ابوالفتح بن الجمال مکیّ (اکبر آبادی)۔ الحکیم ابوالفتح بن عبدالرزاق گیلانی۔ المفتی ابوالفتح بن عبدالغفور تھانیسری۔ شیخ ابوالفتح بن محمد منیری المشہور بہ سرمست۔ ابوالفضل خطیب گاذرونی۔ شیخ ابوالفضل استرآبادی۔ شیخ ابوالقاسم بن احمد مکیّ۔ شیخ ابو محمد تمیمی برہان پوری۔ قاضی ابوالمعالی البخاری اکبر آبادی۔ شیخ ابوالواحد ہروی۔ شیخ ابویزید برہان پوری۔ مولانا اثیرالدین کاہانی (سندھی)۔ شیخ احمد بن ابوبکر حضرمی۔ شیخ احمد بن ابوالفتح غازی پوری۔ شیخ احمد بن اسحاق سندھی۔ شیخ احمد بن اسماعیل ظفر آبادی۔ شیخ احمد بن اسماعیل مندوی۔ شیخ احمد بن بدرالدین مصری۔ شیخ احمد بن جعفر گجراتی۔ شیخ احمد بن جلال گجراتی۔ شیخ احمد بن خطیر گوالیاری۔ شیخ احمد بن خلیل بیجاپوری۔ شیخ احمد بن زین جون پوری۔ شیخ احمد بن ضیا مندوی۔ شیخ احمد بن عبدالقدوس گنگوہی۔ شیخ احمد بن عبدالملک لاہوری۔ شیخ احمد بن مجدالدین شیبانی۔ شیخ احمد بن محمد نہروالی۔ شیخ احمد بن محمد بہاری۔ شیخ احمد بن محمد سندیلوی۔ قاضی احمد بن محمود نصیر آبادی۔ شیخ احمد بن نصر اللہ ٹھٹھوی سندھی۔ شیخ احمد بن نظام مانک پوری۔ شیخ احمد بن نعمت اللہ چندیروی۔ شیخ احمد سرہندی۔ شیخ احمد اُجینی۔ قاضی احمد الغفاری۔ قاضی احمد سندھی۔ شیخ احمد ہروی۔ شیخ احمد الفیاض امیٹھوی۔ شیخ احمد ملتانی۔ شیخ اُدھن بلگرامی۔ شیخ اسحاق بن کاکو لاہوری۔ شیخ اسحاق بن محمد بن

ابراہیم ملتانی۔ شیخ اسماعیل بن ابدال۔ شیخ اسماعیل بن حسن ناگوری۔ شیخ اسماعیل بن عبداللہ لاہوری۔ شیخ اسماعیل بن محمد ملتانی۔ مولانا اسماعیل نقشبندی۔ مولانا اسماعیل عرب۔ شیخ افضل حُسینی کشمیری۔ شیخ الہٰ بخش گیلانی۔ شیخ الہٰ بخش گجراتی۔ مولانا الہداد سلطان پوری۔ شیخ الہداد بن حمید المدوی۔ شیخ الہداد بن سعد اللہ قنوجی۔ شیخ الہداد بن صالح سرہندی۔ شیخ الہداد بن عبداللہ جون پوری۔ مولانا الہداد بن کمال لکھنوی۔ مولانا الہداد امروہی۔ مولانا الیاس اروہلی۔ مولانا امان اللہ سرہندی۔ سید امین الدین گجراتی۔ شیخ اولیا بن سراج کالپوی۔ مولانا اویس گوالیری۔ خواجہ ایوب الکشی۔ میرک بایزید سندھی سکھری۔ الشیخ بایزید اجمیری۔ شیخ بایزید جالندھری۔ جام بایزید سندھی۔ شیخ بخشو مندسوری۔ شیخ بدرالدین گجراتی۔ شیخ بدرالدین اکبر آبادی۔ شیخ بدرالدین ملتانی۔ مولانا بدرالدین سرہندی۔ شیخ بڈھن مندسوری۔ شیخ بڈھن منیری۔ شیخ بڈھن اجونوی۔ برہان نظام شاہ احمد نگری۔ شیخ برہان الدین کالپوری۔ القاضی برہان الدین گجراتی۔ الشیخ برہان الدین گجرای۔ مولانا برہان الدین ملتانی۔ شیخ بلال محدث سندھی۔ سلطان بہادر شاہ گجراتی۔ بہاؤالدین انصاری جنیدی۔ الشیخ بہاؤالدین العمری جونپوری۔ شیخ بہاؤالدین کوڑوی۔ مفتی بہاؤالدین اکبر آبادی۔ شیخ بہاؤالدین حسین اردستانی۔ شیخ حسین بغدادی۔ شیخ حسین بزہری۔ شیخ حسین ملتانی۔ شیخ حماد ردولوی۔ شیخ حمید الدین گوالیری۔ مولانا حمید الدین گجراتی۔ مولانا حمید الدین سنبھلی۔ شیخ حنیف حسینی۔ مرزا حیدر گورگانی۔ الشیخ خاصہ بن خضر امیٹھوی۔ خان جیو بن داؤد الصدیقی گجراتی۔ الشیخ خاتون گوالیری۔ خواجہ عالم گجراتی۔ شیخ خواجگی سدھوری۔ خسرو آقالاری۔ شیخ خضر بن رکن جون پوری۔ سید خوند میر گجراتی۔ شیخ دانیال بن حسن جون پوری۔ الشیخ داؤد بن حسن کشمیری۔ الشیخ داؤد بن عجب شاہ گجراتی۔ شیخ داؤد بن فتح اللہ کرمانی۔ الشیخ داؤد بن قطب بناری۔ شیخ العالم الفقیہ داؤد سندھی۔ قاضی دتہ سیوستانی۔ مولانا درویش محمد دہلوی۔ شیخ دتین جون پوری۔ الشیخ راجح بن داؤد گجراتی۔ شیخ راجی محمد اُلاجینی۔ شیخ رحمت اللہ سندھی۔ شیخ رحمت اللہ گجراتی۔ مولانا رزق اللہ دہلوی۔ شیخ زکریا بن عیسیٰ دہلوی۔ شیخ زین الدین ابن عبدالعزیز ملیباری۔ شیخ زین الدین علی ملیباری۔ مولانا زین الدین خوافی۔ شیخ زین العابدین دہلوی۔ شیخ سالار بن حبۃ الدین کوڑوی۔ شیخ سراج الدین کالپوری۔ الحکیم سراج الدین گجراتی۔ شیخ سعد الدین لاری۔ مولانا سعد اللہ لاہوری۔ شیخ سعد اللہ دہلوی۔ شیخ سعد اللہ بیانوی۔ مولانا سعد اللہ سندھی۔ شیخ سعدی برہان پوری۔ شیخ سعد الحبشی۔ شیخ سلطان بن قاسم مانک پوری۔ شیخ سلطان شاہ غزنوی۔ شیخ سلیمان بن اسرائیل لاہوری۔ شیخ سلیمان ابن عفان مندوی۔ سلطان سلیمان خان کراتی۔ شیخ سماؤالدین ملتانی۔ شیخ سیف الدین دہلوی۔ شیخ سیف الدین کاکوروی۔ مولانا شاہ احمد شرعی۔ شاہ قلی قلندر جیلانی۔ الشیخ بہاؤالدین گجراتی۔ حکیم بھوہ خاں اکبر آبادی۔ شیخ پیارہ پسر کبیر مندوی۔ بیرم خاں خان

خاناں۔ شیخ پیر محمد گجراتی۔ مولانا پیر محمد احمد نگری۔ مولانا پیر محمد شروانی۔ شیخ تاج الدین مندوی۔ مولانا تقی الدین پنڈوی۔ شیخ جعفر ابن میراں سندھی۔ شیخ جلال الدین اسماعیلی گجراتی۔ شیخ جلال الدین اکبر آبادی۔ شیخ جلال الدین دہلوی۔ شیخ جلال الدین برہانپوری۔ شیخ جلال الدین برہانپوری خلیفہ شیخ شرف الدین۔ مولانا جلال الدین ٹھٹھوی۔ قاضی جلال الدین ملتانی۔ شیخ جلال الدین بدایونی۔ شیخ جلال الدین کالپوری۔ شیخ جمال الدین بن احمد چندیری۔ الشیخ الصالح جمال بن حسین گجراتی۔ شیخ جمال الدین بن محمود گجراتی۔ مفتی جمال الدین بن نصیر دہلوی۔ مولانا جلال الدین شیرازی۔ شیخ جمال الدین برہان پوری۔ شیخ جمال محمد گجراتی۔ المفتی جنید قرشی ملتانی۔ شیخ چائین سہوی۔ مولانا چاند المنجم دہلوی۔ شیخ چندن مندسوری۔ شیخ چندن جونپوری۔ شیخ چندن اکبر آبادی۔ شیخ چکن کھندوتی۔ قاضی جگن گجراتی۔ مولانا حاتم سنبھلی۔ الشیخ حاجی بن محمد دہلوی۔ الشیخ حافظ جون پوری۔ شیخ حامد الحسینی مانک پوری۔ شیخ حامد عبدالرزاق اُچی۔ قاضی حبیب اللہ گھوسوی۔ مولانا حبیب اللہ گجراتی۔ شیخ حسام الدین ملتانی۔ الشیخ حسن بن احمد گجراتی۔ شیخ حسن بن حسام الدین النارنولی۔ شیخ حسن بن داؤد بہارسی۔ الشیخ حسن بن طاہر جون پوری۔ الشیخ حسن بن عبداللہ کالپوری۔ شیخ حسن بن محمود شیرازی۔ حسن بن موسیٰ الگجراتی۔ الفقیہہ الحسن العرب ڈابھیل۔ شیخ حسین ابن اسد گلبرگوی۔ شیخ حسین بن خالد ناگوری۔ مرزا شاہ حسن سندھی۔ شیخ حسین بن محمد گوالیری۔ شیخ حسین بن محمد سکندری۔ مولانا حسین تبریزی۔ کمال الدین ترکمانی۔ سید شاہ میر اکبر آبادی۔ شاہی بیگ قندھاری۔ شیخ شرف الدین گجراتی۔ شیخ شرف الدین شیرازی۔ مولانا شعیب الواعظ دہلوی۔ شیخ شکر گجراتی۔ قاضی شکر اللہ سندھی۔ مولانا شمس الدین سلطانپوری۔ شیخ شمس الدین ملتانی۔ شیخ شمس الدین بیجاپوری۔ حکیم الملک شمس الدین گیلانی۔ میر شمس الدین عراقی۔ مولانا شمس الدین کشمیری۔ مولانا شمس الحق جون پوری۔ مولانا شنگرف الکنائی۔ شیخ شہاب الدین جون پوری۔ شیخ شہاب الدین ہروی۔ مولانا شہیدی قمی ملک الشعراء۔ سید شیخ ابن عبداللہ حضرمی احمد آبادی۔ شیخ جیو گجراتی۔ شیخ المشائخ سدھوری۔ مولانا شیر لاہوری۔ مولانا شیر علی سرہندی۔ مرزا صادق اُردوبادی۔ قاضی صدر الدین لاہوری۔ الشیخ صدر الدین سندھی۔ سید صدر الدین قنوجی۔ السید صفائی ترمذی۔ خواجہ صقر رومی۔ قاضی صلاح الدین جون پوری۔ قاضی ضیاءالدین نیوتنی۔ مولانا ضیاءالدین مدنی۔ شیخ طاہر بن رضی الہمدانی۔ مولانا طیب سندھی۔ سلطان میراں عادل شاہ برہان پور۔ مولانا عالم کالپی۔ مولانا عباس سندھی۔ مولانا عبدالاول جون پوری۔ میرک عبدالباقی سندھی۔ الشیخ عبدالجلیل لاہوری۔ شیخ عبدالجلیل جون پوری۔ شیخ عبدالحکیم برہان پوری۔ شیخ عبدالحکیم کالپوری۔ شیخ عبدالحلیم سنبھلی۔ میر عبدالحلیم گجراتی۔ مولانا عبدالحی دہلوی۔ مولانا عبدالخالق گیلانی۔ مولانا عبدالرحمٰن لاہوری۔ مولانا عبدالرحمٰن ملتانی۔ شیخ عبدالرحمٰن لاہرپوری۔ میر عبدالرحمٰن ستوی۔ مولانا

عبدالرحمٰن ستوی۔ مولانا عبدالرحمٰن لاہوری۔ عبدالرحیم سہارن پوری۔ شیخ عبدالرزاق مکی۔ شیخ عبدالرزاق
جھنجھانوی۔ شیخ عبدالرزاق سہارنپوری۔ شیخ عبدالرزاق اُچی۔ شیخ عبدالرشید سندھی۔ شیخ عبدالستار سہارن
پوری۔ شیخ عبدالسلام جھوری۔ شیک عبدالسلام جون پوری۔ مولانا عبدالسلام لاہور۔ قاضی عبدالسمیع اندجانی۔
قاضی عبدالشکور سہسوانی۔ خواجہ عبدالشہید احراری۔ عبدالصمدر دولوی۔ الشیخ عبدالصمد دہلوی۔
الشیخ عبدالصمد سائن پوری۔ الوزیر عبدالصمد بیانی۔ شیخ عبدالصمد سرہندی۔ شیخ عبدالعزیز دہلوی۔
شیخ عبدالعزیز سہارن پوری۔ ابوالقاسم عبدالعزیز گجراتی۔ مولانا عبدالعزیز اکبری۔ مولانا عبدالغفور دہلوی۔
قاضی عبدالغفور پانی پتی۔ مفتی عبدالغفور مروہی۔ عبدالغفور اعظم پوری۔ عبدالغنی فتح پوری۔ شیخ عبدالغنی
سنبھلی۔ شیخ عبدالقادر گیلانی۔ شیخ عبدالقادر مندوی۔ شیخ عبدالقادر حلبی۔ مولانا عبدالقادر سرہندی۔ الشیخ
عبدالقدوس گنگوہی۔ شیخ عبدالقدوس نظام آبادی۔ مولانا عبدالکریم سہارن پوری۔ مولانا عبدالکریم شیرازی۔
مولانا عبدالکریم گجراتی۔ شیخ عبداللطیف قزوینی۔ قاضی عبداللہ سندھی۔ شیخ عبداللہ امروہی۔ مولانا عبداللہ
تلبنی۔ مولانا عبداللہ الہداد جون پوری۔ شیخ عبداللہ سندھی۔ شیخ عبداللہ سلطان پوری مخدوم الملک۔
شیخ عبداللہ سنبھلی۔ الشیخ عبداللہ اُچی۔ مولانا عبداللہ اکبر آبادی۔ مولانا عبداللہ ملتانی۔ مولانا عبداللہ بدایونی۔
شیخ عبداللہ سرہندی۔ شیخ عبداللہ الکوئلی (علی گڑھی)۔ شیخ عبدالمجید گنگوہی۔ شیخ عبدالمصطفیٰ باکثیر مکی۔
شیخ عبدالملک کالپوری۔ شیخ عبدالملک پانی پتی۔ شیخ عبدالملک غزنوی۔ مفتی عبدالملک امروہی۔ شیخ عبدالملک
گجراتی۔ شیخ عبدالملک سجاوندی۔ مولانا عبدالمومن اکبر آبادی۔ شیخ عبدالنبی گنگوہی۔ الشیخ عبدالوہاب اکبر
آبادی۔ الشیخ عبدالوہاب سادھوروی۔ مولانا عبدالوہاب کشمیری۔ شیخ عبدالوہاب عثاری۔ مولانا عثمان سنبھلی۔
شیخ عجائب سنبھلی۔ شیخ عجائب دہلوی۔ مولانا عزیز اللہ ردولوی۔ مولانا عزیز اللہ تلبنی۔ مولانا عزیز اللہ ملتانی۔
شیخ عطا محمد گجراتی۔ شیخ علاء بن الحسن بیانوی۔ الشیخ علاؤالدین ردولوی۔ سلطان علاؤالدین عماد شاہ براری۔
مولانا علاؤالدین لاہوری۔ الشیخ علاؤالدین دہلوی۔ شیخ علاؤالدین اودھی۔ علی عادل شاہ بیجاپوری۔ شیخ علی بن
ابراہیم حسینی رفاعی گجراتی۔ شیخ علی بن جلال ٹھٹوی۔ شیخ علی المتقی برہان پوری۔ شیخ علی بن قوام جون پوری۔ الشیخ
علی ابن محمد حسینی۔ الشیخ علی بن من اللہ الکمرگوی۔ مولانا علی طارمی۔ مولانا علی شیر گجراتی۔ مولانا علی شیر
سرہندی۔ علی قلی خاں شیبانی۔ مولانا علی گل استر آبادی۔ مولانا عظیم الدین مندوی۔ مولانا عمر جاجموئی۔
مولانا عنایت اللہ قائنی۔ مولانا عنایت اللہ شیرازی۔ شیخ علاؤالدین عیسیٰ دہلوی۔ مولانا علاؤالدین عیسیٰ گجراتی۔
مولانا غیاث الدین ہروی۔ مولانا غیاث الدین بروچی۔ الامیر فتح اللہ شیرازی۔ الشیخ فتح اللہ دہلوی۔ شیخ فخر
الدین اکبر آباد۔ شیخ فخرالدین جھوری۔ شیخ فخرالدین جون پوری سہروردی۔ شیخ فریدالدین مارسی۔ شیخ فضل

اللہ مندوی۔ شیخ فضل اللہ دہلوی۔ الشیخ فضل اللہ بہاری۔ قاضی فضل اللہ دیوبندی۔ مولانا فضل اللہ سندھی۔
مولانا فضل اللہ رھتکی۔ مولانا فیروز الدین لاہوری۔ مفتی فیروز کشمیری۔ شیخ قاسم بن احمد مانکپوری۔ الشیخ قاسم
بن یوسف سندھی۔ الحکیم قاسم بیگ تبریزی۔ مولانا قاسم دیوان سندھی۔ مولانا قاسم کاہی۔ مولانا قاسم علی
ہمایونی۔ قاضی بیگ طہرانی۔ شیخ قاضی خان ظفر آبادی۔ شیخ قاضی خاں گجراتی۔ قاضی قاضن سندھی۔ قرا حسن
رومی۔ شیخ قطب الدین منیری۔ قاضی قطب الدین کالپوری۔ شیخ قطب الدین جون پوری۔ مولانا قطب الدین
سرہندی۔ شیخ قطب الدین گجراتی۔ الشیخ قطب الدین جون پوری۔ شیخ قیس القادری سادھوروی۔ القاضی
کاشانی سندھی۔ شیخ کبیر الدین جون پوری۔ شیخ کبیر الدین قنوجی۔ شیخ کبیر الدین ملتانی۔ مولانا کریم الدین
سندھی۔ مولانا کمال الدین کالپوری۔ مولانا کمال الدین جہرمی۔ مولانا کمال الدین ملیباری۔ شیخ کمال الدین خیر
آبادی۔ شیخ کمال الدین بلگرامی۔ شیخ کمال الدین کیتھلی۔ شیخ لشکر محمد برہان پوری۔ شیخ مبارک بنارسی۔ شیخ مبارک
جائسی۔ شیخ مبارک جون پوری۔ قاضی مبارک گوپامئوی۔ شیخ مبارک تھنھانوی۔ شیخ مبارک سندیلوی۔ شیخ
مبارک گوالیری۔ مولانا مبارک سندھی۔ شیخ مبارک اموری۔ شیخ محب اللہ سدھوری۔ شیخ محب اللہ مانک
پوری۔ شیخ محمد بن ابراہیم بہاری۔ شیخ محمد بن ابراہیم ملتانی۔ شیخ محمد بن احمد الفاکہی۔ شیخ محمد بن احمد نہروالی۔ شیخ محمد
بن اسحاق سندھی۔ مولانا محمد بن تاج گجراتی۔ شیخ محمد بن الحسن جون پوری۔ شیخ محمد بن الحسن گجراتی۔ مولانا محمد بن
الحسن علمی احمد نگری۔ مولانا محمد بن الحسین لاری۔ الشیخ محمد غوث گوالیری۔ شیخ محمد بن خواجگی سدھوری۔
الجمال محمد بن زین عرفی۔ شیخ محمد شاہ میر حلبی۔ شیخ محمد بن شمس گجراتی۔ محمد بن طاہر۔ محمد بن عادل برہان پوری۔
شیخ محمد بن عاشق چڑیا کوٹی۔ الشیخ محمد بن عبدالرحیم عمودی۔ "شیخ فاضل" محمد بن عبدالعزیز کلیکوٹی ملیباری۔
شیخ محمد بن عبدالقدوس گنگوہی۔ شیخ محمد بن عبدالملک خالدی۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب دہلوی۔ شیخ محمد بن علی
الحشیری۔ شیخ محمد بن علی سمرقندی۔ الشیخ محمد بن برق حضرمی۔ شیخ محمد بن فخر رہتاسی۔ الشیخ محمد بن المبارک جون
پوری۔ الشیخ محمد بن محمد ایجی۔ شمس الدین محمد بن محمد گجراتی۔ شیخ محمد بن محمد مالکی مصری۔ العلامتہ محمد بن محمود
طارمی۔ شیخ محمد بن محمود سندھی۔ شیخ محمد بن محمود ستوی۔ شیخ محمد بن معظم کالپوری۔ شیخ محمد بن منتخب امراوہی۔
الشیخ محمد بن منکن ملانوی۔ شیخ محمد بن ھبتہ اللہ شیرازی۔ شمس الدین محمد بن یار محمد غزنوی۔ مہدی جون پوری۔
شیخ محمد بن یوسف برہان پوری المشہور شیخ بھکاری۔ شیخ محمد اُچی سندھی۔ ملک محمد جائسی۔ مولانا محمد لاہوری۔
مولانا مجد الدین محمد سرہندی۔ الفقیہ محمد نائطی۔ مولانا محمد نارنولی۔ الشیخ الفاضل القاضی محمد بن ابیہ شیعی یزدی
المعروف بہ یزیدی۔ قاضی محمد تھانیسری۔ السید محمد مکی سنبھلی۔ مولانا شمس الدین محمد شیرازی المشہور بہ زیرک۔
شیخ محمد الجکار دکنی۔ مولانا محمد حسین یزدی۔ مولانا محمد درویش جون پوری۔ مولانا محمد سعید خراسانی "میر کلاں"۔

مولانا محمد حسین ترکمانی۔ قاضی محمد معین لاہوری۔ میرک محمود بن ابو سعید سندھی مشہور بہ میرک محمود۔ قاضی محمود بن احمد ناگئی۔ شیخ محمود بن الہداد تھنوری۔ شیخ محمد بن بابو گجراتی۔ ملک محمود بن پیارو گجراتی۔ شیخ محمود بن جلال مندوی۔ قاضی محمود بن حامد الگجراتی۔ شیخ محمود بن حسام مانک پوری۔ شیخ محمود بن خوند میر گجراتی۔ مفتی محمود بن عطا امروہی اعلم "العلماء وملک العلماء"۔ مفتی محمود بن علیم الدین گجراتی۔ سلطان محمود بن لطیف گجراتی۔ سلطان محمود بن محمد گجراتی (بیگڑہ)۔ سید محمود بن محمد جون پوری۔ شیخ محمود بن محمود گجراتی۔ قاضی محمود گجراتی۔ خواجہ امین الدین محمود الہروی (خواجہ جہاں)۔ شیخ محمود قلندر لکھنوی۔ شیخ مخدوم الشرف لہاوری (فاضل جہاں)۔ میر مرتضیٰ شریفی۔ مولانا مرشد الدین صفوی۔ مصطفیٰ بن بہرام رومی۔ شیخ مصطفیٰ بن عبدالستار سہارن پوری۔ مولانا مصلح الدین لاری۔ سلطان مظفر الحلیم گجراتی۔ خواجہ مظفر علی تربتی۔ شیخ معروف اجہیروی۔ الشیخ معروف جون پوری۔ شیخ ملوک شاہ بدایونی۔ قاضی منجھلا جون پوری۔ شیخ منجھن کمال پوری۔ شیخ منصور لاہوری۔ الامیر الکبیر منعم خاں ترکمانی۔ الشیخ منور بن نور اللہ حمہر اوتی۔ قاضی من اللہ کاکوروی۔ شیخ من اللہ جون پوری۔ شیخ موُدود گجراتی۔ شیخ موُدود لاہوری۔ شیخ موسیٰ الہداد لاہوری۔ شیخ موسیٰ گجراتی۔ شیخ میراں تتوی سندھی۔ مولانا میر علی سرہندی۔ میر محمد خاں غزنوی۔ خواجہ میرک اصفہانی۔ قاضی مینا بن یوسف مندوی۔ شیخ میاں جیو گجراتی۔ قاضی نجم الدین گجراتی۔ مولانا نجم الدین تستری۔ قاضی نصر اللہ سندھی۔ شیخ نصیر الدین دہلوی۔ شیخ نصیر الدین گجراتی۔ مولانا نصیر الدین کشمیری۔ شیخ نصیر الدین جھونسوی۔ شیخ نصیر الدین جون پوری۔ شیخ نصیر الدین ہندولی۔ شیخ نظام الدین کاکوروی۔ شیخ نظام الدین مندوی۔ شیخ نظام الدین نارنولی۔ شیخ نظام الدین امیٹھوی۔ شیخ نظام الدین خیر آبادی۔ شیخ نظام الدین بدخشی۔ جام نظام الدین سندھی۔ شیخ نظام الدین منیری۔ شیخ نوح بن نعمت اللہ سندھی۔ شیخ نور الحق حسینی ماہچوری۔ شیخ نور الدین سفیدونی۔ شیخ نور الدین جون پوری۔ مولانا وجیہ الدین گجراتی۔ شیخ وجیہ الدین چندواروی۔ شیخ وُدود اللہ مالوی۔ شیخ ولی شطاری۔ شیخ ولی محمد گجراتی۔ الشیخ ھبۃ اللہ شیرازی المشہور بہ شاہ میر۔ سلطان ہمایوں تیموری۔ مولانا یار محمد سندھی۔ مولانا یار محمد سندھی۔ شیخ یحییٰ بن ابو الفیض احراری۔ سید یٰسین سامانوی۔ شیخ یعقوب گجراتی۔ قاضی یعقوب ماہچوری۔ شیخ یوسف بن احمد گجراتی۔ شیخ یوسف بن داؤد ملتانی۔ شیخ یوسف بن سلیمان گجراتی۔ شیخ یوسف بن عبداللہ تمیمی۔ مولانا یوسف گجراتی۔ مولانا یوسف سندھی۔ یوسف عادل شاہ بیجاپوری۔ شیخ یوسف قتال دہلوی۔ مولانا یوسف سمرقندی۔ مولانا یونس سندھی۔

ان بزرگان دین مشاہیر علماء اور مشاہیر کے نام کتاب نزہۃ الخواطر وبہجۃ المسامع والنواظر" حصہ اول، دوم، سوم، چہارم "از مولانا سید عبدالحیٔ بریلویؒ، سابق مدیر ندوۃ العلماء لکھنؤ انڈیا، ترجمہ ابو یحییٰ خان نوشہروی مقبول اکیڈمی لاہور سے اخذ کیے گئے۔

برّ صغیر پاک و ہند میں دین اسلام کی اشاعت کا سہرا خدا کے برگزیدہ بندوں کے سر ہے

برّ صغیر پاک و ہند کی تاریخ مسلمان بادشاہوں کے جنگی کارناموں سے بھری پڑی ہے لیکن اس اَمر کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ انہوں نے کسی غیر مسلم کو مسلمان کیا ہو۔ لیکن ان بادشاہوں کے پیچھے اولیائے کرام کی دعائیں شامل رہی ہیں۔

آج اس برّ صغیر میں جو کروڑوں مسلمان نظر آتے ہیں تو یہ اُن بزرگوں، ولیوں اور صوفیوں کی پاک نگاہ کا صدقہ ہے، ان کی تبلیغ کا نتیجہ ہے جو خدائے واحد و یگانہ کے پرستار تھے۔ عشق مصطفیٰ ﷺ ان کے دلوں میں موجزن تھا۔ جن کے پاس نہ اسلحہ تھا نہ لشکر تھا۔ فقط تسبیح و مصلّیٰ تھا۔ جو بوریا کے بستر لے کر اور کھدر کی ٹوپیاں پہن کر آئے اور کفرستان ہند میں توحید کا پرچم بلند کر دیا۔

یہ اللہ کے محبوب بندے تسلیم و رضا کے خوگر اور صبر و استقامت کے پیکر تھے۔ اللہ کے یہ مومن بندے جذبہ ایمان و ایقان سے سرشار تھے۔ ان میں حق بات کہنے کا سلیقہ تھا۔ اللہ کے یہ دوست صاحبان علم و عمل تھے انہیں طہارت و تقویٰ کی سعادت حاصل تھی۔ احکام شریعت کی بجا آوری ان کی زندگی کا نصب العین تھا۔ ان کے کردار میں ایسی مقناطیسی کشش تھی کہ لاکھوں انسان دور دراز سے جوق در جوق ان کی بارگاہوں میں کھنچے چلے آتے اور فیض روحانی حاصل کرتے۔ ان اولیائے کرام نے لاکھوں مشرکین کی تاریک آنکھوں کو بصیرت و بصارت کی روشنی دے کر انہیں دائرہ اسلام میں داخل فرمایا۔

اللہ کے ان ولیوں کے قول و فعل میں اتنی ہم آہنگی تھی کہ ان کے لبوں سے نکلی ہوئی آواز نوشتہ تقدیر بن جاتی تھی۔ اللہ کی رضا ان کی رضا اور ان مومن بندوں کی رضا اللہ کی رضا بن جاتی تھی۔

مسند روحانیت کے ان تاجداروں کا پرچم کبھی سرنگوں نہیں ہوتا۔ کشور روحانیت کے ان بادشاہوں کے ایوانوں میں کوئی حاجب و پہرہ دار نہیں ہوتے تھے۔ ان کے درباروں میں بادشاہ اور گدڑی پوش درویش ایک ہی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں۔

برصغیر پاک و ہند میں دین اسلام کی اشاعت کا سہرا خدا کے انہی برگزیدہ بندوں کے سر ہے جو عرف عام میں اولیائے کرام یا صوفیائے کرام کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔

ان بزرگان دین کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ذکر خدا اور اطاعت مصطفیٰ ﷺ میں گزرا۔ اور ان ہی بزرگان کے اخلاق و کردار کے اعلیٰ نمونہ کی بدولت اسلام کی روشنی برصغیر میں پھیلی۔

ان بزرگان کی خانقاہوں میں تزکیہ نفس اور بلند اخلاق کی تعلیم و تربیت دی جاتی تھی۔ یہ روحانی اور دینی یونیورسٹیاں تھیں۔ جن سے بڑے بڑے علماء اور مشائخ عملی اور علمی اعزازات حاصل کرتے۔ یہاں کے تربیت یافتہ افراد پاک و ہند کے مختلف علاقوں میں تبلیغ اسلام کے لئے روانہ کئے جاتے۔ ان خانقاہوں میں قرآن و حدیث فقہ و ادب کی تعلیم دی جاتی۔ ان بزرگان دین کا کوئی عمل شریعت کے خلاف نہ ہوتا۔ ان کی شخصیت و کردار بذات خود غیر مسلموں کو ان کی طرف کھینچ لاتا تھا۔ ان درسگاہوں میں کسب حلال پر خصوصاً زور دیا جاتا رہا۔ ایم زمان کھوکھر نے ہندوستان کا چار مرتبہ سفر کر کے اولیائے کرام کے آستانوں پر حاضری دے کر ان کے حالات زندگی اکٹھے کئے اور مزاروں کے فوٹو حاصل کئے۔ ایم زمان کھوکھر کی یہ خوبی ہے کہ انہوں نے تحقیق کا کام موقع پر جا کر کیا اور برصغیر پاک و ہند کے تمام اولیائے کرام بالخصوص خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیر شریف سے لے کر اولیائے دہلی کے علاوہ پانی پت میں قلندر پاک اور کلیر شریف میں صابر سرکار کے حضور حاضری دینے کا شرف حاصل ہے ہندوستان میں سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں اولیائے کرام کے آستانے ہیں۔ انہوں نے سلاطین دہلی اور مغل شہنشاہوں کی تعمیر کردہ تاریخی عمارتوں اور گمنام مقبروں کے فوٹو اور ان کے بارے معلومات حاصل کیں ہندوستان میں یہ عمارتیں مسلمانوں کی عظمت کے نشان ہیں دہلی کئی بار اجڑی اور کئی بار آباد ہوئی جو اپنے دامن میں کئی تاریخی واقعات سمیٹے ہوئے ہے۔ پرانی دہلی میں ماضی کے نقوش مٹتے جا رہے ہیں لیکن ایم زمان کھوکھر نے ان نقوش کو کتاب اولیائے ہند مسلمانوں کی عظمت کے نشان دہلی کی کہانی تصاویر کی زبانی میں محفوظ کر لیا ہے اور آنے والی نسلوں کے لئے ہندوستان کے بارے جہاں مسلمانوں نے کئی سو سال دھڑلے سے بلا شرکت غیرے حکومت کی ایک مستند دستاویز مہیا کر دی ایم زمان کھوکھر کی کاوشوں کو جتنا بھی خراج تحسین پیش کیا جائے کم ہے۔

پیر خلیل احمد بی اے بی ایڈ سینئر
ہیڈ ماسٹر گولیکی۔۔۔ ضلع گجرات

واہگہ سے اٹاری تک

یورپ والے خوش قسمت ہیں جو ایک دوسرے کے ملک میں آسانی سے آجا سکتے ہیں۔ وہاں سرحدوں پر اتنی سختی نہیں اب تو ان کی مشترکہ کرنسی یورو بھی آچکی ہے۔ دیوار برلن بھی ٹوٹ چکی ہے لیکن برصغیر پاک و ہند کے درمیان سامراج کی پھیلائی ہوئی نفرت بڑھتی جا رہی ہے۔ سامراج اپنی چال میں کامیاب رہا۔ صدیوں سے ایک ملک میں رہنے والے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ انسانیت پر وحشت طاری ہو گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے آگ اور خون کے دریا بہنے لگے۔

دونوں ملکوں کی بد قسمتی کہ جب بھی قریب آنے کی کوشش کرتے ہیں کوئی غائبی قوت دونوں ملکوں کو جنگ کے شعلوں میں دھکیل دیتی ہے۔ دونوں ملک چار بے مقصد جنگیں لڑ چکے ہیں۔ حالانکہ 1945ء دوسری جنگ عظیم کے بعد جنگ کو خوفناک قرار دے دیا گیا اور طے پایا کہ ملکوں کے درمیان تمام تنازعات میز پر بیٹھ کر حل کیے جائیں۔ اقوام متحدہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جاپان اور جرمن کی فوج میں کمی کر دی گئی اس بات کا جاپان اور جرمن کو یہ فائدہ ہوا کہ انہوں نے۔

دفاعی اخراجات ٹیکنالوجی پر صرف کیے آج جاپان دنیا کی صف اول کے ترقی یافتہ ملکوں میں شمار ہوتا ہے یہی حال جرمن کا ہے۔ سامراج کے ہتھکنڈے یہ ہیں کہ پاک و ہند قریب تر نہ ہوں اور ان کے عوام خوشحال نہ ہوں۔ لیکن اس کے باوجود دونوں ملک کے عوام ایک دوسرے کو ملنے کے لئے بے تاب ہیں۔ وہ ایک دوسرے کیلئے نیک خواہشات اور اچھے جذبات رکھتے ہیں ملنے کی تڑپ کی ایک جھلک انڈین سفارت خانہ اسلام آباد اور پاکستانی سفارت خانہ دہلی میں روزانہ ہزاروں کی تعداد جو ویزہ کے لئے دور دراز کے علاقوں سے آتے ہیں دیکھی جا سکتی ہے۔ دونوں ملکوں کے باشندوں کے لئے ویزہ کا حصول مشکل ترین بنا دیا گیا ہے ہفتہ بھر دھکے کھانے کے بعد سفارت خانہ کے باہر کئی راتیں بسر کرنے کے بعد ویزہ ملتا ہے دنیا بھر ایک سو ستر کے قریب ملک ہیں ہر ملک میں آنے جانے کی آزادی ہے لیکن پاک و ہند یعنی دونوں ملکوں کے باشندے ایک دوسرے کے ملک میں جاتے ہیں دونوں ملکوں میں ایک دوسرے کو شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے ڈر اور خوف طاری رہتا ہے۔ بلکہ خفیہ ادارے اور ایجنسیاں حرکت میں آجاتی ہیں جدید دور میں سٹیلائیٹ یعنی مواصلاتی سیارے لمحے لمحے کے حالات سے آگاہ کر رہے ہیں فیکس مشین ٹیلیفون کا جدید نظام ایجاد ہو چکا ہے۔

گزشتہ پچاس سال سے دونوں ملکوں کے درمیان نفرت کی خلیج بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ مشرق وسطی میں گذشتہ کئی سالوں کے دوران رونما ہونے والی جنگوں میں امریکی مواصلاتی سیاروں نے جاسوسی کا اہم رول ادا کیا۔ ہندوستان اور

پاکستان کے درمیان آنے جانے کے لیئے سڑک ریل اور ہوائی جہاز کے ذریعے رابطہ قائم ہے۔ دونوں ملکوں کے سینکڑوں مسافر ہر ہفتے سفر کرتے ہیں۔ اب تو لاہور دہلی کے درمیان بس سروس کا اجراء ہو چکا ہے۔ یہ سروس کافی حد تک کامیاب رہی ہے آمدورفت کا سب سے بڑا ذریعہ سمجھوتہ ایکسپریس ہے۔ یہ ٹرین سوموار اور جمعرات کو صبح آٹھ بجے لاہور سے واہگہ اٹاری دہلی کے لیئے روانہ ہوتی ہے یہ ٹرین منگل جمعہ کے روز دہلی سے لاہور کے لئے روانہ ہوتی ہے۔

لاہور سے دہلی فاصلہ پانچ سو کلو میٹر ہے ٹرین ایک رات میں یہ سفر مکمل کرتی ہے۔ پاکستان ریلوے کا نظام بہت خراب ہے واہگہ اٹاری کے لیئے ٹوٹے خستہ حال ڈبوں پر مشتمل ریل ایک گھنٹہ میں واہگہ پہنچتی ہے راستہ میں اسکی رفتار سست ہوتی ہے۔ جگہ جگہ بلاوجہ رک جاتی ہے۔ واہگہ کا ریلوے اسٹیشن ایک ویران جگہ پر ہے اسٹیشن پر کسی قسم کی سہولت میسر نہ ہے کھانے پینے کا کوئی بندوبست نہ ہے نہ ہی پینے کا پانی میسر ہوتا ہے۔

سمجھوتہ ایکسپریس میں ایک ایک مسافر کے پاس دس بارہ سامان کے بیگ و بنڈل ہوتے ہیں ان مسافروں کے منتظر کسٹمز ایف ائی اے۔ امیگریشن۔ پولیس۔ اور ریلوے ملازمین ہوتے ہیں۔ ان کی منہ مانگی مرادیں پوری ہوتی ہیں۔ یہ چاروں محکمے یہاں مادر پدر آزاد ہوتے ہیں کوئی ان کی پڑتال کرنے والا نہیں ہوتا ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ علاقہ پاکستان کی حدود سے باہر ہے۔ کاغذات اور سامان کی جانچ پڑتال کے بعد ایک ایک مسافر کو ایک جنگلے میں بھیڑ بکریوں کی طرح بند کر دیا جاتا ہے۔ مسافروں کو یہاں پر کسی قسم کی سہولت حاصل نہیں ہوتی ہر مسافر زبردستی رشوت وصول کرنے کا رونا روتا ہے۔ جانچ پڑتال میں پورا دن صرف ہوتا ہے۔ دن کے پچھلے پہر یہ ٹرین اٹاری کے لیئے روانہ ہوتی ہے حکومت ہند نے خاردار تاروں کی دیوار کے ساتھ روشنی کے لیئے بجلی کا نظام بھی قائم کر رکھا ہے۔ رات کو بارڈر ایریا میں زبردست روشنی ہوتی ہے۔ کاش دونوں ملکوں کے حالات ٹھیک ہوتے یہ بجلی صنعتی ترقی یا زرعی مقاصد کے لیئے استعمال ہو سکتی ہے اور سینکڑوں میل لمبی سرحد پر خاردار تاروں پر جو اخراجات اٹھے ہیں اس رقم سے کئی ترقیاتی منصوبے پایہ تکمیل تک پہنچ سکتے ہیں۔ دونوں ملکوں کے دفاعی اخراجات کم کر کے اگر عوام کی فلاح بہبود پر خرچ کیئے جاتے تو یہاں دودھ کی نہریں بہتیں ہندوستان میں داخل ہونے کے لیے ٹرین کو لوہے کے گیٹ سے گزرنا پڑتا ہے گیٹ کے قریب ٹرین رک جاتی ہے۔ کلیرنس ملنے پر گیٹ کھلتا ہے گاڑی ہندوستان کی سرزمین میں داخل ہوتی ہے۔ پوری ٹرین کی ویڈیو فلم بنائی جاتی ہے باڈر سیکورٹی فورس کے سکھ نوجوان گھوڑوں پر ٹرین کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ تاکہ کوئی مسافر ٹرین سے اتر کر دائیں بائیں نہ جا سکے۔ بی ایس ایف کے نوجوان اٹاری تک گاڑی کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں اٹاری ریلوے اسٹیشن پر تمام مسافر گاڑی سے اتر جاتے ہیں اٹاری ریلوے اسٹیشن پر واہگہ کی نسبت جانچ پڑتال کے کاؤنٹرز زیادہ ہیں۔ ان کاؤنٹروں پر نمبر لگے ہوئے ہے دو درجن کے قریب کاؤنٹرز ہیں واہگہ ریلوے اسٹیشن پر بھی مسافروں کے لیئے سہولتیں ناکافی ہیں لیٹرین باتھ روم آرام گاہ نہ ہونے کے برابر ہیں یہاں بھی کھانے کا معقول

انتظام نہیں یہاں پر ہندو مسلم کی کوئی پہچان نہیں ہندو کون ہے اور مسلمان کون ہے شکل وصورت سے نہیں نام سے ہندو مسلم کی پہچان ہوتی ہے۔ بہر حال بھائی چارہ کی کفیت ہے ہندو دوکاندار سے پوچھا تو اس نے کہا مسلمان چیزیں نہ خریدیں تو اور کون خریدے گا مسلمان دوکاندار سے پوچھا تو اس نے بھی یہی جواب دیا۔ ہر تہوار پر ایک دوسرے کے ہاں کھانے بھیجتے ہیں ایک دوسرے کی غمی خوشی میں بھی شامل ہوتے ہیں۔

اٹاری ریلوے اسٹیشن پر کتے بہت زیادہ ہیں جونہی گاڑیاں رکتی ہے گردونواح دیہات کے کتے اسٹیشن پر آجاتے ہیں مسافروں سے خوردونوش کی اشیاء چھیننے کی کوشش کرتے ہیں آٹھ نو گھنٹے کی اذیت ناک جانچ پڑتال کے بعد دوسرے پلیٹ فارم پر مسافروں کو قیام کرنا پڑتا ہے لاہور سے آنے والی گاڑی کے مسافر دہلی کی طرف جانیوالی گاڑی میں سوار ہو جاتے ہیں اسی طرح دہلی سے آنے والی گاڑی کے مسافر لاہور کی طرف جانے والی گاڑی میں سوار ہوجاتے ہیں دونوں گاڑیوں کے گارڈ ڈرائیور کنڈیکٹر یہاں بے تاج بادشاہ ہوتے ہیں جہاں چاہا جب چاہا گاڑی روک دی سمجھوتہ ایکسپریس تاجروں کے لئے ایک مفید گاڑی ہے سمجھوتہ ایکسپریس کی بجائے اسے تاجر ایکسپریس کا نام دیا جائے تو مناسب ہوگا۔ جس کے پاس جتنے زیادہ نگ ہوں گے کسٹمز امیگریشن ایف ائی ایف۔ پولیس ریلوے والے اس پر زیادہ مہربان ہوتے ہیں کاروباری لوگوں، پھیرے والوں کے زیرزمین ان سے رابطے ہوتے ہیں۔ اٹاری کے بعد امرتسر۔ جالندھر لودھیانہ انبالہ، سونی پت، پانی پت بستی نظام کے بعد دہلی کا اسٹیشن آتا ہے۔ ہندوستان میں ریلوے کا نظام دنیا کا بہترین ریلوے نظام ہے ڈبوں میں روشنی ہوا پانی کا بہترین انتظام ہوتا ہے۔

دونوں ریلوے اسٹیشن واہگہ اٹاری پر مسافروں کو سہولتیں فراہم کی جائیں روزانہ ٹرین سروس کا اجراء کیا جائے واہگہ اٹاری کے درمیان چھ بجے گیٹ سے گزرنے کا پابندی وقت کا خیال رکھا جائے کیونکہ چھ بجے کے بعد یہ گیٹ بند ہو جاتا ہے دوسرے روز گیٹ کھلنے کے بعد گاڑی کو نکلنے کی اجازت ہوتی ہے۔ یوں محکمے کے ایک فرد کی غفلت لالچ سے سینکڑوں مسافروں کو اٹاری کے ریلوے سٹیشن پر گرمی سردی میں رات بسر کرنی پڑتی ہے۔ مسافروں کو کسٹمز، امیگریشن کی سہولتیں دی جائیں تاکہ دونوں ریلوے اسٹیشن پر خاصا قیمتی وقت ضائع نہ ہو مال پیدا کرنے کے لئے تمام برائیاں عملہ نے خود پیدا کر رکھی ہیں جو ٹھاٹھ باٹھ شہزادوں جیسی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ لیکن مسافروں کو اذیت ناک سفر کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

واہگہ اٹاری ریلوے اسٹیشن صورتحال بہتر بنائی جائے

روزانہ ٹرین سروس جاری کی جائے

برصغیر کی تقسیم کے وقت یہاں خونی رشتے بھی تقسیم ہو گئے۔ اگر بھائی ہندوستان میں رہ گیا ہے تو بہن پاکستان آ گئی ہے۔ غرض ۱۹۴۷ء کئی خاندان تقسیم ہو گئے۔ یہ متاثرہ افراد اور ان کی نسل اپنے رشتہ داروں کو ملنے کے لئے بے تاب رہتی ہے۔ دونوں ممالک کے باشندوں کو بڑی مشکل سے ویزہ حاصل ہوتا ہے اور ان کی آمدورفت کے لئے صرف رابطہ ایکسپریس کا سلسلہ جاری ہے یہ ٹرین ہفتہ میں صرف دو دن لاہور سے دہلی کے لئے اور دہلی سے لاہور کے لئے روانہ ہوتی ہے۔ اور ۵۰۰ کلومیٹر کا فاصلہ ۳۶ گھنٹوں میں طے کرتی ہے۔ یہ ۳۶ گھنٹے انتہائی تکلیف دہ اذیت ناک ہوتے ہیں جن مسافروں نے بلوچستان، سندھ، کراچی، کلکتہ، بمبئی مدارس جانا ہوتا ہے۔ وہ یہ سفر ایک ہفتہ میں طے کرتے ہیں۔ سمجھوتہ ایکسپریس واحد ٹرین ہے جس کا کوئی وقت مقرر نہیں نہ ہی کوئی جانچ پڑتال کرنے والا ہے۔ پاکستان کے ریلوے اسٹیشن واہگہ اور ہندوستان کے ریلوے اسٹیشن اٹاری جونہی یہ گاڑی پہنچتی ہے چار محکموں امیگریشن، کسٹم، پولیس اور ریلوے کے اہلکار مسافروں پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ رہی سہی کسر قلی نکال لیتے ہیں دونوں ممالک کے ان ریلوے اسٹیشن پر متذکرہ محکموں کے اہلکار دیدہ دانستہ تاخیری حربے استعمال کرتے ہیں تاکہ مسافر کو رات کے وقت خوب لوٹا جاسکے۔ کئی محکموں کے اہلکاروں اور سمگلروں نے ایجنٹ رکھے ہوئے ہیں اور چند گھنٹوں میں لاکھوں روپے زیر زمین وصول کر لئے جاتے ہیں۔ تجارت پیشہ لوگ بھی عملہ کی ملی بھگت سے مال کی ناجائز نقل و حرکت کے لئے رات کے اندھیرے سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں۔ غیر قانونی ہتھکنڈوں کی وجہ سے مسافر بری طرح پریشان ہوتے ہیں ٹرین میں مسافروں کی تعداد کے مطابق بوگیاں نہیں لگائی جاتی۔ مسافروں کی تکلیف کے ازالہ کے لئے دونوں ممالک کے اعلیٰ حکام نے کیوں چشم پوشی کر رکھی ہے میری پاکستان اور ہندوستان دونوں ممالک کے چاروں محکموں کے اعلیٰ حکام سے اپیل ہے۔ کہ واہگہ اور اٹاری کے ریلوے اسٹیشنوں پر مسافروں کو اس اذیت ناک اور پریشان کن صورتحال سے نجات دلائیں۔ ان چاروں محکموں کے راشی اہلکاران اور ان کے تاخیری حربوں سے نجات دلائیں دونوں ممالک کے ان ریلوے اسٹیشنوں پر کھانے کا کوئی انتظام نہیں نہ ہی موسم کے مطابق کوئی مسافر خانے تعمیر کئے گئے ہیں سخت گرمی سردی میں مسافروں کو پلیٹ فارم رات بسر کرنا پڑتی ہے۔

تجارت سے متعلقہ ایک ایک مسافر کے پاس آٹھ آٹھ دس دس مختلف اشیاء کے بڑے بڑے بنڈل ہوتے ہیں یہ بنڈل بھی مسافروں کی نشستوں پر رکھ دیئے جاتے ہیں حالانکہ یہ سامان کے ڈبے میں رکھنے چاہیں۔ نیز کرنسی کے تبادلہ کے لئے حکومت کے مقرر کردہ ریٹ کے مطابق کرنسی دی جانی ضروری ہے۔ مسافروں کی زیادہ تعداد کے پیش نظر سمجھوتہ ایکسپریس کی روزانہ سروس دونوں اسٹیشنوں سے شروع کی جائے۔ سامان رکھنے اور اتارنے اور غیر قانونی سمگلنگ کے خاتمے کے لئے لاہور کے ریلوے اسٹیشن پر امیگریشن اور کسٹم کا دفتر قائم کیا جائے اور واہگہ ریلوے اسٹیشن کی صورت حال بہتر بنائی جائے۔ روزانہ سروس کے لئے ٹرین کی بوگیوں میں اضافہ کیا جائے دونوں ممالک کے اعلیٰ افسران جائزہ لے کر ان حالات کو بہتر بنائیں۔

سمجھوتہ ایکسپریس

یہ اٹاری ہے ۔ پاکستان اور بھارت کی مشترکہ حد کا وہ مقام جہاں ایک ریلوے لائن دو ناراض ہمسایہ ممالک کو ایک دوسرے سے ملاتی ہے۔ ہفتے میں دوبار یہ ویران راستہ آباد ہوتا ہے۔ پیر اور جمعرات کے دن دونوں ممالک کی سرحدی افواج کی نگرانی میں ایک ٹرین لاہور سے روانہ ہوتی ہے اور سرحد عبور کر کے اٹاری پہنچ جاتی ہے پھر اسی روز یہ بھارتی سرحدی قصبے اٹاری سے واپس روانہ ہو کر لاہور جا پہنچتی ہے۔ ستم ظریفوں نے اس ٹرین کا نام بھی خوب رکھا ہے اسے "سمجھوتہ ایکسپریس" کہا جاتا ہے۔

لاہور سے اٹاری کا فاصلہ صرف 28 کلومیٹر ہے ۔ بھارت کی حدود میں داخل ہوتے ہی یہ ٹرین پانچ مختلف اقسام کے الارم سسٹمز کی زد میں آجاتی ہے۔ یہاں تاروں کی باڑھ جس میں بجلی دوڑ رہی ہے۔ مسلح محافظ ہیں۔ بھاری آہنی دروازے ہیں جو ہر پیر اور جمعرات کو صرف اس ٹرین کی آمد پر کھولے جاتے ہیں۔ سرحد سے اٹاری سٹیشن تک ایک کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنے کے دوران اس ٹرین کے ساتھ ساتھ چار گھڑ سوار دوڑتے رہتے ہیں تاکہ کوئی ٹرین سے کود نہ سکے اور اس پورے ایک کلومیٹر کے فاصلے میں بھارتی سرحدی سیکیورٹی فورس کے مسلح جوان قدم قدم پر ایستادہ نظر آتے ہیں۔

سمجھوتہ ایکسپریس نے گذشتہ نصف صدی کے دوران پاکستان اور بھارت کے درمیان ایک رابطہ قائم کر رکھا ہے۔ کشیدگی کے دنوں میں اس ٹرین کی آمد ورفت معطل بھی ہوتی رہی ہے مگر حالات درست ہوتے ہی ریل کا یہ رابطہ پھر بحال ہو جاتا ہے۔

بارڈر سکیورٹی فورس کا جوان حفاظتی اقدام کے پیش نظر سمجھوتہ ایکسپریس کے ساتھ چل رہا ہے

دنیا کے بہت سے ممالک کے لوگ شاید یہ بات آسانی سے نہ سمجھ پائیں کہ سیاسی طور پر کشیدہ تعلقات رکھنے والے دو ممالک کے درمیان یہ ٹرین کیوں چلتی ہے۔ اس کا سبب ایک مشترکہ ماضی ہے اور لہو کے وہ رشتے ہیں جو سرحد کے دونوں جانب بستے ہیں پاکستان اور بھارت میں ایسے لاکھوں لوگ رہتے ہیں جن کے رشتہ دار سرحد پار رہتے ہیں۔ رشتہ داریوں سے تعلق توڑنا آسان کام نہیں ہوتا اب بھی دونوں ملکوں میں تقسیم ہو جانے والے خاندان خوشی اور غمی کے موقعوں پر ایک دوسرے سے ضرور ملتے ہیں۔ ہزاروں خاندان ایسے ہیں جو اب بھی بیٹی کو بیاہنے کیلئے یا بہو لینے کیلئے سینکڑوں میل کا سفر طے کر کے دوسرے ممالک جاتے ہیں۔

اٹاری کا ریلوے اسٹیشن صرف تین چھوٹے پلیٹ فارموں پر مشتمل ہے سمجھوتہ ایکسپریس پلیٹ فارم نمبر 2 پر آ کر رکتی ہے اس پلیٹ فارم پر پیر اور جمعرات کو صفائی وغیرہ کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ پلیٹ فارم نمبر 1 اور 3 پر کوئی سرکاری سطح پر توجہ نہیں دی جاتی لہذا وہ پلیٹ فارم نمبر 2 کی طرح صاف ستھرے نہیں ہیں۔ اجنبی دیس سے آنے والے مسافروں کو بھارتی قصبہ اٹاری میں اچانک مہنگائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے ہر چیز ڈیڑھ گنا زیادہ قیمت پر ملتی ہے۔ قلی سامان اٹھا کر ایک پلیٹ فارم تک لے جانے کے عوض ایک سو روپے طلب کرتے ہیں کسٹمز اور امیگریشن کے کاؤنٹر پر وہی زیادتیاں نظر آتی ہیں جو شاید اس خطے کا خاصا بن گئی ہیں۔

پانچ چھ بوگیوں پر مشتمل یہ ٹرین جب بھارتی کی سرحد میں داخل ہوتی ہے تو ٹرین کے پاکستانی مسافر حیرت اور بے چینی کے ساتھ ساتھ دوڑنے والے گھڑ سوار محافظوں کو دیکھتے ہیں۔ بھارت کی بارڈر سیکورٹی فورس والوں کا کہنا ہے کہ اس حفاظتی اقدام کا مقصد صرف یہ ہے کہ بھارت آنے والے مسافر ناجائز سامان وغیرہ راستے میں نیچے نہ پھینک سکیں یہ عجیب و غریب جواز کسی کی سمجھ میں نہیں آتا۔ اٹاری کے اسٹیشن پر پاکستانی مسافروں کیلئے سب سے پریشان کن مرحلہ امیگریشن کا ہوتا ہے۔ یہاں مسافروں کی سفری دستاویزات وغیرہ چیک کرنے کیلئے الگ الگ ایک درجن امیگریشن کاؤنٹر بنائے گئے ہیں مگر ان میں سے صرف چار کاؤنٹر کھلے رہتے ہیں ۔ بھری ہوئی ٹرین جب یہاں پر پہنچتی ہے تو مسافروں کو طویل قطاروں میں گھنٹوں انتظار کرنا پڑتا ہے۔ لاہور سے اٹاری تک کا سفر تو ایک گھنٹے میں طے ہو جاتا ہے مگر امیگریشن کے کڑے مرحلے سے گزرنے میں لگ بھگ 12 گھنٹے لگ جاتے ہیں۔ اس دوران بچے پلیٹ فارم پر ہنگامہ آرائی کرتے رہتے ہیں۔ عورتیں پیاس اور بھوک سے پریشان بیٹھی رہتی ہیں اور مرد قطار کو چیونٹی کی رفتار سے آگے بڑھتے دیکھتے رہتے ہیں۔

اس چھوٹے سے ریلوے اسٹیشن پہ ملنے اور بچھڑنے کے عجب منظر نظر آتے ہیں ۔ جن لڑکیوں کو بیاہ کر اپنے

نئے وطن پاکستان جانا ہوتا ہے وہ اسی پلیٹ فارم پر اپنے ماں باپ بھائی بہنوں سے لپٹ کر روتی دکھائی دیتی ہیں۔ کون جانے دوبارہ کب ملاقات ہو، ہو یا نہ ہو! اور اسی پلیٹ فارم پر نصف صدی کے بعد رشتہ دار ایک دوسرے سے والہانہ طور پر ملتے نظر آتے ہیں ایک ناممکن نظر آنے والا خواب پورا ہو جاتا ہے۔ خوشی اور غم کے یہ مناظر، سمجھوتہ ایکسپریس سے وابستہ ہیں جو برسوں سے چھبیس کلو میٹر کا یہ مختصر سا سفر طے کر رہی ہے اور لوگوں کو ملائے رکھنے کا فریضہ سرانجام دے رہی ہے

غالب کے مکان پر سید مسعود شاہ کی حاضری

دہلی میں مرزا اسد اللہ خان غالب نجم الدولہ دبیر الملک نظام جنگ کے مکان دیکھنے کی بیتابی رہی جب بھی موقع ملا غالب کے مکان کا پتہ پوچھتے مگر لوگ اتنے مصروف تھے کہ پتہ بتانے کی لیت و لعل کرتے تھے۔ جس جگہ ہماری رہائش تھی اس علاقے کا نام چوڑی والان تھا جامع مسجد سے ہو کر مٹیا محل جانا پڑتا تھا اور بعد میں چوڑاں والان آتا ہے۔ اتنا پتہ تھا کہ غالب کا مکان کوچہ قاسم خان گلی بلی ماران میں ہے ایک شام کے وقت ایک شخص حکیم محمد صالحین سے ملاقات ہوئی اس سے غالب کا پتہ پوچھا اسی وقت اس نے غالب کے مکان پر جانے کی حامی بھر لی راستے میں سائیکل رکشہ پر غالب ہی کی باتیں ہوتی رہیں۔ جس دن غالب کی برسی یا پیدائش کا دن ہوتا ہے غالب کے مکان پر محفل غالب منعقد ہوتی ہے بڑے بڑے شاعر حضرات اپنا کلام سناتے ہیں۔ رکشہ جب کوچہ قاسم خان پہنچا تو محمد صالحین نے کہا غالب کا مکان آگیا ہے۔ رکشہ رکا غالب کے مکان کا بڑا گیٹ کھلا تھا۔ تھڑے پر چند آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ مکان کے سامنے حکیم اجمل خان کا دواخانہ ہے بورڈ پر دواخانہ حکیم اجمل خان مرحوم اور ۱۹۱۰ء لکھا ہوا تھا مکان گر چکا تھا اور بہت بوسیدہ ہو گیا تھا۔ غالب کے مکان کے اندر جا کر دیکھا۔ والان اور چوبارہ موجود تھا اور گیسٹ ہاؤس بنا ہوا تھا اس کے علاوہ پی سی او کا دفتر بنا ہے انڈیا کی گورنمنٹ کوشش کر رہی ہے اور غالب اکیڈمی کی کوشش ہے کہ غالب کا مکان خرید کر غالب کے نام لائبریری یا میوزیم بنا دیا جائے تاکہ اس عظیم شاعر کا ورثہ محفوظ رہ سکے۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

گلوکار محمد رفیع زندہ ہے

فلم "جگنو" میں نور جہاں کے ساتھ دوگانا اور "مغل اعظم" جیسی سینکڑوں فلمیں بے حد مقبول ہوئیں۔

برصغیر پاک و ہند کے اس نامور گلوکار محمد رفیع کو ہم سے بچھڑے ۱۹ برس ہو گئے ان کا انتقال ۳۱ جولائی ۱۹۸۰ء کو ہوا۔ انہیں خدا کی طرف سے یہ سعادت بھی نصیب ہوئی کہ ان کا انتقال رمضان المبارک میں جمعۃ الوداع کے روز ہوا۔ محمد رفیع ۲۴ دسمبر ۱۹۲۴ کو بھاٹی گیٹ لاہور کے محلہ چومالہ میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق ایک مذہبی اور شریف گھرانے سے تھا گلوکاری کا شوق انہیں بچپن سے ہی تھا۔ محمد رفیع نے اپنا پہلا فلمی گیت ۱۹۴۲ء میں ایک پنجابی فلم "گل بلوچ" کے لیے گایا اور اپنی قسمت آزمائی کے لیے بمبئی روانہ ہو گئے جہاں موسیقار نوشاد سے ملاقات ہوئی نوشاد نے محمد رفیع کے اندر چھپے ہوئے جوہر دیکھ لیے اور انہیں اپنی فلم "دل لگی" کے گیت گانے کا موقع دیا جو کہ بہت ہٹ ہوئے اور محمد رفیع پر فلمی صنعت کے دروازے کھل گئے فلم "جگنو" میں نور جہاں کے ساتھ ایک گانا "یہاں بدلہ وفا کا بے وفائی کے سوا کیا ہے" گایا۔ اس گانے کی کامیابی نے محمد رفیع کو فلمی صنعت کا مصروف ترین گلوکار بنا دیا۔ محمد رفیع کو کندن لعل سہگل کے ساتھ گانا گانے کی بڑی خواہش تھی۔ جو "شاہجہان" نامی فلم کے فلمائے جانے والے گانے "میرے سپنوں کی رانی" سے پوری ہوئی "شباب"، "برسات"، "نادان"، "بیجو باورا" اور "مغل اعظم" تاج محل جیسی سینکڑوں فلمیں ایسی ہیں جو نہ صرف اس وقت بے حد مقبول ہوئیں بلکہ آج بھی یہ فلمیں محمد رفیع کی گلوکاری کے باعث دیکھی جاتی ہیں۔ محمد رفیع بے حد محنتی مخلص اور شریف انسان تھے ان کے اندر حسد کا مادہ بالکل نہیں تھا۔ وہ ہمیشہ صبح کا آغاز تلاوت کلام پاک سے کرتے تھے اس کے بعد ریاض کرتے، یہی وجہ ہے کہ وہ کامیابی کی منزلیں طے کرتے گئے۔ محمد رفیع بھارت کے واحد مسلمان گلوکار تھے۔ جنہوں نے ۳۸ سال تک بھارت میں فن گلوکاری پر اپنی حیثیت برقرار رکھی۔ محمد رفیع کی یہ بھی خوبی تھی کہ انہوں نے وہ گانے بھی بہت احسن طریقے سے گائے جو دوسرے گلوکاروں کے لیے آسان نہ تھے۔ ایک دفعہ لتا منگیشکر سے کسی نے پوچھا کہ انہیں سب سے زیادہ لطف کس گلوکار کے ساتھ گانے میں آیا تو انہوں نے بلا تاخیر محمد رفیع کا نام لیا یہ عظیم گلوکار ۳۱ جولائی ۱۹۸۰ء کو صبح دس بج کر دس منٹ پر دل کا دورہ پڑنے کے باعث اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اور اپنے لاکھوں نہیں کروڑوں چاہنے والوں کو روتا چھوڑ گئے۔ یوسف خان عرف دلیپ کمار بھی برصغیر میں اپنے فن کا لوہا منوایا اس شعبہ سے منسلک کئی مسلمانوں نے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔

پورے ہندوستان کا ویزہ نہ مل سکا

راقم کی خواہش تھی کہ اسے پورے ہندستان کا ویزہ مل جاتا تاکہ قدیمی تاریخی اور روحانی مقامات بالخصوص اولیائے کرام کے آستانے جو ہندوستان کے چپہ چپہ میں ہیں کے علاوہ ہندوستان بھر میں مسلمانوں کی تعمیر کردہ تاریخی عمارتوں کے بارے معلومات حاصل کرتا لیکن حکومت ہند کے اسلام آباد میں سفارت خانہ نے سوائے چند مقامات کے دیگر علاقوں کا ویزہ نہ دیا۔ راقم نے پاکستان بھر میں نوگز لمبے مزارات کے بارے کتاب۔ پاکستان میں محبوبان خدا کے نوگز لمبے مزار تحریر کی ہے یہ خواہش بھی تھی کہ ہندوستان بھر میں نوگز لمبے مزاروں کے بارے کتاب "ہندوستان میں محبوبان خدا کے نوگز لمبے مزار" تحریر کرتا۔ یہ نوگز لمبے مزار انبیاء کرام ان کے خلفاء غازیوں اور شہداء کے ہیں۔ ان مزاروں کے قریب تباہ شدہ بستیوں کے آثار ٹبوں اور ٹیلوں کی صورت میں دیکھے جاسکتے ہیں ان تباہ شدہ بستیوں ٹبوں اور ٹیلوں کے دامن میں قدیمی دور کے سکے اور نوادرات ملتی ہیں جو ان کے قدیمی ہونے کی داعی ہیں ان کے آثار ہمارے سامنے عظمت رفتہ کی داستان ہیں۔ ارشاد ربانی ہے کیا یہ لوگ کبھی زمین پر چلے پھرے انھیں ان لوگوں کا انجام نظر آتا ہو۔ جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں وہ لوگ ان سے بھی زیادہ طاقتور تھے۔ ان سے زیادہ آثار زمین پر چھوڑ گئے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں پر انھیں پکڑ لیا ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہ تھا۔ اللہ کرے دونوں ملکوں کے حالات ٹھیک ہو جائیں تاکہ ویزہ کا حصول آسان ہو سکے۔ ہم بھی ہندوستان میں اپنے مشاہیر کی تعمیر کردہ عمارتوں کو دیکھ سکیں۔

حرف آخر

پاکستان کے تقریباً تمام قدیمی تاریخی اور روحانی مقامات پر حاضری جن کی تفصیل میری تحریر شدہ کتب (۱): گجرات تصویر کے آئینے میں، (۲): گجرات تاریخ کے آئینے میں، (۳): سیالکوٹ سے خیبر تک، (۴): پاکستان میں محبوبان خدا کے نو گز لمبے مزار، گندھارا تہذیب تصاویر کے آئینے میں، خطہ یونان گجرات (۵) جنوبی پنجاب، سندھ، بلوچستان میں قدیمی۔ تاریخی روحانی مقامات، میں آچکی ہیں، کے بعد ہندوستان کے اولیائے کرام کے حضور حاضری میرے لیے بہت بڑی سعادت ہے میرے دل میں اولیاء کرام کے حضور حاضری کی تڑپ لگن ابتدائی طور پر اپنے پیرو مرشد امیر ہفت کشور سلطان الفقراء، اعلیٰ حضرت قطب المشائخ مولانا الحاج خواجہ مولوی محمد حفیظ اللہؒ سرکار بڑیلہ شریف ضلع گجرات کی نگاہ کرم شروع ہوئی اور اس روحانی سفر کا آغاز بھی اس در سے شروع کیا۔ جس روحانی مقام پر بھی حاضری نصیب ہوئی سرکار بڑیلہ شریف کے قدموں میں حاضر ہو کر اس خواہش کا اظہار کرتا جو پوری ہوتی رہی ہر سفر سے پہلے آپ کے حضور حاضری یقینی بنائی۔ پاکپتن حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے حضور حاضری کے بعد حضرت علاؤالدین علی احمد صابرؒ کے حجرہ میں انہیں پکارا سرکار حجرہ میں نہیں قدموں میں بلاؤ۔ جولائی ۱۹۹۷ء میں گھر گجرات پہنچا تو کلیر شریف کے لیے میز اویزا لگ چکا تھا۔ صابر سرکار کے حضور آٹھ روز حاضریاں ہوتی رہیں خادم نے عرض کی اولیائے دہلی کے حضور حاضری مطلوب ہے یہ ایک کرامت تھی کہ اگست ۱۹۹۷ء دہلی کے لیے ویزہ مل گیا آٹھ روز دہلی کے تمام اولیاء کرام کے قدموں میں حاضری دی اور ان کے حضور عرض کی کہ پانی پت حضرت شرف الدین بو علی شاہ قلندر پاکؒ کے حضور پہنچائیں نومبر ۱۹۹۸ء کو میری پانی پت قلندر پاک کے حضور حاضری ہوئی قلندر پاک کے روضہ پر خادم کو بہت روحانی خوشی ہوئی قلندر پاک سے عرض کی ہندالولی معین الہند نائب رسول حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے روضہ مبارک پر اجمیر شریف حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ نومبر ۱۹۹۹ء میں غریب نواز نے قدموں میں بلا لیا کسی نے کیا خوب کہا ہے "وہی آتے ہیں جنہیں خواجہ اجمیریؒ بلاتے ہیں" خواجہ غریب نواز کے حضور دست بستہ عرض کی حضور نبی اکرم ﷺ کے حضور اور خانہ کعبہ حج بیت اللہ کا شرف حاصل ہو جائے۔ سن ۲۰۰۰ء کو یہاں بھی حاضری ہوئی حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کی اس خادم کو پاس کر دیں۔ یوں درجہ بدرجہ روشنی کا سفر اور روحانیت کی منزلیں طے ہوتی رہیں۔

کتابیات

سفینۃ الاولیاء شہزادہ دارا شکوہ

حیات بزرگان دین۔ڈاکٹر ظہور الحسن شارپ

خم خانہ تصوف۔۔۔یعنی حالات بزرگان دین۔۔۔ڈاکٹر ظہور الحسن شارپ

روزنامہ جنگ۔روزنامہ نوائے وقت۔روزنامہ پاکستان۔ہفت روزہ اخبار جہاں کراچی۔ہفت روزہ فیملی میگزین لاہور۔

روزنامہ خبریں۔روزنامہ جذبہ۔روزنامہ ڈاک۔ہفت روزہ آئینہ گجرات

روزنامہ احتساب۔ہندوستان۔ڈل ڈیورائٹ ترجمہ طیب رشید

تاریخ مخزن پنجاب از مفتی غلام سرور قریشی لاہور۔۔۔ڈاکٹر حمید الرحمٰن

مانڈو از ارکیالوجیکل سروے آف انڈیا

محمد بن قاسم سے اورنگزیب تک۔محمد سعید الحق

مقدمہ بہادر شاہ ظفر۔خواجہ حسن نظامی

آئینہ گجرات حصہ اول ترجمہ مرآت احمدی 1324ھ

غزنی سے سومنات تک از مختار احمد گیلانی

سو مسلمان مشاہیر۔ قمر تسکینی

تاریخ ہندوستان: مولوی ذکاء اللہ

تاریخ فیروز شاہی: ضیاء الدین برنی

آئینہ حقیقت نما: مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی

تاریخ فرشتہ: محمد قاسم فرشتہ

تاریخ مبارک شاہی: یحییٰ بن احمد سرہندی / ڈاکٹر آفتاب اصغر

منتخب التواریخ: عبدالقادر ملوک شاہ بدایونی / محمود احمد فاروقی

تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت: سید ہاشمی فرید آبادی

آب کوثر: شیخ محمد اکرام

سلطنت دہلی کا نظام حکومت: اشتیاق حسین قریشی

عہد سلاطین دہلی: صلاح الدین ناسک

مسلمان حکمران: رشید اختر ندوی

ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ: ثروت صولت

دائرہ معارف اسلامیہ

آخری عہد مغلیہ کا ہندوستان از ڈاکٹر مبارک علی

دہلی میں تاریخی مقامات پر انگریزی میں لکھی مختصر تاریخ

Tourists Delhi Guide

Delhi the Capital City

Tourist Guide Book

City of Agra

Taj Mahal - Agra-FORT

Fatehpur - Sikri

Delhi Guide and Map

Delhi showing Important

Centrally Protected
Monuments
Published by the Director General
Archaeological of India

قطب عالم حضرت خواجہ سید قطب الدین بختیار کاکیؒ کی حیات مقدسہ پر ایک نظر ۔ از الحاج علامہ ارشد القادری

Through Town and Jungle

دلی کے بائیس خواجہ از ڈاکٹر ظہور الحسن شارب

تذکرہ سرمد شہید از پیر سید محمد احمد سرمدی دہلی

آثار الصنادید ۔ از سر سید احمد خان

آئینہ مظہر ۔ از تاج محمدؒ مظہر صدیقی یکہ توت پشاور

پانی پت اور بزرگان پانی پت سیدنا حضرت بو علی شاہ قلندر

از مولانا سید محمد میاں قاری لیاقت علی امام مسجد درگاہ مخدوم صاحب پانی پت ہریانہ

Taj - Mahal and the Glory of Mughal Agra

By John Lall - Dn Dube

سفر نامہ ہند۔ از پروفیسر محمد اسلم

مراۃ السالکین فی حالات الکاملین۔ مراق الاخلاق

از مولانا مولوی محمد امام الدین لکھن وال ضلع گجرات

تذکرہ اولیائے ہند و پاکستان از ڈاکٹر ظہور الحسن شارب

منزل عقیدت حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ از خواجہ محمد احسن ایڈوکیٹ

ہند الولی غریب نواز۔ منشی عبد الحمید بھاری از حمید بک ڈپو چھتری گیٹ درگاہ اجمیر شریف

تاریخ ملت جلد سوم جناب مفتی زین العابدین۔ سجاد میرٹھی۔ جناب مفتی انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی

مسلمان حکمران مثالی دور۔ سلاطین دہلی پروفیسر غلام رسول

ماہنامہ درویش اولیاء نمبر لاہور

لطائف اشرفی از نظام الدین یمنی۔ تذکرہ شعرائے وارثیہ از میاں عطا اللہ شاگرد وارثی

خزینۃ الاصفیا از مفتی غلام رسول لاہوری

تذکرہ اولیائے کرام صباح الدین عبدالرحمٰن

لطائف اشرف ڈاکٹر سید محمد مظاہر اشرف

انوار اصفیاء شیخ غلام علی اینڈ سنز

ہندی مسلم تہذیب از قاضی جاوید

تاریخ شاہی از احمد یادگار ترجمہ سید قدیر نیازی

اولیائے راجپوت از راجہ محمد انور خان جنجوعہ

دہلی زیارت و آثار از سردار علی احمد خان

The Sultaate of Deli

By V.D Mahajan M.A PH.D

& Savitri Mahajan M.A

دیوان حضوری از پیر خلیل احمد گولیکی ضلع گجرات

واقعات دار لحکومت دہلی از بشیر احمد۔ اُردو اکیڈمی دہلی

اولیائے نمبر سیارہ ڈائجسٹ جلد اول دوم سوم چہارم

دہلی اور اُس کے اطراف مولانا حکیم سید الحئی۔ اُردو اکیڈمی دہلی

سوانح حیات حضرت شیخ طاہر بندگیؒ از پروفیسر سید خورشید حسین بخاری

کتاب الہند۔ البیرونی

اولیاء اللہ۔ ڈاکٹر عابد نظامی

سلاطین دہلی پروفیسر غلام رسول

A Short Account of Early Muslim Architecture

By KAC Creswell

بے تاج بادشاہ مقبول جہانگیر

انوار الشمس۔ حافظ شمس الدین گلیانی

گجرات تاریخ کے آئینے میں از ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ

پاکستان میں محبوبانِ خدا کے نو گز لمبے مزار از ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ

1 WORLD COIN ENCYCLOPEDIA BY EWALD JUNGE BARRIE & JENRING LONDON MELBORNE SYDNEY AUCKLAND WELLINGTON JOHANNES BORG.

2 CATALOGUE OF COINS IN THE LAHORE MUSEUM LAHORE VO-LUME IICOINS OF THE MUGHAL EMPERORS BY R.E WHITEND LAHORE MUSEUM LAHORE.

3.CATALOGUE OF COINS IN THE LAHORE MUSEUM LAHORE VOLUME III COINS OF NADIR SHAH AND THE DURRANI DYNAS- TY BY R.B WHITEHEAD LAHORE MUSEUM LAHORE.

4.CATALOGUE OF COINS IN THE PROVINCIAL MUSEUM LUCKNOW BY CJ BROWN COINS OF THE MUGHAL EPERORS VO I.

5.NOMENECATURE ORGIN AND HIS- TORY OF COINS OF INDO-PAKSITAN SUB CONTINENT BY REAR ADMI- RAL SOHAIL AHMAD KHAN S.Bt LEO BOOKS ISLAMABAD.

6 ANCIENT MEDIEVAL & RECENT HISTORY AND COINS OF PAKSITAN BY REAR AD-MIRAL SOHAIL AHMAD KAHAN CHAIRMAN PAKISTAN NOMISMATIC SOCI ETY LEO BOOKS ISLAMABAD.

7.THE COINS OF INDIA BY G.J HOOSE-VARANSI-DELHI.

8.ORIENTAL COINS AND THEIR VALUES THE ANCIENT & CLASSICAL WORLD COINS 600 BC-AD. 650 PERIOD BY MICHAEL MITCHINER HAWKINS PUBLICAS- TION LONDON.

9.18TH CENTURY EDITION 1701-1800 STANDARD CATA-LOGUE OF WORLD COINS BY CHESTER L KRAUSE AND CLIFFORD MISHIER ▮ COLIN R BRUCE II EDITOR.

10.GREEK COINS BY DABID SEAR VOLUME II ASIA & NORTH AFRICA SEA BY LONDON.

11.COINS IN- FERMATION BOOK BY JOHN POREOUS.

12.ORIENTAL NUMISMATIC SO- CIETY(NEWS LETTERS) PAKISTAN CHAPTER Mr S M MIRZA 2-98-E PANORAMA CENTRE BLUE AREA ISLAMABAD

13 SIKKOWN PAR ASHAAR BY SYED NOOR MOHAMMAD AKAILVI KHUDA BAKSH ORIEN-TAL PUBLIC LIBRARY PATNA.

14 LONGMAN ILLUSTRATED ENCYCLOPEDIA OF WORLD HISTORY BY LONG MAN GROUP LIMITED LONDON.

15.MEDIAEVAL INDIA UNDER MOHAMMEDAN RULE(AD 712-1764) BY STANLEY LANE - POOLE.

16.THE CELTIC WORLD BY BARRY CUNLIFFE CONSTABLE LONDON.

17. STUDIES IN ISLAMIC ARCHAEOLOGY OF PA KISTAN BY DR. AHMAD NABI KHAN(LAHORE).

18.THE PUNJAB A HUN- DRED YEARS AGO AS DESCRIBED BY B JACQUEMONT (1831) & A SOLTY KOFF(1842) PUNJAB GOVT. RECORD OFFICE(PUBLICATION LA-HORE).

19.GAZETTER OF THE GUJRAT DISTRICT BY H.S WILLIAM SON DAPUTY CONIRINEC.

20.SULEYMAN THE MAGNIFICIENT BY J M.ROG-ERS AND R.M.WARD BRITISH MUSEUM PUBLICATION.

21.THE OXFORD HISTORY PROJECT BY PETER MOSS

مصنّف کی دُوسری

زیرِ طبع

کتابیں

دنیا بھر میں پاکستان کا نام روشن کرنیوالوں کی پُرخلوص

جدّوجہد

صنعت وحرفت میں اس دھرتی کو اعلیٰ مقام

پر

پہنچانے والوں کے تعارف اور انکے صنعتی ادارے

گجرات

صنعت وحرفت کے آئینے میں

زیرِ طبع

تحریر: ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ ضلع کچہری گجرات

مُغلیہ دور سے لیکر موجودہ دور تک

علم و ادب کی دُنیا میں گجرات کا مقام

گجرات کی علمی ادبی شخصیات

شاعر، ادیب، دانشور اور محقق

زیرِ طبع ہے

تصنیف: محمد زمان کھوکھر ایڈووکیٹ

پسے ہوئے پریشاں حال

مسلمانوں میں نیا جذبہ، تڑپ پیدا کرنے والوں

برّصغیر میں آزادی کے لیے انگریز سامراج

سے

ٹکّر لینے والوں کی داستان

زیرِ طبع

خاکسار تحریک

اور

حضرت علامہ عنایت اللہ خان المشرقی

مصنّف: ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ

پنجابی میں کہاوت ہے } کچہری میں ٹالیوں کے پتر بھی پیسے مانگتے ہیں!

نوآبادیاتی نظام میں جکڑا ہوا عدالتی نظام
محکمہ مال اور سادہ لوح عوام

مختلف محکموں کی کارستانیاں اور ـــ افسر شاہی، مظلوم
انصاف کی دہلیز پر

غریبوں کیلئے مفت قانونی امداد

کچہری میں 30 تیس سال

مُصنّف
ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ

عنقریب شائع ہو رہی ہے!!

جاگیرداری اور سرمایہ داری نظام میں

انسان کے ہاتھوں انسان کا استحصال

زوال پذیر نظام کے آخری ایام

زیرِ طبع

ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ

A solemn effort

The Nation
On Sunday
LAHORE,
APRIL 25, 1999

A W GHAUS CHAUDHARY reviews a book which lists the shrines of sufis and other historical monuments

Janoobi Punjab, Sindh, and Balochistan mein Aulias Karam
Author: M. Zaman Khokhar
Publisher: Yasar Academy, Gujrat
Price: Rs 300, Pages: 608

Islam was not radiated by the Muslim invaders. It were the sufis who carried out this task with earnest and untining efforts despite the fact that they were subjected to various sorts of tortures and uncongenial circumstances. These sufis did not mend to their native countries after they settled in the sub-continent. Now their shrines have become places of reverence and inspiration. These are not concentrated at one place. Throughout the sub-continent, we find a very large number of shrines which are being revered by people from all walks of life and, in some cases, by individuals professing different religions. Although masses are frequent visitors but affluents are among the adherents.

The book under review is the fifth volume which is documenting the details of contributions, mausoleums of aulias and sufis in the Northern Punjab, Sindh and Balochistan. Other than sufis, he has written about some known personalities of history. Moreover, he has mentioned some details about various places. These informations are enough for casual readers who are not interested in details. The author has taken great pains in collecting data, pictures and then visualising them from his personal perspective. He has travelled through hills, woods and deserted regions to complete this splendid work. This shows his dedication and determination. He seems to be a blessed soul to carry out such a work.

The first essay of the book is about Minar-e-Pakistan. Secondly, he gives data about Pakistan's territory, awards, presidents, prime ministers, constitutions, elections, the names of the Chief Justices of the Supreme Courts of Pakistan, aulias, writers and provinces.

The first notable portion is about Hazrat Data Ganj Bux, famously known as Data Sahib. I am not and cannot be in a position to write, utter or conceive even a single word about Data Sahib. But I strongly feel that this should have the first chapter instead of appreciations of various persons. BB Pak Daman is the second mention. It is definitely informative.

The next section is about Aulia Karam of Lahore and in various areas like Gujrat. It is considerably a fair mention.

The next chapter is about Lahore's ancient, historical and spiritual places and the author identifies it as a place where the fates of Kings used to be decided. He has enumerated various buildings, roads and shopping malls. He has introduced twelve gates of old Lahore. It is depressing that these ancient buildings are losing their charm and we are still careless about their deteriorating condition. There are persistent ignominious efforts to marring the beauty and existence of these historical monuments. The author aptly remarks that history is mourning on these monuments. One must appreciate the author for his effort which he has put to provide information about these places. However, fresh pictures should have been part of this description.

Next cite is of Adlia Karams who have been buried in district Sheikhupura. It is may also be called as the 'Land of Waris Shah'. The author has given information about various sufis. An interesting feature is of Nou Gazz Lambay Mazaars. He has also written a good essay about Baba Guru Nanak and Sikhism. Then he moves to Sargodha.

He has given an exclusive description of Kasur, Okara, Chuniya, Dipalpur and Pakpattan Sharif. He has written about all the shrines of sufis. It is an appreciative depiction.

Definitely it is a positive effort. It should be appreciated. But the arrangement of chapters is not in an order. One subject should have been discussed in one chapter instead of pulling it into regions and then regions creeping into the vicinity of the sufis and aulias. ■

ماہنامہ الملنگیہ ادکاڑا

جلد نمبر ۹ ماہ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ بمطابق جولائی ۱۹۹۹ء، ۹/۴ شمارہ نمبر ۴

تبصرۂ کُتب

مصنفین تبصرے کے لئے اپنی کتابیں بھیج سکتے ہیں۔ (ادارہ)

- نام کتاب، "جنوبی پنجاب سندھ، بلوچستان میں اولیاء کرام"
- مصنف: ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ
- ناشر: یاسر اکیڈمی بالمقابل گلی سیشن ہاؤس کچہری روڈ گجرات
- صفحات: (۶۰۰) چھ سو
- قیمت: ۳۰۰/- تین سو روپے

کتاب "جنوبی پنجاب سندھ بلوچستان میں اولیائے کرام" ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ کی تحقیقی کاوش ہے۔ جو کہ تاریخ اور تصوف سے لگاؤ رکھنے والے قارئین کیلئے ایک انمول تحفہ ہے جس میں جنوبی پنجاب۔ سندھ۔ بلوچستان کے اولیائے کرام کا تذکرہ اور قدیمی تاریخی روحانی مقامات کا ذکر ہے نیز اہم مقامات کی تصاویر بھی شائع کی گئی ہیں۔

یہ کتاب مصنف کی سلسلہ وار پانچویں اشاعت ہے اس سے قبل بھی شائع شدہ کتب بے حد مقبول ہوئیں اور ملک بھر میں بھی بڑی پذیرائی حاصل ہوئی کتاب واقعی مصنف کی انتھک محنت اور تحقیق کا نچوڑ ہے اور مصنف کی اولیائے کرام، بزرگانِ دین سے والہانہ عقیدت و محبت کا ثبوت ہے۔ کتاب کا سرورق رنگین اور اولیائے کرام کے مزارات و قدیمی تاریخی مقامات کی جھلک پیش کرتا ہے۔ اولیاء کرام سے عقیدت رکھنے والے حضرات کیلئے یہ کتاب گراں قدر سرمایہ ہے۔ اولیائے کرام کی حالاتِ زندگی، واقعات، تعلیمات روحانی و دینی خدمات ملاحظہ فرمائیں۔

مصنف ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ جو کہ معروف قانون دان اور محقق ہیں ان کی باقی کتب،

- "گجرات تصاویر کے آئینے میں"۔ "سیالکوٹ سے خیبر تک"
- "پاکستان میں محبوبانِ خدا کے نو گز لمبے مزار"،
- "گندھارا تہذیب تصاویر کے آئینے میں"۔
- "خطہ یونان گجرات"۔

مصنف کی ان کتابوں پر تبصرہ اِنْشَاءَاللہ الملنگیہ کے آئندہ شماروں میں شائع کیا جائے گا۔

کتاب "جنوبی پنجاب میں اولیاء کرام" کے صفحہ ۲۹۹ پر اولیائے اوکاڑا کے ذکر میں حضرت ملنگی بابا اولیاء کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔

THE DAILY JANG LAHORE

روزنامہ
جنگ لاہور

بانی میر خلیل الرحمٰن

صفحات 16 قیمت 5 روپے

رجسٹرڈ سی پی ایل 219

6367480183

جلد 20	جمعہ 28 ذوالحج 1419ھ 16 اپریل 1999ء 3 بیساکھ 2056ب	شمارہ 182

DAILY
NAWA-I-WAQT
LAHORE

روزنامہ
نوائے وقت لاہور

بانی حمید نظامی مرحوم — ایڈیٹر مجید نظامی

لاہور، کراچی، راولپنڈی/اسلام آباد اور ملتان سے بیک وقت شائع ہوتا ہے

جلد		صفحات	رجسٹرڈ نمبر ایل	شمارہ
59	بدھ 19 ذوالحج، 7 اپریل 1999ء، 25 چیت 2055ب فون نمبر 54 - 6367551 - 6302050 قیمت 7 روپے	18	203	14

جنوبی پنجاب سندھ بلوچستان میں اولیائے مقامات شائع ہو گئی

گجرات (نامہ نگار) گجرات کے معروف قانون دان ادیب محقق ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ کی پانچویں کتاب "جنوبی پنجاب سندھ بلوچستان میں اولیائے کرام قدیمی تاریخی روحانی مقامات" شائع ہو گئی ہے۔ کتاب باتصویر ہے۔ اس میں معلومات پاکستان کے علاوہ لاہور کی مکمل تاریخ اور صوفیائے کرام کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ شیخوپورہ، گردواروں کا شہر ننکانہ صاحب، حافظ آباد آستانہ صابری کلس شریف، وادی سون، قصور، چونیاں، اوکاڑہ، پاکپتن، ساہیوال، ہڑپہ، فیصل آباد، جھنگ، وہاڑی، خانیوال، اولیائے کرام کی سرزمین ملتان، مظفر گڑھ، ڈیرہ غازی خان، راجن پور، بہاولپور، چولستان، اوچ شریف، وادی ہاکڑہ، رحیم یار خان کے علاوہ سندھ میں اولیائے کرام قدیمی تاریخ روحانی مقامات بالخصوص ٹھٹھہ موہنجوداڑو کی مکمل تفصیل صوبہ بلوچستان کی تاریخ اور صوفیائے عظام اور بلوچستان کے مشہور شہروں کوئٹہ کا ذکر موجود ہے۔ پنجاب سندھ بلوچستان میں آثار گزرگاہوں تباہ شدہ شہروں قلعوں کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

جریدۂ ادب

"جنوبی پنجاب، سندھ، بلوچستان میں اولیائے کرام"

گجرات میں مقیم معروف محقق ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ کی کتاب "جنوبی پنجاب سندھ بلوچستان میں اولیائے ...... قدیم تاریخی، روحانی مقامات" شائع ہو گئی ہے۔ یہ سلسلہ وار پانچویں اشاعت ہے۔ کتاب میں اولیائے کرام کے حالات زندگی اور ان کی کرامات، قدیمی تاریخی روحانی مقامات کی تفصیل موجود ہے۔

ایم زمان کھوکھر کی پانچویں کتاب شائع ہو گئی

گجرات (پ ر) گجرات کے معروف قانون دان، ادیب، صحافی، محقق ایم زمان کھوکھر ایڈووکیٹ کی تحریر کردہ پانچویں کتاب جنوبی پنجاب سندھ بلوچستان میں اولیائے کرام قدیم تاریخی روحانی مقامات شائع ہو گئی ہے۔ کتاب باتصویر ہے اس میں معلومات پاکستان کے علاوہ لاہور کی مکمل تاریخ اور صوفیائے کرام کا تذکرہ کیا گیا ہے شیخوپورہ، گردواروں کا شہر ننکانہ صاحب، حافظ آباد، آستانہ صابری کلس شریف، وادی سون، قصور، چونیاں، اوکاڑہ پاک پتن، ساہیوال، ہڑپہ، فیصل آباد، جھنگ، وہاڑی، خانیوال، اولیائے کرام کی سرزمین ملتان، مظفر گڑھ، ڈیرہ غازی راجن پور، بہاولپور، چولستان، اوچ شریف، وادی ہاکڑہ، رحیم یار خان کے علاوہ سندھ میں اولیائے کرام قدیمی تاریخی روحانی مقامات بالخصوص ٹھٹھہ، موہن جوڈارو کی مکمل تفصیل صوبہ بلوچستان کی تاریخ اور صوفیائے عظام اور بلوچستان کے مشہور شہروں بالخصوص کوئٹہ کا ذکر موجود ہے۔

ہفت روزہ سندھ ٹائم

اسلام آباد پاکستان

۱۸ اپریل ۱۹۹۹ء

اولیائے ہند اور مسلمانوں کی عظمت کے نشان

دہلی کی کہانی تصاویر کی زبانی

ہندوستان میں مذہبی روحانی مقامات کے علاوہ مسلمان حکمرانوں
کی تعمیر کردہ عمارات اور یادگاریں

سلسلہ وار
چھٹی اشاعت

مصنف
ایم زمان کھوکھر
ایڈووکیٹ آف گجرات